سسپنس ڈائجسٹ کا مشہور سلسلہ
دیوتا
پندرھواں حصّہ

دیوتا

فرہاد علی تیمور

ایک دراز دست شخص کی سرگزشت، ایک فسوں کار کا قصہ، جس کا جیا دو سر چڑھ کر بولتا تھا۔ اس شورہ پشت، شوریدہ سر کا احوال، ایک عالم جس کے خون کا پیاسا تھا۔

یہ جو کچھ ہو رہا تھا میرے سامنے نہیں ہو رہا تھا۔ دی کلر آندھی طوفان کی طرح آیا تھا۔ پھر اس نے بلڈوزر کی طرح دروازے کو توڑ کر رکھ دیا تھا مگر وہ میرے کمرے کا دروازہ نہیں تھا۔

میں اپنے کمرے میں محفوظ تھا اور میرے کمرے کا دروازہ صحیح سلامت تھا۔ دی کلر میرے سامنے نہیں تھا۔ اسے تو میں ٹیلی پیتھی کی آنکھ سے دیکھتا آ رہا تھا۔ اس کے آنے کا انداز ایسا تھا جیسے میری ہی طرف آ رہا ہو کیوں کہ وہ ہوٹل ہنی مون میں آیا تھا اور میں بھی ہنی مون میں ہی تھا۔ پھر وہ چوتھے فلور پر آیا تھا اور میں بھی چوتھے فلور پر تھا۔ وہ فرہاد کو موت کی نیند سلانے آیا تھا اور میں ہی فرہاد ہوں۔

لیکن وہ دروازہ جس پر اس نے گھونسا مار کر شگاف ڈال دیا تھا، میرے پڑوس والے کمرے کا دروازہ تھا۔ دروازے پر زلزلہ آتے ہی جارج باڈی بلڈر کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ تب میری سمجھ میں آیا کہ ماسٹر کی کا آلۂ کار جارج باڈی بلڈر میرے ساتھ والے کمرے میں ہے۔

جب میں باڈی بلڈر کے لب و لہجے کی شناخت کرانے شیبا کو اس کے دماغ میں لے گیا تھا تب ہم نے یہ معلوم نہیں کیا تھا کہ وہ کہاں رہتا ہے۔ اب پتا چلا کہ وہ ہوٹل ہنی مون میں ہمارا پڑوسی تھا۔ شاید مجھ پر نظر رکھنے کے لیے اس نے پاس والا کمرا لے رکھا تھا۔

بہرحال جو کچھ ہوا تھا، ہمارے حق میں بہتر ہوا تھا۔ ہماری تدبیر کام آئی تھی۔ شیبا نے باڈی بلڈر کے لب و لہجے میں فرہاد بن کر دی کلر کو چھیڑا تھا۔ پُراسرار شخص کا دعویٰ تھا کہ دی کلر سوچ کے لہجے کو گرفت میں لے کر خیال خوانی کرنے والوں تک پہنچ جاتا ہے۔ اس کا آدھا دعویٰ درست ثابت ہوا تھا۔ وہ لہجے کو گرفت میں لے کر باڈی بلڈر تک پہنچ گیا تھا۔

میں نے ٹیلی پیتھی کی آنکھ سے دیکھا، کمرے کا دروازہ ٹوٹ چکا تھا۔ اور ٹوٹے ہوئے دروازے پر ایک انسان نما پہاڑ کھڑا ہوا تھا۔ جارج نے گھبرا کر پوچھا: "دی کلر! تم میرے پاس کیوں آئے ہو اور یہ کیا انداز ہے۔ تم نے دروازہ کیوں توڑ دیا؟"

وہ شکستہ دروازے سے گزرتے ہوئے غرایا۔ اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولا "بھول بھول، فرہاد! اب تم پلاسٹک سرجری کے ذریعے بھی نہیں چھپ سکو گے۔"

"پلاسٹک سرجری؟" جارج نے سہم کر اپنے چہرے پر ہاتھ رکھا۔ وہ سچ مچ پلاسٹک سرجری کے پیچھے چھپا ہوا تھا۔

مگر فرہاد نہیں، وکٹر تھا۔ اس نے ہکلاتے ہوئے کہا "تت تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"وہی جو تم خیال خوانی کے ذریعے میرے دماغ میں بول چکے ہو۔"

"خخ... خخ... خیال خوانی؟ کیا... کیا تم مجھے فرہاد سمجھ رہے ہو؟"

وہ پیچھے ہٹ رہا تھا مگر غیر معمولی ہاتھ اتنے لانبے تھے کہ دور ہی سے گردن تک پہنچتے ہوئے لگتے تھے۔ اس نے کہا "بچ کر کہاں جاؤ گے۔ موت کے ہاتھ لمبے ہوتے ہیں، بھول بھول، بھول!"

اس نے ایک ہاتھ سے دبوچ لیا۔ باڈی بلڈر بھی چوہا نہیں تھا۔ اس نے پوری قوت سے اس کے ہاتھ پر ہاتھ مارا پھر خود کو چھڑا کر دور ہو گیا۔ ایک ایک قدم پیچھے ہٹتے ہوئے بولا "پہلے میری بات سن لو ورنہ تم غلط فہمی میں مجھے مار ڈالو گے۔"

"بھول، بھول، مجھے غلط فہمی؟ کیا تم وکٹر نہیں ہو؟"

"آں؟" پہلے تو وہ گڑبڑایا پھر بولا "نن۔ نہیں، میں میرے چہرے کو دیکھ لو، میں میک اَپ میں نہیں ہوں، یہ میرا اصلی چہرہ ہے۔ میں جارج ہوں۔"

وہ غرایا "غرر غرر۔ تم جارج بھی ہو، وکٹر بھی ہو اور فرہاد بھی۔ اب موت کو سامنے دیکھ کر گھبراتے کیوں ہو، اپنی ٹیلی پیتھی کی طاقت آزماؤ۔"

میں نے فوراً ہی اسے جھٹکا پہنچایا۔ وہ چیخ مار کر ذرا لڑکھڑایا۔ میں پہلے دیکھ چکا تھا کہ وہ فوراً سنبھل جاتا ہے۔ اس کے سنبھلنے سے پہلے ہی میں نے جارج کو فلائنگ کک مارنے پر مجبور کیا۔ وہ لات کھاتے ہی پیچھے صوفے سے ٹکرایا، اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا، صوفے کے ساتھ دوسری طرف الٹ گیا۔

جارج کا حوصلہ بڑھ گیا تھا۔ وہ اچھل کر اس کے سینے پر کھڑا ہو گیا۔ اس کے منہ پر ٹھوکر ماری۔ دی کلر نے اس کی ٹانگ کو پکڑ کر چھت کی طرف اچھال دیا۔ اس بار میں نے ہوٹل ہنی مون کے منیجر کے انداز میں قہقہہ لگایا پھر اس کے لہجے میں کہا "دی کلر! تمھارے باس کا آدھا دعویٰ غلط ہے، تم خیال خوانی کرنے والے تک نہیں پہنچ سکتے۔ اس بار میں ہنی مون کا منیجر بن کر بول رہا ہوں۔ تم لہجے کو پکڑ کر منیجر کی طرف تو جا سکتے ہو، میری طرف نہیں آ سکتے۔"

وہ باڈی بلڈر سے مار کھانے کے بعد جھنجلا گیا تھا اور اس کی طرف غراتے ہوئے بڑھ رہا تھا۔ پھر اچانک ہی رک گیا۔ یوں منہ بنانے لگا جیسے کچھ سن رہا ہو۔ میں نے فوراً ہی اس کے دماغ میں چھلانگ لگائی۔ اس کے دماغ میں اس کی سوچ کہہ رہی تھی۔

"مجھے جارج پر حملہ نہیں کرنا چاہیے۔ اس کی بات کو سمجھنا چاہیے۔ ابھی اس نے منیجر کی آواز میں مجھے مخاطب کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ مجھے بیوقوف بنا رہا ہے۔"

میں نے کہا "میں نہیں، تمھارا باس تمھیں بے وقوف بنا رہا ہے۔ جہاں فرہاد کی بو ملتی ہے وہاں تمھیں دوڑا دیتا ہے۔ اگر یہ دعویٰ ہے کہ ٹیلی پیتھی کی لہروں کو گرفت میں لے کر تم فرہاد تک پہنچ جاؤ گے تو آؤ پہنچو۔"

میں نے جارج کے دماغ کو آزاد چھوڑا تو اس نے کہا۔ "دی کلر! تم نے دیکھ لیا کہ میں بے قصور ہوں۔ فرہاد مجھے ٹریپ کر رہا ہے۔"

اس وقت تک ہوٹل کا عملہ وہاں آ گیا تھا۔ بوڑھا منیجر دی کلر سے درخواست کر رہا تھا کہ اب وہ مزید توڑ پھوڑ نہ کرے۔ اس توڑ پھوڑ کرنے والے کے خلاف رپورٹ درج نہیں کرائی جا سکتی تھی۔ کیوں کہ پورا شہر پُراسرار باس کا فرماں بردار تھا۔ دوسرے لفظوں میں اس شہر کے لوگ اس باس کی رعایا تھے اور وہ ان کا نادیدہ حاکم تھا۔ اسی لیے کوئی دی کلر کے خلاف قانونی چارہ جوئی کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

ان کی باتوں کے دوران میں نے شیبا سے کہا "اب تم مادام کمپیوٹر کی حیثیت سے اس پُراسرار شخص تک یہ اطلاع پہنچاؤ کہ جارج واقعی دُہری چال چل رہا ہے اور دراصل یہ وکٹر ہے۔"

شیبا نے اس پُراسرار شخص کے ایک خاص ماتحت کے دماغ میں پہنچ کر چپکے سے کہا "میں مادام کمپیوٹر بول رہی ہوں۔ فرہاد چونکہ اُدھر مصروف ہے، اس لیے اِدھر مجھے ٹریپ نہیں کر سکے گا۔ میں اس بات کی تصدیق کر رہی ہوں کہ جارج دراصل وکٹر ہے اور ماسٹر جی کا خاص آدمی ہے۔ اس نے تقریباً دو گھنٹے پہلے اپنے ماسٹر جی کے پاس خفیہ پیغام نشر کیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ڈاکٹر میکاکس، رسونتی کو لے کر ہاربے سے جانے والا ہے۔"

جو شخص پُراسرار بنا ہوا تھا۔ وہ اپنے ماتحتوں پر بہت کم اعتماد کرتا تھا۔ اور جارج پر تو پہلے ہی شبہ تھا، میں نے اسے وکٹر کہا تھا، دوسری طرف شیبا اس کی تصدیق کر رہی تھی۔ ایسے میں وہ جارج کو چھوڑ نہیں سکتے تھے۔ اسے ہلاک تو نہیں کیا گیا مگر گرفتار کر لیا گیا تھا تاکہ اسے ٹارچر چیمبر میں بھیج کر اس پر اذیتوں کی انتہا کر دی جائے اور اس سے اصلیت اگلوائی جائے۔

اس طرح میں نے جارج باڈی بلڈر کو راستے سے ہٹا دیا۔ دوسرے اس پُراسرار شخص تک یہ بات پہنچا دی کہ ماسٹر جی کے

آدمی میکاکس اور رسونتی کا تعاقب ضرور کریں گے۔

پُراسرار باس کے خاص ماتحت نے مجھے مخاطب کیا۔ "مسٹر فرہاد! میں آپ سے ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ کیا آپ یہاں کسی کے دماغ میں موجود ہیں؟"

"میں تمھارے ہی پاس ہوں۔"

وہ ذرا سا چونک گیا، ذرا سا سہم گیا۔ پھر جبراً مسکراتے ہوئے بولا "خوش آمدید، اب میں زبان سے نہیں بولوں گا سوچتا رہوں گا۔ یقیناً آپ میری سوچ پڑھتے رہیں گے۔"

وہ وہاں سے چلتا ہوا ہوٹل کے دوسرے حصے میں جانے لگا۔ اس کی سوچ کہہ رہی تھی "مسٹر فرہاد! ہم یہی چاہتے تھے کہ آپ رسونتی تک ضرور پہنچنے کی کوشش کریں۔ ہمارا یہ مقصد پورا ہو رہا ہے۔"

میں نے کہا "میں بھی نادان نہیں ہوں۔ کل سے ہاربے میں اپنے ایک آدمی کے ذریعے موجود ہوں۔ میں کبھی خود کو ظاہر نہ کرتا لیکن دی کلر کو آزمانا پڑا کہ وہ سوچ کی لہروں کو گرفت میں لیتا ہے یا نہیں۔"

اس بوڑھے ماتحت نے کہا "دی کلر کی وجہ سے ابھی آپ کو اور کیا کچھ کرنا ہوگا یا اور کس طرح بار بار ہمارے سامنے آنا پڑے گا، یہ تو آنے والا وقت ہی بتلائے گا۔"

"تم نے چیلنج کرنے کے لیے مجھے دماغ میں بلایا ہے؟"

"میں تمھاری خوش فہمی ختم کرنا چاہتا ہوں۔ اور تمھیں بتانا چاہتا ہوں کہ ہم نے کیسے کیسے ... جمع کیے ہیں۔ اس بار ہمارے ساتھ ٹیلی پیتھی کی قوت بھی ہے۔ مادام کمپیوٹر سے ہمارا معاہدہ ہو چکا ہے۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا "اس مادام کمپیوٹر کا ذکر کر رہے ہو جو مجھ سے ڈر کر کسی کے دماغ میں آتی نہیں ہے۔ آتی ہے تو چپ رہتی ہے۔ بولنے کی جرأت نہیں کر سکتی۔ اگر وہ ڈاکٹر میکاکس کے ذریعے تم لوگوں سے رابطہ قائم کرتی ہے تو اب نہیں کر سکے گی کیوں کہ میکاکس، رسونتی کے ساتھ ہے اور میں ہمیشہ میکاکس کے دماغ میں آتا جاتا رہوں گا۔"

"مادام کمپیوٹر بھی چالیں چلنا جانتی ہے۔ ہمارا کوئی آدمی بالکل گونگا بن کر رہے گا اور وہ صرف مادام کمپیوٹر کا آلۂ کار رہے گا۔ تم کبھی اس کی آواز نہیں سن پاؤ گے اور نہ ہی اس کے دماغ میں پہنچ سکو گے۔ صرف مادام کمپیوٹر وہاں جائے گی۔ اور اس کے ذریعے ہم سے رابطہ قائم کرے گی اور تمھارے متعلق اہم اطلاعات فراہم کرتی رہے گی۔"

"اور کچھ؟"

"ہم جانتے ہیں، تم بابا فرید واسطی صاحب کے ادارے سے امداد حاصل کرو گے مگر یاد رکھو، ہم غافل نہیں ہیں۔ بابا صاحب کے ادارے سے آنے والوں کو اس طرح ٹھکانے لگائیں گے کہ تمھارے بھی ہوش اڑ جائیں گے۔ پھر یہ کہ اب تمھارے مقابلے میں ہماری طرف سے جو خطرناک قسم کے قاتل ٹکرائیں گے وہ سب یوگا کے ماہر ہوں گے۔ تمھاری ٹیلی پیتھی ان پر اثر نہیں کرے گی۔"

"واقعی بڑے بھیانک منصوبے پیش کر رہے ہو۔ کیا میں ڈر جاؤں یا تمھارے باس سے دوستی کر لوں؟"

"تم جسے دشمن سمجھ لیتے ہو، اس سے کبھی دوستی نہیں کرتے۔ اسرائیلی حکام نے برسوں ایڑی چوٹی کا زور لگا لیا مگر تمھیں دوست نہ بنا سکے۔ سپر ماسٹر اور ماسک مین وغیرہ نے بھی اپنی سی کوششیں کر لیں مگر تمھارے دماغ میں یہ خوش فہمی سما گئی ہے کہ تم دنیا والوں کو دشمن بنا کر تنہا زندہ رہ سکتے ہو اور یہ خوش فہمی تمھیں بہت جلد عبرت ناک انجام تک پہنچانے والی ہے۔"

میں نے اسے جماہی لینے پر مجبور کیا۔ پھر کہا "تمھیں نیند آ رہی ہے۔ نیند کی حالت میں بڑبڑاتے جا رہے ہو، بہتر ہے سو جاؤ۔"

"میں ضروری باتیں کر رہا ہوں اور تم اسے بڑبڑانا کہتے ہو۔"

"میں کہتا ہوں سو جاؤ یا پھر مجھے سونے دو ورنہ تمھیں ٹیلی پیتھی کی نیند سلا دوں گا۔"

یہ کہہ کر میں اس کے دماغ سے چلا آیا۔ دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہوا پھر شیبا سے کہا "رات زیادہ ہو رہی ہے، اب تم آرام سے سو جاؤ میں بھی پانچ گھنٹے تک سوتا رہوں گا، تم چھ گھنٹے کے بعد کسی وقت بھی مجھ سے رابطہ قائم کر سکتی ہو۔"

"کیا تم مجھ سے رابطہ قائم نہیں کرنا چاہتے ہو؟"

"ضرور چاہتا ہوں۔ میں تو جب چاہوں آ سکتا ہوں مگر سوچتا ہوں، جس وقت میں تمھارے دماغ میں پہنچوں اس وقت تم تنہائی کے کس عالم میں ہو گی، کیا سوچ رہی ہو گی۔ کیا کر رہی ہو گی لہٰذا تمھیں میرے پاس آنا چاہیے۔"

وہ فی امان اللہ کہہ کر جانا چاہتی تھی۔ میں نے کہا "یہ رخصت ہونے کا انداز تم نے بابا فرید واسطی صاحب کے ادارے میں سیکھا ہے ورنہ تم تو یہودی لڑکی ہو۔"

وہ مسکرانے لگی پھر سنجیدہ ہو کر بولی "فرہاد! ایک بات سے ڈر لگتا ہے۔"

"تم کون کون سی بات سے ڈرتی ہو؟ مجھے آج بتا دو۔"

"کبھی کبھی یہ سوچ کر گھبرا جاتی ہوں کہ کہیں تم آہستہ آہستہ مجھے اپنے مذہب کی طرف مائل نہ کرلو۔"

میں نے مسکرا کر کہا "ہمارے اسلام میں کسی کو جبراً اپنی طرف مائل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ جب تک دل مائل نہ ہو، اس وقت تک انسان نہ تو انسان سے محبت کرسکتا ہے اور نہ خدا سے۔ میں اور جناب شیخ الفارس نے بارہا تمھیں یقین دلایا ہے کہ بابا صاحب کے ادارے میں رہ کر بھی تم آزاد ہو، جب چاہے وہاں سے جاسکتی ہو، جب چاہو ہم سے ناتا توڑ سکتی ہو۔"

اس نے آہستگی سے کہا "کیا تم یہ چاہتے ہو؟"

"میں کبھی نہیں چاہتا۔ ہم تمام عمر بہت اچھے دوست بن کر ایک دوسرے کے کام آسکتے ہیں۔"

وہ رخصت ہوگئی۔ میں نے مادام کمپیوٹر بن کر پُراسرار شخص کے ایک اور اہم آدمی کو ٹریپ کیا، اس کے دماغ پر قابض ہوکر کہا "میں تمھاری ہی سوچ میں بول رہی ہوں۔ میں مادام کمپیوٹر ہوں۔ چوں کہ فرہاد کسی وقت بھی تمھارے دماغ میں آکر مجھے ٹریپ کرسکتا ہے اس لیے میں اپنے لب و لہجے میں نہیں بول سکتی، جو کہہ رہی ہوں اسے غور سے سنو اور میری بات اپنے باس تک پہنچا دو۔"

وہ توجہ سے سن رہا تھا۔ میں نے کہا "تھوڑی دیر پہلے تمھارا ایک بوڑھا ساتھی جب فرہاد سے باتیں کر رہا تھا تو میں چُپ چاپ تمھارے آدمی کے دماغ میں پہنچ گئی مجھے یہ تدبیر پسند آئی ہے کہ تمھارا ایک آدمی گونگا بنا رہے گا۔ فرہاد اس کی آواز کبھی نہیں سن سکے گا۔ صرف میں ایک بار اس کی آواز سنوں گی اور پھر چپ چاپ اس کے پاس آکر اہم اطلاعات فراہم کرتی رہوں گی۔ لہٰذا ایسے ایک شخص کا فوراً انتظام کیا جائے۔ کوئی ایسا شخص ہونا چاہیے جو ڈاکٹر میکاکس کی طرح ذہین بھی ہو اور اچھا فائٹر بھی۔"

پندرہ منٹ کے اندر وہ شخص مجھے ایک کیسٹ سنا رہا تھا۔ اس کیسٹ میں ایک شخص کی آواز تھی اور میں اس کے لب و لہجے کو گرفت میں لے رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "مادام کمپیوٹر! مجھے آپ ... کا آلۂ کار بن کر بے حد خوشی ہوگی۔ مجھے چارلی چاپلن کہتے ہیں۔ آپ صرف چارلی کہہ سکتی ہیں اور مجھ پر اعتماد کر سکتی ہیں ویسے ... آپ میرے دماغ میں رہ کر مجھ پر اعتماد کرنا سیکھ لیں گی۔ یہ کیسٹ ابھی ضائع کردیا جائے گا۔ اس کے بعد پھر میرے منہ سے کوئی آواز نہیں نکلے گی۔ میں اپنے سائے سے بھی گفتگو نہیں کروں گا۔ ہمیشہ گونگا بن کر رہوں گا۔ اوکے سو فار۔"

میں نے اس کی آواز سننے کے بعد اس شخص سے کہا "میں نے چارلی کی آواز اور لب و لہجے کو اچھی طرح سمجھ لیا ہے۔ وہ کیسٹ فوراً ضائع کردیا جائے۔ آئندہ میں چارلی کے ذریعے رابطہ قائم کیا کروں گی۔ اب جا رہی ہوں۔ تھوڑی دیر آرام کروں گی۔"

میں پھر اپنے کمرے میں حاضر ہوگیا۔ رسونتی بستر پر بے خبر سو رہی تھی۔ میں نے اسے تنویمی عمل کی نیند سلایا تھا۔ وہ صبح سات بجے سے پہلے بیدار نہ ہوتی۔ میں نے بھی ایک صوفے پر لیٹ کر اپنے دماغ کو ہدایت دی، صبح سات بجے تک سونے کا وقت مقرر کیا پھر گہری نیند میں ڈوب گیا۔

حالات بڑے ظالم تھے۔ میں اپنی شریکِ حیات کے ساتھ ہوٹل ہنی مون کے کمرے میں تھا۔ لفظ ہنی مون ہی جذبۂ محبت کو بھڑکانے کے لیے کافی ہوتا ہے اور اِدھر میری شریکِ حیات میرے ساتھ تھی۔ میرے سامنے بستر پر محوِ خواب تھی اور میں اس کے پاس نہیں جاسکتا تھا۔ ایک صوفے پر سو رہا تھا۔

میں وقتِ مقررہ پر بیدار ہوگیا۔ باتھ روم میں جاکر غسل وغیرہ کرنے کے دوران شیخ الفارس سے رابطہ قائم کیا۔ انھوں نے بتایا کہ بابا صاحب کے ادارے کے بہت سے ماہرین برسوں پہلے سے جنوبی امریکا میں موجود ہیں اور بہت سے ماہرین روانہ ہوچکے ہیں۔

میں انھیں دی کلر کے متعلق بتانا چاہتا تھا، انھوں نے کہا "شیبا نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے۔ ایک تو وہ پُراسرار شخص تمھیں امریکا کی حدود سے باہر نہیں جانے دے گا، دوسرے دی کلر تمھارے پیچھے سائے کی طرح لگا رہے گا۔ پھر یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ آئندہ تمھارے مقابلے میں سبھی یوگا کے ماہر آئیں گے۔ میری موجودہ معلومات کے مطابق دریائے ایمیزن کے ساحلی شہروں اور بستیوں میں زبردست ناکہ بندی کی جارہی ہے اور اس بات کا حساب کیا جارہا ہے کہ آج سے کون اجنبی ان شہروں اور بستیوں میں داخل ہوتا ہے، جو بھی نئے لوگ وہاں آئیں گے، وہ بابا صاحب کے ادارے سے تعلق رکھنے والے سمجھے جائیں گے۔"

میں نے کہا "اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ بابا صاحب کے ادارے سے ہمارے ماہرین کی نئی کھیپ نہیں بھیج سکیں گے۔"

"میں بھیج رہا ہوں۔ اگر وہ لوگ پابندیاں عائد کرنا جانتے ہیں تو ہمیں پابندیوں کو توڑنے کا فن آتا ہے۔ اللہ نے چاہا تو تم رسونتی کو یہاں لاسکو گے لیکن اس دوران سونیا اور اعلیٰ بی بی کا سراغ مل جائے تو بہتر ہوگا کیوں کہ رسونتی کو وہاں سے لانے کے بعد پُراسرار شخص بہت زیادہ محتاط ہوجائے گا۔ سونیا اور اعلیٰ بی بی پر بڑی سخت پابندیاں عائد ہوں گی۔"

میں ان سے کہنا چاہتا تھا کہ میں آج ہی رسونتی کے ساتھ سفر کا آغاز کروں گا لیکن یہ بات نہ کہہ سکا۔ اچانک ہی مجھے رسونتی کے رونے کی آواز سنائی دی۔ میں ایک دم سے پریشان ہوکر باتھ روم سے باہر آیا۔ دیکھا تو وہ بستر پر بیٹھی رو رہی تھی۔ میں نے پوچھا "کیا ہوا؟"

وہ مجھے دیکھ کر چپ ہوگئی، پھر آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔ "مجھے اکیلے میں ڈر لگتا ہے۔"

"تعجب ہے۔ تمھیں دن کے وقت ڈر لگتا ہے۔"

"میں دن کی بات نہیں کر رہی ہوں۔ میں تو یہ سوچ کر رو رہی ہوں کہ رات بھر اس کمرے میں اکیلی تھی اور تم باتھ روم میں سو رہے تھے۔ اگر کوئی مجھے اٹھا کر لے جاتا تو...!"

"تم اتنی بڑی ہوکر ڈرتی ہو؟"

"میں بڑی کہاں ہوں۔"

"کیا بچی ہو؟"

"میں بچی نہیں ہوں۔"

"پھر کیا ہو؟"

"میں دلھن ہوں اور تم میرے دولھا۔" یہ کہہ کر وہ دونوں بانہیں پھیلا کر میری طرف آنے لگی۔ میں نے ایک دم سے پیچھے ہٹ کر کہا "ارے ارے، پلنگ سے گر پڑو گی۔"

اور وہ گر ہی پڑتی، اگر میں فوراً سنبھال نہ لیتا۔ اسے سنبھالنا بھی میرے لیے آزمائش کے لمحات تھے، کتنی حسین اور کتنی بھرپور جوان تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے میں پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔ پہلی بار اسے چھو رہا ہوں۔ اپنی شریکِ حیات بھی جو برسوں کی جدائی کے بعد ملے تو بالکل نئی لگتی ہے۔

میں نے جلدی سے سنبھال کر پلنگ کے سرے پر بٹھایا پھر کہا "اگر تم دلھن ہو تو تمھیں طور طریقے معلوم ہونے چاہئیں۔ دلھن صبح اٹھ کر غسل کرتی ہے اور صاف ستھری رہتی ہے، اچھے کپڑے پہنتی ہے۔"

میں اسے ٹالنا چاہتا تھا تاکہ وہ کچھ وقت باتھ روم میں گزارے اور میں خیال خوانی کرتا رہوں لیکن غسل کرنے کا مشورہ بڑا مہنگا پڑا۔ رومانک سے بی بی اس کے کپڑوں اور سامان کی اٹیچی وہاں چھوڑ گئی تھی۔ مگر رسونتی کو اٹیچی کھولنا بھی نہیں آتا تھا۔ مجھے کھولنا پڑا۔ اس کے لباس کا انتخاب بھی مجھے کرنا پڑا۔ پھر اسے باتھ روم کے دروازے تک پہنچا کر کہا۔ "اب جاؤ دروازے کو اندر سے بند کرو اور اچھی طرح غسل کرکے لباس تبدیل کرلو۔"

وہ پاؤں پٹخ کر بولی "میں باتھ روم میں اکیلی نہیں جاؤں گی۔ کوئی ادھر سے اٹھا کر لے جائے گا تو...!"

"اس باتھ روم میں دوسرا دروازہ نہیں ہے۔ اگر تمھیں ڈر لگتا ہے تو دروازے کو اندر سے بند نہ کرو۔ اسی طرح لگا رہنے دو۔"

میں اسے چھوڑ کر صوفے کی طرف آکر بیٹھنا چاہتا تھا۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا "کہاں جارہے ہو؟ مجھے غسل کون کرائے گا؟"

میں نے چونک کر پوچھا "کیا مطلب؟"

"وہ جو بے بی آنٹی ہے وہ مجھے غسل کراتی تھی، مجھے کپڑے پہناتی تھی۔"

میں پریشان ہوکر سوچنے لگا۔ دل کہتا تھا، حالات مجبور کر رہے ہیں تو مجھے مجبور ہوجانا چاہیے۔ دماغ سمجھاتا تھا، دشمن ہماری تاک میں ہیں۔ انھیں یہ معلوم ہوچکا ہے کہ فرہاد علی تیمور، ڈاکٹر میکاکس کے دماغ میں آتا ہے۔ لہٰذا فرہاد میکاکس کو کبھی رسونتی کے قریب تر ہونے کا موقع نہیں دے گا۔ اگر میں میکاکس کی حیثیت سے رسونتی کے ناز نخرے اٹھاؤں گا تو کسی بھی مرحلے پر بات کھل سکتی ہے، میرا اور رسونتی کا
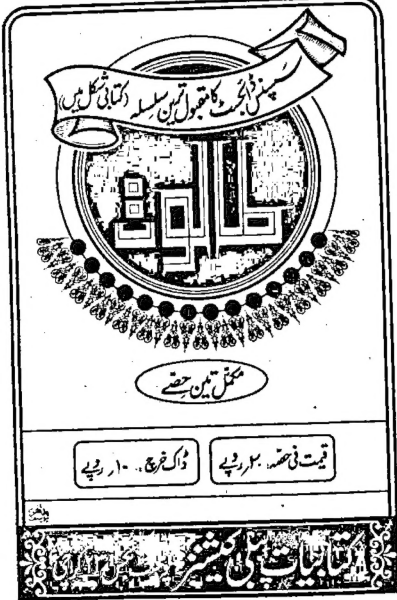
اصل رشتہ ظاہر ہوجائے گا اور میں فرہاد کی حیثیت سے بے نقاب ہوجاؤں گا۔

میں نے خیالات سے چونک کر دیکھا، رسونتی میرے سامنے نہیں تھی، پھر میں نے گھوم کر دیکھا، وہ شاور کے نیچے بھیگ رہی تھی۔ ننھی بچی کی طرح اچھل اچھل کر تالیاں بجا رہی تھی۔ اس کے اچھلتے رہنے سے محسوس ہو رہا تھا، پاؤں میں پائلیں بج رہی ہیں، تالیاں بجانے سے سُر تال بکھر رہے تھے۔ اگرچہ وہ پانی شاور سے نکل رہا تھا لیکن مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے ساون میں گوری بھیگ رہی ہو۔ میں نے ہار مان لی۔

آدھے گھنٹے کے بعد کال بیل کی آواز سنائی دی، میں نے دروازے کو کھولا۔ سامنے رومانٹک بے بی ایک شخص کے ساتھ کھڑی ہوئی تھی۔ میں نے اندر آنے کے لیے کہا۔ وہ مجھے اور رسونتی کو معنی خیز نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ رسونتی بھیگی زلفوں سے پانی نچوڑ رہی تھی اور میری ظاہری حالت سے بھی پتا چل رہا تھا کہ میں ابھی غسل سے فارغ ہوا ہوں۔ میں نے پوچھا "آنے کا مقصد بتاؤ۔"

اس نے اجنبی شخص کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "یہ چارلی چارلٹن ہمارا خاص آدمی ہے۔ اب مادام کمپیوٹر کا خاص آلۂ کار بن کر رہے گا۔ مادام آئندہ تم سے رابطہ قائم نہیں کرے گی۔"

میں نے تائید میں سر ہلا کر کہا "میں پچھلی رات سے مادام کو مخاطب کر رہا ہوں مگر مجھے کوئی جواب نہیں مل رہا ہے، ویسے بات سمجھ میں آگئی ہے۔ کیوں کہ پچھلی رات مسٹر فرہاد نے مجھے مخاطب کیا تھا۔"

رومانٹک بے بی نے چونک کر پوچھا "کیا واقعی؟ فرہاد نے تم سے کیا کہا؟"

میں نے جواب دیا "میں سوچ رہا تھا کہ مادام کمپیوٹر کا آدمی ہوں لہٰذا فرہاد کی طرف سے سزا ملے گی لیکن خلافِ توقع مسٹر فرہاد نے میری بڑی تعریفیں کیں کیوں کہ میں رسونتی سے دور رہا۔ ساری رات اس صوفے پر گزاری۔ مسٹر فرہاد نے مجھ سے وعدہ کیا ہے، اگر میں اسی طرح مادام سے دور دور رہ کر اُن کی حفاظت کرتا رہوں گا تو وہ مجھے ٹیلی پیتھی کے ذریعے کبھی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم دونوں سے فائدہ اٹھا رہے ہو۔ مادام کمپیوٹر کے بھی آدمی ہو اور تم پر ہمارے پُراسرار باس کی مہربانیاں بھی ہیں۔ بائی دی وے، ڈاکٹر میکاکس ایک بات یاد رکھو۔ اگر تم نے فرہاد کی طرف پھسلنے کی کوشش کی اور کسی مرحلے پر ہمیں دھوکا دینا چاہا تو وہ تمہاری زندگی کا آخری دن ہوگا۔"

میں نے ناگواری سے کہا "اگر تم دھمکی دے چکی ہو تو یہاں سے جاسکتی ہو۔" پھر میں نے چارلی کی طرف پلٹ کر کہا "سوری مسٹر چارلی، میں نے تم سے مصافحہ نہیں کیا۔"

میں نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ وہ تن کر پیچھے ہٹ گیا۔ رومانٹک بے بی نے کہا "یہ کسی کو منہ نہیں لگاتا۔ اور سب سے اہم بات یہ کہ اس کے منہ میں زبان ہی نہیں ہے، نہ بولتا ہے، نہ کسی سے دوستی کرتا ہے صرف اپنے کام سے کام رکھتا ہے۔ مسٹر چارلی، اب تم جاسکتے ہو۔"

رومانٹک بے بی نے ہاتھ کے اشارے سے جانے کے لیے کہا، وہ چلا گیا۔ پھر وہ رسونتی کے پاس گئی اور اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر بولی "ہیلو بے بی! کیسی ہو، دولہا پسند آیا؟"

پھر اس نے کن انکھیوں سے میری طرف دیکھ کر کہا۔ "دولہا تو کہتا ہے ساری رات صوفے پر گزاری۔ مگر تم بے بی آنٹی سے جھوٹ نہیں بولو گی۔ سچ سچ بتاؤ۔"

میں .... اسے نظر انداز کر کے آئینے کے سامنے گیا اور کنگھی کرنے لگا۔ اُدھر رسونتی نے پوچھا "میں سچ سچ بتاؤں؟"

رومانٹک بے بی کو اصل حالات جاننے کی جلدی تھی۔

اس نے جلدی جلدی سر ہلایا "ہاں ہاں بولو۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی رسونتی نے ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پر رسید کیا۔ رومانٹک بے بی ایک دم سے ہکا بکا رہ گئی پھر غصے سے بولی "یو ایڈیٹ، یو سِلی گرل! تم نے مجھے طمانچہ مارا ہے۔"

اچانک رسونتی نے لہجہ بدل کر کہا "یہ میں نے نہیں، فرہاد علی تیمور نے مارا ہے۔ میں نے تمہارے جیسی ذلیل عورت نہیں دیکھی۔ تم میری بیوی رسونتی کو ڈاکٹر میکاکس کی خوابگاہ میں چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ ڈاکٹر میکاکس ایک شریف انسان ہے۔ میں اپنی بیوی کے قریب ایسے شریف انسان کو برداشت کرسکتا ہوں مگر تمہیں برداشت نہیں کرسکتا۔ اسی وقت چلی جاؤ ورنہ...."

رسونتی نے دوسرا ہاتھ تھپڑ مارنے کے لیے اٹھایا۔ رومانٹک بے بی نے اس ہاتھ کو پکڑ لیا لیکن دوسرے ہی لمحے رومانٹک بے بی کی آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے لگے۔ رسونتی نے اپنا ہاتھ اسی کے ہاتھ میں رہنے دیا تھا لیکن دوسرے ہاتھ سے اس ہاتھ کو پکڑ کر ایک دم سے پلٹ گئی تھی۔ اور دھوبی پاٹ کا داؤ استعمال کیا تھا۔ رومانٹک بے بی اس کے اوپر سے ہوتی ہوئی دھپ سے فرش پر آکر گری اور کراہنے لگی۔ میں نے رسونتی کے ذریعے کہا "تم نے میری بیوی کو ایک بچی بنا کر الٹی سیدھی باتیں سکھائیں لیکن لڑنے کے داؤ پیچ نہیں سکھائے۔ اب میں سکھا رہا ہوں۔ چلو اٹھو ابھی میں تمہیں پھر اٹھا کر پٹخنے والا ہوں۔"

رومانٹک بے بی جلدی سے اٹھ کر کھڑی ہوئی، پھر اپنا لباس سنبھالتی ہوئی، دوڑتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔ دروازے کے پاس پہنچ کر بولی "میں تمہیں دیکھ لوں گی۔ تم رسونتی، تم یہاں سے نہیں جاسکو گی۔ میں تمہیں ہار رہے سے باہر نکلنے نہیں دوں گی۔ میں تمہیں اس ہوٹل سے بھی باہر نہیں جانے دوں گی۔"

وہ اپنی توہین پر تلملا رہی تھی۔ پھر وہاں سے پاؤں پٹختی ہوئی باہر چلی گئی۔ میں نے آگے بڑھ کر دروازے کو اندر سے بند کرلیا۔ رسونتی کے دماغ کو آزاد کرچکا تھا۔ وہ حیرانی سے سوچ رہی تھی۔ اب تک وہ کہاں تھی اور کیا کر رہی تھی؟ میں نے پھر اس کے دماغ میں کہا "رسونتی، میں تمہارا دوست ہوں۔ تمہارے دماغ میں بول رہا ہوں مگر تمہیں نظر نہیں آؤں گا۔ میری بات یاد رکھو، تمہاری یہ بے بی آنٹی ایک چڑیل ہے۔ تم اس سے دوستی نہ کرو، نہ ہی اس سے کوئی بات کیا کرو۔ اگر یہ کچھ پوچھے تو جواب نہ دیا کرو۔ کہہ دو کہ تمہارے دماغ میں تمہارا ایک دوست بولتا ہے۔ پہلے تم اس دوست سے پوچھو گی اس کے بعد کسی سے بات کرو گی۔"

رسونتی پہلے تو مجھے اپنے دماغ میں قبول نہیں کر رہی تھی۔ گھبرا رہی تھی۔ ایک بار اس نے میرے پاس آکر کہا "تم میرے دولہا ہو مگر میرے دماغ میں کوئی دوست بن کر بول رہا ہے۔"

میں نے سمجھایا "اگر کوئی دوست بن کر بول رہا ہے تو اسی سے دوستی کرو۔ وہ اچھا آدمی ہے۔"

وہ حیران ہو کر بولی "مگر کیسا آدمی ہے، بولتا ہے اور نظر نہیں آتا۔"

"ایک دن نظر آئے گا۔ ابھی تم اس کی بات مان لو جیسا وہ کہتا ہے ویسا ہی کرتی جاؤ۔"

اس طرح میں نے ڈاکٹر میکاکس کی حیثیت سے اسے سمجھایا، دوسری طرف اس کے دماغ میں بولتا رہا اور اسے اپنے مشوروں پر چلنے کے لیے مائل کرتا رہا۔

فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے ریسیور اٹھا کر کہا "ہیلو! ڈاکٹر میکاکس اسپیکنگ۔"

دوسری طرف سے کہا گیا "ہم میزبان بول رہے ہیں۔ قصہ کیا ہے؟ کیا واقعی رسونتی کے دماغ میں ابھی فرہاد موجود تھا۔ اور اس نے رومانٹک بے بی کی پٹائی کی ہے؟"

"ہاں یہ درست ہے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ مسٹر فرہاد پچھلی رات سے ہمارے کمرے میں اور ہمارے دماغ میں کئی بار آتے جاتے رہے ہیں۔"

"ہاں، ہم نے سنا ہے فرہاد تم سے خوش ہے۔ بہرحال ہم جو چاہتے تھے وہی ہو رہا ہے۔ اب تم سفر کی تیاری شروع کرو۔ آج ہی یہاں سے روانہ ہوجاؤ۔"

میں نے کہا "مجھے مادام کمپیوٹر کے حکم کا انتظار ہے۔ مسٹر چارلی سے کہو، وہ مادام کو مخاطب کرے اور میرے لیے احکامات حاصل کرے۔"

میں نے ریسیور رکھتے ہی فوراً چارلی کے دماغ میں چھلانگ لگائی۔ مادام کمپیوٹر بن کر کہا "ابھی میں ڈاکٹر میکاکس کے دماغ میں چپ چاپ بیٹھی ہوئی اس کی باتیں سن رہی تھی۔ تمہارے پُراسرار باس کی طرف سے کہا جا رہا ہے کہ وہ رسونتی کے ساتھ یہاں سے سفر شروع کرے لیکن وہ میرے احکامات کا انتظار کر رہا ہے۔ لہٰذا اسے بتا دو، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ آج ہی وہ رسونتی کو لے کر یہاں سے روانہ ہوجائے۔"

خوب چکر چل رہا تھا، پُراسرار شخص مجھے ٹریپ کرنے کے لیے مادام کمپیوٹر سے دوستی کرچکا تھا اور وہ مادام کمپیوٹر میں
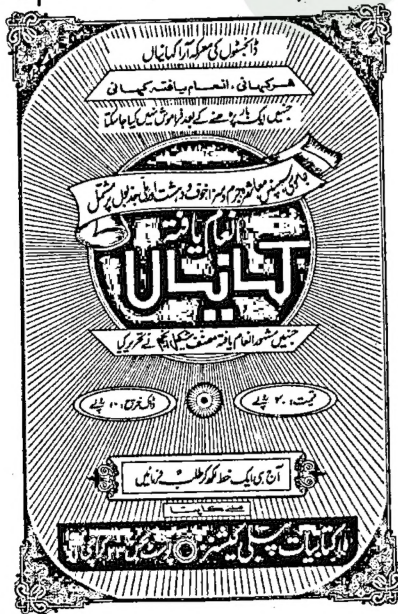
ہی بنا ہوا تھا۔ میں ڈاکٹر میکاکس تھا مگر فرہاد تھا اور فرہاد بن کر رسونتی کے دماغ میں بھی پہنچ رہا تھا۔ مگر رسونتی کے سامنے فرہاد نہیں تھا۔ دشمن یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ جب ڈاکٹر میکاکس رسونتی کو لے کر جنوبی امریکا میں سفر کرے گا تو فرہاد علی تیمور کس طرح اسے اغوا کرے گا اور کیسے صحیح سلامت امریکا سے کہیں اور لے جائے گا۔ وہ کم بخت یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ جس فرہاد کا وہ انتظار کر رہے ہیں وہ رسونتی کے ساتھ ساتھ ہے۔

ہم نے صبح کا ناشتا کیا اور سفر کی تیاری کرنے لگے۔ اس دوران میں پھر مادام کمپیوٹر بن کر چارلی کے دماغ میں پہنچا چارلی نے پُراسرار باس کا یہ پیغام پہنچایا کہ ڈاکٹر میکاکس رسونتی کے ساتھ سفر کر رہا ہے لیکن فرہاد قدم قدم پر اسے اپنا آلۂ کار بناتا رہے گا۔ اس کے دماغ پر قابض ہو کر اپنی مرضی کے مطابق اسے عمل کرنے پر مجبور کرتا رہے گا۔ ایسی حالت میں اگر رسونتی ہمارے ہاتھ سے نکلنے لگے تو ہم ڈاکٹر میکاکس کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

میں نے مادام کمپیوٹر کی حیثیت سے کہا "یہ مناسب نہیں ہے فرہاد اگر میکاکس کو ٹریپ کرے گا تو اس میں میکاکس کا کیا قصور ہے۔ میرا ایک اہم آدمی خواہ مخواہ مارا جائے گا۔"

"مادام یوں بھی میکاکس آپ کے لیے بیکار ہو چکا ہے۔ فرہاد ہمیشہ اس کے دماغ میں رہے گا اور آپ تک پہنچنے کی کوشش کرتا رہے گا۔ اس کا ختم ہو جانا بہتر ہے۔"

"میں سوچ رہی ہوں، فرہاد میکاکس کے دماغ میں آتا ہے اور... میں چپ چاپ اس کے دماغ میں بیٹھ کر فرہاد کی کمزوری معلوم کرتی رہوں۔ وہ میکاکس کو جس طرح اپنے لیے استعمال کرے گا، اس کا علم مجھے ہو جایا کرے گا۔ اور میں تمھیں اس بات سے باخبر رکھوں گی۔ لہٰذا اپنے پُراسرار باس سے کہہ دو کہ میکاکس کو ہر حال میں زندہ رہنا چاہیے۔"

اسی وقت شیبا میرے پاس آگئی۔ میں نے اسے بتایا کہ چارلی چارلٹن کس طرح کا رول ادا کر رہا ہے۔ یعنی ایک طرف وہ مادام کمپیوٹر کا آلۂ کار بن کر رہے گا۔ دوسری طرف اپنے پُراسرار باس کا بدستور وفادار رہے گا۔ اور اس طرح مادام کمپیوٹر کو فرہاد کی ٹیلی پیتھی سے محفوظ رکھا جائے گا۔ ڈاکٹر میکاکس اگرچہ مادام کمپیوٹر کے لیے بیکار ہو چکا ہے تاہم اس کی اہمیت اس لیے باقی ہے کہ فرہاد نے میکاکس سے دوستی کر لی ہے۔ اس کی یہ دوستی مادام کمپیوٹر اور اس پُراسرار باس کو فائدہ پہنچا سکتی ہے۔

وہ مسکرا کر بولی "تم زبردست ہیرا پھیری کے ماہر ہو۔ ایسی الجھی ہوئی چالیں چلتے ہو کہ کھوپڑی گھوم کر رہ جاتی ہے۔ جن دنوں میں ربی اسفندیار کے ساتھ کام کرتی تھی، ان کے مشوروں پر عمل کر کے تمھیں اور سونیا وغیرہ کو ٹریپ کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ اس وقت ربی اسفندیار پریشان ہو جاتے تھے۔ جھنجلا کر کہتے تھے۔ فرہاد کا دماغ انسان کا نہیں شیطان کا ہے۔ کم بخت کہتا کچھ ہے کرتا کچھ ہے۔ نظر کچھ آتا ہے اصلیت کچھ اور ہوتی ہے۔ جو یہ سمجھ لیتا ہے کہ اس نے فرہاد کی چال کو سمجھ لیا ہے وہ ہمیشہ دھوکا کھاتا ہے۔"

ٹیلیفون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے ریسیور اٹھا کر سنا۔ دوسری طرف سے اطلاع دی گئی کہ میرے اور رسونتی کے لیے دو بجے کی فلائیٹ پر سیٹیں ریزرو کرا دی گئی ہیں۔ میں نے ریسیور رکھ کر شیبا سے کہا "دو بجے تک فرصت ہے، کیوں نہ ہم ربی اسفندیار کی خبر لیں۔"

وہ خوش ہو کر بولی "تم نے میرے دل کی بات کہہ دی۔ فرہاد! اگرچہ محترم ربی اسفندیار نے ہم ماں بیٹی کو ایک دوسرے سے الگ رکھا تھا اور میری ماما سے جھوٹ کہا کرتے تھے کہ میں اس شہر میں موجود نہیں ہوں یا بہانے بنا کر ہمیں ملاقات کرنے سے روکتے تھے۔ تاہم وہ میرے مذہبی پیشوا ہیں ان کی عزت کرنا میرا فرض ہے۔"

میں نے کہا "بزرگوں سے بھی غلطیاں ہوتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم اپنے بزرگوں کی عزت نہ کریں۔ بہرحال تم ربی اسفندیار کے دماغ میں پہنچو۔ میں تمھارے پاس موجود رہوں گا۔"

اس نے خیال خوانی کی پرواز کی اور ربی اسفندیار کے دماغ میں پہنچ گئی۔ تعجب کی بات یہ تھی کہ ان کے دماغ میں پہنچنے کے سلسلے میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آئی۔ انھوں نے سانس نہیں روکی۔ تب پتا چلا کہ وہ سخت بیمار ہیں۔ اس قدر کمزور ہیں کہ خیال خوانی کی لہروں کو نہیں روک سکتے، نہ سانس روک سکتے ہیں، نہ ہی سوچ کی لہروں کو اپنے دماغ میں محسوس کر سکتے ہیں۔ جب شیبا وہاں پہنچی تو انھوں نے اسے محسوس نہیں کیا۔

میں نے چپکے سے کہا "شیبا میرے پاس واپس آؤ۔"

اس نے میرے دماغ میں آکر پوچھا "کیا بات ہے؟"

"تمھارے بزرگ ربی کو ابھی تمھاری موجودگی کا احساس نہیں ہوا تھا۔ وہ بے حد کمزور ہیں۔ اب میں ان کے دماغ میں پہنچ کر ان کے چور خیالات کو کریدنے کی کوشش کرتا ہوں۔ ان کے اندر جو باتیں چھپی ہیں آج تمھیں سب معلوم ہو

جائیں گی۔"

اس بار شیبا میرے دماغ میں رہی اور میں خیال خوانی کی پرواز کر کے ربی کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ تکلیف سے کراہ رہے تھے پتا چلا ان کی رہائش گاہ کے ایک حصے کی دوبارہ تعمیر ہو رہی تھی۔ وہ اُدھر سے گزر رہے تھے کہ ایک بڑا سا پتھر ان کے سر پر آگرا۔ ایسی چوٹ آئی کہ وہ گھنٹوں بے ہوش رہے۔ زخم کی مرہم پٹی کر دی گئی لیکن تکلیف کی شدت سے بخار آگیا۔ دو دن سے بخار چڑھتا اُترتا تھا۔ اور وہ کمزور ہوتے چلے گئے۔ سر میں ایسی شدید چوٹ آئی تھی کہ اس تکلیف سے نجات دلانے کے لیے انھیں اکثر نیند کا انجکشن دیا جاتا تھا۔

مختصر یہ کہ وہ شدید جسمانی اور دماغی کمزوریوں کا شکار تھے۔ ایک تو سر پر لگنے والی چوٹ نے دماغ کو کمزور کر دیا تھا۔ دوسرے خواب آور دوائیں انھیں غنودگی کی حالت میں رکھتی تھیں۔ جب میں وہاں پہنچا تو وہ نیم خوابیدہ سے تھے۔ میں نے اُن کی سوچ میں پہلا سوال کیا "آہ، کیا میرا آخری وقت آگیا ہے؟"

وہ کچھ بے چین سے ہو گئے۔ کوئی بھی انسان مرنا نہیں چاہتا یا مرنے کا وقت آجائے تو زندگی کے لیے تھوڑی سی مہلت اور چاہتا ہے۔ میں نے ان کی سوچ میں کہا "موت جو تھوڑی بہت مہلت دیتی ہے، اس میں انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنے گناہوں سے توبہ کرے اور اپنی سابقہ غلطیوں کا اعتراف کر لے۔"

ان کی اپنی کمزور سی سوچ نے کہا "میں نے کبھی کوئی غلطی نہیں کی، کوئی گناہ نہیں کیا۔ اسی لیے تو اتنا بڑا مذہبی پیشوا بن کر زندگی گزاری ہے۔"

کوئی انسان اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھنا نہیں چاہتا اور اسی خوش فہمی میں مبتلا رہتا ہے کہ اُس سے کبھی کوئی غلطی سرزد نہیں ہوئی۔ میں نے ان کی سوچ میں کہا "اگر ابھی شیبا میرے پاس آجائے تو کیا میں اس غلطی کا اعتراف کروں گا کہ میں نے اسے اس کی پیاری ماما سے اور اس کے خاندان والوں سے ہمیشہ کے لیے چھڑانے کے انتظامات کر دیے تھے۔"

انھوں نے کہا "میں نے اپنے ملک اور اپنی قوم کی بھلائی کیلیے ایسا کیا تھا۔ شیبا جیسی ایک لڑکی اپنی قوم پر قربان ہو سکتی ہے اور اس کے لیے اپنے پیاروں کو اور اپنے رشتے داروں کو چھوڑ سکتی ہے۔"

میں نے کہا "شیبا جب تک میرے پاس تھی، میں نے اسے اسرائیلی حکومت سے بھی چھپائے رکھا۔ یہ انکشاف نہیں کیا کہ ٹیلی پیتھی جاننے والی ایک اور ہستی میری ہی رہائش گاہ میں موجود ہے۔ بہرحال یہ ملک اور قوم کی کیسی خدمت ہے کہ اپنی ہی حکومت سے شیبا کی اتنی اہم صلاحیتوں کو چھپایا گیا اور صرف اپنے طور پر اس کی ٹیلی پیتھی کو استعمال کرایا گیا۔"

ان کی سوچ نے جواب دیا "میں بہتر سمجھتا ہوں کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ میں نے جو کیا غلط نہیں کیا۔"

وہ اب بھی اپنی غلطی ماننے کے لیے تیار نہیں تھے۔ میں نے پھر ان کی سوچ میں کہا "اب تو شیبا میرے ہاتھ سے نکل گئی ہے۔ اگر کبھی میرے ہاتھ آجائے تو میں کیا کروں گا؟"

ان کی اپنی سوچ نے کہا "اب وہ ہاتھ نہیں آئے گی۔ اگر اسے آنا ہوتا تو وہ خیال خوانی کے ذریعے مجھ سے رابطہ قائم کرتی۔ یقیناً وہ فرہاد کے ہتھے چڑھ گئی ہے، کاش وہ مجھے ایک بار مل جائے۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اسے بڑی محبت سے گلے لگاؤں گا اور بڑی ہوشیاری سے ہمیشہ کے لیے ختم کر دوں گا۔"

میں نے ان کی سوچ میں پوچھا "میں تو شیبا کو بیٹی کہتا ہوں۔ کیا کوئی اپنی بیٹی کو اس طرح محبت سے گلے لگا کر ہلاک کر سکتا ہے؟"

ان کی سوچ نے کہا "شکر ہے کہ میں نے شادی نہیں کی، میرے بچے نہیں ہیں۔ اس لیے میں کسی رشتے کے سلسلے میں جذباتی نہیں ہوتا۔ اگر بیٹی کہتا ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو سچ مچ بیٹی بنا لیا ہے۔ اور اس کی خاطر اپنا نقصان برداشت کرتا چلا جاؤں۔"

میں نے پھر ان کی سوچ میں کہا "ہاں، میں نے ایسے ہی نقصانات سے بچنے کے لیے سب سے پہلے شیبا کی ماما کو قتل کرانا چاہا۔ اس کے لیے کرائے کا قاتل مقرر کیا لیکن اس کی ماما کے نصیب اچھے تھے۔ فائر کرتے ہی اس کا باپ سامنے آگیا اور وہ ہلاک ہو گیا۔ کاش اس کی ماما کچھ عرصہ اور تل ابیب میں رہتی تو میں اسے زندہ نہ چھوڑتا کم بخت نصیب کی اچھی ہے۔ یہاں سے ایسی گئی کہ پھر واپس نہیں آئی۔ یقیناً شیبا نے اسے اپنے پاس پناہ دی ہے، دونوں ماں بیٹی مل گئی ہیں۔"

اچانک ہی شیبا نے پھر کر ربی کے دماغ میں کہا "بس ربی اسفندیار! بس، ہم آپ کو معظم اور محترم کہتے ہیں، ہم بڑی عقیدت سے ایک مذہبی پیشوا سمجھ کر عقیدت اور محبت کا ایک بت بناتے ہیں اور خدا کے بعد آپ کو مانتے ہیں لیکن میں

سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ آپ اندر سے اتنے شیطان نکلیں گے۔ میں نادان تھی، مجھے سمجھنا چاہیے تھا کہ خون کے رشتے ہی اہم ہوتے ہیں۔ زبان سے بیٹی کہہ دینے سے میں آپ کی بیٹی نہیں ہو جاؤں گی۔ آپ کسی بھی موقع پر اپنے مفاد کی خاطر مجھے قربان کر سکتے ہیں اور آپ ایسا کرنے ہی والے تھے۔ میں پھر بھی آپ کو معاف کر دیتی لیکن آپ نے میری ماما کو قتل کرنے کی سازش کی۔ اب بھی انھیں قتل کرانا چاہتے ہیں۔ میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔ میں سوچتی ہوں کیا کروں، کیا آپ کو سزا دوں؟ لیکن کس دل سے، جب کہ میں نے آپ کو بزرگ مان لیا تھا۔ میں نے سالہا سال آپ کی عزت کی، آپ کو محترم سمجھتی رہی پھر کس طرح سزا دوں؟ میں یہی بہتر سمجھتی ہوں کہ آپ سے ہمیشہ کے لیے ناتا توڑ دوں۔ اتنے عرصے تک دور رہنے کے باوجود میرا دل آپ کی طرف کھنچا جاتا تھا، مگر آپ کے اصلی روپ نے میرے دل کو پتھر بنا دیا ہے، میں آپ کا نام لینا بھی گوارا نہیں کرتی۔ آپ کی سزا یہی ہے کہ میں آپ سے ہمیشہ کے لیے منہ پھیر لوں۔ جس شیبا کو آپ اپنے مفاد کے لیے استعمال کرنا چاہتے تھے، اس کے لیے آپ کے دل میں حسرت ہی رہ جائے گی۔ اور آخری وقت آپ اسی طرح ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مریں گے۔ اوہ خدایا! تو کتنا مہربان ہے۔ اگر ربی کے سر پر پتھر نہ گرتا، یہ کمزور نہ ہوتے اور میں ان کے دماغ میں پہنچ کر چور خیالات معلوم نہ کرتی تو انھیں ہمیشہ بزرگ و محترم سمجھ کر ان کے آگے جھکتی رہتی اور فرہاد جیسے دوستوں کی دشمن رہتی۔ میرے مذہبی پیشوا، میرے محترم بزرگ، مجھے آپ سے نفرت ہے۔ مجھے آپ سے نفرت ہے۔"

یہ کہتے ہی وہ رونے لگی۔ اس کا دل ٹوٹ گیا۔ دماغ جیسے بکھر گیا تھا۔ اس نے واقعی ربی اسفند یار کے سلسلے میں عقیدت کا اتنا مضبوط بت تراشا تھا کہ دل ہی دل میں ان کی پوجا کرتی تھی۔ آج وہ بت خود بخود ٹوٹ گیا تھا اور جو عزیز ترین چیز ٹوٹ جائے تو اس کے لیے رونا آتا ہے اور وہ رو رہی تھی۔ ادھر شیخ الفارس حیرانی سے پوچھ رہے تھے۔ "بیٹی! کیا بات ہے، کیوں رو رہی ہو؟"

میں نے کہا۔ "جناب شیخ صاحب! شیبا کو ربی اسفند یار کی اصلیت معلوم ہو گئی ہے۔ ہم دونوں نے ان کے دماغ میں پہنچ کر ان کے چور خیالات پڑھ لیے ہیں۔ آج شیبا پر یہ انکشاف ہوا ہے کہ ربی نے اس کی ماما کو قتل کرنے کی سازش کی تھی۔"

شیخ الفارس کو تمام باتیں معلوم ہوئیں تو وہ اسے تسلیاں دینے لگے۔ اس کی ماما وہاں موجود تھیں۔ وہ بھی بیٹی کو سمجھانے لگیں۔ میں تھوڑی دیر کے لیے اپنی جگہ واپس آ گیا۔ ربی اسفند یار کا جو جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا وہ ایک ہی جھٹکے میں اتر گیا تھا۔ اس بات کا شیبا کو دکھ ہو رہا تھا۔ وہ رو رہی تھی۔ میں نے سوچا۔ اندر کا غبار نکل جائے تو آنسو خود بخود خشک ہو جائیں گے۔ وہ سنبھل جائے گی۔

میں نے رسونتی کی طرف دیکھا۔ اس نے بہت دیر سے مجھے مخاطب نہیں کیا تھا اور نہ ہی مجھے اپنے ساتھ بچوں کی طرح کھیلنے کے لیے کہا تھا۔ مگر وہ کھیل رہی تھی۔ گڈے اور گڑیا کو پلنگ پر بٹھا دیا تھا۔ آس پاس دوسرے کھلونے رکھے ہوئے تھے۔ میں نے قریب آ کر پوچھا۔ "کیا کر رہی ہو؟"

وہ سنجیدگی سے بولی۔ "گڑیا اب جوان ہو گئی ہے نا۔ اس کی شادی کر رہی ہوں۔ گڈا بھی گھر میں موجود ہے، پھر دیر نہیں کرنا چاہیے۔"

میں نے سوچا، اچھا ہے یہ کھلونوں سے بہلتی رہے، میں جب تک ضروری خیال خوانی کر لوں۔ میں وہاں سے اٹھنا چاہتا تھا، اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ کہنے لگی "کہاں جا رہے ہو۔ کیا اتنے سارے شادی کے انتظامات میں اکیلی کروں گی۔ چلو، یہاں بیٹھو۔"

میں اسے سمجھا بجھا کر اپنے کام سے لگنا چاہتا تھا مگر وہ ضدی بچے کی طرح مچل گئی۔ مجبوراً میں اس کے ساتھ کھیلنے لگا۔ بڑا عجیب سا لگ رہا تھا۔ فرہاد علی تیمور بچوں کی طرح کھلونوں سے کھیل رہا تھا اور اپنی شریک حیات کو بہلا رہا تھا۔ بہر حال جلد ہی شادی ہو گئی۔ گڑیا کو دلہن بنایا گیا۔ گڈا دولہا بن گیا۔ میں نے کہا۔ "اب شادی ہو گئی مجھے جانے دو۔"

اس نے کہا۔ "ارے واہ، ابھی تو یہ دونوں یہاں سوئیں گے۔"

یہ کہہ کر اس نے گڑیا اور گڈے کو پلنگ پر ایک طرف سلا دیا۔ پھر ایک دم سے چونک کر مجھے دیکھنے لگی۔ اس کے دیکھنے کا انداز ایسا تھا کہ میں کبھی گڈے اور گڑیا کو دیکھ رہا تھا اور کبھی اسے۔ حالانکہ اس کا ذہن بچکانہ تھا لیکن جیسا وقت وہ میرے ساتھ گزار چکی تھی، اس کا اثر اس کے دماغ پر تھا۔ وہ زندگی کے عجیب دوراہے پر تھی۔ ایک بچی اچانک بالغ ہو گئی تھی اور جو بالغ تھی وہ بچی بن گئی تھی۔ نہ وہ بچی تھی نہ جوان تھی مگر ہاں دشمنوں کے لیے ذہنی طور پر بچی تھی۔ میرے لیے بھرپور شریک حیات۔

گڑیا اور گڈا پلنگ پر لیٹے رہ گئے کیوں کہ وہ بے جان

تھے پھر انھیں اٹھا کر بیگ میں رکھ لیا اور ہم روانگی کے لیے تیار ہو گئے۔ اس سے پہلے میں نے جناب شیخ الفارس سے رابطہ قائم کیا۔ پھر کہا۔ "پچھلی رات میں نے اور شیبا نے دی کلر کے دماغ میں پہنچ کر جو چال چلی تھی، اس کے نتیجے میں یہی سمجھتے رہے کہ دی کلر سیدھا میری طرف آ رہا ہے۔ وہ تو خیریت ہوئی، ساتھ والے کمرے میں جارج باڈی بلڈر تھا اور ہم نے اسی کے لب و لہجے میں دی کلر کو چھیڑا تھا۔ بہر حال میری طرف آنے والا وہ طوفان رخ بدل کر جارج کی طرف چلا گیا تھا۔ اگر وہ میری طرف آتا اور مجھ سے مقابلہ ہوتا تو کیا ہوتا؟"

شیخ الفارس نے کہا۔ "ہاں، سوچ سمجھ کر اسے چھیڑنا چاہیے تھا۔ پہلے دی کلر کی اسٹڈی کرنا ضروری ہے۔"

"اسی لیے میں نے آپ کو زحمت دی ہے۔ اس کی اصلیت اور اس کے دماغی آپریشن کا راز جاپانی ڈاکٹر واکی ٹو سے معلوم ہو سکتا ہے۔"

"تم چاہتے ہو کہ ہمارے آدمی جاپان جا کر اس ڈاکٹر کو گھیریں اور کسی طرح اغوا کر کے لے آئیں۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے، آپ کا صرف ایک آدمی جو جاپان میں رہتا ہے وہ ڈاکٹر واکی ٹو سے کسی بہانے ملاقات کرے۔ میں اس آدمی کے ذریعے ڈاکٹر کے دماغ میں پہنچ جاؤں گا۔ اس کے بعد اس سے نمٹ لوں گا۔"

شیخ الفارس نے مسکرا کر کہا۔ "تم سے بات کرتے وقت کبھی کبھی بھول جاتا ہوں کہ ٹیلی پیتھی کی مدد سے ایک پیچیدہ مسئلہ کتنی آسانی سے حل ہو جاتا ہے۔ میں ابھی جاپان میں اپنے آدمیوں سے رابطہ قائم کرتا ہوں۔ تم آدھے گھنٹے بعد مجھ سے وہاں کے متعلق معلومات حاصل کر لینا۔"

میں نے ان سے رابطہ ختم کر دیا۔ ایک بج کر بیس منٹ پر ہوٹل کے منیجر نے آ کر سلام کیا اور بتایا کہ ہمارے لیے گاڑی لگی ہے۔ پورٹر نے ہمارا سامان اٹھایا۔ ہم اس کمرے سے نکل کر جانے لگے۔ دوسرے کمرے کے سامنے سے گزرتے وقت میں نے دروازے کی طرف دیکھا۔ پچھلی رات دی کلر نے وہاں [illegible] دیا تھا۔ بعد میں اسے توڑ دیا تھا اب وہاں دوسرا دروازہ [illegible] گیا تھا۔ مجھے پھر دی کلر یاد آ گیا۔ پتا نہیں کیوں وہ مجھے کانٹے کی [illegible] کھٹک رہا تھا۔ اتنا تو میں جانتا تھا کہ جنوبی امریکا میں رسونتی [illegible] کرنے کے دوران وہ میرے راستے کا کانٹا بن سکتا ہے۔

میں رسونتی کے ساتھ نکل کر ہوٹل سے باہر آیا۔ ہمارے لیے کار کی پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا گیا۔ ہم وہاں بیٹھ گئے۔ پھر گاڑی اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھی۔ میں نے شیبا کو مخاطب کیا۔ "بتایا! ایئر پورٹ جا رہا ہوں۔ میں نے جناب شیخ الفارس سے کہا ہے کہ وہ جاپان میں ڈاکٹر واکی ٹو کا محاسبہ کریں۔ اگر ہمارا کوئی آدمی واکی ٹو سے گفتگو کرے تو تم بھی اس آدمی کے ذریعے جاپانی ڈاکٹر کے دماغ میں پہنچنے کی کوشش کرنا۔ بائی دی وے، تم ابھی کیا کر رہی ہو؟"

"جارج باڈی بلڈر کے ذریعے ہم اس کے جس آدمی تک پہنچے تھے، میں اس کے دماغ میں جانا چاہتی ہوں۔ اب وہ باڈی بلڈر تو پراسرار باس کی قید میں اذیتیں برداشت کر رہا ہو گا۔"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "شیبا! ابھی ہمارے ساتھ رہ کر بہت کچھ سیکھنا ہے۔ اتنی دیر بعد کوئی بات سوچو گی اور اس پر عمل کرو گی تو دشمن کبھی ہاتھ نہیں آئیں گے۔"

"کیا مطلب؟"

"ذرا موٹی عقل سے سوچنے کی بات ہے۔ جب ہم نے جارج کی پول کھول دی ہے اور یہ بھی ظاہر ہو گیا ہے کہ فرہاد نے اس کی اصلیت ظاہر کر دی ہے تو ماسٹر کی اپنے ایسے آدمیوں کو جنوبی امریکا میں کیوں رہنے دے گا جو پہلے جارج سے رابطہ قائم کر چکے ہیں۔"

شیبا نے کہا۔ "اوہ اچھا، میں سمجھ گئی۔ ماسٹر کی نے سمجھ لیا ہو گا کہ ہم جارج تک پہنچ سکتے ہیں تو اس کے ذریعے وہاں ماسٹر کی کے تمام آدمیوں تک پہنچ چکے ہوں گے۔"

"ہاں، میں نے پچھلی رات ہی ایک بار موقع پا کر ایک شخص کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تھا جو جارج کا خاص ماتحت تھا۔ پتا چلا اسے جنوبی امریکا سے واپس بلا کر کسی دوسری جگہ بھیج دیا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں ماسٹر کی کے جتنے لوگ بھی تھے وہ سب واپس بلا لیے گئے ہیں۔ ان کی جگہ نئے لوگ آئیں گے۔"

"تو پھر ہم ماسٹر کی کے آدمیوں تک کیسے پہنچیں گے؟"

"پہنچ جائیں گے۔ بابا صاحب کے ادارے سے آنے والے افراد یہاں سالہا سال سے موجود ہیں۔ پھر نئے لوگ بھی آ رہے ہیں وہ بہت جلد ماسٹر کی کے آدمیوں کو بے نقاب کر دیں گے۔"

میں نے شیبا سے رابطہ ختم کر دیا۔ ہم ایئر پورٹ پہنچ گئے تھے۔ وہاں سے طیارے میں سوار ہو گئے۔ وہ مسافر بردار طیارہ تھا۔ وہاں سے کولمبیا، پھر کولمبیا سے برازیل اور برازیل سے چلی کی بندرگاہ تک جانے والا تھا۔ میں رسونتی کے ساتھ کولمبیا

تک جارہا تھا۔ میں نے اپنی سیٹ تک پہنچنے سے پہلے آس پاس کے مسافروں کو گہری نظروں سے دیکھا۔ سیٹ پر بیٹھنے تک بھی ہر مسافر کو ٹٹولنے کی کوشش کی لیکن سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ان میں کتنے مسافر پُراسرار شخص سے تعلق رکھتے ہیں اور ماسٹر کِی نے کتنے آدمیوں کو مسافر بنا کر بھیجا ہوا ہے۔

جب جہاز پرواز کرتا ہوا کافی بلندی پر پہنچ گیا تو میں نے سیفٹی بیلٹ کھول دیا۔ اسی وقت شیبا نے مجھے مخاطب کیا۔ "فرہاد! ہمارا ایک آدمی جاپان میں ڈاکٹر واکی ٹو سے رابطہ قائم کرنے والا ہے۔ تم شیخ الفارس سے رابطہ قائم کرو۔"

میں نے ان سے رابطہ قائم کیا۔ انھوں نے فوراً ہی ایک ریکارڈر آن کر کے ایک شخص کی آواز سنائی۔ میں آواز سنتے ہی اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ جاپان کے شہر ٹوکیو میں تھا۔ میرے مخاطب کرنے پر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ادب سے بولا۔ "جناب! میں ابھی ٹیلیفون کے ذریعے ڈاکٹر واکی ٹو سے گفتگو کرنے کی کوشش کرتا ہوں لیکن ایک قباحت ہے۔"

میں نے پوچھا: "وہ کیا؟"

"واکی ٹو کو جاپانی زبان سے والہانہ لگاؤ ہے، وہ اسی زبان میں گفتگو کرتا ہے۔ آپ اس کے دماغ میں کیسے پہنچ سکیں گے؟"

"فکر نہ کرو۔ میں جاپانی جانتا ہوں۔"

اس نے ریسیور اٹھایا اور واکی ٹو کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد دوسری طرف سے ایک سُریلی سی آواز سنائی دی۔ وہ جاپانی زبان میں پوچھ رہی تھی: "فرمائیے؟"

ہمارے آدمی نے کہا: "میں ایک اہم معاملے میں ڈاکٹر واکی ٹو سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"سوری، ڈاکٹر ایک اہم آپریشن میں مصروف ہیں۔ آپریشن کے بعد وہ شام تک آرام کرنے کے عادی ہیں۔ آپ شام کے بعد رابطہ قائم کریں۔"

ریسیور رکھ دیا گیا۔ ہمارے آدمی نے مایوس ہو کر کہا۔ "جناب فرہاد صاحب! مجھے افسوس ہے، واکی ٹو سے ملاقات نہیں ہو سکے گی۔ شام تک انتظار کرنا ہو گا۔"

میں نے مسکرا کر کہا: "تم نے اپنا کام کر دیا۔ اب میں اپنا کام کروں گا۔"

میں اس لیڈی سیکریٹری کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ ایک ادھیڑ عمر کی جاپانی عورت تھی۔ میں چپ چاپ اس کے دماغ کو ٹٹولنے لگا۔ اس نے تقریباً دس برس پہلے ڈاکٹر واکی ٹو کے ہاں ملازمت اختیار کی تھی۔ پھر ڈاکٹر کا اعتماد اس طرح حاصل کر لیا تھا کہ اس کی مستقل سیکریٹری بن گئی تھی۔ یوں بھی ڈاکٹر کو عورتوں کے حسن و شباب سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس لیے وہ ایک ادھیڑ عمر کی سیکریٹری کو برداشت کر رہا تھا۔

میں نے اس کے دماغ میں دی کلر کا خیال پیدا کیا۔ وہ خلا میں تکتے ہوئے سوچنے لگی: "ہاں، وہ ڈاکٹر واکی ٹو کی زندگی کا سب سے حیرت انگیز آپریشن تھا۔ وہ دی کلر جو تیس برس کا جسم رکھتا تھا۔ اور ذہنی طور پر بچے سے بھی گیا گزرا تھا۔ اسے دنیا کے کسی ڈاکٹر نے ذہنی طور پر بیدار نہیں کیا تھا۔ یہ کارنامہ ہمارے ڈاکٹر نے انجام دیا۔"

میں نے لیڈی سیکریٹری کا دھیان حیرت انگیز آپریشن کی طرف منتقل کیا۔ وہ سوچنے لگی: "یہ آپریشن بڑی رازداری میں کیا گیا تھا۔ ڈاکٹر نے مجھ سے کہا تھا، میں بھی اس آپریشن کے متعلق اس سے کوئی سوال نہ کروں۔ آپریشن کے سلسلے میں جو اہم کاغذات تھے، ڈاکٹر انھیں پرسنل بریف کیس میں رکھتا تھا — آپریشن ہونے کے بعد انھیں ذاتی لاکر میں رکھ دیا تھا۔ پھر مجھے پتا چلا، جب دی کلر کو یہاں سے الاسکا روانہ کیا گیا تو وہ اہم کاغذات بھی اس کے ساتھ روانہ کر دیے گئے۔"

لیڈی سیکریٹری کی سوچ سے پتا چل رہا تھا کہ میں اس کے ذریعے ان اہم کاغذات تک بھی نہیں پہنچ سکوں گا۔ کیوں کہ وہ ڈاکٹر واکی ٹو کے پاس نہیں رہے تھے۔ اگر ہوتے تو میں اس کی غیر موجودگی میں لیڈی سیکریٹری کو ٹریپ کر کے ان کاغذات تک پہنچا دیتا۔ بہر حال اب مجھے ڈاکٹر کا انتظار کرنا تھا۔ میں نے اس کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے لیڈی سیکریٹری کے دماغ کو کریدنا شروع کیا۔

وہ سوچنے لگی۔ دوسرے لفظوں میں مجھے بتانے لگی کہ وہ بہت غصہ ور ہے، مغرور ہے، کسی کو خاطر میں نہیں لاتا۔ اگر کوئی اس سے ملاقات کرنے آئے تو دو منٹ سے زیادہ کا وقت نہیں دیتا۔ وہ بظاہر انسان ہے مگر عادتوں کے لحاظ سے کتا ہے۔ کیوں کہ اس کی زندگی خطرناک کتوں میں گزرتی ہے۔ وہ ہر صبح درجنوں کتوں کے ساتھ ایک کھلے میدان میں جاتا ہے۔ اور ان کے ساتھ دوڑ لگاتا ہے۔ اس کے بعد کسی درخت کے سائے میں پلتھی مار کر بیٹھ جاتا ہے، شمال کی طرف رُخ کر کے آنکھیں بند کر لیتا ہے، پتا نہیں کیا کرتا ہے۔

لیڈی سیکریٹری کی یہ سوچ پڑھ کر میں چونک گیا۔ بات سمجھ میں آگئی کہ ڈاکٹر واکی ٹو یوگا کا ماہر ہے۔ میں اس کے دماغ میں نہیں پہنچ سکوں گا۔

میں نے شیبا کے دماغ میں پہنچ کر وہاں کے حالات بتائے۔ اس نے سننے کے بعد کہا: "فرہاد! ہو سکتا ہے تمھارا اندازہ غلط ہو اور وہ یوگا کا ماہر نہ ہو۔"

"شیبا! میں نے اور تم نے جس انداز میں ٹیلی پیتھی کی مشقیں کی ہیں ان میں بھی یہ عمل ہوتا ہے، شمال کی طرف رُخ کر کے آنکھیں بند کر کے اپنے دھیان کو ایک مرکز پر رکھنا پڑتا ہے۔ یوگا کی مشق کرنے والے اور ٹیلی پیتھی کی مشق کرنے والوں کے درمیان فرق یہ ہوتا ہے کہ ہمارے سامنے موم بتی کی لو روشن ہوتی ہے یا پھر ہم کسی نشان پر اپنی نگاہیں مرکوز کر لیتے ہیں۔ یوگا کے ماہر صرف سانس روک کر مشق کرتے ہیں۔"

وہ قائل ہو گئی۔ میں نے کہا: "اگر ہم اس بات کی تصدیق کے لیے ڈاکٹر واکی ٹو کے دماغ میں جانا چاہیں گے تو وہ محتاط ہو کر سانس روک لے گا اور یہ سمجھ لے گا کہ فرہاد یا مادام کمپیوٹر اس کے دماغ تک پہنچنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ بات اس پُراسرار شخص تک پہنچے گی تو وہ بھی سمجھ لے گا کہ ہم دی کلر کے دماغی آپریشن کے راز تک پہنچنا چاہتے ہیں۔ دانش مندی یہ ہے کہ ابھی ڈاکٹر واکی ٹو کو چھیڑا نہ جائے۔ میں نے ڈاکٹر واکی ٹو کے متعلق جو معلومات فراہم کی ہیں تم انھیں جناب شیخ الفارس تک پہنچا دو۔"

وہ چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا: "جناب شیخ الفارس تم سے باتیں کرنا چاہتے ہیں۔"

میں نے ان سے رابطہ قائم کیا۔ انھوں نے کہا: "فرہاد! میں نے جو پلاننگ کی ہے اسے میں ذرا وضاحت سے تمھیں بتانا چاہتا ہوں۔ پہ تمھیں تسلیم کرنا چاہیے کہ اب ڈاکٹر میکاکس کا کردار ذرا غیر اہم سا ہو گیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو تمھاری جگہ چارلی نہ آتا۔ پُراسرار شخص کسی بھی بہانے تمھیں اپنے آدمیوں کے ذریعے ٹھکانے لگا سکتا ہے اس لیے ہم چاہتے ہیں تم ڈاکٹر میکاکس کا رول ادا نہ کرو۔"

"اگر میں ایسا نہ کروں اور کوئی دوسرا روپ اختیار کر لوں تو یہاں رسونتی کے ساتھ کون رہے گا۔ کیا پُراسرار شخص کو اور ماسٹر کِی کو یہ شبہ نہیں ہو گا کہ اب تک فرہاد رسونتی کے ساتھ تھا اور طرح طرح کی چالیں چل کر انھیں بیوقوف بنا رہا تھا۔ آئندہ وہ اور زیادہ محتاط ہو جائیں گے۔"

جناب شیخ الفارس نے کہا: "ایسا نہیں ہو گا۔ ہمارے ہاں سے ایک پلاسٹک سرجری کا ماہر وہاں پہنچنے ہی والا ہے۔ ہمارا ایک آدمی ہمیشہ ڈاکٹر میکاکس کے روپ میں رہے گا۔ جب بھی ضرورت سمجھی جائے گی وہ تمھاری جگہ لے لے گا۔ اس کے بعد تم کون سا رول ادا کرو گے، اس کے متعلق ہم نے سوچ لیا ہے۔ اگر سننا چاہو تو میں تفصیل بتاتا ہوں۔"

میں نے کہا: "ابھی کیا ضرورت ہے۔ جب وقت آئے گا تو دیکھا جائے گا۔ میں جانتا ہوں آپ جو کریں گے میری بھلائی کے لیے کریں گے۔"

طیارے میں ہمارے لیے لنچ فراہم کیا جا رہا تھا۔ میں رسونتی کے ساتھ کھانے لگا۔ وہ کھانے کے دوران بچکانہ پن کرتی جاتی تھی اور میں اسے سمجھاتا جاتا تھا۔ اس دوران ایک اسٹیورڈ نے آکر پوچھا: "جناب، اور کچھ چاہیے؟"

میں نے انکار کیا۔ اس نے آہستگی سے کہا: "میں ہوں آپ کا خادم۔"

یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ مجھے اس کا انداز عجیب سا لگا۔ میں نے فوراً ہی اس کے دماغ میں چھلانگ لگائی۔ جلد ہی پتا چل گیا کہ وہ بابا صاحب کے ادارے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس ائیر لائن میں پچھلے دو برس سے ملازمت کر رہا ہے۔ میں نے کہا: "ہیلو، مسٹر خادم! میں نے تمھارے خیالات پڑھ لیے ہیں، کوئی اہم رپورٹ ہے؟"

"جی ہاں۔ کولمبیا پہنچ کر میں ٹیلیفون کے ذریعے ایک شخص سے رابطہ قائم کروں گا۔ آپ میرے ذریعے اس کے دماغ میں پہنچ جائیے۔ وہ اہم اطلاعات فراہم کرے گا۔"

میں نے کہا: "اچھی بات ہے۔"

اس کے ساتھ ہی اس سے رابطہ ٹوٹ گیا۔ کیوں کہ رسونتی مجھے مخاطب کر رہی تھی۔ میں نے پوچھا۔ "کیا ہے؟"

اس نے کہا: "میں کھا چکی ہوں۔"

"اب چائے پیو گی یا کافی؟"

"اب ہم کھیلیں گے۔"

"کیا کھیلیں گے؟"

اس نے اپنے بیگ میں سے گڑیا اور گڈے کو نکالا۔ میں نے جھینپ کر چاروں طرف دیکھا، پھر آہستگی سے کہا۔ "انھیں بیگ میں رکھو۔ یہ کھیل یہاں نہیں کھیلتے۔"

"کیوں نہیں کھیلتے؟"

"میں تمھیں کیسے سمجھاؤں۔ تم دیکھ رہی ہو یہاں اتنے مسافر بیٹھے ہیں۔ کیا ان میں سے کوئی گڑیا اور گڈے کا کھیل کھیل رہا ہے۔ بھئی! یہ سب جیسے جوان اور سمجھ دار ہیں اسی طرح تم بھی جوان ہو، سمجھ دار ہو۔ اگر کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی ہے

تو میں سمجھتا ہوں۔ تم تو بہت اچھی ہو، بہت سمجھ دار ہو ہے نا؟ چلو رکھو اسے۔"

میں نے اسے بہلایا پھسلایا۔ اس نے گڑیا اور گڈے کو پھر بیگ میں رکھ دیا۔ میں نے کہا: "تمھارا کافی پینا مناسب نہیں ہے۔ آرام سے ٹیک لگا کر بیٹھ جاؤ۔"

وہ میری ہدایت پر عمل کرنے لگی۔ میں نے آہستہ آہستہ اس کے دماغ کو تھپکنا شروع کیا تاکہ وہ ذرا نیند پوری کر لے۔ میں نے اس کے لیے دو گھنٹے کا وقت مقرر کیا۔ وہ آرام سے سوگئی۔

میں نے گھڑی دیکھی۔ تین بج کر چالیس منٹ ہوئے تھے۔ کافی کی پیالی اٹھا کر ایک ہلکی سی چسکی لی۔ پھر خیال خوانی کی پرواز کرتا ہوا دی کلر کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہاں پہنچتے ہی محسوس ہوا جیسے کسی بچے کے دماغ میں پہنچ گیا ہوں۔ بالکل سوچ سے خالی، اُجلا اُجلا سا ذہن تھا جیسے روشنی کی دھند دماغ میں پھیلی ہو، وہ بچہ کچھ نہ سمجھتا ہو مگر سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

مجھے اسی لمحے اس کے دماغ میں سنسناہٹ سی محسوس ہوئی۔ پھر جیسے اس کا دماغ بجنے لگا: "ٹِک ٹِک ٹِک، ٹِک ٹِک ٹِک۔"

ابھی میں کچھ سمجھنے بھی نہیں پایا تھا کہ وہ تیس برس کا بچہ رونے لگا۔ جیسے ننھے بچے نیند سے چونک کر اٹھتے ہیں اور رونے لگتے ہیں۔ دی کلر کی آنکھ کھل گئی۔ وہ ہاتھ پاؤں ہلا ہلا کر رو رہا تھا۔ رونے کی آواز بالکل بچوں جیسی تھی: "واں واں، واں۔"

میں حیرانی سے اس کے دماغ میں رہ کر اس کی حرکت کو دیکھ رہا تھا۔ اسی وقت ایک نرس کی آواز سنائی دی: "ارے یہ رو رہا ہے۔"

میں نے دی کلر کے دماغ سے چھلانگ لگائی اور نرس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ سوچ رہی تھی: "یہ تو نیند کے دوران کبھی دودھ نہیں مانگتا ہے اور نہ ہی عام بچوں کی طرح روتا ہے۔ شاید کوئی خواب دیکھ کر چونک گیا ہے۔ توبہ ہے، کیسے بے ڈھنگے پن سے رو رہا ہے، اسے چُپ کرانے کے لیے فیڈر دینا ہی ہوگا۔"

اس نے ایک فیڈر میں دودھ تیار کیا اور اس کی چسنی دی کلر کے منہ سے لگا دی۔ میں شدید حیرانی سے نرس کے دماغ میں رہ کر سوچ رہا تھا اور دی کلر کو دیکھ رہا تھا۔ کیا یہ وہی خطرناک فولادی انسان ہے جو ایک گھونسا مارتا ہے اور شیشم کے دروازے میں شگاف ڈال دیتا ہے اور ایک دھکے میں اس دروازے کو توڑ کر رکھ دیتا ہے؟

کیا یہی سات فٹ کا جوان ہے جس کے ہاتھ غیر معمولی طور پر لانبے ہیں۔ جس کے ہاتھوں کو اور جس کی جسامت کو دیکھ کر لوگ سہم جاتے ہیں۔ کیا یہ وہی ہے جو اب ننھے سے بچے کی طرح رو رہا ہے؟"

مگر نہیں، اب وہ چُپ ہو گیا تھا۔ چُپ چاپ فیڈر سے دودھ پی رہا تھا مگر یہ بھی چند سیکنڈ کی بات تھی۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے دی کلر میں حیرت انگیز تبدیلیاں آ رہی تھیں۔ اچانک اس کے منہ سے فیڈر گر گیا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو تھام کر پوچھنے لگا: "کون تھا۔ میرے دماغ میں کون تھا؟"

پھر اس نے انکار میں سر ہلا کر کہا: "کوئی بھی نہیں تھا۔"

میں اس کے دماغ میں پہنچنا چاہتا تھا۔ پھر میں نے اپنے آپ کو روکا۔ ایک دم سے یہ خیال پیدا ہوا کہ دی کلر کو بیس پچیس سیکنڈ بعد یہ احساس کیوں ہوا کہ کوئی اس کے دماغ میں آیا تھا؟

دوسرا خیال یہ پیدا ہوا کہ دی کلر یوگا کا ماہر نہیں تھا۔ وہ بے شک غیر معمولی دماغی قوت رکھتا تھا اور ہماری طرف سے پہنچائے جانے والے جھٹکوں کو فوراً ہی برداشت کر لیتا تھا۔ پھر جب کہ وہ یوگا کا ماہر نہیں تھا تو اسے کیسے محسوس ہو رہا ہے کہ نیند کے دوران کوئی خیال خوانی کے ذریعے اس کے دماغ میں آیا تھا؟

اس سوال کے جواب میں ایک ہی بات سمجھ میں آتی تھی اور وہ یہ کہ نہ تو وہ یوگا کا ماہر ہے اور نہ ہی بالغ ذہن رکھتا ہے۔ کوئی ایسا شخص اس کے پیچھے ہے جو اسے فوراً خبردار کرتا ہے کہ کوئی اس کے دماغ میں آیا ہے اور دوسرے معاملات میں بھی اس کی رہنمائی کرتا ہے۔

پھر ایک سوال پیدا ہوا۔ اگر کوئی شخص اس کی پشت پر ہے اور اس کی رہنمائی کرتا ہے تو کیا دماغ میں پہنچ کر رہنمائی کرتا ہے؟

کیا دماغ میں رہنمائی کرنے والا ٹیلی پیتھی جانتا ہے؟

نہیں، میں یہ ماننے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اگر کوئی شخص ٹیلی پیتھی جانتا ہے اور دی کلر کے دماغ میں آکر اسے گائیڈ کرتا ہے تو بیس پچیس سیکنڈ بعد اسے کیسے علم ہوا کہ کوئی خیال خوانی کے ذریعے دی کلر کے دماغ میں آیا تھا، اسے کیسے اطلاع ملی؟

پچھلی رات جب میں اور شیبا اس کے دماغ میں پہنچے تھے تو اس کے دماغ کو گائیڈ کرنے والا کیا اس وقت دماغ میں موجود تھا اور اب جب کہ دی کلر سو رہا تھا تو کیا وہ دماغ میں آکر گائیڈ کرنے والا ابھی سو رہا تھا اور میرے دماغ میں آنے کی اطلاع اسے بیس پچیس سیکنڈ بعد ملی تھی۔

یہ بڑا پیچیدہ معاملہ تھا۔ میں دماغی طور پر طیارے میں حاضر ہو کر اس مسئلے پر غور کرنے لگا۔ پھر میں نے جناب شیخ الفارس سے رابطہ قائم کیا اور انھیں دی کلر کے متعلق بتایا۔ انھوں نے کہا: "بیٹے! تم صرف یہ کیوں سوچتے ہو کہ کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا ہی اس کے دماغ میں آکر گائیڈ کر سکتا ہے۔ کوئی اور بات بھی ہو سکتی ہے۔ موجودہ دور میں ٹیکنالوجی اتنی ایڈوانس ہو چکی ہے کہ جو ہم نہیں سوچتے وہ بات ہمارے سامنے آ جاتی ہے۔"

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

انھوں نے جواباً کہا: "ابھی تم کہہ چکے ہو کہ جب تم اس کے پاس پہنچے تو وہ دماغ بالکل بچوں جیسا تھا۔ پھر تم نے دماغ میں سنسناہٹ سی سنی۔ اس کے بعد ٹِک ٹِک کی ہلکی سی آواز سنائی دی۔ یہ ٹِک ٹِک گھڑی کی آواز بھی ہوتی ہے اور یہی ٹِک ٹِک الارم بھی ہوتا ہے۔ ٹِک ٹِک کی مخصوص آواز سے خطرے کی اطلاع دی جاتی ہے۔ اب ہم جدید ٹیکنالوجی کو پیشِ نظر رکھ کر اس کے دماغ کے متعلق سوچتے ہیں۔ تم ذرا سوچو تو یہ ناممکن نہیں ہے۔ انسان کے دماغ کو کمپیوٹرائزڈ کیا جا سکتا ہے۔"

میں نے شدید حیرانی سے کہا: "اوہ خدایا۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"تم نے جتنی معلومات فراہم کی ہیں، ان کی روشنی میں کہہ رہا ہوں۔ جب پہلی بار تم نے اور شیبا نے دی کلر کے دماغ میں جگہ بنائی تو اس نے سانس نہیں روکی کیوں کہ وہ یوگا کا ماہر نہیں تھا لیکن تمھارے وہاں پہنچتے ہی وہ چونک گیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس حساس کمپیوٹر نے اطلاع دی تھی کہ پرائی سوچ کی لہریں دماغ میں ہیں۔"

میں نے قائل ہو کر سر ہلایا۔ انھوں نے کہا: "اب دی کلر کے دوسرے عمل کی طرف آؤ۔ جب شیبا نے جارج باڈی بلڈر کی آواز اور اس کے لب و لہجے میں اس سے گفتگو کی تو کمپیوٹر نے اس کی رہنمائی کی، اسے بتایا کہ جارج ہوٹل ہنی مون کے چھٹے فلور پر فلاں کمرے میں ہے اور کمپیوٹر کے گائیڈ کرنے پر وہ اُدھر دوڑتا چلا گیا تھا۔"

وہ بڑے ٹھوس دلائل دے رہے تھے۔ انھوں نے کہا: "دی کلر کے دماغ کو کمپیوٹر گائیڈ کرتا ہو یا نہ کرتا ہو، ہمیں کمپیوٹر کے متعلق سوچنا چاہیے۔"

"کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ایک انسان کے دماغ میں کمپیوٹر لگایا گیا ہے؟"

"میں یہ نہیں کہتا کہ دی کلر کی کھوپڑی میں سالم کمپیوٹر لگایا گیا ہوگا۔ میرا خیال ہے اس کے دماغ کے ساتھ صرف کمپیوٹر کا ریسیور لگایا گیا ہے۔ اس سے بہت دور کہیں ایک بڑا سا کمپیوٹر ہے جو اسے خطرے سے آگاہ کرتا ہے۔ اسے ایک ایک حرکت پر اور ایک ایک سوچ پر اور ایک ایک بول پر اس طرح آمادہ کرتا ہے جس طرح دماغ ہماری زبان کو بولنے پر اور ہمارے ہاتھ پاؤں کو حرکت کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔"

"یعنی دی کلر کے دماغ میں صرف ریسیونگ پوائنٹ ہے، وہ کمپیوٹر کے احکامات وصول کرتا ہے اور ان پر عمل کرتا ہے۔ اپنی بات کمپیوٹر تک نہیں پہنچا سکتا۔"

انھوں نے مسکراتے ہوئے کہا: "وہ اپنی کون سی بات کمپیوٹر تک پہنچائے گا جبکہ وہ ننھا سا بچہ ہے۔ تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، جب تم اس کے خوابیدہ دماغ میں پہنچے تو وہ بچوں کی طرح چونک کر اٹھ گیا تھا اور رونے لگا تھا۔ فیڈر میں دودھ دینے کے بعد وہ چپ ہو گیا تھا۔ یعنی دی کلر کے پاس صرف ایک ننھے سے بچے کا ذہن ہے۔ اس کی اپنی کوئی سوچ نہیں ہے، وہ کمپیوٹر تک اپنی کوئی بات نہیں پہنچا سکتا البتہ ٹیلی پیتھی کے خطرے کے پیشِ نظر دی کلر کے سر میں جو ریسیونگ پوائنٹ ہے اسے اتنا حساس بنایا گیا ہے کہ پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کرتے ہی دوسری طرف خطرے کا سگنل پہنچاتا ہے۔"

میں نے کہا: "ایک بات غور طلب ہے، کمپیوٹر کا وہ ریسیور پوائنٹ یقیناً کسی دھات کا ہوگا۔ کیا انسانی کھوپڑی اپنے اندر کسی دھات کو برداشت کر سکتی ہے؟"

انھوں نے کہا: "کوئی ضروری نہیں ہے کہ کمپیوٹر کسی دھات کا ہو۔ کسی بھی جاندار کی ہڈیوں کو تراش کر ایک ننھا سا ریسیونگ پوائنٹ بنایا جا سکتا ہے اور وہ کسی کھوپڑی کی مناسبت سے تیار کیا جا سکتا ہے جیسا کہ ڈاکٹر والی نے کیا ہوگا۔ میری یہ بات اس مثال سے سمجھو کہ جسم کا کوئی عیب پلاسٹک سرجری کے ذریعے چھپا دیا جاتا ہے۔ بے شک آپریشن تھیٹر میں سرجری کے دوران پلاسٹک کے ریشے

استعمال ہوتے ہیں لیکن اب یہ بات پرانی ہو چکی ہے۔ اب تو جدید تحقیقات کے مطابق مردہ خانوں سے مُردوں سے حاصل کی ہوئی کھالیں زندہ انسانوں کے جسم کی مناسبت سے سرجری کے ذریعے لگائی جاتی ہیں اور ان کے جسمانی عیب دور کیے جاتے ہیں۔ تم نے کئی بار اپنے چہرے پر ایسی سرجری کرائی ہے۔ بہرحال یہ ایک لمبی بحث ہے۔ آنے والا وقت بتائے گا کہ ہم کس حد تک صحیح سمت میں سوچ رہے ہیں۔ فی الحال ہمیں اس بات پر قائم رہنا چاہیے کہ دی کلر کو کمپیوٹر کے ذریعے گائیڈ کیا جا رہا ہے۔"

میں نے کہا "یا خدا! تو کیسی کیسی مخلوقات پیدا کرتا ہے۔ یہ سات فٹ کا جوان، پہاڑ جیسا ڈیل ڈول رکھنے والا، جسے دیکھ کر ہیبت طاری ہو جاتی ہے۔ دراصل ایک ننھا سا بچہ ہے۔ دودھ کے لیے روتا ہے اور اتنا بے بس ہوتا ہے کہ خود اٹھ کر فیڈر تک نہیں جا سکتا لیکن جب کمپیوٹر کے ذریعے اٹھتا ہے تو زلزلہ بن جاتا ہے۔ یہ کیسا انسان ہے۔ میں اسے ظالم کہوں یا بے چارہ؟"

جناب شیخ الفارس نے کہا "تم اس کے لانبے ہاتھوں کو یاد رکھو جو شیطان کی آنت کی طرح لانبے ہیں۔ اس کی کھوپڑی میں ایک ننھے سے بچے کا دماغ ہے مگر کھوپڑی کے پیچھے شیطان کا دماغ کام کر رہا ہے۔ یہ جب بھی تمھارے سامنے آئے گا تمھیں توڑ پھوڑ کر رکھ دے گا۔ اس لیے اسے سب کچھ کہو مگر بے چارہ نہ کہو۔"

ان سے رابطہ قائم ہو گیا۔ میں نے سر گھما کر دیکھا۔ رسونتی آرام سے اپنی سیٹ پر سو رہی تھی۔ میں اس نرس کے پاس پہنچ گیا جس نے دی کلر کو فیڈر میں دودھ دیا تھا۔ وہ ایک کار میں بیٹھی ایک شخص کے ساتھ ایک شاہراہ سے گزر رہی تھی۔ اس کی سوچ سے پتا چلا کہ اس کی ڈیوٹی جلدی ختم ہو گئی ہے۔ اب وہ آرام کرنے اپنی رہائش گاہ میں جا رہی ہے۔ ڈرائیو کرنے والے نے ڈیش بورڈ کی گھڑی کو دیکھتے ہوئے کہا "تقریباً ایک گھنٹا گزر چکا ہے۔ کیا تم اپنے دماغ میں کچھ محسوس کر رہی ہو؟"

نرس نے انکار میں سر ہلا کر کہا "مجھے کچھ محسوس نہیں ہو رہا ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ میں بھی تمھاری طرح یوگا کا فن جانتی۔ پھر مجھے ٹیلی پیتھی جاننے والوں کی طرف سے اندیشہ نہیں رہتا۔"

ڈرائیو کرنے والے نے کہا "اب یوگا میں مہارت حاصل کرنا بالکل آسان ہو گیا ہے۔ ہمارے پُراسرار باس نے اپنے طبّی شعبے میں ایک ایسی دوا ایجاد کی ہے جسے استعمال کرنے سے چند دنوں میں ہی سانس روکنے کی عادت ہو جاتی ہے۔ پھر دماغ اتنا حساس ہو جاتا ہے کہ پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کر لیتا ہے۔"

نرس نے حیرانی سے پوچھا "کیا واقعی؟"

"ہاں، وہ دوا گولیوں کی صورت میں ہے، اس وقت بھی میرے پاس موجود ہیں۔"

"پھر تو میں ضرور ان گولیوں کو استعمال کروں گی۔"

"استعمال تو کرنا ہی ہوگا۔ باس نے اسی لیے یہ دوا ایجاد کی ہے۔ ان کے تمام ماتحت جو کسی وقت بھی ٹیلی پیتھی جاننے والوں سے ٹکرا سکتے ہیں، انھیں یہ استعمال کرنا چاہیے اور یوگا کے فن میں مہارت حاصل کرنا چاہیے۔ اس طرح ٹیلی پیتھی کا ہتھیار بالکل ہی بے کار ہو جائے گا۔"

وہ بالکل ہی ناقابلِ یقین بات کہہ رہا تھا۔ بھلا ایسی گولی کیسے ایجاد ہو سکتی ہے جو انسان کو یوگا کا ماہر بنا دیتی۔ لیکن وہ نرس مجھ سے خوفزدہ تھی اور کوئی سہارا چاہتی تھی اور اسے ان گولیوں کا سہارا ملنے والا تھا۔ اس کی سوچ بتا رہی تھی کہ وہ کولمبیا کے ایک شہر بوگوٹا میں ہے۔ دی کلر کو آج صبح ہی ایک چارٹرڈ طیارے کے ذریعے کولمبیا بھیج دیا گیا تھا۔ اسے پچھلی رات سے آج دن کے بارہ بجے تک سونے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اسی لیے وہ بے وقت سو رہا تھا اور اس کے سونے کے دوران ہی میں اس کے دماغ میں پہنچا تھا۔

پُراسرار باس کو شبہ تھا کہ میں دی کلر کے دماغ میں پہنچا تھا، تب ہی وہ ہڑبڑا کر اٹھ گیا تھا۔ حالانکہ میں نے کوئی ردِّعمل ظاہر نہیں کیا تھا نہ ہی اپنی موجودگی ظاہر کی تھی۔ تاہم یقین نہ ہونے کے باوجود وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ جو نرس اس کے سامنے تھی، اس نے اپنی آواز سنائی تھی یا نہیں؟ نرس نے انکار کر دیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ میں نے دی کلر کے سامنے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔ چپ چاپ ایک فیڈر میں دودھ دے دیا تھا۔ حالانکہ اس نے جھوٹ کہا تھا۔ اگر وہ ایک فقرہ نہ ادا کرتی تو میں اس کے دماغ میں کیسے پہنچتا۔ بہرحال وہ اپنے باس سے جھوٹ بول کر مطمئن ہو گئی تھی۔ لیکن اس سے کہا گیا تھا کہ وہ محتاط رہے، ہو سکتا ہے کسی اور ذریعے سے فرہاد اس کے دماغ میں آئے اور اسے ٹریپ کرنے کی کوشش کرے۔ ایسی صورت میں اسے ایک مخصوص اشارہ کرنا چاہیے کہ فرہاد اس کے پاس موجود ہے......

یہی وجہ تھی کہ ڈرائیو کرنے والا شخص پوچھ رہا تھا "ایک گھنٹا گزر گیا ہے کیا وہ اپنے دماغ میں کچھ محسوس کر رہی ہے؟"

وہ مجھے محسوس نہیں کر رہی تھی۔ اس کی رہائش گاہ کے سامنے کار رک گئی۔ ڈرائیو کرنے والے نے اپنی جیب سے ایک چھوٹی سی ڈبیہ نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اس میں چند گولیاں ہیں۔ روز ایک گولی کھا لیا کرو تم ایک ہفتے کے اندر سانس روکنا سیکھ جاؤ گی مگر اس کے ساتھ ہلکی پھلکی ورزش بھی کیا کرو۔ اچھا پھر ملاقات ہوگی۔ سو فار۔"

یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ اس کی باتوں سے پتا چل گیا تھا کہ وہ یوگا کا فن جانتا ہے۔ میں اس کے دماغ میں رہ کر اس کی چال کو نہیں سمجھ سکتا تھا۔ وہ نرس اپنے مکان میں پہنچ کر دروازے کو اندر سے بند کرنے کے بعد پرس کو ایک طرف صوفے پر پھینکتے ہوئے، گنگناتے ہوئے لباس بدلنے کے لیے بیڈ روم میں آئی۔ میں نے اس کی سوچ میں پوچھا "کیا پُراسرار باس کو اس بات کا شبہ ہے کہ میں نے اس سے جھوٹ کہا ہے، کیا باس کو کسی طرح پتا چل گیا ہے کہ دی کلر کے ہڑبڑا کر اٹھتے ہی میں بے اختیار بول پڑی تھی؟"

اس کی اپنی سوچ نے کہا "نہیں، کسی کو شبہ نہیں ہو سکتا۔ جہاں دی کلر آرام کر رہا تھا، وہاں میں تنہا ڈیوٹی پر تھی۔ کمرا بند تھا۔ کسی نے میری آواز نہیں سنی ہوگی۔"

"ہو سکتا ہے دی کلر نے باس کو بتا دیا ہو کہ میں بے اختیار بول پڑی تھی۔"

وہ تائید میں سر ہلا کر سوچنے لگی۔ میں نے پھر کہا "آج میری ڈیوٹی وقت سے پہلے ختم کر دی گئی۔ مجھ سے کہا گیا کہ میں اپنی رہائش گاہ میں آرام کروں اور اپنے دماغ میں انجانی سوچ کی لہروں کو محسوس کرنے کی کوشش کروں۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ باس کو شبہ ہے۔ وہ ٹیلی پیتھی جاننے والا میرے دماغ میں چپکے سے آ سکتا ہے۔"

وہ لباس تبدیل کر چکی تھی، ہلکا پھلکا سا لباس پہننے کے بعد اس نے ایک گلاس میں پانی لیا۔ پھر سنگھار میز کے پاس آ کر وہی ڈبیہ کھولی جس میں گولیاں رکھی ہوئی تھیں۔ جب اس نے ایک گولی نکال کر ہتھیلی پر رکھی تو میں نے اس کی سوچ میں کہا "مجھے سوچ سمجھ کر اسے استعمال کرنا چاہیے۔ میں اس کے ذریعے سانس روکنے کا فن حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ ہمیشہ کے لیے سانس رک جائے۔"

اس نے اپنے آپ سے کہا "یہ میں کیا سوچ رہی ہوں۔ بھلا ڈیوڈ مجھے ایسی گولیاں استعمال کرنے کیوں دے گا جو میری ہلاکت کا باعث بنیں۔ وہ تو میرا قابلِ اعتماد بوائے فرینڈ ہے۔"

باس کی دہشت کے سامنے کوئی کسی کا بوائے فرینڈ، کوئی کسی کا رشتے دار نہیں رہتا۔ باس نہیں چاہتا کہ وہ ٹیلی پیتھی جاننے والا ابھی میرے دماغ میں نہیں آیا ہے تو بعد میں آئے اور یہ راز معلوم کرلے کہ دی کلر جب نیند کی حالت میں ہوتا ہے تو ایک ننھے بچے کی طرح بے بس ہوتا ہے۔ اس کے لیے ایک نرس مقرر ہوتی ہے جو اسے فیڈر سے دودھ پلاتی ہے اور جب وہ بیدار ہوتا ہے تو ایک خطرناک انسان بن جاتا ہے۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی "نہیں، میں ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو یہ بات کبھی نہیں بتاؤں گی۔ وہ میرے دماغ میں آئیں گے تب بھی نہیں بتاؤں گی۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی ہتھیلی پر رکھی ہوئی اس گولی کو دیکھا۔ وہ ایک دوراہے پر تھی۔ ایک طرف اُس کا اعتماد کہتا تھا کہ اس نے ایسی دوا دی ہے کہ وہ سانس روکنے کا فن سیکھ لے گی۔ دوسری طرف میں نے اس کے دل میں شبہ پیدا کردیا تھا کہ اس کے سوتے ہی ہمیشہ کے لیے سانس رک جائے گی۔ اب وہ کیا کرے؟

میں نے اُسے سمجھایا "مجھے جلدی نہیں کرنا چاہیے۔ سانس روکنے کا فن سیکھنے کے لیے گولی کھانا ہی ہے تو میں ایک گھنٹے بعد بھی کھا سکتی ہوں۔"

میری یہ بات اس کی سمجھ میں آگئی — اس نے گولی کو واپس اُسی ڈبیا میں رکھ دیا۔ اُسے بند کردیا۔ اس وقت رسونتی بیدار ہوگئی تھی اور اب ہمارا طیارہ کولمبیا کے اسی شہر بوگوٹا کے ائرپورٹ پر آنے والا تھا۔ اس طیارے میں جو لوگ ہماری نگرانی کررہے ہوں گے انھیں شاید مایوسی ہو کہ فرہاد بنفس نفیس ابھی تک رسونتی کے پاس نہیں آیا ہے۔ افسوس میرے پاس بھی ایسا کوئی طریقہ نہیں تھا جس سے میں دشمنوں کو پہچان سکتا کہ ان میں سے کتنے لوگ پُراسرار باس سے تعلق رکھتے ہیں اور کتنے ماسٹر کی سے تعلق رکھنے والے ہیں۔ ایسے ہی وقت سونیا یاد آتی ہے۔ وہ کبھی خاموش نہ بیٹھتی۔ سفر کے دوران ضرور دشمنوں کو بے نقاب کردیتی۔

سونیا کی یاد نے مجھے ذرا اداس کردیا۔ میں نے خود کو بہلانے کے لیے رسونتی سے چھیڑ چھاڑ شروع کردی۔ طیارے سے اتر کر ائرپورٹ کی عمارت میں آنے تک اس سے بچوں کی طرح باتیں کرتا رہا۔ اس نرس کی بھی خبر لیتا رہا۔ وہ آرام سے بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ شام کا وقت تھا۔ وہ سوچ رہی تھی، تھوڑی دیر کمر سیدھی کرنے کے بعد غسل کرے گی۔ اس کے بعد تازہ دم ہوکر میک اپ کرکے اچھا سا لباس پہن کر کسی کلب میں جائے گی۔

میرے اور رسونتی کے لیے ایک ہوٹل کا کمرہ ریزرو کرایا گیا تھا۔ ایک کار میں ہوٹل کی طرف جاتے ہوئے میں نے مادام کمپیوٹر بن کر چارلی کے دماغ میں کہا "میں مادام بول رہی ہوں۔ رسونتی اور ڈاکٹر شے کا کسی کو پُراسرار شخص کا مہمان نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی تم میں سے کسی کو ان کی میزبانی کرنا چاہیے۔ وہ دونوں آج ہوٹل میں ٹھہریں گے۔ کل سے اپنے طور پر رہائش اختیار کریں گے اور آزاد رہیں گے۔ تم لوگوں کو دُور ہی سے ان کی نگرانی کرنا چاہیے ورنہ فرہاد کبھی قریب نہیں آئے گا۔"

چارلی سے رابطہ ختم کرنے کے بعد میں نے پھر اس نرس کی خبر لی۔ اس وقت ٹیلی فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ وہ بستر سے اٹھ کر فون کے پاس آئی پھر ریسیور اٹھا کر کہا "ہیلو، میں تھیلما بول رہی ہوں۔"

دوسری طرف سے اس کے بوائے فرینڈ ڈیوڈ کی آواز سنائی دی۔ اس نے پوچھا "کیا تم نے ابھی تک گولی نہیں کھائی؟"

میں نے تھیلما کی زبان کو مجبور کیا کہ وہ میری مرضی کے مطابق سوال کرے اور اُس نے سوال کیا "تمھیں کیسے معلوم ہوا کہ میں نے گولی نہیں کھائی ہے؟"

دوسری طرف اُس کا بوائے فرینڈ گڑبڑایا، پھر بولا "میں یونہی پوچھ رہا تھا، اگر گولی کھا چکی ہو تو ذرا چلتی پھرتی رہو تاکہ وہ جلد ہضم ہوسکے۔"

میں سمجھ رہا تھا، ڈیوڈ بات بنا رہا ہے۔ میں نے پھر تھیلما کو بے اختیار کہنے پر مجبور کیا اور اُس نے کہا "میں گولی بھی کھا چکی ہوں اور تھوڑی دیر تک ٹہلتی بھی رہی ہوں۔"

یہ سنتے ہی دوسری طرف سے دہاڑنے کی آواز سنائی دی۔ ڈیوڈ نے گرجتے ہوئے کہا "چڑیل کی بچی! تم نے باس سے جھوٹ کہا تھا کہ دی کلر کے سامنے اپنی زبان نہیں کھولی تھی، کوئی بات نہیں کہی تھی حالانکہ تم بے اختیار بول پڑی تھیں اور اب بھی جھوٹ کہہ رہی ہو تم نے گولی نہیں کھائی ہے۔"

"اگر میں نے نہیں کھائی تو کیا فرق پڑتا ہے؟"

"ابھی کھاؤ۔ یہ باس کا حکم ہے ورنہ کہیں سے ایک گولی سنسناتی ہوئی آئے گی اور تم ٹھنڈی پڑ جاؤ گی۔"

تھیلما کے دماغ میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ اس کے ہاتھ میں ریسیور کانپنے لگا۔ اب ساری بات سمجھ میں آرہی تھی۔ میں نے اُس کے دماغ میں جو کچھ کہا تھا، وہ حقیقت نظر آرہی تھی۔ وہ سمجھ گئی کہ اس گولی میں ایسی بات ہے کہ اُسے کھانے کے بعد وہ پھر سانس لینے کے قابل نہیں رہے گی۔ مشکل یہ تھی کہ وہ گولی کھانے سے انکار نہیں کرسکتی تھی کیونکہ باس نے اُسے حکم دیا تھا۔ اس کے ہاتھ سے ریسیور چھوٹ گیا۔ وہ گھبرا کر ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔ موت اس کے چاروں طرف تھی، کہیں سے بھی، کسی وقت بھی کوئی گولی آکر اُسے ہمیشہ کے لیے ختم کرسکتی تھی۔ وہ مرنا نہیں چاہتی تھی۔ بھلا بھری جوانی میں کون مرنا پسند کرتا ہے۔ وہ فوراً ہی دوڑتی ہوئی الماری کے پاس گئی۔ وہاں سے ایک جینز اور شرٹ نکالی۔ پھر اُسے جلدی جلدی پہننے لگی۔ اس کے بعد اُس نے جرابیں اور جُوتے پہنے، پرس میں کرنسی رکھی۔ پھر وہاں سے دوڑتی ہوئی مکان سے باہر جانا چاہتی تھی کہ رک گئی۔

اُس کے دماغ نے سمجھایا۔ شاید اگلے دروازے پر باس کے آدمی ہوں۔ وہ وہاں سے پلٹ کر دوڑتی ہوئی کچن میں آئی۔ پھر کچن کے دروازے کو کھول کر مکان کے پچھلے حصّے میں پہنچی۔ اُس نے چاروں طرف دیکھا۔ اب اندھیرا چھا رہا تھا۔ وہ دوڑتی ہوئی پچھلی سڑک پر پہنچ گئی۔ اُسی وقت ٹھائیں سے گولی چلنے کی آواز سنائی دی۔ تھیلما چیخ پڑی۔ مگر گولی نہیں لگی تھی۔ پہلے تو وہ گھبرائی پھر وہاں سے دوڑتی ہوئی ایک طرف بھاگنے لگی۔

میں نے رابطہ تھوڑی دیر کے لیے ختم کردیا کیوں کہ جس اسٹیورڈ نے مجھے طیارے میں مخاطب کیا تھا، اب اس کے پاس جانا ضروری تھا۔ جب میں اس کے پاس پہنچا تو وہ میرا انتظار کررہا تھا۔ میں نے کہا "میں آگیا ہوں۔ تم اپنے ساتھی سے رابطہ قائم کرو۔"

اس نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کیے۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک نوجوان ساتھی سے گفتگو کررہا تھا۔ میں نے کہا "اتنا کافی ہے۔"

اُس نے جس سے رابطہ قائم کیا تھا، وہ ایک نیگرو تھا۔ اُس کا نام ردلو ممباسا تھا۔ میں نے کہا "ہیلو مسٹر ردلو ممباسا، میں فرہاد بول رہا ہوں۔"

وہ ایک دم سے اٹینشن ہوکر بولا "میں آپ کا فرماں بردار خادم ہوں۔"

"میرا کوئی خادم نہیں ہوتا۔ ہم سب دوست ہوتے ہیں۔ بہرحال اس پُراسرار شخص کا کام کرنے والی ایک نرس جس کا نام تھیلما ہے، وہ زندگی اور موت کے درمیان ہے۔ اُس کے باس نے اُس کی موت کا حکم دیا ہے اور انجانے دشمن اس کا پیچھا کررہے ہیں۔ کسی طرح اسے بچاؤ۔ میں اس کے دماغ کو پڑھ چکا ہوں۔ وہ میرے لیے مزید کوئی اہم معلومات فراہم نہیں کرسکے گی لیکن اسے بچانا ضروری ہے۔ ہم اس پُراسرار شخص کو یہ تاثر دیں گے کہ ماسٹر کی کے آدمی تھیلما کی حفاظت کررہے ہیں۔"

ردلو ممباسا نے پوچھا "کیا آپ مجھے وہاں تک پہنچا سکیں گے؟ صرف نشاندہی کریں، میں تھیلما تک پہنچ جاؤں گا۔"

میں نے اس کے دماغ سے معلوم کیا ہے، وہ پارک اسٹریٹ کی ساتویں گلی میں فلیٹ نمبر سات میں رہتی تھی۔ اب وہاں سے فرار ہوگئی ہے۔ فلیٹ کے پچھلے حصّے میں جو راستہ ہے، میں نے آخری بار اُسے وہاں سے بھاگتے ہوئے دیکھا ہے۔ اب وہ جہاں بھی جارہی ہے، اگر زندہ ہے تو میں اس کے دماغ سے معلوم کرتا رہوں گا کہ وہ کہاں سے گزر رہی ہے۔ فی الحال تم پارک اسٹریٹ کے اس سات نمبر فلیٹ والے پچھلے راستے کی طرف چلو۔"

ردلو تیزی سے چلتا ہوا اپنی کار کی طرف جانے لگا۔ میں پھر تھیلما کے پاس پہنچ گیا۔ وہ ابھی زندہ تھی۔ ایک پولیس آفیسر نے اُسے بھاگتے دیکھ کر گاڑی روکی تھی اور اُسے اپنے ساتھ بٹھا لیا تھا۔ اس کی روداد سُن کر اُس نے تسلی دی تھی اور کہا تھا "گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ میری رہائش گاہ پر چلو۔ وہاں دشمن آنے کی جرأت نہیں کریں گے۔"

میں نے تھیلما کے ذریعے اس پولیس آفیسر کے دماغ میں جگہ بنائی۔ اس کے خیالات پڑھے۔ اس کے بعد ردلو کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے اس سے پوچھا "کیا پورے امریکا پر اس پُراسرار شخص کی حکومت ہے؟"

اُس نے پوچھا "آخر بات کیا ہے؟"

میں نے کہا "میں نے بار بار یہ میں ایک ایک شخص کو اس پُراسرار باس کا وفادار دیکھا۔ ابھی تھیلما ایک پولیس آفیسر کی پناہ میں اس کی رہائش گاہ تک جارہی ہے۔ وہ آفیسر بھی پُراسرار شخص کا وفادار ہے۔ وہ دل ہی دل میں سوچ رہا ہے کہ تھیلما کو جاکر اپنے گھر میں پناہ دے گا اور اِس کی اطلاع پُراسرار شخص تک پہنچا دے گا کہ ڈیوڈ کے ہاتھ سے بچ کر نکلنے والی تھیلما اب اس کے ہاں پناہ لے رہی ہے۔"

ردلو نے کہا "آپ درست فرما رہے ہیں۔ مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے جیسے وہ پُراسرار شخص پورے امریکا پر چھایا ہوا ہے۔ کوئی سیاسی لیڈر ہو یا سرکاری افسر، سب اس کے غلام نظر آتے ہیں۔ ابھی میں یہی سوچ رہا تھا کہ تھیلما کو وہاں سے بچا کر لے آنا کوئی بڑی بات نہیں ہے لیکن اُسے دیر تک چھپائے رکھنا مشکل ہوجائے گا۔ ایک بات میرے ذہن میں آئی ہے۔"

میں نے پوچھا "ہاں۔ ہاں، بتاؤ کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"ابھی آپ نے کہا تھا کہ میں جو کچھ بھی کروں، اس کا تاثر یہ دیا جائے کہ یہ سب کچھ ماسٹر کی کے آدمی کررہے ہیں تو جناب ماسٹر کی کے ایک آدمی سے میرا رابطہ ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ میں اس کے لیے کام کرتا رہوں اور میں نے اس کے لیے ہامی بھر لی ہے۔"

تو پھر دیر کس بات کی ہے، تم اُس شخص کو اطلاع دو کہ تھیلما فلاں جگہ ہے۔ باقی اس پر چھوڑ دو۔ ماسٹر کی کے آدمی اُدھر

دوڑ پڑیں گے۔ تم اُن کے قریب بھی نہ جانا۔"

ہم ہوٹل کے سامنے پہنچ گئے تھے۔ گاڑی سے اُتر کر اپنے کمرے میں پہنچنے تک میں رسونتی سے باتیں کرتا رہا۔ اُس نے کہا۔ "تم کبھی کبھی اتنے چپ ہو جاتے ہو کہ میری طرف دیکھتے بھی نہیں۔"

مَیں نے لفٹ میں پہنچ کر اس کی طرف جھکتے ہوئے آہستگی سے کہا۔ "بھئی، مَیں فرہاد صاحب سے مجبور ہوں۔ کبھی کبھی وہ میرے دماغ میں بولتے ہیں اور تمھاری خیریت معلوم کرتے رہتے ہیں۔"

اُس نے مجھے پرے دھکیلتے ہوئے کہا۔ "مَیں کسی فرہاد ورہاد کو نہیں جانتی۔ میرے پاس رہو اور مجھ سے ہی باتیں کرتے رہو۔"

لفٹ اوپر جا رہی تھی اور لفٹ مَین ہمارے قریب ہی کھڑا ہوا تھا۔ مَیں اُسے سنانے کے لیے کہہ رہا تھا۔ "مجھے افسوس ہے، تم اس فرہاد کو بھول چکی ہو جو تمھاری زندگی کا ساتھی رہا اور اب بھی ہے۔ ایک دن وہ تمھیں ملے گا تو تمھیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ اُسے برابر تمھارے ساتھ رہنے کا موقع ملے تو وہ ٹیلی پیتھی کے ذریعے تمھارے بچکانہ ذہن کو تمھاری عمر کی مناسبت سے نارمل بنا دے۔"

لفٹ رک گئی۔ مَیں رسونتی کے ساتھ باہر آ گیا۔ لفٹ مین نیگرو تھا۔ اُس نے اپنی آواز نہیں سنائی تھی۔ میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ مَیں اُس کی آنکھوں میں جھانک کر دماغ کو پڑھتا۔ ضرورت ہی کیا تھی۔ مجھے احتیاطاً جو کرنا ہوتا ہے کر گزرتا ہوں۔

ہم وہاں سے چلتے ہوئے اپنے مخصوص کیے ہوئے کمرے میں آئے۔ مَیں نے شیبا کو مخاطب کیا اور کہا۔ "ذرا میرے دماغ میں رہ کر تھیلما کے دماغ تک پہنچو۔ وہاں ماسٹر کی کے کچھ لوگ پہنچنے والے ہیں۔ تم ان میں سے چند ایک کے لب و لہجے کو اپنی گرفت میں رکھو گی اور کچھ لوگوں کو مَیں اپنی گرفت میں رکھوں گا۔"

یہ کہہ کر میں نے رسونتی سے کہا۔ "تم بیٹھو۔ مَیں ابھی باتھ روم سے آتا ہوں۔"

میں باتھ روم میں گیا اور دروازے کو اندر سے بند کرنے کے بعد تھیلما کے پاس پہنچ گیا۔ شیبا میرے دماغ میں موجود تھی۔ اس وقت تھیلما پولیس آفیسر کے ساتھ اُس کی گاڑی سے اُتر رہی تھی اور اس سے باتیں کرتی جا رہی تھی۔ شیبا نے کہا۔ "مَیں نے اس کی آواز اور لب و لہجے کو سمجھ لیا ہے۔"

مَیں نے کہا۔ "اب تم رولو ممباسا کے دماغ میں چلو۔ پہلے یہ بتاؤ! بابا صاحب کے ادارے میں کیا یہ بات عام ہو چکی ہے کہ تم خیال خوانی کرتی ہو اور تم ہی مادام کمپیوٹر رہ چکی ہو؟"

"ہاں، میں سمجھتی ہوں، وہاں کے تقریباً تمام افراد مجھے اچھی طرح جانتے ہیں۔ اس ادارے سے باہر مختلف ممالک میں جو لوگ ہیں، انھیں ابھی اس بات کا علم نہیں ہے۔"

"رولو ممباسا کو بھی اپنی موجودگی کا احساس نہ دلانا۔"

یہ کہہ کر میں رولو کے دماغ میں پہنچا۔ پھر اس سے پوچھا۔ "کیا تم نے ماسٹر کی کے آدمیوں کو تھیلما کے پیچھے لگا دیا ہے؟"

"جی ہاں، وہ لوگ تھیلما اور پولیس آفیسر کے پہنچنے سے پہلے ہی ان کی رہائش گاہ کو گھیر چکے ہوں گے۔"

مَیں نے کہا۔ "میں ابھی اُدھر سے ہی آ رہا ہوں۔ وہاں مَیں نے ایسی کوئی بات نہیں دیکھی۔"

"مَیں اُسی طرف جا رہا ہوں۔ اب پہنچنے ہی والا ہوں۔"

"مگر تم دور رہو گے۔"

اس کے بعد میں نے شیبا کی طرف توجہ دی۔ وہ میرے دماغ میں رولو ممباسا کے لب و لہجے کو دہرا رہی تھی۔ میں نے کہا۔ "بالکل ٹھیک ہے۔ ہم پھر تھیلما کے پاس چلیں گے۔ ویسے مَیں اِن سب کے پاس اس لیے جا رہا ہوں کہ رسونتی اہم موقع پر مداخلت کرتی ہے اور میری خیال خوانی ادھوری رہ جاتی ہے۔ ایسے وقت میں تم خیال خوانی جاری رکھو گی۔"

جب ہم تھیلما کے پاس پہنچے تو وہ سہمی ہوئی تھی۔ پیچھے ہٹتے ہوئے، آفیسر کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

آفیسر نے ریسیور کو کان سے لگایا ہوا تھا اور ریوالور کا رُخ تھیلما کی طرف تھا۔ پھر اُس نے کہا۔ "ہیلو، ڈیوڈ! مَیں بول رہا ہوں۔ اگر تم اپنے شکار کو قتل نہ کر سکے اور وہ تمھارے ہاتھ سے نکل جائے تو باس تمھارے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟"

دوسری طرف سے ڈیوڈ نے کہا۔ "جب سے تھیلما فرار ہوئی ہے، میرے ہوش اڑ گئے ہیں۔ میرے آدمی اسے تلاش کر رہے ہیں۔ کیا تم اُس کے متعلق کچھ جانتے ہو؟"

"ہاں، اس وقت یہ لڑکی میرے گن پوائنٹ پر ہے۔"

"اوہ آفیسر! مَیں تمھارا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔"

"مَیں کسی پر احسان نہیں کرتا۔ صرف اپنے باس کا وفادار ہوں۔ فوراً اپنے آدمیوں کو بھیجو تاکہ وہ اُس کی لاش اٹھا کر لے جا سکیں اور ہاں، ریسیور رکھنے سے پہلے گولی چلنے کی آواز تو سن لو، شاید تم تھیلما کی چیخ سے اُسے پہچان سکو۔"

یکبارگی ٹھائیں سے فائرنگ کی آواز ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی تھیلما کی فلک شگاف چیخ سنائی دی۔ آفیسر کے ایک

ہاتھ سے ریوالور اور دوسرے ہاتھ سے ریسیور چھوٹ کر گر پڑا۔ گرنا چاہیے تھا تھیلما کو مگر وہ آفیسر زمین بوس ہو چکا تھا۔

گر گولی ہاتھ میں لگی تھی۔ وہ اپنے بچاؤ کے لیے زمین بوس ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اُس نے پلٹ کر آنے والے کو ایک لات رسید کی۔ بڑی پھرتی سے اُٹھ کر کھڑا ہوا مگر آنے والا ایک نہیں تھا، چار تھے۔ اُس کے اٹھتے ہی کمر پر لات پڑی۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا دروازے سے ٹکراتا ہوا باہر چلا گیا۔ وہاں سے پلٹ کر آنے کا موقع نہیں ملا۔ ٹھائیں ٹھائیں دو بار گولی چلی۔ اس بار ایک گولی اُس کی پشت پر اور دوسری شانے پر لگی اور وہ لڑکھڑا کر برآمدے میں گر پڑا۔ وہاں سے لڑھکتا ہوا کچی زمین پر پہنچ گیا۔

آنے والوں میں سے ایک نے کہا۔ "تھیلما! تمھارے متعلق بروقت اطلاع ملی اور ہم تمھیں بچانے آ گئے۔ کیا ہمارے ساتھ چلو گی؟"

تھیلما نے سہمے ہوئے انداز میں پوچھا۔ "تم سب کون ہو؟"

"ہم دوست ہیں۔ اگر دشمن ہوتے تو تمھیں مرنے کے لیے چھوڑ دیتے اور مرنے والے کو دوست بنا لیتے۔"

وہ روتے ہوئے بولی۔ "مَیں زندہ نہیں رہ سکوں گی۔ وہ لوگ مجھے مار ڈالیں گے۔ ہمارے باس کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ تم لوگ مجھے کہیں چھپا نہ سکو گے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ تمھارے باس کے لمبے ہاتھوں سے صرف ماسٹر کی پناہ دے سکتا ہے۔ تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔"

میں نے شیبا سے پوچھا۔ "کیا تم اِن بولنے والوں کے لب و لہجے کو گرفت میں لے رہی ہو؟"

"ہاں، مَیں ان کی باتوں کو توجہ سے سُن رہی ہوں اور انھیں کسی وقت بھی ٹریپ کر سکتی ہوں۔"

تھیلما ڈوب رہی تھی۔ اُسے زندہ رہنے کا یقین نہیں تھا۔ ماسٹر کی کے آدمیوں سے سہارا ملتے ہی وہ اُن کے ساتھ چلی گئی۔ شیبا نے کہا۔ "فرہاد جلدی آؤ، وہ پولیس آفیسر ابھی زندہ ہے، دیکھو کیا کر رہا ہے؟"

مَیں فوراً آفیسر کے دماغ میں پہنچا۔ اس وقت وہ اپنی جیب سے ایک چابی نکال رہا تھا۔ اُس کی حالت بڑی غیر تھی۔ اَب تب میں دم توڑنے ہی والا تھا۔ دو گولیاں کھانے کے بعد زندہ رہنا ناممکن تھا۔ پھر بھی وہ زندگی کے لیے جدوجہد کر رہا تھا۔ پھر ہم نے دیکھا، وہ ہاتھ میں پکڑی ہوئی چابی سے کچی زمین پر لکھ رہا تھا۔ "ایم اے ایس ٹی، ای، آر . . . ."

وہ اتنے حروف لکھنے تک بُری طرح تھرتھراتا جا رہا تھا۔ ہاتھ پاؤں سے دم نکل رہا تھا۔ پھر پوری طرح ماسٹر لکھنے کے بعد اس کے ہاتھ سے چابی چھوٹ گئی۔ وہیں زمین پر پڑی رہ گئی اور وہ ہمیشہ کے لیے ٹھنڈا پڑ گیا۔

مَیں نے رولو کو مخاطب کیا۔ "تم اس مکان سے کتنی دُور ہو؟"

"زیادہ دور نہیں ہوں، حکم دیجیے۔"

"کیا تمھارے پاس ٹرانسمیٹر ہے؟"

"ٹرانسمیٹر بھی ہے اور ٹیپ ریکارڈر بھی۔ آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"ٹیپ ریکارڈر چھوٹا سا ہو تو اُسے لے کر فوراً اس مکان کے اندر پہنچو۔"

اُس نے حکم کی تکمیل کی۔ جب وہ آفیسر کی لاش کے قریب پہنچا تو میں نے کہا۔ "اس ننھے سے ریکارڈر کو برآمدے کی چھت کے نیچے چھپا دو۔ پھر اسے آن کر کے فوراً یہاں سے چلے جاؤ۔"

اُس نے میری ہدایت پر عمل کیا۔ وہاں سے دوڑتا ہوا اپنی کار میں واپس آیا۔ اگلی سیٹ پر بیٹھ کر اسٹیئرنگ سنبھالا اور اُسے ڈرائیو کرتا ہوا ذرا دُور چلا گیا۔ مَیں نے کہا۔ "اب کار سے اُترو۔ راستہ بدل کر تیزی سے چلتے ہوئے اس مکان کے قریب جاؤ اور دیکھو وہاں ڈیوڈ کے آدمی پہنچے ہیں یا نہیں؟"

اُس نے یہی کیا۔ تھوڑی دیر بعد راستہ بدل کر تیزی سے چلتے ہوئے وہاں پہنچ گیا۔ چونکہ مکان کے باہر رہ کر اندر دیکھ نہیں سکتا تھا، اِس لیے قریب ہی ایک درخت پر چڑھتا ہوا اُس کی بلندی تک چلا گیا۔ اتنی بلندی تک جہاں سے مکان کا اندرونی حصہ نظر آ سکے۔ مَیں نے اس کے ذریعے دیکھا۔ آفیسر کی لاش کے پاس پانچ افراد تھے اور وہ سب کچھ نہ کچھ بول رہے تھے۔ اُن میں سے ایک کمرے کے اندر گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد واپس آ گیا۔ اُس کے بعد انھوں نے آفیسر کی لاش اٹھائی اور وہاں سے جانے لگے۔ درخت سے مکان کے اندر اور باہر کا حصہ نظر آ رہا تھا۔ وہ لوگ لاش کو لے کر باہر پہنچ گئے تھے اور اُسے ایک گاڑی میں رکھ رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ گاڑی اسٹارٹ ہوئی پھر وہ سب وہاں سے چلے گئے۔ مَیں نے کہا۔ "رولو! فوراً درخت سے اترو اور دوڑتے ہوئے جا کر اپنا وہ ننھا سا ٹیپ ریکارڈر وہاں سے لے آؤ۔"

وہ درخت سے اُتر گیا۔ تیزی سے دوڑتا ہوا اس مکان کے اندر گیا۔ اگرچہ جانے والوں نے دروازے کو باہر سے مقفل کر دیا تھا مگر رولو جیسے آدمی کے لیے احاطے کی دیوار کو پھلانگنا کچھ مشکل نہ تھا۔ بہرحال وہ وہاں سے ننھا سا ٹیپ ریکارڈر لے کر ایک اندرونی دروازے کو کھولتا ہوا باہر نکلا۔ پھر تیزی سے دوڑ لگاتے ہوئے اپنی کار کے اندر بیٹھ گیا۔ اُس نے اُسے ریکارڈر میں رکھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا آپ اسے سننا چاہیں گے؟"

"ہاں، اسے ریوائنڈ کرو۔"
شیبا نے کہا "میں ابھی آتی ہوں۔"
ریوائنڈ ہونے کے بعد رولو اُسے آن کرنا چاہتا تھا، میں نے اُسے روک دیا: "ذرا ایک منٹ صبر کرو۔"
تھوڑی دیر بعد شیبا آ گئی۔ میں نے پوچھا "کہاں گئی تھیں؟"
"ابھی تک میں نے ماسٹر کی کے جن لوگوں کو گرفت میں لیا تھا، اُنھیں ایک ریکارڈ میں محفوظ کر لیا ہے تاکہ نئے لوگوں کے لب و لہجے کو سمجھ سکوں۔"
میں نے رولو سے کہا "آن کرو۔"
اُس نے آن کیا۔ میں اور شیبا توجہ سے سننے لگے۔ اس ریکارڈ کے ذریعے پانچ افراد کی آوازیں یکے بعد دیگرے سنائی دے رہی تھیں۔ وہ ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے۔ ایک کہہ رہا تھا "یہ دیکھو، آفیسر نے مرتے وقت زمین پر ماسٹر لکھا ہے۔ جانتے ہو اس کا کیا مطلب ہے؟"
جواب میں خاموشی چھا گئی۔ شاید سب لوگ اس طرف دیکھ رہے تھے۔ پھر دوسرے کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا "آفیسر نے یہاں ماسٹر لکھا ہے۔ آگے کچھ نہ لکھ سکا لیکن یہاں اُس نے اپنی "کی"، یعنی چابی رکھ دی۔ اب اگر چابی کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو یہ بنتا ہے "ماسٹر کی"، اور اس کا مطلب یہی ہوا کہ تھیلما کو ماسٹر کی کے آدمی لے گئے ہیں۔"
وہ پانچوں پھر کچھ نہ کچھ بول رہے تھے۔ شیبا نے کہا "میں اُن کے دماغوں میں پہنچ سکتی ہوں۔"
میں نے کہا "ایسی غلطی کبھی نہ کرنا۔"
اُس نے حیرانی سے پوچھا "کیوں؟"
"کیا یاد نہیں ہے، ہمیں چیلنج کیا گیا ہے کہ فرہاد کے سامنے جو بھی پُراسرار شخص کا آدمی آئے گا وہ یوگا کا ماہر ہوگا۔"
"ہاں یاد آیا مگر اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم اس کامیابی سے فی الحال کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے۔"
"ہاں فی الحال نہ سہی، آئندہ اس کا فائدہ ہوگا۔ ابھی ہمیں تھیلما کے پاس جانا چاہیے۔ ذرا دیکھنا چاہیے کہ اسے لے جانے والے کیا کر رہے ہیں اور اسے کہاں لے جا رہے ہیں۔"
میں نے رولو سے کہا "اب چھٹی کرو۔ ضرورت ہوگی، تو تمھیں مخاطب کروں گا۔"
اُسی وقت باتھ روم کے دروازے پر دستک ہونے لگی۔ میری خیال خوانی کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ رسونتی کہہ رہی تھی "کیا باتھ روم میں جا کر سو گئے ہو۔ مجھے یہاں اکیلے ڈر لگتا ہے۔"
میں نے اندر سے آواز دی "بس ابھی آ رہا ہوں۔"

شیبا نے کہا "تم رسونتی کے پاس جاؤ، میں تھیلما اور اس کے ساتھیوں کی خبر لیتی ہوں۔"
"میں ابھی چلا جاؤں گا۔"
ہم ان لوگوں کے پاس پہنچے جن کی آوازیں سن چکے تھے۔ وہ سب اپنے ایک خفیہ اڈے میں پہنچ چکے تھے۔ ایک شخص ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا "تھیلما! ہم ماسٹر کی کے آدمی نہیں ہیں۔ دراصل ہم نے اس پولیس آفیسر کو دھوکا دیا ہے۔ جب ہم ایسی باتیں کر رہے تھے تو اس زخمی افسر کے جسم میں ذراسی حرکت ہو رہی تھی۔ ہم نے سوچا کہ غلط بات کہیں گے تو وہ کسی نہ کسی طرح فون تک پہنچ کر اپنے پُراسرار باس کو وہی کہے گا جو ہم سے سُنے گا۔"
تھیلما نے پریشان ہو کر پوچھا "تم سب ماسٹر کی کے آدمی نہیں ہو تو پھر کون ہو؟ کیا میں یہاں محفوظ نہیں رہ سکوں گی؟"
"بھئی گھبراتی کیوں ہو۔ ہم تمھاری حفاظت کریں گے مگر شرط یہ ہے کہ تم اپنے پُراسرار باس کے سلسلے میں اہم معلومات فراہم کرو گی۔"
"اب وہ میرا باس نہیں ہے۔"
"کوئی بات نہیں ہے۔ ہم اپنے باس تک تمھارے متعلق اطلاع پہنچائیں گے۔ وہاں سے جو احکامات ملیں گے اُن کے مطابق تمھاری حفاظت کی جائے گی۔"
"آخر تم لوگ کون ہو؟"
دوسرے نے مسکرا کر فخر سے کہا "ہم سب ماسک مین کے خادم ہیں۔"
وہ خوش ہو کر بولی "کیا تم لوگ مجھے ماسک مین کے ملک تک پہنچا سکتے ہو؟"
"ہم نے کہا نا، ابھی تو ہم تمھارے متعلق اطلاعات بھیجیں گے پھر جو احکامات وصول ہوں گے ہم انھی کے مطابق عمل کریں گے۔"
"میں ماسک مین تک ایک اہم اطلاع پہنچا سکتی ہوں۔"
"جو بھی اہم بات ہو، ہمیں بتاؤ۔"
"پہلے میں بھروسا کرنا چاہتی ہوں۔ آخر تم لوگ کون ہو۔ اس پولیس آفیسر کے یہاں تم نے خود کو ماسٹر کی کا آدمی بتایا۔ یہاں آ کر ماسک مین سے تعلق جوڑ رہے ہو۔ میں کیسے بھروسا کر دوں۔ مجھے تم لوگوں کی اصلیت معلوم ہونا چاہیے۔"
"ہماری اصلیت یہی ہے جو تمھیں بتا چکے ہیں۔ ہم ماسک مین کے آدمی ہیں۔ ویسے ہم کوئی بھی ہوں، تمھیں تو بھروسا کرنا ہی ہوگا، اس لیے کہ ہمارے پاس سے جاتے ہی تمھارے چاروں طرف موت ہوگی۔"
ایک دوسرے شخص نے کہا "تم نے پُراسرار باس کو اپنا دشمن بنا

لیا ہے۔ دانش مندی یہی ہے کہ ہمیں دوست بنائے رکھو۔"
تیسرے شخص نے کہا "تمھیں یہ معلوم کر کے کرنا کیا ہے۔ دو چار تنظیمیں ہی ہیں۔ یا تو ہم ماسٹر کی سے تعلق رکھتے ہیں یا سُپر ماسٹر سے یا پھر ماسک مین سے اور ہم ماسک مین کے ہی آدمی ہیں۔ ویسے یہاں کچھ اسرائیلی جاسوس بھی بھٹکتے پھر رہے ہیں۔ انھیں پتا نہیں کیوں صرف مادام کمپیوٹر کی تلاش ہے۔ یوں تو تمام تنظیموں کے لوگ مادام کی تلاش میں ہیں۔ اس ٹیلی پیتھی جاننے والی کی اچانک خاموشی نے سب کو اُلجھا کر رکھ دیا ہے۔"
تھیلما نے فخر سے سر اٹھا کر کہا "میں مادام کمپیوٹر کے متعلق بھی اہم اطلاع پہنچا سکتی ہوں۔"
سب نے چونک کر اُسے دیکھا۔ پھر پوچھا "تم بولتی کیوں نہیں ہو۔ صرف اہم اطلاعات پہنچانے کا دعویٰ کر رہی ہو۔"
"مجھے براہِ راست ماسک مین سے رابطہ قائم کرنے کا موقع دیا جائے۔"
"آج تک کسی نے ماسک مین سے گفتگو نہیں کی۔"
"دنیا کے تمام ملکوں میں تمھارا جو سربراہ ہوتا ہے وہ باس کہلاتا ہے۔ میں تمھارے کسی باس سے رابطہ قائم کر سکتی ہوں۔"
انھوں نے سوالیہ نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر اُن میں سے ایک نے انٹرکام کا بٹن دباتے ہوئے کہا "باس! آپ اس کی باتیں سن رہے ہیں؟"
دوسری طرف سے آواز آئی "اسے میرے پاس بھیج دو۔"
اس کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی میں اور شیبا اس کے دماغ میں پہنچ گئے۔ اس باس کا نام تھا، بورنیا۔ جنوبی امریکا میں جہاں تک ماسک مین کے آلۂ کار پھیلے ہوئے تھے وہ ان سب کا باس تھا، خاص طور پر کولمبیا، پیرو اور برازیل کے علاقوں میں سبھی اُسے اپنا باس تسلیم کرتے تھے۔ کہتے ہیں ماسک مین کے تحت کام کرنے والے مختلف ممالک میں جتنے خطرناک باس ہیں ان میں یہ سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ ذہین بھی تھا۔ جسمانی طور پر ایک گینڈے کی طرح طاقتور بھی تھا۔ لڑنے مرنے کا ہنر جانتا تھا۔ پھر سب سے بڑی بات یہ کہ جنوبی امریکا کے جنگلوں میں جہاں جادو ٹونے کا زور ہے، وہ کالا جادو بھی جانتا تھا اور اُس نے اپنے کالے علم سے پیشنگوئی کی تھی کہ فرہاد علی تیمور دریائے ایمیزن کے کسی نہ کسی ساحل پر ضرور نظر آئے گا۔
وہ مجھے گرفتار کرنے کے لیے معلوم کرنا چاہتا تھا کہ میں کب، کس دن، کس ساحل پر نظر آ سکتا ہوں۔ یہ معلوم کرنے کے

لیے کالے جادو کا عمل ضروری تھا اور اس کے لیے شیطان کو خوش کرنا بھی ضروری تھا۔ اس نے شیطان سے وعدہ کیا تھا کہ آج آدھی رات کو ایک نوجوان لڑکی کی قربانی دے گا اور اس کے لہو کے چھینٹوں میں نہا کر صبح تک منتروں کا جاپ کرتا رہے گا۔ اسے یقین تھا کہ وہ صبح تک اپنے شیطانی دیوتا کو خوش کر لے گا اور یہ معلوم ہو جائے گا کہ فرہاد کس مقام پر گرفت میں آ سکتا ہے۔
ہم اس سے زیادہ اس کی سوچ نہ پڑھ سکے۔ تھیلما وہاں حاضر ہو گئی۔ شیبا، تھیلما کے دماغ میں چلی گئی۔ میں باس بورنیا کے پاس ہی موجود رہا۔ وہ تھیلما کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اور سوچ رہا تھا "آج آدھی رات کو شیطان سے میں نے ایک حسین اور جوان عورت کی قربانی دینے کا وعدہ کیا تھا۔ یہ تو یہاں بیٹھے بٹھائے مل گئی۔ کیا خوب ہے۔ حسین بھی ہے اور صحت مند بھی۔ جب شیطان کے قدموں میں گردن کٹے گی تو خون اچھا خاصا نکلے گا اور میں شیطان کے ساتھ خون کے چھینٹوں میں نہا سکوں گا۔"
تھیلما کچھ فاصلے پر اس کے سامنے کھڑی بے چینی سی محسوس کر رہی تھی۔ باس بورنیا کی نگاہیں اُسے اپنے بدن میں چبھتی ہوئی سی لگ رہی تھیں۔ آخر اُس نے ہی کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے پوچھا "کیا میں ماسک مین کے کسی باس کے سامنے کھڑی ہوئی ہوں؟"
"ہاں، تم باس بورنیا کے سامنے کھڑی ہوئی ہو جس کا نام سن کر کولمبیا، پیرو اور برازیل اسٹیٹس کے سرکاری افسران کانپنے لگتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ لوگ مجھے ماسک مین کے باس کی حیثیت سے نہیں جانتے ہیں مگر اس وقت تم مجھے اسی حیثیت سے دیکھ رہی ہو اس لیے کہ ہماری پناہ میں ہو۔ اگر تمھیں اعتماد ہے کہ ہم تمھیں یہاں سے ماسک مین کے ملک تک پہنچا سکتے ہیں تو وہ اہم پیغامات ابھی مجھے سنا دو تاکہ میں تمھارے لیے ماسک مین سے سفارش کر سکوں۔"
اسی وقت رسونتی کی آواز نے چونکا دیا "اے میرے کس کے بچے! تم دروازہ کیوں نہیں کھولتے ہو۔ میں رونا شروع کر دوں گی۔"
میں نے دروازے کے پاس آ کر کہا "میں دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ یہ کنڈی پھنس گئی ہے۔ ذرا سا صبر کرو، ابھی کھل جائے گی۔"
یہ کہہ کر میں پھر باس بورنیا کے دماغ میں پہنچ گیا۔ تھیلما بتا رہی تھی کہ کس طرح مادام کمپیوٹر اور پُراسرار شخص کے درمیان معاہدہ

ہو گیا ہے۔ مگر معاہدہ کیا ہوا ہے؟ یہ تھیلما نہیں جانتی تھی۔ صرف اتنا بتا سکتی تھی کہ مادام کمپیوٹر نے اس کے پُراسرار باس سے دوستی کر لی ہے اور اب دونوں کی ملی بھگت سے فرہاد کو ٹریپ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

باس بورنیا نے پوچھا: "ہم کیسے یقین کر لیں کہ مادام کمپیوٹر کے متعلق تمہاری رپورٹ درست ہے؟"

"میں یقین نہیں دلا سکتی۔ مجھے جو معلوم ہے وہ میں نے کہہ دیا۔"

"جو کچھ تم نے کہا وہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ دنیا کی تمام خطرناک تنظیمیں مادام کمپیوٹر کو تلاش کرتی پھر رہی ہیں۔ معلوم کرنا چاہتی ہیں کہ وہ کون تھی اور کس ملک سے تعلق رکھتی تھی اور اتنے طویل عرصے سے اُس نے خاموشی کیوں اختیار کر لی ہے؟ یہاں تک کہا جانے لگا ہے کہ شاید وہ مر چکی ہے اور تم اسے زندہ کر رہی ہو، کیا وہ مادام جنوبی امریکا میں ہو سکتی ہے؟"

"میں یقین سے نہیں کہہ سکتی مگر ہاں، اس کا آلہ کار پہلے ڈاکٹر میکاکس تھا۔ جو آج کل رسونتی کے ساتھ ہے پھر اچانک میکاکس کو فرہاد نے ٹریپ کر لیا۔ مادام کمپیوٹر فرہاد سے بدکتی ہے۔ میرا خیال ہے، مادام نے اب ڈاکٹر میکاکس کے بجائے کسی اور کو اپنا آلہ کار بنا لیا ہے۔ یہ بات پُراسرار باس جانتا ہے، ہم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ وہ دوسرا آلہ کار کون ہے۔"

باس بورنیا اُسے تھوڑی دیر تک سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے پوچھا: "دوسری اہم اطلاع کیا ہے؟"

میں جانتا تھا، تھیلما اب دی کلر کے متعلق بتائے گی۔ میں فوراً ہی دماغی طور پر باتھ روم میں حاضر ہو گیا۔ رسونتی سے کہا۔

"دیکھو رسونتی، تم ڈرنا نہیں، میں اس چٹخنی کو کھولنے کی پوری کوشش کر رہا ہوں۔ بس تھوڑی دیر میں کھل جائے گی۔ تم جا کے بستر پر آرام سے لیٹ جاؤ، میں ابھی آتا ہوں۔"

میں نے دیکھا، وہ میری بات مان گئی تھی مگر روٹھی ہوئی بچی کی طرح بستر پر جا کر لیٹ گئی تھی۔ وہاں سے باتھ روم کے بند دروازے کو دیکھ رہی تھی اور کہہ رہی تھی: "تم باہر آؤ۔ میں تم سے کٹی کروں گی۔ بات نہیں کروں گی۔"

میں مسکراتا ہوا باس بورنیا کے پاس پہنچ گیا۔ اس وقت تک تھیلما اسے دی کلر کے متعلق بتا چکی تھی اور باس بورنیا حیرانی سے سن رہا تھا۔ پھر اُس نے پوچھا: "کیا یہ یقین کرنے کی بات ہے۔ ایک انسان بیک وقت بچہ اور جوان نہیں ہو سکتا۔"

تھیلما نے کہا: "اس بات پر کوئی یقین نہیں کرے گا۔ یقین کرنا چاہتے ہو تو اس پر غور کرو کہ دی کلر کے دماغی آپریشن کو انتہائی راز میں کیوں رکھا گیا تھا۔"

باس نے تائید میں سر ہلا کر کہا: "ہاں۔ ضرور ایسی ہی کچھ گڑبڑ ہے۔"

"یہ اتنا اہم راز ہے کہ مجھ جیسی صرف دو نرسیں اس کے متعلق جانتی ہیں۔ دی کلر چوبیس گھنٹے میں پانچ گھنٹے بالکل ننھا سا بچہ ہوتا ہے جب وہ سوتا رہتا ہے۔ اس کے بعد وہ ایک خطرناک انسان بن جاتا ہے۔ پُراسرار باس اس حقیقت کو تمام دشمنوں سے چھپائے رکھنا چاہتا ہے۔ وہ ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو بھی یہ راز نہیں بتانا چاہتا۔ جب اُسے شبہ ہوا کہ کوئی میرے دماغ میں پہنچ گیا ہے تو اُس نے اپنے قاتلوں کو میرے پیچھے لگا دیا۔"

باس بورنیا آہستہ آہستہ چلتا ہوا آیا۔ پھر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر تھپکتے ہوئے بولا: "فکر نہ کرو، تمہارے پُراسرار باس کے ہاتھ یہاں تک نہیں پہنچ سکیں گے۔"

وہ تھیلما کو تھپکتا جا رہا تھا مگر اسی بہانے ایک قصائی کی طرح اُسے سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا: "کیا اُس کی قربانی دینے کے بعد اتنا خون نکل سکے گا کہ شیطان کے مجسمے کو نہلایا جا سکے اور خون کے چھینٹے مجھے بھی بھگو سکیں؟"

اُس نے اپنے آدمیوں کو بلا کر حکم دیا: "تھیلما ہمارے لیے بہت کام کی عورت ہے۔ اس نے ہمیں اہم اطلاعات فراہم کی ہیں۔ میں ابھی باس سے سفارش کرنے والا ہوں کہ اسے اپنے ملک بلا یا جائے۔ فی الحال اس کا یہاں رہنا مناسب نہیں ہے۔ اسے میرے خفیہ اڈے میں پہنچا دو۔ اس پُراسرار شخص کا کوئی آدمی ادھر آنے کی جرأت نہیں کر سکے گا۔"

تھیلما مطمئن ہو کر اُن کے ساتھ چلی گئی مگر ہم سمجھ رہے تھے، اس کا خفیہ اڈہ پہاڑی چٹانوں کے درمیان تھا جہاں شیطان کا ایک بڑا سا مجسمہ تھا اور اس کی پوجا کرنے والے درجنوں کی تعداد میں مرد، عورتیں، بوڑھے اور بڑی عمر کے بچے تھے، جو ایک قبیلے کی صورت میں وہاں رہتے تھے، کالا عمل کرتے تھے۔ شیطان کو خوش کرنے کے لیے گناہوں کی محفل سجاتے تھے۔ جانوروں اور انسانوں کی بلی دیتے تھے۔

باس بورنیا ٹرانسمیٹر کے ذریعے اپنے ماسک مین کو رپورٹ سُنا رہا تھا۔ چونکہ دوسری طرف ماسک مین موجود نہیں تھا اس لیے اس کی رپورٹ ریکارڈ ہو رہی تھی۔ اس نے تھیلما سے حاصل کی ہوئی معلومات سُنانے کے بعد کہا: "اب میں تھیلما کو اپنے مقصد کے لیے قربان کر رہا ہوں۔ اس لڑکی کی کوئی ضرورت نہیں رہی۔ جو معلومات وہ فراہم کر چکی ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتی اور نہ ہی ہمارے کسی کام آ سکتی ہے۔"

شیبا نے کہا: "یہ باس بورنیا تو کچھ زیادہ ہی خطرناک ہے۔ ہمارے عام دشمنوں سے بالکل ہٹ کر ہے۔ جادوئی عمل جانتا ہے۔

کیا ٹیلی پیتھی کے ذریعے کالے جادو کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے؟"

میں نے کہا: "میری زندگی میں ایسے مرحلے بھی آئے جب میں خطرناک جادوگروں سے ٹکراتا رہا۔ سامی جب میری زندگی میں پہلی بار آئی تو چھپیا نامی ایک بہت ہی خطرناک جادوگرنی سے سامنا ہوا تھا۔ اُس کے بعد بھی چھوٹے موٹے جادوئی واقعات میری زندگی میں آئے ہیں اور میں نے ٹیلی پیتھی کے ذریعے ان کا مقابلہ کیا ہے۔ دراصل یہ کالا جادو دیرپا نہیں ہوتا، وقتی طور پر اثر کرتا ہے۔"

"پلیز، مجھے بتاؤ، ایسے کالے جادو جاننے والوں سے کس طرح اپنے آپ کو محفوظ رکھا جا سکتا ہے؟"

"بنیادی بات یہ ہے کہ کالا جادو جاننے والے کو منتر پڑھنا پڑھتا ہے۔ تم جارج بورنیا کے دماغ میں پہنچ چکی ہو۔ جب بھی وہ میرے یا تمہارے خلاف منتر پڑھنا چاہے تو اس کے دماغ میں پہنچ کر اُسے گڑبڑا دو۔ نہ منتر صحیح پڑھے گا نہ کالا جادو ہم پر اثر انداز ہو گا۔"

واقعی یہ تو سیدھی سی بات ہے۔ میں نے شعبدے بازی، سفلی عمل اور کالے جادو کے متعلق بہت کچھ سنا ہے مگر میری زندگی میں ایسے واقعات رونما نہیں ہوئے۔ شاید پہلی بار کالے جادو جاننے والے سے ٹکراؤں گی۔"

"میں تمہیں اس کا موقع دوں گا تاکہ تجربات حاصل کرو۔ اب میں رسونتی کے پاس جا رہا ہوں۔ وہ مجھ سے روٹھی ہوئی ہے۔"

میں باتھ روم کا دروازہ کھول کر کمرے میں آیا۔ اُس نے میری طرف دیکھا پھر غصے سے منہ پھیر کر دوسری طرف کروٹ بدل لی۔ میں اُس کے پاس پہنچ کر اُسے منانے لگا۔ منانے کے لیے کتنے پاپڑ بیلنے پڑے، میں بیان نہیں کر سکتا۔

رات کے نو بجے ہم ڈائننگ ہال میں آئے۔ وہاں تمام افراد رسونتی کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہے تھے کیونکہ اس نے ساڑی پہنی ہوئی تھی۔ اس ملک میں ہندوستانی عورتیں کبھی کبھی ساڑی پہنتی ہیں۔ یہ لباس وہاں کے لوگوں کے لیے عجوبہ بھی ہے اور پُرکشش بھی۔ اسی لیے لوگ رسونتی کو تعریفی نظروں سے اور بڑی چاہت بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ پھر سونے پر سہاگہ یہ کہ رسونتی کا بچکانہ انداز تھا۔ ایک بھرپور جوان عورت جو بے حد حسین ہو، وہ بچوں کی طرح ادائیں دکھائے تو اور زیادہ حسین لگتی ہے۔

اس کا یہ بچپن میرے لیے مصیبت بن گیا تھا۔ وہ خلوت دیکھتی تھی نہ جلوت، بات بات میں گڑیا اور گڈے کے کھیل کا ذکر چھیڑ دیتی تھی اور میں جھینپ کر رہ جاتا تھا۔ جب ویٹر ہمارے آرڈر کے مطابق ہماری میز پر کھانا چُننے لگا تو اُس نے یک بیک ویٹر سے پوچھا: "کیا تمہارے پاس بھی گڑیا ہے؟"

ویٹر کچھ نہ سمجھتے ہوئے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ میں نے کہا: "دراصل میری وائف تمہارے بچوں کے متعلق پوچھ رہی ہے کہ وہ گڑیا اور گڈے سے کھیلتے ہیں یا نہیں؟"

میں نے یہ کہتے ہوئے جیب سے بیس ڈالر نکالے۔ پھر اُسے دیتے ہوئے کہا: "ان سے بچوں کے لیے گڑیا خرید لینا۔"

وہ بے چارہ چلا گیا۔ میں نے ذرا سخت لہجے میں کہا: "رسونتی! میں تم سے نہیں بولوں گا۔ میں نے بارہا سمجھایا ہے جو بات ہم گھر کے اندر ایک دوسرے سے کرتے ہیں، وہ کسی محفل میں نہیں کرنا چاہیے۔"

بہرحال میں دکھاوے کے طور پر اس سے ناراض رہا، وہ مجھے مناتی رہی۔ پھر ہم کھانے کے بعد کمرے میں واپس آئے۔ تھوڑی دیر بعد میں نے کہا: "تم آرام سے لیٹ جاؤ، میں تمہیں سُلا دوں گا۔"

وہ کہانیاں سننے کی فرمائش کرنے لگی۔ میں نے اُسے کہانیاں سناتے سناتے ٹیلی پیتھی کی لوری سنائی اور وہ سو گئی۔ اس کے بعد میں نے اس کے جسم کو چاروں شانے چت کیا، ہاتھ پاؤں سیدھے کیے۔ پھر اس کے خوابیدہ دماغ کو ہپناٹائز کرنے لگا۔ چند ہی سیکنڈ میں وہ میری معمولہ بن گئی۔ میں نے اُسے ہدایت کی۔

"آئندہ تم کسی کے سامنے گڑیا اور گڈے کا ذکر نہیں کرو گی۔"

اُس نے کہا: "میں آئندہ کسی کے سامنے گڑیا اور گڈے کا ذکر نہیں کروں گی۔"

"میں دوسروں کے سامنے ڈاکٹر میکاکس سے دور رہوں گی۔" اُس نے میری بات دُہرائی۔

میں نے کہا: "اب میں تمہاری زندگی کے متعلق جو معلومات فراہم کر رہا ہوں، وہ تم یاد رکھو گی۔ تمہارا ذہن جو اپنے حال کو بھول کر ماضی کی طرف چلا گیا ہے، میں اُسے پھر حال کی طرف لے آؤں گا اور تمہیں ایک نارمل رسونتی بناؤں گا۔ لہٰذا میں جو کہہ رہا ہوں اسے ذہن نشین کرتی جاؤ۔"

پھر میں نے کہا: "میرے ساتھ بولتی جاؤ۔ میں رسونتی ہوں۔ فرہاد علی تیمور کی شریکِ حیات ہوں۔ میں ایک بیٹے کی ماں ہوں جس کا نام پارس ہے۔ میرا بیٹا کہیں گم ہو گیا ہے۔ دشمنوں نے برین واشنگ کے ذریعے میرے ذہن کو بچکانہ بنا دیا ہے۔ میں فرہاد علی تیمور کی ٹیلی پیتھی کے ذریعے اپنی عمر کے لحاظ سے ذہنی طور پر نارمل ہونے کی کوشش کرتی رہوں گی ——— اور جو ہدایات مجھے فرہاد سے ملتی رہیں گی، میں ان پر عمل بھی کرتی رہوں گی اور انھیں ہمیشہ یاد بھی رکھوں گی۔"

میں نے اس کے خوابیدہ دماغ کو چند ضروری باتیں یاد کرائیں۔ پھر کہا: "دوسرا سبق دوسری رات کو دوں گا اور آج جو سبق دیا ہے، اسے میں دیکھوں گا کہ بیداری کے عالم میں اس پر عمل کرتی ہو یا نہیں۔ اب آرام سے سو جاؤ۔ صبح چھ بجے تمہاری آنکھ کھلے گی۔"

میں نے اُسے محوِ خواب رہنے کے لیے چھوڑ دیا۔ گھڑی دیکھی، بارہ بجنے والے تھے۔ میں شیبا کے پاس پہنچا۔ وہ باس بورنیا کے دماغ میں تھی۔ میں نے پوچھا: "تم یہاں کیا کر رہی ہو؟"

اس نے میرے دماغ میں آ کر کہا: "جب سے میں نے کالے جادو کے متعلق سنا ہے، میرے اندر بے چینی سی پیدا ہو گئی ہے۔ اس نے کہا تھا کہ یہ آدھی رات کو تھیلما کی قربانی دے گا اور شیطان کو خوش کرے گا۔ میں دیکھنا چاہتی ہوں، یہ جادوئی عمل کیسا ہوتا ہے۔"

"ضرور دیکھو اور تجربات حاصل کرو کہ دنیا میں کیا کچھ ہوتا ہے۔ جو باتیں عقل تسلیم نہیں کرتی وہ بھی ظہور پذیر ہوتی ہیں اور انسان کو تسلیم کرنے پر مجبور کرتی ہیں۔ بہر حال میں کچھ تھکا ہوا سا ہوں۔ اگر تم یہاں کی مکمل رپورٹ بعد میں دو تو میں ذرا نیند پوری کرنا چاہتا ہوں۔"

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ تم آرام سے سو جاؤ۔"

میں نے دروازے کو اندر سے اچھی طرح بند کیا، کھڑکی کے پردے برابر کیے تاکہ باہر سے کوئی گزرنے والا ہمیں دیکھ نہ سکے۔ پھر میں بستر پر آ کر لیٹ گیا۔ آنکھیں بند کیں، جسم کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔ اس کے بعد دماغ کو ہدایت دے کر نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

میں کالے جادو پر لعنت بھیجتا ہوں مگر اس حقیقت کو مانتا ہوں، میں ایسے تجربات سے گزر چکا ہوں یہ بات میرے لیے تشویشناک تھی کہ ماسک مین کا باس بورنیا کالے جادو کے ذریعے میرا سراغ لگا رہا تھا۔ اُسے اس حد تک یقین تھا کہ میں دریائے ایمیزن کے کسی ساحل پر نظر آؤں گا۔

آج وہ تھیلما کی قربانی دے کر معلوم کرے گا کہ میں ایمیزن کے کس ساحل پر کس دن نظر آؤں گا اور مجھے کس طرح گرفت میں لیا جا سکتا ہے۔ مجھے وہاں حاضر رہ کر دیکھنا چاہیے تھا اتنی بڑی قربانی اور منتروں کا جاپ کرنے کے بعد شیطان، باس بورنیا کو کیا جواب دیتا ہے۔ لیکن میں نے سوچا، شیبا وہاں موجود ہے۔ دوسرے یہ کہ شیبا سے کوئی بات سمجھنے کے لیے رہ بھی جائے تو میں بعد میں باس بورنیا کے دماغ میں رہ کر معلوم کر سکتا ہوں۔

میں دماغ کو ہدایت دینے کے باوجود سو نہ سکا۔ صرف دس منٹ کے بعد ہی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ کوئی میرے دماغ میں تھا۔ چونکہ نیند میں ڈوبا ہوا تھا اس لیے شیبا کا خیال نہیں آیا۔ وہ جلدی سے بولی: "میں ہوں۔"

"کیا بات ہے؟"

"مجھے وہاں ڈر لگ رہا ہے۔ تھیلما پر ترس آ رہا ہے، بے چاری موت کے منہ میں جانے والی ہے۔ کیا ہم اُسے بچا نہیں سکتے؟"

"نہ جانے کتنی ہی بے چاریاں موت کے منہ میں جاتی رہتی ہیں، تم کتنوں کو بچاؤ گی؟ تھیلما معصوم ہوتی اور اس کی ذات سے کسی مرد، عورت، بچے یا بوڑھے کو نقصان نہ پہنچا ہوتا تو ہمدردی سے سوچا جا سکتا تھا۔"

شیبا نے التجا کی: "پلیز فرہاد، تھوڑی دیر بعد سو لینا۔ ابھی میرے ساتھ چلو۔"

میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ پھر شیبا کے ساتھ باس بورنیا کے طلسمی اڈّے میں پہنچ گیا۔ میں نے کئی جادوگروں کے اڈّے دیکھے تھے مگر وہاں پہنچتے ہی حیران رہ گیا۔ وہ صحیح معنوں میں طلسم کدہ تھا۔ وہاں ایک بارہ فٹ کا شیطانی مجسمہ نظر آ رہا تھا۔ وہ مجسمہ اپنے قد کے اعتبار سے چوڑا بھی تھا۔ شیطان بیٹھا ہوا تھا اور منہ پھاڑے ہوئے تھا۔ اس کے پھٹے ہوئے منہ سے آگ کے بڑے بڑے شعلے لپکتے تھے۔ پھر وہ شعلے اندر چلے جاتے تھے۔ عورتوں اور مردوں کے جسم پر برائے نام لباس تھا۔ وہ سب رقص کر رہے تھے، مستی میں جھوم رہے تھے۔ رقص کرتے کرتے جب شیطان کے مجسمے کے سامنے پہنچتے تو اس کے کھلے ہوئے منہ سے نکلنے والے شعلے کو اپنے منہ میں کھینچتے، اوپر سانس کھینچنے سے شعلہ ان کے منہ میں آتا پھر وہ دوسری طرف گھوم کر اس شعلے کو منہ سے اُگل دیتے۔

یہ ایک طرح کا شیطانی درس تھا یعنی وہ شیطان کے اندر سے جو گرمی، حرارت اور انسانیت کو جلا دینے والے شعلے حاصل کر رہے ہیں، ان شعلوں کو اپنے منہ میں لے کر دوسری طرف گھوم کر دنیا کی طرف اُگل رہے ہیں تاکہ تمام دنیا ان شعلوں کے زیرِ اثر آ جائے۔

افسوس! میں وہاں دیر سے پہنچا۔ تھیلما اس دنیا میں نہیں رہی تھی۔ اس شیطان کے چیلے بورنیا نے اپنے ہاتھوں سے تھیلما کو جبراً شیطان کے قدموں میں جھکا کر اس کی گردن اُڑا دی تھی۔ اب اس کے جسم سے نکلنے والے لہو کو جلدی جلدی دونوں ہتھیلیوں کے چلّو میں لیتا تھا اور شیطان کی طرف اچھالتا، اُسے نہلاتا جا رہا تھا۔ اور پتا نہیں کس زبان میں کیا منتر پڑھتا

رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ لہو کے چھینٹے اپنی طرف بھی اچھالتا تھا۔ شیبا نے کہا: "اوہ گاڈ، یہ کیسا بھیانک ظلم ہے۔ اس ظلم پر تو شیطان بھی شرما جائے گا۔"

بے شک، ہم جو کچھ دیکھ رہے تھے، وہ کوئی خواب نہیں تھا، کوئی قصہ نہیں تھا۔ اس دنیا کے ایک ملک میں اور بہت ہی ترقی یافتہ ملک کے ایک حصے میں یہ جادوئی گھناؤنا کھیل کھیلا جا رہا تھا۔ اگرچہ اس نے تھیلما کو قتل کر دیا تھا، اس کے لہو سے شیطان کو بھی اشنان کرا رہا تھا اور خود بھی اس لہو میں ڈوبتا جا رہا تھا لیکن ابھی تک کوئی ایسی بات سامنے نہیں آئی تھی جس سے ہم یہ تسلیم کرتے کہ ایسی ظالمانہ قربانی دینے اور شیطان کو خوش کرنے سے کوئی جادوئی کارنامہ نگاہوں کے سامنے آئے گا۔

باس بورنیا اس لہو میں اچھی طرح ڈوب کر دوسرے مردوں اور عورتوں کے ساتھ رقص کرنے لگا۔ بڑا ہی وحشیانہ رقص تھا۔ اور ناچتے رہنے کے دوران وہ مشین کی طرح تھرکتا تھا۔ پورا بدن سر سے پاؤں تک لرزتا تھا۔ ایسے میں وہ طرح طرح کی چیخیں حلق سے نکالتا تھا اور ایسے الفاظ زبان سے ادا کرتا تھا جن سے دہشت طاری ہوتی تھی۔

بڑا طویل رقص تھا۔ شیبا پریشان ہو رہی تھی مگر بیزار نہیں تھی کیوں کہ آنے والا ہر لمحہ یہ بتاتا تھا کہ اس کی قربانی کام آ جائے گی، شاید شیطان اسے مخاطب کرے گا اور فرہاد کو بے نقاب کر دے گا۔

یہی میں بھی سوچ رہا تھا۔ اس لیے وہاں موجود تھا۔ شیطان کا مجسمہ پلتھی مارے بیٹھا تھا۔ اس کے منہ سے ابھی تک شعلے نکل رہے تھے۔ باس بورنیا آخر کار رقص کرتے کرتے تھک کر اس کی گود میں جا کر گر پڑا۔ گرتے ہی شعلے ختم ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے لیے خاموشی چھا گئی۔ سب کے سب رقص کرنے والے دم بخود رہ کر کبھی شیطان کے مجسمے کو اور کبھی اپنے جادوگر استاد بورنیا کو دیکھنے لگے۔ چند ساعتوں کے گہرے سناٹے کے بعد اچانک ایسی آواز آنے لگی جیسے طوفانی ہوائیں چل رہی ہوں یا دیوار لرز رہی ہو، زمین کانپ رہی ہو۔ پھر واقعی زمین کانپنے لگی۔ زلزلہ آ رہا تھا۔

ایسے میں لوگ دہشت زدہ ہو کر پناہ کے لیے کہیں بھاگتے ہیں مگر شیطانی قبیلے کے تمام افراد خوشی سے اُچھل پڑے اور لرزتی ہوئی زمین پر رقص کرنے لگے۔ ان کی خوشی، اُن کا رقص، اُن کے جشن منانے کا انداز ظاہر کر رہا تھا کہ شیطان آ رہا ہے۔

شیطان کے اندر آگ بجھ گئی تھی کیوں کہ شعلے اس کے منہ سے نہیں نکل رہے تھے لیکن بہت سارا دھواں نکل رہا تھا۔ پہلے تو وہ دھواں یونہی نکل نکل کر فضا میں لہراتا رہا۔ پھر ایسا لگا جیسے وہ دھواں ایک لہراتا ہوا جسم اختیار کر رہا ہے۔ پہلے اس دھوئیں کا سر نظر آیا۔ سر پر دو سینگ تھے۔ پھر دو ہاتھ نظر آئے۔ ان ہاتھوں میں لامبے لامبے ناخن تھے۔ پھر باقی جسم لہراتا ہوا دکھائی دیا۔ اس جسم کے پچھلے حصے میں لانبی سی دُم تھی۔ وہ شیطان تھا یا دھواں تھا مگر شیطان کی طرح فضا میں رقص کر رہا تھا۔ اسی وقت بڑا زبردست اور بھیانک قہقہہ سنائی دیا۔ اس قہقہے کی شدّت اور گونج سے غار کی چھت کے اور دیواروں کے چھوٹے چھوٹے پتھر ٹوٹ کر نیچے گرنے لگے۔ گرد چاروں طرف پھیلنے لگی۔ شیطان کی پوجا کرنے والی عورتوں اور مردوں نے مشعلیں بجھا دیں۔ پھر سب کے سب اوندھے منہ زمین پر لیٹ گئے۔ گویا شیطان کو سجدہ کر رہے تھے۔

پھر ایک بار قہقہہ بلند ہوا۔ قہقہے کے ساتھ ایک بھاری بھرکم گرجدار سی آواز سنائی دی۔ وہ آواز کہہ رہی تھی: "بورنیا! میرے غلام، میرے کتّے، میرے سوّر، میں تجھ سے بہت خوش ہوں۔"

باس بورنیا سر اٹھا کر یوں خوش ہو رہا تھا جیسے یہ خطابات اس کے لیے باعثِ فخر ہوں۔ اُس نے دونوں ہاتھ پھیلا کر کہا۔ "یا شیطانِ معظم، میں تیرے لیے بڑی سے بڑی قربانی دے سکتا ہوں۔ تو مجھے آزماتا جا، میں ہر آزمائش پر پورا اترتا جاؤں گا۔"

"آج تو نے اتنی بڑی قربانی دے کر ہمیں یہاں آنے پر مجبور کیا۔ بول کیا چاہتا ہے؟"

"میری خواہش تجھے معلوم ہے۔ فرہاد جب چاہتا ہے بڑی کامیابی سے دشمنوں کی نظروں سے روپوش ہو جاتا ہے۔ پھر طویل عرصے تک اُس کا سراغ نہیں ملتا۔ میں اُسے ڈھونڈ نکالنا چاہتا ہوں۔ تُو نے کہا تھا، وہ دریائے ایمیزن کے کسی ساحل پر بہت جلد ملے گا۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں، وہ کس ساحل پر ملے گا، کب ملے گا، کس دن ملے گا؟"

وہ دھواں انسان کے خاکے کی طرح اِدھر سے اُدھر لہرا رہا تھا۔ بھاری بھرکم آواز پھر آنے لگی: "میں نے جو منتر تجھے بتایا تھا، اُس کو پڑھتا جا، کبھی ناغہ نہ کرنا۔ اگر ناغہ نہیں کیا تو وہ ٹھیک چالیس دن کے اندر تیرے سامنے ظاہر ہو جائے گا۔"

"کیا وہ اپنی اصلی صورت میں ہو گا؟"

"وہ اپنی اصلی صورت میں نظر نہیں آئے گا۔"

"پھر میں اسے کیسے پہچانوں گا؟"

شیطان نے قہقہہ لگایا پھر کہا: "اگر تو نے چالیس دن تک منتر پڑھتے پڑھتے مجھے خوش رکھا تو ٹھیک چالیسویں دن کی رات کو میں فرہاد کے انسانی جسم میں ایک دُم کا اضافہ کر دوں گا۔ تم اس دُم کو دیکھتے ہی اُسے گرفت میں لے لینا۔ اس کے انکار پر نہ جانا مگر ہاں، خود اس کا سامنا کرنے کی حماقت بھی نہ کرنا کیوں کہ

وہ تمہارے دماغ میں پہنچ کر رہائی حاصل کرے گا۔"

شیبا میرے دماغ میں ہنسنے لگی۔ پھر اس نے کہا "فرہاد! تمہارے پیچھے ایک دُم کا تصور کر کے کیسا عجیب سا لگتا ہے۔ کیا یہ ماننے والی بات ہے کہ شیطان اپنی قوت سے تمہارے جسم میں ایک دُم کا اضافہ کر دے گا۔ یہ شیطان ہے یا کوئی مسخرہ؟"

میں نے کہا "بعد میں میری دُم پر ہنس لینا۔ ابھی اُن کی طرف توجہ دو۔"

مَیں پھر باس بورنیا کے دماغ میں پہنچا اور اُسے اپنے طور پر سوال کرنے پر مجبور کیا۔ اُس نے پوچھا "اے شیطانِ معظم، جب تو فرہاد کو جانتا ہے اور اس کے پیچھے دُم لگا سکتا ہے تو اُسے بے نقاب کیوں نہیں کر سکتا؟"

شیطان نے ایک قہقہہ بلند کیا پھر کہا "میں شیطان ہوں۔ خدائی طاقت کے سامنے کبھی کبھی مجبور ہو جاتا ہوں۔ ابھی نیکی کی قوتیں میرے آڑے آ رہی ہیں لیکن میں باز نہیں آتا۔ کہیں نہ کہیں شیطانی چال چلتا ہوں اور دھیرے دھیرے کسی بھی نیک بندے کو شیطانی راستوں پر آنے پر مجبور کرتا ہوں۔ میں نے فرہاد کے لیے بھی جال بچھا دیا ہے۔ وہ ایک جال میں آ چکا ہے۔ بہت جلد اس ٹیلی پیتھی جاننے والے کی خوش فہمی خاک میں مل جائے گی۔ چالیس دن، صرف چالیس دن پڑھتا جا، منتر پڑھتا جا، میرے مٹھو، پڑھتا جا۔"

باس بورنیا نے کہا "میں بہت محتاط رہتا ہوں، کبھی غیر ضروری لوگوں سے نہیں ملتا۔ اس ڈر سے کہ فرہاد کسی کو ذریعہ بنا کر میرے دماغ تک نہ پہنچ جائے مگر وہ کم بخت بلا کا چالاک ہے اگر وہ کسی دن میرے دماغ میں پہنچ جائے گا اور ٹیلی پیتھی کے ذریعے مجھے منتر پڑھنے سے روکے گا تو کیا میرا چالیس دن کا چلّہ کامیاب رہے گا؟"

شیطان نے پھر قہقہہ لگا کر کہا "جس طرح مسلمانوں کا ایمان ہے کہ اُن کا اللہ تعالیٰ [illegible]ت تو قبول کرتا ہے مگر عبادت کرنے والے کی نیّت کو زیادہ دیکھتا ہے اگر وہ بیمار پڑ جائے اور کسی دُکھ مصیبت میں رہ کر عبادت نہ کر سکے تو وہ عبادت کرنے والی نیّت کو قبول کر لیتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح میں شیطان ہوں اور تم میرے بندے ہو۔ میں تمہاری نیّت کو سمجھتا ہوں۔ اگر کبھی فرہاد نے تمہیں منتر پڑھنے سے روکا تو میں تمہاری نیّت کو سمجھتے ہوئے چالیسویں دن اسے تمہارے سامنے ایک دُم کے اضافے سے بے نقاب کر دوں گا۔ ہا ہا ہا ہا۔"

وہ پھر بھیانک انداز میں قہقہہ لگاتے ہوئے بولا "پڑھتا جا، پڑھتا جا میرے مٹھو، پڑھتا جا، چالیس دن، صرف چالیس دن اور چالیسویں دن کی آخری رات۔"

اس کے قہقہے دور ہوتے ہوتے گم ہو گئے۔ پھر طلسم کدے میں سناٹا چھا گیا۔ شیطان اب تک ایک بڑی ہی اجنبی اور پیچیدہ زبان میں بول رہا تھا۔ ہم بورنیا کے دماغ سے اس کا ترجمہ سُن رہے تھے۔ میں نے انگریزی زبان میں بورنیا کو مجبور کیا تھا کہ وہ میری مرضی کا سوال کرے اور اس نے وہی سوال اس اجنبی اور پیچیدہ زبان میں کیا تھا۔

شیبا نے کہا "وہ ناقابلِ فہم زبان میں بول رہا تھا لیکن انسان کی طرح بول رہا تھا اور ایک انسان، باس بورنیا اس کی باتیں سمجھ رہا تھا۔ اگر وہ انگریزی میں بولتا تو کیا ہم اس کے دماغ میں پہنچ سکتے تھے؟"

"تم نے بڑا اچھا سوال کیا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کیا شیطان کا دماغ ہوتا ہے؟"

وہ سر ہلا کر بولی "یقیناً ہوتا ہوگا۔"

"میں اس طرح مانتا ہوں کہ انسان اور فرشتے سوچتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے وجود کو سمجھتے ہیں، اُس کے آگے سجدہ کرتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ دماغ سے سوچتے اور سجدہ کرتے ہیں۔ اسی طرح شیطان پہلے فرشتہ تھا، بعد میں اپنی نافرمانی کے باعث ملعون قرار پایا۔ ملعون شیطان ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اب اس کے پاس دماغ نہیں رہا ہوگا۔ دماغ تو ہوگا اور بڑا ہی زبردست شیطانی دماغ ہوگا۔ اِسی لیے تو شیطان کہلاتا ہے۔"

"کیا ہم اِس کے دماغ میں پہنچ سکتے ہیں؟"

"یہ غور کرنے کی بات ہے۔ اس لیے کہ آج تک ہم نے شیطان کو نہیں دیکھا۔ باس بورنیا کے ذریعے جو کچھ دیکھ رہے تھے وہ ایک دھواں تھا اور انسانی ہیولے کی صورت میں رقص کر رہا تھا۔ اگر وہ انگریزی زبان یا ایسی اور کوئی زبان بولتا جسے ہم دونوں میں سے کوئی سمجھ پاتا تو ہم کوشش کر سکتے تھے۔"

شیبا نے کہا "اب بھی کوشش کر سکتے ہیں۔ شیطانی زبان کو باس بورنیا سمجھتا بھی ہے، بولتا بھی ہے۔ ہم اس سے وہ شیطانی زبان سیکھ سکتے ہیں۔"

مَیں نے ایک گہری سانس لے کر کہا "اگر ہم نے وہ زبان سیکھ لی اور اس کے ذریعے شیطان کے دماغ تک پہنچ گئے تو یہ ایک ناقابلِ یقین اور حیرت انگیز بات ہوگی۔ کوئی بھی یقین نہیں کرے گا۔"

"کوئی یقین کرے یا نہ کرے، تم وہ زبان سیکھو۔"

"میرے پاس اتنا وقت کہاں ہے۔ تم دیکھتی ہو اچھی طرح سونے اور کھانے کی فرصت نہیں ملتی اور اب رسونتی کی ذمے داری بھی ہے پھر وہ شیطان اگر درست کہہ رہا ہے کہ چالیسویں دن مجھے بے نقاب کر دے گا اور اس نے مجھے کسی جال میں پھانس رکھا ہے تو مجھے محتاط رہنا چاہیے۔ میں نے جب سے ٹیلی پیتھی کی ابتدا کی ہے، صرف اپنے خدا پر بھروسا رکھا ہے۔ آج بھی یہ بھروسا مستحکم ہے۔ شیطان غالب نہیں آئے گا پھر بھی محتاط رہنا چاہیے۔ شیبا، میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ وہ شیطانی زبان سیکھ سکوں۔"

"تم کہو تو میں وقت نکال کر باس بورنیا کے دماغ میں پہنچا کروں گی اور اُس سے روز سبق حاصل کرتی رہوں گی۔"

"تم وقت نکال کر ایسا کر سکو تو میری مشکل آسان ہو جائے گی۔ روزانہ جو کچھ سیکھا کرو گی وہ مجھے سکھا دیا کرو گی۔ مجھے خیال خوانی کے ذریعے اپنا معمول بناؤ گی۔ میں بہ آسانی تمہارا معمول بن کر تمہارے سکھائے ہوئے الفاظ اور ان الفاظ کی ادائیگی کو اپنے ذہن میں نقش کر لوں گا۔ خیال خوانی اور ہپناٹائز کے ذریعے سکھائے ہوئے الفاظ اور اُن کی ادائیگی کبھی دماغ سے فراموش نہیں ہوتی۔"

شیبا نے وعدہ کیا تھا کہ وہ ایسا ہی کرے گی بلکہ ابھی باس بورنیا کے دماغ میں رہ کر چند الفاظ اور ان کی ادائیگی سیکھے گی، اس کے بعد اس کا پیچھا چھوڑے گی۔

وہ چلی گئی۔ میں نے فوراً ہی بستر پر آ کر ہاتھ پاؤں سیدھے کیے۔ دماغ کو ہدایات دیں اور آنکھیں بند کر کے نیند کی آغوش میں چلا گیا۔

آہ، تھکن سے چُور ہو کر گہری نیند سونے میں کتنا مزہ آتا ہے۔ مجھے بڑا مزہ آ رہا تھا۔

آہ، مگر وہ مزہ ادھورا رہ گیا۔ میں پھر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اپنے سر کو پکڑ کر پوچھا "شیبا! کیا تم نے قسم کھالی ہے، آج مجھے سونے نہیں دو گی؟"

"بس تھوڑی دیر کے لیے آئی ہوں۔ ابھی چلی جاؤں گی۔ میں نے کچھ الفاظ اور ان کی ادائیگی سیکھی ہے۔ دو چار فقرے ہیں۔ مَیں سوچتی ہوں بھول نہ جاؤں۔ اس لیے تمہارے ذہن میں نقش کرنا چاہتی ہوں۔ اِسی طرح آنکھیں بند کر کے پڑے رہو اور میری ہدایات کے مطابق نیند میں ڈوب جاؤ۔"

"مَیں تمہاری ہدایات کے مطابق عمل کروں گا لیکن مجھے معمول بنانے کے بعد اور کچھ ذہن نشین کرانے کے بعد سونے کا حکم دو گی تو میرے اور رسونتی کے دماغ میں صبح نو بجے بیداری کا وقت مقرر کرنا تاکہ ہم اچھی طرح نیند پوری کر سکیں۔"

یہ کہہ کر میں نے آنکھیں بند کیں، جسم کو ڈھیلا چھوڑا اور اس کا معمول بننے کے لیے اپنے آپ کو دماغی طور پر اس کے حوالے کر دیا۔ اُس نے حکم دیا "تم میرے معمول ہو، اپنے دماغ اور جسم کو ڈھیلا چھوڑ دو۔"

مَیں نے کہا "تمہاری یہ عادت بہت خراب ہے۔ چاہتی ہو ہر کام فوراً ہو جایا کرے۔ آخر وہ زبان سیکھنے کی اتنی جلدی کیا تھی کل بھی وہ کام ہو سکتا تھا۔"

اُس نے ڈانٹ کر کہا "چپ رہو۔ اس وقت تم میرے معمول ہو۔"

مَیں نے مُسکرا کر اُسے تصوّر میں دیکھا پھر اُس کا معمول بن کر اس کی ہدایات پر عمل کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد واقعی میں گہری نیند سو چکا تھا کیوں کہ ایک تو اس نے خیال خوانی کے ذریعے سلایا، دوسرے میں نے خود اپنے دماغ کو ہدایت دی تھی۔ پھر وہ میرے خوابیدہ دماغ میں اس اجنبی شیطانی زبان کے الفاظ اور چند فقرے نقش کرنے لگی۔ یہ سب کچھ صرف آدھے گھنٹے میں ہو گیا کیوں کہ ہم دونوں ہی ٹیلی پیتھی جانتے تھے۔ اس کے بعد شیبا نے میرے خوابیدہ دماغ کو حکم دیا کہ میں صبح نو بجے تک سوتا رہوں گا۔ ٹھیک نو بجے میری آنکھ کھل جائے گی۔

اس کے بعد وہ کب گئی، مجھے پتا نہیں۔ میں تو محوِ خواب تھا۔ دماغ کو ہدایت دے کر سونے کا ایک اچھا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بُرے خواب نہیں آتے ورنہ ہم نے جو شیطانی منظر دیکھا تھا تو میرے خواب میں صرف شیطان کو یا اس کے شاگردوں کو آنا چاہیے تھا مگر مَیں کسی خواب کے بغیر سکون سے سوتا رہا۔ پھر مقررہ وقت پر آنکھ کھل گئی۔

دوسرے دن رسونتی ذرا سنجیدہ رہی۔ اُس میں وہی بچپنا تھا مگر وہ بے تکے انداز میں کسی کے سامنے ایسی بات نہیں کہتی تھی جس پر مجھے جھینپنا پڑے۔

دن کے گیارہ بجے شیبا آ گئی۔ میں نے کہا "ہم نے کل سے رات تک جن لوگوں کے دماغوں میں جگہ بنائی ہے، اب وہاں باری باری پہنچ کر ان کے ذریعے معلومات حاصل کرنا ہے اور یہ معلومات ہمیں خاص آدمیوں تک پہنچانا ہے۔"

"کیا تم ہوٹل کے اُسی کمرے میں رہو گے؟"

"مَیں رسونتی کے ساتھ باہر نکل رہا ہوں۔ رد لومبا سے کہوں گا کہ وہ میرے لیے کوئی اچھا سا چھوٹا سا کاٹیج کرائے پر حاصل کرے۔ اس وقت تک میں شہر کی سیر کرتا رہوں گا۔ اس دوران ہم خیال خوانی کے ذریعے اپنا کام کرتے رہیں گے۔"

اس روز ہم شام تک یہی کرتے رہے۔ جتنے لوگوں کو ہم نے دماغی طور پر ٹریپ کیا تھا اُن کے ذریعے ان کے ساتھیوں اور اُن کے سربراہوں تک پہنچنے کی کوشش کرتے رہے۔ ماسٹر کی تک پہنچنا ابھی مشکل تھا۔ اسی طرح ماسک مین تک نہیں پہنچا

باسکتا تھا۔ اب سے کچھ عرصہ پہلے میں نے جس ماسک مین کے دماغ میں جگہ بنائی تھی وہ تبدیل ہوگیا تھا۔ میں سُپر ماسٹر کے پاس پہنچ سکتا تھا مگر وہاں پتا چلا کہ وہ میرے معاملات سے بالکل الگ تھلگ ہے۔ اُسے اعلیٰ حکام کی طرف سے ہدایات دی گئی تھیں کہ وہ دوسرے دنیاوی مسائل میں سپر ماسٹر کی حیثیت سے حصّہ لے سکتا ہے لیکن فرہاد کے معاملے میں قطعی دلچسپی نہ لے۔

یہ عجیب سی بات تھی کہ میں سپر ماسٹر کے ملک میں تھا لیکن وہ لوگ مجھ سے بالکل بے نیاز تھے جیسے مجھ سے کوئی لگاؤ نہ ہو یا میری عورتوں کے کوما میں جانے اور ان کے غائب ہونے میں نہ اُن کا ہاتھ ہو اور نہ انھیں کوئی دلچسپی ہو۔ یہ بات کچھ سمجھ میں آنے والی نہیں تھی۔ پھر بھی میں نے دماغ پر زور نہیں دیا۔ اس لیے کہ ابھی بہت سے مسائل سامنے تھے۔ دوپہر تک ہم ایک چھوٹے سے خوب صورت سے کاٹیج میں منتقل ہوگئے۔ شیبا نے پوچھا "یہاں کب تک رہنے کا ارادہ ہے؟"

"ابھی دو چار روز یہاں بیٹھ کر دشمنوں کو شکار کروں گا انھیں ایک دوسرے سے لڑاؤں گا۔ انھیں ذرا کمزور بنانے کے بعد آگے بڑھوں گا۔"

میں اور شیبا مل کر یہی کرتے رہے۔ دو دن کے اندر ہم نے بوگوٹا سے بھی آگے دور تک دشمنوں کا سراغ لگا لیا۔ ان میں ماسٹر کی کے بھی آدمی تھے اور پُراسرار شخص سے تعلق رکھنے والے بھی تھے اور ماسک مین کے لوگ بھی شامل تھے۔ ان کے خلاف میرا طریقۂ کار وہی تھا میں اور شیبا اُن کے دماغوں تک پہنچتے تھے اور انھیں ایک دوسرے کے خلاف لڑا دیتے تھے اور دور سے تماشا دیکھتے تھے۔ دشمن لڑتے تھے اور لڑنے والوں میں سے کوئی بھی مرے ہمارا دشمن ہی مرتا تھا۔

ویسے دو دن کے اندر دہشت پھیل گئی۔ تمام خطرناک تنظیموں کے سربراہوں کی سمجھ میں آگیا کہ اُن کے مرنے میں ٹیلی پیتھی کارفرما ہے۔ فرہاد کہیں چُپ چاپ بیٹھا انھیں آپس میں لڑاتا ہے اور اُن کے لڑنے مرنے کے تماشے دیکھتا رہتا ہے۔

اس پُراسرار شخص نے اپنے آدمیوں کی ایک نئی کھیپ بھیج دی اور پرانے آدمیوں کو واپس بُلا لیا وہ ایسا دوسری بار کر رہا تھا۔ وہ کبھی سمجھ نہیں سکتا تھا کہ میں کیسے آلۂ کار بنا کر ان نئے لوگوں تک پہنچ جاتا ہوں۔ وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ مادام کمپیوٹر نے چارلی چارلٹن کو اپنا آلۂ کار بنایا ہوا ہے اُسے کیا معلوم کہ میں ہی مادام کا رول ادا کرتا تھا۔ چارلی کے دماغ میں جاتا تھا اور نئی کھیپ میں آنے والے آلۂ کاروں کے دماغوں تک پہنچ جاتا تھا۔

اسی طرح ماسک مین نے اپنے نئے آدمی بھیجے تھے اور پرانے آدمیوں کو واپس بُلا لیا تھا۔ اِس سے کیا ہوتا ہے جبکہ میں ان کے اہم باس بورنیا کے دماغ میں پہنچا ہوا تھا۔ اس کے ذریعے میں تمام لوگوں کو شکار کر لیتا تھا۔ صرف ماسٹر کی ایسا تھا جس کا کوئی خاص مہرہ میرے ہاتھ میں نہیں رہا تھا۔ پہلے جو ٹیلی پیتھی کی مٹھی میں تھے وہ سب واپس چلے گئے تھے۔ ان کی جگہ نئے لوگ آئے تھے مگر وہ کون تھے اور کہاں تھے اور کیا کر رہے تھے، یہ ابھی تک مجھے اور شیبا کو معلوم نہیں ہوسکا تھا۔

میں نے بوگوٹا شہر میں پانچویں دن سوچا کہ اب یہاں سے کوچ کرنا چاہیے۔ آگے بڑھنے سے شاید ماسٹر کی کا کوئی آدمی ہتھے چڑھ جائے۔ میں وہاں سے اینڈس کی طرف جانا چاہتا تھا۔ دریائے ایمیزن کے ساتھ ساتھ سفر کرنا چاہتا تھا لیکن اخبارات اور ریڈیو کے ذریعے پتا چلا کہ اینڈس میں دیو قامت گلیشئر ٹوٹ رہے ہیں۔ برف کے بڑے بڑے تودے چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کی صورت میں بلندی سے لڑھکتے ہوئے نشیب میں آ رہے ہیں اور تباہی مچا رہے ہیں۔ ایسی صورت میں وہ علاقہ خطرناک قرار دیا گیا ہے۔ یہ خبر سننے اور پڑھنے کے بعد میں نے سفر کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ ہم مزید پانچ دن بوگوٹا میں رکے رہے۔ شیبا نے کہا "فرہاد! دس دن گزر چکے ہیں۔ کیا تم شیطان کی پیشگوئی کے مطابق چالیس دن اسی ملک میں پورے کرنا چاہتے ہو؟"

اس بات سے میرے دماغ کو ایک جھٹکا سا لگا کیا واقعی میں یہاں رہ کر شیطان کی پیشگوئی پوری کر رہا ہوں۔ دس دن تو گزر گئے۔ اُس نے کہا تھا میں دریائے ایمیزن کے کسی ساحل پر بے نقاب ہوجاؤں گا۔ بے نقاب ہونے کے لیے تیس دن رہ گئے تھے۔ میں نے کہا "ہم نے دس دن یہاں ضائع کیے ہیں لیکن بہت اہم کام بھی کیے ہیں۔ دشمنوں کے چھکے چھڑا دیے ہیں۔ انھیں کئی بار اپنے آدمی بدلنے پڑے۔ پھر یہ کہ ہم رفتہ رفتہ شیطانی زبان سیکھتے جا رہے ہیں۔"

"مجھے بڑی بے چینی ہے۔ میں دیکھنا چاہتی ہوں، شیطان کا دماغ کیسا ہوتا ہے اور ہم وہاں تک پہنچ سکتے ہیں یا نہیں؟"

"یہ زبان آخر شیطانی زبان ہے سیکھنے میں کافی وقت لگے گا۔ تم روزانہ بمشکل دو فقرے ہی یاد کرتی ہو اور مجھے یاد کراتی ہو۔ جس دن ہم مکمل طور پر سیکھ لیں گے، اس دن تمھاری خواہش پوری ہو جائے گی کہ ہم دنیا کی خطرناک ترین کھوپڑی میں پہنچ سکتے ہیں یا نہیں۔ بائی دی وے ہم جن بدترین اور ظالمانہ فطرت رکھنے والے دشمنوں کے دماغوں میں پہنچتے ہیں، وہ بھی تو شیطانی کھوپڑیوں کے حامل ہوتے ہیں:

گیارھویں دن میں نے رسوتی کے ساتھ وہاں سے کوچ کیا۔ ہم طیارے میں اینڈس پہنچے۔ یہاں سے دریائے ایمیزن شروع ہوتا ہے۔ اس لیے اتنا گہرا نہیں ہوتا۔ پانی صرف ٹخنوں تک ہوتا ہے۔ آگے چل کر یہ غضب ناک دریا دیکھنے کے قابل ہوتا ہے۔ اس دریا کو اندرونی سمندر کہا جاتا ہے۔ یہ اتنا طویل و عریض ہے کہ آدھے جنوبی امریکا کو ڈبوئے رکھتا ہے چونکہ ابھی یہ خطرناک نہیں تھا اس لیے میں نے اور رسوتی نے گھوڑوں کی پشت پر سفر شروع کیا۔ میں نے ایک گائڈ اور دو ملازم کرائے پر حاصل کیے تھے۔ انھوں نے دوسرے گھوڑوں پر ہمارا سامان رکھا تھا۔ گائڈ ایک گھوڑے پر تھا اور ہمارے آگے آگے چل رہا تھا اور بتاتا جا رہا تھا کہ یہ دریا برفانی پہاڑوں سے بہتا ہے مگر بارش اور سیلاب کے ذریعے خطرناک ہوجاتا ہے۔ اس کا کبھی کوئی مخصوص ساحل نہیں رہتا۔ یہ اپنے ساحلوں کو توڑ کر جنگلات کے اندر چلا جاتا ہے اور ہر شے کو بہا کر لے جاتا ہے۔

گائڈ انگریزی زبان میں بڑی روانی سے بولتا جا رہا تھا۔ اگر وہ دشمنوں میں سے ہوتا تو اتنی روانی سے میرے سامنے نہ بولتا یا اجنبی زبان استعمال کرتا یا گونگا بنا رہتا۔ بہرحال میں اس کے دماغ کو پڑھ کر مطمئن ہوگیا۔ دوسرے دو ملازم بھی قابلِ اعتماد تھے۔

ہم نے گھوڑے کی پشت پر سہ پہر کے تین بجے سفر شروع کیا تھا۔ شام چھ بجے کے بعد اندھیرا چھانے لگا۔ ہم نے ایک چھوٹی سی بستی لوٹنا میں قیام کیا۔ وہاں کے ریسٹ ہاؤس میں ایک کمرا مل گیا۔ میں رسوتی کو یہاں آرام کرنے کے لیے چھوڑ کر گائڈ کے ساتھ بستی کا ایک چکر لگانے کے لیے گیا۔ پتا چلا وہاں کی آبادی بڑی گھنی ہے۔ گائڈ نے کہا "یہ تو بڑی ویران سی بستی ہوتی ہے۔ البتہ سیاح وغیرہ یہاں سے گزرتے ہیں تو ایک رات قیام کرتے ہیں لیکن میں نے اپنی زندگی میں اتنے سیاح اور مقامی مسافر نہیں دیکھے۔ آج تو یہ بستی اجنبی لوگوں سے مکمل طور پر بھری ہوئی ہے۔"

میں سمجھ گیا کہ ان میں خطرناک تنظیم کے افراد موجود تھے جو سیاح اور مقامی مسافروں کے بھیس میں آئے ہوئے تھے۔ میرے اس خیال کی تصدیق یوں بھی ہوگئی کہ تمام بستی میں دلچسپ تبصرے ہو رہے تھے اور بڑی حد تک خوف و ہراس بھی تھا کہ وہاں ایک ایسا انسان آیا ہے جو دیو قامت ہے اور اس کے ہاتھ بہت لانبے ہیں۔ انھیں دیکھتے ہی ایک انجانا سا خوف طاری ہوجاتا ہے۔

پچھلے گیارہ دنوں کے دوران میں نے ایک بار دی کلر کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تھا۔ وہ بُری طرح چونک گیا تھا۔ اگر یوگا کا ماہر ہوتا تو سانس روک لیتا مگر اس نے چونک کر پوچھا تھا "تم کون ہو؟" اس کا یہ انداز ظاہر کرتا تھا کہ واقعی اس کے دماغ میں کمپیوٹر کا ریسیور رکھا گیا ہے۔ کس طرح رکھا گیا ہے؟ کیا یہ ممکن ہے بلکہ اسی بات کو سمجھنا رہ گیا تھا۔

اسی رات شیبا نے کہا "فرہاد! شیخ الفارس تم سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔"

جب میں ان کے پاس گیا تو انھوں نے کہا "بابا صاحب کے ادارے سے ہر برس بہت ہی نامور ڈاکٹر کسی نہ کسی ملک میں اپنے کارنامے انجام دیتے ہیں۔ انعامات حاصل کرتے ہیں اور تجربات کے معاملے میں اپنا لوہا منواتے رہتے ہیں۔ میں نے ایسے ہی چند ڈاکٹروں کو بلا کر یہاں ایک بورڈ قائم کیا تھا اور دی کلر کے دماغی آپریشن کے متعلق ان سے بحث شروع کرائی تھی۔ وہ سب اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اس تیس برس کے بچے کو کمپیوٹر کے ذریعے گائڈ کیا جاتا ہے لیکن کس طرح گائڈ کیا جاتا ہے یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔ اگر دی کلر ہمیں حاصل ہوجائے تو ہم دوبارہ اس کا دماغی آپریشن کر سکتے ہیں۔"

میں نے کہا "اس پہاڑ کو کاٹنا اور توڑنا تو آسان ہے مگر اسے قابو میں کر کے پیرس تک آپ کے ادارے میں پہنچانا ممکن نہیں ہے۔ ایک تو پُراسرار شخص ہمارے راستے میں رکاوٹ بنے گا پھر دی کلر جسمانی طور پر ایسا ہے کہ ہم اسے کسی میک اپ میں چھپا نہیں سکیں گے۔ اس کے غیر معمولی لانبے ہاتھوں کو چھوٹا نہیں کر سکیں گے۔ اس کا قد بھی چغلی کھائے گا کہ اسے دوسرے بھیس میں لے جایا جا رہا ہے۔"
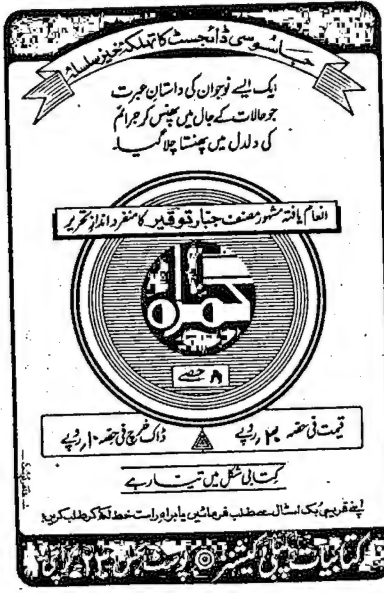
"شیخ الفارس نے کہا۔" میں نے ان تمام پہلوؤں پر غور کیا ہے۔ میری سمجھ میں دو باتیں آ رہی ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ تم اسے اپنے پیچھے اس طرح لگاؤ کہ وہ تمہارا تعاقب کرتا ہوا خود پیرس تک آئے۔ دوسرا اور آخری راستہ یہی ہے کہ جب تم اس سے ٹکراؤ تو خدا کرے اس پر غالب آؤ اور وہ مارا جائے تو اس کی گردن کاٹ کر سر ساتھ لے آؤ۔ ہم اس کی کھوپڑی کو کھول کر دیکھنا چاہتے ہیں۔ آخر وہ آپریشن کس طرح کیا گیا ہوگا۔ اس غیر معمولی شخص کی کھوپڑی حاصل کرنے کے سلسلے میں میرے تمام آدمی تمہارے آس پاس ہوں گے اور وہ خود ہی اسے لے آئیں گے۔ تم ایک بات یاد رکھنا۔ اس سے ٹکراتے وقت اسے جسمانی طور پر ہر طرح کا نقصان پہنچانا مگر اس کی کھوپڑی پر کبھی حملہ نہ کرنا، نہ ہی کوئی ٹھیس پہنچانا۔"

میں نے وعدہ کیا ایسا ہی ہوگا۔ وعدہ تو کر لیا لیکن میں نے اس دیو قامت انسان کو دیکھا تھا۔ وہ پہاڑ تھا۔ اس سے مقابلہ کرنا سراسر حماقت ہوتی۔ مجھے جب بھی خیال خوانی سے فرصت ہوتی تو میں اس سے مقابلہ کرنے کے منصوبے بناتا رہتا تھا کسی نئے انداز سے مقابلہ کرنا اور اسے ڈاج دے کر شکست دینا ہی زیادہ مناسب ہوتا۔

وہ رات ہم نے بستی لوٹنا میں گزاری کسی بستی میں دشمن ہوں اور بے شمار دشمن ہوں اور سب ایک دوسرے کے دشمن ہوں تو وہاں سکون سے رات کیسے گزر سکتی ہے۔ سب کی نظریں رسونتی پر تھیں۔ کوئی رسونتی کو نقصان نہیں پہنچا رہا تھا کیونکہ اس سے کوئی غرض نہیں تھی۔ وہ تو اس کے ذریعے فرہاد کو ڈھونڈ رہے تھے یا پھر اس بات کا ذکر کر رہے تھے کہ میں اس کے قریب کب آؤں گا اور اسے اغوا کر کے لے جاؤں گا۔ یہ معلوم کرنے اور دیکھنے کے لیے وہ رات کو سو نہیں سکتے تھے۔ اس لیے ہمارے ریسٹ ہاؤس کے قریب ہی موجود تھے۔ اگر ایک دو ہوتے تو پتا نہ چلتا مگر دشمن تو کئی تھے اور کئی تنظیموں سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لیے جو بھی چھپ کر آتا تھا، وہ ایک دوسرے کی نگاہوں میں آ جاتا تھا۔

وہ ریسٹ ہاؤس لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ وہاں اکثر مکانات اونچائی پر اس طرح بنائے جاتے ہیں کہ پہلے چار چھ فٹ اونچا لکڑی کا پلیٹ فارم بنایا جاتا ہے۔ اس کے اوپر کمرے تعمیر کیے جاتے ہیں۔ ریسٹ ہاؤس کے کمروں کے چاروں طرف لکڑی کا چوڑا برآمدہ تھا پھر آمدے کے ساتھ لکڑی کی ریلنگ تھی۔ میں بستر پر لیٹا ہوا آواز سن رہا تھا۔ آواز ایسی تھی جیسے کوئی بھاری بھرکم شخص برآمدے میں ٹہل رہا ہو اور وہ شخص دی کلر ہی ہو سکتا تھا چونکہ میرے سامنے شبہ کی گنجائش نہیں ہوتی لہٰذا میں نے مادام کمپیوٹر بن کر چارلی کے ذریعے معلوم کر لیا تھا۔ دی کلر صرف اس لیے وہاں ٹہل رہا تھا کہ کوئی مخالف گروہ کا آدمی رسونتی تک نہ آئے اور اگر فرہاد آئے تو سب سے پہلے دی کلر کے ہتھے چڑھ جائے۔

چارلی اسی ریسٹ ہاؤس کے ایک کمرے میں تھا۔ میں نے پچھلے دنوں مادام کمپیوٹر بن کر اسے ماسٹر کی، ماسک مین وغیرہ کے آدمیوں کے متعلق کئی بار اطلاع دی تھی اور اس کے ذریعے ان کے آدمیوں کو ہلاک بھی کرایا تھا۔ اس کی وجہ سے مادام کمپیوٹر کی دھاک بیٹھ گئی تھی اور پُراسرار شخص تسلیم کر چکا تھا کہ مادام اگرچہ فرہاد کے مقابلے میں نہیں آ سکتی ہے تاہم وہ دوسرے معاملات میں بہت بڑی مددگار ہے۔ وہ اسی طرح ڈاکٹر مے کا کس کے دماغ میں چھپ کر جاتی رہے گی تو بہت جلد اسے فرہاد کے متعلق اہم اطلاعات دے سکے گی۔

اچانک فائرنگ کی آواز آئی۔ ٹھائیں کی آواز کے ساتھ ہی برآمدے میں ٹہلنے والا دی کلر دھم سے گر پڑا۔ لکڑی کے تختے پر گرنے سے دھماکا ہوا تھا۔ میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ رسونتی میری ہدایت کے مطابق گہری نیند سو رہی تھی۔ میں نے خیال خوانی کی چھلانگ لگائی۔ پتا چلا، دی کلر ضرور گرا ہے مگر زندہ ہے۔ میں نے وہاں سے خیال خوانی کی پرواز کرتے ہوئے چارلی کے پاس جا کر دیکھا۔ وہ ریوالور لے کر زمین پر رینگتا ہوا کھڑکی کے پاس پہنچ گیا تھا اور وہیں سے معلوم کرنا چاہتا تھا کہ دی کلر کو گولی لگی ہے یا نہیں؟

میں نے مادام کمپیوٹر بن کر کہا۔" میں ابھی دی کلر کے پاس سے آ رہی ہوں۔ وہ بخیریت ہے۔ تم کمرے سے نہ نکلنا"

چارلی نے کہا۔" میں بزدل نہیں ہوں۔ ایسے وقت لڑنے کا فن جانتا ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے، تم بہت بڑے فنکار ہو۔ جو کہہ رہی ہوں اس پر عمل کرو۔ دی کلر سر سے پاؤں تک بُلٹ پروف لباس میں ہے۔ اس لیے وہ مختلف سمت سے آنے والی گولیوں سے بچ سکتا ہے۔ تمہارا کیا ہوگا۔ اگر پسند ہو تو باہر نکل کر دیکھو۔"

بات معقول تھی۔ وہ باہر نکلنے کی جرأت نہ کر سکا۔ اسی وقت کسی نے بلند آواز سے للکارنے کے انداز میں کہا "دی کلر، پہلے تمہیں ہی ختم کرنا ہوگا اس کے بعد ہمارا راستہ صاف ہوگا۔ میں جانتا ہوں، تمہیں گولی نہیں لگی ہے۔ جو گولی تمہارے پاس آئی تھی، وہ تمہارے بدن سے چٹک کر گئی۔ رات کی تاریکی میں میں نے تمہارے بدن سے نکلنے والی چنگاری دیکھی ہے جو بُلٹ کے لگنے سے بُلٹ پروف لباس سے نکلتی ہے۔"

چند لمحوں تک خاموشی رہی پھر للکارنے والے نے کہا۔ "تم کلر ہو۔ میں کلر آف دی کلر ہوں۔ ذرا اٹھ کر دیکھو کہ میں کیا ہوں۔"

اس کے چیلنج نے مجھے بھی اسے دیکھنے پر مجبور کر دیا۔ میں نے کھڑکی کے پٹ کو ذرا سا اور کھول کر باہر کی طرف دیکھا۔ رات اگرچہ تاریک تھی مگر دور دور تک بلب روشن تھے۔ وہ کاٹیج سے تھوڑے فاصلے پر نظر آ رہا تھا۔ مجھے یوں لگا جیسے میں دوسرے دی کلر کو دیکھ رہا ہوں۔ ویسا ہی قد آور، پہاڑ جیسا ڈیل ڈول رکھنے والا شخص تن کر کھڑا ہوا تھا۔ اچانک کسی نے اس پر فائرنگ کی۔ وہ اچھل کر ایک طرف گیا۔ پھر کھڑا ہو گیا۔ دوسری بار فائرنگ ہوئی۔ گولی اسے لگی مگر وہ اچھل کر پھر دوسری طرف جا کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے خیال خوانی کی چھلانگ لگائی۔ مادام کمپیوٹر بن کر چارلی کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا تو اسی نے دو بار فائر کیا تھا۔ میں نے کہا۔" اگر تمہیں یقین ہو گیا ہو کہ دی کلر کی طرح اس کا مخالف بھی بُلٹ پروف لباس میں ہے تو گولیاں ضائع نہ کرو۔"

دی کلر اچانک ہی اچھل کر برآمدے میں کھڑا ہو گیا۔ پھر وہاں سے چلتا ہوا برآمدے کے زینے سے اترنے لگا۔ دھپ دھپ کی بھاری بھرکم آواز رات کے سناٹے میں گونج رہی تھی۔ دور دور تک مدھم روشنی میں اور بھی مسلح افراد نظر آ رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔" ہم جانتے ہیں، تم میں سے کوئی ہمارے مخالف ہو اور تم نے یہ دیکھ لیا ہے کہ ہمارا شہ زور کلر آف دی کلر کسی طرح بھی دی کلر سے کم نہیں ہے۔ دونوں بلٹ پروف لباس پہنے ہیں۔ ہماری گولیاں ضائع ہوں گی لہٰذا ہمیں دور ہی دور سے تماشا دیکھنا چاہیے۔ ان دونوں کو آپس میں فیصلہ کرنے دو۔ اگر ہمارے کلر آف دی کلر نے اس پہاڑ جیسے تیس برس کے بچے کو شکست دے دی، اسے ختم کر دیا تو ہم سب کے لیے رسونتی تک پہنچنے کا راستہ آسان ہو جائے گا۔ اس کے بعد ہم فیصلہ کریں گے کہ رسونتی پر کس کا حق ہے۔"

وہ رسونتی کو اس لیے حاصل کرنا چاہتے تھے کہ وہ جس کے پاس بھی رہے گی، فرہاد اسی کے پاس آئے گا۔ دی کلر ریسٹ ہاؤس کے برآمدے سے اتر کر کھلی جگہ اس نئے قد آور شخص کے سامنے پہنچ گیا۔ غرا کر بولا۔" تم کون ہو؟"

اس نے کہا۔" میں کہہ چکا ہوں، تم کلر ہو۔ میں کلر آف دی کلر ہوں۔"

"یہ تو کوئی نام نہ ہوا۔"

"تمہارا بھی کوئی نام نہیں ہے۔ تم خطرناک قاتل ہو، اس لیے دی کلر کہلاتے ہو۔ یہ تمہاری صفت ہے اور میری صفت یہ ہے کہ جو خطرناک قاتل ہوتے ہیں، میں انھیں قتل کرتا ہوں اس لیے میری صفت ہے کلر آف دی کلر۔"

میں سمجھ رہا تھا، جو سوالات دی کلر کر رہا ہے، وہ دو کسی کمپیوٹر سے ہو رہے تھے اور کمپیوٹر کے پاس بیٹھا ہوا پُراسرار شخص سن رہا تھا اور اسی کی مرضی سے سوالات ہو رہے تھے۔ بہرحال، دی کلر نے اپنے مخالف قد آور شخص کے سامنے پینترا بدلتے ہوئے پوچھا۔" تم کس کے آدمی ہو؟"

مخالف آدمی نے جواباً پینترا بدلتے ہوئے کہا۔" ابھی تک میں نے شادی نہیں کی۔ ابھی تک کسی عورت نے مجھے اپنا آدمی نہیں کہا۔ پھر بھلا میں کس کا آدمی ہو سکتا ہوں۔"

اب دی کلر اپنی اصلیت پر آ گیا۔ غراتے ہوئے بولا۔ "بھوں بھوں بھوں۔ میں تمہاری زبان کھلوانا جانتا ہوں۔"

یہ کہتے ہی اس نے پینترا بدلتے بدلتے اچانک پلٹ کر ایک کک ماری۔ کلر آف دی کلر نے کک کو ہاتھ سے روکا۔ پھر اس کی ٹانگ کو دوسری طرف گھما دیا۔ دی کلر گھوم کر دوسری طرف گیا اور زمین پر گر پڑا۔ مگر پلک جھپکتے ہی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس وقت تک کلر آف دی کلر اس کے سر پر پہنچ چکا تھا اور اس کے سر پر ہی کراٹے کا ایک ہاتھ رسید کرنا چاہتا تھا مگر کراہتا ہوا ایک دم سے جھک گیا کیونکہ دی کلر کا گھونسا اس کے پیٹ پر پڑا تھا۔ پھر دوسرا گھونسا اس کے منہ پر پڑا تھا۔ یقیناً اس کی آنکھوں کے سامنے تارے ناچ گئے ہوں گے، وہ لڑکھڑا کر پیچھے گیا۔ دی کلر اب فاتح تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر پھر ایک حملہ کیا لیکن اس فاتح کی آنکھوں کے سامنے بھی تارے ناچ گئے ہوں گے۔ کلر آف دی کلر نے اس کے منہ پر بھرپور ہاتھ جمایا تھا۔ اس کے سنبھلنے سے پہلے پے در پے دو چار اور ہاتھ جما دیے۔ وہ مار کھاتا ہوا آہستہ آہستہ بیٹھ گیا پھر اچانک اٹھا تو اس کے دونوں ہاتھوں میں کلر آف دی کلر بلند ہو چکا تھا۔ اس نے دائرے کی صورت میں اسے گھماتے ہوئے دور پھینک دیا۔ وہ کچی زمین پر جا کر گرا۔ اس کے حلق سے ایک کراہ نکلی۔ پھر وہ وہاں سے اٹھ نہ سکا۔

دی کلر دوڑتا ہوا آیا۔ وہ چھلانگ لگا کر اس کے سینے پر سوار ہونا چاہتا تھا مگر اس کے دونوں پاؤں زمین پر پڑے۔ کلر آف دی کلر فوراً ہی کروٹ بدل کر دور چلا گیا تھا۔ وہیں سے پلٹ کر اس نے اس کی ٹانگ پر ٹانگ ماری۔ وہ زمین پر

گر پڑا مگر پلک جھپکتے ہی دونوں گرنے والے اچھل کر کھڑے ہوگئے۔ پھر ایک دوسرے سے ٹکرانے لگے۔ ایسا لگتا تھا، دو پاگل ہاتھی آپس میں ٹکرا رہے ہوں۔ دو بپھرے ہوئے چیتے اپنی تیزی اور طرّاری دکھا رہے ہوں۔

ان کی لڑائی کے دوران میں نے معلوم کرنا چاہا کہ کلر آف دی کلر کون ہے؟ اس کے لیے میں نے خیال خوانی کی پرواز کی لیکن واپس آگیا۔ وہ لڑتے لڑتے ایک دم رک گیا تھا۔ دی کلر اس پر حملہ کرنا چاہتا تھا، اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا "اسٹاپ۔ یہ بے ایمانی ہے۔ مجھ پر دو طرف سے حملے ہو رہے ہیں۔ تمھاری مادام کمپیوٹر میرے دماغ میں آنا چاہتی ہے۔ اگر مرد کے بچے ہو تو اسے منع کر دو۔"

مجھے تعجب ہوا کہ کلر آف دی کلر نے مادام کمپیوٹر کا حوالہ کیوں دیا۔ اس نے یہ کیوں نہ کہا کہ فرہاد دماغ میں آنا چاہتا ہے۔ میں نے پھر اس کے دماغ پر دستک دینا چاہی۔ دماغ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس نے مجھے محسوس کرتے ہی کہا "فرہاد صاحب، السلام علیکم۔ میں سمجھ رہا تھا، مادام کمپیوٹر کا حوالہ سن کر آپ میرے پاس آنا چاہیں گے۔ اس لیے دماغ کے دروازے کھلے ہیں۔ میرے پاس ابھی زیادہ کچھ کہنے کے لیے وقت نہیں ہے۔ سامنے دشمن پینترے بدل رہا ہے بس اتنا سمجھ لیجیے کہ میں آپ کا خادم ہوں۔ ایک برس پہلے جناب شیخ الفارس کے ہاتھوں مسلمان ہوا ہوں۔ میرا نام سلیمان جوگو ہے۔"

مجھے تعجب ہوا کہ اتنا زبردست آدمی ہمارے ادارے میں موجود رہا اور یہاں میرے لیے آیا ہے اور مجھے اس کے متعلق کوئی اطلاع نہیں ہے۔ ویسے جناب شیخ الفارس نے کہا تھا، میری مدد کے لیے یہاں بے شمار افراد آرہے ہیں لیکن بیک وقت ان کا تعارف نہیں کرایا جاسکتا۔ جیسے جیسے وہ میرے سامنے آئیں گے ویسے ویسے... متعارف ہوتے جائیں گے۔

ویسے مجھے سلیمان جوگو سے لگاؤ پیدا ہوگیا۔ کیونکہ وہ اپنا آدمی تھا۔ میں نے کہا "سلیمان جوگو! دی کلر کو جانی نقصان نہ پہنچانا۔"

اس نے جواباً کہا "مجھے معلوم ہے، اسے زندہ گرفتار کر کے لے جانا ہوگا مگر میں اسے وقتاً فوقتاً زخمی کرتے رہنا چاہتا ہوں تاکہ یہ کمزور ہو جائے۔"

اس کے بعد سلیمان جوگو کو باتیں کرنے کا موقع نہیں ملا۔ وہ دونوں پھر ایک دوسرے سے بھڑ گئے تھے۔ میں نے فوراً خیال خوانی کی پرواز کی۔ جناب شیخ الفارس کے پاس جا کر اس کے متعلق تصدیق کی۔ انھوں نے کہا "بیشک، ایک برس پہلے سلیمان جوگو میرے پاس آیا تھا، میں نے اسے مسلمان کیا تھا۔ لیکن وہ مشکوک ہے۔ ایک بار میں نے اسے اپنے ادارے سے نکال دیا تھا۔ دوسری بار اس نے معافی مانگی۔ میں نے اسے معاف کر دیا تھا لیکن ادارے میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی۔ وہ اب بھی میرے لیے کام کرتا ہے مگر میں اعتماد نہیں کرتا کیونکہ وہ دوغلا ہے، لالچی ہے۔ زیادہ لالچ کے سلسلے میں کسی دوسری طرف رخ بدل سکتا ہے۔"

میں نے پوچھا "یعنی ہم بھی اس پر اعتماد نہ کریں اور اس سے زیادہ کام نہ لیں۔"

"اعتماد نہ کرو مگر زیادہ سے زیادہ کام لو۔ میں نے سلیمان جوگو سے کہہ دیا ہے، وہ خواہ کسی کے لیے کام کرے مگر یاد رکھے، اگر دی کلر کو زندہ گرفتار کر کے لائے گا تو میں دوسروں سے زیادہ معاوضہ دوں گا۔ ہوسکتا ہے وہ زیادہ معاوضے کے لالچ میں اسے گرفتار کر کے ہمارے ہی پاس لے آئے بہرحال ہم اس پر کڑی نظر رکھیں گے۔"

ریسٹ ہاؤس کے باہر زبردست جنگ جاری تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے ٹکرا رہے تھے۔ ایک دوسرے پر حملے کر رہے تھے اور بری طرح لہولہان ہوتے جارہے تھے۔ وہاں جتنے بھی افراد موجود تھے، وہ اس بات کے چشم دید گواہ تھے کہ سلیمان جوگو، دی کلر پر بھاری پڑ رہا تھا اور یہ ایک فطری بات ہے کیونکہ سلیمان اپنی عمر، اپنی جسامت کے اعتبار سے دماغی طور پر بھی اتنا ہی بالغ اور توانا تھا لیکن دی کلر اپنی عمر اور اپنی جسامت کے اعتبار سے نہ تو بالغ تھا، نہ توانا تھا۔ جو بھی توانائی اسے حاصل ہو رہی تھی، کمپیوٹر کے ذریعے ہو رہی تھی۔

وہ دونوں لڑتے ہوئے بڑے بھیانک لگ رہے تھے۔ اپنے اپنے لہو میں ڈوب رہے تھے۔ صرف وہی ٹوٹ پھوٹ نہیں رہے تھے بلکہ ریسٹ ہاؤس کے برآمدے کی ریلنگ وغیرہ بھی ان کے ہاتھوں ٹوٹ گئی تھی۔ جب بھی وار خالی جاتا تھا تو وہ وار ریلنگ وغیرہ پر پڑتا تھا۔ نتیجے کے طور پر ریسٹ ہاؤس کا بیرونی حصہ اچھا خاصا ٹوٹ گیا تھا۔ پھر وہ لڑتے ہوئے جس درخت کی طرف جاتے تھے، وہاں کی شاخیں ٹوٹ جاتی تھیں کیونکہ شاخوں کو توڑ کر ایک دوسرے پر حملہ کرتے تھے۔ ان کی جسمانی قوت کا مظاہرہ قابلِ دید تھا۔ موٹی موٹی شاخیں ان کے ہاتھوں سے ٹوٹ جاتی تھیں۔ میں نے مادام کمپیوٹر بن کر دی کلر کو مخاطب کیا "میں تمھارے لیے کیا کرسکتی ہوں۔ جلدی بولو۔"

وہ ہانپ رہا تھا۔ اس نے سوچ کے ذریعے کہا "کسی طرح یہاں ہنگامہ کرا دو۔ میں یہ لڑائی ختم کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے صحیح سلامت رہنا ہے۔ ابھی زخمی ہوگیا ہوں۔"

ذرا دیر بعد ہی یہ ثابت ہوگیا کہ دی کلر کے دماغ کو کمپیوٹر کے ذریعے گائڈ کیا جا رہا ہے اور کمپیوٹر کے پیچھے پُراسرار شخص موجود ہے کیوں کہ وہاں موجود رہنے والے پُراسرار شخص کے آدمیوں نے ہنگامہ شروع کر دیا تھا۔ یقیناً انھیں ٹرانسمیٹر کے ذریعے یہ حکم دیا گیا ہوگا۔ اب چاروں طرف سے تڑاتڑ گولیاں چل رہی تھیں۔ جو دی کلر کے حمایتی تھے، وہ سلیمان جوگو پر حملے کر رہے تھے اور سلیمان جوگو کے آدمی دی کلر پر حملے کرتے ہوئے اُسے دور لے جانا چاہتے تھے۔ جیسے اغوا کرنا چاہتے ہوں مگر ہر ایک کے راستے میں کوئی نہ کوئی رکاوٹ پیدا ہو جاتی تھی۔

مختلف تنظیموں کے افراد وہاں گڈمڈ ہوگئے تھے۔ سب اپنے اپنے مقصد کے لیے لڑ رہے تھے۔ ایسے ہی لڑنے والوں میں سے کسی نے اچانک ہمارے کمرے کے دروازے پر ٹھوکر ماری۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ پھر فائرنگ کی آواز سنائی دی جیسے وہ دروازے کو فائرنگ سے توڑنا چاہتا ہو۔ ان آوازوں کے دوران دوسری طرف سے بھی فائرنگ ہوئی تھی۔ پھر دروازے کے قریب کھڑے ہوئے شخص کی چیخ سنائی دی۔ اس کے گرنے کی آواز بھی آئی۔ یعنی اس آنے والے کو بھی کسی نے ہمیشہ کے لیے روک دیا تھا۔ باہر قیامت کا شور بلند تھا۔ ریسٹ ہاؤس کے آس پاس جیسے زلزلہ آگیا تھا۔ برآمدے کے تختوں والے فرش پر دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں دھماکے پیدا کر رہی تھیں۔ اس کے باوجود رسونتی محوِ خواب تھی۔ کیوں کہ میں نے صبح سات بجے بیدار ہونے کی ہدایت کی تھی۔

دروازہ اندر سے بند تھا لیکن جس حصے میں اندر سے چابی لگائی تھی، وہاں آس پاس فائرنگ کے بعد بے شمار سوراخ ہو گئے تھے۔ کوئی بھی طاقت ور انسان اسے ایک دھکے میں کھول سکتا تھا یا توڑ سکتا تھا۔ پھر اُسے توڑ ہی دیا گیا۔ ایک دھماکا سا ہوا۔ میں اسی دروازے کے پیچھے دیوار سے لگ کر کھڑا ہوگیا۔ اس کے ساتھ ہی شیبا کو آواز دی "شیبا فوراً چلی آؤ۔"

وہ پلک جھپکتے ہی میرے دماغ میں تھی۔ پوچھنے لگی "کیا بات ہے؟"

میں نے کہا "کچھ بتلانے کا موقع نہیں ہے۔ رسونتی کے کمرے میں کوئی آرہا ہے۔"

وہ آچکا تھا۔ وہ قد آور شخص دی کلر یا سلیمان جوگو ہو سکتا تھا۔ دی کلر کو میں پہچانتا تھا۔ وہ سلیمان جوگو تھا۔ اس نے کمرے میں قدم رکھتے ہی آس پاس دیکھا۔ اس کی نظر رسونتی پر پڑی۔ وہ تیزی سے اُدھر بڑھا پھر بستر پر جھک کر اُسے دونوں بازوؤں میں اٹھانا چاہتا تھا، میں نے یکبارگی اُچھل کر فضا میں جیسے تیرتے ہوئے ایک فلائنگ کک ماری۔ وہ لات کھاتے ہی لڑکھڑاتا ہوا، بستر کے پاس سے ہوتا ہوا دوسری طرف کی دیوار سے ٹکرا گیا۔ اگرچہ وہ طاقتور بھی تھا اور بہت اچھا فائٹر بھی لیکن اس نے پھرتی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ ٹکرا کر دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا تھا پھر مجھے دیکھتے ہوئے بولا "اچھا تو آپ فرہاد صاحب ہیں۔"

میں نے کہا "یہ تمھارے سامنے ڈاکٹر مے کا کس کا جسم ہے مگر اُس کا دماغ فرہاد کے قبضے میں ہے۔ ابھی فرہاد تم سے مخاطب ہے۔ اگر تم میرے خادم ہو تو چپ چاپ کمرے سے چلے جاؤ۔"

اُس نے اٹھتے ہوئے کہا "جناب، میں تو مادام رسونتی کی بھلائی کے لیے آیا ہوں۔ یہاں ہنگامے ہو رہے ہیں۔ گولیاں چل رہی ہیں۔ مادام کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔"

"تم مادام کو باہر لے جاؤ گے تو گولیوں کی بوچھاڑ میں زیادہ نقصان پہنچے گا۔ مجھے بچہ سمجھ کر سمجھانے کی کوشش نہ کرو۔"

"میں ابھی اپنے جسم سے بلٹ پروف لباس اتار کر مادام کو اس سے ڈھانپ دوں گا۔ انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ قریب ہی میں نے ایک گاڑی کا انتظام کر رکھا ہے ہم یہاں سے فرار ہو جائیں گے، پھر آپ جہاں کہیں گے میں مادام کو پہنچا دوں گا۔"

"سلیمان جوگو! تمھیں جو ڈیوٹی دی گئی ہے صرف اُسے انجام دو اور تمھاری ڈیوٹی ہے، دی کلر کو گرفتار کر کے بابا صاحب کے ادارے میں پہنچا دینا۔ میں اس کے آگے کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ یہاں سے چلے جاؤ ورنہ دی کلر کے ہاتھوں ٹوٹنے پھوٹنے سے جو باقی رہ گئے ہو وہ یہاں پورے ہو جاؤ گے۔"

اُس نے پوچھا "یعنی آپ اپنے خادم پر اعتماد کرنا نہیں چاہتے؟"

میں نے شیبا سے کہا "ایک، دو، تین کہتے ہی اس کے دماغ کو زبردست جھٹکا پہنچانا۔"

میرے سامنے کھڑا ہوا سلیمان جوگو زخموں سے چور تھا۔ وہ عام حالات میں اچانک ہی سانس روک سکتا تھا مگر زخمی ہونے کی صورت میں طاقت ور ہونے کے باوجود سانس روکنے میں ذرا سا وقت لگتا ہے۔ ہمیں اتنی سی مہلت کافی تھی۔ شیبا نے میری ہدایت پر عمل کیا۔ میرے تین کہتے ہی اُس نے دماغ میں چھلانگ لگائی اور اُسے ایک زبردست جھٹکا پہنچایا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے دوسرا جھٹکا پہنچایا تاکہ وہ سانس نہ روک سکے۔ پے در پے دو جھٹکے پہنچے تو وہ ایک دم سے بوکھلا گیا۔ اس کے ساتھ ہی میری ایک لات اُس کے منہ پر پڑی۔ پھر دوسری لات پیٹ پر۔ ایسے میں بھلا اُسے سانس روکنے کی فرصت کہاں ملتی۔ شیبا چھٹکنے

والی نہیں تھی۔ اس دوران وہ اس کے دماغ میں رہ کر مسلسل زلزلے پیدا کر رہی تھی۔ اب وہ تکلیف کی شدت سے چیخنے لگا۔ میں نے اُس کا ایک ہاتھ پکڑ کر کھینچا پھر اُسے کاندھے پر لاد لیا۔ اُسے گول گھماتے ہوئے ٹوٹے ہوئے دروازے سے باہر پھینک دیا۔ وہ برآمدے میں جا کر گرا۔ وہاں سے لڑھکتا ہوا سیڑھی پر پہنچا۔ پھر سیڑھیوں پر سے پھسلتا ہوا زمین پر پہنچ گیا۔ وہاں بھی شیبا نے پیچھا نہیں چھوڑا۔ اس کے دماغ میں زلزلے پیدا کرتی رہی اور وہ چیخیں مار کر کہتا رہا۔ "فرہاد صاحب! مجھے معاف کر دیجیے۔ میں آپ کا خادم ہوں۔ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ میں واپس جا رہا ہوں۔"

شیبا نے اُسے چھوڑ دیا لیکن دی کلر وہاں پہنچ گیا تھا۔ اس نے اس کے مُنہ پر ٹھوکر ماری۔ وہ تڑپ کر دوسری طرف گھومتا ہوا گیا۔ دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام کر اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگا۔ میں نے شیبا سے کہا۔ "جو فارمولا ہم نے سلیمان جوگو پر استعمال کیا' اب وہی دی کلر پر استعمال کریں گے۔ دونوں کو برابر کمزور ہونا چاہیے۔"

ہم نے وہی فارمولا استعمال کیا۔ اُسے یکے بعد دیگرے جھٹکے پہنچاتے رہے۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے گیا مگر اپنی عادت کے مطابق سنبھل گیا۔ اُسے اس کی عادت نہیں کہنا چاہیے۔ وہ تو کمپیوٹر کا محتاج تھا لیکن کمپیوٹر کب تک سنبھال سکتا تھا جبکہ ٹیلی پیتھی جاننے والے دو تھے اور دونوں اس کے دماغ میں رہ کر مسلسل زلزلے پیدا کر رہے تھے۔ اتنے میں سلیمان جوگو کو سنبھلنے کا موقع مل گیا تھا۔ اب اُس نے اُٹھ کر اس پر حملے شروع کر دیے تھے۔ میں نے اس کے دماغ میں پہنچ کر کہا۔ "سلیمان! اس بات کو یاد رکھنا' اگر میں دی کلر کے دماغ کو جھٹکے نہ پہنچاتا تو وہ اب تک تمھیں ختم کر چکا ہوتا۔ تمھاری خیریت اسی میں ہے کہ اس سے لڑتے ہوئے یہاں سے فرار ہو جاؤ۔ میں بعد میں تم سے نمٹ لوں گا۔"

وہ وہاں سے ناکام جانے والا آدمی نہیں تھا۔ جب اُس نے دیکھا کہ دی کلر اس کے ہاتھوں مار کھا رہا ہے تو اُس نے اسے مارتے مارتے اپنے کاندھے پر لاد لیا۔ پھر اُسے لے کر اپنی گاڑی کی طرف بھاگنے لگا۔ بھاگتے بھاگتے اچانک ہی اس کے حلق سے کراہ نکلی۔ دی کلر جو اُس کے کاندھے پر جھول رہا تھا' اُس نے پیچھے سے اس کی کمر پر مُکّے رسید کیے تھے۔ وہ دوڑتے دوڑتے گر پڑا۔ پھر ان کی جنگ شروع ہو گئی۔ شیبا نے کہا۔ "دونوں ہی ضدّی ہیں' کسی سے شکست تسلیم کرنا نہیں چاہتے۔"

بے شک وہ دونوں میدان چھوڑنے والوں میں سے نہیں تھے لیکن سلیمان کو مجبوراً وہاں سے فرار ہونا پڑا۔ پیرا اسٹیٹ کی پولیس حرکت میں آ گئی تھی۔ ایک ہیلی کاپٹر ریسٹ ہاؤس کے اطراف پرواز کر رہا تھا اور اسپیکر کے ذریعے کہا جا رہا تھا۔ "فائرنگ بند کر دی جائے ورنہ اس بستی میں قیام کرنے والے مقامی مسافروں کے سفری اجازت نامے اور سیاحوں کے پاسپورٹ وغیرہ ضبط کر لیے جائیں گے۔ یہاں پولیس فورس اتاری جا رہی ہے۔ جس کے خلاف الزام ثابت ہو گا اسے پیرا اسٹیٹ سے باہر نکال دیا جائے گا۔"

ایسے میں سلیمان جوگو کو اپنی گاڑی میں بیٹھ کر وہاں سے بھاگنا پڑا۔ صرف اسی کو نہیں' جتنے بھی دشمن آئے تھے' وہ سب چھٹ گئے۔ دی کلر اپنے پیروں پر کھڑا ہوا ڈگمگا رہا تھا' زخموں سے چُور چُور تھا مگر گرنا یا کسی کا سہارا لینا اپنی توہین سمجھتا تھا۔ اسے سہارا دینے کے لیے کئی آدمی آئے مگر اس نے سب کے ہاتھ جھٹک دیے۔ ڈگمگاتے ہوئے ٹھہر ٹھہر کر چلتے ہوئے ریسٹ ہاؤس کی طرف آنے لگا۔ اس کے آس پاس تقریباً چھ قدآور صحت مند جوان تھے۔ میں جانتا تھا' یہ سب' پُراسرار شخص کے آدمی ہیں اور یقیناً یوگا کے فن سے واقف ہیں جیسا کہ مجھے پہلے ہی بتا دیا گیا تھا۔ اسی لیے میں نے ان کے دماغوں میں جانا فی الحال ضروری نہیں سمجھا۔ وہ سب دی کلر کے آس پاس چلتے ہوئے ریسٹ ہاؤس کے برآمدے میں آئے۔ ایک قدآور جوان نے مجھے سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے کہا۔ "ڈاکٹر! تم تو بڑے شہ زور نکلے۔ ہم دیکھ رہے تھے' تم نے اس پہاڑ جیسے کلر آف دی کلر کو کاندھے پر اٹھا کر کمرے سے برآمدے میں پھینک دیا تھا۔"

پھر اس نے اپنا داہنے ہاتھ کا پنجہ میری طرف بڑھاتے ہوئے پوچھا۔ "مجھ سے پنجہ لڑاؤ گے؟"

میں نے اس کے ہاتھ کی طرف دیکھا۔ پھر گہری سنجیدگی سے کہا۔ "ابھی میں ڈاکٹر میکاکس ہوں۔ جب فرہاد صاحب میرے دماغ میں آئیں..... تو ضرور پنجہ لڑانا۔ میں تمھارا چیلنج یاد رکھوں گا۔"

یہ کہتے ہی میں نے چارلی کے دماغ میں پہنچ کر کہا۔ "میں مادام بول رہی ہوں۔ اپنے اس نوجوان سے کہو' خوامخواہ ڈاکٹر میکاکس کو چیلنج نہ کرے۔ میکاکس ایسا ہی ایک عام آدمی ہے جیسا تمھارا دی کلر نیند کی حالت میں ایک عام سا بچہ ہوتا ہے۔ پتا نہیں دی کلر کو جسمانی اور دماغی توانائی کیسے حاصل ہوتی ہے لیکن میکاکس کو آج کل فرہاد کے ذریعے دماغی توانائی حاصل ہو رہی ہے۔"

چارلی نے سوچ کے ذریعے کہا۔ "میں سمجھتا ہوں' اُس پہاڑ جیسے آدمی کو فرہاد نے ہی اٹھا کر باہر پھینکا تھا۔ میں

اپنے آدمیوں کو سمجھا دوں گا لیکن فوراً نہیں سمجھا سکتا کیوں کہ میں سب کے سامنے گونگا بنا رہتا ہوں۔"

وہ سب میرے سامنے سے چلے گئے تھے۔ دی کلر کو ایک کمرے میں لے گئے تھے۔ وہاں اس کی مرہم پٹی کر رہے تھے۔ ریسٹ ہاؤس کے انچارج نے آ کر کہا۔ "جناب' آپ دوسرے کمرے میں منتقل ہو جائیں۔ اس کمرے کا دروازہ ٹوٹ چکا ہے۔"

میں نے خیال خوانی کے ذریعے رسونتی کے دماغ میں پہنچ کر کہا۔ "میں نے تمھیں صبح سات بجے بیدار ہونے کی ہدایت کی تھی۔ اب یہ حکم واپس لے رہا ہوں۔ تم بیدار ہو سکتی ہو۔ جیسے ہی میکاکس آواز دے' آنکھیں کھول دینا۔"

میں نے کمرے میں قدم رکھتے ہوئے آواز دی۔ "رسونتی!"

اس نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔ نیند سے بیدار ہونے کے بعد اس کے چہرے کی شادابی اور نکھر آئی تھی۔ وہ بڑی بڑی آنکھوں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ ان آنکھوں میں بچوں جیسی معصومیت تھی' ویسے وہ اس اعتبار سے معصوم ہی تھی کہ ایک ننھی بچی کی طرح سوتی رہی' اس کے آس پاس فائرنگ اور دھماکے ہوتے رہے مگر اسے کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ ہم دس منٹ کے اندر ایک محفوظ کمرے میں منتقل ہو گئے۔ میں نے دروازے کو اندر سے بند کیا۔ شیبا نے کہا۔ "اب میں جا رہی ہوں' میری ضرورت ہو تو بلا لینا۔"

وہ چلی گئی۔ میں نے بستر پر آ کر رسونتی کو پھر ٹیلی پیتھی کی نیند سلایا۔ اس کے بعد خود آرام سے لیٹ کر دماغ کو ہدایت دی پھر نیند کی آغوش میں چلا گیا۔ اس علاقے میں معمولی سردی تھی' ایک کمبل میں ہمارا گزارا ہو گیا۔ مگر ہوا میں خاصی نمی تھی۔ میں زندگی میں پہلی بار ایسے علاقے میں رہا جہاں شدید نمی کے باعث صبح تک کمبل اور جسم کا لباس تک بھیگ جاتا تھا۔ چھت کے کنارے سے پانی ایسے ٹپکتا تھا جیسے رات بھر بارش ہوئی ہو۔ کمرے میں رکھے ہوئے کپڑے' کتابیں غرض کہ ہر شے بھیگ جاتی تھی۔ دن کے وقت ایسا حبس ہوتا تھا کہ سانس لینے میں دشواری پیش آتی تھی۔ رسونتی نے گھبرا کر کہا۔ "یہاں سے چلو' ہم کسی دوسری جگہ رہیں گے۔"

صبح نو بجے ناشتا کرنے کے بعد ہم وہاں سے ایک ن میں بیٹھ کر روانہ ہوئے۔ اگر ہم چاہتے تو ہمارے لیے رام دہ گاڑی فراہم کی جا سکتی تھی لیکن میں نے کولمبیا میں ہی کہہ یا تھا کہ پُراسرار شخص کی مہمان نوازی قبول نہیں کروں گا۔ دوسری ت یہ کہ مقامی باشندوں کے ساتھ سفر کرتے ہوئے اچھا ے رہا تھا۔ کچھ نئے تجربات ہو رہے تھے اور سب سے اہم بات یہ کہ جناب شیخ الفارس کے آدمیوں نے مجھے اشارہ دے دیا تھا کہ وہ بس میں ہمارے آس پاس موجود رہیں گے۔

یوں تو ایمیزن کے ساحلی راستے پر بے شمار گاڑیاں آتی جاتی تھیں لیکن اس بس کے آگے پیچھے کچھ ایسی کاریں اور مختلف قسم کی گاڑیاں تھیں جو برابر ساتھ ساتھ چل رہی تھیں۔ صاف ظاہر تھا کہ ان میں ہمارے مہربان سفر کر رہے تھے۔

میں نے شیخ الفارس صاحب کو مخاطب کیا۔ "جناب! رسونتی میرے ساتھ ہے۔ میں دشمنوں کے شہر بار بار سے نکل آیا۔ کولمبیا سے بھی گزر گیا۔ پیرو کے علاقے سے نکل رہا ہوں۔ آخر اس سفر کی کوئی انتہا ہے' کب تک ہم یہاں سے نکل پائیں گے؟ آپ کیا انتظامات کر رہے ہیں؟"

انھوں نے جواب دیا۔ "پُراسرار شخص کے ذرائع بہت وسیع ہیں...... ایسا لگتا ہے جیسے وہ پورے امریکا پر حکومت کرتا ہے۔ جنوبی امریکا کے تمام ہوائی اڈّوں اور فلائنگ کلب کے پرائیویٹ اڈّوں پر سخت پابندیاں ہیں۔ کسی کو چارٹرڈ طیارہ اس وقت تک دینے کی اجازت نہیں ہے جب تک حکومت سے خاص طور پر منظوری نہ لی جائے۔ اسی طرح تمام بندرگاہوں پر بھی سخت پہرہ ہے۔ یہاں سے جانے والوں کو سختی سے چیک کیا جاتا ہے اور آنے والوں پر بھی پابندیاں عائد کی جاتی ہیں۔ یعنی فرار ہونے کے بحری اور فضائی راستے بالکل بند کر دیے گئے ہیں۔"

میں نے پوچھا۔ "یہی تو دو راستے تھے۔ اب تیسرا راستہ کیا ہو سکتا ہے؟"

"راستے کبھی بند نہیں ہوتے۔ انھوں نے سخت پابندیاں عائد کی ہیں لیکن مسافر بردار طیارے آتے جاتے رہتے ہیں۔ سیکڑوں' ہزاروں مسافر سفر کرتے رہتے ہیں۔ ان پر کوئی پابندی عائد نہیں کر سکتا۔ میں موقع کی تلاش میں ہوں۔ کل رات موقع ملا تھا لیکن رسونتی کو وہاں سے نکالنے کے لیے مجھے اور تمھیں سلیمان جوگو پر بھروسا کرنا پڑتا اور میں ایسا کرنا نہیں چاہتا تھا۔"

میں نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ "بے شک' میں نے بھی اسے پرکھ لیا ہے۔ وہ دروازہ توڑ کر اندر آتے ہی رسونتی کی طرف لپک رہا تھا۔ حالاں کہ آپ نے اس کی ڈیوٹی دی کلر کی حد تک مقرر کی تھی۔"

"میں اسی طرح آزمانا چاہتا تھا کہ وہ دی کلر سے مقابلہ کرے' اس سے ٹکرائے۔ اگر اس کی نیت میں فتور ہو گا تو وہ اسی بہانے رسونتی کے قریب پہنچ کر اسے اغوا کرنے کی

کوشش کرے گا۔ یقیناً وہ کسی دوسری پارٹی سے بھی سودا کر چکا ہے اور رسونتی کو وہاں پہنچانا چاہتا ہے۔"

"آپ سلیمان جوگو کو ہماری فہرست سے خارج کر دیں۔"

"اس کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ شیبا نے مجھے بتایا ہے، کل رات تم نے اسے اچھی سزا دی ہے۔ اب وہ تمھارے مقابلے پر نہیں آئے گا۔ آئے گا تو ہم اس سے نمٹ لیں گے۔"

"میں رسونتی کے لیے پریشان ہوں۔ آخر اس بے چاری کو کہاں کہاں لیے پھروں گا۔ اس کی موجودگی میں مجھے بہت محتاط رہنا پڑتا ہے۔ یوں کہنا چاہیے کہ میں بہت کمزور پڑ جاتا ہوں۔ اگر تنہا رہوں گا تو دشمنوں سے تنہا نمٹ لوں گا۔"

"صبر کرو اور اپنا سفر جاری رکھو۔ ہم نے ایک نہیں دو ڈمی رسونتیاں بنا رکھی ہیں۔ جب بھی موقع ملے گا تمھارے پاس سے رسونتی کو لے جائیں گے۔ اس کی جگہ اس کی ڈمی چھوڑ جائیں گے۔ مگر اس کے لیے بہت احتیاط لازمی ہے۔ دشمن نادان نہیں ہیں، کمزور نہیں ہیں اور بے بس نہیں ہیں۔ ان کے بڑے دماغ ہیں اور وہ دن رات آنکھیں کھلی رکھتے ہیں، اس لیے ہمیں بہت سوچ سمجھ کر رسونتی کو تمھارے پاس سے لے جانا ہوگا۔"

بس میں ہمارا سفر جاری تھا۔ ان سے رابطہ ختم ہوا تو شیبا نے مخاطب کیا۔ "جانتے ہو وہ باس لورنیا کہاں ہے؟"

"تم اس بے چارے کے پیچھے پڑ گئی ہو۔"

وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "جب تک میں شیطان کے دماغ میں نہیں پہنچوں گی، لورنیا کا پیچھا نہیں چھوڑوں گی۔"

"اچھا بتاؤ وہ کہاں ہے۔"

"تمھارے ساتھ اسی بس میں سفر کر رہا ہے۔"

"ذرا معلوم کرو، کل رات اتنے ہنگامے ہوتے رہے، اس نے مداخلت کیوں نہیں کی؟"

"میں نے معلوم کیا ہے اور معلوم نہ کرتی تب بھی سیدھی سی سمجھ میں آنے والی بات ہے۔ جب شیطان نے اس سے وعدہ کیا ہے کہ چالیسویں دن کی رات کو اس کے سامنے تمھیں بے نقاب کر دے گا تو پھر اسے مداخلت کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ وہ تو یہ بھی نہیں جانتا کہ تم اس بس میں سفر کر رہے ہو۔ ہاں رسونتی کو پہچانتا ہے اس لیے اپنی آرام دہ گاڑی کو چھوڑ کر بس میں سفر کر رہا ہے۔ اچھا میں جاؤں؟"

"کہاں جا رہی ہو؟"

"لورنیا کے پاس۔ اس کی شیطانی زبان کچھ یاد کر دوں گی اور تمھیں بتاؤں گی۔"

"مجھے معاف کرو۔ ابھی بس میں سفر کر رہا ہوں۔ یہاں آنکھیں بند کر کے نیند میں ڈوب کر تمھارا معمول نہیں بن سکتا۔"

"میں ابھی کی بات نہیں کر رہی ہوں۔ جو کچھ سیکھوں گی وہ آج رات تمھیں آکر سکھاؤں گی۔"

"یعنی تم نے قسم کھائی ہے کہ شیطان کی کھوپڑی میں پہنچ کر ہی دم لو گی۔"

"قسم تو نہیں کھائی ہے مگر مجھ میں کسی بات کے لیے بے چینی پیدا ہو جاتی ہے تو میں اس کے پیچھے پڑ جاتی ہوں ویسے مجھے تمھارے لیے تشویش ہے۔"

میں نے حیرانی سے پوچھا۔ "تشویش کس بات کی؟"

"اس بات کی کہ سچ مچ تمھاری دُم نہ نکل آئے۔"

یہ کہہ کر وہ ہنسنے لگی۔ جب اس کی ہنسی تھم گئی تو میں نے کہا۔ "ابھی تمھاری عمر زیادہ نہیں ہے۔ جتنی بھی ہے اس کا حساب کر کے دیکھو، تم نے کتنی بار کھل کر قہقہہ لگایا ہے۔ کہاں تمھیں آزادی نصیب ہوئی ہے۔"

وہ یک بیک سنجیدہ ہو کر بولی۔ "میں مانتی ہوں، بابا صاحب کے ادارے میں آکر میں جیسے جسمانی، روحانی اور دماغی طور پر آزاد ہو گئی ہوں۔ بات بات پر کھل کر قہقہے لگاتی ہوں۔ جب تک ربی اسفندیار کے سائے میں تھی، اس وقت جانے کیوں سہمی سہمی رہتی تھی۔ ان کے سامنے آنکھیں اٹھا کر بات نہیں کرتی تھی۔ ہر وقت یہ خیال سمایا رہتا تھا کہیں کوئی غلطی سرزد نہ ہو جائے، میرے بزرگ ناراض نہ ہو جائیں، یہی وجہ تھی کہ میں بہت زیادہ سنجیدہ ہو گئی تھی اور ہنسنا بھول گئی تھی۔"

میں نے پوچھا۔ "جانتی ہو، دنیا میں سب سے بڑا ظلم کیا ہے؟"

اس نے پوچھا۔ "کیا ہے؟"

"کسی کی ہنسی کو قتل کرنا۔"

اس نے کہا۔ "تم نے میرے حالات کی مناسبت سے بہت ہی سچی بات کہی ہے؟"

میں نے پوچھا۔ "اور جانتی ہو سب سے بڑی حماقت کیا ہوتی ہے؟"

"کیا ہوتی ہے؟"

"یہ کہ جان بوجھ کر دوبارہ ایسے ماحول میں قدم رکھنا جہاں ہنسی کو قتل کیا جاتا ہو۔"

میں نے خیال خوانی کی آنکھ سے دیکھا، وہ سر کو جھکا کر چپ ہو گئی تھی۔ میں نے کہا۔ "میری دعا ہے اور میں کوشش بھی یہی کروں گا کہ تم سدا ہنستی رہو۔ تمھاری سُریلی ہنسی ایسی ہے جیسے تم سات سُروں کی مالا پہن کر ہنس رہی ہو۔"

اس نے ایک گہری سانس لی۔ پھر کہا۔ "فرہاد...!"

وہ کہتے کہتے رک گئی جھجکنے لگی۔ میں نے حوصلہ دیا۔ "کہو کیا بات ہے؟"

اس نے آہستگی سے کہا۔ "فرہاد! تم بہت اچھے ہو۔"

یہ کہتے ہی وہ میرے دماغ سے چلی گئی۔ مجھے یاد آیا، جب میں نے پہلی بار اسے بابا صاحب کے ادارے میں لے جا کر چھوڑا تھا تو اسے یقین آگیا تھا کہ وہ ہماری قیدی نہیں ہے۔ ہر طرح سے آزاد ہے اور میں اس کی بھلائی چاہتا ہوں اور جب اس کی ماما بھی اسے مل گئیں تو اس نے ایسا ہی ایک بار مجھ سے کہا تھا۔ "فرہاد، تم بہت اچھے ہو۔" لیکن اس وقت کے کہنے اور آج کے کہنے .... میں بڑا فرق تھا۔ پہلے اس نے محض تعریف کرنے کے لیے کہا تھا۔ آج اس کے کہنے میں بڑی لگن تھی۔ اس نے لفظ بہت پر زور دیا تھا۔ "فرہاد، تم بہت اچھے ہو۔"

بہت اچھا ہونا گویا شہد ہونا ہے۔ مکھیاں شہد پر آکر بیٹھتی ہیں اور اس کی دبیز مٹھاس میں ان کے پاؤں بوجھل ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ اڑ نہیں پاتیں۔ شکایت کرتی ہیں کہ شہد نے گرفت میں لے لیا۔ میں کب کہتا ہوں کہ بہت اچھا ہوں۔ لڑکیاں آپ ہی آپ متاثر ہوتے ہوتے تعریف کرنے لگتی ہیں۔ پھر تعریف کی مٹھاس میں گرفتار ہو کر رہ جاتی ہیں۔ بدنام میں ہوتا ہوں۔

شام ہونے سے پہلے ہم جھیل لوری کوچہ تک پہنچ گئے۔ وہ بڑی خوبصورت جگہ تھی۔ آبی پرندے دور دور تک بیٹھے یا اُڑتے ہوئے نظر آتے تھے۔ ان کے علاوہ بے شمار رنگ برنگے پرندے نظر آئے جو عجیب عجیب سے سُر میں بولتے تھے اور بھلے لگتے تھے۔ شیبا نے جناب شیخ الفارس کا پیغام پہنچایا۔ جھیل لوری کوچہ میں ایک بہت بڑا فارم ہے جہاں سیکڑوں گھوڑے پرورش پاتے ہیں اور انھیں تربیت دی جاتی ہے۔ مجھے رسونتی کے ساتھ وہاں جا کر رہنا چاہیے۔ وہاں کے مالک سے ہماری باتیں ہو چکی ہیں۔ اس فارم کے گھوڑوں کا انچارج دراصل ہمارا آدمی تھا۔ بہرحال اس کے ذریعے فارم میں پہنچ گئے۔ جھیل لوری کوچہ کے ساحل پر جو آبادی تھی، یہ فارم اس سے ذرا دور تھا۔ ہمیں تنہائی بہت اچھی لگی۔ پھر ہمارے رہنے کے لیے بڑا اچھا انتظام تھا۔ فارم میں ایسے سیکڑوں گھوڑے تھے جو ابھی تربیت یافتہ نہیں ہیں۔ فطری طور پر ان میں وحشت پائی جاتی ہے۔ پلاننگ یہ تھی کہ دشمنوں نے گڑبڑ کی تو ایسے گھوڑوں کو آزاد چھوڑ دیا جائے گا۔ وہ چاروں طرف ایسی افراتفری مچائیں گے کہ دشمنوں کے ہوش اُڑ جائیں گے۔ ایک تو بے تماشا گرد اڑتی رہے گی، وحشت زدہ گھوڑوں سے بچنے کے لیے لوگ بھاگتے رہیں گے۔ ایک دوسرے کو پہچاننا مشکل ہوگا۔ ایسے میں رسونتی کی جگہ ڈمی رسونتی پہنچا دی جائے گی۔

یہ منصوبہ اچھا تھا۔ میں چاہتا تھا کسی طرح رسونتی کو یہاں سے بابا صاحب کے ادارے میں پہنچا دوں۔ اس کے لیے میں نے سوچا کہ اگر ایک ہفتہ بھی وہاں قیام کرنا پڑے تو کوئی بات نہیں ہے مگر میرے سوچنے سے کیا ہوتا ہے۔ میں وہاں ایک ہفتے سے زیادہ رہ گیا۔ بڑی عجیب بات تھی کہ دشمنوں کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔ کوئی ہماری طرف رُخ نہیں کر رہا تھا۔ کسی نے کوئی ہنگامہ نہیں کیا تھا۔ یعنی شدید حیرانی کی بات یہ تھی کہ کہیں سے ایک گولی بھی نہیں چلی۔

ایک ہفتے بعد میں نے شیبا سے کہا۔ "آخر ہمارے آدمی کیا کر رہے ہیں۔ آؤ ہم ان سے باری باری رابطہ قائم کریں۔ انھیں مجبور کریں تاکہ وہ یہاں آکر رسونتی کو اغوا کرنے کی کوشش کریں۔ کم از کم وہ فارم کے احاطے میں تو داخل ہوں۔"

ہم نے ان آدمیوں سے رابطہ قائم کرنا شروع کیا تو پتا چلا کہ ہماری نادانستگی میں بہت سے لوگ بدل گئے ہیں۔ پھر نئی کھیپ آئی ہے۔ پرانے لوگ چلے گئے ہیں۔ دو دن بعد ہمارے ایک آدمی نے شراب خانے میں بیٹھ کر ایک شرابی سے دوستی کی۔ اس نے نشے کی حالت میں بتایا۔ "جب تک رسونتی اس آدمی کے ساتھ فارم میں رہے گی، کوئی ادھر کا رُخ نہیں کرے گا۔"

ہمارے آدمی نے پوچھا۔ "آخر کیوں ادھر کا رُخ نہیں کرے گا؟"

اس شرابی نے نشے میں ہاتھ نچا کر کہا۔ "کیا ہم کو اناڑی سمجھتے ہو۔ ارے وہاں سیکڑوں کی تعداد میں وحشی گھوڑے ہیں جنھیں اب تک تربیت نہیں دی گئی ہے۔ اگر ایک بھی گولی چلے گی، دھماکا ہوگا تو قیامت آجائے گی۔ پورے فارم میں زلزلہ پیدا ہوگا۔ ان گھوڑوں کی زد میں آنے والے یا تو ہلاک ہو جائیں گے یا پھر چلنے پھرنے کے قابل نہیں رہیں گے۔"

اس شرابی کی باتوں سے اندازہ ہوا کہ انھیں ہماری پلاننگ کا علم نہیں ہے مگر وہ اتنا ضرور سمجھتے ہیں کہ وحشی گھوڑوں کی موجودگی میں فائرنگ کرنا یا کسی اور طرح کا ہنگامہ کرنا مناسب نہیں ہے، اسی لیے وہ صبر کر رہے تھے اور انتظار کر رہے

تھے کہ ہم وہاں سے کوچ کریں گے اور آگے کسی منزل کی طرف بڑھیں گے۔

آخر ہمیں مجبور ہو کر وہ فارم چھوڑنا پڑا۔ جب ہم وہاں سے روانہ ہوئے تو بائیس دن گزر چکے تھے۔ اب یوں ہوتا تھا کہ ہم آگے جس مقام پر پہنچ کر قیام کرنا چاہتے، ہم سے پہلے باس بورنیا پہنچ جاتا تھا۔ آخر ہم بنجامن کنسٹنٹ پہنچے۔ یہ برازیل کی سرحدی چوکی تھی۔ یہاں سے ہم نے ایک موٹر بوٹ کرائے پر لی۔ پھر اس میں سوار ہو کر دریائی راستے سے آگے بڑھنے لگے۔ دریائے ایمیزن دنیا کے بڑے بڑے دریاؤں میں سے ایک ہے لیکن اس دریا پر نہ کہیں پُل ہے نہ کوئی ڈیم بنایا گیا ہے، ہم نے موٹر بوٹ میں بیٹھ کر دور دور تک دیکھا۔ اس دریا کا کوئی کنارا نظر نہیں آ رہا تھا۔ موٹر بوٹ کے ڈرائیور نے بتایا، اس کا ایک کنارا دوسرے کنارے سے کئی کئی میل دور ہوتا ہے اور یہ تمام کنارے مستقل نہیں ہوتے۔ دریا کے بڑھنے اور گھٹنے کے ساتھ ساتھ کنارے تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔

یہاں کشتیوں اور موٹر بوٹس وغیرہ میں رائفلیں ضرور ہوتی ہیں کیوں کہ دریا میں خطرناک آبی جانور ہوتے ہیں، وہاں ایک خطرناک قسم کی مچھلی کیٹ فش کہلاتی ہے۔ یہ چھ فٹ سے لے کر نو فٹ تک لانبی ہوتی ہے۔ تیرنے والوں کو کھینچ کر دریا کی تہ میں لے جاتی ہے پھر تیرنے والوں کا سُراغ اُس وقت ملتا ہے جب ان کے جسم ہڈیوں کے ڈھانچے بن جاتے ہیں اور ہلکے پھلکے ہو کر پانی کی سطح پر آ کر تیرنے لگتے ہیں۔

دو گھنٹے تک سفر جاری رہا۔ رات ہو رہی تھی اور ایسے میں سفر جاری رکھنا مناسب نہیں تھا لہٰذا ہم ایک ساحلی بستی میں آ گئے۔ دریا کے کنارے ہی ایک چھوٹی سی جھونپڑی تھی جو ریسٹ ہاؤس کہلاتی تھی۔ ہمیں رات گزارنے کے لیے وہاں جگہ مل گئی۔

برازیل میں برائے نام شہر ہوتے ہیں اور برائے نام انسانی آبادیاں ہوتی ہیں۔ پورا علاقہ جنگلات اور دریاؤں پر مشتمل ہے۔ دن کی روشنی میں ہمیں دریائی سفر اچھا لگا تھا مگر رات کو ساحل پر پہنچ کر احساس ہوا کہ ہم دنیا کے خطرناک ترین جنگلوں میں سے ایک جنگل میں پہنچ گئے ہیں۔ وہاں رات کی تاریکی میں کوئی انسان نظر نہیں آتا تھا۔ بندروں کی بہتات تھی۔ وہ ایک درخت سے دوسرے درخت کی طرف چھلانگ لگاتے ہوئے اس قدر شور مچاتے تھے کہ ان کے ساتھ ساتھ درختوں کے پتے بھی شور مچانے لگتے تھے۔ پھر مینڈکوں، جھینگروں اور کیڑے مکوڑوں کی آواز صبح تک جاری رہتی تھی۔ میں نے جھونپڑی کے برآمدے سے دریا کی طرف دیکھا تو مجھے کتنی ہی سُرخ بتیاں جلتی بجھتی نظر آئیں۔ میں نے حیرانی سے پوچھا "یہ بتیاں کیسی ہیں جو جلتی بجھتی جا رہی ہیں؟"

موٹر بوٹ کے ڈرائیور نے بتایا یہ گھڑیال اور مگرمچھ ہیں جو پانی میں ڈوبتے اور ابھرتے ہیں، ان کی سُرخ آنکھیں رات کے وقت چمکتی ہیں۔ ان کے ڈوبنے ابھرنے سے یوں لگتا ہے جیسے سُرخ بتیاں جلتی اور بجھتی جا رہی ہیں۔

اتنے میں رسونتی برآمدے میں آ گئی۔ میں نے فوراً ہی اس کا بازو تھام کر کہا "اندر چلو۔ باہر صرف تاریکی ہے۔ کچھ نظر نہیں آتا۔"

میں اسے کمرے میں لے آیا، دروازے کو اندر سے بند کر لیا تاکہ وہ مگرمچھ وغیرہ کو دیکھ کر سہم نہ جائے۔ یوں بھی بندر ادھر سے اُدھر اچھل رہے تھے۔ ہماری جھونپڑی کی چھت پر بھی جانے کتنے بندروں نے ڈیرہ جما رکھا تھا۔ ہمارے گائیڈ نے تاکید کی تھی کہ ہم پوری طرح جوتے وغیرہ پہنے رہیں کیوں کہ یہاں زہریلے کیڑے مکوڑے ہوتے ہیں۔ سانپوں اور بچھوؤں کی تو کوئی بات ہی نہیں ہے، یہ تو ان کا پیدائشی مقام ہے۔

اس نے یہ بھی کہا تھا کہ یہاں راتوں کو شاید ہی کوئی اپنے گھر سے نکلتا ہو کیوں کہ یہاں ایک بہت ہی خطرناک قسم کا زہریلا سانپ ہوتا ہے۔ یہ جھاڑیوں میں چھپے رہنے کا عادی ہوتا ہے اس لیے بُش ماسٹر کہلاتا ہے۔ ان جھاڑیوں کے قریب سے گزرنے والا صحیح سلامت نہیں رہتا۔ اس پر یہ حملہ ضرور کرتا ہے۔

ہمارے گائیڈ نے اس جنگل کے متعلق جو دہشت ناک باتیں بتائیں وہ حرف بہ حرف درست تھیں، اس کا ثبوت اس طرح ملا کہ رات بھر کسی دشمن نے ہماری جھونپڑی کی طرف آنے کی جرأت نہیں کی۔ سب کو اپنی اپنی جان کی فکر تھی۔ مجھے بھی ایسی کوئی پریشانی نہیں تھی کہ خیال خوانی میں زیادہ وقت صرف کرتا۔ شیبا نے معمول کے مطابق میرے پاس آ کر مجھے خیال خوانی کی نیند سلایا تھا۔ پھر میرے خوابیدہ دماغ کو اپنے قابو میں کر کے اسی طرح شیطانی زبان کے کچھ فقرے یاد کرائے تھے اس کے بعد صبح میرے بیداری کا وقت مقرر کر کے چلی گئی تھی۔

شیبا کی دوستی میرے لیے باعثِ رحمت بھی تھی اور باعثِ زحمت بھی۔ اس نے وقتِ مقررہ سے پہلے ہی مجھے اٹھا دیا۔ میں نے پوچھا "کیا بات ہے؟"

"باس بورنیا آ رہا ہے۔"

میں نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا "تعجب ہے، تم رات کے تین بجے بھی بورنیا کے دماغ میں تھیں۔"

"میں کیا کروں، وہ اتنے دلچسپ جادوئی تماشے کرتا آ رہا ہے کہ میں سو نہ سکی۔ اب تو مجھے بھی جادو پر یقین آ گیا ہے۔"

میں نے باس بورنیا کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا۔ اس کے ساتھ تقریباً درجنوں افراد تھے، سب کے ہاتھوں میں مشعلیں تھیں اور وہ رقص کرتے ہوئے، گیت گاتے ہوئے آ رہے تھے۔ گیت اسی شیطانی زبان میں تھا اور اب میں یہ زبان بڑی حد تک سمجھ لیتا تھا۔

وہ گیت کی زبان سے جنگل کے زہریلے جانوروں کو مخاطب کر رہا تھا اور انھیں سمجھاتا جا رہا تھا۔ گیت کچھ یوں تھا۔

"اے زہریلے سانپو، تم زہر اگلتے ہو جیسے شیطان زہر اگلتا ہے، تم سے اور شیطان سے ازلی دوستی ہے۔ اس دوستی کے ناتے ہمیں نقصان نہ پہنچاؤ اور ہمارے دو مہمانوں کو جو ساحل پر آ کر قیام کر رہے ہیں انھیں بھی نقصان نہ پہنچاؤ۔ ہم شیطان کے نام پر تم سے التجا کرتے ہیں۔"

وہ ہاتھ میں مشعلیں لیے اسی طرح رقص کرتے ہوئے آگے بڑھتے جا رہے تھے۔ اب گیت کا دوسرا بول یہ تھا۔

"اے زہریلے کیڑے مکوڑو، اے پانی سے نکل کر خشکی کی طرف آنے والے زہریلے جانورو، تم بھی شیطان کی طرح انسانوں کو مارتے ہو مگر دو انسان ساحل کے کنارے تمھارے مہمان ہیں۔ وہ شیطان کی امانت ہیں، انھیں نقصان نہ پہنچانا۔ اے آبی اور خشکی کی بے زبان مخلوقات، تم اپنی فطرت سے مجبور ہو کر خواہ مخواہ ہی انسان کو ہلاک کر دیتے ہو۔ یہی فطرت شیطان کی ہے۔ اس رشتے سے ہم سب ایک ہیں، اس لیے میں التجا کرتا ہوں کہ ہمارے ان دو مہمانوں کو نقصان نہ پہنچاؤ۔"

وہ گیت گاتے، رقص کرتے ہوئے ہماری جھونپڑی کے پاس آ گئے تھے۔ اس جھونپڑی کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا اور ہاتھ میں مشعلیں لے لے کر رقص کر رہے تھے، دوسرے لفظوں میں میری اور رسونتی کی حفاظت کر رہے تھے۔ وہ چالیس دن پورے ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ اور چاہتا تھا کہ چالیس دن سے پہلے ہم پر کوئی آنچ نہ آئے۔

میں نے شیبا سے کہا "تم اس کا مقصد اچھی طرح جانتی ہو جب یہ ہماری حفاظت کر رہا ہے تو پھر ہمیں کس بات کا خوف ہے پلیز مجھے سونے دو۔"

میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ دماغ کو ہدایت دی اور آرام سے سو گیا۔ جھونپڑی کے باہر باس بورنیا اپنے تمام لوگوں کو ضروری احکامات دے کر چلا گیا تھا۔ اب اس کے آدمی ہاتھ میں مشعلیں لیے وہی گیت گاتے ہوئے رقص کرتے رہے۔ صبح ہونے تک وہاں موجود رہے لیکن جب میری آنکھ کھلی تو کافی دن نکل آیا تھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ صرف بجھی ہوئی مشعلیں جھونپڑی کے چاروں طرف زمین میں گڑی ہوئی تھیں۔ یعنی انھوں نے کالے جادو کے ذریعے زہریلے کیڑے مکوڑوں اور سانپوں کو ہماری طرف آنے سے روک دیا تھا۔ میرے لیے یہ بات مضحکہ خیز تھی، کیوں کہ میرا ایمان ہے کہ میری حفاظت صرف اور صرف میرا خدا کرتا ہے۔

ہم پھر موٹر بوٹ میں سوار ہوئے، ایسا دو بار ہوا کہ ہمیں چاروں طرف سے گھیرنے والے دشمن ہمارے قریب نہیں آئے۔ جھیل لوری کو چہ میں وحشی گھوڑوں نے قریب آنے سے باز رکھا تھا۔ پچھلی رات بھی دشمن زہریلے کیڑے مکوڑوں اور سانپوں کے خوف سے اپنی اپنی پناہ گاہ سے نہیں نکل سکے۔ میں نے خیال خوانی کے ذریعے معلوم کیا تو میرے آدمیوں نے بتایا "ہم جس منزل کی طرف بڑھ رہے ہیں وہاں ہمارے دشمن پہلے ہی پہنچ گئے ہیں۔"

میں نے چارلی کے دماغ میں پہنچ کر دی کلر کے متعلق معلوم کیا۔ چارلی ہمیشہ مجھ سے قریب رہتا تھا۔ کیوں کہ میں نے مادام کمپیوٹر بن کر اسے حکم دیا تھا کہ وہ ڈاکٹر میکاکس کی بھی نگرانی کرتا رہے۔ پچھلی رات وہ بھی ہمارے قریب نہ آ سکا۔ دی کلر تو زخمی ہو گیا تھا۔ اس کی باقاعدہ مرہم پٹی ہو رہی تھی، اسے بھی ہماری اگلی منزل کی طرف پہنچا دیا گیا تھا۔

میں نے سلیمان جوگو کے دماغ میں جھانک کر دیکھا مجھے امید تھی وہ راستہ روکے گا، میرے پہنچتے ہی سانس روک لے گا لیکن ایسا نہ ہوا۔ ایک تو وہ زخموں سے چور تھا، دوسرے نیند کی دوا دی گئی تھی۔ اس لیے وہ بے سُدھ پڑا ہوا تھا۔ میں نے اس کے خوابیدہ دماغ سے پوچھا "تم کس پارٹی کے لیے کام کر رہے ہو؟"

خوابیدہ دماغ نے جواب دیا "یوں تو میں سبھی کے لیے کام کرتا ہوں لیکن جب کسی طرف سے زیادہ معاوضہ ملتا ہے، زیادہ تحفظ ملتا ہے تو میں اسی طرف رُخ پھیر لیتا ہوں۔"

"فی الحال تم نے کتنی پارٹیوں کو اپنی خدمات کا یقین دلایا ہے؟"

"ایک تو شیخ الفارس مجھے اپنا آدمی سمجھتے ہیں، وہ چاہتے

ہیں میں دی کلر کو زندہ گرفتار کر کے ان کے پاس پہنچا دوں۔ یہ بہت ہی مشکل کام ہے۔ دی کلر کو کسی طرح چھپا کر یا کسی اور میک اپ میں نہیں لے جایا جا سکتا۔ کم بخت کے ہاتھ جو اتنے لانبے ہیں۔ اور سر اتنا بڑا ہے کہ ہزاروں لاکھوں میں پہچان لیا جاتا ہے۔"

میں نے پوچھا: "تم رسونتی کو کہاں پہنچانا چاہتے ہو؟"

"ماسٹر کِی کے پاس۔ اس سے میرا معاہدہ ہو چکا ہے۔"

"کیا براہِ راست ماسٹر کِی سے رابطہ ہے؟"

"نہیں، براہِ راست تو وہ کسی سے نہیں ملتا۔ میں رسونتی کو اس کے آدمیوں کے حوالے کر دوں گا۔"

"تم ابھی کہاں ہو؟"

"مجھے ماسٹر کِی کے آدمیوں نے پناہ دے رکھی ہے۔ وہی میرا علاج کر رہے ہیں۔"

"کیا تمھارے آس پاس جتنے آدمی ہیں وہ سب یوگا کے ماہر ہیں؟"

"ہاں، کوئی ایک منٹ، کوئی دو منٹ اور کوئی چار منٹ تک سانس روک لیتا ہے۔"

"کیا تمھارے پاس کوئی ہتھیار ہے؟"

"میری جیب میں ایک ریوالور تھا۔ مجھے یہاں سلاتے وقت انھوں نے کپڑے اتار دیے تھے اور قریب ہی ہینگر سے لٹکا دیا تھا۔"

"اب تم میرے حکم پر اٹھو گے اور اسی طرح خوابیدہ انداز میں میرے احکامات کی تعمیل کرو گے۔"

اگر وہ بیداری کے عالم میں رہتا اور جسمانی تکالیف کے باعث سانس نہ روک سکتا، مجھے آنے کی اجازت دیتا تب بھی مجھے پوری طرح اپنے دماغ پر قابض ہونے کا موقع نہ دیتا۔ کچھ تو جد و جہد ضرور کرتا لیکن میں نے اس کے خوابیدہ دماغ کو ٹریپ کیا تھا۔ اسے اپنا معمول بنایا تھا۔ اب وہ چوں بھی نہیں کر سکتا تھا۔

میں نے پہلا حکم دیا: "آنکھیں کھول دو۔"

اس نے آنکھیں کھول دیں۔ خواب زدہ لوگ جب نیند کی حالت میں چلتے ہیں تو ان کی آنکھیں یا تو بند ہوتی ہیں یا نیم وا ہوتی ہیں مگر وہ اُدھ کھلی آنکھیں ساکت ہوتی ہیں۔ خواب میں چلنے والے پلک نہیں جھپکتے۔ میں نے اسے ہدایت دی کہ وہ وقتاً فوقتاً پلکیں جھپکتا رہے اور آنکھیں پوری طرح کھلی رکھے۔

وہ وہاں سے چلتا ہوا اپنے لباس کے پاس گیا پھر اسے پہننے لگا۔ اس کی پتلون کی جیب میں ریوالور موجود تھا۔ لباس پہننے کے دوران کمرے کا دروازہ کھلا پھر ایک شخص نے داخل ہو کر اسے دیکھتے ہوئے تعجب سے پوچھا: "ارے جوگو، تم لباس پہن کر کہاں جا رہے ہو؟"

میں نے اس کی زبان سے کہا: "میرا نام سلیمان جوگو ہے۔ میں زخم کھا کر زخمی شیر کی طرح اور خطرناک بن سکتا ہوں مگر چوہے کی طرح اس کمرے کے پنجرے میں نہیں رہ سکتا۔"

وہ دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ آنے والے نے سامنے پہنچ کر دونوں ہاتھ پھیلا دیے: "نہیں جوگو! تمھارا اس حالت میں کہیں جانا مناسب نہیں ہے۔"

سلیمان جوگو نے اسے ایک طرف ہٹا دیا حالاں کہ وہ کوئی کمزور نہیں تھا۔ اچھا طاقت ور جوان تھا لیکن سلیمان اپنا ہی آدمی تھا۔ اس سے ٹکرانا مناسب نہیں سمجھتا تھا۔ جیسے ہی وہ کمرے سے نکلا، باہر دو تین اور صحت مند و قد آور جوان اس کے آس پاس آ گئے: "کیا بات ہے سلیمان جوگو! اس حالت میں کہاں جانا چاہتے ہو؟"

"آج تک کوئی مجھے ایک ہاتھ مار کر نہیں جا سکا جب کہ دی کلر نے مجھے اس حال کو پہنچا دیا ہے۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو جوگو۔ تم نے بھی تو دی کلر کی وہ بُری حالت بنائی ہے کہ وہ بستر سے اٹھ نہیں سکے گا۔"

دوسرے جوان نے کہا: "ہماری تازہ ترین معلومات کے مطابق وہ بستر پر زخمی پڑا ہے اور ننھے سے بچے کی طرح رو رہا ہے۔ یہ اطلاع درست ہے کہ وہ خواب کی حالت میں رہتا ہے یا بستر پر پڑا رہتا ہے تو بالکل ننھا سا بچہ بن جاتا ہے۔ اس کے لیے خاص طور پر ڈاکٹر اور نرسوں کا انتظام کیا گیا ہے جو اس کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ اب یہ بات یقینی ہوتی جا رہی ہے کہ وہ آدمی نہیں، مشین ہے۔ جس طرح الیکٹرونک اور راڈار سسٹم وغیرہ کے مطابق روبوٹ کو چلایا جاتا ہے اسی طرح دی کلر کو حرکت میں لایا جاتا ہے۔"

"وہ آدمی ہو یا مشین، میں اسے توڑ پھوڑ کر رکھ دوں گا"

ایک اور نے کہا: "ہوش کی باتیں کرو۔ ہم نے تمھیں چھپا رکھا ہے، کسی کو علم نہیں ہے۔ دن کے وقت تم ہماری رہائش گاہ سے نکلو گے تو دشمنوں کے سامنے بھید کھل جائے گا کہ تم سے ہمارا تعلق ہے۔ پھر وہ یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں گے کہ ہم کس تنظیم سے تعلق رکھتے ہیں جوگو! ہمارا کام نہ بگاڑو۔ ہم تمھیں دی کلر سے ٹکرانے کا پورا پورا موقع دیں گے مگر اس کا مناسب وقت آنے دو۔"

سلیمان جوگو نے وقت کو ایک موٹی سی گالی دی پھر جیب سے ریوالور نکال کر کہا: "میرے سامنے سے ہٹ جاؤ۔ جو میرا راستہ روکے گا میں اسے گولی مار دوں گا۔"

وہ دور تک منتشر ہو گئے لیکن انھوں نے میدان نہیں چھوڑا۔ اس طرح پینترے بدلنے لگے جیسے جوگو کو اپنے قابو میں کرنے کے متعلق تدبیر سوچ رہے ہیں۔ پھر ان میں سے ایک نے کہا: "تم ہمارے دشمن نہیں ہو۔ ریوالور نکالنے کا مطلب یہ ہوا کہ تمھارے دماغ پر فرہاد نے قبضہ جمایا ہوا ہے۔"

اس نے غصے سے کہا: "فرہاد کا طعنہ مت دو۔ میں نے اسے دماغ میں آنے کا موقع دیا تھا۔ میں اس سے دوستی کا ناٹک کھیل رہا تھا۔ میں اسے یقین دلانا چاہتا تھا کہ میں ہی اس کا اور شیخ الفارس کا خادم ہوں۔ اس وقت وہ فرہاد کا بچہ میرے دماغ میں آ کر ہلکی سی سانس بھی لے گا تو مجھے پتا چل جائے گا۔"

میں ایسا کہہ کر انھیں یقین دلانا چاہتا تھا کہ فرہاد اس کے دماغ میں موجود نہیں ہے۔ وہ خود ہی اپنے کمرے سے نکل کر آیا ہے اور خود ہی ریوالور نکال کر انھیں دھمکی دے رہا ہے۔ ان میں سے ایک نے کہا: "ہم نادان نہیں ہیں۔ تم سے پہلے بھی ہم نے فرہاد کے تماشے دیکھے ہیں۔ جو بھی زخمی ہوتا ہے وہ سانس روکنے کے قابل نہیں رہتا۔ اس وقت تم زخموں سے چُور ہو۔ جسمانی طور پر کمزور ہو۔ زیادہ سے زیادہ چار یا پانچ سیکنڈ تک سانس روک سکتے ہو۔ اس سے زیادہ اسے آنے سے نہیں روک سکو گے اور ہم یقین سے کہتے ہیں اس وقت اس نے تمھارے دماغ پر قبضہ جمایا ہوا ہے۔"

"اگر میں فرہاد ہوں تو میرے ہاتھ میں ریوالور ہے۔ میں تم میں سے دو چار کو تو ہلاک کر سکتا ہوں مگر نتیجہ کیا ہوگا۔ تم لوگ مجھے فرہاد سمجھ کر ہلاک کر دو گے۔ اس طرح ہم ایک دوسرے کے ہاتھوں مارے جائیں گے۔ میں کہتا ہوں میرا راستہ چھوڑ دو بلکہ میرے ساتھ چلو۔ اگر سب نہیں چل سکتے تو کسی ایک کو میرے ساتھ رہنا چاہیے تاکہ وہ میرے لیے گاڑی ڈرائیو کر سکے اور مجھے دی کلر تک پہنچا سکے۔"

اسی وقت فون کی گھنٹی سنائی دی۔ ان میں سے ایک نے ٹیلیفون کے قریب جا کر ریسیور اٹھایا۔ پھر کان سے لگا کر سننے لگا۔ جو کچھ سنتا تھا اس کے جواب میں ہاں ہاں کہتا جاتا تھا پھر سامنے کھڑے ہوئے سلیمان جوگو کو بھی دیکھتا تھا۔ اس نے یکبارگی چونک کر پوچھا: "کیا کہہ رہے ہو؟ کیا، کیا یہ سچ ہے۔ کیا واقعی وہ ختم ہو چکا ہے؟"

وہ اسی طرح ریسیور کان سے لگائے کچھ سنتا رہا پھر اس نے ریسیور کو رکھتے ہوئے کہا: "سلیمان جوگو، مجھے افسوس ہے۔ تمھاری حسرت دل ہی میں رہ جائے گی۔ تم کبھی دی کلر کو قتل نہیں کر سکو گے۔"

میں نے جوگو کی زبان سے گرجتے ہوئے پوچھا: "کیا کہہ رہے ہو۔ میں آج ہی اسے قتل کر کے دکھاؤں گا۔"

"افسوس جوگو! وہ مر چکا ہے۔"

میں ایک دم سے چونک گیا پھر میں نے کہا: "یہ جھوٹ ہے۔ وہ میرے بغیر نہیں مر سکتا۔ میں ہی اسے ماروں گا۔"

"ہم اس کی تصدیق بھی کرا دیں گے۔ وہاں جا کر پھنسنا خواہ مخواہ نادانی ہے۔ میں یقین سے کہتا ہوں ہمارا آدمی کبھی غلط رپورٹ نہیں دے سکتا۔"

وہ سچ کہہ رہا ہے یا جھوٹ، میں نہیں جانتا تھا۔ جاننے کے لیے ضروری تھا کہ سلیمان جوگو کے دماغ کو چھوڑ کر دی کلر کے دماغ میں پہنچ کر اس کی زندگی اور موت کی تصدیق کرتا لیکن جوگو کو ایک لمحے کے لیے بھی چھوڑنے کا مطلب یہ ہوتا کہ اس کی حقیقت سامنے آ جاتی۔ وہ خواب کی حالت میں تھا۔ وہیں کھڑے کھڑے فرش پر گر پڑتا۔

اگر ثنیبا وہاں موجود ہوتی تو فوراً تصدیق ہو جاتی۔ وہ کہیں مصروف ہو گی۔ میرے دو قد آور پہاڑ جیسے دشمن تھے۔ دونوں ہی مجھے کسی وقت بھی جانی نقصان پہنچا سکتے تھے۔ اگر میں ان سے کسی ایک کو ختم کر دیتا تو کم از کم ایک مصیبت ختم ہو جاتی لیکن سلیمان جوگو نے اسلام قبول کیا تھا اور اس کی اسلامی زندگی کا صرف ایک برس گزرا تھا جب کہ اکثر مسلمان ساری زندگی گزارنے کے باوجود سچے مسلمان نہیں ہوتے۔ وہ بھی جھوٹے، دغا باز اور قاتل ہوتے ہیں تو پھر میں سلیمان جوگو کو کس بات کی سزا دیتا۔ میرا دینی فرض یہ تھا کہ میں اسے زیادہ سے زیادہ اسلامی طور پر زندگی گزارنے کا موقع دوں اور کوشش کروں کہ وہ راہِ راست پر آ جائے۔ اگر میرے سمجھانے کے باوجود وہ بد ترین دشمن ثابت ہوگا تو پھر دیکھا جائے گا۔

میں نے سلیمان کے ذریعے دی کلر کی موت پر یقین کرتے ہوئے جھنجلاہٹ کا مظاہرہ کیا۔ اس نے اپنا ریوالور فرش پر غصے سے پٹک دیا پھر غصے سے کہا: "لعنت ہے میری تقدیر پر۔ ایک شخص نے مجھے اتنا زخمی کیا اور میرے ہاتھوں مرنے سے پہلے ہی مر گیا۔"

وہ غصے سے پاؤں پٹکتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ بستر پر بیٹھ کر جوتے اتار کر ایک طرف پھینکنے لگا۔ پھر اس نے جرابیں اتار دیں۔ اس کے بعد لباس اتار کر ایک طرف پھینک دیا۔ اس کے ساتھی جوان دروازے پر کھڑے دیکھ رہے تھے۔ پھر اس نے غرا کر کہا: "کیا دیکھ رہے ہو۔ جاؤ یہاں سے مجھے سونے دو۔"

ایک نے آگے بڑھ کر کہا: "جوگو! میں تمھارا ڈاکٹر ہوں،

تمھارے زخموں کا علاج کر رہا ہوں۔ میں نے تمھیں نیند کی دوا دی تھی مگر تم جیسے ڈیل ڈول کے آدمی ہو اور جیسی توانائی رکھتے ہو، وہ گولیاں تمھارے لیے ناکافی ثابت ہوئی ہیں۔ للذا یہ دو گولیاں اور کھا لو۔"

اس نے دو گولیاں لیں، انھیں منہ میں ڈالا پھر پانی پی کر ایک طرف گلاس کو پھینکتے ہوئے کہا۔"اب جاؤ۔ مجھے ڈسٹرب نہ کرو، سونے دو۔"

ڈاکٹر نے ان سب کو جانے کے لیے کہا۔ پھر خود بھی باہر نکل کر دروازے کو بند کر دیا۔ سلیمان بستر پر لیٹ گیا۔ ان دو گولیوں کا بھی اثر ہو رہا تھا لیکن ٹیلی پیتھی نے اس اثر کو روک رکھا تھا۔ میں نے اس کے دماغ کو ہدایت دی۔"سلیمان جوگو! جب تم نیند سے بیدار ہو گے تو اس بات کو تسلیم کرو گے کہ تم نیند کے دوران غصے میں اٹھے تھے اور لباس پہن کر اور ریوالور لے کر دی کلر کو مارنے کے لیے جا رہے تھے لیکن اس کی موت کی خبر سُن کر مجبوراً اپنے بستر پر آ کر سو گئے۔"

اس کے دماغ نے وعدہ کیا کہ وہ یہ ساری باتیں یاد رکھے گا اور بیداری کے بعد دی کلر کے متعلق تصدیق کرے گا کہ وہ زندہ ہے یا واقعی مر چکا ہے۔

سلیمان جوگو نے دی کلر کو قتل کرنے کے لیے اپنے کمرے سے نکل کر دوسرے کمرے میں پہنچ کر اپنے تمام ساتھیوں کے درمیان رہ کر جو کچھ گفتگو کی تھی اور جو کچھ اس کے دماغ میں پیش آیا تھا میں نے وہ ساری باتیں اس کے ذہن نشین کرا دی تھیں۔ اب وہ بیداری کے بعد انکار نہیں کر سکتا تھا کہ وہ دی کلر کو قتل کرنے کے لیے جانا چاہتا تھا۔

اس کی طرف سے مطمئن ہو کر میں نے خیال خوانی کی پرواز کی۔ اور دی کلر کے دماغ میں پہنچ گیا۔ پہنچنے کا مطلب یہ تھا کہ وہ زندہ تھا اور سلیمان کو دھوکا دیا گیا تھا۔ سوال یہ تھا کہ انھوں نے اپنے ہی آدمی سے جھوٹ کیوں کہا؟

اس کے دو جواب تھے۔ ایک تو یہ کہ وہ سلیمان کو زخمی حالت میں وہاں جانے کی اجازت نہیں دینا چاہتے تھے جب وہ سیدھی طرح باز نہیں آ رہا تھا تو جھوٹ بول کر فی الحال اسے روک دیا تھا۔

دوسری بات یہ کہ وہ مجھے آزمانا چاہتے تھے، اگر میں اس کے دماغ میں موجود ہوں تو دی کلر کی موت کا ذکر سن کر چونک جاؤں گا اور خود فوراً تصدیق کے لیے اس کی طرف پرواز کروں گا۔ جس کے نتیجے میں سلیمان جوگو چند لمحوں کے لیے میری گرفت سے نکل جائے گا اور حقیقت کھل جائے گی۔

بے شک ماسٹر کی سے تعلق رکھنے والے جوان ذہین بھی تھے، دلیر بھی تھے اور یوگا کے فن میں مہارت بھی رکھتے تھے۔ انھوں نے مجھے چکر دینے کی بڑی کامیاب کوشش کی تھی۔ اگر میں ذرا بھی چوک جاتا تو وہ مجھے سلیمان جوگو کے اندر سے ڈھونڈ نکالتے۔ وہ اس سلسلے میں ناکام رہے لیکن کامیابی یوں ہوئی کہ انھوں نے جوگو کو میرا آلۂ کار بننے سے روک دیا اور مجھے بھی مجبور کر دیا کہ میں اس کا پیچھا چھوڑ دوں۔

میں نے دی کلر کے پاس پہنچ کر دیکھا۔ اس کا بھی علاج ہو رہا تھا۔ وہ بھی بُری طرح زخمی تھا بلکہ سلیمان جوگو سے زیادہ زخمی تھا یعنی اس کے مقابلے میں سلیمان کافی زبردست تھا۔ اگر ان کا مقابلہ ذرا دیر اور جاری رہتا تو دی کلر وہیں ختم ہو چکا ہوتا۔

میں دماغی طور پر موٹر بوٹ میں حاضر ہو کر دی کلر کے متعلق سوچنے لگا۔ ہمارے چاروں طرف پانی ہی پانی تھا۔ کہیں کنارہ نظر نہیں آتا تھا۔ ہمارے گائیڈ نے بتایا کہ ایک گھنٹے تک ہم یہاں کے بڑے ساحلی شہر اکی ٹوز پہنچ جائیں گے۔ رسونتی ایک طرف سمٹی ہوئی سو رہی تھی۔ پچھلی رات بھی میں نے اسے ٹیلی پیتھی کی نیند سُلایا تھا۔ موٹر بوٹ میں سفر کرنے کے دوران وہ مجھے کبھی خیال خوانی کرنے نہ دیتی۔ بہر حال میں نے دی کلر کے متعلق سنجیدگی سے غور کرنا شروع کیا۔ اگر اس کے دماغ کو کمپیوٹر کے ذریعے کنٹرول کیا جاتا ہے تو دی کلر زبان سے بولتا کیسے ہے۔ دنیا کی کوئی بھی زبان ہو وہ اسے کیسے سمجھتا ہے اور کیسے ادا کرتا ہے جب کہ وہ دماغی طور پر ایک ننھا سا بچہ ہے؟

بہت سوچنے کے بعد یہی سمجھ میں آ رہا تھا کہ اس کے دماغ میں صرف کمپیوٹر کا ریسیور نہیں ہے کوئی ایسا آلہ بھی ہے جو اسے معقول باتیں کرنا سکھاتا ہے جیسے ہمارا دماغ ہمیں بر وقت کوئی صحیح اور مناسب بات کرنے کے لیے کہتا ہے اور ہم پلک جھپکنے سے پہلے ہی وہ بات زبان سے کہہ جاتے ہیں۔

اسی طرح کوئی آلہ اسے انگریزی زبان میں جو معقول اور مناسب بات کہنے کا حکم دیتا ہے، وہ فوراً ہی اسے زبان سے ادا کر دیتا ہے۔

ایک سوال اور پیدا ہوا۔ اگر کوئی آلہ ہے اور انگریزی زبان میں کوئی اسے ہدایت دیتا ہے تو ہدایت دینے والے کا لب و لہجہ بھی وہی ہے جو دی کلر کا لب و لہجہ ہے۔ اگر ہے تو میں خیال خوانی کے ذریعے صرف دی کلر تک کیوں پہنچتا ہوں۔ اس شخص تک کیوں نہیں پہنچتا جو کمپیوٹر کے پیچھے بیٹھا ہوا اسے اپنے لب و لہجے میں گائیڈ کر رہا ہے؟

ایسے وقت میرا خیال سیدھا بلیک شیڈو کی طرف گیا۔

میری زندگی میں آنے والا وہ پہلا اور اب تک آخری شخص تھا جو براہِ راست مجھ سے ریڈیو ٹرانسمیٹر کے ذریعے گفتگو کرتا تھا اور میں اس کے دماغ تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔

میری ناکامی کی وجہ میرے قارئین جانتے ہیں۔ بلیک شیڈو نے ایک مائک سے لے کر اسپیکر تک کچھ ایسا پیچیدہ نظام قائم کیا تھا کہ اپنی اصل آواز میں بولتا تھا لیکن وہ آواز مختلف تاروں سے گزر کر تبدیل ہوتے ہوئے اسپیکر تک پہنچتی تھی۔ اس طرح بلیک شیڈو کا اپنا لب و لہجہ بدل جاتا تھا اور اسپیکر تک پہنچتے پہنچتے وہ کوئی نئی آواز اور نیا لب و لہجہ بن جاتا تھا۔

اگر ہمارے اندازے کے مطابق دی کلر کے دماغ میں کمپیوٹر کا ریسیور رکھا گیا ہے یا ایسی کوئی چیز رکھی گئی ہے جس سے وہ دوسری طرف کی آواز وصول کرتا ہے تو وہ آواز دی کلر کے دماغی ریسیور تک پہنچتے پہنچتے بدل جاتی ہے۔ اس کا لب و لہجہ بھی بدل جاتا ہے اور وہ نئی آواز اور نیا لب و لہجہ دی کلر کا بن چکا ہے۔ اسی لیے میں صرف دی کلر کے دماغ تک پہنچ سکتا تھا۔ اور اصل میں جو بول رہا ہے وہ دور کہیں کمپیوٹر کے پیچھے بیٹھا ہوا ہے اور وہ جو کوئی بھی بول رہا ہے، وہ یا تو بلیک شیڈو ہے یا بلیک شیڈو کی ٹکنیک سے کام لے رہا ہے۔

یہ سب جانتے ہیں کہ بلیک شیڈو تک پہنچنے کے لیے میں نے کتنے پاپڑ بیلے تھے۔ اسے گرفتار کیا تھا اور فرانسیسی حکومت کے حوالے کر دیا تھا۔ وہ ایسا ہنر مند تھا کہ جس سے دنیا کی تمام خطرناک تنظیمیں فائدہ اٹھا سکتی تھیں۔ میں جانتا تھا، وہ زیادہ عرصے تک جیل میں نہیں رہ سکے گا۔ کوئی نہ کوئی اسے اغوا کر کے لے جائے گا۔ میں نے سوچا تھا جب بھی مجھے فرصت ملے گی، میں پھر اس کے دماغ میں جاؤں گا اور اسے اپنے کنٹرول میں رکھنے کی کوشش کروں گا لیکن میرے حالات مجھے اپنے ہی متعلق زیادہ سوچنے کا موقع نہیں دیتے۔ میں نے رفتہ رفتہ بلیک شیڈو کو بھلا ہی دیا تھا۔ دی کلر کے کیس نے اس کی یاد تازہ کر دی۔

میں نے آنکھیں بند کیں، اس کی آواز اور اس کے لب و لہجے کو یاد کیا پھر آنکھیں کھول دیں۔ یاد نہیں آ رہا تھا۔ جسے اتنے عرصے تک فراموش کر رکھا تھا، بھلا اس کا لب و لہجہ کیسے یاد آتا۔ میں تھوڑی دیر تک چُپ چاپ بیٹھا دریا کی لہروں کو دیکھتا رہا۔ اب ایک طرف ساحل نظر آ رہا تھا۔ ساحل کیا تھا، دور تک جنگل ہی جنگل تھا اور اس جنگل میں بھی دور تک پانی سے دکھائی دے رہا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر یقین سے کہنا پڑتا ہے کہ دریائے ایمیزن آدھے جنوبی امریکا کو ڈبوئے رکھتا ہے۔

بہر حال میں نے شیخ الفارس سے دماغی رابطہ قائم کر کے پوچھا۔"کیا آپ فوراً ہی فرانسیسی افسران سے رابطہ قائم کر کے بلیک شیڈو کے متعلق تازہ ترین معلومات فراہم کر سکتے ہیں؟"

انھوں نے کہا۔"انتظار کرو، میں ابھی جواب دیتا ہوں۔"

میں نے پندرہ منٹ بعد پھر رابطہ قائم کیا۔ انھوں نے کہا۔"بلیک شیڈو ابھی تک فرانس کی ایک ایسی جیل میں ہے جہاں خطرناک قسم کے قیدیوں کو رکھا جاتا ہے اور جہاں سے فرار ہونا ممکن نہیں ہے۔"

"میں اس کی آواز سننا چاہتا ہوں۔ اس کے لب و لہجے کو یاد کرنا چاہتا ہوں۔"

انھوں نے مجھے ایک فرانسیسی افسر کی آواز کا کیسٹ سنایا۔ پھر کہا۔"میں افسر سے کہہ چکا ہوں کہ تم اس کے دماغ میں پہنچنے والے ہو اور اس کے ذریعے بلیک شیڈو کے دماغ تک پہنچ جاؤ گے۔"

پھر ایسا ہی ہوا۔ جب میں نے اس فرانسیسی افسر سے اپنا تعارف کرایا تو اس نے کہا۔"میں بلیک شیڈو کے پاس جا رہا ہوں۔ آپ موجود رہیں۔"

میں اس کے ساتھ جیل کی تنگ و تاریک ترین راہداریوں سے گزرتا ہوا آہنی سلاخوں والی کوٹھری میں پہنچ گیا۔ افسر نے بلیک شیڈو کو مخاطب کیا۔ پھر اس سے سوالات کیے۔ اس نے افسر کو بڑے غصے سے جواب دیا اور کہا۔"یہ غیر انسانی سلوک ہے۔ میرا جرم اتنا بڑا نہیں ہے کہ مجھے کال کوٹھری میں رکھا جائے۔"

میں نے کہا۔"میں اس کی آواز اور لب و لہجہ سُن چکا ہوں، آپ واپس جائیں۔ میں ابھی آپ سے رابطہ قائم کرتا ہوں۔"

یہ کہتے ہی میں بلیک شیڈو کے دماغ میں پہنچ گیا۔ پھر اس کے دماغ کو چپکے چپکے کریدنے لگا۔ اس کے بعد افسر سے آ کر کہا۔"مسٹر! مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے، اصلی مجرم آپ کی حراست میں نہیں ہے۔ جسے آپ بلیک شیڈو سمجھ رہے ہیں وہ نقلی ہے۔"

وہ اپنی کرسی سے اُچھل کر کھڑا ہو گیا کہنے لگا۔"جناب! آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ مجھے یقین نہیں آ سکتا۔"

"آپ کو یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ فرہاد سے گفتگو کر رہے ہیں۔ آپ کال کوٹھریوں میں جا کر قیدیوں کو دیکھتے ہیں۔ میں ان کے دماغوں میں جا کر انھیں دیکھتا ہوں۔"

اس نے سنبھل کر کہا۔"میں معافی چاہتا ہوں۔ میرا مطلب یہ نہیں تھا کہ میں آپ کو جھوٹا سمجھ رہا ہوں۔ میں ابھی اعلیٰ افسران سے رابطہ قائم کرتا ہوں، اسے کوٹھری سے نکال کر پوری طرح چیک کیا جائے گا۔ اس کے چہرے اور اس کی جسمانی شناخت کو مدِ نظر رکھ کر بھی تصدیق کی جائے گی۔"

میں نے کہا: "وہ یا تو عارضی میک اپ میں ہو سکتا ہے۔ ماسک میک اپ میں ہو سکتا ہے یا پھر پلاسٹک سرجری کے ذریعے چہرہ تبدیل کیا گیا ہوگا۔ میں ایک گھنٹے کے بعد آؤں گا۔ جب تک نہ آؤں، اس وقت تک متعلقہ افسران کو اس کے آس پاس موجود رہنا چاہیے۔"

میں پھر دماغی طور پر موٹر بوٹ میں حاضر ہو گیا۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا، جب میں نے بلیک شیڈو کو فرانسیسی پولیس کے حوالے کیا تھا تو ان کے افسران کو ایک کیسٹ بھی دیا تھا جس میں بلیک شیڈو کی آواز تھی۔ اس نے اپنی آواز میں اقبالِ جرم کیا تھا۔ میں اس کیسٹ کو ان افسران کے ذریعے سن سکتا تھا لیکن میرے پاس وقت نہیں رہا۔ ہم وہاں کے ایک ساحلی شہر اکی ٹوز پہنچنے والے تھے۔ میں نے رسونتی کو جگایا۔ وہ انگڑائی لینے کے بعد اٹھ کر بیٹھ گئی۔ چاروں طرف یوں دیکھنے لگی جیسے اپنے آس پاس کی دنیا عجیب سی لگ رہی ہو۔ ابھی نیند میں کچھ دیکھ رہی تھی۔ اب کچھ نظر آ رہا تھا۔ خواب سے اچانک حقیقت کی طرف آؤ تو عجیب سا لگتا ہے۔

ہم نے ساحلی شہر اکی ٹوز کے ایک ہوٹل میں کمرا لیا اور وہاں قیام کیا۔ اس شہر کی آبادی میں دوستوں اور دشمنوں کی تمیز کرنا مشکل تھا۔ ہوٹل میں بھی کتنے ہی مسافر ہمارے دشمن ہوں گے۔ کمرے میں پہنچتے ہی میں باتھ روم کی طرف جانے لگا۔ رسونتی نے دروازے کے پاس پہنچ کر میرا راستہ روکتے ہوئے کہا: "جب تم باتھ روم میں جا رہے ہو، پھر دو گھنٹے بعد یہاں سے نکلو گے۔ کیا تمھیں باتھ روم میں سونے کی عادت ہو گئی ہے؟"

میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا: "میں تمھیں بتا چکا ہوں، تمھارا فرہاد مجھ سے ضروری باتیں کرتا ہے اس لیے مجھے دیر ہو جاتی ہے۔"

"کیا فرہاد کو بھی باتھ روم میں زندگی گزارنے کی عادت ہے؟"

مجھے ہنسی آ گئی۔ میں نے اسے تھپکتے ہوئے کہا: "اچھا میں وعدہ کرتا ہوں۔ پندرہ منٹ میں واپس آ جاؤں گا۔"

اس نے راستہ چھوڑ دیا۔ میں نے اندر پہنچ کر دروازے کو بند کرتے ہی فرانسیسی افسر کے دماغ میں چھلانگ لگائی۔ وہ لوگ ایک کمرے میں اس شخص کو اپنے درمیان ایک کرسی پر بٹھائے ہوئے تھے جو اپنے آپ کو بلیک شیڈو کہتا تھا۔ میرے مخاطب کرنے پر ایک افسر نے کہا: "جناب فرہاد صاحب! ہم نے اس کی ہسٹری شیٹ پڑھی ہے۔ اس کے مطابق اس کی شناخت کی ہے۔ یہ واقعی فراڈ ہے۔ اصل بلیک شیڈو ہماری حراست سے نکل چکا ہے۔ ہمیں حیرانی ہے کہ وہ کب نکلا۔ یہ شخص جو ہمارے سامنے بیٹھا ہوا ہے، کچھ اگلنے کے لیے تیار نہیں ہے۔"

میں اس کی آواز اور لب و لہجہ سن چکا تھا۔ میں نے اس کے دماغ میں پہنچتے ہی کچھ کہے سنے بغیر ایک زبردست جھٹکا پہنچایا۔ وہ ایک دم سے چیخ مار کر کرسی سے اچھلا اور فرش پر گر کر تڑپنے لگا۔ سب حیرانی سے دیکھ رہے تھے۔ میں نے افسر سے کہا: "میں اسے سزا دے رہا ہوں۔ یہ ابھی سب کچھ اگلنے لگے گا۔"

پھر یہی ہوا۔ دو چار بار دماغی جھٹکے پہنچے تو وہ ایک دم سے گڑگڑا کر معافی مانگنے لگا، اپنے متعلق سب کچھ اگلنے لگا۔ اس نے جو بھی معلومات فراہم کیں، وہ میرے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھیں۔ میں نے ایک افسر سے کہا: "جب میں نے بلیک شیڈو کو آپ کی تحویل میں دیا تھا تو اس کے ساتھ ایک کیسٹ بھی تھا۔ وہ مجھے سنایا جائے۔"

تھوڑی ہی دیر میں وہ کیسٹ مجھے سنایا جا رہا تھا۔ میں پھر بلیک شیڈو کی آواز اور اس کے لب و لہجے کو یاد کر رہا تھا۔ اس کے بعد میں نے افسر سے کہا: "شکریہ! اب یہ ریکارڈر بند کر دیجیے۔ یہ بات کسی کو معلوم نہ ہو کہ کبھی کیسٹ میں اصل بلیک شیڈو کی آواز محفوظ کر لی گئی تھی۔ دشمن اس دھوکے میں ہے کہ میں شاید اس کے دماغ تک نہ پہنچ سکوں۔ انھیں اسی فریب میں مبتلا رہنا چاہیے۔"

یہ سمجھا کر میں نے خیال خوانی کی پرواز کی اور اصل بلیک شیڈو کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ ایک عالیشان خواب گاہ میں تھا۔ ایسی شاہانہ خواب گاہ تھی جیسے وہ کسی بہت بڑے ملک کا خود مختار حکمراں ہو۔ خوب صورت کنیزیں اس کی خدمت کے لیے آ رہی تھیں جا رہی تھیں۔ حبشی غلام اس کے حکم کی تعمیل میں مصروف تھے، وہاں دنیا کی ہر چیز میسر تھی۔ اس کے پاس چراغ الٰہ دین نہیں تھا۔ اس کے باوجود جو حکم دیتا تھا، وہ کمرے میں حاضر ہو جاتا تھا لیکن ایک مجبوری تھی اور وہ یہ کہ وہ اس کمرے سے باہر قدم نہیں رکھ سکتا تھا۔

وہ ایک قیدی تھا۔ چونکہ بہت بڑا سائنسداں تھا، صدیوں کی گم شدہ آوازوں پر ریسرچ کر رہا تھا اور اس دعوے کو درست ثابت کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ ایک دن سائنسداں صدیوں کی گمشدہ آوازوں کو دوبارہ ریکارڈ کر لیں گے اور ہم اپنے دادا، پردادا اور ان کے بھی دادا، پردادا کی آوازیں صاف طور پر ریکارڈنگ مشین کے ذریعے سن سکیں گے۔ بہرحال اس سائنسداں نے آواز کو مائک سے لے کر اسپیکر تک پہنچانے کے دوران تبدیل کرنے کا جو تجربہ کیا تھا وہ بڑا کامیاب رہا۔ اس تکنیک کے ذریعے ٹیلی پیتھی سے محفوظ رہا جا سکتا تھا۔ اسی لیے اسے قیدی بنانے کے باوجود اتنے شاہانہ انداز میں رکھا گیا تھا۔

میری خیال خوانی کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ دروازے پر دستک ہو رہی تھی۔ رسونتی نے پوچھا: "اے! تمھارے پندرہ منٹ کب پورے ہوں گے۔ میرے پاس گھڑی نہیں ہے، مجھے کیسے معلوم ہوگا کہ پندرہ منٹ گزر گئے ہیں؟"

میں نے دروازہ کھولا، اپنی کلائی سے گھڑی اتار کر اسے دیتے

ہوئے کہا: "اس سے کھیلتی بھی رہو اور وقت بھی دیکھتی رہو۔ میں پندرہ منٹ میں آ جاؤں گا۔"

وہ گھڑی لے کر خوش ہو گئی۔ میں نے دروازے کو اندر سے بند کیا، پھر بلیک شیڈو کے پاس پہنچ گیا۔ وہ بظاہر بہت خوش تھا۔ بڑے عیش کر رہا تھا لیکن پریشان ہو رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس نے اسے قید کر رکھا ہے اور کیوں عیش کرا رہا ہے؟

ہاں اتنا سمجھ رہا تھا کہ اس سے جو خدمات لی جاتی ہیں اس کے عوض اسے ہر طرح سے خوش رکھا جا رہا ہے۔ جس شاہانہ طرز کے محل میں اسے قید کر کے رکھا گیا تھا، وہاں سے باہر جانے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی۔ اسی میں اس کی بھلائی تھی۔ قید کرنے والے نہیں چاہتے تھے کہ وہ کسی دشمن کے ہتھے چڑھ جائے۔

اور بلیک شیڈو سمجھ رہا تھا کہ اس کا دشمن فرہاد ہی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس سے ایسی ہی آواز کی تبدیلیوں والا کام لیا جا رہا تھا۔ مائک سے لے کر اسپیکر تک اسی ٹیکنک کا مظاہرہ کرنا پڑتا تھا۔ ایک بات اس کے لیے حیرت انگیز تھی۔ جو اسپیکر اپنے اختتام پر آواز تبدیل کر دیتا تھا، اس اسپیکر کو انھوں نے ایک کمپیوٹر میں نصب کیا تھا۔ اب یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ کہیں دور اس آواز کو جہاں نشر کیا جا رہا ہے وہاں یہ آواز کمپیوٹر کے ذریعے جا رہی ہے یا ٹرانسمیٹر سسٹم کے ذریعے۔ اس نے اب تک ایسا کوئی کمپیوٹر نہیں دیکھا تھا جو آواز کے ذریعے کنٹرول کرتا ہو، اپنی باتیں سناتا ہو، اپنی باتیں بدلتا ہو اور اپنی باتیں منواتا ہو۔ حتیٰ کہ دوسری طرف سے ہونے والی باتیں بھی سنتا رہتا ہو۔ ایسا تو ٹرانسمیٹر وغیرہ میں ہوتا ہے اور اگر کمپیوٹر میں ہو رہا ہے تو پھر اسے ٹرانسمیٹر کم کمپیوٹر کہنا چاہیے۔

اس کی سوچ سے پتا چل رہا تھا کہ وہ دی کلر اور اس کے دماغی آپریشن کے متعلق کچھ نہیں جانتا ہے۔ میں نے اس کی سوچ میں سوال کیا: "جس طرح وہ مائک کے سامنے بولتا ہے اور اسپیکر تک پہنچتے ہوئے آواز بدل جاتی ہے تو اس کی موجودگی میں کس نے مائک اور اسپیکر کو کمپیوٹر کم ٹرانسمیٹر کے ساتھ آزمایا تھا؟"

اس کی سوچ نے جواب دیا: میرے پاس ایک معمولی سا شخص موجود تھا۔ وہ مائک کے سامنے کھڑا ہوا تھا، ہم سے بہت دور کسی کمرے میں اسپیکر رکھا ہوا تھا۔ اس اسپیکر کے ساتھ کمپیوٹر منسلک تھا۔ پھر اس کمرے سے بھی دور کسی اور کمرے میں ایک چھوٹا سا ریسیور رکھا ہوا تھا۔ مائک کے پاس کھڑے ہوئے شخص نے کچھ کہنا شروع کیا۔ اس کی آواز اسپیکر اور کمپیوٹر کم ٹرانسمیٹر تک پہنچی۔ ٹرانسمیٹر سے وہ آواز اس ریسیور تک پہنچی جو بہت دور ایک کمرے میں رکھا ہوا تھا۔ پھر ریسیور کے پاس کھڑے ہوئے ایک شخص نے ان باتوں کا جواب دیا۔ وہ جواب واپس کمپیوٹر تک آیا۔ اور وہاں بیٹھنے والوں نے اسے صاف طور پر سُنا۔

بلیک شیڈو کے دماغ کو اس حد تک پڑھنے کے بعد پتا چل گیا کہ یہی ٹیکنک دی کلر کے دماغ کے ساتھ وابستہ ہے۔

میں باتھ روم سے نکل کر آ گیا۔ رسونتی مجھے دیکھ کر خوش ہو گئی، کہنے لگی: "اچھا تو اب پندرہ منٹ پورے ہوئے ہیں۔"

میں نے کہا: "ہاں، اسی لیے تمھیں گھڑی دی تھی، دیکھ لو، پورے پندرہ منٹ ہوئے ہیں۔"

مجھے اس کی معصومیت پر ترس بھی آیا اور بڑی محبت بھی۔ وہ بے چاری گھڑی دیکھ کر گزرتے ہوئے وقت کا حساب بھی نہیں کر سکتی تھی۔ میں تھوڑی دیر تک اس سے باتیں کرتا رہا، اس کا دل بہلاتا رہا۔ پھر موقع پا کر میں نے بلیک شیڈو کو مخاطب کیا: "ہیلو، کیا تم میرے سوچ کے لہجے کو پہچان رہے ہو۔"

میرا اتنا ہی کہنا کافی تھا۔ وہ یکبارگی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ یہ تو اچھا ہوا کہ وہ کمرے میں تنہا تھا۔ اگر کوئی اسے دیکھ لیتا تو اس طرح چونکنے اور پریشان ہونے کی وجہ ضرور پوچھتا۔ اس نے سہم کر تقریباً لرزتے ہوئے پوچھا: "فرہاد صاحب، یہ آپ ہیں؟"

میں نے کہا: "ارے تم تو خوف سے لرز رہے ہو۔ تم کبھی خود کو ناقابلِ تسخیر کہتے تھے۔ دعویٰ کرتے تھے کہ میں تمھاری اصلیت تک نہیں پہنچ سکوں گا۔ پھر جب تمھارے پاس پہنچ کر میں نے تمھیں فرانسیسی حکومت کے حوالے کیا تو تم نے سمجھ لیا کہ مجھ سے نجات مل گئی ہے۔ اب میں تمھارے پاس کبھی نہیں آؤں گا۔"

وہ سن رہا تھا اور تائید میں سر ہلا رہا تھا۔ میں نے کہا: "اور شاید یہی بات تم نے ان لوگوں کو سمجھائی ہے جو تمھیں وہاں کی جیل سے اغوا کر کے لائے ہیں۔ تم نے انھیں یقین دلایا ہے کہ فرہاد پھر کبھی تمھارے دماغ میں نہیں آیا اور نہ ہی اب آئے گا۔ شاید وہ اس دنیا میں نہیں ہے یا پھر تمھارے لب و لہجے کو بھول چکا ہے۔"

اس نے پھر تائید میں سر ہلایا۔ میں نے کہا: "لیکن جن لوگوں نے تمھیں اغوا کیا ہے اور جو کام تمھارے سپرد کیا ہے، وہ نادان نہیں ہیں۔ انھوں نے تم پر اعتماد نہیں کیا ہے۔ لہٰذا جو اصل شخص ہے وہ ابھی تک تمھارے سامنے نہیں آیا۔"

اس نے تھوک نگل کر کہا: "میں سمجھتا ہوں وہ پُراسرار شخص میرے سامنے آتا رہا ہے۔ اس کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی ہوتے ہیں لیکن وہ سب گونگے بنے رہتے ہیں۔ جو لوگ مجھ سے اس ٹیکنک کو سمجھتے ہیں، وہ صرف مجھ سے باتیں کرتے ہیں اور جو گونگے بنے رہتے ہیں وہ ہماری باتوں کو سمجھتے رہتے ہیں۔ اس کے بعد مجھے اور میرے ساتھ بولنے والوں کو وہاں سے دوسری جگہ بھیج دیا جاتا ہے۔"

اس کی باتوں سے پتا چل رہا تھا، وہ پُراسرار شخص اس مائک کے پاس موجود رہتا ہے اور وہاں سے کمپیوٹر کے ذریعے دی کلر کو ضروری ہدایات دیتا ہے۔ اس کے ساتھ دو چار شخص ہوتے ہیں۔ ان میں

یقیناً کوئی زبردست فائٹر ہوگا جو اس مائک کے ذریعے لڑنے کی ہدایات کرتا ہوگا۔ اپنے داؤ پیچ استعمال کرتا ہوگا اور وہ داؤ پیچ اس کمپیوٹر کم ٹرانسمیٹر کے ذریعے دی کلر تک پہنچتے ہیں اور اس طرح دی کلر اپنے مخالف سے لڑتا ہے۔

میں کمپیوٹر کم ٹرانسمیٹر اور دی کلر کے سلسلے میں زیادہ تفصیل بیان کرنا نہیں چاہتا۔ شاید میرے پڑھنے والے ذہنی طور پر اُلجھ جائیں۔ ان تمام معلومات کے نتیجے میں جو بات واضح طور پر نظر آئی وہ یہ کہ اس مائک کے سامنے وہ پُراسرار شخص یقیناً بولتا ہے۔ اگر میں کسی طرح اس کے اصل لب و لہجے تک پہنچ جاؤں تو پھر وہ میری مٹھی میں ہوگا۔

میں نے بلیک شیڈو کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "تم میرے ہاتھوں سے ہی مرو گے۔ تمھارا اپنا کیا خیال ہے؟"

اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا "میں آپ کے بس میں ہوں مگر مجھے مار کر آپ کو کیا ملے گا۔"

"میں نہیں ماروں گا تو یہ دشمن تمھیں مار ڈالیں گے۔ وہ تم پہ زیادہ دنوں تک اعتماد نہیں کریں گے۔"

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلا کر کہا "میں اکثر یہ سوچتا ہوں کہ یہ لوگ مطلب نکالنے کے بعد مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا میں کیا کروں۔ یہاں سے فرار ہونے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔"

"تم صرف ٹیلی پیتھی کے ذریعے فرار ہو سکتے ہو۔"

"جی ہاں۔ آپ چاہیں تو میری جان بچ سکتی ہے۔ میں ان کے شکنجے سے نکل سکتا ہوں۔"

"میں تمھاری پچھلی دشمنی کو فراموش کر سکتا ہوں اگر میرے حکم پر عمل کرو گے تو وہاں سے تمھیں زندہ سلامت نکال کر لے جاؤں گا اور اپنی پناہ میں رکھوں گا۔"

اس نے فوراً ہی فرش پر گھٹنے ٹیک دیے۔ گڑگڑا کر کہنے لگا۔ "میں ساری زندگی آپ کا غلام بن کر رہوں گا۔ آپ کے لیے کام کروں گا۔ پلیز، خار گا ڈیسک، مجھے کسی طرح ان سے بچائیے۔"

"تو پھر غور سے سنو۔ آئندہ جب بھی تمھیں اس مائک اسپیکر اور کمپیوٹر کم ٹرانسمیٹر کے پاس لے جایا جائے تو تم اسے چیک کرنے کے دوران اس میں خرابی پیدا کر دینا۔"

"میں ایسا کر سکتا ہوں لیکن وہ پُراسرار شخص بہت چالاک ہے۔ خود مائک کے سامنے بولنے سے پہلے دوسروں کے ذریعے آواز کو چیک کرتا ہے کہ وہ مائک سے جانے کے بعد اسپیکر تک پہنچ کر تبدیل ہوتی ہے یا نہیں؟"

"میں سمجھتا ہوں، وہ پُراسرار شخص اتنا نادان نہیں ہوگا لیکن تم بہت ذہین ساؤنڈ انجینئر ہو۔ تم چاہو تو کوئی ایسی خامی چھوڑ سکتے ہو کہ ایک بار آزمائش کے وقت آواز مائک سے ہو کر اسپیکر تک پہنچتے پہنچتے تبدیل ہو جائے۔ لیکن اس میں رفتہ رفتہ خرابی پیدا ہو جائے اور جب وہ آواز اسپیکر تک پہنچے تو اِدھر مائک کے سامنے بولنے والے پُراسرار شخص کو اس خامی کا پتا نہ چلے۔"

"فرہاد صاحب، کوئی بات ناممکن نہیں ہے۔ آپ کی ہدایت پر عمل کروں گا اور سوچوں گا کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔"

"ہاں، تمھاری بھلائی اور تمھاری باقی زندگی کا انحصار سوچنے اور عمل کرنے پر ہے۔ جتنی جلدی میرے حکم کی تعمیل کرو گے، اتنی جلدی تمھیں وہاں سے رہائی دلاؤں گا، یہ میرا وعدہ ہے۔"

"جب انھیں علم ہوگا کہ میں نے اس میں خرابی پیدا کی ہے اور اصل آواز دوسری جگہ سنی گئی ہے تو وہ مجھے پلک جھپکتے ہی گولی مار دیں گے۔"

"پلک جھپکتے ہی گولی ماری جا سکتی ہے لیکن پلک جھپکتے ہی ٹیلی پیتھی گولی کا رُخ بدل دیتی ہے۔ تم فکر نہ کرو، میں تمھیں وہاں سے زندہ سلامت نکال لے جاؤں گا اور فرہاد جو وعدہ کرتا ہے اسے ضرور پورا کرتا ہے۔"

میں نے اس سے وقت مقرر کیا کہ روزانہ فلاں وقت رابطہ قائم کروں گا اور مجھے وہ اپنی کامیابی کے متعلق اطلاع دے گا، میں اس پُراسرار شخص کو شکار کرنے کے لیے بالکل تیار رہوں گا۔

ہم دو دن کے بعد وہاں سے مینیٹل کے ساحل پر پہنچے۔ جب ہم نے اس ساحل پر قدم رکھا تو ہمارے پاؤں یوں دھنسنے لگے جیسے ہم نرم فوم کے فرش پر چل رہے ہوں ہمارے گائیڈ نے بتایا ہمارے پاؤں تلے جو زمین ہے اس زمین کے نیچے بھی دریا کا کچھ حصہ ہے لیکن یہ فوم نما زمین کی تہ اتنی موٹی اور مضبوط ہے کہ یہاں دلدل کا امکان نہیں ہے۔ چلنے والے کبھی دھنستے نہیں ہیں۔ برازیل کے علاقے میں سفر کرنے کے دوران ہم نے دنیا کے حیرت انگیز رینگنے والے کیڑے مکوڑے اور اُڑنے والے پرندے دیکھے۔ ایسی مکڑی دیکھی جس کا جسم ایک انچ کا ہوتا تھا۔ اس کے پاؤں سات انچ لانبے ہوتے تھے۔ وہ مارنے والی مکڑی ہوتی تھی اور اس کے پَر پانچ انچ کے ہوتے تھے۔ اس سے بھی حیرت انگیز ہیں وہ مکھیاں یاد ہیں جن کے جسم چائے کی پیالی کے برابر ہوتے تھے جب وہ اڑتی ہوئی کھڑکی کے شیشوں سے ٹکراتی تھیں یوں لگتا تھا جیسے باہر سے کوئی پتھر مار رہا ہو۔

ایسے ساحلی مقام پر ہم نے گھوڑوں کی پشت پر سفر کیا۔ اپنے آدمیوں سے رابطہ قائم کرنے کے دوران مجھے ایک شخص نے کہا۔ "آپ فوراً شیخ الفارس صاحب سے رابطہ قائم کریں۔"

میں نے انھیں مخاطب کیا۔ انھوں نے کہا "تم ایسی جگہ پہنچ رہے ہو جہاں ہم رسونتی کی جگہ ایک ڈمی رسونتی پہنچا سکتے ہیں۔"

میں نے پوچھا "کیا آپ اس ڈمی سے پوری طرح مطمئن ہیں، وہ ڈمی کا رول ادا کر سکے گی؟"

"میں نے اسے دیکھا نہیں ہے، اس لیے کہ تم سے ہزاروں میل دور بیٹھا ہوا ہوں مگر میرے آدمی مطمئن ہیں۔"

"کیا وہ عورت پوری طرح رسونتی کے میک اپ میں ہے؟"

"صرف عارضی میک اپ نہیں ہے۔ پلاسٹک سرجری کے ذریعے اسے رسونتی بنایا گیا ہے اوپر سے ایک دوسری عورت کا عارضی میک اپ ہے۔ میری موجودہ معلومات کے مطابق تم ایک گھنٹے بعد وہاں کے ساحلی شہر ماجورا پہنچ جاؤ گے۔ وہ ڈمی رسونتی اسی شہر میں ایک عارضی چہرے کے ساتھ موجود ہے۔ وہ وہاں کی ایک جانی پہچانی عورت کا چہرہ ہے جو تقریباً دو سال سے رہتی آئی ہے اس لیے کوئی اس پر شبہ نہیں کر سکتا۔ ہمارے دشمن صرف ان مردوں اور عورتوں پر شبہ کرتے ہیں جو حال ہی میں ساحلی شہروں اور بستیوں سے گزر رہے ہیں۔"

شیبا نے میرے دماغ میں کہا "میں نے شیخ الفارس صاحب کے منصوبے کو اچھی طرح سمجھ لیا ہے۔ اس سلسلے میں ذرا سی وضاحت کر دوں کہ جو عورت اس وقت ڈمی رسونتی بنی ہوئی ہے اس کا نام جوزا ہے۔ پورا نام جوزا رولف ہے۔ رسونتی جیسے ہی ہمارے آدمیوں کے ہاتھوں میں پہنچے گی، فوراً اسے ایک خفیہ پناہ گاہ میں لے جایا جائے گا۔ وہاں پلاسٹک سرجری کے ذریعے اسے جوزا رولف بنا دیا جائے گا۔ اس وقت جو جوزا ہے وہ اپنا عارضی میک اپ اتار دے گی اور مستقل طور پر رسونتی کا رول ادا کرنے کے لیے تمھارے پاس پہنچ جائے گی۔"

"منصوبہ بہت ہی اچھا ہے لیکن ایک اہم پہلو پر غور کرو۔ جوزا رولف ایک بھرپور جوان عورت ہوگی جیسا کہ رسونتی ہے۔ وہ میرے پاس آ کر رسونتی کی طرح رول ادا کرے گی یعنی ننھی بچی کی طرح حرکتیں کرے گی لیکن اصل رسونتی جو جوزا بن کر رہے گی تو اسے بچی بننے سے کون روکے گا جبکہ جوزا دماغی طور پر بچی نہیں ہے۔ ایسے میں بھید کھل سکتا ہے۔"

"جناب شیخ الفارس صاحب نے ہر پہلو پر غور کیا ہے، جیسے ہی رسونتی ہمارے آدمیوں کے ہاتھوں میں آئے گی اس وقت سے میں اس کے دماغ میں برابر موجود رہوں گی۔ جب تک ہم اسے ملک سے باہر نہیں لے جائیں گے اس وقت تک میں رسونتی سے الگ نہیں رہوں گی، پوری طرح اس کے دماغ میں رہ کر جوزا رولف کا رول ادا کرتی رہوں گی۔ میری پوری کوشش یہی ہوگی کہ رسونتی کسی بھی موقع پر اپنے بچکانہ ذہن کا مظاہرہ نہ کر سکے۔"

گھوڑوں کی پشت پر سفر کرتے ہوئے ہم اس شہر میں پہنچ گئے جہاں جوزا رولف پچھلے دو برس سے رہ رہی تھی۔ وہاں اسے کتنے ہی لوگ جانتے تھے، دوست بھی اور دشمن بھی لہٰذا کوئی اس پر شبہ نہیں کر سکتا تھا کہ جوزا رولف کے عارضی میک اپ کے پیچھے ایک ڈمی رسونتی چھپی ہوئی ہے۔

اب کسی وقت بھی اس شہر میں ایک زبردست ڈراما پلے ہونے والا تھا یا تو ہم چپ چاپ اپنا کام کر کے نکل جاتے یا پھر ایسے ہنگامے ہوتے کہ ناکامی ہمارا منہ چڑاتی ویسے بھی انسان سوچتا کچھ ہے اور ہوتا کچھ ہے جب ہم اس شہر میں پہنچے تو اچانک رسونتی کی طبیعت خراب ہو گئی۔

میں نے پوچھا "تمھیں کیا ہو رہا ہے؟"

وہ اپنے سر کو تھام کر بولی "پتا نہیں، کیوں میرا سر چکرا رہا ہے۔"

میں نے اسے بستر پر لیٹنے کے لیے کہا۔ وہ لیٹ گئی۔ خیال خوانی کے ذریعے اس کی اندرونی کیفیت کو سمجھنے کی کوشش کی لیکن سمجھ میں نہیں آیا۔ ہمارے آس پاس جو آدمی تھے ان میں ایک ڈاکٹر بھی تھا۔ میں نے خیال خوانی کے ذریعے اسے رسونتی کے پاس پہنچنے کے لیے کہا۔ اس نے جواب دیا "جناب! میں قریب آؤں گا تو دشمنوں کی نظر میں آ جاؤں گا، اگر مادام کی طبیعت زیادہ بگڑ گئی ہے تو آپ ذرا انتظار کریں، میرے دماغ میں موجود رہیں، میں پارٹی لیڈر سے مشورہ کر رہا ہوں۔"

وہ اپنے پارٹی لیڈر کے پاس پہنچا۔ بابا صاحب کے ادارے سے جتنے افراد آئے تھے وہ ہر شہر میں ایک الگ الگ پارٹی بنانے ہوئے تھے اور ہر پارٹی کا ایک الگ لیڈر تھا۔ میں نے اس کے پاس پہنچ کر جب اسے مخاطب کیا تو اس نے کہا "میں اپنے آدمیوں کے ساتھ لیڈی ڈاکٹر ماریا تھامسن کے کلینک میں جا رہا ہوں، آپ مادام کو لے کر وہاں پہنچیں، ہم آپ لوگوں کی نگرانی کرتے رہیں گے۔"

اس چھوٹے سے شہر میں لیڈی ڈاکٹر ماریا تھامسن بہت مشہور تھی۔ میں رسونتی کو لے کر کلینک میں پہنچ گیا۔ ڈاکٹر بہت مشہور تھی اور علاج بھی اچھا کرتی تھی مگر وہاں ایک بھی مریض نہیں تھا۔ اس نے مجھے ویٹنگ روم میں بیٹھنے کے لیے کہا۔ پھر رسونتی کو دوسرے کمرے میں لے گئی۔ مجھے کوئی خاص تشویش نہیں تھی۔ اس کا سر چکرا رہا تھا۔ وہ کمزوری محسوس کر رہی تھی لہٰذا میں اس کی تسلی کے لیے لیڈی ڈاکٹر کے پاس لے آیا تھا تاکہ دوا کھانے کے بعد اس پر نفسیاتی اثر پڑے اور وہ پہلے کی طرح بھلی چنگی ہو جائے۔

تھوڑی دیر بعد ہی لیڈی ڈاکٹر میرے پاس آئی، پھر بولی۔ "کیا یہ تمھاری واقف ہے؟"

میں نے انکار میں سر ہلایا۔ اس نے پوچھا "پھر اس کا

خاوند کہاں ہے؟"

میں نے پوچھا" بات کیا ہے؟"

"خوشخبری ہے، یہ ماں بننے والی ہے"۔

یہ بات میرے اندر دھماکے کی طرح گونجنے لگی، میں ایک دم سے چکرا گیا۔ میں نے فوراً ہی خیال خوانی کی پرواز کی اور پارٹی لیڈر سے کہا" غضب ہو گیا، رسونتی ماں بننے والی ہے، میرا راز کھلنے والا ہے، یہ بات دشمنوں تک پہنچے گی تو میں ہزار پردوں میں چھپا رہنے کے باوجود پلاسٹک سرجری کے میک اپ کے باوجود بے نقاب ہو جاؤں گا"۔

اس نے کہا" جناب! آپ لیڈی ڈاکٹر کو صرف پندرہ منٹ تک باتوں میں الجھا کر رکھیں۔ ہم اپنا کام کر گزریں گے"۔

" پندرہ منٹ کیا، میں زیادہ سے زیادہ خیال خوانی کے ذریعے ٹریپ کر سکتا ہوں لیکن کوئی مریض یہاں آ گیا تو وہ لیڈی ڈاکٹر کو سکتے کے عالم میں دیکھے گا۔ پھر بھید کھلے گا"۔

"آپ فکر نہ کریں۔ ہمارے آدمی یہاں کسی مریض کو آنے ہی نہیں دیں گے"۔

لیڈی ڈاکٹر ماریا تھامسن نے پوچھا" مسٹر! آپ کیا سوچ رہے ہیں؟"

میں نے چونک کر کہا" میں سوچ رہا ہوں، اس عورت کے خاوند کو یہ خوشخبری سنانا ہو گی۔ آپ اس کے لیے پلیز نسخہ لکھ دیجیے"۔

وہ اپنے چھوٹے سے چیمبر میں گئی۔ پھر وہاں بیٹھ کر نسخہ لکھنے کے لیے ایک قلم سنبھالا، میز پر جھک کر اپنے لیٹر پیڈ پر لکھنے لگی، ایسے ہی وقت میں نے اس کے دماغ پر قبضہ جما لیا۔

پارٹی لیڈر نے کہا تھا، پندرہ منٹ میں وہ اپنا کام کر گزرے گا لیکن جوزا جو رسونتی کا رول ادا کرنے والی تھی، اسے خبر کرنے اور اسے وہاں سے لانے میں ذرا دیر لگ گئی پھر بھی کام بن گیا۔ جب میں نے لیڈی ڈاکٹر کے دماغ کو آزاد چھوڑا تو وہ ایک دم سے چونک گئی۔ پریشان ہو کر میری طرف دیکھنے لگی۔ میں نے حیرانی سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا بات ہے۔ ڈاکٹر! آپ تو بالکل سوچ میں گم ہو گئی تھیں؟"

اس نے اپنے ہاتھ کو دیکھا۔ اسے یوں لگا جیسے اس نے ابھی ابھی نسخہ لکھنے کے لیے قلم سنبھالا ہو۔ میں نے کہا۔ "پلیز! ذرا جلدی لکھ دیجیے، میں ابھی اس کے شوہر کے پاس اسے لے جانا چاہتا ہوں"۔

وہ لکھنے لگی۔ میں نے وہ نسخہ لیا پھر رسونتی کو کلینک سے لے کر باہر آ گیا۔ میں نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کنی انکھیوں سے دیکھا، وہ سر سے پاؤں تک رسونتی تھی۔ لباس بھی وہی تھا جو رسونتی پہن کر کلینک میں داخل ہوئی تھی۔

جب تک میں نے لیڈی ڈاکٹر کو اپنی ٹیلی پیتھی کی مٹھی میں رکھا تھا، اس وقت تک جوزا نے رسونتی کا لباس پہن لیا تھا اور اپنا لباس اسے پہنا دیا تھا۔ ایسے وقت شیبا، رسونتی کے دماغ میں موجود تھی لہٰذا اس کا بچکانہ دماغ ہمارے آڑے نہیں آیا۔ اب رسونتی جہاں بھی ہو گی، وہ جوزا کے لباس میں ہو گی اور یقیناً اسے ایسی جگہ پہنچا دیا گیا ہو گا جہاں اطمینان سے اس کے چہرے پر پلاسٹک سرجری کی جا سکے۔

میں خیال خوانی کے ذریعے معلوم کر سکتا تھا کہ اب رسونتی کے ساتھ کیا ہو رہا ہے اور کہاں پہنچایا گیا ہے لیکن اطمینان تھا۔ ایک تو شیخ الفارس کے آدمی بہت ہی ذہین، تجربے کار اور بروقت صحیح اقدامات کرنے والے لوگ تھے۔ دوسرے شیبا، رسونتی کے دماغ میں موجود تھی۔ اس لیے میں نے جوزا کی طرف توجہ دی۔ وہ بہت اچھی اداکارہ تھی۔ چلتے چلتے ایک دم سے پاؤں پٹخ کر کھڑی ہو گئی۔ میں نے پوچھا" کیا ہوا؟"

اس نے ایک طرف اشارہ کیا، وہاں کھلونوں کی دکان تھی، میں نے پوچھا" کیا چاہیے؟"

اس نے کہا" گڑیا اور گڈا"۔

میں نے سر کھجاتے ہوئے سوچا" ان کھلونوں نے تو ہمیں ڈبو کر ہی رکھ دیا ہوتا۔ شکر ہے ہمارے آدمی بروقت اپنا کام کر گزرے گا۔ جوزا نے اپنی پسند کا کھلونا خرید لیا۔ میں نے نسخے کے مطابق اس کے لیے دوائیں خریدیں تاکہ دور سے تاڑنے والے دشمنوں کو کسی طرح کا شبہ نہ ہو۔

اس بات کی تصدیق ہو چکی تھی کہ دشمن واقعی چوکنے ہیں اور ہر لمحہ ہماری نگرانی کرتے رہتے ہیں۔ میری خیال خوانی کے دوران ایک شخص نے بتایا" جناب! ہم مادام کو لے کر کلینک سے نکل رہے تھے تو دو اشخاص نے ہمارا تعاقب کیا تھا مگر ہم نے انھیں تعاقب کے قابل نہیں چھوڑا بلکہ زندہ ہی نہیں چھوڑا اس لیے کہ وہ واپس جا کر جوزا کے متعلق اپنے آدمیوں کو کچھ نہ بتا سکیں کہ وہ کلینک میں داخل ہوئی تھی اور تھوڑی دیر بعد پھر واپس ایک گاڑی میں بیٹھ کر چلی گئی تھی۔ بہرحال ہماری مادام محفوظ ہیں، آپ بے فکر رہیں"۔

جب تک وہ اس ملک سے بحفاظت نہ نکل جاتی اور بخیریت باباصاحب کے ادارے میں نہ پہنچ جاتی، اس وقت تک میں فکر مند ہی رہتا۔ ویسے اطمینان تھا، ہمارے منصوبے کا پہلا مرحلہ بہ آسانی طے ہو گیا ہے۔ دوسرے مرحلے پر جوزا بڑی کامیابی سے رسونتی کی ایکٹنگ کر رہی تھی۔ اور بچکانہ ذہنیت کا مظاہرہ کرتی جا رہی تھی۔

ایک گھنٹے بعد جناب شیخ الفارس سے رابطہ قائم ہوا۔ انھوں نے پوچھا" فرہاد! تم نے یہ کیا حماقت کی۔؟"

میں نے چونک کر کہا" جی، میں نہیں سمجھا؟"

"نادان بچے تو نہیں ہو، کیا یہ وقت رسونتی کے ماں بننے کا تھا۔؟"

میں نے سر کو جھکا لیا۔ اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا" دنیا میں بال ہٹ اور تریا ہٹ مشہور ہیں یعنی بچے کی ضد اور عورت کی ضد کے آگے آدمی ہتھیار ڈال دیتا ہے اور میرے ساتھ تو ایسی شریک حیات تھی جو بچی بھی تھی یعنی عورت کی ضد بھی تھی، بچی کی ضد بھی"۔

"تم اپنی صفائی میں کچھ بھی کہہ لو مگر جانتے ہو تم نے رسونتی کو کن مصیبتوں میں ڈال دیا ہے؟"

میں نے پھر چونک کر پوچھا" کیا وہ کسی مصیبت میں مبتلا ہو گئی ہے، کیا وہ ہمارے آدمیوں کی پناہ میں نہیں ہے"۔

"بے شک وہ ہماری پناہ میں ہے، اس وقت اس کے چہرے پر پلاسٹک سرجری کی جا رہی ہے تاکہ وہ مکمل طور پر جوزا نظر آئے اور وہاں سے جوزا کے پاسپورٹ پر سفر کر سکے"۔

"پھر مصیبت کیسی؟"

"کیا اب بھی تمہاری سمجھ میں نہیں آیا، اس کے بچکانہ پن کو پیش نظر رکھ کر سوچو۔ وہ جسمانی طور پر ایک عورت ہے لیکن دماغی طور پر بچی ہے کیا وہ بچی ماں بن سکے گی، کیا وہ ان تمام تکالیف کو برداشت کر سکے گی جو ایک عورت اپنی جوانی کے حوصلے اور دماغی استحکام سے برداشت کر لیتی ہے، رسونتی کے پاس جوان جسم ہے لیکن جوانی کا حوصلہ نہیں ہے اس لیے یہ حوصلہ دماغ سے حاصل ہوتا ہے اور اس کا دماغ کمزور ہے، ایک بچے کا ذہن ہے، فرہاد، تم ذرا غور کرو تو پتا چلے وہ بچی اب کتنے عذاب میں مبتلا ہو گئی ہے جیسے جیسے اس کے ماں بننے کا وقت قریب آئے گا، ویسے ویسے اس کی زندگی مختصر ہوتی چلی جائے گی"۔

میں نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا" اوہ خدایا! یہ کیا ہو گیا۔ کیا میں اپنی رسونتی کا قاتل بن رہا ہوں۔ میں نے پہلے یہ کیوں نہ سوچا کہ جب یہ بچی ماں بننے کے مرحلوں سے گزرے گی تو میں ظالم کہلاؤں گا۔ میں قاتل کہلاؤں گا"۔

زندگی میں پہلی بار میں نے خود کو مجرم محسوس کیا، میرے اندر بے چینی سی پیدا ہو گئی۔ دماغ میں ایسی ہلچل تھی کہ کچھ سوچنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ یہ بڑی تلخ حقیقت ہے کہ انسان جذبات میں اندھا ہو جاتا ہے۔ آگے پیچھے کچھ نہیں دیکھتا، کچھ نہیں سوچتا۔ میں خود کو ہوشمند اور حاضر دماغ سمجھتا ہوں۔ میں نے اپنی غائب دماغی اور دیوانگی سے اپنی شریک حیات کو ایسے عذاب میں مبتلا کر دیا جس کا اختتام موت ہے، ایک بچی ماں نہیں بن سکتی، کبھی نہیں بن سکتی، کبھی نہیں بن سکتی اور وہ موت کے زچہ خانہ میں پہنچ کر ایک دن ماں بننے والی تھی۔

میں شام تک بہت پریشان رہا، بے چینی سے ادھر اُدھر ٹہلتا رہا، سکون سے بیٹھا نہیں جاتا تھا۔ بیٹھنا چاہتا تو اٹھ کر کھڑا ہو جاتا تھا جیسے کوئی ایسا قدم اٹھاؤں گا کہ وہ ماں نہ بن سکے لیکن اسے ماں بننے سے روکنا طبی نقطۂ نظر سے مناسب نہیں تھا۔ اس کا بچکانہ دماغ ایسی دواؤں کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔

شام کو شیبا میرے پاس آئی۔ اس نے کہا" رسونتی سو رہی ہے اس لیے مجھے تمہارے پاس آنے کی فرصت مل گئی"۔

میں نے اپنی پریشانی ظاہر کی۔ اس نے کہا" میں نے سب کچھ دیکھ لیا ہے، سمجھ لیا ہے، واقعی رسونتی ایک بہت بڑے عذاب سے گزرنے والی ہے، اس کا کیا بنے گا، یہ خدا ہی بہتر جانتا ہے مگر تمہارے پریشان ہونے سے اس کی مصیبتیں دور نہیں ہو سکیں گی۔ یہ باتیں جناب شیخ الفارس پر چھوڑ دو۔ وہ رسونتی کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ میں ایک اہم منصوبہ بتانے آئی ہوں، آج رات تم بھی یہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو سکو گے"۔

وہ مجھے بتانے لگی۔ نئے منصوبے کے مطابق رسونتی جوزا کے روپ میں آ گئی تھی۔ اس کے لیے اب کوئی خطرہ نہیں تھا۔ وہ بحیثیت جوزا رولف اسی چھوٹے سے شہر میں کچھ روز رہ سکتی تھی۔ دو دن بعد وہ وہاں سے موٹر بوٹ کے ذریعے ایک شہر سانتاریم جانے والی تھی۔ وہاں اس کے لیے پہلے ہی ایک طیارے میں سیٹ ریزرو کرائی گئی تھی، وہ سانتاریم سے لندن پرواز کرنے والی تھی۔ پھر لندن سے ہمارے آدمی اسے پیرس لے جاتے اور باباصاحب کے ادارے میں پہنچا دیتے۔ کوئی شبہ نہیں کر سکتا تھا۔ کیوں کہ میرے اور رسونتی کے اس شہر میں پہنچنے سے پندرہ دن پہلے ہی جوزا نے اس طیارے میں اپنے لیے سیٹ ریزرو کرا رکھی تھی، سبھی جانتے تھے کہ وہ فلاں دن شہر سانتاریم سے لندن جانے والی ہے۔

میں دل ہی دل میں دعا مانگنے لگا کہ وہ جلدی سے جلد باباصاحب کے ادارے میں پہنچ جائے۔ اس ادارے میں

پہلے ہی دی کلر کے دماغی آپریشن کا راز معلوم کرنے کے سلسلے میں بہت سے تجربہ کار ڈاکٹروں کا بورڈ قائم کیا گیا تھا یقیناً وہ تمام تجربہ کار ڈاکٹر رسونتی کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کر سکتے تھے۔

منصوبے کے مطابق میں نے شام کا اندھیرا پھیلنے سے پہلے ہی لباس تبدیل کیا۔ ایک بڑا سا چاقو اپنے لباس میں چھپا لیا۔ ایک چھوٹی سی ٹارچ رکھی۔ وہ بظاہر چھوٹی سی تھی لیکن اس کے سیل اتنے طاقتور تھے کہ روشنی دور تک جاتی تھی۔ ہمارا ایک آدمی مجھے گائڈ کرنے والا تھا۔ میں سے خیال خوانی کے ذریعے سے اس سے رابطہ قائم کرتا اور وہ مجھے راستہ بتاتا جاتا۔

میں نے جوزا کو اسی رہائش گاہ میں چھوڑ دیا۔ خود باہر نکلا پھر گھومنے پھرنے کے انداز میں چلتا ہوا اس چھوٹے سے شہر سے باہر نکل آیا۔ دشمنوں کو میری کوئی پروا نہیں تھی۔ وہ، رسونتی پر نظر رکھے ہوئے تھے کہ فرہاد اس کے قریب ضرور آئے گا، اور جو لوگ یہ جانتے تھے کہ فرہاد ڈاکٹر میکاکس کو دماغی طور پر اپنا معمول بنائے رکھتا ہے تو وہ لوگ میرا تعاقب کر سکتے تھے۔

مجھے کسی کی پروا نہیں تھی۔ بابا صاحب کے ادارے سے تعلق رکھنے والے افراد آس پاس دور دور تک موجود تھے۔ ساحلی علاقوں میں شہر سے باہر گھوڑوں کا اصطبل ہوتا ہے، وہاں ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرنے کے لیے گھوڑے کرائے پر ملتے ہیں، میں نے ایک گھوڑا لیا۔ اس پر سوار ہو کر اپنے گائڈ کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے لگا۔ منصوبے کے مطابق مجھے بیس میل تک سفر کرنا تھا۔ اس کے بعد ایک ساحلی علاقے میں میرے لیے موٹر بوٹ کا انتظام کیا گیا تھا۔ اس موٹر بوٹ میں سوار ہو کر جب میں دریائی راستہ اختیار کرتا تو راستے میں میرا میک اَپ تبدیل ہوتا جاتا اور میری میکاکس کی حیثیت بدل جاتی۔

ساحلی سڑک کہیں کہیں تو دریا کے ساتھ ساتھ چلتی تھی اور کبھی بل کھاتے ہوئے، مڑتے ہوئے دور جنگل میں نکل جاتی تھی، اچھی خاصی مسافت کے بعد پھر وہی سڑک دریا کے کنارے نظر آتی تھی۔

مختصر یہ کہ جب میں جنگل کے درمیان سے گزرنے لگا تو اس گھنے جنگل نے جیسے مجھے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ رات تاریک تھی۔ چاروں سمت گھنے درخت تھے، تاریکی اور زیادہ گہری ہوگئی تھی اور میں کہہ نہیں سکتا تھا کہ اس اندھیرے میں میرے کتنے دشمن چھپے ہوئے ہیں، ویسے دشمن مجھے چھیڑنا چاہتے تو یہاں تک کا موقع ہی نہ دیتے لیکن چھیڑنے کا ایک موقع آپ ہی آپ پیدا ہو گیا۔

جنگل کے راستے سے گزرنے کے دوران اچانک ہی گھوڑا بدکنے لگا۔ وہ ہنہناتا تھا اور آگے بڑھنے سے کتراتا تھا میں اُسے قابو میں کرنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن وہ دائیں بائیں بھاگنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایسے ہی وقت مجھے کوئی غیر معمولی سی بات محسوس ہوئی۔ مجھے یوں لگا جیسے اچانک گرم ہوا چل رہی ہو، گھوڑا بدکتا ہوا، ایک طرف دوڑتا ہوا ایک درخت کے قریب پہنچا، وہاں میں نے اُسے قابو کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ اسی وقت قریب سے آواز آئی "جناب، یہاں خطرہ ہے۔"

زبان سے گفتگو کرنا مناسب نہیں تھا۔ میں نے سوچ کے ذریعے پوچھا "کیسا خطرہ؟"

"سر! اس جنگل کے گھنے حصے میں اناکونڈا نامی اژدھا ہے۔ وہ اِدھر نکل آیا ہے۔"

بات سمجھ میں آگئی کہ وہ گرم ہوا کیسے چلنے لگی تھی میرے گائڈ نے دو دن پہلے ہی مجھے بتایا تھا کہ اس جنگل کے گھنے حصے میں اناکونڈا نامی ایک اژدھا ہے۔ جس کی لمبائی چھبیس فٹ ہے اور اسی کی مناسبت سے وہ اپنی جسامت بھی رکھتا ہے۔ اُس گائڈ نے کہا تھا جب وہ سانس کھینچتا ہے تو ایک سالم ہرن اس کے منہ میں چلا جاتا ہے۔ پتا نہیں، یہ قصے کہانیوں والی بات تھی یا حقیقت لیکن اس وقت مَیں نے محسوس کیا جیسے اچانک ہی میرا گھوڑا بھر بھاگنے لگا ہو۔ مَیں اُسے قابو میں کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اچانک ہی اس کی پشت سے گر پڑا۔ وہ میری گرفت سے نکلتے ہی تیزی سے بھاگتا ہوا جانے کہاں چلا گیا۔ مجھے گائڈ کرنے والے نے چیخ کر کہا: "آپ فوراً کسی درخت سے لپٹ جائیں۔"

اُس نے مشورہ دینے میں دیر کر دی۔ مَیں نے محسوس کیا، جیسے مَیں کھنچا جا رہا ہوں۔ جس طرح مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے، اسی طرح کوئی چیز مجھے اپنی طرف کھینچ رہی تھی مَیں ایک جگہ قدم جمانے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا۔ مَیں نے اپنی زندگی میں یہ تو دیکھا ہے کہ جب طوفانی ہوا چلتی ہے تو آدمی تنکے کی طرح ایک طرف بہتا چلا جاتا ہے لیکن یہاں معاملہ عجیب تھا۔ جدھر سے ہوا آرہی تھی مَیں اُدھر ہی کھنچا جا رہا تھا اور یہ بات سمجھ میں آرہی تھی کہ اگر اژدھے کے سانس کھینچنے سے ایک سالم ہرن اس کے منہ تک پہنچ سکتا ہے تو کیا مَیں بھی اسی طرح کسی اژدھے کا لقمہ بننے جا رہا تھا۔

یہ سراسر خیالی قصہ معلوم ہوتا تھا لیکن جنوبی امریکا میں برازیل کے جنگل میں ایسے اژدھے موجود ہیں۔ میرے ساتھ جو

کچھ ہو رہا تھا، مجھ سے پہلے وہاں کے مقامی باشندوں کے ساتھ بھی ہو چکا تھا۔ اس طرح بھی تصدیق ہوئی کہ اژدھا مسلسل سانس نہیں کھینچتا تھا۔ سانس کھینچنے کے بعد سانس چھوڑتا بھی تھا۔ اس طرح جو کچھ کھنچا جا رہا تھا پھر ذرا دور واپس جا کر گر پڑا۔ جب مجھے موقع ملا تو مَیں نے ایک طرف دوڑ لگائی تاکہ کسی درخت سے لپٹ جاؤں لیکن اس دوران پھر اُس نے سانس کھینچنا شروع کی، نتیجہ یہ ہوا کہ میں کھنچتا ہوا گیا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ اب میرا بچنا ممکن نہیں ہے۔ ذرا دیر بعد ہی مجھے ایسا لگا جیسے میں کسی اژدھے کے منہ میں پہنچ گیا ہوں مگر جہاں پہنچا تھا وہاں بے شمار درختوں کی ٹہنیاں تھیں۔ ایک دوسرے سے اُلجھی ہوئی تھیں، بلکہ وہ درخت نہیں تھا۔ ایسی جھاڑیاں تھیں جو موٹی پتلی، سخت اور نرم قسم کی شاخوں پر مشتمل تھیں، پہلے تو یوں لگا جیسے دشمنوں نے میرے لیے جال پھیلا رکھا تھا اور مَیں ان میں جا کر اُلجھ گیا ہوں۔

اگر دشمنوں نے ایسا کیا تھا تو مجھے اُن کا احسان مند ہونا چاہیے کیوں کہ جو اژدہا مجھ سے کافی فاصلے پر تھا، مَیں اُس کا لقمہ بننے سے رہ گیا تھا۔ جس جال میں اُلجھا ہوا تھا، مَیں اُلجھ کر رہ گیا تھا۔

پہلے تو بدحواسی میں بات سمجھ میں نہیں آئی پھر مَیں سمجھ گیا کہ وہ دشمنوں کا پھیلایا ہوا جال نہیں تھا، وہ قدرتی جھاڑیاں تھیں جن میں اُلجھ کر رہ گیا تھا۔ ایسے وقت چاروں طرف سے فائرنگ کی آواز سنائی دی۔ اس کے ساتھ ہی ہوا کے جھونکے آئے۔ اژدہا پھنکار رہا تھا۔ پھر اس کے پھنکارنے کا رُخ بدل گیا۔ فائرنگ کی وجہ سے وہ کسی دوسری سمت جا رہا تھا پھر اس کا کیا بنا، یہ پتا نہیں چل سکا۔ مجھے اس سے نجات مل گئی تھی۔ میں نے خیال خوانی کی پرواز کی لیکن اپنے گائڈ کے دماغ تک نہیں پہنچ سکا۔ اس لیے کہ اس کا دماغ موت کی تاریکیوں میں ڈوب چکا تھا۔ شاید چاروں طرف سے ہونے والی فائرنگ کی زد میں آکر وہ بے چارہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو چکا تھا۔

میں نے جھاڑیوں سے نکلنے کی کوشش کی مگر لگ رہا تھا کہ جتنا نکلنے کی کوشش کرتا ہوں، اُتنا ہی اُلجھتا جاتا ہوں اچانک مجھے چاقو کا خیال آیا۔ میں نے اپنے لباس کے اندر سے وہ بڑا سا چاقو نکالا پھر اُسے کھول کر اُلجھی ہوئی شاخوں کو کاٹنے لگا۔ ایک طرف سے راستہ بنانے لگا۔ مجھے تھوڑی سی روشنی کی ضرورت تھی تاکہ پتا چل سکے، کدھر سے نکلنا چاہیے۔ لیکن میں ٹارچ روشن نہیں کر سکتا تھا۔ روشنی ہوتے ہی میری طرف فائرنگ شروع ہو جاتی۔

دوبارہ فائرنگ شروع ہو گئی۔ اس کے ساتھ کتنی ہی چیخیں سنائی دیں۔ دشمن ایک دوسرے کو ہلاک کر رہے تھے۔ ان میں یقیناً ہمارے آدمی بھی مارے جا رہے تھے۔ بہر حال میں نے اس پیچیدہ جھاڑی سے نجات حاصل کر لی۔ جب میں اس جال سے باہر نکلا تو اطمینان کی سانس لی۔ لپنے ہاتھ پاؤں جھاڑنے لگا پتلی شاخیں کہیں گردن سے، کہیں سر سے اور کہیں ٹانگوں سے لپٹی ہوئی تھیں۔ میں ان سے نجات پا کر ذرا آگے بڑھا تو ٹھوکر کھاتے کھاتے بچا۔ کسی کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ میں نے اندھیرے میں اُسے ٹٹول کر دیکھا۔ مجھے ایک ریوالور مل گیا۔ کارتوس کی پیٹی بھی تھی۔ میں نے اندھیرے میں اس ریوالور کے چیمبر کو چیک کیا۔ پھر ایک طرف کو بڑھنے لگا۔

میں کہاں جا رہا تھا یا مجھے کہاں جانا چاہیے، میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ ایک تو اجنبی راستہ، اس پر گھنا جنگل۔ میں آگے بڑھ رہا تھا یا پیچھے جا رہا تھا، سمت کا کچھ اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔ ایسے ہی وقت ایک ہلکی سی روشنی نظر آئی۔

مَیں ٹھٹک گیا۔ دور ایک مشعل روشن ہوئی تھی۔ پھر میں نے یکبارگی پلٹ کر دیکھا۔ میرے پیچھے بھی دوسری مشعل روشن ہوگئی۔ پھر تیسری، چوتھی، پانچویں۔ اس طرح میں نے دیکھا کہ میرے چاروں طرف کافی فاصلے پر مشعلیں روشن ہوتی جا رہی تھیں۔ جو بھی مشعلیں ہاتھ میں لیے ہوئے تھے، میں انھیں صاف طور پر نظر آرہا تھا۔ پھر کسی نے یکبارگی خوشی سے چیخ ماری "مل گیا۔ فرہاد علی تیمور مل گیا۔"

میں نے دوسری طرف گھوم کر دیکھا۔ بہت دور باس بورنیا کھڑا ہوا تھا مگر وہ اسی شیطانی زبان میں بول رہا تھا "اے شیطانِ ملعون، تیرا شکریہ، تُو نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ تُو نے فرہاد کے جسم میں ایک دُم کا اضافہ کر دیا۔"

مَیں نے بوکھلا کر اپنے آس پاس دیکھا مگر پیچھے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس لیے اپنا ہاتھ اُدھر بڑھایا۔ پتا چلا واقعی میرے پیچھے دُم نکل آئی ہے۔

لاحول ولا قوۃ۔ شیطان کی کیا مجال ہے کہ وہ خدا کی بنائی ہوئی مخلوق میں ایک معمولی سا اضافہ بھی کر دے۔ بھلا میری دُم کیسے نکل سکتی تھی۔ وہ تو میں جن جھاڑیوں میں پھنسا ہوا تھا اُن کی ایک پتلی سی شاخ میری پتلون کی بیلٹ میں پھنس گئی تھی اور وہ اس طرح گھوم کر لٹک رہی تھی جیسے دُم نکل آئی ہو۔

باس بورنیا خوشی سے اُچھل اُچھل کر ناچ رہا تھا اور کہہ رہا تھا "فرہاد علی تیمور، میں نے تمھیں پہچان لیا ہے۔ تم ہزار میک اَپ میں رہو، مجھ سے چھپ نہیں سکو گے۔ تمھاری دُم نکل آئی ہے۔ تم فرہاد ہو۔"

مَیں نے اس دُم کو کھینچ کر اپنے جسم سے الگ کرتے ہوئے

اُس کی طرف اچھال دیا پھر کہا "شیطان کے بچے، یہ دُم نہیں، جھاڑی کی ایک شاخ ہے میں فرہاد نہیں ہوں، یہ کس نے کہہ دیا کہ انسان کی بھی دُم نکل آتی ہے۔"

"میرے شیطان نے کہا ہے اور اُس نے جو پہچان بتائی تھی اُس کے مطابق میں نے پہچان لیا ہے۔ دُم چاہے سچ مچ کی ہو یا عارضی مگر اس کے ذریعے تمھاری شناخت ہوگئی ہے۔ تم فرہاد علی تیمور ہو۔"

اس کے مشعل بردار چیلے اب رقص کرنے لگے تھے۔ اسی اجنبی زبان میں گیت گانے لگے تھے۔ میں نے کہا "میں فرہاد نہیں ہوں۔ البتہ فرہاد میرے دماغ میں آتا رہتا ہے اور وہ تمھارے ایک آدمی کے دماغ میں بھی پہنچا ہوا ہے۔ تم جو کچھ اجنبی زبان میں بولتے ہو، فرہاد اس کے دماغ میں رہ کر انگریزی میں اس کا ترجمہ سمجھ لیتا ہے۔ اس طرح وہ میرے دماغ میں تمھاری باتوں کا جواب دیتا جارہا ہے۔ اس وقت بھی فرہاد تم سے کہہ رہا ہے۔ ڈاکٹر میکاکس کا پیچھا چھوڑ دو۔ ورنہ تم میں سے ایک بھی زندہ نہیں بچے گا۔"

باس بورنیا نے کہا "اگر تم سیدھی طرح ہمارے قابو میں نہیں آؤ گے تو ہم تمھیں گولی مار دیں گے۔"

میں نے کہا "تم ڈاکٹر میکاکس کے جسم کو گولی مار سکتے ہو مگر فرہاد پھر بھی زندہ رہے گا۔"

یہ کہتے ہی میں نے آس پاس ذرا فاصلے پر کھڑے ہوئے مشعل بردار پر تڑاتڑ گولیاں چلائیں۔ پھر اُچھل کر ایک طرف زمین پر گرتا ہوا لُڑھکتا ہوا درخت کی آڑ میں پہنچ گیا۔ وہ مشعل بردار گولی کھا کر اس طرح گرا تھا کہ گرتے ہی مشعل بُجھ گئی۔ اس لیے مجھے وہاں چھپنے کا موقع مل گیا۔ وہیں سے میں نے رینگنا شروع کیا پھر اچانک اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ کیوں کہ زمین پر قریب ہی سرسراہٹ سی سنائی دی تھی۔ میں نے چھلانگ لگائی تا کہ کوئی سانپ نہ ہو۔ وہاں میرے دشمن انسان بھی تھے اور حیوان بھی۔ میرے اچھلتے ہی کسی نے فائر کیا۔ میں بال بال بچا۔ پھر دوڑتا ہوا دوسرے درخت کے پاس پہنچا۔ اس دوران میں نے فائرنگ کی۔ دو چیخیں سنائی دیں لیکن چیمبر خالی ہوگیا۔ میں نے درخت کی آڑ میں کھڑے ہو کر پھر چیمبر کو بھر لیا۔ اس وقت تک بورنیا کے آدمیوں نے تمام مشعلیں بجھا دی تھیں۔ اب ہم سب تاریکی میں تھے۔ میرے فائر نہ کرنے کے باوجود فائرنگ ہو رہی تھی اور مرنے والوں کی چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔ یقیناً باس بورنیا اور اس کے آدمیوں کے علاوہ دوسرے دشمن بھی تھے۔ انھوں نے بورنیا کی زبان سے میرے متعلق سنا ہوگا اگرچہ وہ احمقانہ باتیں کر رہا تھا کہ دُم کے اضافے سے فرہاد پہچانا جاسکتا ہے۔ کوئی اس پر یقین نہ کرتا اور میں شک و شبہ سے بالاتر رہتا۔

جنگل میں منگل ہو رہا تھا۔ مسلسل فائرنگ کے سبب شب برات کا سماں تھا۔ فائرنگ تھوڑی دیر کے لیے رُک جاتی تب بھی آواز جنگل میں دُور تک گونجتی رہتی تھی۔ میں اس تاریکی میں یکے بعد دیگرے کئی دشمنوں سے ٹکراتا رہا۔ فائرنگ کا موقع ملا تو فائرنگ کی ورنہ ہاتھا پائی ہوتی رہی۔ کچھ میں زخمی ہوا۔ کچھ دوسروں کو زخموں پر کراہنے کے قابل بھی نہ چھوڑا۔

سمجھ میں نہیں آرہا تھا، یہ سلسلہ کب تک چلے گا۔ ویسے میں ایک ہی سمت بھاگتا جاتا تھا۔ پناہ لیتا جاتا تھا۔ دشمنوں سے ٹکراتا تھا پھر وہی سمت اختیار کرتا تھا تا کہ میں کسی ایک جگہ پہنچ سکوں۔ آخر ایک گھنٹے کی جدوجہد کے بعد میں اس راستے پر آگیا جو مجھے واپس اُسی شہر میں لے جارہا تھا جہاں میں جوزا کو چھوڑ کر آیا تھا۔

میرا تعاقب کرنے والے سائے کی طرح پیچھے لگے ہوئے تھے۔ اس دوران کئی بار کئی افراد نے بورنیا کو للکار کر کہا تھا "مسٹر بورنیا! ڈاکٹر میکاکس کا پیچھا چھوڑ دو۔ ورنہ تمھارے تمام آدمی مارے جائیں گے۔"

بورنیا نے جواباً للکارتے ہوئے کہا تھا "میں جان دے دوں گا مگر ڈاکٹر میکاکس کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔ جسے تم ڈاکٹر سمجھ رہے ہو وہ فرہاد ہے۔"

وہ تاریکی میں ایک دوسرے کو للکارتے بھی جاتے تھے۔ فائرنگ بھی کرتے تھے۔ اس طرح ایک دوسرے سے ٹکراتے ہوئے ہم اسی شہر میں پہنچ گئے۔ سب سے پہلے میں پہنچا۔ کئی جگہ زخم آئے تھے۔ مجھے کچھ لوگوں نے حیرانی سے دیکھا۔ سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ اس شہر میں جتنے دشمن تھے اتنے ہی دوست بھی تھے لیکن میرے پیچھے ہی پیچھے بورنیا چیختا چلاتا پہنچ گیا "یہ فرہاد ہے۔ یہ فرہاد علی تیمور ہے۔ کسی کو میری بات کا یقین نہ ہو تو اسے ڈاکٹر میکاکس سمجھ کر میرے حوالے کر دیا جائے۔ اگر میرا مطالبہ پورا نہ کیا گیا تو میں اس پورے شہر کو آگ لگا دوں گا۔ یہاں سے کوئی زندہ بچ کر نہیں جاسکے گا۔"

میں شہر کے ایک چوراہے پر کھڑا ہوگیا تھا۔ وہ کھلی جگہ تھی چاروں طرف سے دوستوں اور دشمنوں کا مجمع لگ رہا تھا۔ دشمن جانتے تھے، فرہاد میکاکس کے دماغ میں آتا ہے۔ میں فرہاد نہیں ہوں اور بورنیا ان کی سوچ اور سمجھ کے خلاف دعویٰ کر رہا تھا اور میرا مطالبہ کرتا جارہا تھا۔

ایسے ہی وقت جوزا دوڑتی ہوئی میرے پاس آئی۔ آنے کے انداز میں بچکانہ پن تھا۔ وہ ننھی سی بچی کی طرح رسونتی کے لب و لہجے میں بولتی آرہی تھی "میکاکس! یہ کیا ہو رہا ہے۔ اتنے لوگ کیوں جمع ہوگئے ہیں۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ تم مجھے چھوڑ کر کہاں گئے

تھے۔ پھر وہ میرے قریب آکر ایک دم سے ٹھٹک گئی۔ چونک کر بولی "ارے تم تو زخمی ہوگئے ہو۔ کتنا خون بہہ رہا ہے۔ ڈاکٹر کو بلاؤں؟"

وہ بڑی خوب صورتی سے ننھی رسونتی کا رول ادا کر رہی تھی۔ باس بورنیا ایک گھوڑے کی پشت پر سوار تھا۔ وہ چوراہے کے چاروں طرف گھومتے ہوئے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا "میں شیطان کا پجاری ہوں۔ تم سب جانتے ہو، میں کالا علم جانتا ہوں۔ میرا علم کہتا ہے، یہ فرہاد ہے۔ شیطان نے پیشگوئی کی تھی کہ یہ مجھے فلاں جگہ، فلاں وقت اور فلاں دن ملے گا اور اس کے پیچھے دُم لگی ہوگی۔ دُم عارضی سہی لیکن اس کی شناخت ہوچکی ہے۔"

وہ کمبخت سچ کہہ رہا تھا۔ میں فرہاد ہوں لیکن اس کے شناخت کرنے کا انداز بڑا ہی مضحکہ خیز تھا۔ ویسے شیطان نے دعویٰ کیا تھا کہ وہ فرہاد علی تیمور کو ایک جال میں پھانس رہا ہے اور فرہاد اس میں پھنستا چلا آرہا ہے۔ ٹھیک چالیسویں دن وہ ہزار پردوں میں چھپے رہنے کے باوجود ظاہر ہو جائے گا۔

لیکن میرے ظاہر ہونے کا کوئی چانس نہیں رہا تھا۔ ایک رسونتی تھی جس کے ماں بننے کے آثار پیدا ہوئے تھے۔ اگر یہ بات کھل جاتی تو یقیناً ثابت ہو جاتا کہ میں فرہاد علی تیمور ہوں لیکن رسونتی یہاں سے جاچکی تھی۔

باس بورنیا جو دعویٰ کر رہا تھا اُسے کوئی تسلیم نہیں کرسکتا تھا لیکن شیطان پھر شیطان ہوتا ہے۔ میں نے اور شیبا نے باس بورنیا کے روبرو جس شیطان کو دھوئیں کی صورت میں دیکھا تھا اُس کمبخت کی پیشگوئی کسی نہ کسی طرح پوری ہونے لگی۔ اچانک ہی بازی پلٹ گئی جو ہم کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ وہ ہمارے سامنے پیش آنے لگا۔ اچانک میں نے دیکھا، جوزا کی طبیعت بگڑ گئی تھی۔ اس نے اپنے آپ کو سنبھالنے کیلئے دوسری طرف رُخ بدل لیا اپنے سینے پر ہاتھ رکھا۔ وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھی مگر سنبھال نہ سکی ایک دم سے دوزانو ہوگئی۔ پھر جھک گئی اور اُسے متلی ہونے لگی۔

پہلے تو لوگوں کی سمجھ میں نہیں آیا۔ وہ سوالیہ نظروں سے جوزا کو دیکھتے رہے پھر یک بیک بورنیا نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "دیکھو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھو۔ یہ اس کی بیوی رسونتی ہے اور یہ رسونتی اپنے شوہر کی موجودگی کا ثبوت پیش کر رہی ہے۔ یقین نہ ہو تو کسی بھی لیڈی ڈاکٹر کو بلاؤ۔"

لیڈی ڈاکٹر زیادہ دُور نہیں تھی۔ اسی ڈاکٹر ماریا کو بلایا گیا۔ اس نے چوراہے پر پہنچ کر دُور ہی سے جوزا کو یا دوسرے لفظوں میں ڈمی رسونتی کو دیکھتے ہوئے کہا "یہ تو ماں بننے والی ہے۔ میں پہلے ہی ڈاکٹر میکاکس کو بتاچکی ہوں۔"

میں چکرا کر رہ گیا تھا۔ رسونتی کو تو ہم نے غائب کر دیا تھا تا کہ پول نہ کھلے مگر یہ کمبخت جوزا، رسونتی کا رول ادا کرنے سے پہلے جانے کہاں سے گُل کھلا کر آئی تھی کہ اب دنیا کے سامنے گُل کھل رہا تھا۔ میرا پول کھل رہا تھا۔ میں انکار نہیں کرسکتا تھا کہ فرہاد نہیں ہوں۔ اگر انکار کرتا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ رسونتی سے ڈاکٹر میکاکس کے ناجائز تعلقات تھے لیکن تمام دشمن یہ ماننے کے لیے تیار نہ ہوتے کیونکہ ڈاکٹر میکاکس کے دماغ میں فرہاد آتا رہتا تھا۔ وہ کبھی ناجائز تعلقات کا موقع ہی نہ دیتا لہٰذا جو ڈاکٹر میکاکس نظر آرہا ہے وہی فرہاد علی تیمور ہے۔

میں پھنس گیا۔ بُری طرح پھنس گیا۔ اگرچہ وہاں میرے مددگار تھے مگر مٹھی بھر حمایتی تھے۔ دشمنوں کی تعداد زیادہ تھی اور دشمن ایک گروہ سے تعلق رکھنے والے نہیں تھے۔ وہاں ماسک مین کے آدمی تھے، وہاں ماسٹر کی کے جاں نثار تھے۔ وہاں صرف اس شہر میں نہیں بلکہ پورے ملک میں پُراسرار باس حکمراں تھا اور اس سے بچ نکلنا ممکن نہ تھا۔ پھر میں نے دیکھا ایک طرف سے قدآور ردی کلر گینڈے کی طرح پھونکتا ہوا میرے قریب تھوڑے سے فاصلے پر آکر کھڑا ہوگیا۔ پھر میں نے دوسری طرف گھوم کر دیکھا، قدآور سلیمان جوگو ہاتھی کی طرح جھومتا ہوا آرہا تھا۔

میں نے ہیلی کاپٹروں کی آواز سُنی۔ سر اٹھا کر دیکھا آسمان پر چار ہیلی کاپٹر پرواز کر رہے تھے اور پُراسرار شخص کا ایک آدمی میرے سامنے پہنچ کر کہہ رہا تھا "فرہاد علی تیمور، تم چاروں طرف سے نرغے میں ہو۔ تمھارے پاؤں تلے زمین سخت ہے۔ بھاگنا چاہو گے تو گہرا اور پُرخطر دریائے ایمیزن ہے۔ تمھیں بھاگنے کا رستہ نہیں ملے گا۔ اوپر دیکھو، ہمارے ہیلی کاپٹر پرواز کر رہے ہیں۔ فرار

کے تمام راستے مسدود ہو چکے ہیں۔ اگر تمھارے حمایتی یہاں موجود ہیں تو ان سے کہو کہ گولیاں چلائیں۔ اپنی حسرتیں پوری کریں یا پھر ہتھیار ڈال دیں۔"

وہ درست کہہ رہا تھا۔ ایک طویل مدت کے بعد میں سچ مچ دشمنوں کے نرغے میں آگیا تھا۔ آج تک دشمنوں نے جب بھی فرہاد کو گرفت میں لیا تو وہ ڈمی فرہاد ثابت ہوا لیکن اب وہ ڈمی ثابت نہیں ہو سکے گا۔

سلیمان جوگو نے کہا "فرہاد علی تیمور، مجھے افسوس ہے، میں تمھاری کوئی مدد نہیں کر سکوں گا۔ میں نے جس پارٹی سے سودا کیا ہے وہاں تک تمھیں زندہ لے جانے کی کوشش کروں گا۔ اگر ناکام ہونے کی نوبت آئی تو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

چاروں طرف مجمع لگا ہوا تھا۔ ایک عمارت کی کھڑکی سے ایک شخص نے چیختے ہوئے کہا "میں ماسٹر کی کا وفادار ہوں۔ میں نے وعدہ کیا تھا، فرہاد علی تیمور جب بھی نظر آئے گا اور جب بھی مجھے اس کی موجودگی کا ثبوت ملے گا، میں پہلی فرصت میں اُسے گولی مار دوں گا۔"

یہ کہتے ہی اُس نے تڑاتڑ گولیاں چلائیں۔ میں اُچھل کر ایک طرف گرا۔ مجھے ایک گولی لگی۔ میں لڑھکتا ہوا دوسری طرف گیا۔ دوسری طرف سے بھی کئی آوازیں آئیں "یہ ہمیشہ زندہ بچ کر نکل جاتا ہے یا بعد میں پتا چلتا ہے کہ ہم اس کی ڈمی سے دھوکا کھاتے رہے۔ آج یہ ڈمی ہو یا حقیقت، اسے یہیں ختم ہو جانا چاہیے پھر تڑاتڑ گولیاں چلنے کی آواز سنائی دی۔ میں اب کہیں جا نہیں سکتا تھا کسی کی پناہ نہیں لے سکتا تھا کیونکہ کھلے چوراہے پر تھا۔ پھر مجھے گولیاں لگیں۔ بس یوں لگ رہا تھا جیسے ہاتھوں میں، پاؤں میں اور جسم کے نہ جانے کتنے حصوں میں انگارے دہک رہے ہیں۔

اُدھر آپس میں گولیاں چل رہی تھیں۔ کچھ لوگ جو اس بات کے مخالف تھے کہ فرہاد کو مارنا نہیں چاہیے، وہ مجھے زندہ رکھنے کے لیے گولیاں چلانے والوں پر گولیاں چلا رہے تھے مگر میرا وقت پورا ہو چکا تھا۔ میں نے ایک ذرا سر اٹھا کر چاروں طرف دیکھا۔ ہر طرف دھند چھائی ہوئی تھی۔ لوگ مجھے صاف طور پر نظر نہیں آرہے تھے۔ میری آنکھوں کی روشنی ڈوب رہی تھی۔ میں سر سے پاؤں تک لہو میں ڈوبا ہوا تھا۔ پھر میں چکرا گیا۔ چکرا کر گرتے ہوئے لڑھکتے ہوئے جانے کہاں پہنچ کر تھم گیا۔ شاید وہ زندگی کا آخری سرا تھا۔ اس کے بعد میرے لڑھکنے یا ذرا بھی حرکت کرنے کی گنجائش نہیں رہی تھی۔ میری آنکھیں بند ہو گئیں۔ دماغ جو ٹیلی پیتھی کا سرچشمہ تھا، وہ تاریکیوں میں ڈوب گیا۔

اور تب پتا چلا کہ موت کیسے آتی ہے۔ شاید میں مر چکا تھا۔

جب ہمارے سامنے کوئی مرتا ہے تو ہم کہتے ہیں، ایک آدمی کے مرنے سے دنیا نہیں مرجاتی لیکن جب ہم مرتے ہیں تو ہمارے بعد دنیا مرجاتی ہے۔ آنکھ بند کرنے سے سامنے کا پہاڑ بھی اوجھل ہو جاتا ہے۔ اس لحاظ سے آنکھیں ہمیشہ کے لیے بند ہو جائیں تو اس دنیا کی کتاب بھی ہمیشہ کے لیے بند ہو جاتی ہے۔

یہ میرے لیے ایک نیا تجربہ تھا۔ میں دنیا کے لیے مر چکا تھا اور دنیا میرے لیے مر چکی تھی۔ آیئے، میری موت کے بعد دنیا میں کیا ہو رہا ہے، وہ مجھ سے سنیے۔

کہتے ہیں، جب میں گولیوں سے چھلنی ہو رہا تھا، اس وقت اچانک بادل گرجنے لگے تھے اور موسلا دھار بارش ہونے لگی تھی۔ میں ایسی دھواں دھار بارش میں گولیوں سے چھلنی ہو رہا تھا۔ حالانکہ کسی نے میرے جسم میں لگنے والی گولیوں کا حساب نہیں کیا ہوگا۔ ایک گولی لگی تھی یا کئی لیکن میں سر سے پاؤں تک لہو میں ڈوب رہا تھا۔ اس طرح میرے چھلنی ہونے کا اندازہ کیا گیا تھا۔

میں اپنے متعلق کچھ نہیں جانتا۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ وہ دیکھنے کے قابل تماشا تھا۔ سب کے سب میری طرف دوڑ پڑے تھے۔ کیا دوست، کیا دشمن۔ سب کے سب میرے پاس سب سے پہلے پہنچنا چاہتے تھے اور مجھے کاندھے پر لاد کر وہاں سے دوڑتے ہوئے اپنے گروہ میں پہنچ جانا چاہتے تھے۔

عجیب ہنگامہ آرائی تھی۔ جب مجھ پر اتنی گولیاں برسائی گئی تھیں۔ جب مجھے مار ڈالا گیا تھا تو پھر وہ میری لاش کو حاصل کرنا کیوں چاہتے تھے؟ دشمن تھے، میری لاش کو بے گور و کفن چھوڑ دیتے۔ یہی سزا دیتے کہ وہاں کے جنگلی جانور، کیڑے مکوڑے اور سانپ بچھو قبر میں پہنچنے سے پہلے مجھے اپنی خوراک بنالیتے۔

لیکن نہیں، میرے تمام دشمن دودھ کے جلے تھے، چھاچھ کو پھونک کر دیکھنا چاہتے تھے کہ یہ شخص مرا بھی ہے یا نہیں اور اگر زندہ ہے تو انھوں نے واقعی فرہاد کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا ہے یا فرہاد کے دھوکے میں، ہمیشہ کی طرح کسی ڈمی کا خانہ خراب کیا ہے۔

میں پہلے بتا چکا ہوں، اس ملک پر وہ پُراسرار شخص حکمران تھا۔ وہاں اس کے آدمیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ ان کے پاس اسلحے کی کمی نہیں تھی۔ پھر آبی، خشکی اور فضائی راستوں کی ناکہ بندی کر دی گئی تھی۔ ان کے ہیلی کاپٹر فضا میں پرواز کر رہے تھے۔ وارننگ دے رہے تھے کہ فرہاد کی لاش کو وہیں چھوڑ کر سب چلے جائیں۔ حکومت کی طرف سے یہ حکم جاری کیا گیا

ہے کہ ایک گھنٹے کے اندر تمام مقامی مسافر اور بیرونی ممالک سے آنے والے سیاح اس بستی کو خالی کر دیں۔ وہاں سے ان کی روانگی کے انتظامات کر دیے گئے ہیں۔ شہر کے ہر موڑ پر اور شہر سے باہر بے شمار گاڑیاں انھیں ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کے لیے موجود ہیں۔ اگر کسی نے حکم کی تعمیل نہیں کی اور وہ اس بستی میں پایا گیا تو اسے گولی مار دی جائے گی۔

باالفاظِ دیگر وہ اس بستی میں مارشل لا نافذ کر رہے تھے۔ پہلے تین یا چار ہیلی کاپٹر پرواز کر رہے تھے، اب ان کی تعداد اتنی زیادہ ہو گئی تھی جیسے شہر کی فضا میں مکھیاں اڑ رہی ہوں۔ ان ہیلی کاپٹروں سے فوج اتاری جا رہی تھی۔

شیخ الفارس صاحب کو وہاں کے متعلق پل پل کی خبر مل رہی تھی۔ انہوں نے کہا "پہلے شبہ تھا۔ اب فوج کے وہاں آنے سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ وہ پُراسرار شخص سپر ماسٹر ہے۔"

یہ بہت زیادہ حیرت انگیز انکشاف نہیں تھا۔ جو چال میں بارہا چلتا رہا تھا، وہی سپر ماسٹر بھی چل رہا تھا۔ یعنی میں نے بار بار فرہاد کی ڈمی پیش کی۔ اسی طرح وہ سپر ماسٹر جس کے دماغ میں میں پہنچ سکتا تھا، وہ بیشک اپنے فرائض انجام دے رہا تھا صرف میرے معاملے سے وہ دستبردار ہو گیا تھا۔ مجھ سے باقاعدہ نمٹنے کے لیے ایک الگ سپر ماسٹر کا عہدہ قائم کیا گیا ہوگا۔ وہ خود کو اس قدر راز میں رکھتا تھا کہ بظاہر کام کرنے والا سپر ماسٹر بھی اس کے متعلق کچھ نہیں جانتا ہوگا۔ اگر جانتا تو میں اس کے دماغ سے بہت پہلے ہی اس پُراسرار شخص کو ڈھونڈ نکالتا۔

میں دنیا کی خطرناک ترین تنظیموں سے ٹکراتا رہا تھا۔ یہ تنظیمیں ہر ملک میں اپنے مفاد کی خاطر ہنگامہ کرتی رہتی ہیں لیکن جہاں فوج آجائے وہاں وہ مصلحتاً پسپا ہو جاتی ہیں۔ ان تمام تنظیموں کے افراد وقتی طور پر روپوش ہو جاتے ہیں۔ میرے معاملے میں بھی یہی ہوا۔ جب ہیلی کاپٹر جا بجا مکھیوں کی طرح اڑنے لگے اور وارننگ دی جانے لگی تو ماسک مین، ماسٹر کی اور دوسرے انجانے دشمنوں نے اسی میں بہتری سمجھی کہ وہاں سے چلے جائیں۔ ایک گھنٹے بعد جو بھی نظر آتا، وہ گولیوں سے چھلنی کر دیا جاتا یا پھر ان کے متعلق تحقیقات ہوتی۔ پتا چل جاتا کہ وہ لوگ کس تنظیم سے تعلق رکھتے ہیں۔

بہرحال فوج کے آنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ میدان صاف ہو گیا۔ اس کے بعد میرے ساتھ کیا ہوا، یہ جناب شیخ الفارس کو معلوم نہیں ہو رہا تھا۔ ان کے بھی تمام افراد اس شہر سے چلے گئے تھے۔

صرف ڈمی رسونتی رہ گئی تھی۔ اس کے دماغ میں پہنچ کر شیبا میرے متعلق معلوم کر سکتی تھی۔ مشکل یہ تھی کہ وہ شہر خالی کرنے کے بعد سب کے سب سفر کر رہے تھے۔ کوئی بس میں تھا، کوئی اپنی گاڑی میں تھا۔ رسونتی بھی ایک کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ شیبا اس کے دماغ میں موجود تھی۔ جناب شیخ الفارس نے کہا "بیٹی، کسی طرح معلوم کرو، فرہاد کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ... گولیاں لگنے کے بعد وہ کس عالم میں ہے۔"

جب شیبا کو پتا چلا کہ مجھے گولیوں سے چھلنی کیا گیا ہے اور میرے متعلق تقریباً یقین کیا جانے لگا ہے کہ میں مر چکا ہوں تو وہ ایک دم سے تڑپ گئی۔ کہنے لگی "میں رسونتی کو چھوڑ کر جا رہی ہوں۔"

انھوں نے کہا "پہلے رسونتی کو ٹیلی پیتھی کی نیند سلاؤ تاکہ وہ چھپنا ظاہر نہ کرے۔ اس کے بعد فرہاد کی خبر لو۔"

اس نے ہدایت پر عمل کیا۔ رسونتی کو تھپک تھپک کر ٹیلی پیتھی کی نیند سلایا، اس کے بعد خیال خوانی کی پرواز کرتے ہوئے میرے دماغ میں پہنچ گئی۔

میرے دماغ میں پہنچنے کا مطلب یہ تھا کہ میں زندہ ہوں لیکن وہ پریشان تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں کیسے زندہ ہوں۔ میرے اندر زندگی کی جو ہلکی سی رمق پائی جا رہی تھی، وہ میری زندگی کا ثبوت تھی بھی یا نہیں؟

جناب شیخ الفارس صاحب نے پوچھا "کیا ہوا؟"

وہ گھبرا کر بولی "مجھے دماغ میں جگہ مل رہی ہے لیکن اس کی زندگی کا سراغ نہیں مل رہا ہے۔ اس کی سوچ ایسی ہے کہ پڑھی نہیں جاتی۔ بس اتنی گنجائش ہے کہ میری سوچ کو جگہ مل رہی ہے۔ جناب! وہ ڈوب رہا ہے۔ خدا کے لیے کسی طرح بچائیے۔"

"بیٹی! حوصلہ رکھو۔ کسی طرح اس کے دماغ میں رہ کر آس پاس کی آوازیں سنو۔ کسی کے لب و لہجے کو گرفت میں لے کر اس کے دماغ میں پہنچو۔ ان کے ذریعے معلوم ہوگا کہ فرہاد ابھی کہاں ہے یا اسے کہاں لے جایا جا رہا ہے؟"

وہ پھر میرے دماغ میں آئی۔ آہستہ آہستہ مجھے آوازیں دینے لگی "فرہاد! اٹھو فرہاد! دیکھو، میں شیبا ہوں۔ تمھارے پاس آئی ہوں۔ ایک بار صرف ہُوں کہہ دو۔ مجھے یقین ہو جائے گا کہ تم زندہ ہو اور ہمارے لیے زندہ رہو گے۔"

وہ بولتی رہی۔ میرے دماغ کے خلا میں اس کی سوچ گونجتی رہی۔ جواباً میری سوچ کا سراغ نہ مل سکا۔ اُسے ایسا لگ رہا تھا جیسے چراغ کی لَو بجھ گئی ہے۔ بس آخری چنگاری نما ہلکی

سی آگ رہ گئی ہے۔ اس کے بعد وہ آگ بھی بجھ جائے گی اور زندگی دھواں ہو جائے گی۔

وہ یک بیک دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ کر رونے لگی "نہیں نہیں، تم نہیں مر سکتے فرہاد، تم نہیں مر سکتے۔"

اس کے رونے کا انداز ایسا تھا کہ جناب شیخ الفارس بھی گم صم رہ گئے تھے۔ میرے متعلق باباصاحب کے ادارے میں خبر پھیل گئی تھی کہ میں دشمنوں کے نرغے میں آگیا ہوں اور مجھ پر گولیاں برسائی جا رہی ہیں۔ اس لیے وہاں کے معزز افراد، طلبا و طالبات اور مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے انجینئر ڈاکٹر وغیرہ سبھی شیبا کے پاس آکر جمع ہو گئے تھے۔ اس نے اچانک رونا شروع کیا تو سب سکتے میں رہ گئے۔ ان کے سر جھک گئے۔ ان کی سمجھ میں یہی آیا کہ میں دنیا سے اٹھ چکا ہوں۔

شیبا روتے روتے یک بیک تڑپ کر کھڑی ہو گئی۔ "میں جاؤں گی۔ میں فرہاد کے پاس جاؤں گی۔ خدا کے لیے مجھے وہاں پہنچا دو۔ اسے بچانے کی کوشش کرو۔ کسی طرح اسے بچانے کی کوشش کرو۔"

اس کی زبان سے یہ الفاظ نکلتے ہی سب نے اطمینان کی سانس لی۔ پھر وہاں کے بزرگ افراد اس سے کہنے لگے۔ "بیٹی، اگر تم نے حوصلہ ہار دیا تو پھر ہم فرہاد کے متعلق کچھ نہیں معلوم کر سکیں گے۔ تم ہی ایک ذریعہ رہ گئی ہو۔"

وہ روتے ہوئے بولی "میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے، میں کیا کروں؟"

اسے مشورہ دیا گیا "تم بار بار فرہاد کے دماغ میں جاؤ۔ ہمیں ہر لمحہ اس کی خیریت معلوم ہونا چاہیے۔"

دوسرے نے مشورہ دیا "تم اس کے دماغ میں رہو گی تو اس کے ذریعے کسی کی آواز سن سکو گی۔"

شیبا نے انکار میں سر ہلا کر کہا "میں بیان نہیں کر سکتی کہ اس کا دماغ کس حد تک کمزور ہو چکا ہے۔ بلکہ وہ دماغ نہ ہونے کے برابر ہے۔ وہ باہر کی آواز نہیں سن سکتا۔ سننا تو دور کی بات ہے۔ وہ نہ زندگی کی حرارت محسوس کر رہا ہے اور نہ ہی موت کی ٹھنڈک کا احساس ہے۔ وہ ہر احساس اور ہر جذبے سے عاری ہو چکا ہے۔ میں کیسے بتاؤں کہ میں اس کے دماغ میں جا کر کیا محسوس کر رہی ہوں۔ وہ میری ٹیلی پیتھی کے سامنے ہے مگر دنیا والوں کے لیے نہیں رہا۔"

جناب شیخ الفارس نے کہا "تمہاری باتوں سے پتا چلتا ہے کہ اسے فوری طبی امداد کی ضرورت ہے۔ بروقت اسے یہ امداد مل جائے تو وہ زندگی کی طرف لوٹ آئے گا۔"

شیبا نے جلدی سے ہاں ہاں کے انداز میں سر ہلا کر کہا۔ "میں یہی کہنا چاہتی تھی مگر مجھے الفاظ نہیں مل رہے تھے۔ میں الجھ گئی ہوں۔ میں آنکھ بند کرتی ہوں، آنکھ کھولتی ہوں تو میرے سامنے فرہاد ہی فرہاد نظر آرہا ہے۔ مجھے کچھ سجھائی نہیں دے رہا ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔"

جناب شیخ الفارس صاحب نے اپنے سر کو تھام کر کہا۔ "اوہ خدایا، زندگی میں پہلی بار میں صبر کا دامن چھوڑ کر بدحواسی میں مبتلا ہو گیا۔ سچ کہتے ہیں، جو ان حالات میں عقل سے کام نہیں لیتا، صرف جذبات میں گھر جاتا ہے، وہ کوئی کام کی بات نہیں سوچ سکتا۔"

سب انھیں سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ انھوں نے کہا "ہم فرہاد سے جذباتی طور پر اس حد تک وابستہ ہو گئے ہیں کہ عقل سے کام لینا بھول گئے۔ ہم نے ڈمی رسونتی کو بھلا دیا ہے۔ پلیز، شیبا فوراً اس ڈمی کے دماغ میں پہنچو۔ وہ یقیناً فرہاد کے پاس ہوگی۔ اس کے ذریعے ہمیں بہت کچھ معلوم ہو سکتا ہے۔"

وہ پلک جھپکتے ہی جوزا رولف عرف ڈمی رسونتی کے دماغ میں پہنچ گئی۔ پتا چلا، مجھے ایک اسٹریچر پر ڈال کر ہیلی کاپٹر کے ذریعے کہیں لے جایا جا رہا ہے۔ جوزا میرے سرہانے بیٹھی رو رہی تھی۔ ایک ننھی سی بچی کی طرح بار بار پوچھ رہی تھی "کیا ہو گیا میرے میکا کس کو؟ یہ بولتا کیوں نہیں ہے؟ اگر نہیں بولے گا تو میں روتی رہوں گی۔ میں کچھ نہیں کھاؤں گی۔ غصہ آئے گا تو جہاز سے چھلانگ لگا دوں گی۔"

وہ پھر رونے لگی تھی۔ شیبا نے جناب شیخ الفارس کو بتایا کہ جوزا کس طرح ابھی تک ننھی سی رسونتی بنی ہوئی ہے۔ کیا اسے اپنی اصلیت ظاہر نہیں کرنا چاہیے؟

انھوں نے کہا "اسے فی الحال بچی بن کر رہنے دو۔ وہ بہت چالاک عورت ہے۔ ہمارے آدمیوں نے سوچ سمجھ کر اسے ڈمی رسونتی بنایا ہے۔ وہ سمجھ رہی ہے کہ جب تک رسونتی بنی رہے گی، اس وقت تک ہمارے آدمی اصلی رسونتی کو بہت دور لے جا چکے ہوں گے۔ دوسرے دن اصل رسونتی جوزا رولف کے روپ میں طیارے میں سوار ہوگی اور وہاں سے لندن کے لیے پرواز کرے گی۔ اس کے بعد ڈمی رسونتی کو اپنی اصلیت ظاہر کرنا چاہیے۔"

یہ بات شیبا کی سمجھ میں آگئی کہ اگر جوزا نے ابھی اصلیت ظاہر کی تو اصل رسونتی کے لیے خطرہ ہے۔ وہ پھر ڈمی رسونتی کے دماغ میں پہنچی۔ پتا چلا، پچھلی سیٹ پر چارلس چارلٹن بیٹھا ہوا ہے۔ شیبا نے فوراً ہی اس کے دماغ میں چھلانگ لگائی۔ اس کے ذریعے دیکھا، اس وقت ایک ڈاکٹر فرہاد کا معائنہ کر رہا تھا۔ شیبا نے خود کو چارلی کے دماغ میں ظاہر نہیں کیا۔ چپ چاپ اس کی سوچ پڑھتی رہی۔ پتا چلا، فرہاد کو شہر میناؤس کے ایک بہت بڑے اسپتال میں پہنچایا جا رہا ہے۔

کچھ تفصیل معلومات حاصل کرنے کے بعد شیبا نے جناب شیخ الفارس سے کہا "فرہاد کو شہر میناؤس کے ملٹری اسپتال میں پہنچایا جا رہا ہے۔ اس کے پہنچنے سے پہلے ہی شہر میں جیسے مارشل لا نافذ کر دیا گیا ہے۔ ہر طرف فوج گشت کر رہی ہے۔ جس اسپتال میں اسے پہنچایا جانے والا ہے وہاں چاروں طرف سخت پہرہ ہے۔ اسپتال کے تمام عملے کو چھٹی دے دی گئی ہے۔ وہاں صرف قابل اعتماد چند نرسوں اور ڈاکٹروں کی تقرری کی گئی ہے۔"

انھوں نے کہا "شیبا، اسی طرح تجربات حاصل کیے جاتے ہیں۔ جوزا سے حاضر دماغی سیکھو۔ اگر وہ ذرا بھی بدحواس ہو جاتی اور خود کو ظاہر کر دیتی تو اسے فرہاد سے الگ کر دیا جاتا۔ ابھی دونوں کو میاں بیوی سمجھا جا رہا ہے۔ اس لیے ایک دوسرے کے قریب چھوڑ دیا گیا ہے۔ چونکہ فرہاد خیال خوانی کے قابل نہیں رہا اس لیے انھیں اندیشہ نہیں ہے کہ رسونتی کے دماغ میں کوئی آئے گا اور نئی چالیں چلے گا۔ اب دماغ میں آنے والی صرف ایک مادام کمپیوٹر رہ گئی ہے جو اُن کی دانست میں ان کی دوست ہے۔"

شیبا نے ان سے پوچھا "کیا مجھے مادام کمپیوٹر کا رول ادا کرنا چاہیے؟"

"یہی تو وقت ہے۔ میں ابھی جو ہدایات دے رہا ہوں، تم اسی کے مطابق چارلس سے رابطہ قائم کرو۔"

وہ تھوڑی دیر تک ان کی ہدایات سنتی رہی۔ پھر چارلس کے دماغ میں پہنچ کر بولی "ہیلو چارلی، میں مادام بول رہی ہوں۔"

وہ سنبھل کر سیدھا بیٹھ گیا۔ شیبا نے کہا "میں بہت دیر سے تمہارے دماغ میں چپ چاپ تھی۔ یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ ہنگاموں کے دوران تم نے کسی سے بات کی ہے یا نہیں۔ اب مطمئن ہوں، تم ایک گونگے کا رول بہت کامیابی سے ادا کر رہے ہو۔"

چارلس نے پوچھا "مادام، ہمارے پُراسرار باس کو بہت بڑی کامیابی نصیب ہوئی ہے۔ ایسے وقت تم اتنی دیر تک خاموش کیوں رہیں؟ کہاں بھٹکتی رہیں؟"

"میں تمہارے آس پاس ہی تھی۔ بہت سوچ سمجھ کر کسی کے دماغ میں جانا چاہتی ہوں۔ اتنی دیر تک کبھی رسونتی کے دماغ میں پہنچ رہی تھی اور کبھی فرہاد کے دماغ میں۔ جس کے متعلق ابھی یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کون ہے؟"

چارلی نے کہا "اب تمہیں کس بات کا خطرہ ہے۔ فرہاد اس قابل نہیں ہے کہ خیال خوانی کر سکے اور تمہارے دماغ کو اپنی گرفت میں لے سکے۔"

"مسٹر چارلی، میں نے فرہاد کی ہسٹری شیٹ پڑھی ہے۔ تم اپنے باس سے پوچھ کر دیکھو۔ اگر اسے فرہاد سمجھ لیا گیا ہے تو کیا تمہارا باس اس کے سامنے آسکتا ہے۔ اسے اپنی آواز سنا سکتا ہے؟"

"وہ کبھی سامنے نہیں آئے گا۔"

"اسی طرح میں بھی محتاط رہنا چاہتی ہوں۔"

"لیکن فرہاد کے کمزور دماغ میں پہنچ کر تم بہت کچھ معلوم کر سکتی ہو۔"

"میں کوشش کر چکی ہوں۔ اس کا دماغ اس قدر کمزور ہو چکا ہے کہ ہلکی سی سوچ بھی اس کے ذہن سے نہیں ابھر رہی ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے اب تب میں اس کی زندگی کا دیا بجھنے والا ہے۔ تم اپنے آدمیوں سے کہو جلد از جلد اسے اسپتال پہنچائیں۔ اسے اس حد تک زندگی کی طرف واپس لاؤ کہ میں اس کے دماغ کو ٹٹول سکوں، اس کی اصلیت معلوم کر سکوں۔ تمہارا پُراسرار باس صرف میرے ذریعے اس کے فرہاد ہونے یا نہ ہونے کی تصدیق کر سکتا ہے۔"

جو کچھ شیبا کہہ رہی تھی، چارلس اسے ایک کاغذ پر لکھتا جا رہا تھا۔ پھر اس نے وہ کاغذ اپنے پاس بیٹھے ہوئے ایک فوجی افسر کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے اسے پڑھا۔ پھر ٹرانسمیٹر کے ذریعے رابطہ قائم کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اسے جواب موصول ہوا "تمہاری آواز سنی جا رہی ہے۔ رپورٹ دو۔"

فوجی افسر نے کاغذ پر لکھی ہوئی تحریر کو پڑھنا شروع کیا۔ جو کچھ شیبا نے چارلس سے کہا تھا، وہی باتیں پُراسرار باس تک پہنچائی جا رہی تھیں۔ دوسری طرف سے جو جواب دے رہا تھا، وہ باس نہیں کوئی ماتحت تھا۔ ایسا ماتحت جس کے ذریعے شیبا باس تک نہیں پہنچ سکتی تھی کیونکہ ہم ایسے بے شمار ماتحتوں کو آزما چکے ہیں۔ اب شیبا کی باری تھی کہ وہ میری جگہ رہ کر کام کرے۔ دیکھنا یہ تھا کہ وہ جناب شیخ الفارس کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے مجھے دشمنوں کے نرغے سے نکال لانے میں کامیاب ہو سکے گی یا نہیں؟

مجھے اسپتال پہنچا دیا گیا۔ اس دوران شیبا، چارلی کے ذریعے دوسرے فوجی افسران کے دماغوں میں بھی پہنچ رہی تھی۔ ان کے

ذریعے پتا چلا کہ چاروں طرف سے برسائی جانے والی گولیاں مجھے لگی ضرور ہیں لیکن ایک گولی بھی جسم میں پیوست نہیں ہوئی۔ ان میں سے ایک گولی میرے بازو کے گوشت میں سوراخ کرتی ہوئی گزر گئی تھی۔ اسی طرح دوسری گولی میری پنڈلی کو زخمی کر کے گزری تھی۔ تیسری گولی نے میری دائیں پسلی کی کھال ادھیڑ دی تھی۔ چوتھی گولی میرے دائیں کان کے نیچے لگی تھی اور گردن کو چھید کر گزر گئی تھی۔ اسی چوتھی گولی نے میرے دماغ کو بہت زیادہ متاثر کیا تھا اور میں ہوش سے بیگانہ ہو گیا۔ دماغی کمزوری کے باعث شیبا کو میری سوچ کی لہریں نہیں مل رہی تھیں۔

مجھے اس اسپتال میں پہنچانے کے آدھے گھنٹے بعد ڈاکٹروں نے رپورٹ دی کہ میں خطرے سے باہر ہوں، شاید ایک آدھ گھنٹے بعد ہوش میں آجاؤں گا۔

چارلی اور دوسرے افسران کے ذریعے معلوم ہوا کہ اس میڈیکل رپورٹ کو سننے کے بعد وہاں سنسنی سی پھیل گئی ہے۔ ایک آدھ گھنٹے بعد فرہاد کے ہوش میں آنے کا مطلب یہ تھا کہ وہ ذہنی طور پر مضبوط بھی ہو سکتا تھا اور ہوش میں آنے کے بعد خیال خوانی بھی کر سکتا تھا۔ لہٰذا پہلے سے احتیاطی تدابیر کی جا رہی تھیں۔

چارلی نے شیبا سے کہا "میں نے آپ کا پیغام اپنے پُراسرار باس تک پہنچا دیا تھا۔ اس کے جواب میں ہدایت دی گئی ہے۔ میڈیکل رپورٹ کے مطابق فرہاد ایک آدھ گھنٹے بعد ہوش میں آئے گا۔ باس نے آپ سے درخواست کی ہے کہ آپ ہر لمحے فرہاد کے دماغ میں چپ چاپ موجود رہیں۔"

"میں یہ خطرہ مول لینا نہیں چاہتی۔ فرہاد ہوش میں آئے گا تو اس کی دماغی حالت کیا ہوگی، یہ ہم میں سے کوئی نہیں جانتا۔ اگر اس نے مجھے دماغ میں محسوس کر لیا تو میں اس کی گرفت میں آجاؤں گی۔"

"ہم نے متبادل راستہ سوچ لیا ہے۔ اب رسونتی فرہاد کے پاس رہا کرے گی۔ تم اس کے ذریعے فرہاد کے متعلق اطلاعات فراہم کر سکتی ہو۔"

"میں یہی کروں گی اور جب دیکھوں گی کہ فرہاد دماغی طور پر کمزور ہے اور میری سوچ کی لہروں کو محسوس نہیں کر سکے گا تو چپ چاپ اس کے دماغ میں بھی پہنچا کروں گی۔"

جناب شیخ الفارس نے کہا "شیبا! اب ہمیں یہ اطمینان ہو چکا ہے کہ فرہاد زندگی کی طرف لوٹ آیا ہے۔ اس کا باقاعدہ علاج ہوگا تو حالت اور سنبھل جائے گی۔ اسے وہاں سے نکال لانے کے لیے ہمیں جال پھیلانا چاہیے۔ لہٰذا پہلا جال پھینکو۔"

شیبا نے ان کی ہدایت کے مطابق پہلا جال بلیک شیڈو پر پھینکا۔ جب اس نے فرہاد کے لب و لہجے میں اسے مخاطب کیا تو وہ ایک دم سے چونک گیا۔ شدید حیرانی سے بولا "فر، فر، فرہاد صاحب، آپ زندہ ہیں۔"

"تم مجھے مردہ کیوں سمجھ رہے ہو؟"

"جناب! میرا خیال ہے، یہ خبر دنیا کے گوشے گوشے تک پھیل چکی ہوگی کہ آپ مر چکے ہیں۔"

"میرے دانا دوست! یہ پہلی بار ایسا نہیں ہو رہا ہے۔ میں اس سے پہلے بھی دنیا والوں کے سامنے کئی بار مر چکا ہوں اور کئی بار زندہ ہو چکا ہوں۔ اس بار یہ اعزاز تمھیں حاصل ہو رہا ہے کہ اپنی موت کے بعد صرف تمھارے دماغ میں زندہ ہو رہا ہوں۔ خبردار، کسی کو پتا نہ چلے کہ میں تمھارے پاس آتا ہوں۔"

اس نے دونوں ہاتھوں سے کانوں کو پکڑ کر کہا "میری کیا مجال ہے۔ میری زبان کسی کے سامنے نہیں کھلے گی۔"

"اب اصل مقصد کی طرف آؤ۔ کیا تم نے مجھے مردہ سمجھ کر، وہ وعدہ فراموش کر دیا ہے؟"

"نہیں جناب، مجھے یاد ہے۔ میں موقع کی تلاش میں ہوں۔ میں نے سوچ لیا ہے کہ مائیک اور اسپیکر کے درمیان کیسی خرابی پیدا کرنا ہے اور میں ایسا ضرور کروں گا لیکن آپ بھی اپنا وعدہ..."

اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ شیبا نے بات کو مکمل کرتے ہوئے کہا "پورا کروں گا۔ جو کہتا ہوں، وہ ضرور کرتا ہوں۔ تمھیں یہاں سے صحیح سلامت نکال کر لے جاؤں گا۔"

"مجھے یقین ہے فرہاد صاحب، خدا کی قسم، آپ ناقابلِ تسخیر ہیں۔ اس پُراسرار شخص نے کیسے کیسے جال پھیلائے اور لوگوں نے آپ کو ہر طرح سے ٹریپ کرنے کی انتہا کر دی لیکن آج بھی آپ اسی طرح آزاد ہیں۔ مجھے اور زیادہ یقین ہو گیا ہے کہ آپ کے ذریعے مجھے بھی آزادی نصیب ہوگی۔"

"زیادہ باتیں کرنے میں وقت ضائع نہ کرو۔ کام کی باتیں سوچا کرو۔ جو تدبیر تم نے سوچ لی ہے، اس پر مزید غور کرو۔ سوچو کہ اور کتنی کامیابی سے اس میں خرابی پیدا کرو گے۔ دشمن کو ایک ذرا بھی شبہ نہیں ہونا چاہیے۔ میں جا رہا ہوں۔ ہر آدھے گھنٹے بعد تمھارے پاس آتا رہوں گا۔"

شیبا نے دماغی طور پر حاضر ہو کر جناب شیخ الفارس کو بلیک شیڈو سے ہونے والی گفتگو کے متعلق بتایا۔ انھوں نے اسے شاباشی دی، حوصلہ بڑھایا۔ پھر کہا "رسونتی کی خبر لو۔ اس کی نیند کی طرف سے مطمئن ہو کر دوسرا جال سلیمان جوگو پر پھینکو۔"

رسونتی گہری نیند میں تھی۔ اسے ہمارے آدمیوں کے ساتھ طہران تا سومیم تک سفر کرنا تھا اور وہ خیال خوانی کے ذریعے مقرر کیے ہوئے وقت پر ہی بیدار ہو سکتی تھی۔ لہٰذا شیبا سلیمان جوگو کے پاس پہنچ گئی۔

وہ ابھی تک زخموں سے چُور تھا اگرچہ بہت اچھی طرح علاج کیا جا رہا تھا لیکن توانائی حاصل ہونے کے باوجود اس قدر دماغ مضبوط نہیں تھا کہ سانس روکنے کی مشق جاری رکھتا۔ البتہ اس نے سوچ کی لہروں کو محسوس کر لیا تھا۔

اس نے شدید حیرانی سے پوچھا "جناب فرہاد صاحب، یہ آپ ہیں؟"

شیبا نے ہنسنا شروع کیا۔ بڑی سُریلی ہنسی تھی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر سوچنے لگا "یہ تو کسی عورت کی ہنسی ہے، یہ کون ہو سکتی ہے؟" اس نے پوچھا "کون ہو؟ تم کون ہو؟ کیا مادام کمپیوٹر؟"

شیبا نے ہنستے ہنستے کہا "ہاں، دنیا میں دو ہی باتیں ہوتی ہیں۔ دن ہوتا ہے یا رات۔ دن تو اب نہیں رہا، رات آئی ہے۔"

"تعجب ہے، تم پہلے بھی آسکتی تھیں۔ آج میں کیسے یاد آگیا؟"

"فرہاد ٹیلی پیتھی کے معاملے میں مجھ سے برتر ہے۔ میں اس کے دماغ میں جانا چاہوں تو وہ سانس روک لیتا ہے لیکن میں ایسا نہیں کر سکتی۔ وہ کسی وقت بھی میرے دماغ میں پہنچ کر مجھے ٹریپ کر سکتا ہے۔ اس لیے میں کبھی اپنی سوچ کا لہجہ اسے نہیں سناتی۔ ایسے دماغ میں نہیں جاتی جہاں وہ پہلے سے موجود ہو۔"

"یعنی تمھیں یقین ہو گیا ہے کہ وہ میرے دماغ میں بھی نہیں آئے گا۔"

"ہاں، مجھے یقین ہے۔"

"کیا وہ مر چکا ہے؟"

"پہلے میں نے بھی یہی سمجھا تھا۔ چپ چاپ اس کے دماغ میں جا کر دیکھتی رہی تھی۔ وہ اس قابل نہیں رہا تھا کہ سانس روک سکتا یا میری سوچ کی لہروں کو محسوس کر سکتا۔ وہ اپنے وجود کو بھی محسوس کرنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ اب اسے ایک اسپتال میں پہنچایا گیا ہے۔ اسے ضروری طبی امداد پہنچائی جا رہی ہے۔ وہ رفتہ رفتہ زندگی کی طرف واپس آ رہا ہے۔"

"وہ کسی وقت بھی میرے دماغ میں آسکتا ہے۔"

"اسے دماغی توانائی حاصل کرنے میں ہفتے لگ جائیں گے۔ مجھے اطمینان ہے، اسی لیے تمھارے پاس آئی ہوں۔"

"تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟"

"وہی جو دوسری تنظیموں کے سربراہ چاہتے ہیں۔"

"میں اپنی مرضی اور پسند کے مطابق کسی کا کام کرتا ہوں۔"

"اور میں اپنی مرضی اور پسند کے مطابق کسی سے بھی اپنا کام نکال لیتی ہوں۔"

"تم مجھے چیلنج کر رہی ہو۔"

"میں زیادہ باتیں کرنا نہیں چاہتی۔ ہاں یا نہ کا جواب دو۔ میرے کام نہیں آؤ گے تو ابھی کسی کے دماغ میں پہنچوں گی اور وہ شخص راستہ چلتے تمھیں گولی مار دے گا۔"

"مجھے مارنا آسان نہیں ہے۔ میں ہمیشہ بلٹ پروف لباس میں رہتا ہوں اور محتاط اتنا ہوں کہ نیند کی حالت میں بھی دماغ جاگتا رہتا ہے۔ پھر میرے اپنے آدمی چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں۔"

"ہزار پہروں کے باوجود ٹیلی پیتھی کی گولی کہیں سے بھی آسکتی ہے۔ میں چاہوں تو ابھی تمھیں ننگی کا ناچ نچا سکتی ہوں۔ تم کتنی دیر تک سانس روک سکو گے۔ زخموں سے چُور ہو۔"

"تو پھر نچاؤ۔ انتظار کس بات کا ہے؟"

"ایک مجبوری ہے۔ میں چاہتی ہوں، میرے اور تمھارے دماغی رابطے کا کسی کو پتا نہ چلے۔ اگر میں تمھیں پریشان کروں گی یا بہت زیادہ سزا دینے کے لیے دماغی طور پر ناکارہ بنا دوں گی تو یہ بھید کھل جائے گا کہ مادام کمپیوٹر جس نے اس پُراسرار شخص سے معاہدہ کیا ہے، سلیمان جوگو کے پاس بھی آتی ہے۔"

"یعنی تم یہ چاہتی ہو کہ ہمارے دماغی رابطے کا علم ہماری تنظیم کے افراد کو بھی نہیں ہونا چاہیے۔"

"صرف افراد کو نہیں، اس تنظیم کے سربراہ ماسٹر کی کو بھی معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ میں نے تمھیں اپنی ضرورت کے مطابق آلۂ کار بنایا ہوا ہے۔"

وہ جھنجلا کر بولا "میری توہین نہ کرو۔ میں آلۂ کار نہیں ہوں۔ میں اپنی مرضی سے سودا کرتا ہوں۔ کام کرتا ہوں اور کھرا معاوضہ لیتا ہوں۔"

"سلیمان جوگو! جو شخص مختلف تنظیموں سے رابطہ رکھتا ہو اور ہر تنظیم کو اپنی خدمات کا یقین دلاتا ہو، دوست کا بھی کام کرتا ہو، دشمن کا بھی کام کرتا ہو تو جانتے ہو ایسے شخص کو کیا کہتے ہیں؟"

"کیا کہتے ہیں؟"

"دلال، لہٰذا دلال کو آلۂ کار بننے پر بُرا نہیں ماننا چاہیے۔"

وہ غصے سے پھٹ پڑا۔ چیخ کر کچھ کہنا چاہتا تھا۔ شیبا نے اسے منہ سے آواز نکالنے کا موقع نہیں دیا۔ اس نے دو چار بار کچھ کہنے کی کوشش کی۔ پھر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ادھر سے اُدھر مٹھی بھینچ کر ٹہلنے لگا۔ دیوار پر گھونسے مارنے لگا۔ وہ بولی۔ "ابھی کمرے میں اکیلے ہو۔ کوئی آجائے گا تو یہ حرکتیں دیکھ کر تمھیں پاگل سمجھے گا۔"

"میں تمھارا خون پی جاؤں گا۔"

"جو نظر نہ آئے اس کا خون کیسے پیو گے؟ چلو اپنی جیب سے ریوالور نکالو۔"

"میں تمھارے حکم پر تھوکتا ہوں۔"

لیکن وہ تھوک نہ سکا۔ بے اختیار اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر ریوالور کو نکال لیا۔ پھر اس کی نال اپنی کنپٹی سے لگالی۔ اس کے بعد شیبا نے دماغ کو آزاد چھوڑتے ہوئے کہا "دیکھو دیکھو، میرے حکم پر تھوکنے والے تھے لیکن تم نے میرے حکم کی تعمیل کی۔ ریوالور نکالا اور اسے کنپٹی سے لگا لیا۔"

اس نے فوراً ہی ریوالور کو ہٹا دیا۔ شیبا نے کہا "اس سے کیا ہوتا ہے۔ میں پھر اسے تمھاری کنپٹی سے لگاؤں گی اور تمھاری انگلی ٹرائیگر پر دبا دوں گی۔"

وہ سوچ اور فکر میں مبتلا ہو گیا۔ بے بسی سے خلا میں تکنے لگا۔ وہ بولی "آرام سے کرسی پر بیٹھ جاؤ۔ ریوالور رکھ لو۔ میں تمھیں جانی نقصان نہیں پہنچانا چاہتی۔"

اس نے بے بسی سے جھنجلا کر پوچھا "تم مجھے مارتی کیوں نہیں ہو؟ مار ڈالو۔ میں ایسی بے بسی کی زندگی گزارنے والوں میں سے نہیں ہوں۔"

"دوست بن جاؤ تو بے بس نہیں کہلاؤ گے۔"

وہ شکست خوردہ انداز میں کرسی پر بیٹھ گیا پھر بولا۔ "تم دوست کیوں بننا چاہتی ہو اور مجھ سے کیا کام لینا چاہتی ہو؟"

"میں کہہ چکی ہوں، دوسری تنظیموں کے سربراہ جو خدمات لیتے ہیں، ایسی ہی ایک خدمت میرے لیے بھی انجام دو۔"

وہ جھنجلا کر بولا "اتنی تمہید پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کام کی بات کرو۔"

"میں چاہتی ہوں، تم کرسی سے اٹھ کر آرام سے بستر پر لیٹ جاؤ۔"

اس نے غصے سے پوچھا "یہ کوئی کام ہے؟"

"یہ چھوٹا موٹا کام نہیں کرو گے تو بڑی خدمات کس طرح انجام دو گے؟"

"مجھے جھنجلاہٹ میں مبتلا نہ کرو۔"

"تم میرا وقت ضائع نہ کرو۔ جو کہہ رہی ہوں، اس پر عمل کرو۔ ورنہ جس طرح ریوالور نکل کر تمھاری کنپٹی تک پہنچا تھا اس طرح تم خود بستر پر پہنچ جاؤ گے۔"

وہ ایک جھٹکے سے اٹھا۔ پاؤں پٹختا ہوا بستر کے پاس گیا۔ وہاں دھڑام سے گر پڑا۔ چاروں شانے چت ہو کر بولا۔ "اب بتاؤ، کیا چاہتی ہو؟"

"اپنے جسم کو ڈھیلا چھوڑ دو۔ اپنے ہاتھ پاؤں کو پھیلا کر چاروں شانے چت لیٹے رہو اور آنکھیں بند کر لو۔"

وہ غرا کر بولا "کیا تم مجھ پر ہپناٹزم کرنا چاہتی ہو؟"

"سوال نہ کرو۔ جو کہتی ہوں اس پر عمل کرتے جاؤ۔ کیا مجھے بار بار یہ جتانا ہوگا کہ میں تمھیں تمھاری مرضی کے خلاف بھی استعمال کر سکتی ہوں۔"

"آج میں زخموں سے چُور ہوں۔ سانس نہیں روک سکتا اس لیے میری بے بسی سے فائدہ اٹھا رہی ہو۔"

"یہ مت بھولو کہ تمھارے زخموں پر جو دوا لگائی جاتی ہے اور جو دوائیں تمھیں کھلائی جاتی ہیں، میں ان میں ایسی تبدیلیاں کر سکتی ہوں کہ تمھارے زخم کبھی نہیں بھریں گے۔ تم کبھی دماغی طور پر توانائی حاصل نہیں کر سکو گے اور نہ ہی میرے آنے کا راستہ روک سکو گے۔ یقین نہ ہو تو میں اس کا ثبوت پیش کر کے دکھاؤں۔ چلو، اٹھ جاؤ۔ معمول بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں دو چار روز میں ثابت کر دوں گی کہ تم پر کوئی دوا اثر نہیں کر رہی ہے۔"

وہ سمجھ رہا تھا کہ ٹیلی پیتھی کے ذریعے دواؤں میں تبدیلیاں کی جا سکتی ہیں۔ اس نے ہار مانتے ہوئے کہا "اچھی بات ہے۔ میں آنکھیں بند کر رہا ہوں۔ خدا کے لیے اتنا بتا دو، تم کرنا کیا چاہتی ہو؟"

"میں تمھیں نقصان نہیں پہنچاؤں گی۔ جانتے ہو، کیوں؟"

"کیوں؟"

"اس لیے کہ تم نے اسلام قبول کیا ہے۔ میں بھی مسلمان ہوں۔ میں چاہتی ہوں، تمھاری طبعی عمر جتنی بھی ہے، تم اسے مسلمانوں کی طرح گزارو۔"

"تعجب ہے۔ تم اور فرہاد مسلمان ہو اور آپس میں ایک دوسرے کے دشمن۔"

اس نے کہا "مسلمانوں میں یوں تو بہت ساری خوبیاں ہیں لیکن یہ سب سے بڑی خوبی ہے کہ وہ آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں اور کبھی متحد نہیں ہوتے۔ خواہ وہ فرہاد اور مادام کیوریٹر ہو یا اسلامی ممالک ہوں۔ بہرحال میری کوشش ہوگی کہ تم زندہ رہو، مسلمان رہو اور میرے لیے کام کرتے رہو۔ اب سوال کرنا بھول جاؤ اور آنکھیں بند کر کے دماغ کو میرے حوالے کرو۔"

یہ کہہ کر وہ تنویمی عمل کرنے لگی۔ وہ بہت ضدی تھا۔ دماغی طور پر کمزور ہونے کے باوجود جو لوگ ضدی ہوتے ہیں، وہ بڑی مشکل سے معمول بنتے ہیں۔ شیبا کو بڑے پاپڑ بیلنے پڑے مگر اس نے ٹرانس میں لے لیا۔ اپنا معمول بنانے کے بعد اسے حکم دیا "اب تم اپنے دل کے راز بتاؤ گے۔"

"میرے دل میں جو راز ہے، میں بتاؤں گا۔"

"تم نے کتنی تنظیموں کے سربراہوں سے معاہدے کر رکھے ہیں؟"

"میرا خاص معاہدہ ماسٹر کی سے ہے۔"

"تم دونوں کے درمیان جو سودے بازی ہوئی ہے، اسے ذرا تفصیل سے بیان کرو۔"

"ماسٹر کی کسی طرح بھی فرہاد تک پہنچنا چاہتا ہے۔"

"ماسٹر کی کا دعویٰ ہے کہ فرہاد کبھی اس کے دماغ میں نہیں پہنچ سکتا۔ وہ اپنی آواز میں بھی سناتا ہے پھر اسے فرہاد تک پہنچنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"وہ نہیں چاہتا کہ فرہاد روپوش رہے اور اس کا کوئی پتا ٹھکانا نہ ملے۔"

"وہ ایسا کیوں چاہتا ہے؟"

"وہ لاپتا رہتا ہے تو یوں لگتا ہے جیسے وہ ٹیلی پیتھی جاننے والا اندھیرے کے تیر کی طرح کہیں سے آئے گا اور اس کے سینے میں پیوست ہو جائے گا۔ فرہاد براہِ راست نہ سہی، کسی کو ذریعہ بنا کر ماسٹر کی تک چپ چاپ پہنچ سکتا ہے اور یہی وہ نہیں چاہتا۔"

"اس نے فرہاد تک پہنچنے کے لیے کیسے کیسے ذرائع اختیار کیے ہیں؟"

"وہ مجھ جیسے لوگوں کو آلۂ کار بنا رہا ہے۔ میری طرح پتا نہیں کتنے ذہین، تجربہ کار اور خطرناک قسم کے فائٹر فرہاد کی تلاش میں ہیں۔ وہ رسونتی، سونیا اور اعلیٰ بی بی کو حاصل کر کے اس کی کمزوری اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتا ہے۔"

"اب تو وہ پُراسرار شخص کے شکنجے میں چلا گیا ہے۔ کیا ماسٹر کی نے کوئی نیا حکم جاری کیا ہے۔ جس کی رُو سے تم لوگوں کا رخ اس پُراسرار شخص کی طرف ہو جائے؟"

"یہ ماسٹر کی سے تعلق رکھنے والے خاص افراد جانتے ہوں گے۔ میں ایک سوداگر ہوں۔ سب سے الگ سودا کرتا ہوں۔ اپنا کام اپنے طور پر کرتا ہوں۔ کبھی ضرورت پڑتی ہے تو ماسٹر کی کے آدمی میرے کام آتے ہیں۔ ورنہ ان سے دور ہی رہتا ہوں۔ مجھے اس کے کسی نئے حکم کا علم نہیں ہے۔"

"تمہارا ماسٹر یہ نہیں چاہتا تھا کہ فرہاد لاپتا رہے۔ اب اس کا پتا چل گیا ہے۔ یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ وہ کس کی قید میں ہے۔ اس لحاظ سے سونیا اور اعلیٰ بی بی اتنی اہم نہیں رہیں۔ اب تو تمام دشمن، فرہاد کو اس قید سے نکال لانے اور اپنے اپنے طور پر اسے حاصل کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہو جائیں گے۔"

اس نے جواب دیا "فرہاد کے قید ہو جانے سے سونیا کی اہمیت کم نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح اعلیٰ بی بی کسی سے کم نہیں ہے۔ دنیا کی تمام خطرناک تنظیموں کے سربراہ ان دو عورتوں کو ہر قیمت پر حاصل کرنا چاہتے ہیں۔"

"ماسٹر کی نے یہ کیسے سراغ لگایا کہ رسونتی ہار ربے میں پائی جا سکتی ہے؟"

اس نے جواب دیا "ماسٹر کی کے آدمی ان تمام افراد کی نگرانی کرتے تھے جو جاپانی ڈاکٹر کے پُراسرار آپریشن میں شریک ہوئے تھے یا ان ڈاکٹروں کے ساتھ وفد کی صورت میں جاپان گئے تھے۔ پھر الاسکا میں دی کلر کی نگرانی کے لیے جو لوگ مقرر کیے گئے تھے ان میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی۔ اس طرح ہمارے آدمی رومانٹک بے بی تک پہنچ گئے۔ اس کا پیچھا کرتے ہوئے ہار ربے آئے۔ وہاں رسونتی نظر آ گئی۔ پتا چلا، خواہ مخواہ اتنے عرصے تک تلاش کیا گیا۔ پُراسرار شخص خود ہی چاہتا تھا کہ رسونتی دشمنوں کی نظروں میں آ جائے۔ خصوصاً فرہاد کو دکھانے اور ٹریپ کرنے کے لیے رسونتی کو ہار ربے میں آزاد چھوڑ دیا گیا تھا۔"

"سونیا اور اعلیٰ بی بی کا سراغ کس طرح لگایا جا رہا ہے؟"

"میں نہیں جانتا لیکن سونیا کا سراغ ملنے ہی والا ہے۔"

یہ بڑی اہم اور چونکا دینے والی بات تھی۔ شیبا نے سوال کیا "وضاحت کرو۔ کس طرح سراغ ملنے والا ہے؟"

"سونیا کی فطرت کو مدِنظر رکھتے ہوئے ماسٹر کی کے دماغ میں یہ بات آئی کہ یہ وہی عورت ہے جو انسانوں کی بُو سونگھ کر ان کا تعاقب کرتی تھی اور ان کی شہ رگ تک پہنچ جاتی تھی۔ اگرچہ سونیا کے پاس اب وہ سونگھنے کی حس نہیں رہی لیکن شکاری کتّوں کے پاس تو موجود ہے۔"

"کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ سونیا کی تلاش میں شکاری کتّے چھوڑے گئے ہیں؟"

"مجھے یہی بتایا گیا ہے۔"

"کسی بھی شکار تک پہنچنے کے لیے پہلے اس کے جسم کی بُو شکاری کتّوں کو سنگھائی جاتی ہے۔ سونیا کی بُو کس طرح کتّوں تک پہنچائی گئی ہو گی؟"

"جو طیارہ جنگل میں تباہ ہوا تھا، اس میں سونیا، اعلیٰ بی بی اور سجاد تھے۔ دشمنوں نے ان تینوں کو بڑے ہی پُراسرار طریقے سے دوسری جگہ منتقل کر دیا تھا لیکن شکستہ جہاز میں کچھ ایسی چیزیں رہ گئی تھیں جن پر پُراسرار شخص کے آدمیوں نے توجہ نہیں دی یا پھر انھیں اہمیت نہیں دی۔ ہمارے آدمی وہاں سے وہ سارا ٹوٹا پھوٹا سامان لے آئے۔ ان میں ایک اٹیچی تھی جس میں سونیا کا استعمال شدہ لباس تھا۔ معلوم ہوتا تھا اس نے طیارے میں سفر کے دوران لباس تبدیل کیا تھا اور وہ لباس اتار کر ایک اٹیچی میں رکھ دیا تھا۔ بہرحال اس لباس کو شکاری کتّوں کے سامنے ڈال دیا گیا تھا۔"

"آخر کتنے کتّے ہوں گے جو اسے تلاش کریں گے اور کہاں تلاش کریں گے۔ یہ کیسے معلوم ہو گا کہ سونیا کس ملک میں ہے، کس شہر میں ہے؟"

"جب تک سونیا، رسونتی اور اعلیٰ بی بی کے متعلق یقین نہیں ہوا تھا کہ وہ کس ملک میں لے جائے گئے ہیں، اس وقت تک ماسٹر کی صبر سے بیٹھا رہا۔ جب پتا چلا کہ یہ تینوں عورتیں الاسکا میں ہو سکتی ہیں اور پھر ہار ربے میں رسونتی پائی گئی تو تصدیق ہو گئی کہ باقی دو عورتیں بھی اسی ملک میں ہو سکتی ہیں۔ لہٰذا اس ملک کے ہر اسٹیٹ میں، ہر اسٹیٹ کے ہر شہر میں دو دو، چار چار شکاری کتّے رکھے گئے ہیں۔ وہ کتّے جلد ہی سونیا تک پہنچ جائیں گے یا شاید پہنچ چکے ہوں گے۔ ماسٹر کی ان کے تعاقب میں بھی ہو گا، اس کا علم مجھے نہیں ہے۔"

سلیمان جوگو سے جو معلومات حاصل ہو رہی تھیں، ان سے پتا چلتا تھا کہ ماسٹر کی ذہین اور حاضر دماغ ہے۔ یوں تو شکاری کتّوں کے ذریعے اپنے شکار تک پہنچنے کا ہنر بہت پرانا ہے۔ تمام خطرناک تنظیموں کے سربراہوں نے رسونتی، سونیا اور اعلیٰ بی بی کو ڈھونڈ نکالنے کی ہر ممکن کوشش کی ہو گی۔ ہر طرح کے ہتھکنڈے آزمائے ہوں گے۔ شاید ان کے ذہن میں شکاری کتّوں والی بات بھی ہو لیکن صرف ماسٹر کی اس پر عمل کر رہا تھا۔ اتفاق سے سونیا کا استعمال شدہ لباس اسی کے ہاتھ لگا تھا۔

شیبا نے اپنے معمول سے پوچھا "کیا اعلیٰ بی بی کو تلاش کرنے کے لیے بھی ایسا ہی کوئی خاص طریقۂ کار اختیار کیا جا رہا ہے؟"

"اعلیٰ بی بی کا ایسا کوئی استعمال شدہ لباس یا ایسی چیز نہیں ملی جو اس کی تلاش میں معاون ثابت ہوتی۔ بائی دی وے ماسٹر کی ہماری توقع، ہماری سوچ سے بھی زیادہ چالاک ہے۔ وہ اعلیٰ بی بی کو ڈھونڈ نکالنے کے لیے کوئی ایسا راستہ اختیار کرے گا جو ابھی تک کسی نے نہ کیا ہو۔"

"سلیمان جوگو! اب میں تمھیں ایک آخری حکم دے رہی ہوں۔ یہ حکم ہمیشہ تمہارے دماغ میں نقش رہے گا۔"

"یہ آخری حکم ہمیشہ میرے دماغ میں نقش رہے گا۔"

"آج کے بعد تم خواہ کتنی ہی دماغی توانائی حاصل کر لو، تم خواہ کتنی ہی دیر سانس روکنے کا ہنر حاصل کر لو مگر اپنے دماغ میں پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس نہیں کرو گے۔"

میں خواہ کتنی ہی دماغی توانائی حاصل کر لوں، خواہ کتنی ہی دیر سانس روکنے کا ہنر حاصل کر لوں مگر اپنے دماغ میں پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس نہیں کروں گا۔"

"تم اسی وقت پرائی سوچ کی لہروں کو سنو گے جب تمھیں مخاطب کیا جائے گا۔"

"میں اسی وقت پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کروں گا جب مجھے مخاطب کیا جائے گا۔"

"اب میں تنویمی عمل ختم کرتی ہوں، تمھیں حکم دیتی ہوں۔ آرام سے سو جاؤ۔ دو گھنٹے بعد تمھاری آنکھ کھلے گی۔ تم یہ بھول جاؤ گے کہ مادام کمپیوٹر نے تم پر تنویمی عمل کیا تھا۔"

اس نے ضروری ہدایات دینے کے بعد سلیمان جوگو کو گہری نیند سلا دیا۔ واپس جناب شیخ الفارس کے پاس آ کر اس کے متعلق تمام تفصیلات بتائیں۔ جناب شیخ الفارس نے کہا "اگرچہ ماسٹر کی نے سونیا کو ڈھونڈ نکالنے کے لیے بہت ہی عمدہ طریقۂ کار اختیار کیا ہے اور ہمیں یقین بھی ہے کہ وہ سونیا تک پہنچ جائے گا لیکن اس بات کی خوشی ہے کہ سونیا منظرِ عام پر آ جائے گی۔ انشاء اللہ ہم اسے کسی کے ہتھے چڑھنے نہیں دیں گے۔"

پھر انھوں نے کہا "شیبا! تم ہر آدھے گھنٹے کے وقفے سے بلیک شیڈو کے پاس دو بار جا چکی ہو۔ مگر سلیمان جوگو کے سلسلے میں کافی دیر ہو چکی ہے۔ تقریباً دو گھنٹے گزر چکے ہیں۔ تم پھر بلیک شیڈو کے پاس جاؤ۔"

اس نے ہدایت پر عمل کیا۔ بلیک شیڈو کے دماغ میں پہنچ کر فرہاد کی حیثیت سے رابطہ قائم کیا۔ اس نے کہا "جناب، میں بدنصیب ہوں۔ انھوں نے مجھے اب تک مائک اور اسپیکر کے معائنے کے لیے نہیں بلایا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ میں نے بنا کر دیا ہے، اس کی کارکردگی سے وہ مطمئن ہیں اور اس میں کوئی خرابی پیدا نہیں ہو رہی ہے۔"

شیبا نے فرہاد کے لہجے میں کہا "فکر نہ کرو، مشینی معاملات میں کچھ نہ کچھ خرابی ہوتی ہی ہے۔ آج نہیں تو کل ہو گی۔ میں ہر آدھے گھنٹے بعد تم سے رابطہ قائم کرتا رہوں گا۔"

یہ کہہ کر پھر اس کے دماغ سے چلی آئی۔ جناب شیخ الفارس

نے کہا۔"اب تیسرا جال باس بورینا پر پھینکو۔"

انھوں نے بورینا کے سلسلے میں شیبا کو ضروری ہدایات دیں۔ اچھی طرح ہر بات سمجھائی۔ اس کے بعد اسے بورینا کے پاس پہنچنا چاہیے تھا مگر وہ میرے پاس آگئی۔ اس نے جناب شیخ الفارس کو جب سے یہ خبر سنائی تھی کہ میں خطرے سے باہر ہوں تب سے وہ مطمئن تھے مگر شیبا کے اندر ایک نامعلوم سی بے چینی تھی۔ ایسی بے چینی جو آپ سمجھ میں نہیں آتی اور نہ ہی کسی کو سمجھائی جاسکتی ہے بلکہ کسی کو بتائی بھی نہیں جاتی۔ اسی لیے اس نے شیخ الفارس کو یہ نہیں بتایا کہ میرے پاس آرہی ہے اور وہ چپ چاپ آگئی۔

میں ہوش میں آگیا تھا مگر ایسی شدید تکلیف سے دوچار تھا کہ کچھ بولنے کی سکت تھی اور نہ ہی کچھ سوچنے کا حوصلہ۔ کوئی ذرا سی بات سوچتے ہوئے بھی تکلیف محسوس ہوتی تھی بس اتنا محسوس کیا کہ میں کسی اسپتال میں ہوں۔ اس کے بعد دوبارہ غافل ہوگیا۔ اس غفلت پر میرا اپنا اختیار نہیں تھا۔ جسم سے اتنا خون بہہ گیا تھا کہ خون پہنچانے کے باوجود مجھ میں وہ پہلی سی توانائی اتنی جلدی نہیں آسکتی تھی۔

شیبا دماغ میں رہ کر میری حالت کو سمجھ رہی تھی۔ اس نے ایک بار مجھے مخاطب کیا۔ میں نے اس کی سوچ کے لہجے میں اپنا نام سنا مگر جواب نہ دے سکا۔ ہولے سے کراہ کر رہ گیا۔ وہ آہستگی سے بولی "میں سمجھ رہی ہوں۔ تمھیں سوچ کے ذریعے جواب بھی نہیں دینا چاہیے۔ بے فکر رہو۔ دشمنوں کی قید میں سہی، آرام سے رہو۔ وہ تمھیں مزید تکلیف نہیں پہنچائیں گے۔ ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ وہ تمھارے ساتھ کیا سلوک کرنے والے ہیں۔ ابھی پوری طرح یہ تصدیق نہیں ہوسکتی کہ تم واقعی فرہاد ہو۔ ہم دشمنوں کو پہلے کی طرح الجھانے کی کوشش کریں گے۔ میں جارہی ہوں، تمھارے پاس آکر خیریت معلوم کرتی رہوں گی۔"

وہ چلی گئی۔ موجودہ حالات میں دوستوں اور دشمنوں کی نگاہیں مجھ پر تھیں۔ دشمن چاہتے تھے، میں مر جاؤں مگر جس دشمن کے قبضے میں، میں تھا، وہ مجھے فوراً نہیں مار سکتا تھا۔ اس کے لیے لازمی تھا کہ تصدیق کرتا۔ مجھ سے پہلے ڈمی فرہاد جب بھی دشمنوں کے قبضے میں گیا تو اس ڈمی کو بھی دشمنوں نے مارنے کی جرأت نہیں کی۔ وہ جانتے تھے، اگر انھوں نے ڈمی کی صورت میں بھی فرہاد کو مارنے کی کوشش کی تو اس کا نتیجہ بھیانک ہوگا۔ سجاد علی تیمور بھی ڈمی فرہاد کا رول ادا کرنے کے باوجود دشمنوں کی قید میں زندہ رہا تھا۔ وہ مجھے بھی زندہ رکھنے پر مجبور تھے۔

میرا روپوش رہنا دشمنوں کے لیے مصیبت تھا۔ وہ مجھے اندھیرے کا تیر کہتے تھے۔ جب میں کسی کے قبضے میں آجاتا تب بھی مصیبت بن جاتا۔ نہ وہ مجھے مار سکتے تھے، نہ زندہ رکھ سکتے تھے۔ زندہ رکھنے میں اندیشہ تھا کہ دوسری تنظیموں کے افراد دھاوا بولیں گے۔ ہنگامے کریں گے اور کسی طرح فرہاد کو اپنی طرف لے جائیں گے۔

دوستوں اور دشمنوں کی نظریں میرے علاوہ سونیا اور اعلیٰ بی بی کو تلاش کر رہی تھیں۔ موجودہ حالات میں، میں، سونیا اور اعلیٰ بی بی بہت زیادہ اہم تھے لیکن شیبا کی نظروں میں باس بورینا کی اہمیت زیادہ تھی۔ وہ پہلے ہی دن سے بورینا کے ذریعے شیطان کو دیکھ کر یہ ضد کر بیٹھی تھی کہ کسی نہ کسی طرح شیطان کی کھوپڑی میں پہنچے گی۔ اس کے لیے بے چاری نے مجھے شیطانی زبان سکھانے کی کوشش کی تھی۔ بڑی حد تک میں سیکھ گیا تھا۔ کچھ اس نے بھی سیکھ لیا تھا۔ مگر مکمل طور پر اس زبان پر جب تک عبور حاصل نہ کرتی وہ بورینا کا پیچھا چھوڑنے والی نہیں تھی۔

اِدھر بورینا کی ناکامی اور جھنجلاہٹ قابلِ دید تھی۔ وہ بے چارا تقریباً کامیاب ہوچکا تھا۔ میرے قریب پہنچ چکا تھا۔ مجھے بے نقاب کرچکا تھا لیکن اس کی ناکامی بقول شاعر ؎

قسمت کی خوبی دیکھیے ٹوٹی کہاں کمند
دو چار ہاتھ جب کہ لبِ بام رہ گیا

اس نے بڑی محنت کی تھی۔ یہ محنت جسمانی طور پر تھی۔ یہ محنت دماغی طور پر تھی اور یہ محنت کالے جادو کے ذریعے شیطان کو خوش کرنے کے طور پر بھی تھی۔ بے چارے نے کیسی کیسی حسین لڑکیوں کو شیطان کے آگے قربان کردیا۔ اسے خوش کیا۔ میرا پتا معلوم کیا، میرے پاس آیا۔ دنیا والوں کے سامنے مجھے بے نقاب کیا۔ وہ تقریباً مجھے جیت چکا تھا مگر جیتنے سے پہلے ہار بھی چکا تھا۔

جس رات میں اس کے ہاتھ سے نکل گیا، وہ رات اس نے بڑے اضطراب کے عالم میں گزاری۔ رات بھر جھنجلاتا رہا۔ شیطان کو پکارتا رہا۔ اپنے کالے جادو کے ذریعے دوبارہ مجھ تک پہنچنے یا مجھے اپنے پاس کھینچ لانے کے جتن کرتا رہا مگر ناکامی ہوئی۔ دوسرے دن یہی بات سمجھ میں آئی کہ پھر کسی حسین عورت کی قربانی دے کر شیطان کو خوش کرنا ہوگا۔ اسے بُلانا ہوگا اور پوچھنا ہوگا کہ آخر فرہاد ہاتھ سے کیسے نکل گیا۔ اب بھی وہ اسے حاصل کرسکتا ہے یا نہیں؟

جب شیبا اس کے دماغ میں پہنچی تو اس وقت بارہ بجنے میں پندرہ منٹ تھے۔ بورینا اسی خفیہ شیطانی اڈے میں تھا۔ وہاں شیطانی رقص جاری تھا۔ اس کے قبیلے سے تعلق رکھنے والی عورتیں اور مرد شیطان کو خوش کرنے کے لیے ایسی حرکتیں کر رہے تھے جنھیں تہذیب گوارا نہیں کرتی مگر شیطان کو خوش کرنے کے لیے یہ لازمی ہوتا ہے۔ اسے خوش کرنے کے لیے انسان کے خون سے ہاتھ رنگنے پڑتے ہیں اور آج بورینا پھر ایک حسینہ کے خون سے ہاتھ رنگنے والا تھا۔ اس کے لہو سے شیطان کو اشنان کرانے والا تھا۔ اس کے نتیجے میں شیطان خوش ہوجاتا، اسے اپنا دیدار کراتا اور فرہاد کے متعلق شاید کوئی خوشخبری سناتا۔

شیبا نے بورینا کے ذریعے ایک طرف دیکھا۔ ایک حسین عورت ستون سے بندھی ہوئی تھی۔ اسے باندھنے کا انداز ویسا ہی تھا جیسے کسی قربانی کے جانور کو باندھا جاتا ہے یعنی رسّی کا ایک سرا ستون سے بندھا ہوا تھا اور دوسرا سرا اس حسینہ کے گلے میں پھندے کی طرح پڑا ہوا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے تاکہ وہ پھندے کو نہ کھول سکے۔ وہ بلند آواز سے کہہ رہی تھی "شیطان کے بچّو! یہ کیا کر رہے ہو۔ میں کوئی قربانی کا جانور نہیں ہوں۔ چھوڑ دو مجھے۔"

شیبا کو یہ دیکھ کر بڑی حیرانی ہوئی کہ وہ حسینہ ایسے جادوئی، گھناؤنے ماحول میں پُرسکون تھی، جہاں اس کی موت لازمی تھی۔ اس کی آواز اور لہجے سے پتا چل رہا تھا، اسے اپنے آپ پر بڑا اعتماد تھا۔ جیسے اس طرح کی شیطانی موت پر اسے یقین نہ ہو اور وہ وہاں سے بچ نکلنے کے سلسلے میں پُرامید ہو۔

شیبا نے اس کے دماغ کی طرف چھلانگ لگائی۔ وہاں پہنچ کر محسوس ہوا جیسے وہ حسینہ اپنے دماغ کے اندر کچھ بے چینی محسوس کر رہی ہے۔ اس کی سوچ کہہ رہی تھی "ایسا لگتا ہے جیسے میں اپنے دماغ پر ایسا بوجھ پہلے بھی کبھی محسوس کرچکی ہوں مگر ایسا کب ہوا ہے؟"

شیبا نے اس کی سوچ میں سوال کیا "ہاں، مجھے سوچنا چاہیے، ایسا کب ہوا ہے؟"

اس حسینہ کو یاد نہیں آرہا تھا۔ شیبا اس کے دماغ کو ٹٹول رہی تھی اور اس کی نادانستگی میں اس سے تعارف حاصل کر رہی تھی۔ یہ تعارف کچھ عجیب سا تھا۔ اسے خود اپنے متعلق زیادہ معلومات حاصل نہیں تھیں۔ اس کا کوئی خاص نام بھی نہیں تھا۔ اب سے پہلے جہاں وہ نظر بند رکھی گئی تھی، وہاں کے لوگ اسے مس بیوٹی کہتے تھے۔

شیبا نے اس کی سوچ میں سوال کیا "وہ کہاں نظر بند رہی تھی؟"

وہ اس سلسلے میں کچھ بتا نہ سکی۔ اس جگہ کا نام نہیں جانتی تھی۔ اس نے پھر پوچھا "نظر بند رکھے جانے سے پہلے وہ کہاں تھی۔ کہاں سے لائی گئی تھی، کس ملک سے تعلق رکھتی تھی؟"

اس کی سوچ نے عجیب سا جواب دیا "میں کسی ملک سے تعلق نہیں رکھتی۔ میں نہیں جانتی، کہاں پیدا ہوئی اور کہاں سے لائی گئی۔ جب مجھے یقین ہوا کہ میں بڑے ہی مہذّب انداز میں قید کی گئی ہوں۔ میرے لیے آرام و آسائش کا ہر سامان موجود ہے لیکن باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے تو میرے اندر بغاوت نے سر اٹھایا اور میں وہاں سے فرار ہوگئی۔"

پھر اس کی سوچ میں سوال کیا گیا "میں ان شیطانوں کے درمیان کیسے پھنس گئی ہوں؟"

اس کی سوچ نے جو جواب دیا وہ تھیلما کی زندگی سے ملتا جلتا تھا۔ جس طرح تھیلما، باس بورینا کے ہتھے چڑھی تھی، اسی طرح یہ بھی اپنے دشمنوں کی قید سے نکل کر ماسک مین کے آدمیوں کے ہاتھ لگ گئی تھی اور وہ اسے باس بورینا کے پاس لے آئے تھے۔

شیبا نے سمجھ لیا، اس کے دماغ میں کوئی گرہ ایسی ہے جو اسے اپنی پچھلی زندگی کے متعلق سوچنے نہیں دیتی۔ وہ اپنے بارے میں بہت کچھ فراموش کرچکی ہے۔

وہ جو مس بیوٹی کہلاتی تھی، اسے اپنی زندگی کی کہانی وہاں سے یاد تھی جہاں وہ نظر بند رکھی گئی تھی۔ اسے یوں لگتا تھا جیسے وہ اسی جگہ پیدا ہوئی اور وہیں سے فرار ہوکر آزادی کی خواہش میں نکلی تھی کہ پھر ان شیطانوں کے چنگل میں پھنس گئی۔ اس کا دماغ جو کہہ رہا تھا، اس سے شبہ ہوتا تھا جیسے وہ کسی حادثے میں اپنی یادداشت کھو چکی ہے یا پھر اس کا برین واش کیا گیا ہے۔

برین واشنگ کے خیال پر شیبا چونک گئی۔ رسونتی کے ساتھ بھی یہی کیا گیا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ رسونتی کے ذہن کو بچکانہ بنا دیا گیا تھا اور وہ جو حسینہ تھی، اس کا ذہن بچکانہ نہیں تھا۔ وہ اپنی عمر کے لحاظ سے ذہین تھی، حوصلہ مند تھی اور اپنی قوّتِ ارادی سے بدترین ماحول میں بھی پُرسکون رہنا جانتی تھی۔

اس نے سوچا کہ فوراً جناب شیخ الفارس کو اس کے متعلق جاکر بتائے لیکن خیال خوانی کا رابطہ وہاں سے ختم کرکے شیخ الفارس سے گفتگو کرنے کے دوران اس حسینہ کو موت کے گھاٹ اتارا جاسکتا تھا۔ شیطان کے سامنے اس کی گردن اتارنے کے سارے انتظامات ہوچکے تھے۔ ابھی وہاں سے جانا مناسب نہیں تھا۔ اس نے سوچا کچھ بھی ہو، اس حسینہ کو مرنے نہیں دے گی۔ اگر بچنے کی کوئی صورت نہ نکلی تو عین وقت پر ٹیلی پیتھی

کا ہتھیار آزمائے گی اور بورنیا کو قربانی سے باز رکھنے کی کوشش کرے گی۔

شیطان کا بڑا سا مجسمہ پلتھی مارے بیٹھا ہوا تھا اس کا منہ کھلا ہوا تھا اور کھلے ہوئے منہ سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے۔ شیطانی قبیلے سے تعلق رکھنے والے رقص کرتے ہوئے مجسمے کے سامنے آتے تھے اور ان شعلوں کو سانس کھینچ کر اپنے منہ میں لیتے تھے۔ پھر دوسری طرف منہ کر کے ان شعلوں کو اگل دیتے تھے گویا کہ شیطان کی شیطانیت کو دنیا کے چاروں طرف پھیلا رہے تھے۔

وہ کبھی چیختے تھے، کبھی ہنستے تھے، کبھی گاتے ہوئے رقص کرتے تھے۔ ایسے ہی جشنِ طرب کے ہنگاموں میں اس حسینہ کا قہقہہ سنائی دیا۔ بورنیا نے ایک دم سے چونک کر سر گھماتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی پشت نظر آ رہی تھی۔ وہ ستون سے لگی ہوئی تھی اور قہقہے لگا رہی تھی۔ بورنیا کو حیرانی ہوئی۔ آج تک جتنی بھی عورتوں کو وہاں قربانی کے لیے لایا گیا تھا، وہ دہشت سے پہلے ہی ادھ موئی ہو جاتی تھیں یا پھر روتی گڑگڑاتی رہتی تھیں۔ یہاں تو وہ قہقہے لگا رہی تھی۔ بورنیا نے ڈانٹ کر پوچھا۔ "تم کیوں ہنس رہی ہو؟"

ہنسنے والی کی پشت ابھی تک بورنیا کی طرف تھی۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "شیطان کے احمق چیلے! تجھے معلوم نہیں کہ جانور کی قربانی دی جائے یا انسان کی، قربانی کے لیے لازمی ہے کہ وہ جانور یا وہ انسان صحت مند ہو۔ اندر سے بیمار نہ ہو یا اس کے جسم پر زخم کا نشان نہ ہو مگر یہ دیکھ۔"

یہ کہتے ہی وہ بورنیا کی طرف پلٹ گئی۔ اس کی پیشانی سے لہو بہہ رہا تھا۔ اس نے اپنے سر کو ستون سے ٹکرا کر زخمی کر دیا تھا اور کہہ رہی تھی۔ "میں نے اپنے آپ کو زخمی کیا ہے۔ اس سے پہلے کہ تو میرا لہو شیطان کی طرف اچھالتا، میں نے اپنا لہو بہا دیا۔ جا، اپنے شیطان سے پوچھ، کیا میری قربانی قبول کی جا سکتی ہے؟"

اس بات پر بورنیا کا ردِعمل کیا ہوا، یہ شیبا نہ دیکھ سکی۔ وہ اس کی ذہانت پر شدید حیرانی سے فوراً ہی شیخ الفارس کے پاس پہنچ گئی۔ انھیں بتایا کہ ایک ایسی حسینہ ہے جس نے پلک جھپکتے ہی شیطانی چالوں کو بدل کر رکھ دیا ہے۔ اس نے اس کا مختصر سا حال سنایا تو شیخ الفارس نے کہا۔ "بیٹی! یقیناً اس کا برین واش کیا گیا ہے اور جیسی ذہانت کا وہ مظاہرہ کر رہی ہے، اس سے پتا چلتا ہے کہ وہ اعلیٰ بی بی ہے۔"

اب یہ بحث بعد میں ہو سکتی تھی کہ برین واشں کے ذریعے کسی کی یادداشت بھلا دی جائے، پچھلی زندگی یاد نہ رہے لیکن موجودہ زندگی اور آئندہ زندہ رہنے کے لیے احتیاط کا جو تقاضا ہے اسے پورا کرنے والی ذہانت قائم رہے۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے؟ اس کا مختصر سا جواب یہی ہے کہ تنویمی عمل کے ذریعے ممکن ہے۔ اب اگر وہ اعلیٰ بی بی ہے تو تنویمی عمل کے ذریعے کس طرح اس کا برین واش کیا گیا، یہ شاید آگے چل کر معلوم ہو سکتا تھا۔

شیبا کبھی جناب شیخ الفارس سے گفتگو کرتی تھی اور کبھی پلک جھپکتے ہی بورنیا کے پاس پہنچ جاتی تھی۔ اب بورنیا غصے سے تلملا رہا تھا۔ اس حسینہ کو قربان گاہ تک نہیں لے جا سکتا تھا۔ اسے فوری طور پر ایک ایسی عورت کی ضرورت تھی جو جسمانی طور پر صحت مند ہو، اس میں کوئی نقص نہ ہو، بیمار نہ ہو، زخم کا نشان نہ ہو۔ وہ دیوانہ وار اپنے قبیلے کی عورتوں کو جا کر دیکھنے لگا۔ مس بیوٹی کی طرف سے مایوس ہو کر وہ اپنے شیطان کو مایوس کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کے سامنے قربانی دینا لازمی تھا۔ لہٰذا اس نے اپنے ہی قبیلے کی ایک عورت کو پکڑ لیا۔

شیبا ذرا کمزور دل کی عورت تھی۔ وہ کسی کو قربان گاہ تک پہنچ کر قتل ہوتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اس لیے واپس شیخ الفارس کے پاس آئی اور ان سے پوچھا۔ "جناب! آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ وہ اعلیٰ بی بی ہو سکتی ہے، کیا وہ سونیا نہیں ہو سکتی؟"

جناب شیخ الفارس ذرا مسکرائے۔ پھر کہا۔ "سونیا اور اعلیٰ بی بی دونوں ہی ذہین ہیں۔ وہ دونوں ہی حاضر دماغ ہیں مگر دونوں میں صرف ایک فرق ہے۔ وہ یہ کہ سونیا اعلیٰ بی بی کے مقابلے میں مکار زیادہ ہے۔ اگر وہ وہاں بندھی رہتی تو خود کو قربان ہونے سے بچانے کے لیے صرف اپنے آپ کو زخمی نہ کرتی بلکہ اب تک جو بڑا سا چھرا بورنیا کے ہاتھ میں ہے وہ سونیا کے ہاتھ میں ہوتا اور قربان گاہ میں بورنیا کی گردن الگ نظر آتی۔"

شیبا نے حیرانی سے پوچھا۔ "یہ کیسے ممکن ہے؟"

"یہ تو سونیا ہی جانتی ہے کہ عین وقت پر وہ کیسی مکارانہ چالیں چلتی ہے۔ بھئی! میرا دماغ بھی کام نہیں کرتا، میں سمجھتا ہوں شیطان کے نصیب اچھے ہیں، وہاں اعلیٰ بی بی ہے، اگر سونیا ہوتی تو شیطان اپنی جگہ چھوڑ کر سونیا کو وہاں بٹھا دیتا۔"

شیبا نے کہا۔ "نہیں جناب، یہ تو مبالغہ ہے۔"

انھوں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "دشمن ہمیں دھوکا کھا جاتے ہیں۔ سمجھتے ہیں، یہ مبالغہ ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا اور وہ ہماری مکار بیٹی ایسا کر کے دکھاتی ہے۔ تم بحث میں وقت ضائع کرو، وہاں جا کر دیکھو، اعلیٰ بی بی کو تمھاری مدد کی ضرورت ہے۔"

شیبا، اعلیٰ بی بی کے دماغ میں پہنچ گئی۔ اس وقت تک بورنیا اس دوسری عورت کو قربان گاہ پر لا کر اس کی گردن اُڑا چکا تھا۔ اُس کے لہو سے شیطان کے جسم کو اشنان کرا رہا تھا اور ان لہو کے چھینٹوں کو خود اپنے آپ پر اُچھال رہا تھا۔

اس مرحلے میں بورنیا پر دیوانگی طاری رہتی تھی۔ وہ جنونی حالت میں رقص کرتا تھا، جشن مناتا تھا۔ ایسے وقت اعلیٰ بی بی کے جو ہاتھ پُشت پر بندھے ہوئے تھے، وہ پیچھے سے پھسلتے ہوئے نیچے ٹانگوں تک آئے۔ پھر وہ اپنے ہاتھوں کو سامنے کی طرف لے آئی اور دانتوں سے رسی کھولنے لگی۔ اُسی وقت گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی دی۔ چند لمحوں کے بعد وہ آواز بند ہو گئی۔ وحشیانہ انداز میں رقص کرنے والے تھم گئے۔ سر اُٹھا کر آس پاس چاروں طرف دیکھنے لگے۔ اس خفیہ غار کی دیواریں ہولے ہولے لرز رہی تھیں۔ چھوٹے چھوٹے پتھر گر رہے تھے۔ پھر زمین بھی لرزنے لگی۔ ایسے وقت لوگ پناہ کے لیے اِدھر اُدھر بھاگتے ہیں مگر اس شیطانی قبیلے کے عورتیں اور مرد خوش ہو کر اچھلنے لگے۔ رقص کرنے لگے۔ انھیں یقین ہو گیا کہ شیطان آ رہا ہے۔

شیطان کے کھلے ہوئے منہ سے جو شعلے نکل رہے تھے، وہ پہلے ہی ختم ہو چکے تھے۔ اب وہاں سے دھواں نکل رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جس عورت کی قربانی دی گئی ہے اُس کے لہو سے شیطان کے منہ کو ٹھنڈا کر دیا گیا ہے۔ آگ بجھ گئی ہے۔ صرف دھواں نکل رہا ہے۔ ایسے ہی وقت بورنیا رقص کرتے کرتے اوندھے منہ زمین پر گرا اور سر کو جھکا لیا۔ گویا وہ شیطان کے سامنے سجدہ کر رہا تھا۔ قبیلے کے تمام لوگ اُسی طرح زمین پر اوندھے لیٹ گئے۔ سب نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ ایسے ماحول میں شیبا ہوتی تو اس کا دماغ کام نہ کرتا کہ اُسے کیا کرنا چاہیے۔ ہاں، اُس نے شیطانی زبان تھوڑی بہت سیکھ لی تھی۔ اس بات کی منتظر تھی کہ شیطان آئے اور کچھ بولے تو وہ اس کی بات سمجھے۔ وہ مس بیوٹی کے دماغ میں رہ کر شیطان کا انتظار کر رہی تھی اور دیکھ رہی تھی کہ وہ مس بیوٹی رسیوں سے آزاد ہونے کے بعد ان سجدہ کرنے والوں سے بچتی بچاتی شیطان کے منہ کی طرف جا رہی تھی۔

کیسی بے باک تھی۔ فرار ہونے کا موقع ملا تھا۔ وہ کسی دوسری طرف بھاگ کر جا سکتی تھی لیکن اس عورت کا دماغ تجسس سے بھرا ہوا تھا۔ جو بات اس کے دماغ میں کیل کی طرح چبھتی تھی، وہ اس کیل کو نکال کر پھینکے بغیر چین سے نہیں رہتی تھی۔ اس لیے وہ شیطان کے منہ کی طرف جا رہی تھی۔ اسے یقین نہیں تھا کہ شیطان بنفسِ نفیس آ سکتا ہے اور کسی سے باتیں کر سکتا ہے۔

جب وہ شیطان کے کھلے ہوئے منہ تک پہنچی تو وہاں سے دھواں نکل رہا تھا۔ وہ دھواں لہرا رہا تھا۔ جیسا کہ پہلے شیبا نے اور میں نے بورنیا کے ذریعے دیکھا تھا۔ وہ دھواں انسانی جسم کی صورت میں لہرانے لگا تھا۔ پہلے اُس کا سر نظر آیا۔ سر پر دو سینگ نکلے ہوئے تھے پھر اُس کے دو لانبے لانبے ہاتھ نظر آئے۔ ان ہاتھوں میں لمبے لمبے ناخن تھے۔ یہ سب کچھ دھواں سا تھا لیکن شیطان کا وجود ظاہر ہو رہا تھا کیونکہ اس کا قہقہہ صاف طور پر سنائی دے رہا تھا۔

شیبا کی سانس شدید حیرانی سے اوپر کی اوپر ہی رہ گئی۔ مس بیوٹی شیطان کے مجسمے کے کھلے ہوئے مُنہ میں داخل ہو گئی تھی۔ دھواں وہیں لہرا رہا تھا۔ شیطان کا قہقہہ وہیں سنائی دے رہا تھا لیکن وہ نڈر عورت اس دھوئیں سے گزرتے ہوئے اندر چلی گئی تھی۔

شیبا اگر ٹیلی پیتھی کی آنکھ سے نہ دیکھتی تو کبھی یقین نہ کرتی کہ شیطان دھوئیں کی صورت میں رقص کر رہا ہو اور وہ اسی دھوئیں سے گزر کر اندر چلی گئی ہو۔ دراصل یہی انسانی حوصلہ ہوتا ہے۔ جو شیطان کے اندر سے گزر کر اپنے ایمان اور اعتماد کو برقرار رکھتا ہے۔

اُس وقت شیطان بورنیا کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "میرے پجاری میرے کتے، سوٗر! میں تم سے بہت خوش ہوں۔"

بورنیا نے سر اٹھا کر وصواں دھواں شیطان کی طرف دیکھا۔ اس کی باچھیں کھل گئی تھیں۔ وہ ایسے خوش ہو رہا تھا جیسے شیطان کے دیے ہوئے خطابات پر فخر کر رہا ہو۔ پھر اس نے کہا۔ "اے شیطانِ معظم، میں فرہاد کو پھر ہار گیا۔"

شیطان نے کہا۔ "گدھے کبھی شطرنج نہیں کھیل سکتے۔ میں تمھیں چالیں سمجھاتا ہوں۔ مگر تم چال چلنے سے پہلے چاروں طرف سے خود کو مضبوط نہیں کر سکتے۔ تم وہاں کمزور پڑ گئے تھے۔ اس لیے دوسرا بازی لے گیا۔"

بورنیا نے کہا۔ "میں تیرے قدموں میں زیادہ سے زیادہ قربانیاں دوں گا۔ پلیز، ایک بار پھر فرہاد کو میرے ہاتھوں میں پہنچا دے۔"

"بورنیا تمھاری ایک بہت بڑی کمزوری ہے۔ وہ یہ کہ جب آنکھوں سے دیکھتے ہو تو عقل سے کام نہیں لے سکتے اور جب عقل سے کام لیتے ہو تو آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے۔ اب جب کہ تم عقل کی باتیں مجھ سے سیکھنے آئے ہو تو اندھے ہو گئے ہو۔ آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتے۔ کیا تم نے ابھی نہیں دیکھا کہ میرے مُنہ میں ایک مکھی گھس گئی ہے؟"

بس بورنیا آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر شیطان کے کھلے ہوئے

منہ کی طرف دیکھنے لگا۔ وہاں شیطانی دھواں رقص کر رہا تھا۔ بورنیا نے کہا۔ "اے شیطانِ معظم! یہاں اتنی آگ اور دھواں ہوتا ہے کہ مکھیاں آ ہی نہیں سکتیں۔"

"گدھے، میں اُس مکھی کی بات کر رہا ہوں جسے قربانی کے لیے تُو نے باندھ رکھا تھا۔ وہ آزاد ہو کر میرے منہ میں چلی آئی ہے۔"

بورنیا نے خوش ہو کر کہا۔ "اس کا مطلب ہے، تُو نے آج ایک نہیں، دو قربانیاں قبول کی ہیں۔ دوسری کو بھی تُو نے نگل لیا ہے۔"

"احمق کی اولاد، کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جنھیں نگلنے کے بعد بدہضمی ہو جاتی ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"تُو نہ سمجھے تو بہتر ہے۔ اپنے مطلب کی بات سُن لے۔ فرہاد موت کے منہ سے نکل آیا ہے۔ چند روز میں بھلا چنگا ہو گا مگر یہ ثابت کرنا مشکل ہو گا کہ وہ فرہاد ہے۔ اس کے لوگ اُسے صاف بچا کر نکال لے جانے کی کوشش کریں گے۔ ایسے ہی وقت میں تجھے فرہاد کی شناخت بتاؤں گا۔ تُو اسے اپنی گرفت میں لینے کی کوشش کرنا۔"

بورنیا نے گڑگڑا کر کہا۔ "اے شیطان! اس بار فرہاد کی دُم اصلی لگا دے۔ پہلی نقلی تھی، اس لیے کسی نے میری بات کا یقین نہیں کیا اور وہ میرے ہاتھ سے نکل گیا۔"

اس دھوئیں کے مجسمے سے بھاری بھرکم گرجدار آواز سنائی دی۔ "جب شیطان کسی کو گرفتار کرتا ہے تو اُسے اپنے ہی رنگ و روپ میں پیش کرتا ہے۔ اسی لیے میں نے فرہاد کو گرفتار کرنے کے بعد تمھارے سامنے پیش کیا تو اس کے پیچھے دُم لگا دی کیونکہ میرے پیچھے بھی دُم ہے۔ فرہاد کو علاج اور معالجے کے سلسلے میں جہاں جہاں لے جایا جاتا ہے، تم دُور ہی دُور سے اس کی نگرانی کرو۔ میں پھر ثابت کروں گا کہ وہ فرہاد ہے۔"

شیطان درست کہہ رہا تھا۔ جو گمراہ ہوتے ہیں، غلط راستوں پر چلتے ہیں۔ گناہوں کو اپنا لیتے ہیں اور شیطانیت کا پرچار کرتے ہیں ان کے جسم میں بھی شیطانی نشانیاں موجود ہوتی ہیں۔ یوں تو وہ انسان ہوتے ہیں اور انسان ہی نظر آتے ہیں لیکن کبھی کبھی اُن کی آنکھوں سے شیطانیت ٹپکتی ہے۔ کبھی اُن کے چہرے ایسے بگڑے ہوتے ہیں جیسے اُن کے اندر سے شیطان جھانک رہا ہو یا ان کے جسم کا کوئی عیب شیطانیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

شیبا کو اس بات کی حیرانی اور بے چینی تھی کہ مس بیوٹی کس بے باکی سے شیطان کی موجودگی میں اس کے ہی منہ میں داخل ہو گئی ہے۔ وہ مس بیوٹی کے دماغ میں جم کر بیٹھ گئی تھی۔ اسی کے ذریعے شیطان کی آواز سنتی جا رہی تھی۔ پھر اُس نے شیطان کی گفتگو کو نظر انداز کر دیا کیونکہ اعلیٰ بی بی اُس کے منہ میں داخل ہونے کے بعد ایسے ماحول میں پہنچی تھی جو قابلِ دید تھا۔

اُس کے سامنے ایک بہت بڑا تاریک سا ہال نظر آ رہا تھا۔ اندھیرے میں کہیں کہیں سے دیواریں جھلک رہی تھیں۔ وہ دیواریں پتھر کی بنی ہوئی تھیں۔ اس ہال کے درمیان میں ایک بہت بڑا آتشدان تھا جو دائرے کی صورت میں تھا۔ اس میں انگارے دہک رہے تھے۔ انھی انگاروں کی وجہ سے اس ہال کی کچھ چیزیں نگاہوں کے سامنے جھلک رہی تھیں۔ آتشدان کے پیچھے ذرا فاصلے پر ایک دیوار پر ایسی جالیاں لگی ہوئی تھیں جیسی ایئر کولر وغیرہ میں ہوتی ہیں۔ مس بیوٹی اپنی ذہانت سے سوچ رہی تھی کہ اب تک شیطان کے منہ سے جو شعلے نکلتے رہے، وہ شعلے اس آتشدان سے اُٹھ رہے تھے اور اُن کے پیچھے دیوار پر جو آہنی جالیاں لگی ہوئی ہیں، وہاں سے زوردار ہوا چلتی ہو گی۔ اس ہوا کی زد میں آ کر شعلے شیطان کے کھلے ہوئے منہ سے باہر نکلتے ہوں گے۔

اس دائرہ نما آتشدان کے اطراف ذرا نیچے پختہ فرش ہے، کچی زمین ہے، پانی ہے یا دلدل ہے، کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس لیے مس بیوٹی یا اعلیٰ بی بی جہاں کھڑی ہوئی تھی وہ پتھریلی دیوار سے لگی ہوئی آہستہ آہستہ ایک سمت بڑھتی جا رہی تھی۔

اُس نے ایک طرف چلتے رہنے کے دوران محسوس کیا جیسے اس کی سمت بدلتی جا رہی ہے۔ دیواریں سیدھی نہیں ہیں، وہی دیوار کبھی دائیں سمت جاتی ہے کبھی پھر دائیں سمت گھوم کر اس کی سمتوں کو بدلتی رہتی ہے۔ جیسے جیسے سمتیں بدلتی تھیں ویسے ہی ہال کا منظر بھی کچھ تبدیل ہوتا تھا۔ اس نیم تاریکی میں ایک بڑا سا سادہ اسکرین نظر آیا۔ یوں جیسے دور سامنے بڑا سا سینما پردہ تنا ہوا ہو اور اب اس پر فلم چلنے والی ہو۔

وہ دائرہ نما آتشدان ہال کے درمیان میں تھا۔ اس کے ایک طرف ذرا فاصلے پر وہی ایئر کولر کی آہنی جالیاں تھیں۔ دوسری طرف وہ بڑا سا اسکرین تھا۔ اچانک آتشدان کے انگاروں سے دھواں سا اُٹھنے لگا۔ یقیناً کوئی ایسا سفوف پھینکا گیا ہو گا جس سے وہ ماحول دھواں دھواں ہونے لگا۔ اس کے ساتھ ہی وہ اسکرین روشن ہوا۔ پھر اس پر ایک شیطان کا خاکہ نظر آیا۔ اُس کے سر پر دو سینگ تھے، اس کے دونوں لانبے ہاتھوں کی انگلیاں لانبی تھیں اور انگلیوں سے نوکیلے ناخن نکلے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ یہ سب سائے کی صورت میں تھا۔ اس کا چہرہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کے پورے سراپے میں اُس کی دم بھی دکھائی دے رہی تھی۔ پھر وہ شیطان کا سایہ تھرکنے لگا، رقص کرنے لگا تب شیبا نے دیکھا، اسکرین پر جو سایہ رقص کر رہا ہے، اُس کا عکس دھوئیں کی طرف آتا ہے۔ تاثر یہ پیدا ہوتا ہے کہ دھوئیں نے شیطانی جسم کی شکل اختیار کر لی ہے اور وہ شیطانی انداز میں رقص کر رہا ہے اور رقص کے دوران اس کی دُم بھی ہلتی جا رہی ہے۔

اس منظر سے ثابت ہوتا تھا کہ بابِ بورنیا کے سامنے شیطان بنفسِ نفیس نہیں آتا تھا۔ ایسے ہی تماشے دکھاتا تھا۔ یعنی کہیں پروجیکٹر کے ذریعے کوئی شخص شیطانی روپ میں رقص کرتا تھا۔ پروجیکٹر کی روشنی اُسے اسکرین تک پہنچاتی تھی۔ اسکرین کا عکس دھوئیں پر پڑتا تھا۔ پھر شیطان کے مجسمے کے کھلے ہوئے منہ سے نکلنے والے دھوئیں میں بھی وہی عکس نمایاں رہتا تھا اور بورنیا سمجھتا تھا کہ شیطان خود دیدار کرانے کے لیے آ گیا ہے اور اسے شیطان کے رُوبرو گفتگو کرنے کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔

شیبا مس بیوٹی کے دماغ میں رہ کر جو تماشا وہاں دیکھ رہی تھی، وہی تماشا اب شیطان کے کھلے ہوئے منہ سے باہر بورنیا کو نظر آ رہا ہے یا نہیں، یہ ابھی معلوم نہیں ہو رہا تھا اور نہ ہی شیبا کے پاس اتنی فرصت تھی کہ وہ بورنیا کے پاس جا کر معلوم کرتی۔ یہاں تو شیطان کا بھید کھل رہا تھا کہ وہ کس طرح دھواں دھواں ہو کر آیا کرتا تھا۔

پھر اس دھوئیں کے شیطان نے قہقہہ لگانا شروع کر دیا۔ یقیناً اسکرین کے پیچھے کوئی مائک کے پاس بیٹھا ہوا قہقہہ لگا رہا ہو گا۔ وہ بھیانک قہقہے ایسے تھے جیسے آنے والی کا مذاق اُڑایا جا رہا ہو۔ پھر شیطان کی گرجدار آواز نے کہا۔ "آؤ، آ جاؤ۔ میں تمھیں خوش آمدید کہتا ہوں، خوش آمدید اس لیے کہ شیطان کے سائے میں آنے والے ہمیشہ خوش رہتے ہیں، عیش کرتے ہیں۔"

اس بار شیطان انگریزی زبان میں کہہ رہا تھا۔ شیبا نے سوچا، خواہ مخواہ شیطانی زبان سیکھنے میں اتنا وقت ضائع کیا، یہ کم بخت تو اب انگریزی بول رہا ہے۔ کیا اس کے دماغ کی طرف چھلانگ لگائی جائے؟

پھر شیبا کو میری ہدایات یاد آئیں۔ میں نے اُس سے کہا تھا جب میرے مقابلے پر انسان یوگا میں مہارت حاصل کر کے آتے ہیں اور میری ٹیلی پیتھی کا راستہ روکتے ہیں تو شیطان پھر شیطان ہوتا ہے۔ وہ کبھی اپنے دماغ میں آنے نہیں دے گا۔ دانشمندی یہ ہے کہ پہلے شیطان کا اچھی طرح مشاہدہ کیا جائے۔ یقین کیا جائے کہ اس کے دماغ میں بہ آسانی پہنچا جا سکتا ہے تب خیال خوانی کے ذریعے اس کے دماغ میں پہنچا جائے۔

اُدھر شیطان مس بیوٹی کو خوش آمدید کہہ رہا تھا۔ "تم میرے پاس آنے والی ایسی مہمان ہو جو میرے لیے اجنبی نہیں ہو مگر خود اجنبی ہو۔ کیا تم جانتی ہو کہ تم کون ہو؟"

یہ سوال بہت اہم تھا اور اس کا جواب شیطان کے پاس ہی تھا۔ اس نے پھر فاتحانہ انداز میں قہقہہ لگایا۔ پھر کہا۔ "تم نہیں جانتیں۔ ہاں، تمھارا خدا جانتا ہے مگر اس زمین پر میں اور وہ پُراسرار شخص جانتا ہے، تیسرا کوئی نہیں جانتا۔"

مس بیوٹی نے کہا۔ "اگر تمھارا دعویٰ درست ہے تو پلیز، مجھے بتاؤ میں کون ہوں، مجھے اپنی سابقہ زندگی کیوں یاد نہیں آتی؟"

"تنویمی عمل کے ذریعے تمھارے برین کو واش کیا گیا ہے۔ تمھارے دماغ سے اُن تمام واقعات کو نکال دیا گیا جو تمھاری پچھلی زندگی سے تعلق رکھتے تھے۔ اسی لیے تم سب کچھ بھول گئی ہو۔"

"تمھاری باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ میں صحیح جگہ پہنچ گئی ہوں۔ یہاں میں خود کو تلاش کر لوں گی۔ مجھے میری اصلیت معلوم ہو جائے گی لہٰذا میں پھر سوال کر رہی ہوں، بتاؤ میں کون ہوں؟"

شیطان کی بھاری بھرکم آواز سنائی دی۔ "تمھارا اسمِ اصلی ہے سامی۔"

وہ بڑبڑائی۔ "سامی؟"

"ہاں اور تمھارا اسمِ صفت ہے اعلیٰ بی بی۔"

وہ پھر زیرِ لب بولی۔ "اعلیٰ بی بی؟"

"ہاں، اور تمھارا اسمِ موجود ہے، مس بیوٹی۔"

اعلیٰ بی بی پتھریلی دیوار سے لگ گئی تھی۔ اپنے متعلق سنجیدگی سے غور کر رہی تھی۔ پھر اُس نے کہا۔ "مجھے یہ موجودہ نام پسند نہیں ہے۔ مس بیوٹی ایک چھچھورا اور سستا سا نام ہے۔"

"مگر تمھارے حسن و جمال کے اعتبار سے تمھیں مس بیوٹی ہی کہنا چاہیے۔"

"مجھے مت کہو مس بیوٹی۔ جو ناپسندیدہ نام ہو وہ گالی بن جاتا ہے۔ ہاں، اعلیٰ بی بی جیسا نام ظاہر کرتا ہے کہ مجھ میں کچھ اعلیٰ صفات موجود ہیں، کیا یہ سچ ہے؟"

آواز آئی۔ "ہاں، تم ذہانت اور حاضر دماغی میں یکتا ہو۔ بابا فرید واسطی کے ادارے سے جب بھی تم کسی مہم پر روانہ ہوتی تھیں تو اتنی ٹھوس پلاننگ کرتی تھیں کہ دشمنوں کی تمام شیطانی چالیں ناکام ہو جاتی تھیں۔ مجھے شیطان ہو کر بھی اس بات کا اعتراف ہے۔"

اعلیٰ بی بی نے پوچھا۔ "یہ بابا فرید واسطی کا ادارہ کہاں ہے؟ کیا وہاں میرے رشتے دار رہتے ہیں؟ میرے ماں باپ، میرے بھائی بہن؟"

"فی الحال تمھارا کوئی خون کا رشتہ نہیں ہے۔ صرف ایک فرہاد سے تمھارا دلی اور دماغی رشتہ ہے۔"

"یہ فرہاد کون ہے؟ مجھے اس سے ملاؤ۔"

"اس سے تو خدا ہی ملائے گا۔ میں اپنے بندوں سے ملتے ملاتے پریشان ہو گیا ہوں۔ وہ ایک پارہ ہے۔ کھلی ہتھیلی پر نہیں ٹھہرتا۔ ہوا ہے، بند مٹھی میں نہیں آتا مگر اب آئے گا۔ میں تمھاری جھلک دکھاؤں گا تو ضرور آئے گا۔"

"کیا تم واقعی شیطان ہو؟"

"کیا تم واقعی انسان ہو؟"

"ہاں میں انسان ہوں۔"

"ہاں، میں شیطان ہوں۔"

"کیا تم مجھے فرہاد سے ملا سکتے ہو؟"

"یہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔"

"کیا شیطان بے اختیار ہوتا ہے؟"

"مجھے خدا نے بڑے اختیارات دیے ہیں، اتنے کہ میں انسان کے اندر پہنچ جاتا ہوں اسے اندر سے بہکاتا اور ورغلاتا رہتا ہوں۔ مجھے اتنے اختیارات دیے ہیں کہ میں ہزاروں روپ بدل سکتا ہوں۔ میں ازل سے کبھی ایک صورت میں انسانوں کے سامنے نہیں آیا۔ میں کبھی فرعون بنا، کبھی شداد۔ میں اپنی شیطانیت کو پھیلانے کے لیے بڑے سے بڑا ہٹلر بن جاتا ہوں اور چھوٹے سے چھوٹا ہٹلر بھی بنتا ہوں۔ میں سپر ماسٹر ہوں، میں ماسک مین ہوں، میں ہی ماسٹر کی بن جاتا ہوں اور میں ہی جب چاہتا ہوں یہودیت کا علم لہرا دیتا ہوں۔"

"میں سمجھ نہیں سکی، ذرا وضاحت کرو تم بیک وقت اتنے پارٹ کیسے ادا کر لیتے ہو؟"

"جیسے فرہاد کرتا ہے۔ جب وہ کسی کے دماغ پر قابض ہو جاتا ہے تو اپنے معمول کو اپنی مرضی کے مطابق حرکتیں کرنے پر مجبور کر دیتا ہے، جیسا وہ چاہتا ہے ویسا ہی وہ بے چارہ کرتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح مجھے اختیار حاصل ہے کہ میں کسی کے بھی اندر سما جاؤں۔ ذرا غور کرو تو سمجھ میں آ جائے گا۔ فرعون تو محض ایک انسان تھا۔ اس کے اندر میں بولتا تھا۔ اس لیے وہ فرعون کہلایا۔ سپر ماسٹر، ماسک مین یا ماسٹر کی، اگر کوئی غلط حکم دیتا ہے تو میں اس کے دماغ پر قابض ہو کر اسے وہی غلطی کرنے پر مجبور کرتا ہوں۔ اگر میں ایسے لوگوں کے دماغوں سے نکل جاؤں تو پھر ان میں شیطانیت کہاں رہے گی؟ وہ تو سچے انسان ہوں گے۔ دنیا میں یہ جھگڑے، فساد، نفرتیں اور تباہ کاریاں کیسے عمل میں آئیں گی؟"

اعلیٰ بی بی نے کہا۔ "ہماری دنیا میں شیطان سب سے زیادہ دلچسپ کردار ہے۔ آج میں اس سے گفتگو کر رہی ہوں۔ اسے دیکھنا بھی چاہتی ہوں، کیا تم میرے سامنے آؤ گے؟"

ایک زبردست قہقہہ سنائی دیا۔ پھر جواب ملا۔ "آج تک شیطان کے اصلی روپ کو کسی نے نہیں دیکھا۔ وہ صرف قیامت کے دن دکھائی دے گا ویسے میں موجود ہوں ہر انسان کے اندر اور باہر موجود ہوں اور مختلف شکلوں میں آتا جاتا ہوں۔ دیکھنے والی آنکھیں، سوچنے والے دماغ مجھے پہچان لیتے ہیں اور جو آنکھیں رکھ کر بھی اندھے ہوں وہ مجھے دیکھ نہیں پاتے۔ آؤ، اعلیٰ بی بی! میں تم سے روبرو ملاقات کر دوں گا۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی "تم نے ابھی کہا تھا میرا تعلق کسی فرہاد سے ہے۔ جس سے میرا تعلق ہے پہلے میں اسے دیکھنا چاہتی ہوں۔ اس سے ملانا تمھارے اختیار میں نہیں ہے لیکن تم اس کی صورت تو دکھا سکتے ہو۔"

"ہاں، دیکھو، اس اسکرین پر تمھیں فرہاد نظر آئے گا۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی دائرہ نما آتشدان سے دھوئیں کا بھبکا سا اٹھا۔ پھر اسکرین روشن ہو گیا۔ ایک جوان اسپتال کے بستر پر پڑا ہوا تھا۔ اس کا چہرہ صاف طور پر نظر آ رہا تھا۔ شیطان کی کمنٹری سنائی دی "یہ فرہاد علی تیمور ہے لیکن یہ اس کا اصلی چہرہ نہیں ہے۔ یہ کمبخت آدھا شیطان ہے۔ میری طرح چہرے بدلتا رہتا ہے۔ اس وقت ڈاکٹر میکاکس کے روپ میں ہے۔"

"کیا یہ سچ مچ کسی اسپتال میں پڑا ہوا ہے؟"

"ہاں، اپنے جسم پر کئی گولیاں کھائی ہیں مگر سخت جان ہے، مرتے مرتے بچ گیا۔"

اعلیٰ بی بی نے پوچھا۔ "آخر کون ایسا سنگدل ہے جس نے اس کی جان لینا چاہی تھی؟"

"اس دنیا میں دشمن کہاں ہوتے ہیں، وہ تو میں ہوں جس کے اندر جاتا ہوں اسے دشمن بنا دیتا ہوں۔"

"مگر تم فرہاد کے دشمن کیوں ہو؟"

"یہ اپنی تین جان نثار ساتھی عورتوں کو تلاش کر رہا ہے۔ ایک تو اس کی بیوی رسونتی اسے مل گئی ہے۔ دوسری سونیا ہے۔ تیسری تم ہو۔"

اعلیٰ بی بی نے چونک کر پوچھا "کیا یہ مجھے تلاش کرنے کی سزا پا رہا ہے۔ تم آخر چاہتے کیا ہو؟ کیوں دشمنی کر رہے ہو؟"

"میں چاہتا ہوں، یہ تم لوگوں کو تلاش کرتا رہے اور کبھی مل نہ سکے۔ اس کے کئی دشمن اسے تلاش کر رہے ہیں۔ میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ یہ دشمنوں کے ہتھے نہ چڑھے۔ پھر یہ اپنے دشمنوں کو ٹھکانے لگانا چاہتا ہے۔ میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ یہ اپنے دشمنوں کو ٹھکانے لگائے۔"

"آخر تم چاہتے کیا ہو؟"

"شیطان صرف ایک بات چاہتا ہے اور وہ یہ کہ دنیا میں

امن و سکون نہ رہے۔ جھگڑے فساد کے بہانے بنتے چلے جائیں اور میں یہی بناتا چلا آ رہا ہوں۔"

اعلیٰ بی بی نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "اوہ خدایا! یہ سوچ کر میرا دل کتنی زور سے دھڑک رہا ہے کہ یہ شخص میرے لیے جان کی بازی لگا رہا ہے۔ میرے لیے اس مقام تک پہنچ گیا ہے۔ اے شیطان، اپنی حرکتوں سے باز آ جا، میں اپنے محبوب کو تیرے ہاتھوں مرنے نہیں دوں گی۔"

"میں کب کہتا ہوں کہ یہ میرے ہاتھوں مرے گا۔ میں کبھی کسی کو مارنا ہی نہیں چاہتا۔ زندگی اور موت تو خدا کے ہاتھ میں ہے۔ میں اس دنیا میں صرف شیطانی چکر چلانے کے لیے آیا ہوں اور چکر چلاتا رہوں گا۔ لوگ آپس میں لڑتے مرتے رہیں گے۔ میرے اس چکر میں کسی کو زندہ رہنے کا موقع مل جائے گا اور کسی کے نصیب میں موت آئے گی۔"

"میں تمھارے پاس آنا چاہتی ہوں۔"

"آ تو گئی ہو۔ روبرو آنا چاہتی ہو تو جہاں کھڑی ہو وہاں سے سیدھی قدم بڑھاتی چلی آؤ۔ راستے میں تمھیں کہیں کوئی ٹھوکر نہیں لگے گی۔"

اس نے قدم بڑھایا۔ پھر دوسرا قدم آگے بڑھایا۔ زمین پاؤں تلے ٹھوس تھی۔ پھر وہ آگے بڑھتی چلی گئی۔ اسکرین کے سامنے آ کر رک گئی۔ وہ اسکرین اب سادہ ہو چکا تھا۔ اعلیٰ بی بی نے کہا۔ "میں تمھارے پاس آنے سے پہلے فرہاد کا اصلی چہرہ دیکھنا چاہتی ہوں۔"

اسکرین پھر روشن ہوا۔ اس میں میری صورت نظر آنے لگی۔ اعلیٰ بی بی اسکرین کے پاس پہنچ گئی تھی۔ وہ میرے چہرے کو چھو کر دیکھنے لگی۔ چہرہ سچ مچ نہیں تھا۔ وہ روشنی اور سائے کے امتزاج سے بنا تھا لیکن وہ کبھی میری آنکھوں کو چھوتی تھی، کبھی ناک کو، کبھی گالوں کو، کبھی ہونٹوں کو اور کہتی جاتی تھی "ہاں مجھے ایسا لگتا ہے، جیسے میں نے اس چہرے کو دیکھا ہے، بہت اچھی طرح دیکھا ہے، اپنی آنکھوں سے بھی دیکھا ہے اور اپنے دل کے اندر بھی پایا ہے۔ کیا یہی فرہاد ہے؟"

"ہاں، یہی فرہاد ہے۔ اب تم میرے پاس چلی آؤ۔"

"کیسے آؤں، سامنے تو یہ بڑا سا پردہ ہے۔"

"تم قدم بڑھاتی جاؤ۔ میرے پاس پہنچ جاؤ گی۔"

اس نے قدم بڑھانا شروع کیے چند قدم چلنے کے بعد محسوس ہوا، سامنے پردہ نہیں ہے۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ پردہ پیچھے نظر آ رہا تھا۔ وہاں میری وہی صورت نظر آ رہی تھی گویا کہ وہ پردے کے آر پار چلی آئی تھی اور وہ پردہ محسوس بھی نہیں ہوا تھا۔

اچانک ہی اس نیم تاریک ماحول میں روشنی کا جھماکا ہوا۔ یکبارگی روشنی ہونے کے باعث اعلیٰ بی بی نے فوراً آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیے۔ پھر آہستہ آہستہ ہاتھوں کو ہٹا کر آنکھیں کھول کر دیکھا تو حیران رہ گئی۔ وہ ایک بہت بڑے خوب صورت سے سجے سجائے ڈرائنگ روم میں تھی۔ وہاں جدید طرز کے فرنیچر اور آرائشی سامان کو سلیقے سے سجا کر رکھا گیا تھا۔ وہ چاروں طرف گھوم کر دیکھتی رہی۔ ایک وہ شیطانی ماحول تھا جہاں عورتیں اور مرد شیطانی حالت میں شیطانی رقص کر رہے تھے اور انھوں نے ایک عورت کی گردن کاٹ کر شیطان کو خوش کیا تھا اور ایک یہ جدید طرز کا ماحول تھا۔ یقین نہیں آ رہا تھا کہ بیٹھی مار کر منہ کھول کر بیٹھے رہنے والا شیطان ایسے آرام دہ صوفوں پر بیٹھتا ہو گا۔

اعلیٰ بی بی نے آہٹ سن کر ایک طرف سر اٹھاتے ہوئے دیکھا دور زینے کی بلندی پر ایک بہت ہی بوڑھا شخص نظر آ رہا تھا۔ وہ دو حسین دوشیزاؤں کے شانوں پر ہاتھ رکھے ایک ایک زینہ اتر رہا تھا۔ پھر دو چار زینے اترنے کے بعد اس نے بوڑھی مسکراتی ہوئی آنکھوں سے نیچے ڈرائنگ روم میں کھڑی ہوئی اعلیٰ بی بی کو دیکھا۔ پھر ہنستے ہوئے کہا۔ "جب سے مجھے ملعون قرار دیا گیا تب سے اب تک سیکڑوں صدیاں گزر گئیں، ہزارہا صدیاں گزر گئیں۔ مجھے اب تک بوڑھا ہو جانا چاہیے۔ اس لیے میں بوڑھا ہوں۔"

وہ دو چار زینے اترتا ہوا ذرا اور نیچے آیا مگر وہاں پہنچتے پہنچتے اس کی ہیئت بدل گئی۔ اب وہ ادھیڑ عمر کا کوئی دوسرا ہی شخص دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم حیران ہو گی کہ میں انتہائی بوڑھا تھا۔ میری عمر تھوڑی سی کم کیسے ہو گئی۔ اب میں ادھیڑ عمر کا کیسے نظر آ رہا ہوں۔"

وہ ہنسنے لگا پھر ہنستے ہنستے کہنے لگا۔ "انسان اپنی عمر کے ساتھ آگے بڑھتا ہے، بچے سے جوان ہوتا ہے۔ جوان سے ادھیڑ عمر کا ہوتا ہے۔ پھر ادھیڑ عمر سے بوڑھا، پھر اور بوڑھا ہوتا چلا جاتا ہے لیکن میں شیطان ہوں۔ میں جوانی سے بڑھاپے تک

بھی جاسکتا ہوں اور بڑھاپے سے واپس جوانی تک بھی آسکتا ہوں جیسے اب آرہا ہوں۔"

وہ پھر نیچے اُتر کر آنے لگا۔ چند زینے طے کرنے کے بعد وہ بالکل جوان ہوگیا تھا۔ پہلے اُس نے دوشیزاؤں کے شانے پر ہاتھ رکھ کر ان کا سہارا لیا تھا۔ اب وہ ان کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر بڑے فخریہ انداز میں کھڑا ہوا تھا۔ بہت ہی قدآور اور خوبرو جوان دکھائی دے رہا تھا۔ اعلیٰ بی بی نے دل ہی دل میں اعتراف کیا کہ اُس نے آج تک اتنا خوبرو اور پُرکشش جوان کبھی نہیں دیکھا۔ اگر وہ بازار میں نکل پڑتا تو حسیناؤں کے دل بھی سینے سے نکل نکل پڑتے۔

اُس نے ہنستے ہوئے کہا "گئی، اعلیٰ بی بی گئی۔ گئی۔"

اعلیٰ بی بی نے بے اختیار کہا "لاحول ولاقوۃ۔"

وہ فوراً ہی دونوں دوشیزاؤں کے پیچھے چھپ گیا۔ چیخ کر بولا "خبردار! لاحول نہ پڑھنا ورنہ مجھ سے روبرو ملاقات نہیں ہوسکے گی۔"

اعلیٰ بی بی نے کہا "اب تم بھی کوئی ایسی بات نہ کرنا۔ چلو، اب سامنے آؤ۔"

وہ دوشیزاؤں کے پیچھے سے نکلا تو فرہاد علی تیمور نظر آرہا تھا۔ اعلیٰ بی بی اُسے دیکھ کر ایک دم سے چونک گئی۔ بے اختیار ایک قدم آگے بڑھی، پھر رُک گئی۔ اُس نے پوچھا "تم، تم فرہاد ہو؟"

اُس نے قہقہہ لگا کر کہا "میں شیطان ہوں مگر تم فرہاد کو پسند کرتی ہو اس لیے یہ چہرہ لے کر تمھارے سامنے آرہا ہوں۔"

"میرے جاں نثار محبوب کے روپ میں آکر بہکانا چاہو گے تو پھر لاحول پڑھوں گی۔"

اچانک ہی اُس کا چہرہ بدل گیا۔ اب وہ پہلے جیسا خوبرو بانکا جوان نظر آرہا تھا پھر اُس نے کہا "اچھا اب تو آنے کی اجازت ہے۔"

یہ کہہ کر وہ ایک زینہ نیچے اُترا۔ پھر رُک گیا۔ کہنے لگا "یہ زینہ یہاں سے اُس بلندی تک دیکھ رہی ہو۔ یہ عمر کا زینہ ہے نیچے سے اُوپر تک جاؤ گی تو بچپن سے بڑھاپے تک سفر کرو گی۔ یعنی زینے کے اوپر تک پہنچتے پہنچتے بوڑھی ہو جاؤ گی۔ جیسا کہ میں زینے کے اوپر بوڑھا تھا۔ یہاں نیچے اُترتے اُترتے جوان ہوگیا۔ اب باقی جو سیڑھیاں بچی ہیں، اگر میں ان پر قدم رکھتا ہوا آؤں گا تو جوان سے بچہ بن جاؤں گا۔ لہٰذا میں ان سیڑھیوں پر قدم نہیں رکھوں گا۔"

یہ کہتے ہی اُس نے یکبارگی چھلانگ لگائی، باقی تمام سیڑھیوں کو چھوڑ کر فرش پر آ کر دونوں قدموں پر کھڑا ہوگیا۔ ہنستے ہوئے بولا "دیکھا تم نے، میں نے بچپن کے اوپر سے چھلانگ لگائی اور جوان کا جوان رہا۔ آؤ بیٹھو، ہم اطمینان سے باتیں کریں۔"

اعلیٰ بی بی نے ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا "کیا ہمارے درمیان کوئی بامقصد گفتگو ہوسکتی ہے؟"

"شیطان کبھی بے مقصد باتیں نہیں کرتا۔"

"کیا تم میری ایک خواہش پوری کرسکتے ہو؟"

"شیطان ہر انسان کی خواہشات پوری کرتا ہے اسی لیے تو انسان میری طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔"

اعلیٰ بی بی نے مُسکرا کر کہا "جیسے میں کھنچی چلی آئی ہوں۔"

شیطان نے انکار میں سر ہلا کر مُسکراتے ہوئے کہا "اعلیٰ بی بی، تم بہت ہوشیار ہو۔ یہ مت بھولو کہ میں تمھارے اندر پہنچ کر چور خیالات پڑھتا ہوں۔ تم مجھے اُلّو بنانا چاہتی ہو۔"

"میرا خیال ہے، تمھارا اصلی چہرہ اُلّو سے بھی گیا گزرا ہوگا۔ بہرحال میں صاف اور سیدھی بات کرتی ہوں۔ مجھے میرا فرہاد چاہیے۔"

"تم فرہاد کے لیے کیا قربانی دے سکتی ہو؟"

"میں پوریٖنا جیسی پجاری نہیں ہوں کہ کسی انسان کو لا کر تمھارے قدموں میں جھکاؤں اور اُس کی گردن کاٹ کر اُس کے خون سے غسل کراؤں۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا "پوریٖنا پرانے رسم و رواج کا قائل ہے۔ لہٰذا وہ پرانے رواج کے مطابق قربانیاں دیتا ہے۔ ہم تو جدید ماحول میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ میرا سوٹ تمھیں کیسا لگ رہا ہے"

"اپنی تعریف کرانے میں وقت ضائع نہ کرو۔ فرہاد کے متعلق بات کرو۔"

"میں نے تم سے سوال کیا ہے، تم کیا قربانی دے سکتی ہو؟"

"تم کیا چاہتے ہو؟"

"اِس دنیا میں ایسے بہت سے ایمان والے یا نیکی کرنے والے ہیں یا خدا سے ڈرنے والے ہیں جن پر میرا بس نہیں چلتا۔ اگر تم فرہاد کو حاصل کرنا چاہتی ہو تو پلک جھپکتے ہی تمھیں اس کے پاس پہنچا دوں گا۔ میری شرط اتنی ہے کہ کسی ایک ایمان والے کو بہکا دو۔"

اعلیٰ بی بی نے پوچھا "میں تمھیں کیوں نہ قتل کردوں۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا "مجھے قیامت تک زندہ رہنا یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے۔ ویسے میں تمھیں ابتدا سے سمجھتا آرہا ہوں۔ تمھاری پرورش اور تمھاری تعلیم بابا فرید واسطی کے ادارے میں ہوئی ہے۔ تم کسی نیک اور ایمان والے کو بہکانا پسند نہیں کروگی۔"

"کاش مجھے سب کچھ یاد آجاتا کہ میں نے کہاں جنم لیا، کہاں پرورش پائی، کہاں تعلیم حاصل کی۔ تم کہتے ہو تو مجھے فخر محسوس ہو رہا ہے کہ میں سب کچھ بھولنے کے باوجود ایمان والی ہوں۔"

"بائی دی وے، تم کسی بے ایمان کو تو قتل کرسکتی ہو۔"

"تم کسی کو قتل کیوں کروانا چاہتے ہو اور وہ بھی میرے ہی ہاتھوں سے؟"

"اِس لیے کہ تم نے خواہش ظاہر کی ہے۔ میں تمھیں فرہاد کے پاس پہنچاؤں گا۔ تم میرے لیے قتل کروگی اور کسی بے ایمان کو قتل کرنا ثواب کا کام ہے۔"

"وہ بے ایمان کون ہے؟"

"ایک عورت ہے، تمھاری اور فرہاد کی دشمن۔"

"اُس کا نام؟"

"سونیا۔"

اعلیٰ بی بی نے چونک کر کہا "یہ نام ابھی تم نے لیا تھا۔ ہاں ابھی تھوڑی دیر پہلے تم نے کہا تھا کہ فرہاد کی تین جاں نثار ساتھی عورتیں ہیں۔ اِن میں سے ایک کا نام سونیا ہے۔"

"میں نے بیشک جاں نثار کہا تھا۔ وہ فرہاد کی دیوانی ہے مگر اُس کی محبت میں کسی کی شرکت نہیں چاہتی۔ اُس نے پہلے رسونتی کو راستے سے ہٹانے کی کوشش کی۔ اس کے بعد تمھیں ہٹاتے ہٹاتے خود مصیبت میں مبتلا ہوگئی ہے۔"

اعلیٰ بی بی نے تعجب سے پوچھا "آخر قصہ کیا ہے؟"

"مختصر سا احوال یہ ہے کہ تم سونیا کے ساتھ ایک طیّارے میں سفر کررہی تھیں۔ وہ طیّارہ دشمنوں کا تھا۔ سونیا کو یہ بات اچھی طرح معلوم تھی۔ کیوں کہ وہ طیّارے کے پائلٹ وغیرہ سے ملی ہوئی تھی۔ منصوبہ یہ تھا کہ فضائی سفر کے دوران جب تمھارے سامنے کھانا پیش کیا جائے گا تو اس میں ایسی دوا ملی ہوگی جو تمھاری ہلاکت کا باعث بنے گی لیکن سونیا اور جہاز کے عملے کے لوگ اِس پر عمل نہ کرسکے۔ اچانک ہی وہ طیّارہ ایک جنگل میں گر پڑا۔ اس میں طیّارے کے عملے کے علاوہ تم تین مسافر تھے۔ ایک سونیا، دوسری تم اور تیسرا ایک وہ شخص جس کا نام سجاد علی تیمور تھا، وہ اب اس دنیا میں نہیں رہا۔ سونیا اور تم طیّارے کے حادثے میں بے ہوش ہوگئی تھیں۔ وہاں مختلف تنظیموں کے افراد پہنچے۔ تم دونوں ہی دو مختلف دشمنوں کے ہاتھ لگ گئیں۔ انھوں نے تمھیں قید کرکے رکھا اور تمھیں دماغی نقصان اس حد تک پہنچایا کہ اپنا ماضی بھول گئیں۔ پچھلی زندگی یاد نہیں رہی جیسا کہ تم خود دیکھ رہی ہو۔"

"اگر سونیا میری دشمن ہے تو تم میرے ہمدرد کیوں ہو؟ کیوں اُسے میرے ہاتھوں قتل کرانا چاہتے ہو؟"

"میں شیطان ہوں، میرا کام یہی ہے۔ اُدھر میں نے سونیا سے بھی کہہ دیا ہے کہ اعلیٰ بی بی آج کل مِس بیوٹی کہلاتی ہے۔ وہ اس کی سخت دشمن ہے۔ اگر اُس نے اعلیٰ بی بی کو ہلاک نہ کیا تو فرہاد کو کبھی حاصل نہیں کرسکے گی۔"

"اچھا، تو تم ہمیں ایک دوسرے سے لڑانا چاہتے ہو۔"

"یہی تو میرا کام ہے۔"

"آخر تمھیں کیا حاصل ہوتا ہے؟"

"مجھے نیکی کرکے خوشی ہوتی ہے۔ اِس سے بڑی نیکی کیا ہوگی کہ فرہاد ایک انار ہے اور تم دو بیمار ہو۔ اِس ایک انار کو کسی ایک کے ہاتھ لگنا چاہیے۔ اگر وہ تمھارے ہاتھ لگ جاتا ہے تو یہ تمھارے حق میں میری نیکی ہوگی، اگر سونیا کے ہاتھ لگ جاتا ہے اور تم مرجاتی ہو تو سونیا کے حق میں نیکی ہوگی۔ میں ہر حال میں نیک کہلاؤں گا۔"

"تم آدمی کے روپ میں ہو مگر نیک آدمی تو نہیں کہلاؤ گے۔"

"دنیا ظاہر کو دیکھتی ہے۔ میں ظاہر میں آدمی ہوں اور کوئی آج تک آدمی کے اندر جھانک کر چھپے ہوئے شیطان کو نہیں دیکھ سکا۔"

اُسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ ٹیلی فون شیطان سے بہت دُور رکھا ہوا تھا۔ اُس نے مُسکرا کر اعلیٰ بی بی کی طرف دیکھا۔ پھر
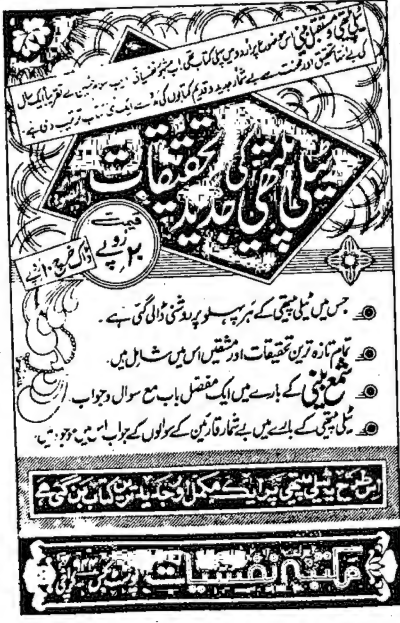
ٹیلی فون کی طرف دیکھتے ہوئے ایک انگلی کا اشارہ کیا۔ یہ شیطان کا جادوئی عمل تھا۔ اشارہ پاتے ہی ٹیلی فون کا ریسیور کریڈل پر سے اُٹھ گیا۔ اُس کا رُخ شیطان کی طرف ہوگیا۔ ریسیور کا فاصلہ اب بھی بہت دور تھا مگر ریسیور کے ماؤتھ پیس پر ایک شخص کا چہرہ نظر آرہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "ہیلو، پروفیسر ناگری! ہمیں تمھاری ضرورت ہے۔"

ریسیور کے اُپر پیس پر یعنی ریسیور کے اُس حصّے پر جہاں سے آواز سنی جاتی ہے، وہاں سامنے بیٹھے ہوئے شیطان کا چہرہ نظر آنے لگا۔ وہ پروفیسر ناگری کی حیثیت سے بول رہا تھا "میری ضرورت کیوں آپڑی ہے؟"

اعلیٰ بی بی حیرانی سے اُس ریسیور کو دیکھ رہی تھی۔ اُس نے سُنا تھا کہ ایسا ٹیلی فون بھی ایجاد ہو رہا ہے جس کے ساتھ چھوٹا سا اسکرین ہوگا۔ ٹیلی فون پر بات کرنے والے اس اسکرین کے ذریعے ایک دوسرے کو دیکھ بھی سکیں گے اور ریسیور کان سے لگائے گفتگو بھی کرسکیں گے لیکن یہاں تو کوئی اور ہی تماشا تھا۔ ٹیلی فون کے ساتھ اسکرین نہیں تھا لیکن ریسیور کے بولنے کی جگہ وہ بول رہا تھا جو دوسری طرف کہیں سے پروفیسر ناگری کو مخاطب کر رہا تھا اور ریسیور کے سننے والے حصّے پر پروفیسر ناگری کا چہرہ نظر آرہا تھا اور وہی شیطان پروفیسر اعلیٰ بی بی کی نگاہوں کے سامنے ایک صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔

وہ ریسیور فضا میں معلق تھا اور اس کے دونوں حصّوں میں بات کرنے والے اور بات سننے والے نظر آرہے تھے۔ بات کرنے والا کہہ رہا تھا "فرہاد پوری طرح ہوش میں آچکا ہے مگر جسمانی اور دماغی طور پر کمزور ہے۔ باس نے پیغام دیا ہے کہ فرہاد کی دماغی کمزوری سے فائدہ اٹھایا جائے اور اُس پر تنویمی عمل کر کے اُس کی اصلیت معلوم کی جائے۔ اِس بات کی پوری طرح تصدیق ہونا چاہیے کہ جسے ہم نے گرفتار کیا ہے وہ فرہاد ہی ہے۔"

شیطان نے کہا "اِس وقت رات کے دو بجے ہیں، فرہاد سو رہا ہے۔ میں آسانی سے اُسے ٹریپ کرلوں گا۔ تنویمی عمل کے ذریعے اُس کے دماغ کی گہرائیوں میں اُتر کر معلوم کروں گا کہ میکاکس کے میک اَپ کے پیچھے کون چھپا ہوا ہے۔ میں تھوڑی دیر میں وہاں پہنچ جاؤں گا۔ دیٹس آل۔"

شیطان نے انگلی کا اشارہ کیا۔ ریسیور واپس کریڈل پر پہنچ گیا۔ اعلیٰ بی بی نے پوچھا "ابھی تم نے بڑے سے اسکرین پر مجھے میکاکس کو دکھایا تھا اور کہا تھا یہی فرہاد ہے۔ جب تمھیں یقین ہے کہ یہ فرہاد ہے .... تو پھر تنویمی عمل کے ذریعے مزید تصدیق کیوں کرنا چاہتے ہو؟"

"میں انسان کے اندر گھس کر اُس کی اصلیت معلوم کرتا ہوں، مگر دنیا والے میکاکس کے اندر پہنچ نہیں سکتے۔ اس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ میں دنیا والوں کو دکھانے کے لیے تنویمی عمل کروں اور وہ میرا معمول بن کر اپنی زبان سے اعتراف کرتا جائے۔ میرے آس پاس بیٹھے ہوئے لوگ سنیں گے تب یقین ہوگا کہ واقعی وہ فرہاد ہے۔"

"کیا تمھارے تنویمی عمل کے دوران فرہاد کے دشمن آس پاس موجود ہوں گے؟"

"صرف ایک دشمن ہوگا جو پُراسرار شخص کہلاتا ہے۔"

اعلیٰ بی بی نے پوچھا "وہ تمھارے لیے پُراسرار نہیں ہوگا، آخر وہ کون ہے؟"

"میں سب جانتا ہوں۔ کون کیا ہے، لیکن ظاہر نہیں کرسکتا۔ میں دوسروں کی تقدیر کا حال جانتا ہوں کہ آئندہ ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔"

"کیا ہونے والا ہے؟"

"اُس پُراسرار شخص کی شامت آنے والی ہے۔"

اعلیٰ بی بی نے حیرانی سے پوچھا "اے شیطان، تیری کھوپڑی میں کیا ہے۔ تو مجھے اور سونیا کو لڑانا چاہتا ہے اور ہم میں سے کسی کی موت کا تجھے افسوس نہیں ہے۔ تجھے خوشی ہے کہ ہم میں سے جو فرہاد کو جیتے گا، اُس کے نتیجے میں تو نیک آدمی کہلائے گا۔ اِدھر وہ پُراسرار شخص تجھے فرہاد پر تنویمی عمل کرنے بُلا رہا ہے اور تو اُس کی خدمات انجام دینے جا رہا ہے لیکن یہ بھی جانتا ہے کہ پُراسرار شخص کی شامت آنے والی ہے۔ آخر تو کس کی خدمت کرتا ہے؟"

"میں نے آج تک کسی کی بھی خدمت نہیں کی۔ دوسروں سے کراتا آرہا ہوں۔"

"کیا اُس پُراسرار شخص کو معلوم ہے کہ تو شیطان ہے؟"

"وہ لوگ مجھے پروفیسر ناگری کی حیثیت سے جانتے ہیں مجھے شیطان کی حیثیت سے تو نے آج دیکھا ہے ورنہ میں تمام لوگوں کے ساتھ رہ کر چکمہ چلاتا ہوں۔ اُدھر ماسک مین کے باس بورنیا کو اپنا چیلا بنا رکھا ہے۔ وہ میرے لیے انسانوں کی قربانیاں دیتا ہے۔ مجھے خوش کرتا ہے میں اِس کے بدلے اُسے فرہاد کے قریب پہنچا کر چھوڑ دیتا ہوں اور اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ اُلو کا پٹھا کبھی فرہاد کے قریب پہنچ کر بھی اُسے گرفتار کرنے میں کامیاب نہیں ہوگا۔ اسی طرح میں جانتا ہوں کہ ابھی فرہاد کے پاس جا کر جو تنویمی عمل کروں گا تو اُس کے دماغ کی گہرائیوں تک نہیں پہنچ سکوں گا کیوں کہ مادام کمپیوٹر کے نام سے مشہور ہونے والی شیبا مادام فرہاد کے دماغ .... میں موجود ہوگی اور میرے تنویمی عمل کو اس کے دماغ کی گہرائیوں تک پہنچنے سے روکے گی بلکہ خود فرہاد بن کر میرے سوالوں کا جواب دے گی۔ اور مجھے دھوکا دے گی کہ میرا [illegible] بن گیا ہے اور میں جان بوجھ کر دھوکا کھاؤں گا۔"

اعلیٰ بی بی نے پوچھا "تمھیں کیا فائدہ ہوگا؟"

"کیا یہ کم فائدہ ہے کہ میں اُس پُراسرار شخص کی موجودگی میں تنویمی عمل کروں گا۔ فرہاد معمول بن کر جواب دے گا کہ وہ فرہاد نہیں بلکہ صحیح معنوں میں ڈاکٹر میکاکس ہے اور اُسے فرہاد کے دھوکے میں پکڑ لیا گیا ہے۔ اِس طرح میں اُس پُراسرار شخص کو دھوکا دوں گا۔"

"تم اُسے دھوکا کیوں دو گے۔ کیا تم دنیا میں کسی کے بھی دوست نہیں ہو؟"

"دوستی کا لفظ میری لُغت میں نہیں ہے۔"

"جب سب کچھ جانتے ہو تو یہ بتا دو کہ پُراسرار شخص کی شامت کیسے آئے گی؟"

"وہ میں نے اور فرہاد نے چکر چلا دیا ہے۔ فرہاد بلیک شیڈو کے دماغ میں پہنچ کر اُسے ہدایات دے چکا ہے کہ کس طرح پُراسرار شخص کو مائک اور اسپیکر کے حوالے سے ٹریپ کرنا چاہیے اور میں نے بلیک شیڈو کے دماغ میں پہنچ کر اُسے وہ نسخہ سمجھا دیا ہے کہ کس طرح تیکنیکی خرابی پیدا کی جاسکتی ہے، اور یہ بہت جلد ہونے والا ہے۔"

"تم دنیا جہان کی باتیں پہلے سے جان لیتے ہو۔"

"ساری باتیں جان لیتا ہوں مگر بہت سی باتوں پر میرا اختیار نہیں ہوتا۔ قدرت آڑے آتی ہے اور میں پیچھے ہٹ جاتا ہوں۔"

"کیا جو کچھ تم بیان کر رہے ہو، اِس معاملے میں بھی قدرت آڑے آئے تو پیچھے ہٹ جاؤ گے؟"

"بیشک، میرے ساتھ یہی ہوتا ہے۔ مثلاً میں تمھیں اور سونیا کو لڑانا چاہتا ہوں۔ تم میں سے کسی ایک کو فرہاد تک پہنچانا چاہتا ہوں۔ ہوسکتا ہے قدرت آڑے آئے اور میرا یہ منصوبہ ناکام ہوجائے۔ اسی طرح میں نے اس مائک اور اسپیکر کے درمیان خرابی پیدا کرنے کا جو نسخہ بلیک شیڈو کو سمجھا دیا ہے، ہوسکتا ہے وہ کسی وجہ سے قابلِ عمل نہ ہو۔ تم میرے شیطانی چکر کو سمجھنے کی کوشش نہ کرو تو بہتر ہے ورنہ تمھارا دماغ چکرا جائے گا۔ اچھا، اب جانا چاہتا ہوں۔ مجھے فرہاد کے پاس پہنچنا ہے۔"

"میں بھی ساتھ چلنا چاہتی ہوں۔"

"میرے منصوبے میں یہ بات شامل نہیں ہے۔ تمھیں وہاں لے جاؤں گا تو تم سب کی نظروں میں آجاؤ گی اور تم یہ بھی تو نہیں جانتی ہو کہ تم اُسی پُراسرار شخص کی قید سے فرار ہو کر یہاں تک پہنچی ہو۔ کیا تم دوبارہ اُس کی قید میں جانا چاہو گی؟"

اعلیٰ بی بی نے انکار میں سر ہلایا۔ شیطان نے کہا "تم میری مہمان ہو، چاہو تو یہاں رہ سکتی ہو، اگر یہاں سے جانا چاہو تو کوئی پابندی نہیں ہے۔ اس سینٹر ٹیبل پر ایک چھوٹا سا سوئچ رکھا ہوا ہے۔ تم اُسے اٹھا کر اُس کا بٹن دباؤ گی تو اس رہائش گاہ سے باہر کسی بھی جگہ پہنچ جاؤ گی۔ اگر یہاں رہنا چاہو گی، مجھ سے رابطہ قائم کرنا چاہو گی تو اس سوئچ کے بٹن کو دوبارہ دباؤ گی اور واپس یہاں آجاؤ گی۔ ہاں، اگر تم نے اس سوئچ کو کہیں پھینک دیا تو پھر کبھی نہیں آسکو گی۔"

اعلیٰ بی بی نے کہا "باہر جا کر میں غیر محفوظ رہوں گی۔ میں کچھ وقت تمھارے ساتھ گزارنا چاہتی ہوں۔ تمھارے ہتھکنڈوں کو سمجھنا چاہتی ہوں، اِس لیے یہیں رہوں گی۔"

"تو پھر اسے اپنا ہی گھر سمجھو۔ یہاں کھانے پینے، پہننے اوڑھنے کا ہر سامان موجود ہے۔ جس چیز کی کمی ہوگی، اُسے میں پورا کردوں گا۔ اچھا اب میں جاؤں؟"

"تم مجھ سے کیوں اجازت لے رہے ہو۔ جانا ہو تو چلے جاؤ۔"

"ویسے تو میں اپنی مرضی سے غائب ہوجاتا ہوں اور پھر موجود ہوجاتا ہوں لیکن جانے سے پہلے اخلاقاً اجازت لینا چاہیے اور میں صرف تم سے اجازت نہیں لے رہا ہوں۔ تمھارے ساتھ جو موجود ہے اُس سے بھی پوچھ رہا ہوں۔"

اعلیٰ بی بی نے حیرانی سے پوچھا "میرے ساتھ اور کون ہے؟"

شیطان نے مُسکراتے ہوئے کہا "بے چاری شیبا میرے دماغ میں پہنچنے کے لیے بے چین ہے مگر فرہاد نے دانشمندی کا درس دیا ہے کہ میرے پاس پہنچنے کی حماقت نہ کرنا۔ اسی لیے وہ تمھارے دماغ میں بیٹھی ہوئی ہے جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں میں ہر انسان کے اندر داخل ہوجاتا ہوں۔ شیبا بھی انسان ہے۔ اُس کی سمجھ میں آگیا ہوگا کہ میں اُس کے اندر پہنچ کر پتا نہیں کیا کچھ معلوم کرچکا ہوں۔"

شیبا نے فوراً ہی اعلیٰ بی بی کی زبان سے کہا "بہتر ہے، تم چلے ہی جاؤ۔"

"کیسے جاسکتا ہوں، یہ ایمان والی جانتی ہے مجھے کیسے بھگایا جاسکتا ہے۔"

اعلیٰ بی بی نے فوراً کہا "لاحول ولاقوۃ۔"

دوسرے ہی لمحے شیطان غائب ہوگیا۔

چند لمحوں تک خاموشی رہی۔ پھر اعلیٰ بی بی نے زیرِ لب کہا "واقعی شیطان ہی تھا۔"

شیبا نے اس کے دماغ میں کہا "اعلیٰ بی بی، میں تُلی بیٹھی

کے ذریعے تمھارے دماغ میں بول رہی ہوں۔"

اعلیٰ بی بی نے ایک ہاتھ سے سر کو تھام کر خلا میں تکتے ہوئے پوچھا: "کیا واقعی میرے دماغ میں کوئی بول رہا ہے یا میری اپنی سوچ ہے؟"

"ابھی شیطان گواہی دے چکا ہے کہ شیبا نامی ایک لڑکی تمھارے دماغ میں موجود ہے۔ وہ میں ہی ہوں۔"

اعلیٰ بی بی نے پوچھا: "کیا شیطان کی گواہی معتبر ہوتی ہے؟"

"وہ بعض اوقات اپنے مفاد کی خاطر سچ بولتا ہے۔"

"بھلا اس میں اُس کا مفاد کیا ہوگا؟"

"ابھی وہ فرہاد کے پاس گیا ہے۔ اُس پر اپنا تنویمی عمل کرے گا۔ اُس نے میرا تعارف تم سے کروا دیا ہے کہ میں تمھارے دماغ میں موجود ہوں۔ دو عورتیں مل کر باتوں میں لگی رہیں اور وہ اُدھر اپنا کام کر جائے۔ لٰہذا میں جا رہی ہوں۔ پھر تم سے تفصیلی گفتگو کروں گی۔"

اعلیٰ بی بی نے کہا: "کیا ہی اچھا ہوتا کہ میں بھی تمھارے ساتھ چلتی اور فرہاد کو دیکھتی۔"

"میں واپس آ کر اُس کے حالات تمھیں بتا دوں گی۔"

یہ کہتے ہی شیبا نے وہاں سے خیال خوانی کی پرواز کی۔ سیدھی میرے دماغ میں پہنچ گئی۔ مجھ کو اسپتال سے منتقل کر دیا گیا تھا۔ ایک ایسی رہائش گاہ میں پہنچایا گیا تھا جہاں پُراسرار شخص کے خیال کے مطابق پرندہ بھی پَر نہیں مار سکتا تھا۔ صرف دو پرندے تھے، ایک شیبا، دوسرا شیطان۔ دونوں ہی پَر مار کر کہیں بھی پہنچ سکتے تھے۔

شیبا نے میرے دماغ میں پہنچ کر معلوم کیا، میں اُس وقت گہری نیند میں تھا لیکن میرے ذریعے وہ کسی نرس کی باتیں سن رہی تھی۔ وہ نرس پروفیسر ناگری سے کہہ رہی تھی: "یہ گہری نیند میں ہے۔ ہم نے اسے خواب آور دوا پلائی تھی۔"

شیطان عرف پروفیسر ناگری نے کہا: "کوئی بات نہیں، تم جا سکتی ہو۔ کمرے میں اور کسی کو آنے کی اجازت نہ دینا۔"

وہ چلی گئی۔ اتنی دیر میں شیبا نے اُس کے ذریعے اُس کمرے میں چار افراد کو دیکھا تھا۔ ان میں سے ایک آرام دہ کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ باقی تین آس پاس کھڑے ہوئے تھے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ کرسی پر بیٹھنے والا وہی پُراسرار شخص ہے۔

اُن میں سے کسی نے کوئی بات نہیں کی تھی۔ گونگے بنے ہوئے تھے۔ صرف تنویمی عمل کے ذریعے دیکھنا چاہتے تھے کہ جو میکاکس زخمی حالت میں سامنے پڑا ہوا ہے اس کے اندر سے فرہاد ظاہر ہوتا ہے یا نہیں؟

جناب شیخ الفارس نے شیبا کو سمجھا دیا تھا کہ فرہاد کے آس پاس جو لوگ بھی ہیں، اِن کے دماغوں میں جانے کی کوشش نہ کرے۔ صرف فرہاد کے پاس رہے اور اس پر تنویمی عمل کا اثر نہ ہونے دے۔

وہ میرے ہی دماغ میں موجود رہی۔ میں گہری نیند میں تھا۔ اِن سب سے بے خبر تھا۔ میں جو پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کر لیتا ہوں، میں نے شیبا کو بھی محسوس نہیں کیا۔ ہاں، البتہ شیطان میرے اور شیبا کے اندر داخل ہو گیا۔ پھر اُس نے کہا، "شیبا مدام! میں نے جو پیشگوئی کی تھی اُس کے مطابق تم فرہاد کو بچانے آ گئی ہو۔ میں اِس پر تنویمی عمل نہیں کروں گا مگر دکھاوا ضروری ہے۔ لٰہذا میں عمل شروع کر رہا ہوں۔ تم اپنی تسلی کے لیے فرہاد کے دماغ میں موجود رہ سکتی ہو۔ میرے شیطانی علم نے مجھے سمجھا دیا ہے کہ تم لوگوں کے معاملے میں مجھے مداخلت نہیں کرنا چاہیے۔"

یہ کہہ کر اُس نے تنویمی عمل شروع کیا۔ وہ سب دکھاوا تھا۔ تنویمی عمل کے اصولوں کے مطابق وہاں شیطان عرف پروفیسر ناگری سوالات کر رہا تھا اور شیبا فرہاد کو معمول بنا کر اس کی زبان سے جواب دے رہی تھی۔ سوال جواب کے دوران یہ ثابت ہو گیا کہ جو شخص زخمی حالت میں پڑا ہوا ہے وہ دراصل میکاکس ہی ہے۔

شیطان نے سوال کیا: "اگر تم میکاکس ہو تو رسونتی کس کے بچے کی ماں بننے والی ہے؟"

شیبا نے میرے لب و لہجے میں، میری زبان سے جواب دیا: "میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ فرہاد علی تیمور میرے ہی روپ میں رہتا تھا۔ جب ایک رات میں نے انھیں دیکھا تو حیران رہ گیا۔ یوں لگا جیسے میں آئینہ دیکھ رہا ہوں۔ مجھ میں اور فرہاد علی تیمور میں کوئی فرق نہیں تھا۔ اِس کے بعد میں کہہ نہیں سکتا کہ میرے ساتھ کیا ہوتا رہا۔ جب بھی فرہاد میرے دماغ میں آتا تھا یا میرے سامنے آتا تھا تو میں دماغی طور پر غافل ہو جاتا۔ جب آنکھ کھلتی تھی تو خود کو صوفے پر پاتا۔ میں یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ فرہاد نے میری غفلت کے دوران رسونتی کے ساتھ وقت گزارا ہے یا نہیں۔"

اسی طرح کے اہم سوال اور جواب کے بعد تنویمی عمل ختم دیا گیا۔ اس کے بعد شیطان عرف پروفیسر ناگری نے پُراسرار شخص کو یا وہ جو کوئی بھی تھا، اُسے مخاطب کرتے ہوئے کہا "میں سمجھتا ہوں، یہ فرہاد کی چال ہے۔ بے چارے میکاکس کو اسی طرح فرہاد ثابت کرنا چاہتا ہے جس طرح اب سے پہلے سجاد علی تیمور وغیرہ کو فرہاد ثابت کرنے کی کوشش کر چکا ہے اور اس کے دشمن دھوکا کھاتے رہے ہیں۔"

شیطان کی بات پر اُن گونگے افراد نے تائید میں سر ہلایا۔ شیطان نے اور وضاحت سے کہا: "فرہاد بہت چالاک ہے۔ وہ میکاکس کو ہر رات غافل بنا دیتا تھا۔ اُس کی پلاننگ یہی تھی کہ کسی مرحلے میں رسونتی کے پاؤں بھاری ہو جائیں تو لوگ میکاکس کو فرہاد سمجھیں۔ اور یہی ہوا۔ بھلا میکاکس کیوں نہ فرہاد سمجھا جاتا جبکہ بے چارہ ہاربے سے لے کر دریائے ایمیزن کے ساحلی علاقوں تک رسونتی کے ساتھ رہا۔ اگر آج میں تنویمی عمل کے ذریعے میکاکس کے دماغ کی تہ میں نہ اُترتا اور اس کی اصلیت نہ معلوم کرتا تو تم سب اِسے فرہاد سمجھ کر ہلاک کر دیتے۔ اب اسے ہلاک کرنا یا زندہ چھوڑ دینا تم لوگوں کے فیصلے پر ہے۔ میں جا رہا ہوں۔"

وہ کمرے سے چلا گیا۔ شیبا میرے دماغ میں موجود رہی۔ اِس کے جانے کے بعد میں اگرچہ غفلت کی نیند میں تھا لیکن میرے کان کھلے ہوئے تھے۔ شیبا میرے ذریعے اُن کی باتیں سُننے لگی۔ شاید وہ پُراسرار شخص نہیں بول رہا تھا لیکن اُس کے آس پاس جو لوگ تھے، وہ بول رہے تھے۔ مجھ پر تبصرہ کر رہے تھے۔ تبصرے کا نتیجہ بھی یہی تھا کہ میں فرہاد نہیں ہوں۔ آئندہ میرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا اُس پر بعد میں غور کیا جا سکتا ہے۔

یہ باتیں کرنے کے بعد وہ لوگ وہاں سے چلے گئے۔ شیبا کو اطمینان ہو گیا کہ اب فرہاد تنویمی عمل کے مطابق صبح تک بخیریت سوتا رہے گا۔ وہ اس کے دماغ سے نکل کر شیخ الفارس کے پاس آ گئی اور انھیں تمام رپورٹ سنانے لگی۔ وہ شیطان کی باتیں دلچسپی سے سنتے رہے۔ شیبا نے کہا: "میں نے شیطان کو اعلیٰ بی بی کے ذریعے دیکھا ہے مگر یقین نہیں آ رہا ہے۔"

جناب شیخ الفارس نے ہنستے ہوئے کہا: "ہم آئے دن شیطانوں کو دیکھتے رہتے ہیں۔ ہمیں بھی یقین نہیں آتا، مگر شیطان کو جو کرنا ہوتا ہے وہ مختلف شکلوں میں کر گزرتا ہے۔"

"جناب! یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ اعلیٰ بی بی نے شیطان کے گھر میں رہنا کیوں پسند کیا ہے؟"

"تم اعلیٰ بی بی کے پاس آتی جاتی رہو گی تو بہتیرے تجربات حاصل ہوں گے۔ وہ جو بھی فیصلہ کرتی ہے اُس کے پیچھے بہت گہرائی ہوتی ہے۔ بظاہر وہ بولتی کچھ ہے، کرتی کچھ ہے اور نتیجہ کچھ اور سامنے آتا ہے۔ وہ شیطان کو چکر دینے کی پوری کوشش کرے گی۔"

شیبا جماہی لینے لگی۔ انھوں نے کہا: "تم وقت پر سونے وقت پر جاگنے اور کھانے پینے کی عادی تھیں۔ فرہاد کے زخمی ہونے کے بعد تم پر خیال خوانی کی بڑی ذمے داریاں عائد ہو گئی ہیں۔ ویسے تمھیں اب آرام سے سونا چاہیے۔"

"یہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔ وہ شیطان کے گھر میں ہے۔ مجھے اطمینان نہیں ہے۔ میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ وہاں کیا ہو رہا ہوگا۔"

"تم اعلیٰ بی بی کی فکر نہ کرو۔ صبح اُٹھ کر اُس کے پاس جاؤ گی تو کچھ اور ہی حالات دیکھو گی۔"

"بہرحال مجھے نیند نہیں آ رہی ہے، ایک آدھ بار فرہاد کے پاس جا کر بھی دیکھنا چاہیے۔ پُراسرار شخص مطمئن ہے کہ وہاں پرندہ بھی پَر نہیں مار سکتا لیکن دشمن بھی نادان اور کمزور نہیں ہیں۔"

"تم درست کہتی ہو۔ جب تک فرہاد اُن کی قید سے نہیں نکلے گا، ہمیں اطمینان نہیں ہوگا۔"

"میں بہت دیر سے بلیک شیڈو کے پاس نہیں گئی۔ اب جا رہی ہوں۔ آپ آرام فرمائیں، کوئی ضروری بات ہوگی تو آپ کو جگا کر مشورہ لوں گی۔"

وہ بلیک شیڈو کے پاس پہنچ گئی۔ فرہاد نے بہت پہلے ہی اس پر جال پھینکا ہوا تھا۔ ساری پلاننگ ہو چکی تھی۔ صرف عمل کرنا رہ گیا تھا۔ اس کا موقع ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔ فرہاد کے بعد شیطان نے بھی یہی دعویٰ کیا تھا۔ اُس نے بلیک شیڈو کے دماغ میں گھس کر مائک سے لے کر اسپیکر تک ایک خرابی پیدا کرنے کا طریقہ سمجھا دیا تھا لیکن اس طریقے پر عمل کرنے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ پُراسرار شخص کی طرف سے ابھی مائک اور اسپیکر کے پاس اُسے طلب نہیں کیا گیا تھا۔

ایسا تو ہوتا ہے۔ شکاری اپنے مچان پر شیر کو ہلاک کرنے کے انتظار میں بیٹھا رہتا ہے، یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اُسے کب تک انتظار کرنا ہوگا اور انتظار کے بعد جب شیر آئے گا تو وہ شکار کرے گا یا شیر اُسے دبوچ لے گا۔ یہ نہ تو فرہاد جان سکتا ہے اور نہ ہی آئندہ کی باتیں شیطان کے علم میں ہیں۔ یہ صرف قدرت کے کھیل ہیں۔ اگرچہ شیطان دعویٰ کرتا ہے کہ وہ آئندہ کی تمام باتیں جانتا ہے۔ لیکن جاننے کے باوجود یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ وہی باتیں پیش آئیں گی۔

وہ بلیک شیڈو کے پاس سے آ گئی۔ ابھی کام نہیں بن رہا تھا۔ اعلیٰ بی بی، شیطان کے گھر میں مہمان تھی۔ ظاہر ہے شیطان پھر شیطان ہے۔ اس کی مہمان نوازی بھی خطرے سے خالی نہیں ہوتی۔ شیبا، اعلیٰ بی بی کی خیریت معلوم کرنے کے لیے جب وہاں پہنچی تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ اعلیٰ بی بی آرام سے سو رہی تھی۔

وہ اُس کے دماغ سے واپس آ گئی۔ دماغی طور پر بابا صاحب کے ادارے میں حاضر ہوئی، پھر اُس نے شیخ الفارس کے دماغ میں چپکے سے جھانک کر دیکھا۔ وہ جاگ رہے تھے۔ اُس نے پوچھا: "آپ ابھی تک جاگ رہے ہیں؟"

"مجھے فرہاد کی فکر تھی، اگرچہ وہ خطرے سے باہر ہے پھر

بھی اُس کی خیریت معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"
"وہ بخیریت ہیں۔ مَیں بلیک شیڈو کے پاس سے آئی ہوں۔ وہ ابھی تک اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکا ہے۔ لیکن جناب! ایک بات بڑی حیرت انگیز ہے۔"
"وہ کیا؟"
"اعلیٰ بی بی شیطان کے گھر میں ہے اور بڑی بے خوفی سے بے خبر سو رہی ہے۔"
"اُس نے اچھی طرح سمجھ لیا ہوگا کہ خطرہ نہیں ہے۔"
"کیسے سمجھ لیا جبکہ وہ شیطان کے گھر میں ہے۔"
"تم اُس کے دماغ میں گئی تھیں۔ پھر ایک بار جاؤ اور معلوم کرو، وہ اس طرح بے خوفی سے گہری نیند کیسے سو رہی ہے؟"
شیبا پھر اُس کے دماغ میں پہنچی اور دماغ کو ٹٹولا۔ واپس جناب شیخ الفارس کے پاس آکر بولی "اُس نے اسم اعظم پڑھا ہے۔ اس کے بعد سو گئی ہے۔"
"پھر ڈرنے کی کیا بات ہے؟"
"لیکن جناب یہ اسم اعظم ہے کیا چیز؟"
"اللہ تعالیٰ کے اسمائے اعظیم میں سے کسی بھی ایک اسم کو ہم اسم اعظم کہتے ہیں۔ کوئی اسم جس پر ہمارا پورا اعتماد اور اعتقاد ہو۔ مثلاً ہم اسمائے گرامی میں سے ایک اسم 'یا سمیعُ' کا ورد کریں اور پورا یقین رکھیں کہ اللہ تعالیٰ سننے والا ہے۔ ہماری دعاؤں کا سننے والا اور قبول کرنے والا ہے تو یا سمیعُ پر جو بھرپور اعتماد ہوگا اس سے دُعا یقیناً قبول ہوگی۔"
"مَیں نے اعلیٰ بی بی کے دماغ میں جھانک کر معلوم کیا۔ اُس نے یا سمیعُ کا ورد نہیں کیا تھا۔"
"پھر کوئی اور اسم اعظم ہوگا؟"
"جی ہاں، اُس نے یا حفیظُ کا ورد کیا تھا۔"
"ٹھیک تو ہے۔ اُسے اللہ تعالیٰ پر بھرپور اعتماد ہے کہ وہ حفاظت کرنے والا ہے اور شیطان سے محفوظ رکھے گا۔ اس لیے اُس نے یا حفیظ کا ورد کیا اور آرام سے سو گئی ہے۔ میرا مشورہ ہے تم بھی سو جاؤ۔"
وہ اپنے بستر پر چلے گئے۔ شیبا اپنے کمرے میں تھی۔ اُس نے ماں کی طرف دیکھا۔ وہ بزرگ خاتون آرام سے سو رہی تھیں۔ ساری دنیا ہی سو رہی تھی۔ ایک وہی جاگ رہی تھی۔ اب سو جانا چاہیے تھا۔ لیکن یہ معلوم کر کے نیند اُڑ گئی تھی کہ صرف یا حفیظ کا ورد کر کے اعلیٰ بی بی اطمینان سے سو گئی ہے۔ کیا یقین اتنا پختہ ہوتا ہے، کیا اللہ ایسے پختہ اعتماد رکھنے والوں کی ایسی حفاظت کرتا ہے، کیا واقعی شیطان اعلیٰ بی بی کے نزدیک نہیں جائے گا؟

پھر اُسے اپنے قریب شیطان کی آواز سنائی دی "تم میری مدد کرو تو مَیں اعلیٰ بی بی تک پہنچ سکتا ہوں۔"
اُس نے چونک کر اُسے اپنے اندر محسوس کیا۔ پھر پوچھا۔ "تم کیا کہہ رہے ہو؟"
"اگر تم دیکھنا چاہتی ہو کہ 'یا حفیظ' کا ورد کرنے اور اللہ تعالیٰ پر یقین رکھنے کے باوجود میں اس کے پاس کیسے پہنچتا ہوں تو اس کا توڑ کوئی انسان ہی کر سکتا ہے اور تم یہ کر سکتی ہو۔"
"تم چاہتے کیا ہو؟"
"اعلیٰ بی بی نے اسم اعظم پڑھا اور اطمینان سے سو گئی۔ واقعی مَیں اُس کے پاس نہیں جا سکتا۔ تم اُس کے پاس جا کر اُسے جگاؤ گی تو ایک طرح سے اُس کی نیند پوری ہو جائے گی۔ اس نے اسم اعظم صرف سونے کے دوران محفوظ رہنے کے لیے پڑھا تھا۔ تمہارے جگانے سے اُس کی وہ پہلی نیند پوری ہو جائے گی۔ دوسری بار وہ سونا چاہے گی تو تم اسم اعظم پڑھنے کا موقع نہ دینا۔ باتوں میں لگا دینا۔ کہنا کہ تم ٹیلی پیتھی کی نیند سلاؤ گی۔ اس طرح جب وہ سو جائے گی تو مَیں بہ آسانی اُس کی خواب گاہ تک پہنچ جاؤں گا۔"
شیبا نے ایک گہری سانس لے کر کہا "واقعی تم شیطان ہو۔ تم نے اس حسین اعلیٰ بی بی کی خواب گاہ تک پہنچنے کے لیے بہت اچھا انتخاب کیا ہے کیوں کہ وہ مسلمان ہے اور مَیں یہودی ہوں اور مَیں چاہوں گی کہ شیطان ایک مسلمان عورت کی عزت کو مٹی میں ملا دے۔"
شیطان نے ہنستے ہوئے کہا "یہی تو میرا کمال ہے۔ مَیں مناسب کام کے لیے مناسب انسان کا انتخاب کرتا ہوں۔ تم تو راضی ہو؟"
"اے شیطان! مَیں یہودی ہوں مگر انسان ہوں اور انسان یہودی بھی ہو سکتا ہے اور مسلمان بھی۔ مَیں مسلمان نہیں ہوں مگر مسلمانوں کے طرزِ عمل سے متاثر ہوں اور آج ہی میں نے اعلیٰ بی بی سے ایک عمل سیکھا ہے۔"
شیطان نے پوچھا "کیسا عمل؟"
شیبا نے کہا "تمھیں بھگانے کا۔ لاحول ولا قوۃ۔"
دوسرے ہی لمحے شیبا نے اپنے آپ کو ہلکا پھلکا سا محسوس کیا۔ واقعی شیطان اُس کے اندر سے بھاگ گیا تھا۔ وہ خوش ہو کر مسکراتے ہوئے بستر پر آگئی۔ اپنی ماما کے پاس لیٹ گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ اپنے دماغ کو ہدایات دے کر گہری نیند سو رہی تھی۔
یہ سب کچھ میری طویل غفلت کے دوران ہو رہا تھا۔ ان دنوں راوی چین لکھتا تھا۔ مَیں رات بھر آرام سے سوتا تھا۔ دن کو ڈاکٹر، نرسیں اور خاص ملازم میری خدمت کے لیے موجود رہتے تھے۔ میرا باقاعدہ علاج ہو رہا تھا۔ زخموں سے پہلے جیسی ٹیسیں نہیں اٹھتی تھیں۔ اس کے باوجود جسمانی اور دماغی طور پر کمزور تھا۔ بہت زیادہ سوچنے سے سر میں درد ہونے لگتا تھا۔ فی الحال خیال خوانی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔
شیبا دن رات میرے پاس آتی جاتی رہتی تھی۔ اس نے مجھے شیطان کے متعلق تفصیل سے بتایا۔ اب تک جو کرتی رہی تھی، وہ ساری رپورٹ سنائی۔ مَیں نے کہا: "خدا کا شکر ہے کہ شیطان نے بحیثیت پروفیسر ناگری مجھ پر تنویمی عمل کیا اور پُراسرار شخص کو جھوٹی رپورٹ دے دی۔ اب انھیں اطمینان ہوگا۔ مجھ پر شبہ نہیں ہوگا۔ زیادہ سے زیادہ مجھے قیدی بنا کر رکھیں گے لیکن جانی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔"
پھر مَیں نے کہا "تم اعلیٰ بی بی کے متعلق بتاؤ۔ کیا وہ ابھی تک شیطان کی مہمان ہے؟ آخر وہاں کیا کر رہی ہے؟"
"مَیں ابھی جا رہی ہوں۔ واپس آکر بتاؤں گی۔"
وہ میرے پاس سے چلی گئی۔ مَیں انتظار کرتا رہا۔ بعد میں جو کچھ معلوم ہوا مَیں اُسے بیان کر رہا ہوں۔
مَیں نے شیبا سے کہا تھا کہ وہ اعلیٰ بی بی کو میرا ایک پیغام پہنچائے اور وہ یہ کہ سونیا کو ڈھونڈ نکالنے کا یہ بہترین موقع ہے۔ شیطان کے مشورے کے مطابق اعلیٰ بی بی کو سونیا سے ٹکرانے کا فیصلہ کرنا چاہیے تاکہ اس طرح آمنا سامنا ہو اور سونیا ہماری نظروں میں آجائے۔
جب شیبا اعلیٰ بی بی کے دماغ میں پہنچی تو وہاں شیطان موجود تھا۔ اُس نے ہنستے ہوئے کہا "اعلیٰ بی بی! تمھارے پاس شیبا آئی ہے۔ فرہاد کا پیغام لائی ہے۔ ایک بہت ہی عمدہ مشورہ دینا چاہتی ہے، یہی مشورہ تو مَیں پہلے ہی دے چکا ہوں۔ تمھیں سونیا سے ٹکرانا چاہیے۔ تم دو بیمار ہو۔ تم میں سے کسی ایک کو ختم ہونا چاہیے اور دوسرے کو ایک انار کے لیے زندہ رہنا چاہیے۔"
شیبا نے سوچ کے ذریعے کہا "یہ کمبخت شیطان ہر جگہ پہنچ جاتا ہے اور ہماری باتیں سن لیتا ہے۔ مَیں ابھی فرہاد کے پاس سے آ رہی ہوں۔ اُس نے یہی مشورہ دیا ہے لیکن وہ ہم دونوں کو دشمنوں کی طرح ٹکرانا نہیں چاہتا۔ اس ٹکراؤ کے ذریعہ سونیا تک پہنچنا چاہتا ہے۔"
اس دوران شیطان چپ چاپ مسکرا رہا تھا۔ شیبا کی بات ختم ہوتے ہی اُس نے کہا "یہ ٹھیک کہتی ہے۔ سونیا کو ڈھونڈ نکالنے کا یہی طریقہ ہے، لیکن میں براہِ راست تمھیں سونیا تک نہیں پہنچاؤں گا۔"
"تم نے وعدہ کیا تھا۔"
"اب میں دیکھ رہا ہوں کہ میری چال ناکام ہوگی۔ تم سونیا سے کبھی نہیں ٹکراؤ گی۔ مجھے پہلے ہی سمجھ لینا چاہیے تھا کہ تم سب آپس میں جاں نثار ساتھی ہو۔"
"اے شیطان! تُو نے آج تک ہمارے بے شمار دشمنوں کے ذریعے ہمارے راستے میں بے شمار رکاوٹیں پیدا کیں مگر ہم اپنی منزل تک پہنچتے رہے۔ آج تو سونیا سے نہیں ملائے گا تو ہم کسی نہ کسی طرح اُس کے پاس پہنچ ہی جائیں گے۔"
"یہ بھی جانتا ہوں۔ اس لیے سوچتا ہوں کیوں نہ مَیں تم لوگوں پر احسان کروں۔"
"مَیں تمھارا احسان لینے سے انکار کرتی ہوں۔"
"اعلیٰ بی بی! انکار نہ کرو، تم جب تک اپنی کوششوں سے سونیا کے پاس پہنچو گی، اُس وقت تک دشمن نہ جانے اُس کا کیا حال کر دیں۔ وہ کس حال میں ہوگی یہ تم میں سے کوئی نہیں جانتا صرف مَیں جانتا ہوں۔ اس لیے میری مدد لازمی ہے۔"
"تم چاہتے کیا ہو؟"
"کچھ نہیں، احسان کرنا چاہتا ہوں۔ سونیا جہاں ہے وہاں تمھیں پہنچا دینا چاہتا ہوں۔ پھر تمھارے ذریعے شیبا اور شیبا کے ذریعے بابا فرید واسطی کے ادارے کے بے شمار افراد سونیا تک پہنچ جائیں گے۔ بے چارہ فرہاد پہنچ نہیں سکتا کیوں کہ ابھی بستر پر پڑا ہے اور اب تب میں اس پر ایک نئی مصیبت آنے والی ہے۔"
اعلیٰ بی بی اور شیبا دونوں ہی چونک گئیں۔ اعلیٰ بی بی نے پوچھا "کیسی مصیبت۔ مجھے بتاؤ اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟"
"مَیں پیش آنے والی باتیں بتاتا ہوں مگر ان باتوں کا رُخ بدل جاتا ہے۔ اس لیے پہلے سے کچھ نہیں بتاؤں گا۔ تم سونیا تک پہنچنا چاہتی ہو۔ تیار ہو جاؤ۔ مَیں پہنچا رہا ہوں۔"
"تمھاری ایک مہربانی کے پیچھے نہ معلوم کتنی نامہربانیاں چھپی ہوں گی۔ پتا نہیں تم کیا کرنا چاہتے ہو اور مجھ سے کیا کرانا چاہتے ہو۔ مجھے ذرا غور کرنے دو۔"
شیطان نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا "اعلیٰ بی بی اور کسی مسئلے پر غور کرے گی جبکہ وہ حاضر دماغ کہلاتی ہے۔ ویسے تمھیں غور و فکر کے لیے کافی وقت ملے گا۔ مَیں تمھیں وہاں پہنچانے سے پہلے بتانا چاہتا ہوں کہ وہ کہاں ہے، کس حال میں ہے اور تم وہاں کیسے پہنچ سکتی ہو۔ میرے ساتھ آؤ۔ مَیں تمھیں بتاتا ہوں۔"
اعلیٰ بی بی اپنی جگہ سے اُٹھ کر اُس کے پیچھے جانے لگی۔ وہ شیطان کے عالی شان محل کو دیکھ چکی تھی۔ وہ محل واقعی اتنا عالی شان تھا کہ دنیا کے بڑے بڑے ارب پتی اور کھرب پتی کے ایئرکنڈیشنڈ محل بھی ایسے نہیں ہوں گے۔

وہ شیطان کی راہنمائی میں چلتے ہوئے ایک چھوٹے سے آڈیٹوریم میں آئی۔ وہاں ایک طرف بڑا سا اسکرین تھا۔ شیطان نے ہاتھ اٹھا کر اسکرین کی طرف انگلی کا اشارہ کیا۔ اسی وقت وہ اسکرین روشن ہوا۔ وہاں شمالی امریکا کا نقشہ دکھائی دینے لگا۔ وہ دونوں اسکرین سے تقریباً پچیس گز کے فاصلے پر کھڑے ہوئے تھے لیکن شیطان کا جو ہاتھ اسکرین کی طرف اٹھا ہوا تھا وہ ہاتھ لانبا ہوتے ہوتے اسکرین تک پہنچ گیا۔ پھر وہ اسی انگلی سے نقشے کو دکھاتے ہوئے کہنے لگا۔ "یہ کینیڈا ہے۔"

اعلیٰ بی بی شدید حیرانی سے کبھی شیطان کو دیکھ رہی تھی، کبھی اسکرین کو۔ یہاں سے وہاں تقریباً پچیس گز کے فاصلے تک شیطان کا ہاتھ لانبا ہو کر اسکرین تک پہنچا ہوا تھا اور وہ کہہ رہا تھا۔ "یہ دیکھو، درمیانی حصے میں ایک خلیج ہے اس کے جنوب میں شکاگو ہے اور شمال مغرب میں گرین بے (سبز خلیج) ہے۔ سونیا اسی گرین بے کے ساحلی شہر میں ہے۔"

اعلیٰ بی بی نے کہا۔ "میں سونیا کو دیکھنا چاہتی ہوں۔"

شیطان نے کہا۔ "تم اپنی یادداشت کھو چکی ہو۔ تمھیں پچھلی زندگی یاد نہیں رہی۔ پچھلے شناساؤں کے چہرے یاد نہیں رہے۔ پھر سونیا کو کیسے پہچان سکو گی؟"

"پھر بھی دیکھنا چاہتی ہوں، میں باباصاحب کے ادارے سے خاص افراد کو گرین بے کی طرف بلاؤں گی۔ وہ سونیا کو دیکھتے ہی پہچان لیں گے۔"

"اچھی بات ہے، دیکھو۔"

شیطان نے چٹکی بجائی۔ اسکرین پر سے کینیڈا کا نقشہ مٹ گیا۔ اب وہاں ایک ساحلی علاقہ نظر آرہا تھا۔ پتھریلی چٹانیں تھیں اور سمندر کی منہ زور لہریں ان چٹانوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ دراصل وہ سمندر کا پانی تھا جو خلیج میں چلا آیا تھا۔ اس ساحل پر دو شخص نظر آرہے تھے۔ فولڈنگ چیئر کھول کر وہاں بیٹھ رہے تھے۔ انھوں نے درمیان میں ایک فولڈنگ میز کھول کر بچھائی تھی۔ پھر اس پر کھانے کی چیزیں رکھنے لگے۔ شاید وہ وہاں پکنک کے خیال سے آئے تھے۔ بھوک لگ رہی تھی۔ اب کھانا ہی چاہتے تھے کہ اچانک ایک شخص کے منہ پر ٹھوکر لگی۔ دوسرا شخص پھرتی سے اُٹھا مگر اُس کے اُٹھنے سے پہلے ٹھوکر مارنے والے نے گھوم کر ایک کراٹے کا ہاتھ منہ پر رسید کیا۔ وہ کرسی سمیت پیچھے کی طرف اُلٹ گیا۔

وہ دونوں ہی زمین پر پڑے تھے۔ انھوں نے پلٹ کر دیکھا ان سے ذرا فاصلے پر ایک قدآور، صحت مند عورت کھڑی ہوئی تھی۔ اُس نے جینز اور جیکٹ پہن رکھی تھی۔ پاؤں میں مردانہ طرز کے جوتے تھے۔ اس کے کھڑے ہونے کا انداز اور اس کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ بھوکی شیرنی ہے مگر دو بھوکے مردوں کو عورت نظر آرہی تھی۔ وہ گرنے والے فوراً ہی اُٹھ کر کھڑے ہوئے۔ پھر دونوں نے بیک وقت حملہ کیا۔ پتا چلا، جس پر حملہ کیا گیا تھا وہ اُن سے بھی زیادہ پھرتیلی تھی۔ اپنی جگہ سے اُلٹی قلابازی کھا کر ذرا فاصلے پر گئی تھی۔ پھر وہاں سے چھلانگ لگا کر بیک وقت دونوں کو فلائنگ کِک ماری تھی۔

شیطان نے اعلیٰ بی بی کے ذرا قریب ہو کر کہا۔ "یہی سونیا ہے۔"

شیبا نے سوچ کے ذریعے کہا۔ "اعلیٰ بی بی، شیطان سے کہو، اگر یہ سونیا ہے تو اس کی آواز سنائے۔"

شیطان نے کہا۔ "شیبا، میں بیک وقت ہزاروں افراد کے اندر رہتا ہوں۔ تمھارے اندر کی باتیں بھی سن رہا ہوں۔ سونیا کی آواز سنائی دے گی۔ ذرا صبر کرو اور تماشا دیکھو۔"

وہ تماشا تھوڑی دیر تک جاری رہا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ سونیا نہیں، کوئی مشین ہے۔ مشین کی طرح تیزی سے حرکت کرتی ہے۔ اُس نے دیکھتے ہی دیکھتے دو میں سے پہلے ایک کو اپنے داؤ پر لیا۔ پھر اُسے گہری خلیج کی طرف پھینک دیا۔ اُس کی آخری چیخ سنائی دی۔ پانی اتنا گہرا تھا کہ دوسری چیخ اُبھر نہ سکی۔

دوسرے نے سمجھ لیا تھا کہ وہ عورت نہیں، بلا ہے۔ اس لیے بھاگنا چاہتا تھا لیکن اس نے بھاگنے والے کو بھی دبوچ لیا تھا۔ شیطان نے کہا۔ "یہ دوسرے کو بھی اس لیے زندہ نہیں چھوڑے گی کہ دشمنوں سے چھپتی چھپاتی وہاں آئی ہے۔ اگر دوسرا بچ کر شہر کی طرف جائے گا تو اس کے متعلق ضرور ذکر کرے گا۔"

شیطان کی کمنٹری کے دوران ہی سونیا نے دوسرے کو بھی خلیج کی طرف اچھال دیا تھا۔ پھر اُس کی بھی ایک طویل آخری چیخ سنائی دی، اس کے بعد سناٹا چھا گیا۔ سونیا نے فوراً ہی پانی کی بوتل اٹھا کر شانے سے لٹکائی، کھانے کا سامان سمیٹ کر ایک چھوٹے سے بیگ میں رکھا۔ پھر وہاں سے دوڑتی ہوئی جانے لگی۔

منظر بدلتا جا رہا تھا۔ وہ دوڑتی ہوئی جس جگہ پہنچتی تھی، وہ جگہ اسکرین پر نظر آتی تھی۔ وہ چٹانوں سے نیچے اُترتی جا رہی تھی۔ کہیں کہیں چھلانگ لگا کر ایک چٹان سے دوسری چٹان پر پہنچتی تھی۔ اس طرح وہ ساحل کے نشیبی علاقے میں آگئی تھی۔ پھر وہ ایسی جگہ پہنچی تھی جہاں چٹانوں کے درمیان ایک راستہ اندر جاتا ہوا نظر آرہا تھا۔ وہ اس غار نما راستے پر چل پڑی۔ ذرا فاصلے پر جانے کے بعد باہر سے آنے والی روشنی ختم ہو گئی۔ آگے نیم تاریکی تھی۔ وہ ایسے چلنے لگی جیسے جانا پہچانا راستہ ہو۔ پھر اُس نے جیب سے ایک چھوٹی سی ٹارچ نکال کر روشن کی۔ اس کی روشنی میں ایسی جگہ پہنچی جہاں دو بھاری پتھروں کے درمیان ایک چٹان پڑی ہوئی تھی۔ جیسے سونے کے لیے بستر بچھا دیا گیا ہو۔ وہ وہاں پہنچ کر بیٹھ گئی۔ بیگ میں سے کھانے کا سامان نکال کر جلدی جلدی یوں کھانے لگی جیسے کئی وقت کی بھوکی ہو۔

اس چٹان پر کچھ اور بھی سامان پہلے سے رکھا ہوا تھا۔ پتا چلا، وہاں ایک کمبل ہے اور ایک لمبا سا چاقو بھی ہے کمبل کے نیچے پستول اور کارتوس کی پیٹیاں بھی تھیں۔

شیطان نے کہا۔ "یہ پچھلی رات سے بھوکی تھی۔ اب کھانے کے بعد گہری نیند آئے گی اور سو جائے گی۔ لہٰذا میں اُس کی آواز سنانے کا کچھ بندوبست کرتا ہوں۔"

چند لمحوں کے بعد اعلیٰ بی بی نے اسکرین پر دیکھا، شیطان اُسی تاریک غار میں نظر آرہا تھا مگر سونیا کو دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ جلدی جلدی کھانے میں مصروف تھی۔ کبھی پانی کی بوتل اٹھا کر منہ سے لگاتی تھی، کبھی دو چار گھونٹ پیتی تھی پھر کھانے لگتی تھی۔ شیطان نے اِدھر اُدھر دیکھا پھر جھک کر ایک بڑا سا پتھر اُٹھا لیا۔ اعلیٰ بی بی نے گھبرا کر پوچھا۔ "یہ کیا کر رہے ہو؟"

"فکر نہ کرو۔ میں سونیا کو نہیں ماروں گا۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے پتھر کو ایک دیوار پر مارا۔ وہاں سے وہ پتھر لڑھکتا ہوا نیچے آیا۔ سونیا ایک دم سے اُچھل کر کھڑی ہو گئی تھی۔ فوراً ہی اُس کا ہاتھ کمبل کے نیچے رکھے ہوئے پستول کی طرف گیا تھا پھر وہ محتاط نظروں سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اندھیرے میں دیکھنے کی کوشش کرنے لگی۔ اس کی گردن ذرا سا خم کھا گئی تھی جیسے کان لگا کر آہٹ سننا چاہتی ہو۔

صرف اُسی پتھر کی آواز تھی۔ اس کے بعد کوئی آہٹ سنائی نہ دی۔ ذرا انتظار کرنے کے بعد اُس نے للکارنے کے انداز میں پوچھا۔ "کون ہے؟ یہاں کون ہے؟"

اتنا ہی کافی تھا، دوسرے ہی لمحے شیبا نے خیال خوانی کی پرواز کی اور سونیا کے دماغ میں پہنچ گئی۔ میں اس بات کی وضاحت کر دوں کہ سونیا اور اعلیٰ بی بی کی طرح سونیا کا لب و لہجہ بھی بدل گیا تھا۔ آواز بھی بدل گئی تھی۔ اسی لیے شیبا کو شیطان کے ذریعے اُس کی آواز سننا پڑی۔

وہ تھوڑی دیر تک اس کے دماغ میں رہی۔ پھر وہاں سے شیخ الفارس کے دماغ میں پہنچ کر بولی۔ "میں سونیا کے دماغ میں تھی۔ اس کے متعلق تفصیلات بعد میں بتاؤں گی کیونکہ وہ پچھلی رات سے بھوکی ہے۔ اس وقت کھانے میں مصروف ہے۔ تھوڑی دیر بعد سو جائے گی۔ نہیں سوئے گی تو میں اُسے ٹیلی پیتھی کے ذریعے سُلا دوں گی۔ اس کے بعد خوابیدہ دماغ سے تمام معلومات حاصل کروں گی۔"

"وہ کہاں ہے؟"

"مشی گن کے علاقے میں جو خلیج ہے وہاں گرین بے... نام کا ایک ساحلی شہر ہے، اسی ساحلی علاقے میں ہے۔ کیا آپ اپنے خاص آدمیوں کو وہاں بھیج رہے ہیں؟"

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ ادارے سے تعلق رکھنے والے جتنے افراد امریکا میں ہیں، میں اُن میں سے خاص خاص لوگوں کا ابھی انتخاب کرتا ہوں اور انھیں سونیا کی طرف روانہ کرتا ہوں۔"

"جناب! شیطان نے ہم پر مہربانی کی ہے۔ ہمیں سونیا تک پہنچا دیا لیکن اعلیٰ بی بی کہتی ہے بلکہ میں بھی کہتی ہوں کہ اس کی مہربانی کے پیچھے نہ معلوم کتنے شیطانی مقاصد چھپے ہوں گے۔"

"پہلے تم سونیا کے دماغ میں پہنچ کر تصدیق کر لو کہ واقعی وہ ہماری سونیا ہے۔ میں اپنے بہترین، چنیدہ افراد کو وہاں بھیج رہا ہوں۔ کوئی بھی شیطانی چال ہو گی تو ہمارے آدمی سونیا کو کسی طرح نکال لائیں گے۔"

شیبا میرے پاس آگئی۔ اُس نے سونیا کے متعلق بتایا اگرچہ میرے زخم بھر رہے تھے مگر تکلیف باقی تھی۔ سر میں بھی درد ہو رہا تھا۔ میں نے کہا۔ "میرا دماغ کچھ کام نہیں کر رہا ہے مگر اتنی بات سمجھ میں آرہی ہے کہ اعلیٰ بی بی کو اب شیطان کے ہاں نہیں رہنا چاہیے ورنہ اِدھر ہمارے آدمی سونیا کو نکال لے جانے کی کوشش کریں گے، اُدھر شیطان اعلیٰ بی بی کو کسی نئی مصیبت میں مبتلا کر دے گا۔ تم جناب شیخ الفارس سے اس سلسلے میں مشورہ کرو۔"

شیبا میرے پاس سے چلی گئی۔ ان سے مشورہ کرنے لگی۔ انھوں نے کہا۔ "فرہاد ٹھیک کہتا ہے۔ اعلیٰ بی بی وہاں سے ہمارے پاس چلی آئے تو ہمیں دو طرف دھیان نہیں دینا پڑے گا۔ ہماری ساری توجہ صرف سونیا کی طرف ہو گی۔"

شیبا نے سونیا کے پاس پہنچ کر دیکھا، وہ پیٹ بھرنے کے بعد آرام سے لیٹ گئی تھی۔ ابھی جاگ رہی تھی۔ وہ چاہتی تو اُسے ٹیلی پیتھی کی نیند سُلا سکتی تھی لیکن اُس نے اعلیٰ بی بی کے پاس پہنچ کر کہا۔ "تم نے سونیا کو دیکھ لیا۔ پتا نہیں، شیطان کیا چکر چلا رہا ہے۔ جناب شیخ الفارس نے تمھیں ہدایت دی ہے کہ فوراً پیرس چلی جاؤ۔ تمھارے وہاں جانے سے ہم سب کی توجہ صرف سونیا کی طرف ہو گی اور ہم اُسے کسی طرح بھی شیطانی چنگل سے نکال کر لے آئیں گے۔"

اُس نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "میں نے شیطان سے کہہ دیا ہے کہ میں سونیا کے پاس جاؤں گی۔ اگر میں نے شیطان سے کیا ہوا وعدہ پورا کیا تو پھر وہ مجھے فرہاد تک پہنچائے گا۔"

"تم بھول گئی ہو کہ باباصاحب کے ادارے میں کیا چھوٹے،

کیا بڑے، سبھی افراد جناب شیخ الفارس کی ہدایات پر عمل کرتے ہیں. تم بھی عمل کیا کرتی تھیں۔ اب بھی تمھیں یہی کرنا چاہیے۔"

"مَیں کسی شیخ الفارس کو نہیں جانتی۔ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ فرہاد نے میرے لیے جان کی بازی لگائی ہے اور اس حال کو پہنچا ہے۔ مَیں ہر حال میں فرہاد کے پاس جاؤں گی۔"

"ہماری بات مان لو۔ شیخ الفارس کبھی غلط مشورہ نہیں دیتے۔ ان کی ہر ہدایت میں ہمارے لیے بھلائی ہوتی ہے۔"

شیطان نے ہنستے ہوئے کہا۔"کیوں اعلیٰ بی بی کو مجبور کر رہی ہو۔ یہ عشق کے معاملات ہیں۔ یہ فرہاد سے محبت کرتی ہے اور فرہاد اس سے محبت کرتا ہے۔"

شیبا نے اعلیٰ بی بی سے کہا۔"تم یقین کرو، فرہاد بھی تمھیں پیرس جانے کے لیے کہہ رہا ہے۔"

"اگر فرہاد میرے سامنے آ کر کہہ دے تو مَیں اُس کے حکم پر جان بھی دے دوں گی۔"

شیطان نے کہا۔"یہ کون سی بڑی بات ہے۔ ابھی اسکرین پر فرہاد کو پیش کرتا ہوں۔ اعلیٰ بی بی! تم اس سے مشورہ لے سکتی ہو۔"

یہ کہتے ہی شیطان نے چٹکی بجائی۔ اسکرین روشن ہو گیا۔ وہاں ایک آرام دہ بستر پر فرہاد لیٹا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اُس نے سر گھما کر سامنے دیکھا، گویا کہ اعلیٰ بی بی اور شیطان کی طرف دیکھا۔ اعلیٰ بی بی نے پوچھا۔"کیا مَیں اسکرین والے فرہاد سے گفتگو کر سکتی ہوں۔"

فرہاد نے کہا۔"یا خدا، یہ میرے دماغ میں اعلیٰ بی بی کی آواز کیسے سنائی دے رہی ہے۔"

شیطان نے اعلیٰ بی بی کے قریب جھک کر کہا۔"دیکھا، یہاں جو کچھ تم کہہ رہی ہو، فرہاد اپنے دماغ میں سُن رہا ہے اور وہ تمھاری بات کا جواب دے گا۔"

اعلیٰ بی بی نے کہا۔"فرہاد، میرے فرہاد، کیا تم اعلیٰ بی بی کو دل و جان سے چاہتے ہو؟"

فرہاد نے کہا۔"ہاں، مَیں تمھیں اتنا چاہتا ہوں کہ تمھارے لیے جان دیتے دیتے رہ گیا۔ میری محبت کبھی نہیں مرے گی۔ مَیں اپنی جان دے کر تمھیں حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔ تم سے ضرور ملوں گا۔"

"مَیں خود تم سے ملنا چاہتی ہوں لیکن اس سے پہلے ایک مشورہ ضروری ہے۔"

"ہاں، بولو۔ مَیں سُن رہا ہوں۔"

"میرے دماغ میں شیبا آ کر کہتی ہے کہ مجھے تمھارے پاس نہیں بلکہ پیرس جانا چاہیے۔"

اسکرین پر فرہاد نے حیرانی سے پوچھا۔"تمھیں پیرس کیوں جانا چاہیے؟"

"وہ کہتی ہے، کسی شیخ الفارس نے ہدایت دی ہے اور وہ وہاں کے بزرگ ہیں۔ سب اُن کی بات مانتے ہیں۔"

"بیشک وہ ہمارے لیے محترم ہیں۔ ہم سب اُن کی ہدایات پر عمل کرتے ہیں لیکن تم شیبا سے کہہ دو، وہ شیخ الفارس سے درخواست کرے کہ تمھیں پیرس نہیں جانا چاہیے بلکہ میرے پاس آنا چاہیے۔ مَیں تمھاری کمی محسوس کر رہا ہوں۔"

اُسی وقت شیبا نے کہا۔"شیطان فراڈ کر رہا ہے۔ مَیں ابھی فرہاد کے دماغ سے ہو کر آ رہی ہوں۔ وہ خاموش بستر پر پڑا ہوا ہے۔ اُس کے دماغ میں تمھاری سوچ کی لہریں نہیں جا رہی ہیں۔ ذرا سوچو، تم ٹیلی پیتھی نہیں جانتی ہو۔ تمھاری باتیں اس کے دماغ تک کیسے پہنچ سکیں گی؟"

شیطان نے مُسکرا کر اعلیٰ بی بی کی طرف دیکھا اور اپنے سینے پر ہاتھ مار کر فخر سے کہا۔"یہ میرا کمال ہے اعلیٰ بی بی! مَیں تمھاری آواز فرہاد کے دماغ تک پہنچا رہا ہوں۔"

اعلیٰ بی بی نے اسکرین پر فرہاد کو دیکھتے ہوئے کہا۔"مگر شیبا کہہ رہی ہے کہ تمھارے دماغ تک میری باتیں نہیں پہنچ رہی ہیں۔ تم چُپ چاپ اپنے بستر پر لیٹے ہوئے ہو۔"

"کمال ہے، مَیں ابھی تمھارے سامنے باتیں کر رہا ہوں اور تم کہہ رہی ہو، مَیں چُپ چاپ لیٹا ہوا ہوں۔ شیبا! مَیں تمھیں حکم دیتا ہوں کہ اعلیٰ بی بی کو بھڑکانے کی کوشش نہ کرو۔ آخر تمھیں کیا ہو گیا ہے۔ کیا تم کسی کے فریب میں آ گئی ہو؟"

شیبا نے فوراً ہی خیال خوانی کی چھلانگ لگائی اور میرے دماغ میں پہنچ گئی۔ مَیں واقعی چپ چاپ لیٹا ہوا تھا۔ اُس نے کہا۔"فرہاد! شیطان اعلیٰ بی بی کے ساتھ فراڈ کر رہا ہے۔ وہاں کسی اسکرین پر تمھاری تصویر دکھا رہا ہے اور تمھاری تصویر اعلیٰ بی بی سے باتیں کر رہی ہے۔"

میرے سر میں درد ہو رہا تھا۔ مَیں نے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام کر کہا۔"یہ کیا ہو رہا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا اس وقت کیا کرنا چاہیے؟"

"مَیں تمھیں پریشان نہیں کرنا چاہتی۔ آرام سے لیٹے رہو۔ مَیں شیطان سے نمٹ لوں گی۔"

جب وہ اعلیٰ بی بی کے پاس پہنچی تو اس وقت اسکرین والا فرہاد کہہ رہا تھا۔"اعلیٰ بی بی! زیادہ بحث میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ محبت کا جو تقاضا ہے، وہ پورا کرو۔ محبت تمھیں بلا رہی ہے۔ تم ذہین ہو۔ خود سوچو کہ ایسے وقت جبکہ مَیں زخموں سے چُور ہوں۔ کیا مجھے تمھاری ضرورت نہیں ہے؟"

اُس نے تائید میں سر ہلایا۔ شیبا نے کہا۔"مَیں تمھیں سمجھا رہی ہوں، تمھارے ساتھ فراڈ ہو رہا ہے۔"

اعلیٰ بی بی نے کہا۔"بکواس مت کرو۔ میرے دماغ سے چلی جاؤ۔"

پھر وہ شیطان کو دیکھتے ہوئے بولی۔"اور تم بھی سُن لو۔ مَیں نے اسکرین پر فرہاد کی باتیں سنی ہیں۔ مَیں کسی حد تک یقین کرتی ہوں کہ تم نے فرہاد کو اس اسکرین پر بُلا کر مجھ سے ملایا ہے لیکن مَیں جب تک سچ مچ ملاقات نہیں کر لوں گی اُس وقت تک کسی پر اعتماد نہیں کروں گی۔ لہٰذا تم مجھے پہلی فرصت میں فرہاد کے پاس پہنچا دو۔"

"اعلیٰ بی بی! تمھاری ذہانت کو کیا ہوا ہے۔ کیا اتنا نہیں سوچ سکتیں کہ جس طرح شیطان نے اسکرین پر ڈمی فرہاد سے ملایا ہے اسی طرح تمھیں یہاں سے کسی ڈمی فرہاد کے پاس پہنچا دے گا۔ وہ فرہاد بھی اسی طرح کسی بستر پر لیٹا ہو گا اور تم سے پیار و محبت کی باتیں کرے گا۔"

اعلیٰ بی بی نے کہا۔"پہلے میں کسی بھی موضوع پر خوب بحث کرتی ہوں۔ بحث کے دوران احمقانہ سوالات بھی کرتی ہوں، پھر اُس معاملے کی گہرائی میں پہنچنے کے بعد آخری فیصلہ سناتی ہوں۔"

یہ کہتے ہوئے وہ شیطان کو دیکھ کر مسکرانے لگی۔ شیطان نے [illegible] پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔"بس کرو۔ مَیں تمھارے اندر بھی ہوں اور تمھاری باتیں سمجھ رہا ہوں۔"

"تم سمجھ رہے ہو۔ مَیں ذرا شیبا کو بھی سنانا چاہتی ہوں، تم نے ہی کہا ہے کہ مجھے فرہاد کے پاس پہنچا سکتے ہو۔"

"ہاں پہنچا سکتا ہوں۔"

"کیسے پہنچاؤ گے؟"

شیطان نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔"یوں۔"

"پھر تو تم چٹکی بجا کر فرہاد کو یہاں میرے پاس لا سکتے ہو؟"

شیطان نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔"ہاں، یہاں بھی لا سکتا ہوں۔"

"پھر تم چٹکی بجا کر فرہاد کو بابا صاحب کے ادارے میں [illegible] پہنچا سکتے ہو۔"

شیطان گڑبڑا گیا۔"اے تم کہنا کیا چاہتی ہو؟"

"سیدھی سی بات ہے۔ مجھے اور فرہاد کو بابا صاحب کے [illegible]ارے میں پہنچا دو۔ وہاں کوئی بزرگ شیخ الفارس ہیں۔ مَیں ان [illegible] بھی ملاقات کر لوں گی۔ سارے لوگ ایک جگہ ہوں گے تو بات [illegible] کر سامنے آ جائے گی اور ساری باتیں سمجھ میں آ جائیں گی۔"

شیطان نے ایک گہری سانس لی۔ اپنے سر کو کھجاتے [illegible] اعلیٰ بی بی سے پوچھا۔"وہ تم نے مجھے بھگانے کے لیے کیا پڑھا تھا۔"

اعلیٰ بی بی کی زبان سے بے اختیار نکلا۔"لاحول ولاقوۃ۔"

پھر دیر نہیں لگی۔ پلک جھپکتے ہی شیطان غائب ہو گیا۔ شیبا نے ہنستے ہوئے کہا۔"مَیں مان گئی۔ تم بے حد ذہین ہو مگر تمھاری ذہانت کا پتا دیر سے چلتا ہے۔ اب مَیں سونیا کے پاس جا رہی ہوں۔ پھر ملاقات کروں گی۔"

یہ کہتے ہی وہ سونیا کے دماغ میں پہنچ گئی۔ وہ بے خبر سو رہی تھی۔ اُس نے دماغ کے اندر رہ کر تنویمی عمل شروع کیا۔ اُس کے خوابیدہ دماغ کو اپنے کنٹرول میں لیا۔ اُسے اپنا معمول بنایا، پھر سوالات کرنے لگی۔"تمھارا نام کیا ہے؟"

"مس فرزوٹی۔"

"یہ بھی کوئی نام ہے۔ اس کا مطلب کیا ہوا؟"

"مس فرزوٹی کا مطلب ہے، پھلوں کی طرح رس بھری۔"

"کیا یہ تمھارا پیدائشی نام ہے؟"

"میں اپنی پیدائش کے متعلق کچھ نہیں جانتی۔"

"اپنے والدین، بھائی بہن یا دوسرے رشتے داروں کے متعلق کچھ بتاؤ۔"

"مجھے کسی کے متعلق کچھ نہیں معلوم ہے۔"

"کیا تم پچھلی زندگی بھول گئی ہو؟"

"مجھے کچھ ایسا ہی لگتا ہے۔ میں سوچتی ہوں اب سے [illegible] ہفتے پہلے کہاں تھی تو مجھے یاد نہیں آتا۔"

"تم نے ہوش سنبھالتے ہی خود کو کہاں پایا تھا؟"

"میری آنکھ کھلی تو میں نے خود کو ایک عالیشان محل میں پایا۔ میں ایک بہت ہی نرم ملائم، آرام دہ بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ فوراً اٹھ کر بیٹھ گئی۔ سوچنے لگی، یہ کون سی دنیا ہے۔ میں کہاں ہوں اور میں کون ہوں؟"

شیبا نے سوال کیا۔"کیا تم اس محل میں تنہا تھیں؟"

"میں نے آنکھیں کھولیں تو اس محل میں خود کو تنہا پایا۔ بعد میں کچھ خدمت گزار دکھائی دیے۔"

"کیا تمھاری خدمت کرنے والوں نے تمھیں بتایا کہ تم کون ہو؟"

"نہیں، وہ سب گونگے تھے۔"

"پھر تمھیں اپنے متعلق کیسے معلوم ہوا۔ تم نے کیسے سمجھ لیا کہ تمھارا نام مس فرزوٹی ہے؟"

"جب میں بستر سے اتر کر پریشان حال اِدھر اُدھر جانے لگی تو ایک بڑے قدِ آدم آئینے پر نظر پڑی۔ میں نے قریب جا کر دیکھا، اس میں میرا عکس نظر آ رہا تھا اور اس آئینے پر لکھا ہوا تھا 'میرا نام مس فرزوٹی ہے۔ میں نے آج ہی اس محل میں جنم لیا ہے۔

آج سے میری زندگی شروع ہو رہی ہے۔ اس سے پہلے میں کون تھی، کہاں تھی؟ یہ سب کچھ ماضی کی قبر میں دفن ہو چکا ہے۔"

"آئینے کی سطح پر لکھی ہوئی تحریر سے تم نے کیسے سمجھ لیا کہ تمہارا ہی نام فرزوتی ہے؟"

"اس طرح سمجھا کہ اس عالی شان محل میں میرے سوا کوئی نہیں تھا۔ آئینے میں میرا ہی عکس نظر آ رہا تھا۔ اس کی سطح پر لکھی ہوئی تحریر جیسے میری ہی زندگی کی مختصر سی کہانی پیش کر رہی تھی۔ پھر کچھ دیر بعد ایک کنیز میرے لیے کوئی مشروب لے کر آئی میں نے پوچھا میں کون ہوں؟ اس کنیز نے انکار میں سر ہلایا۔ لاعلمی کا اظہار کیا۔ پھر میں نے پوچھا۔ اس آئینے پر یہ کس نے لکھا ہے تب اس کنیز نے میری طرف انگلی اٹھا کر اشارے کی زبان میں کہا۔ یہ سب کچھ میں نے ہی لکھا ہے۔ میں مس فرزوتی ہوں اور یہ میری تحریر ہے۔"

شیبا نے سوال کیا "کیا تم یقین سے کہہ سکتی ہو کہ وہ تمہاری اپنی تحریر ہے؟"

سونیا نے جواب دیا "پہلے تو میں گھنٹوں پریشان رہی۔ پھر دماغ کو پُرسکون رکھا۔ اس لمحے یوں محسوس ہوا جیسے میں نے دماغ کو پُرسکون رکھ کر سوچنے کی تربیت بہت پہلے کہیں حاصل کی ہے۔ مجھے فوراً ہی سمجھ میں آ گیا کہ میں اس تحریر کی تصدیق کر سکتی ہوں۔ وہاں ایک میز پر لکھنے پڑھنے کا سامان تھا۔ میں نے ایک قلم اٹھایا اور کاغذ پر اسی تحریر کو لکھنا شروع کیا۔ جب آئینے کے پاس آئی اور اس تحریر سے موازنہ کیا تو حیران رہ گئی۔ کیونکہ دونوں تحریریں ایک جیسی تھیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ میں نے ہی آئینے کی سطح پر وہ سب کچھ لکھا تھا مگر کب لکھا تھا مجھے یاد نہیں آ رہا تھا۔"

"کیا تم نے اس پہلو پر غور کیا کہ تم کن حالات میں آئینے کی سطح پر یہ سب کچھ لکھ سکتی ہو؟"

"میں نے غور کرنا شروع کیا تو پتا چلا کہ میں نے بہت کچھ پڑھا ہے، بہت کچھ دیکھا ہے اور بہت کچھ سمجھا ہے لیکن میں نے کب پڑھا ہے، کب دیکھا ہے، کب سمجھا ہے، یہ مجھے یاد نہیں آ رہا تھا۔ البتہ یہ یاد آ گیا کہ میرا برین واش کیا گیا ہے۔ میرے دماغ سے پچھلی باتیں بھلا دی گئی ہیں اور یہ شاید تنویمی عمل کا اثر ہے کہ مجھے معمول بنا کر آئینے کی طرف لے جایا گیا اور مجھے وہ تحریر لکھنے پر مجبور کیا گیا۔"

"تم اپنے حالات کا صحیح تجزیہ کر رہی ہو۔ یہ بتاؤ، وہاں سے کیسے فرار ہوئیں؟"

"بہت دشواری پیش آئی، وہاں جتنی کنیزیں اور خادم تھے سب کے سب گونگے تھے۔"

"کیا تم نے اس پہلو پر غور کیا کہ وہ گونگے کیوں تھے؟"

"یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"میں سمجھاتی ہوں۔ فرہاد تمہیں دل و جان سے چاہتا ہے۔"

"کون فرہاد؟"

"وہ جو ٹیلی پیتھی کے ذریعے انسانی دماغوں میں پہنچ جاتا ہے۔ دشمنوں کو اس بات کا اندیشہ تھا کہ وہ کسی وقت بھی تمہارے دماغ تک پہنچ سکتا ہے۔ لہٰذا انہوں نے تمام کنیزوں اور ملازموں کو حکم دے دیا ہوگا کہ وہ گونگے بنے رہیں فرہاد کسی کی بھی آواز اور لب و لہجے کو گرفت میں لے کر دماغ میں پہنچ جاتا ہے۔ اگر وہ تمہارے کسی بھی خادم یا کنیز کے دماغ میں پہنچے گا تو تمہیں وہاں سے نکال لے جائے گا۔"

"تو پھر فرہاد نے ایسا کیوں نہیں کیا؟"

"وہ تمہارے پاس پہنچنے کی خاطر دشمنوں سے لڑتا ہوا بُری طرح زخمی ہو گیا ہے اس قابل نہیں ہے کہ خیال خوانی کر سکے۔ یہ بتاؤ کہ تم وہاں سے نکلنے میں کس طرح کامیاب ہوئیں؟"

"دو چار دن تو میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ میں اس عالی شان محل میں گھوم گھوم کر دیکھتی رہی۔ کھڑکیوں سے باہر جھانک کر بھی دیکھا۔ پتا چلا، محل کے اطراف بہت اونچی چار دیواری ہے۔ اگرچہ اندر کوئی مسلح شخص نہیں آتا تھا مگر باہر چار دیواری کے اندر مسلح افراد کا سخت پہرہ لگا رہتا تھا۔ میں صبح شام اور رات گئے تک انہیں دیکھتی رہتی تھی۔ ان کی ڈیوٹی کس وقت بدلتی رہتی ہے، کون آتا ہے اور کون جاتا ہے اور آنے جانے کا راستہ کون کون سا ہے۔ اس محل کے چار بڑے دروازے تھے جو مضبوط بھی تھے اور ہمیشہ مقفل رہتے تھے۔ آنے جانے والی کنیزوں اور خادموں کے لیے وہ دروازہ کھلتا تھا پھر بند کر دیا جاتا تھا۔ میری خدمات کے لیے آنے جانے والوں کو سختی سے چیک کیا جاتا تھا۔ انہیں اس بات کا اندیشہ تھا کہ میں ان میں سے کسی کا روپ اختیار کر کے وہاں سے نکل سکتی ہوں۔ آخر میرے ذہن میں یہ تدبیر آئی کہ جو میری خدمات کے لیے آتے ہیں ان کے علاوہ بھی یہاں کسی کو آنے پر مجبور کرنا جا ۔ لہٰذا ایک دن میں نے اپنے سر میں شدید درد ہونے ظہار کیا تکلیف سے بے حال ہونے لگی۔"

شیبا نے پوچھا "کوئی ڈاکٹر آیا تھا؟"

"ایک بہت ہی خوبرو، قد آور شخص میرے محل میں آیا۔ اس نے بتایا کہ اس کا نام پروفیسر ناگری ہے۔ اس نے کہا میں ڈاکٹر نہیں ہوں مگر اپنے عمل کے ذریعے تمہارے سر کا درد ختم کر سکتا ہوں۔ تم چار دن شانے چت لیٹ جاؤ میں عمل کروں گا اور تم دردِ سر کو بھول کر آرام سے سو جاؤ گی۔"

میں نے پوچھا "اب سے پہلے تم نے ہی مجھ پر تنویمی عمل کیا تھا؟"

اس نے لاعلمی کا اظہار کیا "یہ کس نے کہہ دیا کہ میں تم پر تنویمی عمل کر چکا ہوں۔ جبکہ میں پہلی بار تمہارے پاس آیا ہوں۔"

"تو پھر کسی اور نے مجھ پر یہ عمل کیا ہو گا اور اس عمل کے دوران مجھ سے آئینے کی سطح پر اپنے مطلب کی تحریر لکھوائی ہوگی۔"

پروفیسر ناگری نے مجھے تعریفی نظروں سے دیکھا۔ پھر پوچھا۔ "کیا تمہیں پورا یقین ہے کہ تمہارے ساتھ ایسا کیا گیا ہے؟"

"صرف یہی نہیں بلکہ تنویمی عمل کے ذ مرا برین واش کیا گیا ہے۔ میری زندگی کے سے مٹا دیے گئے ہیں۔"

پروفیسر نے مسکرا کر کہا "یہ ہی ہوا ہے اور یہ میں نے ہی کیا ہے۔"

"تم نے ایسا کیوں کیا؟"

"یہ میڈم کوئیلی کا حکم تھا۔"

"میڈم کوئیلی کون ہے؟"

"اس علاقے کی بدترین عورت ہے۔ اس نے نہ جانے کتنے قتل کیے ہیں۔ یہ جس پر عاشق ہو جاتی ہے اسے اپنا بنا کر رہتی ہے۔ تمہارے محبوب فرہاد علی تیمور کو اپنے قابو میں کرنے کے لیے تمہیں قیدی بنا کر رکھا ہے۔ وہ جانتی ہے، فرہاد تمہیں یہاں سے نکال لے جانے کے لیے ایک دن ضرور آئے گا۔"

"میں میڈم سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"وہ نہیں ملیں گی۔ کیونکہ وہ حاکم ہے اور تم ان کی محکوم ہو۔"

"کیا ملنے کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی؟"

"ہو سکتی ہے۔ یہاں سے فرار ہو جاؤ تو وہ تمہارا تعاقب کرے گی۔ تمہیں یا تو زندہ گرفتار کر کے واپس یہاں لائے گی یا قتل کر دے گی اس سے سامنا کرنے کی بس یہی ایک صورت ہے۔"

"سنا ہے، دنیا میں ہر چیز بکتی ہے۔ کیا تم بک سکتے ہو؟ منہ مانگا معاوضہ دوں گی جس دن فرہاد سے ملاقات ہو جائے گی تمہاری ہر خواہش پوری کر دوں گی۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا "میرے رؤیں رؤیں میں شیطان بسا ہے۔ میری کوئی بھی خواہش شیطانی خواہش ہو گی۔"

"میں ایسی خواہشات کا منہ توڑ دوں گی۔"

"تم غلط سمجھ رہی ہو۔ میں کسی عورت کو برباد کرنے کی بات نہیں کر رہا ہوں۔ دراصل میں خود میڈم کوئیلی کو ایک اچھا سبق سکھانا چاہتا ہوں۔ وہ مجھے اپنا زرخرید غلام سمجھتی ہے۔"

"تم میرے ذریعے اسے عبرتناک سبق سکھا سکتے ہو۔"

"میں یہی سوچ کر آیا ہوں۔ کل صبح یہاں ایک گاڑی انڈے، دودھ، پھل اور کچن کا دوسرا سامان لے کر آئے گی۔ تم اس گاڑی کے ڈرائیور کو اپنے قابو میں کر کے یہاں سے نکل سکتی ہو۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ محل سے نکلنے کے چاروں دروازے مقفل ہوتے ہیں۔"

"وہ سامان اندر لانے کے لیے دروازہ کھولا جائے گا۔ دروازے کے باہر دو مسلح پہرے دار ہوتے ہیں اور دو گاڑی کے پاس ہوں گے۔ پانچواں ڈرائیور ہوگا۔ اگر ان پانچ آدمیوں کو قابو میں کر سکو گی تو یہاں سے نکل سکو گی۔"

اس نے لباس کی اندرونی جیب سے ایک چھوٹا سا پستول نکال کر میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا "شاید تمہیں اس کی ضرورت پڑے۔"

میں نے اسے لینے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ اس نے اپنا ہاتھ کھینچ کر کہا "لیکن تم اپنے متعلق ایک بات نہیں جانتی ہو۔"

"وہ کیا؟"

"تم اور فرہاد بہت مجبوری کی حالت میں کوئی ہتھیار استعمال کرتے ہو۔ ورنہ ہمیشہ ذہانت، چالاکی اور بازوؤں کی قوت سے دشمنوں پر غالب آتے ہو۔"

سونیا نے پوچھا "یعنی تم تسلیم کرتے ہو کہ میں بہت چالاک ہوں؟"

"دنیا تسلیم کرتی ہے۔"

سونیا نے اس کے ہاتھ سے پستول کو جھپٹ لیا۔ پھر بولی "یہ بھی چالاکی ہے، ایسے ہتھیار وقتِ ضرورت استعمال میں لانے کے لیے چھپا کر رکھنے چاہئیں۔ اگر میری فطرت یہ ہے کہ میں ہتھیار استعمال نہیں کرتی ہوں تو کوشش کروں گی کہ نہ کروں ورنہ ضرورت تو پڑ ہی سکتی ہے۔"

شیبا نے پوچھا "کیا بعد میں تم نے ہتھیار استعمال کیا تھا؟"

"میں پروفیسر ناگری کے جانے کے بعد پلاننگ کرتی رہی۔ میری سمجھ میں یہی آیا کہ مجھے ان مسلح پہرے داروں سے ٹکرانا نہیں چاہیے۔ نہ ان سے لڑنا چاہیے نہ ان پر حملہ کرنا چاہیے۔ بس کسی طرح چالاکی سے چپ چاپ نکل جانا چاہیے۔ وہ پروفیسر ناگری درست کہتا تھا، میری فطرت یہی ہے۔ میں چالاکی سے کام لیتی ہوں۔ خواہ مخواہ ہاتھ پاؤں چلا کر جسمانی تھکن سے خود کو باز رکھتی ہوں۔"

صبح کے وقت ایک کنیز میرے لیے بیڈ ٹی لے کر آئی میں نے اسے کمرے سے نکلنے نہیں دیا۔ اس کا منہ دبا کر اسے قابو میں کیا۔ رسیوں سے جکڑ کر پلنگ کے نیچے ڈال دیا۔

محل کے لیے راشن لانے والی گاڑی ایک کھلے ہوئے دروازے کے پاس کھڑی ہوئی تھی۔ وہاں سے کنیزیں اور دوسرے ملازم بھرے ہوئے بڑے بڑے ڈبے اور پھلوں کی ٹوکریاں اٹھا

کر لے جا رہے تھے۔ میں نے بھی دو خالی ڈبّے دو کاندھوں پر اٹھا لیے۔ سر کو جھکا لیا۔ اس طرح کہ سر کا کپڑا تھوڑا سا گھونگٹ کے طور پر سامنے آ گیا۔ اس طرح وہ خالی ڈبے لے کر گاڑی کے پاس گئی۔ باہر دروازے کے پاس دو مسلح پہرے دار تھے۔ گاڑی کے پیچھے بھی دو پہرے دار کھڑے ہوئے تھے، وہ دونوں ڈرائیور سے باتیں کر رہے تھے۔ ایک دوسرے کی سگریٹ جلاتے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔

میں نے اسٹیئرنگ کے پاس سے گزرتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہاں چابی لگی ہوئی تھی۔ میں نے خالی ڈبوں کو گاڑی کے پچھلے حصے میں ڈالا، پھر تیزی سے چلتی ہوئی اسٹیئرنگ سیٹ پر آئی۔ دروازے کو کھول کر جیسے ہی بند کیا، کسی نے چیخ کر کہا۔ ”اے تم کیا کر رہی ہو؟“

میں نے گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی لیکن وہ دوڑتے ہوئے آ رہے تھے۔ اسی وقت پروفیسر ناگری کا دیا ہوا پستول کام آیا۔ شاید میں نے اپنی فطرت کے [illegible] سے استعمال کیا تھا مگر مجبوری تھی، میں نے دو گولیاں چلائیں۔ دو پہرے دار میرے قریب پہنچتے پہنچتے ڈھیر ہو گئے۔ [illegible] وقت تک گاڑی اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی تھی۔ میں تیزی سے ڈرائیو کر رہی تھی۔ عقب نما آئینے میں دیکھا، پیچھے کھڑے ہوئے پہرے دار میری گاڑی کے پہیے کا نشانہ لے رہے تھے۔ میں نے ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھالا۔ دوسرے ہاتھ سے ریوالور کو پیچھے کی طرف گھما کر گولی چلا دی۔

ایسا تو کوئی ماہر نشانہ باز ہی کر سکتا ہے کہ عقب نما آئینے میں دیکھے اور پیچھے سے حملہ کرنے والوں کا سچا نشانہ لے سکے۔ جب انہیں گولی لگی تب مجھے یقین ہوا کہ میں نشانہ بازی میں کسی سے کم نہیں ہوں۔ بہرحال میں ڈرائیو کرتے ہوئے مین گیٹ کی طرف جانے لگی۔ وہاں کے پہرے داروں نے جلدی سے گیٹ کو بند کرنا چاہا۔ گیٹ ابھی پوری طرح بند نہیں ہوا تھا۔ میں نے رفتار بڑھا دی۔ ایک دھماکا سا ہوا۔ گیٹ بند کرنے والے اچھل کر ادھر سے ادھر جا کر گرے۔ میرے لیے راستہ صاف ہوا اور میں تیزی سے ڈرائیو کرتی ہوئی، رفتار بڑھاتی ہوئی شاہراہِ خاص پر پہنچ گئی۔

وہ شہر میرے لیے اجنبی تھا۔ میں خود اپنے لیے اجنبی تھی۔ مجھے کہاں جانا تھا، کہاں پناہ لینا تھی، میں کچھ نہیں جانتی تھی۔ جس طرح میڈم کوئیلی نے میرے چاروں طرف سخت پہرہ لگا دیا تھا، یقیناً وہ پہرے دار اب کسی نہ کسی گاڑی میں میرا تعاقب کر رہے ہوں گے۔

میں اسی شاہراہ سے ایسے راستے پر آ گئی جو شہر سے باہر جاتا تھا۔ اس راستے پر شاذ و نادر ہی گاڑیاں نظر آ رہی تھیں۔ کچھ دیر بعد میں نے دیکھا، ایک کار میرے سامنے چلی جا رہی تھی لیکن اس طرح کہ میرا راستہ روکتی جا رہی تھی۔ میں نے ونڈ اسکرین کے پار دیکھا۔ مجھے اس کار کے عقب نما آئینے میں پروفیسر ناگری نظر آیا۔ وہ ہاتھ ہلا کر مجھے رکنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

میں نے گاڑی روک دی۔ وہاں سے اتر کر دوڑتی ہوئی اس کے پاس آئی۔ اس نے کار کا دوسرا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ ”جلدی سے بیٹھ جاؤ، وہ تعاقب کر رہے ہیں۔“

میں برابر والی سیٹ پر آ کر بیٹھ گئی۔ اس نے گاڑی اسٹارٹ کی پھر آگے جا کر ایک کچے راستے پر موڑ دی۔ میں نہیں جانتی، وہ کن راستوں پر جا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد میں نے خود کو اسی شہر میں پایا۔ اس نے ایک [illegible] کا [illegible] منے گاڑی روکتے ہوئے کہا ”کالج کا پچھلا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ یہ جس کی ملکیت ہے وہ ایک ماہ کے لیے یورپ گیا ہے۔ تم [illegible] چھپی رہ سکتی ہو۔“

”میرا دل، میرا دماغ کہتا ہے کہ میں منہ چھپا کر بیٹھنے والی میں سے نہیں ہوں۔ میں میڈم کوئیلی سے دو دو ہاتھ کرنا چاہتی ہوں، جس نے میرے دماغ سے ماضی کے واقعات مٹا دیے ہیں اور مجھے میرے لیے ہی اجنبی بنا دیا ہے، میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔“

”فکر نہ کرو، میں ایسا چکر چلاؤں گا کہ وہ تمہیں تلاش کرتے ہوئے خود اسی کالج میں پہنچے گی۔“

میں نے پروفیسر ناگری پر بھروسا کر لیا اور اس کالج میں چلی گئی۔ وہاں میں نے دو دن بڑے اضطراب میں گزارے۔ ہر لمحہ یہ محسوس ہوتا تھا کہ میڈم کوئیلی کسی وقت بھی پہنچے گی اور اچانک ہی مجھ پر حملہ کرے گی۔ ہو سکتا ہے، وہ تنہا نہ ہو، اس کے مسلح محافظ اور ماتحت وغیرہ بھی ساتھ ہوں مگر وہاں، کوئی نہیں آیا۔ تیسرے دن میں بیزار ہو کر خود کالج سے نکل گئی۔

اس کالج میں کھانے پینے اور عیش و آرام سے رہنے کا ہر سامان تھا۔ حتیٰ کہ میک اپ کا بھی مکمل سامان موجود تھا۔ میں نے آئینے کے سامنے بیٹھ کر اپنے چہرے پر تبدیلیاں لانے کے لیے میک اپ شروع کیا۔ پتا چلا مجھے اس فن میں بھی مہارت حاصل ہے۔ میں نے اپنے آپ کو بڑی حد تک تبدیل کر لیا تھا۔ جب میں کالج سے نکل کر شہر میں گھومنے نکلی تو کسی نے میرا تعاقب نہیں کیا۔ کوئی مجھے پہچان نہ سکا۔

مجھے شدت سے اس بات کا احساس ہوا کہ پہچان کے بغیر انسان دنیا میں تنہا رہ جاتا ہے۔ یہ کیسی تلخ حقیقت تھی کہ میں خود کو نہیں پہچان سکتی تھی۔ پھر دشمن مجھے کیسے پہچانتے۔ میں یقین سے کیسے کہہ سکتی تھی کہ اتنی بڑی دنیا میں جہاں میرے بے شمار انجانے دشمن ہیں وہاں میرے بے شمار دوست بھی ہو سکتے ہیں مگر وہ دوست کہاں ہیں؟ میں انہیں کہاں تلاش کروں؟

پانچویں دن میں اس نتیجے پر پہنچی کہ مجھے اصل صورت شکل کے ساتھ باہر نکلنا چاہیے۔ بیشک مجھے دشمن پہچان لیں گے لیکن دوست بھی تو پہچان سکتے ہیں۔ ہو سکتا ہے اسی شہر میں کچھ دوست نکل آئیں۔

مجھے رفتہ رفتہ ایسی معلومات حاصل ہو رہی تھیں جو میری ذات سے تعلق رکھتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ میں ماہر نشانہ باز ہوں۔ مجھے میک اپ میں بھی مہارت حاصل ہے۔ میں دشمنوں کی نظروں میں چالاک سمجھی جاتی ہوں۔ اب کالج سے نکل کر اصل صورت میں گھومتے رہنے کے دوران پتا چلا کہ میری چھٹی حس بیدار رہتی ہے اور میں ایک انجانی قوت کے تحت محسوس کر رہی ہوں کہ میرا تعاقب ہو رہا ہے۔

اس رات میں کالج واپس نہیں گئی۔ ایک ہوٹل میں کمرا کرائے پر لیا۔ پھر میری توقع کے مطابق کمرے کے دروازے پر دستک سنائی دی۔ [illegible] دروازہ کھولا۔ تین شخص کھڑے ہوئے تھے۔ وہ صورت [illegible] سے، اوّل درجے کے بدمعاش لگتے تھے، اچھے صحت مند تھے۔ ایک نے دروازے کو زور سے دھکا دیا۔ میں لڑکھڑاتے ہوئے پیچھے گئی۔ دوسرے نے دروازے کو بند کیا۔ تیسرے نے بڑی سفاکی سے دانت پیستے ہوئے پوچھا ”چپ چاپ ہمارے ساتھ چلو گی یا تمہیں اٹھا کر لے جائیں؟“

میں پیچھے ہٹتے ہوئے باتھ روم کے دروازے تک آئی، اس کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر گھمایا۔ ایک نے کہا ”چالاک بننے کی کوشش نہ کرو۔ باتھ روم کے اندر جاؤ گی تو ہم دروازہ توڑ دیں گے۔“

دوسرے نے کہا ”دروازہ توڑنے کی ضرورت ہی کیا ہے، یہ سیدھی طرح ماننے والی نہیں ہے۔ اسے فوراً اٹھا کر لے چلو۔“

وہ کہتا ہوا میرے قریب آیا۔ میں نے گھونسا مارنے کے انداز میں اپنا ایک ہاتھ فضا میں یوں لہرایا جیسے مجھے لڑنا نہیں آتا ہو۔ مگر آنے والے کو یوں لگا جیسے میں سچ مچ حملہ کر رہی ہوں۔ وہ گڑبڑا کر ذرا پیچھے گیا۔ پھر غصے میں مجھ پر چھلانگ لگائی۔ میں ایک طرف ہٹ گئی۔ وہ باتھ روم کے کھلے ہوئے دروازے سے ٹکراتا ہوا اندر گیا۔ میں نے دروازے کو کھینچ کر باہر سے چٹخنی لگا دی۔ اس دوران اس کے دو ساتھیوں نے مجھے پیچھے سے آ کر جکڑ لیا تھا مگر اب دو ہی رہ گئے تھے۔ تیسرا تو بند ہو چکا تھا اور دروازہ پیٹ رہا تھا۔ میں نے دونوں کی گرفت میں ہونے کے باوجود اچھل کر اپنی دونوں ٹانگیں باتھ روم کے بند دروازے پر رکھیں پھر پیچھے کی طرف زور لگایا۔ وہ دونوں میرے ساتھ لڑکھڑاتے ہوئے گئے، ہم تینوں گرے۔ میں نے قلابازی کھائی اور ان کی گرفت سے نکل گئی۔ جب تک وہ فرش پر سے اٹھتے اس وقت تک میں نے کمرے کا دروازہ کھول دیا تھا۔ لیکن فرار ہونا نہیں چاہتی تھی۔

انہوں نے تعجب سے مجھے دیکھا۔ پھر ایک نے مجھ پر ..... حملہ کرنا چاہا۔ میں نے اس حملے کا جواب دیا۔ دوسرے نے غصے میں آ کر مجھ پر چھلانگ لگائی۔ یہی تو میں چاہتی تھی۔ میں نے جھکائی دے کر چھلانگ لگانے والے کو اپنے سر پر سے گزارتے ہوئے پیچھے کی طرف پھینکا۔ وہ دروازے سے باہر گیا۔ میں نے دروازے کو بند کر کے چٹخنی لگا دی۔ اب ایک رہ گیا تھا۔

اس نے حیرانی اور غصے سے میری طرف دیکھا۔ غصہ تو آ ہی رہا تھا۔ حیرانی اس بات کی تھی کہ میں نے کتنی چالاکی سے لڑنے والوں کی تعداد کم کر دی تھی اور اسے میدانِ جنگ میں تنہا مقابلے پر رکھا تھا۔ وہ دوڑتا ہوا باتھ روم کے دروازے کی طرف گیا لیکن چٹخنی کھولنے سے پہلے میری لات اس کے پیٹ پر پڑی، وہ دوہرا ہو گیا۔ پھر میں نے گھوم کر دوسری کک ماری، وہ پلٹ کر پلنگ کی طرف چلا گیا۔ پھر تکلیف سے کراہتے ہوئے فرش پر سے اٹھا۔ میں نے اس کے منہ پر ٹھوکر ماری۔ دو چار ہاتھ ایسے جمائے کہ وہ بستر پر گر پڑا۔ وہاں سے دوبارہ نہ اٹھ سکا۔ میں نے اسے بستر پر سیدھی طرح لٹا دیا۔ اب دو رہ گئے تھے۔ مگر میں اپنی فطرت کے مطابق سوچ رہی تھی، خواہ مخواہ لڑنا اور اپنی توانائی ضائع کرنا اچھی بات نہیں ہے۔ بس یہاں سے چل پڑنا چاہیے۔ یہ سوچ کر میں نے دروازہ کھولا۔ باہر جو شخص گیا تھا، وہ چپ چاپ کھڑا ہوا تھا۔ دروازہ پیٹ نہیں سکتا تھا کیونکہ وہ ہوٹل میں زیادہ ہنگامہ نہیں کرنا چاہتے تھے، چپ چاپ مجھے وہاں سے لے جانا چاہتے تھے۔ جیسے ہی میں نے دروازہ کھولا، وہ لپک کر اندر آیا۔ میں نے ایک ہاتھ جما دیا۔ وہ ذرا لڑکھڑایا۔ پھر اس کے سنبھلنے سے پہلے ہی میں نے باہر نکل کر دروازے کو بند کر دیا۔ اسے چابی سے لاک کیا۔ پھر چابی کے چھلّے کو انگلی میں گھماتی ہوئی نیچے کاؤنٹر کے پاس آئی اور کہا۔ ”اسے رکھ لو۔“ کاؤنٹر مین نے پتا نہیں کیا سمجھا، شاید یہ کہ اپنا کام نکال کر جا رہی ہوں۔ وہاں ویسے بھی کوئی کسی کا حساب کرنے والا نہیں تھا۔

میں ہوٹل کے باہر آئی۔ ٹیکسی میں بیٹھ کر کالج کی طرف چل پڑی۔

میری آنکھیں آگے پیچھے سڑک پر لگی ہوئی تھیں۔ ذہن پوری طرح بیدار تھا اور میں محسوس کر رہی تھی کہ میرا تعاقب ہو رہا ہے۔ جب میں کاٹیج میں پہنچی تو تصدیق ہو گئی۔ ٹھیک دس منٹ کے بعد ہی کوئی کھپریل کی چھت کو توڑتا ہوا کمرے میں پہنچ گیا۔ میں نے لائٹ کو آن کیا میرے سامنے میرے ہی جیسی ایک قدآور عورت کھڑی ہوئی تھی میں نے پوچھا "کون ہو تم؟"

"میرا نام سن کر مرنے سے پہلے ہی پسینہ آجائے گا۔"

"اپنا تعارف ڈرامائی انداز میں نہ کراؤ میں سمجھ گئی ہوں، تم میڈم کوئیلی ہو۔ میرے پاس کونک بننے آئی ہو۔"

وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "یہ میڈم کوئیلی کیا بلا ہے؟ میں کون ہوں، یہ تمہیں اس طرح جان لینا چاہیے۔"

پھر جیسے میری آنکھوں کے سامنے بجلی کوند گئی۔ وہ پھرتی سے آگے بڑھ کر حملہ کر چکی تھی۔ میں سنبھل نہ پائی، اس نے جس ہاتھ سے حملہ کیا تھا، اسے دکھاتے ہوئے بولی "یہ سونیا کا ہاتھ ہے۔"

میں نے اس پر حملہ کیا۔ وہ بچ گئی مگر دوسرے حملے سے بچ نہ سکی۔ مار کھا کر پیچھے گئی تو میں نے کہا "تم کوئیلی نہیں ہو اور تمہارا نام سونیا ہے تو بتاؤ، مجھ سے کیا دشمنی ہے؟"

"میں کرائے کی قاتل ہوں۔ تمہارے سلسلے میں بھاری معاوضہ دیا گیا ہے۔ میں تمہیں یہاں سے زندہ لے جاؤں گی۔ نہیں جانا چاہو گی تو قتل کر دوں گی۔ دونوں صورتوں میں اچھی خاصی رقم ملے گی۔"

"میں سمجھ گئی، تم مجھے اسی عالیشان محل میں لے جا کر قید کرنا چاہتی ہو اور یہ تمہارے لیے ممکن نہیں ہے۔"

اس کے بعد ہمیں ایک دوسرے سے کچھ بولنے کی مہلت ہی نہ ملی۔ وہ اتنی پھرتی سے حملہ کرتی تھی کہ مجھے بھی اتنی ہی پھرتی دکھانا پڑتی تھی۔ ذرا سی دیر میں میں نے تسلیم کر لیا کہ وہ بجلی ہے۔ اس میں لڑنے کی بھرپور صلاحیتیں تھیں۔ مگر میں بھی اس سے کم نہیں تھی۔ ہم دونوں ہی ایک دوسرے سے ہار ماننے کے لیے تیار نہیں تھیں۔ ہم لڑتے لڑتے باہر آگئی تھیں۔ اچانک پولیس کار کا سائرن سنائی دیا۔ ہمارے لڑنے کا انداز ہی کچھ ایسا زبردست تھا۔ کاٹیج کے اندر چیزیں ٹوٹتی پھوٹتی رہی تھیں۔ ہنگامہ آرائی کا شور باہر تک پہنچ رہا تھا۔ شاید کسی پڑوسی نے پولیس والوں کو فون کر دیا ہوگا۔

یہ لمحۂ فکریہ تھا۔ پولیس کو معلوم ہو گیا تھا کہ ایک ویران کاٹیج میں جس کا مالک موجود نہیں ہے، ہنگامہ ہو رہا ہے وہاں میں غیر قانونی طور پر رہتی آئی تھی۔ ادھر میری وہ دشمن جو خود کو سونیا کہہ رہی تھی، وہ بھی کرائے کی قاتل کی حیثیت سے آئی تھی۔ وہ بھی پولیس کا سامنا نہیں کر سکتی تھی۔ لہٰذا ہم دونوں کو وہاں سے بھاگنا پڑا۔"

شیبا نے اس کے خوابیدہ ذہن سے سوال کیا۔ "اس نے اپنا نام سونیا کیوں بتایا تھا؟"

"میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ اس کا نام سونیا ہوگا۔"

"نہیں، تمہارا اصل نام سونیا ہے۔ وہ فراڈ کر رہی ہے۔ پتا نہیں کیا چکر چلانا چاہتی ہے۔ یہ سب دشمنوں کی چال ہے۔"

"ہاں، دشمن چالیں چل رہے ہیں، مجھے کسی نہ کسی طرح گھیر کر پھر اسی محل میں پہنچا دینا چاہتے ہیں لیکن میں قیدی بن کر نہیں رہ سکتی۔ اب تک دو بار سونیا سے ٹکرا چکی ہوں۔ مجھے یوں لگتا ہے جیسے ہار بار وہ سونیا میرے ہاتھوں سے بچ جاتی ہے یا تقدیر مجھے سونیا کے ہاتھوں سے بچا کر لے جاتی ہے۔ میں اس کی صلاحیتوں کا اعتراف کرتی ہوں۔ وہ بے حد چالاک ہے۔ بہر حال اس نے مجھے مجبور کر دیا ہے کہ میں شہر چھوڑ دوں۔ اب میں ساحلی علاقے میں آکر چھپی ہوئی ہوں۔"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ ... ؟"

"میں یقین سے نہیں ... بے حد چالاک ہے کسی وقت بھی یہاں پہنچ سکتی ہے۔ میں پریشان ... ئی ہوں مجھے لگتا ہے، میں پہلے کبھی اس قدر پریشان نہیں رہی تھی۔ ... حوصلہ تھا۔ وہ حوصلہ شاید اب اس لیے نہیں ہے کہ بالکل تنہا ہوں۔ مجھے اپنے دوستوں اور شناساؤں کا علم نہیں ہے۔ اگر ایک بھی میرا ساتھی یا ہمدرد ہوتا تو میں تنہا زندگی بھر لڑتی رہتی۔ جب خود کو آئینے میں دیکھتی ہوں، خود کو بے یار و مددگار پاتی ہوں تو میرے اندر تنہائی کا بے انتہا کرب پیدا ہوتا ہے۔"

"فکر نہ کرو۔ جب تم سو کر اٹھو گی تو یہاں تمہارے بہت سے شناسا موجود ہوں گے جو تمہارے لیے جان کی بازی لگا دیں گے۔ پھر وہ تمہیں پیرس لے جانا چاہیں اور بابا صاحب کے ادارے میں پہنچانا چاہیں تو تم انکار نہ کرنا۔ سیدھی چلی آنا۔"

چونکہ وہ شیبا کی معمولہ بنی ہوئی تھی، اس لیے وعدہ کیا کہ دوستوں اور شناساؤں کے ساتھ ضرور بابا صاحب کے ادارے میں جائے گی۔ شیبا نے اسے آرام سے سو جانے کی ہدایات دیں اور یہ سمجھا دیا کہ نیند کے دوران کوئی غیر معمولی بات ہو تو اس کی آنکھ کھل جائے۔ ورنہ وہ صبح تک آرام سے سوتی رہے۔

اس کے بعد وہ دماغ سے چلی آئی۔ جناب شیخ الفارس کو اس کے متعلق رپورٹ سنائی۔ انھوں نے کہا "ابھی تم مس فروٹی کے دماغ سے ہو کر آئی ہو اور وہ مس فروٹی ہماری سونیا ہے لیکن جو اس کی دشمن ہے، وہ بھی خود کو سونیا کہتی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے، ان دونوں کی شکل و صورت کیسی ہے۔ تم نے اعلیٰ بی بی کے ذریعے شیطان کے پاس بڑے سے اسکرین پر سونیا کو دیکھا ہے جو خود کو مس فروٹی کہتی ہے۔ اس نے ساحل پر پکنک منانے والے دو افراد کی پٹائی کی۔ ان کا کھانا اٹھا کر غار کے اندر لے آئی۔ اس دوران وہ اسکرین پر نظر آتی رہی۔ اعلیٰ بی بی اپنی پچھلی زندگی بھول گئی ہے۔ پھر وہ سونیا کے چہرے کو کیسے یاد رکھے گی۔ شیطان نے کہا کہ اسکرین پر نظر آنے والی سونیا ہے۔ لہٰذا اعلیٰ بی بی نے اسے سونیا تسلیم کر لیا۔"

شیبا نے کہا "ہم ٹیلی پیتھی جاننے والے کسی کے بھی دماغ میں پہنچ کر اس کی دماغی آنکھوں سے دیکھتے اور سمجھتے ہیں۔ اعلیٰ بی بی اسکرین پر جو کچھ دیکھ کر سمجھ رہی تھی، وہی میں سمجھ رہی تھی اور اس کے دماغ سے مس فروٹی کا جو حلیہ معلوم کر رہی تھی، وہ سونیا سے مطابقت رکھتا تھا۔"

"دیکھنا یہ ہے کہ جو عورت خود کو سونیا کہتی ہے، اس کی صورت شکل کیسی ہے۔ یہ ہمیں چند گھنٹوں کے بعد معلوم ہو جائے گا۔ ہمارے اہم افراد وہاں پہنچنے والے ہیں۔ وہ سونیا کو صورت شکل سے پہچانتے ہیں۔"

دوسری صبح میری آنکھ کھلی تو شیبا میرے دماغ میں موجود تھی۔ اس نے مسکرا کر کہا "میں تمہارے پاس ہوں۔"

"کب سے ہو؟"

"ابھی آئی ہوں۔ پچھلی رات تم سو رہے تھے۔ میں واپس چلی گئی۔ تمہیں دو عدد سونیا کی داستان سنانا چاہتی ہوں۔"

اس نے مجھے مس فروٹی اور اس کی دشمن عورت سونیا کے متعلق بتایا۔ پھر کہا "میں نے مس فروٹی کو نیند کی حالت میں اپنی معمولہ بنا کر جو معلومات حاصل کیں، اس سے پتا چلتا ہے کہ وہی سونیا ہے۔ اب ہمارے آدمی مس فروٹی کے آس پاس موجود ہوں گے۔ وہ اسے اور دشمن عورت سونیا کو دیکھ کر پہچان لیں گے۔"

"صورت بھی دھوکا دے سکتی ہے۔ کوئی بھی عورت اپنے چہرے پر سونیا کا میک اپ کر سکتی ہے۔"

"جب میں دوسری عورت سونیا کی آواز سنوں گی تو اس کے دماغ میں پہنچ کر بھی معلوم کروں گی کہ اصلیت کیا ہے۔"

اس کی باتوں کے دوران دو شخص میرے کمرے میں آئے۔ ان کے ساتھ ایک نرس بھی تھی۔ میں نے نرس سے کہا "میرا حلق خشک ہو رہا ہے۔ بھوک بھی لگ رہی ہے۔"

نرس نے ان اجنبیوں کو دیکھتے ہوئے کہا "مجھے حکم دیا گیا ہے، تمہیں ناشتا نہ دیا جائے۔ ایک گھونٹ پانی بھی پینے کے لیے نہ دیا جائے۔"

میں نے حیرانی سے پوچھا "وہ کیوں؟"

ایک اجنبی نے کہا "ہم تمہیں دوسری جگہ لے جا رہے ہیں۔ وہاں تمہاری خوب خاطر مدارات ہوگی۔"

ان کی باتوں کے دوران ایک اور شخص پہیوں والی کرسی لے آیا۔ میں اب اٹھ کر بیٹھ سکتا تھا مگر زیادہ دور چل نہیں سکتا تھا۔ میں نے بستر سے اتر کر کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا "آخر مجھے کہاں لے جانا چاہتے ہو؟"

ایک نے سخت لہجے میں کہا "ابھی پتا چل جائے گا۔"

شیبا نے کہا "فرہاد! میں معلوم کرتی ہوں۔"

وہ ایک شخص کے دماغ میں پہنچی۔ پھر فوراً ہی آکر گھبراتے ہوئے بولی "یہ سب تمہارے دشمن ہیں۔ تمہیں ٹارچر چیمبر میں لے جا رہے ہیں۔ تمہیں طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں گے۔"

میں نے پوچھا "یہ اچانک پانسہ کیسے پلٹ گیا۔ کیا یہ لوگ پھر شبہ کر رہے ہیں کہ میں فرہاد ہوں؟"

"شبہ تو نہیں کرنا چاہیے۔ جب شیطان تم پر تنویمی عمل کر رہا تھا تو میں تمہارے دماغ میں موجود تھی اور تمہیں فرہاد کی حیثیت سے ظاہر نہیں ہونے دیا تھا۔"

"ان کے دماغ میں جاؤ۔ معلوم کرو، بات کیا ہے۔"

"میں معلوم کر چکی ہوں۔ جو لوگ تمہیں ٹارچر چیمبر میں لے جا رہے ہیں، ان میں سے کسی کو اس بات کا علم نہیں ہے کہ تمہیں وہاں کیوں بلایا گیا ہے۔ فرہاد! میں تمہیں اس حالت میں چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔ صرف چند سیکنڈ کے لیے جا رہی ہوں، ابھی آتی ہوں۔"

اس نے شیخ الفارس کے پاس پہنچ کر میری موجودہ صورتِ حال کے متعلق بتایا۔ پھر کہا "فرہاد کے لیے کچھ کیجیے ورنہ وہ اسے مار ڈالیں گے۔ ابھی اس کے زخم نہیں بھرے ہیں۔ اس پر ظلم کیا گیا، اسے طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی گئیں تو وہ برداشت نہیں کر سکے گا۔ میں جا رہی ہوں۔ آپ خدا کے لیے کچھ کیجیے۔"

وہ میرے پاس پہنچ گئی۔ اس وقت تک مجھے ایک ایسے کمرے میں پہنچا دیا گیا تھا جو ہال نما تھا۔ وہاں کوئی سامان نظر نہیں

آ رہا تھا۔ صرف وہی کرسی تھی جس پر میں بیٹھ کر گیا تھا۔ ایک شخص میری کرسی کو دھکیلتا ہوا ہال کے وسط میں لے آیا۔ میرے سر پر اور آس پاس چھت میں لگے بڑے بڑے سولر لیمپ روشن کر دیے گئے۔ تب مجھے معلوم ہوا جیسے میرے اوپر سے آگ برسنے لگی ہو۔ ان میں بڑی حرارت تھی۔ یہ حرارت زیادہ دیر تک برداشت نہیں کی جا سکتی تھی۔ پھر ان کی تیز روشنی کے باعث میری آنکھیں دکھ رہی تھیں۔ میں نے تکلیف کی شدت سے کراہتے ہوئے کہا "میرے ساتھ کیوں ایسا سلوک کیا جا رہا ہے۔ پلیز لائٹ آف کر دو۔"

"یہ تمام لائٹس آف ہو جائیں گی۔ تم حقیقت اگل دو' اعتراف کرو کہ تم فرہاد علی تیمور ہو۔"

"کیسے کہہ دوں جبکہ فرہاد نہیں ہوں اور جو ہوں اسے تم تسلیم نہیں کر رہے ہو۔"

سوال کیا گیا "اگر کوئی معتبر گواہ ہو اور وہ گواہی دے کہ تم فرہاد ہو تو پھر بھی انکار کر دو گے؟"

"جو مجھے فرہاد کہے گا' وہ معتبر گواہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ سراسر جھوٹ بولے گا۔"

"بکواس مت کرو۔ وہ اتنی معزز ہستی ہے کہ اس کی زبان سے جھوٹ کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ وہ معزز ہستی یہاں تشریف لا رہی ہے۔"

شیبا نے حیرانی سے پوچھا "آخر وہ معزز ہستی کون ہو سکتی ہے؟"

میں نے پریشان ہو کر کہا "یہ تیز روشنی برداشت نہیں ہو رہی ہے۔ میرا سارا بدن جل رہا ہے۔"

میں ذرا سی دیر میں پسینے سے تربتر ہو گیا تھا۔ کپڑے بھیگ رہے تھے۔ سر چکرا رہا تھا۔ ایسے ہی وقت آواز سنائی دی "فرہاد! آنکھیں کھولو اور دیکھو تمہارے سامنے کون موجود ہے۔ تم ان کی گواہی کو جھٹلا نہیں سکو گے۔"

میں آنکھیں کھول نہیں سکتا تھا۔ میرا دل اور دماغ ڈوبتا جا رہا تھا۔ میں نڈھال سا ہو کر آگے کی طرف جھک رہا تھا۔ میں نے بڑی مشکل سے خود کو سنبھالا۔ کمزوری کے باوجود باقی ماندہ قوتوں کو مجتمع کرتے ہوئے ذرا سی آنکھیں کھول کر دیکھا۔ میرے سامنے ایک قد آور سراپا تھا جو ادھر سے اُدھر ڈول رہا تھا۔ میرا سر چکرانے کی وجہ سے ایسا لگ رہا تھا۔ وہ تو ایک جگہ کھڑا ہوا تھا۔ مجھ سے پوری طرح آنکھیں کھول کر دیکھا نہ گیا۔ میں نے بڑی مشکل سے کمزور سی آواز میں چیخ کر کہا "بجھا دو' یہ لائٹس بجھا دو۔ ورنہ میں کچھ دیکھنے کے قابل نہیں رہوں گا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ہے۔"

ایک لائٹ بجھ گئی پھر دوسری بجھ گئی۔ پھر صرف تین تمام لائٹس کو نہیں بجھایا گیا۔ میں اب بھی حرارت محسوس کر رہا تھا مگر پہلے جیسی تکلیف نہیں تھی۔ میں نے ایک ہاتھ اٹھا کر اپنے بازو سے چہرے کا پسینہ پونچھا۔ سر کو آہستہ آہستہ اٹھا کر آنکھیں کھولتے ہوئے دیکھا۔ پہلے میرے سامنے کھڑا ہوا سراپا دھندلا سا نظر آیا پھر دھند چھٹنے لگی۔ تب میں دیکھ کر چونک گیا۔ صرف میں ہی نہیں میری سوچ پڑھ کر شیبا بھی چونک گئی۔ کیونکہ میرے سامنے ربی اسفند یار کھڑے ہوئے تھے۔

ان کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ پچھلے دنوں ان پر ایک پتھر گر پڑا تھا۔ جس کی وجہ سے شدید زخم آیا تھا اور دماغی طور پر وہ اس حد تک کمزور ہو گئے تھے کہ میں نے اور شیبا نے ان کے دماغ میں گھس کر ان کے اندر چھپی ہوئی مکاریوں کو سمجھ لیا تھا۔ شیبا نے ان کی عقیدت کا جو بت تراشا تھا' وہ پاش پاش ہو چکا تھا۔ بہر حال وہ ملک الموت کی طرح سامنے کھڑے ہوئے تھے۔

انھوں نے ناگواری سے کہا "فرہاد! تم موجودہ دور کے بدترین چکر باز ہو۔ ایسا چکر چلاتے ہو کہ سچ اور جھوٹ' اصل اور نقل کا پتا نہیں چلتا مگر میں یہ ثابت کر کے رہوں گا کہ تم اصل فرہاد علی تیمور ہو۔ پروفیسر ناگری تم پر تنویمی عمل کرنے کے باوجود تمھاری اصلیت تک نہ پہنچ سکا۔"

میں نے دیکھا' جو لوگ مجھے ٹارچر چیمبر میں لائے تھے اور اذیتیں پہنچانے والے تھے' وہ سب گھٹنے ٹیک کر ربی اسفند یار کے آس پاس سر جھکائے ہوئے تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ میں یہودیوں کے بیچ میں تھا۔ سب انھیں ماننے والے تھے اور ان کی ایک ایک بات کو سچ سمجھ رہے تھے۔ اسی وقت پروفیسر ناگری ٹارچر چیمبر میں داخل ہو کر بولا۔ "میں اپنے تنویمی عمل میں کبھی ناکام نہیں رہتا۔ میں نے بڑی کامیابی سے مے کا کس کو اپنا معمول بنایا تھا۔ اس کے دماغ کی تہ میں پہنچ کر سب کچھ معلوم کیا تھا۔ یہ صرف ڈاکٹر مے کا کس ہے۔ کوئی دوسرا شخص نہیں ہے۔"

ربی اسفند یار کے جو معتقد موجود تھے' انھیں پروفیسر ناگری کی بات بری لگی۔ ایک نے کہا "کیا تم ہمارے ربی کو جھوٹا کہہ رہے ہو۔ ہم تمھیں گولی مار دیں گے۔"

پروفیسر ناگری نے کہا "گولی مار دینے سے یہ ثابت نہیں ہو گا کہ تمھارا ربی دنیا کا سب سے بڑا عالم ہے۔ حقیقتاً تنویمی عمل میں جو مہارت مجھے حاصل ہے' وہ تمھارے اس پیشوا کو کبھی حاصل نہیں ہو سکتی۔"

ایک شخص نے ریوالور نکال کر اسے نشانے پر رکھتے ہوئے کہا "اپنے الفاظ واپس لو اور ہمارے ربی سے معافی مانگو۔"

"میں تمھارے پیشوا سے معافی مانگنے نہیں بلکہ اس بے گناہ کو تم لوگوں کے ظلم سے بچانے آیا ہوں۔ خواہ مخواہ اس بے چارے پر فرہاد ہونے کا شبہ نہ کرو۔ اگر یہ بے قصور مارا جائے گا تو میں تمھارے ربی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی ٹھائیں سے گولی چلی۔ پروفیسر ناگری ایک دم سے سینے کو تھام کر جھک گیا۔ تکلیف سے کراہتے ہوئے زمین پر گرنے لگا۔ گرتے گرتے دوسری گولی لگی۔ وہ اچھل کر زمین پر چلا آیا۔ شیبا نے میرے دماغ میں کہا "ارے یہ شیطان تو مر رہا ہے۔ اس کا چکر کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ کبھی تمھارا دشمن بنتا ہے اور کبھی دوست۔ اور دوست بھی ایسا کہ دیکھتے ہی دیکھتے تمھارے لیے جان دے دی۔"

میرے سامنے پروفیسر ناگری کی لاش فرش پر پڑی ہوئی تھی۔ سینے اور بازو سے خون اُبل رہا تھا۔ شیبا نے کہا۔ "اعلیٰ بی بی' اس کے گھر مہمان تھی۔ مجھے فوراً اسے اطلاع دینا چاہیے کہ اس کا میزبان مارا جا چکا ہے۔"

وہ اعلیٰ بی بی کے پاس پہنچی مگر وہاں پہنچتے ہی چونک گئی۔ وہ میزبان پروفیسر ناگری' اعلیٰ بی بی کے قریب ہی ایک صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا "کمبختوں نے مجھے دو گولیاں ماریں۔ ایک یہ میرے سینے میں ...."

اس نے اپنے سینے میں دو انگلیاں ڈالیں اور ایک چٹکی سے بلٹ نکال کر زمین پر پھینک دی۔ پھر دوسرا بلٹ اپنے بازو سے نکال کر دکھائی۔ شیبا نے اعلیٰ بی بی کے دماغ میں کہا "میں ابھی دیکھ کر آ رہی ہوں' اس کی لاش وہاں پڑی ہوئی ہے۔"

شیطان نے کہا "وہاں پروفیسر ناگری کی لاش پڑی ہوئی ہے۔ وہ سچ مچ ناگری کا مردہ جسم ہے۔ میں تو اس کے اندر سمایا ہوا تھا۔ وہ مر گیا' میں اس کے اندر سے نکل کر یہاں آ گیا۔ چونکہ اعلیٰ بی بی نے مجھے کسی اور روپ میں نہیں دیکھا تھا اس لیے ڈمی پروفیسر ناگری کی حیثیت سے بیٹھا ہوا ہوں۔ اب اپنا روپ بدل رہا ہوں۔ انسانوں کی دنیا میں رہنے کے لیے یہ جنتر منتر اور تنویمی عمل کا کاروبار تو کرنا ہی ہو گا۔ لہٰذا اب میں پروفیسر ناگری نہیں' پروفیسر سامری ہوں۔"

یہ کہتے ہی اس کی صورت بدل گئی۔ وہ کوئی ادھیڑ عمر کا شخص نظر آ رہا تھا۔ شیبا نے کہا "اعلیٰ بی بی' یہ تمھارا ہی دل گردہ ہے جو شیطان کی مہمان بنی ہوئی ہو۔ ابھی میرے پاس وقت نہیں ہے۔ فرہاد کے پاس موجود رہنا ضروری ہے۔ میں پھر آؤں گی۔"

وہ میرے دماغ میں آ گئی۔ اس وقت ربی اسفند یار کہہ رہا تھا "میرے آدمیوں نے جلدی کی اور پروفیسر ناگری کو گولی مار دی ورنہ میں اسے سمجھاتا۔ اس کی طرح میں بھی بہت پہلے سونیا پر تنویمی عمل کر چکا ہوں۔ اکثر ایسا ہوتا رہا کہ فرہاد اس کے دماغ میں چھپا رہتا تھا۔ تنویمی عمل کے دوران سونیا سوتی رہتی اور وہ اس کی زبان سے معمول بن کر میرے سوالات کا جواب دیتا رہتا اور میں اس خوش فہمی میں مبتلا رہتا کہ میرا تنویمی عمل کامیاب ہو رہا ہے لیکن بعد میں ثابت ہوتا رہا کہ یہ ہماری خوش فہمی ہوتی ہے۔ بے چارا پروفیسر ناگری اسی خوش فہمی میں مبتلا رہ کر مر گیا۔"

میں نے کہا "اگر میں فرہاد ہوں تو میں کس طرح پروفیسر ناگری کے تنویمی عمل کو روک سکتا تھا جبکہ میں زخموں سے چور ہوں۔ میرا دماغ کمزور ہے۔ کیا دوسری خیال خوانی کرنے والی کوئی ہستی میری مدد کر رہی ہے؟"

ربی نے کہا "ہاں' تمھارے دماغ میں دوسری ہستی موجود ہے۔"

"ربی اسفند یار' تم بھول رہے ہو کہ رسونتی کو دماغی طور پر بچی بنا دیا گیا ہے۔ وہ اپنا ماضی بھول گئی ہے اور خیال خوانی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

ربی اسفند یار نے کہا "میں رسونتی کی نہیں' شیبا کی بات کر رہا ہوں۔"

میں نے حیرانی سے پوچھا "کون شیبا؟"

"معصوم اور انجان نہ بنو۔ تم نے شیبا مدام عرف مادام کمپیوٹر کو ٹریپ کیا اور اس کا دل جیت کر اپنا ساتھی بنا لیا۔ مجھ سے بدظن کر دیا۔"

"آپ مجھے سراسر غلط سمجھتے آ رہے ہیں۔ میں کسی شیبا مدام کو نہیں جانتا۔"

انھوں نے ہنستے ہوئے کہا "دیکھو' تمھارا جھوٹ کس طرح کھل رہا ہے۔ تم نے پُراسرار شخص کے خاص آدمیوں کے سامنے اعتراف کیا ہے کہ شیبا مدام تمھارے دماغ میں آتی رہی ہے اور شیبا نے مادام کمپیوٹر کی حیثیت سے پُراسرار شخص کو یقین دلایا ہے کہ وہ تمھارے دماغ میں رہتی ہے اور تم اس کے لیے کام کرتے ہو۔ اگر تم مے کا کس ہو تو....م

کمپیوٹر سے تمہارے گہرے تعلقات ہیں اور اگر تم مے کاکس نہیں ہو تو پھر فرہاد ہو۔"

وہ مجھے بڑی چالاکی سے گھیر رہے تھے۔ میں نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا: "اب بھی میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ آپ کیا فرمارہے ہیں۔ اگر کوئی مادام کمپیوٹر ہے اور اس نے یہ کہا ہے کہ وہ میرے دماغ میں آتی ہے اور میں اس کا آلۂ کار ہوں تو میں اس کے جھوٹ پر کیا کہہ سکتا ہوں جبکہ آج تک میں نے کسی مادام کمپیوٹر کو اپنے دماغ میں محسوس نہیں کیا۔"

"کیا فرہاد کو اپنے دماغ میں محسوس کرتے رہے ہو؟"

"بے شک! جب سے رسونتی میرے قریب آئی ہے تب سے فرہاد علی تیمور دماغ میں آتے رہتے ہیں۔"

ربی اسفندیار نے کہا: "میں دیکھنا چاہتا ہوں، فرہاد علی تیمور اب بھی تمہارے دماغ میں آتا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں آتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے، وہ دماغی طور پر کمزور ہو گیا ہے اور دماغی طور پر تم بھی کمزور ہو اس لیے تم فرہاد ہو۔"

پھر انھوں نے مجھ پر ظلم توڑنے والوں سے کہا۔ "اسے شاک پہنچاؤ۔"

میری کرسی جہاں تھی اور جہاں میں بیٹھا ہوا تھا، اس کے قریب ہی تقریباً دو فٹ کے فاصلے پر بجلی کا کرنٹ دوڑنے لگا۔ ایک شخص نے کہا: "ابھی یہ تم سے دو فٹ کے فاصلے پر ہے۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی وہ بجلی کی لہر مجھ سے ایک فٹ کے فاصلے پر نظر آئی۔ پھر مجھے آواز سنائی دی: "اپنی زندگی چاہتے ہو تو سچ اگل دو۔"

میں نے کہا: "میں اپنی جان بچانے کے لیے فرہاد ہونے کا اعتراف کرلوں گا لیکن میں فرہاد تو نہیں بن سکوں گا۔"

اب وہ بجلی کی لہر مجھ سے آدھے فٹ کی دوری پر تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس لہر نے میری کرسی کو چھو لیا۔ پھر میرے حلق سے ایک کربناک چیخ نکلی۔ میرے سارے جسم کو جھٹکے لگ رہے تھے۔ یہ چند ساعتوں کی بات تھی۔ پھر وہ جھٹکے ختم ہو گئے۔ میں ایک دم سے نڈھال ہو کر کرسی پر بیٹھے بیٹھے سامنے کی طرف جھک گیا۔ میرے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے تھے۔ ربی اسفندیار کی آواز سنائی دی: "اب تم سچ بولو گے۔ بجلی کا جھٹکا کھانے کے بعد بڑے بڑوں کے حوصلے پست ہو جاتے ہیں۔"

شیبا میرے دماغ کے ذریعے میری حالت کو خوب سمجھ رہی تھی، پریشان ہو رہی تھی۔ پھر اچانک ہی اس نے میرے دماغ سے پرواز کی۔ دوسرے ہی لمحے ربی اسفندیار کی چیخ سنائی دی۔ اس نے مارے غصے کے اپنے ربی کے دماغ کو ٹیلی پیتھی کا جھٹکا پہنچایا۔ اب بتاؤ، کون سا جھٹکا زوردار ہے؟"

انھوں نے سانس روکنے کی کوشش کی۔ شیبا نے کہا: "جب سے تمہارے سر پر پتھر گرا ہے، تم سانس روکنے کے قابل نہیں رہے۔ یوگا کا مظاہرہ کرنے کے لیے تمھیں جسمانی اور دماغی طور پر صحت مند رہنا ہوگا اور اس میں ابھی وقت لگے گا۔"

انھوں نے سر میں ہونے والی تکلیف کو برداشت کرتے ہوئے کہا: "شیبا! بیٹی شیبا! یہ تم بول رہی ہو۔ میں دعوے سے کہتا ہوں، فرہاد میرے سامنے خاموش اور نڈھال پڑا ہے۔ یہ بے بس ہے۔ خیال خوانی نہیں کرسکتا۔"

شیبا نے اس شخص کے ذریعے قہقہہ لگایا۔ پھر کہا "میں نے جو چکر چلایا تھا وہ پھر کامیاب رہا۔ یہ پُراسرار شخص سمجھتا ہے، مادام کمپیوٹر اس کی دوست بن گئی ہے لیکن یہ مادام کمپیوٹر ہے کون اور تم کسے شیبا کہہ کر مخاطب کر رہے ہو؟"

انھوں نے جھجکتے ہوئے اپنے .... لوگوں کو دیکھا پھر کہا: "دیکھو بیٹی! تم میری کمزوری سمجھتی ہو۔ میں اسرائیلی حکومت کے سامنے یہ اعتراف کرسکتا ہوں کہ میرے پاس ٹیلی پیتھی کی مشق کرنے والی لڑکی تھی اور وہ شیبا ہے۔ تمہیں اسرائیل حکام اچھی طرح پہچانتے ہیں مگر یہ نہیں جانتے کہ تمھی مادام کمپیوٹر ہو۔"

اس نے کہا: "بوڑھے احمق! تو بار بار مجھے شیبا کہہ رہا ہے جبکہ میں فرہاد ہوں۔ جب تیرے سر پر پتھر گرا تھا اور تو سانس روکنے کے قابل نہیں رہا تھا، اسی دوران میں نے تیرے دماغ میں پہنچ کر معلوم کرلیا تھا جسے دنیا مادام کمپیوٹر کہتی ہے، اس کا اصل نام شیبا مدام ہے اور وہ تیرے ساتھ میں رہتی آئی تھی لیکن کچھ دنوں سے بچھڑ گئی ہے اور لاپتا گئی ہے۔"

"یہ جھوٹ ہے۔ وہ لاپتا نہیں ہے۔ تم نے اور تمہارے ساتھیوں نے اسے اغوا کیا ہے۔"

"وہ ہمارے ہتھے چڑھ جاتی تو ہم اسے زندہ نہ چھوڑتے کیونکہ ایک نیام میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں۔ اس دنیا میں صرف ایک ٹیلی پیتھی جاننے والا فرہاد رہے گا۔ دوسری رسونتی تھی۔ اسے برداشت کیا گیا۔ وہ شریکِ حیات تھی لیکن اب اس قابل نہیں رہی۔ رہ گئی تمہاری بیٹی شیبا، تو وہ کہاں ہے یہ بات تم نہیں جانتے۔ میں بھی نہیں جانتا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ کسی مصلحت کے تحت روپوش ہو گئی ہے یا پھر اس کی ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں ختم ہو گئی ہیں یا پھر وہ خود ہمیشہ کے لیے ختم ہو چکی ہے۔"

"نہیں، وہ مر نہیں سکتی۔ وہ اب بھی ٹیلی پیتھی جانتی ہے۔ جب میں بری طرح بیمار تھا تو وہ میرے دماغ میں آئی تھی۔ اس نے مجھ سے نفرت کا اظہار کیا تھا۔ میں نے اس کی ماں کے خلاف جو سازش کی تھی، یہ بات اسے معلوم ہو چکی تھی لیکن وہ میری بیٹی ہے۔ میں اسے منالوں گا۔ میرا دل کہتا ہے، میرے اندر سے ایک روحانی آواز آتی ہے کہ اس وقت جو خیال خوانی کے ذریعے آواز سن رہا ہوں، وہ فرہاد کی نہیں، میری بیٹی شیبا کی ہے۔"

شیبا نے اس شخص کے ذریعے کہا: "تمہارے بکواس کرنے سے فرہاد کی جنس تبدیل نہیں ہوگی۔ میں مرد ہوں اور مرد ہی رہوں گا۔ رہ گئی تمہاری بیٹی شیبا تو اس کے لیے سر پیٹ کر ماتم کرتے رہو۔ میں نے رسونتی کو پالیا ہے۔ اعلیٰ بی بی ہم سے دور نہیں ہے۔ سونیا کا سراغ بھی مل رہا ہے۔ جب میری جاں نثار ساتھی میرے پاس پہنچ جائیں گی تو میں تمہاری شیبا کے پیچھے پڑ جاؤں گا۔ اس کا سراغ لگا کر رہوں گا۔ اس سے پہلے کہ تم اس کے پاس پہنچو، میں اسے اغوا کروں گا۔ پھر اس کے ساتھ جو سلوک کروں گا، وہ تم سوچ بھی نہیں سکو گے۔"

ربی اسفندیار پریشان ہو کر سوچتا رہ گیا۔ شیبا نے پوچھا: "ربی! اب میرے سوال کا جواب دو۔ تمہارا اس پُراسرار شخص سے کیا تعلق ہے؟"

"اگر میں تمہارے سوال کا جواب نہ دوں تو؟"

"دوسرا جھٹکا پہنچے گا اور تم سر کے بل نظر آؤ گے۔"

اس نے بے بسی سے اس شخص کو دیکھا جس کے ذریعے شیبا فرہاد بن کر بول رہی تھی پھر اس نے کہا: "میرا پُراسرار شخص سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں اسرائیلی حکومت کی طرف سے یہاں آیا ہوں۔ یہاں کے حکام اس بات سے پریشان ہیں کہ تمہاری وجہ سے جنوبی امریکا میں کافی خونریزی ہوئی۔ لہٰذا یہ ہنگامے ختم کیے جائیں اور کسی طرح تصدیق کی جائے کہ جو شخص یہاں گرفتار کیا گیا ہے، وہ فرہاد علی تیمور ہے۔ میں نے دعویٰ کیا تھا کہ میں اس شخص کو فرہاد ثابت کر دوں گا۔"

"تم کبھی ثابت نہیں کرسکو گے۔ یہ فرہاد نہیں، میرا بہت اہم آلۂ کار ہے۔ اس کے ذریعے میں بہت اہم کام لیتا ہوں۔ میرا یہ خاص آدمی یہاں کسی کے ہاتھوں مر گیا تو سمجھو اس ملک میں قیامت آجائے گی۔ تم اسرائیلی حکومت کی طرف سے آئے ہو۔ میں ایک بار پھر اسرائیل پہنچوں گا اور تمہیں یہ سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے کہ جہاں ہمارے قدم پڑتے ہیں اُس ملک میں کیسی قیامت آتی ہے۔ لہٰذا میں پہلی اور آخری وارننگ دے رہا ہوں۔ میرے اس آلۂ کار ڈاکٹر مے کاکس کو آزاد کر دو۔ اسے فوری طبی امداد پہنچاؤ۔ بابا صاحب کے ادارے سے دو ذمے دار افراد یہاں آئیں گے اور ڈاکٹر مے کاکس کو اپنے ساتھ لے جائیں گے۔"

ربی اسفندیار نے کہا۔ "میں اسرائیلی حکومت کا نقصان نہیں چاہتا۔ تم سے دشمنی بھی نہیں چاہتا۔ میں یہاں کے حکام کو بھی سمجھاؤں گا کہ ڈاکٹر مے کاکس کو رہا کر دیا جائے لیکن جب تک اس سلسلے میں بات چیت جاری رہے گی، مے کاکس کو رہا نہیں کیا جائے گا۔"

"میں مانتا ہوں لیکن اسے فوری طبّی امداد پہنچائی جائے اور اس کی رہائی کا فیصلہ چوبیس گھنٹے کے اندر کیا جائے ورنہ۔۔۔"

شیبا نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ ربی اسفندیار نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "میں جانتا ہوں، تم بڑے سے بڑے ملک کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا سکتے ہو۔"

"میں نے کسی بھی ملک کے معاملات میں دخل دینا چھوڑ دیا تھا۔ تمام ممالک نے یہ وعدہ کیا تھا کہ اب فرہاد کے معاملات میں کوئی دخل اندازی نہیں کرے گا۔ میں نے بھی کسی کے مفاد کے خلاف کوئی کام نہیں کیا لیکن سراسر وعدہ خلافی ہو رہی ہے۔ مجھے بھی سخت اقدامات پر مجبور ہونا پڑے گا۔"

ربی اسفندیار نے سوچتی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔ گویا ڈاکٹر مے کاکس کو دیکھا۔ پھر اپنے آدمیوں سے کہا۔ "اسے اسپتال کے بستر پر پہنچا دو اور پوری توجہ سے علاج کرو۔ میں اس کی رہائی کے سلسلے میں حکّام سے بات کرنے جا رہا ہوں۔"

شیبا نے میرے دماغ میں پہنچ کر پوچھا۔ "فرہاد! تم ہوش میں ہو۔"

"اتنا ہوش ہے کہ تمھیں فرہاد کا رول ادا کرتے ہوئے سن رہا ہوں لیکن شیبا! میں بہت کمزوری محسوس کر رہا ہوں۔"

"ابھی نہ بولو۔ میں تھوڑی دیر بعد آؤں گی۔ تمھیں کچھ توانائی حاصل کرنے کے سلسلے میں دوائیں دی جائیں گی۔ پھر ہم بات کریں گے۔"

"ٹھہرو، ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ تم نے مجھ سے متاثر ہو کر کہا تھا۔ فرہاد، تم بہت اچھے ہو۔ آج میں تم سے متاثر ہو کر کہتا ہوں۔ شیبا، تم بہت اچھی، بہت ہی اچھی ہو۔"

اس نے مسکرا کر کہا۔ "شکریہ۔" پھر میرے دماغ سے ربی اسفندیار کے دماغ میں پہنچ گئی۔ وہ میرے پاس سے جانے کے بعد جو کچھ کرتی تھی، بعد میں اس کی رپورٹ مل جاتی تھی۔ وہ ربی کے دماغ میں اس لیے گئی کہ کہیں وہ سازشی ذہن سے میرے خلاف کوئی اور تدبیر نہ سوچے لیکن وہ سوچتا جا رہا تھا۔ "فرہاد نے عجیب چکّر میں ڈال دیا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا جو ٹیلی پیتھی کے ذریعے مجھ سے مخاطب تھا، وہ فرہاد تھا یا شیبا تھی۔ ویسے جو کوئی بھی ہو، میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ شیبا ہوگی تب بھی وہ فرہاد سے متاثر ہو چکی ہوگی۔ میں نے اس کی بات نہ مانی تو وہ ٹیلی پیتھی کے ذریعے ہمیں اور ہمارے ساتھیوں کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا سکتی ہے۔ اب یہ فرہاد ہو یا مے کاکس، اسے رہا کرانا ہی ہوگا۔"

شیبا نے میرے پاس آکر خوش ہوتے ہوئے کہا۔ "سنا تم نے، تم رہا کر دیے جاؤ گے۔ ربی اسفندیار مجبور ہو گئے ہیں، یہاں کے حکام بھی مجبور ہو جائیں گے۔"

"یہ تمھارے دماغ میں کیسے خیال آیا کہ تمھیں فرہاد بن کر ایسا ڈراما پلے کرنا چاہیے۔"

"میری عقل اتنا کام نہیں کرتی۔ یہ جناب شیخ الفارس نے پہلے سے سمجھا رکھا تھا کہ تمھاری جان کو خطرہ پیش آئے تو مجھے اس طرح کا رول ادا کرنا ہوگا۔"

مجھے اسی پہیّوں والی کرسی پر بٹھا کر اسپتال کے کمرے میں پہنچایا جا رہا تھا۔ شیبا نے کہا۔ "میں تھوڑی دیر بعد آؤں گی۔ گرین بے میں خلیج کے کنارے سونیا کی خبر لینا ہے۔"

وہ جناب شیخ الفارس کے پاس گئی۔ انھیں خوشخبری سنائی۔ "دشمن، فرہاد کو مے کاکس سمجھنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ اسے جلد ہی رہا کر دیا جائے گا۔ میں نے چوبیس گھنٹے کا الٹی میٹم دیا ہے۔"

پھر وہ دماغی طور پر حاضر ہوئی۔ اپنی ماما کے گلے لگ کر خوشخبری سنائی۔ "فرہاد آزاد ہو جائیں گے۔ انھیں رہا کر دیا جائے گا۔ وہ بہت جلد ہمارے پاس آجائیں گے۔"

ماں اس کی خوشی کو اور اس کی دیوانگی کو دیکھ رہی تھی اور مسکرا رہی تھی۔ پھر شیبا وہاں سے اعلیٰ بی بی کے پاس پہنچی۔ اس نے کہا۔ "میں شیبا بول رہی ہوں تمھیں خوشخبری سنانے آئی ہوں، فرہاد کو رہا کر دیا جائے گا۔ اب تمھیں شیطان کے گھر میں نہیں رہنا چاہیے۔"

سوچ کے ذریعے اس کی یہ بات ختم ہوتے ہی شیطان کا قہقہہ سنائی دیا۔ اعلیٰ بی بی چاروں طرف دیکھنے لگی۔ ایک طرف سے وہ نمودار ہو رہا تھا۔ اب پروفیسر سامری کے روپ میں تھا اس نے کہا۔ "میں تمھارے ذریعے شیبا کو مخاطب کر رہا ہوں بلکہ تم دونوں سے کہہ رہا ہوں۔ اگر فرہاد کو رہا کر دیا جائے گا تو وہ باباصاحب کے ادارے میں پہنچے گا۔ جہاں شہد ہوتا ہے، وہاں مکھیّاں جاتی ہیں۔ تم بھی میرے ہاں سے چلی جاؤ گی۔ سونیا کا سراغ بھی مل گیا ہے۔ باباصاحب کے ادارے سے بڑے نامی گرامی فائٹر اور ذہین افراد سونیا کے پاس پہنچ چکے ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ کل تک اسے بڑی کامیابی سے نکال لے جائیں۔ گویا تمام ہیرو، ہیروئین باباصاحب کے ادارے میں جمع ہو جائیں گے۔ سب ایک دوسرے سے مل لیں گے۔ قصہ ختم ہو جائے گا۔"

اعلیٰ بی بی نے کہا۔ "اگر ہم نے بہت زیادہ مصیبتیں اٹھائی ہیں۔ ہماری خاطر فرہاد زخموں سے چُور ہو گیا ہے تو ہمارا انعام یہی ہونا چاہیے کہ ہم سب ہنسی خوشی ایک جگہ مل جائیں۔ ایک پُرسکون زندگی گزاریں۔"

شیطان نے قہقہہ لگایا اور پوچھا۔ "اعلیٰ بی بی! تمھاری جیسی ذہین عورت ایسا کہتی ہے۔ بھئی، زندگی ختم نہیں ہوئی اور وہ پُرسکون ہو جائے؟ سکون تو موت سے حاصل ہوتا ہے۔ جب تک انسان زندہ رہتا ہے، زندگی کی کہانی چلتی رہتی ہے اور کہانی اگر سیدھی اور سپاٹ ہو تو خود اس جینے والے کے لیے غیر دلچسپ ہو جاتی ہے۔"

پھر اس نے بے ڈھنگے پن سے قہقہہ لگایا اور کہا۔ "سیدھی سی بات ہے۔ تم لوگوں کی طرح ساری دنیا والوں کو سکون حاصل ہو جائے گا۔ ہر طرف اطمینان ہی اطمینان ہوگا۔ کسی کو کسی سے خطرہ محسوس نہیں ہوگا۔ کوئی کسی دکھ مصیبت میں مبتلا نہیں ہوگا تو پھر شیطان کا کیا کام؟"

اعلیٰ بی بی نے پوچھا۔ "اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنی فطرت کے مطابق کوئی گڑبڑ ضرور کرو گے؟"

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ جب تک انسانوں کی یہ دنیا آباد ہے، نیکی اور بدی کے درمیان جنگ ہوتی رہے گی اور اس جنگ کے دوران عجیب و غریب، رنگین و سنگین، خوبصورت اور بھیانک واقعات پیش آتے رہیں گے۔"

"ایک بات بتاؤ، کیا واقعی تم شیطان ہو؟"

"ہاں، بالکل شیطان ہوں۔"

"مگر آج تک شیطان نے کسی انسان سے ملاقات نہیں کی۔ تم کیسے ملاقات کر رہے ہو۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "میں بنفسِ نفیس ملاقات کرتا ہوں۔ ہر انسان سے ملاقات کرتا ہوں مگر براہِ راست کبھی ملاقات نہیں کرتا۔"

"مطلب یہ کہ میں بنفسِ نفیس تمھارے سامنے موجود ہوں مگر تم براہِ راست موجود نہیں ہو۔ بالواسطہ پروفیسر سامری کے ذریعے ہم سے ہمکلام ہو۔"

"جس طرح اب سے پہلے میں پروفیسر ناگری کے ذریعے تم سے ملاقات کرتا رہا۔ میں ہر انسان سے ملاقات کرتا ہوں۔ وہاں ٹارچر چیمبر میں فرہاد کو اذیتیں پہنچائی جا رہی تھیں تو ربی کے آدمیوں نے اپنی دانست میں مجھے گولی مار دی مگر وہ کبھی نہیں سمجھ سکتے کہ میں ربی کی صورت میں بھی شیطان تھا۔ دراصل انسان آنکھوں والا اندھا ہے۔ وہ رشوت لیتے اور دیتے وقت مجھے دیکھ نہیں پاتا جبکہ میں ان کے پاس موجود رہتا ہوں۔ گناہ کے لیے لازم ہے کہ انسان اکیلا نہ ہو۔ دوسرا بھی موجود ہو۔ گناہ کے وقت میں دونوں کے سامنے ایک دوسرے کے لیے شیطان ہوتا ہوں۔ کوئی جرم کرنے کے لیے کسی دوسرے کا ساتھ ہونا ضروری نہیں ہے۔ جرم تنہا بھی کیا جا سکتا ہے۔ ایسے وقت میں تنہا اس آدمی کے اندر موجود رہتا ہوں مگر نہ تو وہ مجھے دیکھ پاتا ہے نہ ہی سمجھ پاتا ہے۔"

"آخر تمھارے اندر اتنی زیادہ صلاحیتیں اور اتنی مکّاریاں کیسے آگئیں؟"

"اللہ تعالیٰ نے انسان کو جتنی صلاحیتیں، جتنی مکّاریاں، جتنا ہنر اور جتنی فنکاری دی ہے، اتنی ہی مجھے دی ہے۔ نہ مجھے ان سے کچھ زیادہ دیا ہے نہ انسانوں کو مجھ سے کچھ کم دیا ہے۔ فرق اتنا ہے کہ کسی انسان کو ٹیلی پیتھی آتی ہے، کسی کو جادو آتا ہے۔ کوئی اپنی ذہانت میں یکتا ہوتا ہے۔ کوئی صحت مند کو بیمار بنا دینے کا فن جانتا ہے اور کوئی بیمار کو صحت یاب کر دینے کی صلاحیت رکھتا ہے لیکن یہ ساری کی ساری صلاحیتیں مجھ ایک میں سمائی ہوئی ہیں۔ میں جب چاہتا ہوں، وقتِ ضرورت ان صلاحیتوں کا مظاہرہ ہر انسان کے سامنے کرتا ہوں مگر اچھی صلاحیتوں کا مظاہرہ اس وقت کرتا ہوں جب مجھے اس کے پیچھے بہت سے بُرے مقاصد حاصل کرنے ہوتے ہیں۔"

"اچھا اب کیا ارادہ ہے۔ ہمارے راستے میں کیسی رکاوٹیں پیدا کرو گے؟"

وہ مسکرایا۔ پھر انکار میں سر ہلا کر بولا۔ "میں نہیں بتاؤں گا۔ بس اتنا کہوں گا، آگے آگے دیکھیے، ہوتا ہے کیا؟"

شیبا نے کہا۔ "اعلیٰ بی بی! تم یہاں سے چلو۔"

"اب چلوں گی، مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ شیطان کہیں نہیں ہوتا۔ ہماری ذات کے اندر ہوتا ہے۔ انسان جو فرشتے کی طرح معصوم پیدا ہوتا ہے، اسے زندگی کی آخری سانس تک رفتہ رفتہ شیطان بناتا چلا جاتا ہے۔"

پروفیسر سامری اپنی جگہ سے اٹھا پھر وہاں سے چلتا ہوا، اعلیٰ بی بی سے دور ہوتا ہوا ایک دروازے کے پاس گیا۔ وہاں سے پلٹ کر ہاتھ ہلاتے ہوئے بولا۔ "الوداع اعلیٰ بی بی، وِش یو بیڈ لک۔"

وہ دروازے کے پیچھے چلا گیا۔ نظروں سے اوجھل

ہوگیا۔ شیبا نے کہا "میں محترم شیخ الفارس سے جاکر کہتی ہوں، وہ تمھیں یہاں سے لے جانے کا بندوبست کریں گے۔"

اعلیٰ بی بی نے سینٹر ٹیبل پر رکھے ہوئے ایک سوئچ کو اٹھایا پھر کہا "شیطان نے کہا تھا، میں اس سوئچ کو ہاتھ میں لے کر کسی بھی جگہ جانا چاہوں تو اس کا بٹن دبا دوں۔ میں وہاں پہنچ جاؤں گی۔"

شیبا نے پوچھا "کیا یہ جادوئی باتیں نہیں ہیں؟"

"شیطان ابھی کہہ چکا ہے، اس کے پاس اتنا ہی علم ہے جتنا ہم انسانوں کے پاس ہے۔ نہ ہم سے کم ہے، نہ ہم سے زیادہ۔ کیا شیطان کی طرح انسان جادو نہیں جانتا۔ کیا وہ اپنے جادو کے ذریعے دوسرے انسانوں کو مصیبتوں میں مبتلا نہیں کرتا۔ بہرحال میں اس سوئچ کو آزما کر دیکھتی ہوں۔"

یہ کہہ کر اعلیٰ بی بی نے سوئچ کے بٹن کو دبایا۔ آنکھیں بند کیں جیسے جادو کے ذریعے اس شیطان کی رہائش گاہ سے نکل کر کہیں دوسری جگہ پہنچنے والی ہو لیکن وہ اسی جگہ کھڑی ہوئی تھی۔ اچانک آواز سن کر آنکھیں کھول دیں۔ دیکھا تو کوئی شخص دروازے کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ اس نے سر جھکا کر کہا۔ "محترمہ! آپ کے لیے گاڑی حاضر ہے۔ آپ جہاں جانا چاہیں جاسکتی ہیں۔"

اعلیٰ بی بی نے حیرانی سے کبھی اس سوئچ کو دیکھا کبھی اس شخص کو۔ شیطان نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ وہ اس سوئچ کے ذریعے جہاں جانا چاہے گی جاسکے گی یعنی اس کے جانے کے لیے گاڑی حاضر کر دی گئی تھی لیکن کہنے کا انداز ایسا تھا جیسے وہ جادو کے ذریعے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جائے گی۔ اب بات سمجھ میں آئی۔ اس کے ہاتھ میں جو سوئچ تھا، وہ دراصل ملازم کو بلانے والی گھنٹی تھی۔ سوئچ کا بٹن اِدھر دبایا جاتا تھا، گھنٹی کی آواز کہیں دوسری جگہ سنائی دیتی تھی۔ وہیں سے یہ ملازم آیا تھا۔

اعلیٰ بی بی نے غصّے سے سوئچ کو دیکھا۔ پھر زور سے فرش پر دے مارا۔ شیطان نے اسے الّو بنایا تھا۔

شیبا میرے پاس سے مطمئن ہو کر گئی تھی مگر دشمن کب باز آنے والے تھے۔ ویسے بھی شیطان کہہ چکا تھا کہ وہ کچھ نہ کچھ گڑبڑ کرتا ہی رہے گا۔ جب وہ دوسری بار میرے پاس آئی تو میں اسپتال کے کمرے میں اپنے بستر پر پڑا ہوا تھا۔ میرے آس پاس چند اجنبی چہرے تھے۔ ان میں سے کچھ اپنے رکھ رکھاؤ اور شخصیت کے ذریعے اعلیٰ افسر نظر آتے تھے۔ شیبا نے میرے دماغ میں پہنچ کر پوچھا "کیا بات ہے؟"

"یہ ابھی کمرے میں آئے ہیں۔ تم خود ہی دیکھو، یہ کیا کہنے والے ہیں۔"

وہ لوگ مجھے گہری ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ میں بھی ان کو باری باری دیکھتا جا رہا تھا۔ پھر میں نے پوچھا "کیا بات ہے؟ کیا پھر مجھے ٹارچر چیمبر میں لے جانا چاہتے ہو؟"

ایک افسر نما شخص نے کہا "ابھی محترم ربی اسفندیار نے تمھاری سفارش کی ہے۔ ہم یہی بہتر سمجھتے ہیں کہ تم فرہاد کے کوئی خاص آلۂ کار ہو تو تمھیں چھوڑ دینا چاہیے تمھیں مار ڈالنے سے ہمیں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا بلکہ فرہاد کی ٹیلی پیتھی کے ذریعے ہم پر غضب نازل ہوگا۔ ہم یہ نہیں چاہتے۔"

دوسرے افسر نے کہا "لیکن اس بات کی تصدیق نہیں ہوسکی کہ تم فرہاد نہیں ہو بلکہ ثبوت ہے کہ تم فرہاد ہو۔"

میں نے بیزار ہو کر کہا "خدا کے لیے وہ ثبوت جلدی پیش کرو اور مجھے فرہاد ثابت کرنے کے بعد گولی مار دو۔"

ایک نے کہا "ٹارچر چیمبر میں جب ربی اسفندیار کے سامنے ایک شخص فرہاد کی زبان سے بول رہا تھا، اس وقت تم پہیّوں والی کرسی پر سر جھکائے چپ چاپ بیٹھے ہوئے تھے گویا تم اُدھر چپ چاپ تھے اور خیال خوانی کے ذریعے ہمارے ایک آدمی کو آلۂ کار بنا کر ربی اسفندیار سے گفتگو کر رہے تھے۔"

ایک اور شخص نے کہا "اس وقت بھی فرہاد ہم سے مخاطب ہوگا تو ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ وہ بیک وقت دو جگہ نہیں بول سکتا۔ اگر کسی کے ذریعے بولے گا تو تم اپنے بستر پر چپ چاپ بیٹھے رہو گے۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی شیبا نے ایک شخص کو اپنا آلۂ کار بنا کر کہا "میں فرہاد بول رہا ہوں۔ ڈاکٹر مے کاکس تم بے تکی باتیں کرتے جاؤ، مسلسل بولتے جاؤ، اِدھر میں اس شخص کے ذریعے بولتا جاؤں گا تاکہ شبہ دور ہوسکے۔"

میں نے بولنا شروع کیا۔ بے تکی باتیں کرتا چلا گیا۔ مسلسل ایک منٹ تک بولتا رہا۔ اس دوران شیبا اس شخص کے ذریعے ان افسران کو مخاطب کرتی رہی اور بولتی رہی "میں اِدھر فرہاد بول رہا ہوں۔ ڈاکٹر مے کاکس کو بھی دیکھتے رہو۔ ایک شخص بیک وقت دو جگہ تقسیم نہیں ہوسکتا یعنی ایک طرف زبان سے بولتا رہے اور دوسری طرف خیال خوانی کی پرواز کرکے کسی دوسرے کو آلۂ کار بناتا رہے۔ یہ ممکن نہیں ہے۔"

ایک افسر نے ہاتھ اٹھا کر کہا "بس، خاموش ہو جاؤ۔"

میں چپ ہوگیا۔ اُدھر شیبا نے اس شخص کے ذریعے پوچھا "کیا یقین آیا؟"

ایک افسر نے تائید میں سر ہلا کر کہا "اس طرح تو یقین آگیا لیکن اس کے فرہاد ہونے کا ایک بہت ہی ٹھوس ثبوت ہمارے پاس موجود ہے۔"

"کیا اب بھی کچھ باقی رہ گیا ہے؟"

"ہاں، تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔"

افسر نے ایک طرف اشارہ کیا۔ دروازے کے پاس کھڑے ہوئے شخص نے اس اشارے کے جواب میں باہر کی طرف اشارہ کیا۔ میں اس کھلے ہوئے دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ دوسرے ہی لمحے چونک گیا۔ وہاں سے رسونتی کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔ پہلے تو میں ذرا بدحواس ہوا۔ دماغ کمزور تھا۔ چند لمحوں کے لیے بھول گیا تھا کہ جوزا، رسونتی کا رول ادا کر رہی ہے۔

ایک افسر نے مجھ سے پوچھا "کیا یہ رسونتی ہے؟"

میں نے سر ہلا کر کہا "ہاں، یہ رسونتی ہے۔"

"کیا یہ فرہاد علی تیمور کی بیوی ہے؟"

میں نے انکار میں سر ہلا کر کہا "نہیں، یہ میری شریکِ حیات ہے۔"

آفیسر نے غصّے سے کہا "کیا بکواس کرتے ہو۔ اگر یہ تمھاری بیوی ہے تو تم فرہاد علی تیمور ہو۔"

"میں فرہاد علی تیمور نہیں ہوں لیکن یہ رسونتی میری بیوی ہے کیونکہ یہ رسونتی کی ہم نام ہے۔"

"کیا؟" سب چونک کر کبھی رسونتی کو اور کبھی مجھ کو دیکھنے لگے۔ دوسرے افسر نے ناگواری سے کہا "نان سنس، تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ تمھاری یہ بیوی، رسونتی کی ہم نام بھی ہے اور ہمشکل بھی؟"

"ہمشکل نہیں ہے بلکہ پلاسٹک سرجری کے ذریعے ہمشکل بنائی گئی ہے۔"

"یہ جھوٹ ہے۔ تم اس لیے بات بنا رہے ہو کہ یہ تمھارے بچے کی ماں بننے والی ہے۔ ہم اس بات پر حیران ہیں کہ ساری دنیا میں عزت اور شہرت رکھنے والا فرہاد علی تیمور یہ بے غیرتی کیسے برداشت کر رہا ہے۔"

شیبا نے ایک شخص کے دماغ میں پہنچ کر کہا۔ "میں فرہاد علی تیمور تم سے مخاطب ہوں۔ تمھاری باتوں سے ثابت ہوگیا کہ فرہاد علی تیمور بے غیرت نہیں ہے۔ اگر یہ میری رسونتی ہوتی اور کسی اور کے بچّے کی ماں بننے والی ہوتی تو اس سے میرا ناتہ بہت پہلے ٹوٹ چکا ہوتا۔ خدا نہ کرے کہ میری رسونتی بے حیا اور بے غیرت ہو اور اس کی وجہ سے مجھے بھی بے غیرتی کا سامنا کرنا پڑے۔"

"ہم کیسے یقین کریں کہ یہ تمھاری رسونتی نہیں ہے۔"

"تمھارے پُراسرار باس کے ذرائع بہت وسیع ہیں۔ اس سے کہو، وہ معلوم کرے کہ رسونتی پیرس میں بابا صاحب کے ادارے تک پہنچ چکی ہے یا نہیں؟"

وہ افسران کچھ دیر تک سوچتے رہے پھر ان میں سے ایک نے کہا "جب تک تصدیق نہ ہو جائے، اس وقت تک تمھاری طرح یہ رسونتی بھی حراست میں رہے گی۔"

شیبا نے فرہاد کی حیثیت سے کہا "یہ تو اب بھی حراست میں ہے۔ تم لوگ دونوں کی نگرانی کرتے ہو لیکن ایک بات یاد رکھنا۔ اگر ان میں سے کسی کو بھی جانی یا جسمانی نقصان پہنچا تو اس کا نتیجہ بُرا ہوگا۔ لہٰذا اس رسونتی کو بھی مہمانِ خصوصی کے طور پر رکھا جائے۔"

وہ یہ باتیں سن رہے تھے اور رسونتی عرف جوزا کو دیکھ رہے تھے جو اب بچکانہ حرکتیں نہیں کر رہی تھی۔ بڑے فخریہ انداز میں کھڑی مسکرا رہی تھی۔ میں نے کہا "آفیسر! تمھارے پُراسرار باس نے رسونتی کی برین واشنگ کی تھی، اس کے دماغ کو بچکانہ بنا دیا۔ یہ جو رسونتی تمھارے سامنے کھڑی ہوئی ہے، اس کا ذہن بچکانہ نہیں ہے۔ کیا اس سے بڑا ثبوت اور کوئی ہوسکتا ہے؟"

ایک افسر نے جوزا کے قریب جا کر اسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔ پھر پوچھا "کیا تمھارا دماغ بالکل درست ہے؟ کیا تم خود کو ننھی سی بچی محسوس نہیں کرتی ہو؟"

وہ ہنستے ہوئے بولی "آفیسر، آنکھیں رکھ کر اندھے بن رہے ہو۔ کیا میں تمھیں نظر نہیں آرہی ہوں۔ کیا میں تمھیں بچی لگ رہی ہوں۔ جوان ہوں، شادی شدہ ہوں اور اپنے مرد کے بچّے کی ماں بننے والی ہوں اور وہ رہا میرا مرد۔"

اس نے میری طرف اشارہ کیا۔ دوسرے آفیسر نے پوچھا۔ "مگر یہ سب کیسے ہوا؟ ہارببے میں رسونتی کو تمھارے ہوٹل کے کمرے میں پہنچایا گیا تھا۔ ہمارے آدمی ہوٹل کے اندر اور باہر سخت نگرانی کر رہے تھے۔ صرف وہیں نہیں، اس شہر سے لے کر برازیل کے ساحلی علاقے تک چھپ چھپ کر نگرانی ہوتی رہی، ہم جانتے تھے کہ کسی ڈمی رسونتی سے تبادلہ ہوسکتا ہے۔ ہماری نظر اس پہلو پر تھی۔ پھر یہ سب کچھ کیسے ہوگیا؟"

میں نے کہا "آفیسر! ہم بھی اناڑی نہیں ہیں۔ یہ سمجھتے تھے کہ تم لوگ کسی ڈمی رسونتی کے متعلق ضرور سوچو گے لیکن یہ کبھی سوچ نہیں سکو گے کہ اِدھر رسونتی کو ہوٹل ہنی مون پہنچاؤ گے، اُدھر فوراً ہی تبادلہ ہو جائے گا۔"

"کیسے تبادلہ ہوسکتا تھا جبکہ تمھارے خواب و خیال میں یہ بات

نہیں تھی کہ رومانتک بے بی اچانک ہی رسونتی کو وہاں پہنچا دے گی۔"

"بے شک، ہم نہیں جانتے تھے لیکن ہمیں معلوم ہوا کہ رسونتی ہارریے میں ہے اور رومانتک بے بی کی نگرانی میں ہے۔ تب ہی سے ہم نے ایک ڈمی رسونتی تیار کرلی تھی۔"

"کیسے تیار کرسکتے ہو جبکہ ہارریے کا ہر آدمی ہمارا وفادار ہے؟"

"یہ تمھاری خوش فہمی ہے۔ ہارریے کا ہر آدمی تمھارا وفادار ہوتا تو وہ باڈی بلڈر ماسٹرکی کا آدمی تم لوگوں کو اُلّو نہ بناتا۔ جس طرح ماسٹرکی اور رمانک مین کے آدمی اس شہر میں پھیلے ہوئے تھے، اسی طرح ہمارے آدمی اور ہماری عورتیں بھی وہاں تھیں۔ انھی عورتوں میں سے یہ میری ایک بیوی تھی جس نے رسونتی کا روپ اختیار کیا تھا۔"

"ہوٹل ہنی مون میں ڈمی رسونتی سے تبادلہ کیسے ہوا؟"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا "یاد کرو آفیسر! جس رات رسونتی کو ہوٹل ہنی مون کے کمرے میں پہنچایا گیا، اسی رات تمھارے دی کلر نے ہنگامہ کردیا۔ وہ فرہاد کو اپنے دماغ میں محسوس کرکے آندھی طوفان کی طرح ہوٹل میں آیا تھا اور اس کمرے میں ہنگامہ کیا تھا جہاں وہ باڈی بلڈر میری نگرانی کررہا تھا۔ ہوٹل کے مرد عورتیں سبھی جمع ہوگئے تھے۔ ایسے وقت میری رسونتی میرے کمرے میں آگئی اور میرے کمرے سے اصل رسونتی کو اغوا کرلیا گیا۔"

وہ لوگ میری باتوں کو توجہ سے سن رہے تھے۔ پھر ایک نے کہا "تمھاری یہ بیوی کوئی بھی ہو، اس نے ایک ننھی سی رسونتی کا رول بہت خوبی سے ادا کیا۔ ہم دھوکا کھاتے رہے لیکن یہ کیسے مان لیں کہ جو بچکانہ ذہن رکھنے والی رسونتی اغوا کی گئی، اسے کسی دوسرے روپ میں یہاں سے باباصاحب کے ادارے میں پہنچایا گیا۔ اتنے طویل سفر کے دوران اس نے بچکانہ حرکتیں نہیں کی ہوں گی۔ یقیناً کی ہوں گی اور ایسے میں وہ ہماری نظروں میں آسکتی تھی۔"

شیبا نے فرہاد کی حیثیت سے کہا "کیسے آسکتی تھی؟ میں اپنی رسونتی کے دماغ پر قابض ہوگیا تھا۔ اتنے طویل سفر کے دوران میں نے اسے بچکانہ حرکتیں کرنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ وہ ایک بالغ عورت کی طرح ذہانت کا مظاہرہ کرتی رہی اور یہ سب کچھ ٹیلی پیتھی کے ذریعے ہوتا رہا۔"

ہم انھیں رسونتی کے تبدیل ہوجانے کی ایسی من گھڑت کہانی سنا رہے تھے کہ ان کی کھوپڑیاں چکرا کر رہ گئی تھیں۔ ایک افسر نے کرسی پر بیٹھ کر اپنے سر کو تھامتے ہوئے کہا "یہ ٹیلی پیتھی کا چکر سمجھ میں نہیں آتا۔"

شیبا نے اپنے معمول کے ذریعے کہا "کیسے سمجھ میں آئے گا۔ تم کوئی نئے نویلے افسر لگتے ہو۔ یہاں دنیا کی خطرناک ترین تنظیمیں سرتوڑ کوششیں کرتی رہیں لیکن نہ تو فرہاد کے چکر کو سمجھ سکیں اور نہ ہی فرہاد تک پہنچ سکیں۔ تم لوگ جس خوش فہمی میں مبتلا ہو، یہ بہت جلد دور ہوجائے گی۔ بہتر ہے کہ جو باتیں ہوچکی ہیں جو ثبوت فراہم کیے جاچکے ہیں، وہ تمام ثبوت اپنے پُراسرار باس کے سامنے پیش کردو۔"

وہ تھوڑی دیر بعد وہاں سے چلے گئے۔ رسونتی یعنی جوزا میرے پاس آئی پھر میرے گلے میں بانہیں ڈال کر بولی "مے کاکس! تم اچھے تو ہو۔ ان کمبختوں نے مجھے تم سے الگ کردیا تھا۔"

میں نے کہا "اپنے یہ ہاتھ میری گردن سے ہٹالو، بوجھ لگتے ہیں۔"

جوزا نے سرگوشی میں کہا "ایک وارڈ بوائے کھڑکی سے جھانک رہا ہے۔ اس لیے محتاط رہو۔"

میں اس کی ہوشیاری کا قائل ہوگیا۔ فوراً ہی محبت کا اظہار کرنے لگا۔ اس نے آہستہ آہستہ مجھے بستر پر لٹادیا۔ پھر میرے سر کو سہلاتے ہوئے بولی "آنکھیں بند کرلو۔ میں تھپک سُلانے کی کوشش کرتی ہوں۔"

میں نے آنکھیں بند کرلیں۔ شیبا نے کہا "تم بڑی مشکل سے دشمنوں کے ہاتھ لگے ہو۔ وہ مطمئن نہیں ہورہے ہیں۔ بار بار کوئی ثبوت لے کر آتے ہیں اور تمھیں فرہاد ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اب تک وہ کئی کوششیں کرچکے ہیں۔ پتا نہیں آئندہ کیا ہوگا۔"

"میرا خیال ہے، اب وہ میرے خلاف کوئی ثبوت پیش نہیں کرسکیں گے۔ مجھے جلد ہی رہا کردیا جائے گا۔"

"میں شیطان سے ڈرتی ہوں۔ وہ کمبخت ضرور ایسا چکر چلائے گا جو ابھی ہماری سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔"

"جب ایسا وقت آئے گا تو دیکھا جائے گا۔ تم صبح سے میرے ساتھ ہو۔ تم نے سونیا کی خبر نہیں لی۔"

"مجھے معلوم ہوچکا ہے۔ ہمارے اہم ترین لوگ سونیا کے اطراف پہنچ گئے ہیں۔"

"ان کے پہنچنے سے کیا ہوتا ہے۔ تمھیں یہ معلوم کرنا چاہیے کہ جو عورت سونیا سے دشمنی کررہی ہے اور خود کو سونیا کہتی ہے، درحقیقت وہ کون ہے؟"

"اچھی بات ہے۔ میں جارہی ہوں۔ تھوڑی دیر بعد آؤں گی۔"

وہ چلی گئی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ فوراً ہی سونیا کے پاس نہیں گئی تھی۔ میرے دماغ سے نکل کر ڈمی رسونتی، جوزا کے دماغ میں پہنچ گئی تھی پھر اس نے کہا تھا "جوزا! زیادہ فری ہونے کی کوشش نہ کرو۔ فرہاد آنکھیں بند کرکے لیٹا ہوا ہے۔ سونے کی ایکٹنگ کررہا ہے۔ تم اپنی ایکٹنگ رہنے دو۔"

جوزا میرے پاس سے ہٹ کر الگ کرسی پر بیٹھ گئی۔

تب شیبا نے اس کا پیچھا چھوڑا۔ خیال خوانی کی پرواز کرتے ہوئے سونیا کے پاس پہنچ گئی۔ صبح سے لے کر اب تک جو واقعات سونیا کو پیش آئے، وہ مجھے بعد میں شیبا کے ذریعے معلوم ہوتے رہے۔ میں ان واقعات کو ترتیب وار پیش کررہا ہوں۔

شیبا نے پچھلی رات سونیا کو تنویمی نیند سُلا دیا تھا۔ وہ تمام رات آرام سے سوتی رہی۔ دشمن کا کوئی کھٹکا نہ رہا تھا۔ صبح آنکھ کھلی تو حیران حیران سی تھی کہ اتنی بے خوفی سے کس طرح سوتی رہی۔

وہ وہاں سے اٹھ کر غار کے ایک تاریک حصے میں گئی۔ تھوڑی دیر بعد واپس آئی۔ پانی کی بوتل سے تھوڑا سا پانی لے کر منہ صاف کیا۔ منہ پر گیلا ہاتھ پھیرا۔ پھر پچھلے دن کا بچا ہوا کھانا تھوڑا سا کھایا۔ اس کے بعد دبے قدموں اس غار سے نکلنے لگی۔

غار کے دہانے پر پہنچتے ہی ٹھٹک گئی۔ سامنے ہی چٹان پر ایک مسلح شخص نظر آرہا تھا۔ اس نے دوسری طرف سر گھما کر دیکھا، دوسری چٹان پر ایک اور شخص نظر آیا۔ انھوں نے اسے دیکھتے ہی سیلیوٹ کیا۔ پھر کہا "میڈم سونیا! ہم آپ کے محافظ اور وفادار ہیں۔ ہمارے علاوہ یہاں چار افراد اور ہیں۔"

وہ دوڑتے ہوئے واپس غار کے اندر گئی جہاں اس کا سامان رکھا ہوا تھا، اس نے اپنا پستول لیا۔ پھر دوڑتے ہوئے غار کے دہانے پر آگئی۔ بلند آواز سے بولی "میں سونیا نہیں ہوں۔ مجھے مس فروڈی کہتے ہیں۔ تم سونیا کے آدمی ہو۔ اگر اپنی زندگی چاہتے ہو تو واپس چلے جاؤ۔"

ایک مسلح شخص نے کہا "مادام! آپ کا اصل نام مس فروڈی نہیں بلکہ سونیا ہے۔ دشمنوں نے آپ کا نام بدل دیا ہے اور جو عورت سونیا کے نام سے آپ کو نقصان پہنچانا چاہتی ہے، وہ دشمنوں کی کوئی ایجنٹ ہے۔"

اس نے پوچھا "میں کیسے یقین کروں کہ تم سب میرے وفادار ہو اور اگر ہو تو کیا اچانک آسمان سے ٹپک پڑے ہو۔ آج تک میرا اپنا کوئی نہیں تھا۔ میں خود اپنے لیے اتنی بڑی دنیا میں اجنبی ہوں۔"

"آپ تنہا اس لیے تھیں کہ ہمیں آپ کا سراغ نہیں مل رہا تھا۔ اچانک معلوم ہوا کہ آپ خلیج کے اس حصے میں پائی جاسکتی ہیں۔ لہٰذا ہم دوڑے چلے آئے۔"

"تمھیں کیسے پتا چلا کہ میں یہاں مل سکتی ہوں؟"

"فرہاد علی تیمور نے آپ کے دماغ میں پہنچ کر آپ کی ہسٹری معلوم کرلی ہے۔"

"یہ فرہاد کون ہے اور وہ دماغ میں کیسے پہنچ سکتا ہے؟"

"وہ ٹیلی پیتھی کے ذریعے سب کچھ معلوم کرلیتے ہیں۔"

"یہ ایسی بات ہے جس کا میں یقین نہیں کرسکتی۔ تم سب یہاں سے چلے جاؤ۔ میں تنہا دشمنوں سے نمٹنے کے لیے کافی ہوں۔"

"مادام! آپ ہزاروں پر بھاری پڑتی ہیں۔ ہم سب تسلیم کرتے ہیں لیکن دشمنوں نے آپ کی برین واشنگ کی ہے۔ آپ میں کس حد تک صلاحیت باقی رہ گئی ہے، اس کا اندازہ نہ آپ کو ہے نہ ہمیں۔ لہٰذا ہم آپ کو تنہا نہیں چھوڑیں گے۔"

"میں تم لوگوں پر کس طرح بھروسا کرسکتی ہوں؟"

"ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں۔"

یہ کہہ کر اس مسلح شخص نے اپنے ہتھیار چٹان کی بلندی پر سے اس کی طرف پھینک دیے۔ پھر دوسرے شخص نے بھی یہی کیا۔ اس کے بعد جو چار افراد نظر نہیں آرہے تھے، وہ بھی سامنے آگئے۔ انھوں نے اپنے ہتھیار دونوں ہاتھوں میں لیے پھر سونیا کے پاس چلتے ہوئے آئے۔ انھوں نے جھک کر وہ ہتھیار سامنے رکھ دیے۔ اس کے بعد پیچھے ہٹ کر ادب سے کھڑے ہوگئے۔

سونیا انھیں پستول کے نشانے پر رکھتے ہوئے آگے بڑھی۔ جو ہتھیار زمین پر پڑے ہوئے تھے، وہاں پہنچ کر ایک پاؤں ان ہتھیاروں پر رکھا۔ پھر سامنے چھ افراد کو دیکھا جو سر جھکائے کھڑے ہوئے تھے۔ وہ چاہتی تو پستول سے ان سب کو ہلاک کرسکتی تھی۔ پستول کی گولی کم پڑتی تو قدموں تلے ضرورت سے زیادہ ہتھیار موجود تھے۔

اس نے اعتماد کی نظر ان پر ڈالی۔ پھر کہا "تم لوگوں نے ہتھیار میرے قدموں میں رکھ دیے۔ میں اپنا ہتھیار تمھاری طرف پھینکتی ہوں۔"

اس نے اپنا پستول ان کی طرف پھینک دیا۔ آگے بڑھی، پھر وہ بھی آگے بڑھے۔ سب نے ایک دوسرے سے مصافحہ کیا۔ ایک نے پوچھا "آپ یہاں مفرور قیدی کی طرح زندگی گزار رہی ہیں۔ آخر وہ آپ کی دشمن عورت کہاں پائی جاسکتی ہے؟"

"وہ شہر میں ہوگی۔"

"تو پھر آپ بھی شہر میں رہیں گی۔ ہم آپ کے اطراف موجود رہیں گے۔ آج اس عورت کو اپنی زندگی سے ہاتھ دھونا پڑیں گے یا شہر چھوڑ کر بھاگنا پڑے گا۔"

سونیا نے کہا "شہر میں جاکر رہنا کیا ضروری ہے۔ میں نے سنا ہے، فرہاد میرا محبوب ہے، وہ میرے لیے جان کی بازی لگا دیتا ہے۔ کیا تم لوگ مجھے فرہاد تک نہیں پہنچا سکتے؟"

"ہم آپ کو بابا صاحب کے ادارے میں لے جائیں گے ہمیں امید ہے کہ فرہاد صاحب بہت جلد وہاں پہنچا دیے جائیں گے۔"

"پہنچا دیے جانے سے کیا مراد ہے۔ کیا وہ خود نہیں آسکتے ہیں؟"

"وہ آپ کو تلاش کرنے کی کوشش میں دشمنوں سے لڑتے ہوئے بُری طرح زخمی ہو گئے ہیں۔ ان دنوں ایک اسپتال میں ہیں ہم وہاں سے انھیں لانے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"وہ کس اسپتال میں ہیں؟ ہم ابھی وہاں جائیں گے۔"

"وہ کئی سو میل دور شکاگو کے ایک اسپتال میں ہیں۔"

اسی وقت ایک قریبی چٹان سے اس دشمن عورت کی آواز سنائی دی۔ وہ بلند آواز سے کہہ رہی تھی "میں نے سن لیا ہے۔ میرا فرہاد شکاگو کے ایک اسپتال میں ہے۔ میں اسے ڈھونڈ نکالوں گی۔"

سب نے چونک کر اس چٹان کی طرف دیکھا۔ وہ ہاتھ میں ایک اسٹین گن لیے کھڑی ہوئی تھی۔ کہنے لگی "خبردار! تم میں سے کسی نے ذرا بھی حرکت کی تو گولیوں سے بھون ڈالوں گی۔"

سونیا اور بابا صاحب کے ادارے سے آنے والے افراد سکتے کی حالت میں کھڑے رہ گئے۔ انھوں نے اپنے ہتھیار زمین پر پھینکے تھے۔ وہ ذرا فاصلے پر تھے۔ وہاں تک پہنچتے پہنچتے آنے والی دشمن ان پر فائر کر سکتی تھی۔ سونیا کے محافظوں نے جب دیکھا کہ وہ ہتھیار تک نہیں پہنچ سکتے تو... انھوں نے سونیا کے اطراف گھیرا ڈال دیا۔ گویا اس کے لیے ڈھال بن گئے۔

دشمن سونیا نے مذاق اُڑانے کے انداز میں کہا "واہ کیا وفاداری ہے اور کیا حفاظتی اقدامات ہیں۔ اگر مجھے مس فرونی کو گولی مارنا ہوتا تو میں باتوں میں وقت ضائع نہ کرتی۔ تمھارے ڈھال بننے سے پہلے ہی اسے ٹھائیں سے ختم کر دیتی۔"

ایک محافظ نے پوچھا "تم چاہتی کیا ہو؟"

"پہلے تو میں یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں، تم سب کون ہو؟"

"ہم فرہاد علی تیمور کے دوست اور وفادار ہیں اور مادام سونیا کی حفاظت کے لیے آئے ہیں۔"

اس نے پوچھا "کیا تمھارے پاس سونیا کی کوئی شناخت ہے؟"

"یہ کھلی شناخت ہے، ہم سونیا کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہے ہیں اور یہ صورت شکل سے، قد و قامت سے اور اپنی گفتگو سے سراسر سونیا ہے۔"

دشمن سونیا چٹان کے پیچھے سے نکل کر کھلی جگہ آگئی پھر تن کر بولی "میرے قد و قامت کو دیکھو۔ کیا میں سونیا نہیں ہوں۔ میری گفتگو کا انداز کیا کہتا ہے؟"

"تمھاری صورت سونیا سے بالکل مختلف ہے۔"

اس نے کہا "میں اپنا یہ ہتھیار اس چٹان پر رکھ رہی ہوں۔ کسی نے میری ذرا سی غفلت سے فائدہ اٹھانے کی حماقت کی تو میں بے دریغ فائرنگ شروع کر دوں گی۔"

اس نے اسٹین گن کو ایک چٹان پر رکھا پھر اپنی گردن کے پیچھے ہاتھ لے جاکر کچھ کرنے لگی۔ چند سیکنڈ بعد ہی وہ اپنے چہرے سے ماسک اتار رہی تھی۔ جیسے ہی وہ ماسک الگ ہوا سب نے شدید حیرانی سے دیکھا۔ ان سے کچھ فاصلے پر چٹان کے قریب ایک دوسری قد آور سونیا کھڑی ہوئی تھی۔

یہ ایسی ڈرامائی سچویشن تھی کہ بابا صاحب کے ادارے سے آنے والے افراد حیران و پریشان رہ گئے تھے۔ حیرانگی سے کبھی اس سونیا کو دیکھتے تھے کبھی اُس سونیا کو۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اصل معاملہ کیا ہے۔

ان کے درمیان کھڑی ہوئی سونیا نے دشمن کی طرف انگلی اٹھا کر کہا "یہ جھوٹی ہے، فراڈ ہے۔ ابھی تم یہ اعتراف کر چکے ہو کہ فرہاد نے ٹیلی پیتھی کے ذریعے میرا سراغ لگایا تھا اور اسی کی نشاندہی پر تم یہاں آئے ہو۔ اگر ٹیلی پیتھی کا علم سچا ہے تو کسی طرح فرہاد سے کہو، وہ اس جھوٹی سونیا کے دماغ میں بھی جھانک کر دیکھ لے۔"

اس نے جواباً کہا "جب فرہاد میرے دماغ میں پہنچے گا ہم دونوں کا موازنہ کرے گا تب حقیقت کھلے گی لیکن اس سے پہلے کیوں نہ ہم آپس میں فیصلہ کر لیں۔"

سونیا نے پوچھا "تم چاہتی کیا ہو؟"

دشمن سونیا نے تمام لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ سب فرہاد علی تیمور کے دوست اور وفادار ہیں، تمھیں سونیا سمجھ کر تمھاری حفاظت کرنے آئے ہیں، انھیں حقیقت معلوم ہونا چاہیے۔ تم ان سب کے سامنے میرے مقابلے پر آؤ۔ ابھی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔"

سونیا نے اس کا چیلنج قبول کرتے ہوئے کہا "مجھے منظور ہے۔ میں ان کے سامنے تم سے مقابلہ کروں گی اور تمھیں اپاہج کر چھوڑوں گی۔"

وہ آگے بڑھی مگر ادارے کے افراد نے درمیان میں آکر دونوں کا راستہ روک لیا۔ ایک نے کہا "ہم الجھ کر رہ گئے ہیں۔ جب تک فرہاد صاحب ٹیلی پیتھی کے ذریعے دونوں کی اصلیت معلوم نہ کر لیں ہم آپس میں مقابلہ کرنے نہیں دیں گے کیوں کہ آپ دونوں میں سے جو بھی ہماری مادام ہوں گی وہ مقابلے میں کچھ تو زخمی ہوں گی۔ ہم کسی بھی طرح انھیں نقصان پہنچتے نہیں دیکھ سکتے۔"

دشمن سونیا نے پوچھا "اس کا مطلب ہے، جب تک فرہاد کے ذریعے فیصلہ نہ ہو، یہ نقلی، دھوکے باز سونیا تم لوگوں کے درمیان رہے گی، دوسرے لفظوں میں تم سب آستین میں سانپ پالتے رہو گے۔"

ادارے سے آنے والے ایک نوجوان نے کہا "ہم ایک نہیں، دو سانپ پالیں گے۔ تم بھی ہمارے ساتھ رہو گی۔ سانپ اپنے سپیرے کو نہیں ڈستا۔ ہاں، جو زہریلا ہو گا، جو دشمن ہو گا، وہ ڈسنے کی کوشش کرے گا اور ہم ایسے سانپ کا منہ جانتے ہیں۔"

دشمن سونیا نے کہا "مجھے منظور ہے۔ میں اس عورت کے قریب رہوں گی لیکن اس نے کوئی چالاکی دکھائی اور مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو آئندہ یہ کبھی کسی کو نقصان پہنچانے کے قابل نہیں رہے گی۔"

اس کے جواب میں سونیا نے بھی اسے چیلنج کیا۔ سونیا کی حفاظت کرنے والے افراد پریشان ہو کر کبھی اس کو اور کبھی اُس کو دیکھتے تھے۔ جو دشمن سونیا تھی وہ بھی اپنی ہی لگتی تھی۔ وہی شکل، وہی قد و قامت اور وہی سونیا کا سا انداز تھا۔

فیصلہ یہی ہوا کہ جب تک ٹیلی پیتھی کے ذریعے دونوں کے دماغوں کی تہ میں نہ پہنچا جائے، اس وقت تک وہ حفاظت کرنے والوں کے ساتھ رہیں گی اور فیصلہ یہ بھی ہوا کہ جب تک دونوں کی اصلیت ظاہر نہ ہو، اس وقت تک وہ اپنے پاس کسی قسم کا ہتھیار نہیں رکھیں گی۔

وہ اس بات پر راضی ہو گئیں، محافظوں نے تمام ہتھیار اپنے قبضے میں لے لیے۔ پھر ان کے ساتھ شہر کی طرف چل پڑے۔ ایک بات غور طلب تھی کہ دشمن سونیا اگر اصل سونیا کی واقعی دشمن تھی، اس کی جان لینا چاہتی تھی تو اُس نے محافظوں کے سامنے خود کو نہتا کیوں کر دیا تھا۔ بلکہ بڑے اعتماد سے ان کے ساتھ شہر کی طرف جا رہی تھی۔ اور اس وقت تک ان کے ساتھ رہنے والی تھی جب تک خیال خوانی کے ذریعے دونوں کی اصلیت ظاہر نہ ہو جاتی۔

ویسے ایک نے نہیں، دونوں نے محافظوں پر اعتماد کیا تھا۔

دونوں کی چال ایک جیسی تھی۔ انداز اور تیور ایک جیسے تھے۔ ایک سونیا کو جس محل میں قید کیا گیا تھا، اس محل کی مالکہ میڈم کوٹیلی تھی۔ دونوں سونیا کی اصلیت ظاہر ہونے کے بعد شاید یہ انکشاف ہونے والا تھا کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک سونیا ہے اور دوسری میڈم کوٹیلی۔

خلیج کے ساحلی علاقے سے وہ لوگ ایک ویگن کار میں بیٹھ کر شہر کی طرف جا رہے تھے، ایک جوان نے دونوں سے پوچھا "تم میں سے جو بھی سونیا ہے، وہ دشمنوں سے چھپتی پھر رہی ہے، کیا شہر میں دشمن نہیں ہوں گے؟"

ایک نے کہا "بے شک دشمن ہوں گے اسی لیے تو میں نے ماسک میک اَپ کیا ہوا تھا۔ تم لوگوں کو یقین دلانے کے لیے مجبوراً یہ میک اَپ اتارنا پڑا۔"

دوسری سونیا نے کہا "جب سے میں فرار ہوئی ہوں، مجھے میک اَپ کرنے کا معقول سامان نہیں مل سکا۔ عارضی میک اپ کر کے شہر میں ایک آدھ بار گھومنے کے لیے نکلی تو اس دشمن سونیا نے مجھے دیکھ لیا اور میرے پیچھے پڑ گئی۔ یہ تنہا نہیں ہے۔ اس کے ساتھ اور بھی کئی لوگ ہیں۔ ہم جب شہر پہنچیں گے تو یقیناً اس کے آدمی ہم پر حملہ کریں گے۔"

دوسرے جوان نے کہا "ہم یہی چاہتے ہیں کہ سونیا کے دشمن ہماری نظروں میں آئیں۔ ہم نہ تو نہتے ہیں اور نہ ہی مٹھی بھر ہیں، ہم کثیر تعداد میں ہیں، دشمنوں کے چھکے چھڑا دیں گے۔"

اس ساحلی شہر میں بابا صاحب کے ادارے سے تعلق رکھنے والے کچھ افراد پہلے سے موجود تھے۔ انھوں نے دو کاٹیج اور کچھ ہوٹل کے کمرے کرائے پر لے رکھے تھے۔ ایک کاٹیج دونوں سونیا کے لیے وقف کر دیا گیا مگر دونوں کو تنہا چھوڑا نہیں گیا۔ دوسرے محافظوں نے بھی مختلف کمروں میں ڈیرا جما لیا... تاکہ وہ کسی بہانے سے لڑائی شروع کر کے ایک دوسرے کو نقصان نہ پہنچا سکیں۔

بابا صاحب کے ادارے سے آنے والوں میں کچھ... ادھیڑ عمر کے لوگ بھی تھے۔ ان کی شخصیت سے، ان کے چہروں سے پتا چلتا تھا کہ وہ بے حد ذہین اور تجربہ کار لوگ ہیں۔ ان میں سے ایک شخص نے کہا "تمھاری اصلیت جب تک ظاہر نہ ہو اس وقت تک تم دونوں ہماری مہمان ہو۔ ہم نے اصلی روپ میں تمھیں رہنے دیا ہے، تمھیں دیکھ کر جو لوگ تمھاری طرف لپکیں گے وہ ہمارا نشانہ بنیں گے۔"

ایک اور شخص نے کہا "کچھ دیر آرام کرنا چاہو تو کر سکتی ہو، اس کے بعد ہمیں کاٹیج سے نکلنا ہے اور شہر میں گھومتے پھرتے

رہنا ہے۔ اس کا مقصد تم دونوں کی سمجھ میں آگیا ہوگا۔"

تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ دونوں سونیا شہر کی سڑکوں پر گھوم رہی تھیں۔ ایسا لگتا تھا، دونوں سگی جڑواں بہنیں ہیں۔ ایک جیسا قد، ایک جیسی شکل و صورت اور ایک جیسی چال تھی۔

دشمنوں کو ظاہر ہونے میں دیر نہیں لگی۔ بابا صاحب کے ادارے سے آنے والوں نے بڑی کامیاب چال چلی تھی تھوڑی دیر بعد ہی ایک سڑک پر پاس بورنیا دو عدد سونیا کے سامنے پہنچ گیا۔ ایک دم سے اچھل کر بولا۔ "مل گئی۔ شیطان کی پیشنگوئی کے مطابق سونیا مل گئی۔"

اس نے جیب سے ریوالور نکال کر دو ہوائی فائر کیے۔ اس فائرنگ کے ساتھ ہی دونوں سونیا کے اطراف کچھ لوگ جمع ہونے لگے۔ وہ سب بورنیا کے ساتھی تھے۔ دشمن سونیا نے پوچھا۔ "اے، پاگل کے بچے، تیرا نام کیا ہے، کیا تو شیطان کی اولاد ہے؟"

وہ خوش ہو کر بولا۔ "ہاں، مجھے بورنیا کہتے ہیں۔ میں شیطان کی اولاد ہوں مگر پاگل کا بچہ نہیں ہوں۔ ابھی تم دونوں کو شیطان کے پاس لے جاؤں گا۔"

"پہلے تو ہمارے پاس سے بخیریت گزر جائے تب شیطان کے پاس پہنچ سکے گا۔"

بورنیا نے اپنے آدمیوں کو مخاطب کیا۔ "اے! دیکھتے کیا ہو، دونوں کو پکڑ لو۔"

وہ دونوں کو پکڑنے کے لیے گئے۔ ایک سونیا ہی دشمنوں کے لیے کافی ہوتی ہے جب کہ وہاں دو عدد سونیا تھیں، پھر ان کی حفاظت کرنے والے بھی چھپے ہوئے تھے۔ بورنیا کے آدمیوں کی اتنی پٹائی ہوئی کہ کچھ تو مارے گئے اور کچھ جان بچا کر بھاگے۔ بورنیا نے خود کو تنہا پایا تو دونوں ہاتھ جوڑ کر گڑگڑانے لگا۔ "میں تم سے التجا کرتا ہوں، دونوں سونیا سے التجا کرتا ہوں، تم میں سے جو اصلی ہے اور اسے فرہاد سے محبت ہے وہ میرے ساتھ چلے۔ میں دونوں کو شیطان کے پاس لے جاؤں گا، وہاں اصل اور نقل ظاہر ہو جائے گا۔"

ایک سونیا نے پوچھا۔ "شیطان کے سامنے اصل اور نقل کی پہچان کیسے ہوگی؟"

"شیطان ہر انسان کے اندر ہوتا ہے۔ تم دونوں کے اندر بھی ہے۔ وہ اصل اور نقل کی پہچان کرا دے گا۔ تم میں سے جو اصلی ہوگی وہ میرے ساتھ رہے گی جو نقلی ہوگی اسے شیطان کے سامنے قربان کر دیا جائے گا۔"

ایک سونیا نے پوچھا۔ "تم اصل سونیا کو اپنے ساتھ رکھ کر کیا کرو گے؟"

"میں اس کے ذریعے فرہاد تک پہنچ جاؤں گا۔"

"کیا تمھیں نہیں معلوم کہ وہ زخمی ہونے کے بعد شکاگو کے ایک اسپتال میں زیرِ علاج ہے؟"

"مجھے سب معلوم ہے، جسے فرہاد سمجھ کر گرفتار کیا گیا ہے، وہ دراصل ڈاکٹر مے کا کس ہے۔ اصل فرہاد تمھارے ذریعے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی ایک بھیانک قہقہہ سنائی دیا۔ سب نے ایک طرف دیکھا۔ وہاں دی کلر کھڑا ہوا تھا۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "پہلے میں کتے کی طرح بھونکتا تھا مگر اب نہیں بھونکتا۔ اس لیے کہ میں اپنے شکار کی بُو تک نہیں پہنچ سکتا۔ ہاں، سونیا شکار تک پہنچ سکتی ہے۔ اگر شکاگو کے اسپتال والا شخص فرہاد ہوتا تو مجھے یہاں آنے کی زحمت نہ اٹھانا پڑتی لہٰذا دونوں سونیا میں سے جو اصل ہے، وہ میرے پاس آجائے۔ ورنہ میں دونوں کو اٹھا کر لے جاؤں گا۔"

اس نے دو عدد سونیا کی طرف دیکھا۔ پھر ایک ہاتھ بڑھایا۔ اُسکے ہاتھ شیطان کی آنت کی طرح لانبے تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے شہ رگ تک پہنچ رہے ہوں۔ پہلے اس نے ایک سونیا کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ پھر ایک انگلی کے اشارے سے کہا۔ "آؤ میرے پاس آجاؤ۔"

پھر دوسری سونیا کی طرف ہاتھ بڑھا کر پوچھا۔ "تم اصلی ہو! تم ہی چلی آؤ۔"

دونوں نے یکبارگی اس کے دونوں پھیلے ہوئے ہاتھوں کو تھاما اور ایک جھٹکا دیا۔ دی کلر جانتا تھا یا اسے بتلایا گیا تھا کہ سونیا کتنی چالاک اور تیز و طرار ہے۔ وہ پہلے سے محتاط تھا۔ اس لیے ان کے داؤ میں نہ آسکا۔ اس نے جواباً دونوں کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔ وہ ایک جھٹکے سے آگے بڑھیں۔ اس کے پاس سے گزرتے ہوئے چکراتے ہوئے دور جا کر گر پڑیں۔

اس نے مسکراتے ہوئے پھر ان کی طرف ہاتھ بڑھایا اور کہا "جو اصلی ہے، وہ آجائے۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی کسی تیسری نے اس کے ہاتھ کو تھام لیا۔ پھر اچانک ہی جوڈو کا ایک داؤ استعمال کیا۔ دی کلر سنبھل نہ سکا۔ آگے بڑھتے ہوئے، قلا بازی کھاتے ہوئے، دور جا کر چاروں شانے چت ہو گیا۔ وہاں اچھا خاصا مجمع لگ گیا تھا۔ سب کی زبان سے بے اختیار واہ واہ کے تعریفی کلمات نکلنے لگے۔ لوگ اس تیسری کو دیکھ رہے تھے، وہ ایک نہایت ہی حسین لڑکی تھی۔ اس نے ایسا چست لباس پہنا ہوا تھا جیسے

جمناسٹک کے کرتب دکھانے آئی ہو۔ پھر اس نے سچ مچ کرتب دکھانے شروع کیے۔ "ہاہپ، ہپ" کی آواز کے ساتھ اس نے فضا میں اچھل کر الٹی قلا بازی کھائی۔ اس وقت تک دی کلر زمین پر سے اٹھ چکا تھا۔ غرا کر اس پر حملہ کرنا چاہتا تھا مگر اسے دیکھتا رہ گیا کیوں کہ اس لڑکی نے پھر "ہاہپ ہپ" کہتے ہوئے فضا میں اچھل کر دوبارہ قلا بازی کھائی۔ یہ ایسا کمال تھا کہ سب دیکھتے رہ گئے۔ فضا میں دوبارہ قلا بازی کھانا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ دی کلر نے یہ تماشا دیکھا تو اس کی آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے لگے۔ اس لڑکی کی لات اس کے منہ پر پڑی تھی۔ "ہا ہپ ہپ" وہ پھر دونوں ہاتھوں اور دونوں پیروں کے بل پر دائرے کی صورت میں قلا بازی کھاتے ہوئے ایک جگہ پہنچ کر کھڑی ہو گئی۔

وہ لومی تھی جو روما نہ کی ہمشکل تھی۔ مرجانہ کا بدل تھی۔ دانشورو کی نے مرجانہ کے بعد جس ہیرے کو تراشا تھا اسے اب دنیا دیکھ رہی تھی۔

دی کلر غصے اور جھنجلاہٹ سے لومی پر حملہ کرنا چاہتا تھا مگر ایک دم سے رک گیا۔ ایک گیند اس کے منہ پر آکر لگی تھی پھر وہ واپس آگئی۔ واپس اس کے ہاتھ میں پہنچی جس نے وہ گیند پھینکی تھی ۔۔ وہ گیند پھینکنے والا سلیمان جوگو تھا۔ وہ طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے بولا۔ "دی کلر، یہ ٹینس کورٹ کی گیند ہے۔ ویسے میں نے غلطی کی۔ تمھارے منہ پر گیند نہیں مارنا چاہیے، تھوکنا چاہیے۔ ایک لڑکی سے مار کھا رہے ہو۔"

پھر ایک بار "ہاہپ ہپ" کی آواز سنائی دی۔ وہ جمناسٹک کے کرتب دکھا رہی تھی۔ سلیمان جوگو اپنی بات بھول کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے آنکھیں ایک جگہ ٹھہرنے نہیں پاتی ہیں۔ وہ بجلی کی طرح اِدھر اُدھر لپک رہی تھی۔ یکبارگی سلیمان جوگو کے ہاتھ پر ٹھوکر پڑی۔ اس کے ہاتھ سے ٹینس گیند نکل کر فضا میں اچھل گئی، بلندی کی طرف جانے لگی۔ اب سلیمان جوگو نے اپنی انسلٹ محسوس کی۔ کہاں تو دی کلر کے منہ پر تھوکنے والا تھا اور کہاں یہ کہ اس لڑکی نے لات مار کر ہاتھ سے گیند نکال دی تھی۔ جوگو نے یکبارگی چھلانگ لگائی۔ فضا میں اُچھلا، بڑی بلندی تک گیا تاکہ، گیند کو کیچ کر لے لیکن وہ کرتب دکھلانے والی اس سے بھی بلندی پر پہنچ چکی تھی۔ گیند کو کیچ کر کے زمین پر واپس آئی تھی۔ اس کے بعد جوگو نے واپس زمین پر پہنچ کر قدم رکھے مگر سنبھل نہ سکا۔ گیند اس کے منہ پر آکر لگی تھی اور منہ پر لگتے ہی واپس لومی کے ہاتھ میں پہنچ گئی تھی۔

یہ محض ایک گیند کا کھیل نہیں تھا۔ اس کھیل کے پیچھے تیزی، طراری اور نفسیاتی حملے کرنے کا مظاہرہ ہو رہا تھا۔ ایک لڑکی دو ناقابلِ شکست، پہاڑ جیسے فائٹروں پر نفسیاتی اثر ڈال رہی تھی۔ جمناسٹک کے کرتب دکھاتی ہوئی اور گیند کے ذریعے ان پر حملے کرتی ہوئی یہ ثابت کر رہی تھی کہ مقابلہ تو دور کی بات ہے، وہ گیند کی طرح اس لڑکی کو کبھی کیچ نہیں کر سکیں گے۔

سلیمان جوگو نے کہا۔ "لڑکی! میں تمھیں سمجھ گیا، تم میں لڑنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ تم جمناسٹک کے کمالات جانتی ہو، بجلی کی طرح لپکتی ہو۔ اگر ہاتھ آجاؤ گی تو گردن مروڑ کر رکھ دوں گا تمھاری۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی تالیاں بجانے کی آواز سنائی دی۔ سب نے آواز کی جانب دیکھا۔ ایک بوڑھا قد آور جاپانی تالیاں بجاتا ہوا ان کی طرف آ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔ "ناچیز کو دانشورو کی کہتے ہیں۔ تم جس لڑکی کی گردن مروڑنا چاہتے ہو، اسے میں نے تراش خراش کے ہیرا بنایا ہے۔ میں جانتا ہوں، تم دونوں پہاڑ ہو۔ تم سے ٹکرانے والے پاش پاش ہو جاتے ہیں لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خدا نے جو ہمیں طاقتیں اور صلاحیتیں عطا کی ہیں، اس کے بل پر ہم آپس میں لڑنا کیوں چاہتے ہیں؟"

دی کلر نے غرا کر کہا۔ "میں سونیا کو حاصل کرنے آیا تھا، یہ لڑکی خواہ مخواہ بیچ میں آگئی۔"

سلیمان جوگو نے کہا۔ "ہمارا اس سے کوئی جھگڑا نہیں تھا لیکن اس نے ہمارے غضب کو للکارا ہے۔"

دانشورو کی نے کہا۔ "تم دونوں سونیا کو حاصل کرنے آئے تھے لیکن ان دو عدد سونیا میں سے کون اصل ہے۔"

"کوئی بھی ہو، ہم دونوں کو لے جائیں گے۔"

بورنیا نے آگے بڑھ کر کہا۔ "ارے واہ، بڑے آئے دونوں کو لے جانے والے۔ میں نے شیطان سے وعدہ کیا ہے، جو سونیا نہیں ہوگی، جو نقلی ہوگی، میں شیطان کے قدموں میں اس کی قربانی دوں گا۔"

دانشورو کی نے کہا۔ "یعنی ایک انار ہے، سو بیمار ہیں۔ پھر کیوں نہ یہیں فیصلہ کر لیا جائے کہ اصل کون ہے اور نقل کون ہے؟"

"فیصلہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

دانشورو کی نے فخریہ انداز میں سر کو اونچا کیا۔ پھر لومی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "میری بیٹی فیصلہ کرے گی۔"

تمام مجمع پھر ایک بار لومی کو تعریفی نظروں سے دیکھنے لگا۔ دانشورو کی نے کہا۔ "مگر فیصلہ کرنے سے پہلے میں اعلانیہ بتا رہا ہوں کہ یہ لومی کس مقصد کے لیے آئی ہے۔"

سب سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ والشورو کی نے کہا۔ "یہ صرف دی کلر کا سر چاہتی ہے اور ہر قیمت پر اس کی گردن کاٹ کر لے جائے گی۔"

سلیمان جوگو نے خوش ہو کر کہا۔ "پھر تو میں اس لڑکی کے ساتھ ہوں۔"

والشورو کی نے انکار میں انگلی ہلائی، پھر کہا۔ "میری بیٹی کسی کی محتاج نہیں ہے، یہ تنہا تیس برس کے اس ننھے سے بچے کو زیر کرے گی۔"

دی کلر نے حقارت سے ایک طرف تھوکتے ہوئے کہا۔ "میں ابھی اسی چھوکری کو چیونٹی کی طرح مسل کر رکھ دوں گا۔"

والشورو کی نے ایک ہاتھ بلند کر کے کہا۔ "غصے میں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب یہ تم پر حملہ کرے گی تو اسے چیونٹی کی طرح مسل دینا پہلے اسے اصلی اور نقلی سونیا کی پہچان کرانے دو۔"

سلیمان جوگو نے پوچھا۔ "پہچان کیسے ہو گی؟"

یہ سب جانتے ہیں کہ سونیا ناقابلِ شکست ہے، وہ لڑائی کے دوران ہاتھ کم استعمال کرتی ہے، مکاری زیادہ دکھاتی ہے۔ سونیا کی ہسٹری شیٹ گواہ ہے، آج تک کوئی اس پر غالب نہیں آسکا۔ لہٰذا یہاں جو اصلی سونیا ہے وہ یقیناً یومی پر غالب آئے گی۔"

سلیمان جوگو نے کہا۔ "اور اس غالب آنے والی سونیا کو میں لے جاؤں گا۔"

والشورو کی نے کہا۔ "نہیں، اس کے بعد میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ ہو گا، ہم میں سے جو جیتے گا وہ سونیا کا حق دار ہو گا۔"

سلیمان جوگو نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "ڈن۔"

والشورو کی نے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو دیکھا پھر مصافحہ کرنے سے انکار کرتے ہوئے کہا۔ "میں صرف لڑائی کے میدان میں مدِمقابل سے پہلا اور آخری مصافحہ کرتا ہوں، اس وقت کا انتظار کرو۔"

بڑا دلچسپ تماشا ہو رہا تھا۔ وہاں جمع ہونے والے لوگ ذرا اور پیچھے ہٹ گئے۔ تاکہ دو عدد سونیا سے یومی کا مقابلہ دیکھ سکیں۔ دی کلر اور سلیمان جوگو نے بھی وقتی طور پر میدان چھوڑ دیا۔ ایک کنارے کھڑے ہو گئے۔ میدان میں دونوں سونیا آکر پینترا بدلنے کے لیے تیار تھیں۔ یومی آہستہ آہستہ چلتے ہوئے ان سے کچھ فاصلے پر آکر رک گئی۔ دونوں کو نظر بھر کے دیکھا۔ پھر ان دونوں کے سامنے زمین پر گھٹنے ٹیک دیے۔ اپنے سر کو جھکا لیا۔ دونوں ہاتھ سینے پر باندھ لیے اور بولی۔ "سونیا! ہم سب کے لیے عظیم ہے۔ میں ایک ناچیز لڑکی کبھی سوچ بھی نہیں سکتی کہ اُس پر ہاتھ اٹھاؤں جس کے بغیر فرہاد بھی مکمل نہیں ہوتا۔ آج میں اہم فیصلے کی خاطر مقابلہ کر رہی ہوں۔ جو اصل سونیا ہو گی، اس پر میرا وار خالی جائے گا اور میں اس کے ہاتھوں شکست کھا کر فخر محسوس کروں گی۔"

اس کا جھکا ہوا سر اٹھ گیا۔ وہ زمین پر سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ پھر پنجوں کے بل اسکیپنگ کرنے لگی۔ اسے ایسا کرتے دیکھ کر دونوں سونیا پینترے بدلتے ہوئے اس کے قریب آنے لگیں۔ اچانک ہی ایک سونیا نے فضا میں چھلانگ لگائی۔ وہ فلائنگ کک مارنا چاہتی تھی مگر چند لمحے پہلے جہاں یومی تھی وہاں کک خالی گئی۔ یومی کی صرف آواز سنائی دی۔ "ہاہپ ہپ" وہ جمناسٹک کے کرتب دکھا رہی تھی۔ الٹی سیدھی قلابازیاں کھاتی تھی کبھی دونوں ہاتھ زمین پر رکھ کر دائرے کی صورت میں گھومتی ہوئی دور جاتی تھی اور جب قریب آتی تو کامیاب حملہ کرتے ہوئے گزر جاتی تھی۔ جس سونیا نے فلائنگ کک مارنا چاہی تھی اسے دو بار منہ پر ٹھوکریں پڑ چکی تھیں۔ ایک بار پیٹ میں گھونسا پڑا تھا۔ ایک بار پھر اس کی گردن پر کراٹے کا ہاتھ پڑا لیکن وہ مارنے والی ہاتھ نہیں آ رہی تھی۔ جب بھی سونیا اس کی طرف لپکتی تھی، وہ "ہاہپ ہپ" کرتے ہوئے جمناسٹک کے کرتب دکھاتے ہوئے دور نکل جاتی تھی۔

صرف دس منٹ میں مار کھانے والی کی حالت خراب ہو گئی۔ وہ لڑکھڑانے لگی تھی۔ غصے میں یومی کو دیکھنے لگی۔ اس موقع کی تلاش میں تھی کہ ایک بار وہ ہاتھ آجائے یا ایک بار اس کا کوئی حملہ کامیاب ہو جائے لیکن جب بھی وہ حملہ کرتی تھی، جو کراٹے کا ہاتھ مارتی تھی تو یوں لگتا جیسے ہوا کو مار رہی ہو۔ ہاتھ خالی گھوم جاتا تھا۔ وہ بجلی کی طرح نگاہوں کے سامنے سے گزر جاتی تھی۔

آخری بار یومی نے حیرت انگیز کمال دکھایا۔ مار کھانے والی سونیا کو یکبارگی دونوں ہاتھوں پر رکھ کر گول گھومتے ہوئے فضا میں اچھال دیا۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ سونیا زمین پر آکر گرتی، یومی نے زمین پر لیٹ کر اپنی دونوں ٹانگیں اٹھا دیں۔ لوگوں نے آج تک یہی دیکھا تھا کہ اوپر سے گرنے والے کو کوئی دونوں بازوؤں میں روکتا ہے لیکن یومی نے اس سونیا کو دونوں ٹانگوں پر روک لیا تھا۔ وہ اس کی ٹانگوں پر چاروں شانے چت پڑی ہوئی تھی، پھر "ہاہپ ہپ" کی آواز کے ساتھ یومی اپنی ٹانگیں گھمانے لگی۔ سونیا اس کی ٹانگوں پر گھومتی چلی گئی۔ چند سیکنڈ تک اسی طرح گھماتے رہنے کے بعد یومی نے اسے اچھال دیا۔ وہ دور جا کر زمین پر گر پڑی۔ ایسی گری کہ پھر اٹھنے کی سکت نہ رہی۔

دوسری طرف یومی اچھل کر کھڑی ہو گئی تھی۔ اب دوسری سونیا کی طرف دیکھ رہی تھی۔ لیکن اس نے اچانک ہی اصول کے خلاف پاس کھڑے ہوئے شخص کے ہولسٹر سے ریوالور نکال کر فائرنگ شروع کر دی۔ وہ یومی کا نشانہ لے رہی تھی لیکن ہر فائر پر "ہاہپ ہپ" کی آواز کے ساتھ وہ جمناسٹک کے کرتب دکھاتی جا رہی تھی۔ کہیں ایک جگہ ٹھہرتی نہیں تھی اس لیے سونیا کا نشانہ خطا ہو رہا تھا۔ آخر وہ کب تک گولی چلاتی چھ فائر کے بعد ریوالور خالی ہو گیا۔ اس نے جھنجلا کر خالی ریوالور کو کھینچ مارا۔ یومی نے اسے کیچ کر لیا۔ پھر کہا۔ "یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی سونیا نہیں ہے۔"

سلیمان جوگو نے غصے سے چیخ کر کہا۔ "وہ پُراسرار شخص خود کو بہت چالاک سمجھتا ہے، کم بخت نے دو نقلی سونیا پیش کر کے ہمیں الجھا دیا۔ ہم اصلی اور نقلی کے پھیر میں اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔"

والشورو کی نے کہا۔ "یہ کوئی لمبا چکر معلوم ہوتا ہے۔ اگر پُراسرار شخص نے یہ چال چلی ہے تو اس نے اپنے خاص آدمی دی کلر کو یہاں کیوں بھیجا؟ یہ بھی تو سونیا کو حاصل کرنے آیا ہے۔"

ایک نے بلند آواز سے پوچھا۔ "مگر وہ دی کلر کہاں ہے؟"

سب کی نگاہیں اُدھر گئیں جدھر وہ کھڑا ہوا تھا مگر اب نظر نہیں آ رہا تھا۔ کتنے ہی لوگ اِدھر سے اُدھر دوڑتے چلے گئے۔ یقیناً اسے ڈھونڈ نکالنے کے لیے گئے ہوں گے۔ سلیمان جوگو نے مٹھی باندھ کر فضا میں گھونسا لہراتے ہوئے کہا۔ "ہمیں دھوکا دیا گیا ہے۔ نقلی سونیا کی طرح دی کلر کو بھی محض الجھانے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ جب دیکھا کہ بھید کھل رہا ہے تو وہ غائب ہو گیا مگر کہاں جائے گا۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

وہ جانا چاہتا تھا۔ والشورو کی نے اس کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔ "سلیمان جوگو! تم مجھ سے مصافحہ کرنا چاہتے تھے مگر دیکھ لو، وہ وقت نہیں آیا۔"

سلیمان جوگو نے گھور کر اسے دیکھا۔ پھر کہا۔ "بڈھے جاپانی، اگر اصل سونیا ہمارے سامنے ہوتی تو میں اسے اٹھا کر تیری لاش پر سے گزر جاتا۔"

والشورو کی نے مسکرا کر کہا۔ "افسوس، مجھے غصہ نہیں آتا، ویسے میں کوشش کروں گا کہ تمہاری حسرت پوری ہو جائے۔ اگر حسرت پوری نہ کر سکے تو جب تک زندہ رہو گے والشورو کی کو یاد کرتے رہو گے۔"

گرین بے کے ساحلی شہر میں جب یہ واقعات پیش آ رہے تھے، اس وقت میں بستر پر پڑا ہوا شیبا کا انتظار کر رہا تھا وہ سونیا کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے بعد جلد ہی واپس آنے والی تھی۔ یہ جو کچھ بھی ہوا، اتنی ساری معلومات حاصل کرنے میں کچھ وقت لگتا ہے اسی لیے آنے میں دیر ہو رہی تھی۔

یہاں اسپتال میں چند افسران نے آکر حکم سنایا۔ "ڈاکٹر مے کاکس، تمہارے متعلق ہم نے ہر پہلو سے غور کیا ہے۔ ہر طرح کا ثبوت فراہم کرنے کی کوشش کی مگر تم فرہاد ثابت نہیں ہوئے۔ ہم فرہاد سے دشمنی مول لینا نہیں چاہتے۔ اس لیے تمہیں رہا کیا جا رہا ہے۔"

دوسرے افسر نے کہا۔ "تمہارے آدمی اسٹریچر لے کر آ رہے ہیں، وہی تمہیں ایئرپورٹ لے جائیں گے۔"

میں نے کہا۔ "ابھی فرہاد صاحب میرے پاس موجود نہیں ہیں۔ جب تک وہ نہیں آئیں گے، میں کسی کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔"

"جب تمہارے اپنے آدمی تمہیں لے جانا چاہتے ہیں تو...."

میں نے بات کاٹ کر کہا۔ "میں یہ کیسے معلوم کروں گا کہ جو مجھے لے جانے والے ہیں وہ میرے اپنے آدمی ہیں۔"

افسر نے کہا "ہم چاہتے تھے کہ تم جتنی جلدی ہو سکے چلے جاؤ۔ اگر اپنی تسلی کرنا چاہتے ہو تو فرہاد صاحب کا انتظار کر لو۔"

وہ جانے لگے، اسی وقت شیبا نے مجھے مخاطب کیا۔ میں نے کہا "ٹھہریئے، فرہاد صاحب پہنچ گئے ہیں۔ ذرا ایک منٹ۔"

شیبا نے پوچھا "کیا بات ہے؟"

میں نے افسران کو سنانے کے لیے شیبا سے کہا "فرہاد صاحب! یہ افسران میری رہائی کا حکم لے کر آئے ہیں۔ کچھ لوگ مجھے یہاں سے لے جانا چاہتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں، آپ ان لوگوں کے دماغوں میں پہنچ کر اطمینان کر لیں۔"

"میں ایسا ہی کروں گی۔ ان سے کہو، ہمارے آدمیوں کو بھیج دیا جائے۔"

پھر شیبا نے خود ہی ایک افسر کے دماغ میں پہنچ کر اس کے ذریعے کہا "میں فرہاد بول رہا ہوں، ہم یہاں اپنے آدمیوں کا انتظار کر رہے ہیں۔"

وہ افسران چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد چار آدمی وہاں پہنچے۔ انھوں نے بتایا کہ وہ بابا صاحب کے ادارے سے تعلق رکھتے ہیں اور جناب شیخ الفارس کے حکم پر یہاں پہنچے ہیں۔ شیبا ان سب کی باتیں سن رہی تھی اور باری باری ان کے دماغوں میں پہنچ کر حقیقت معلوم کر رہی تھی۔ پھر مطمئن ہو کر بولی "یہ سب ہمارے ہی آدمی ہیں۔"

میں نے کہا "مجھے یہاں سے ایئرپورٹ لے جایا جائے گا۔ ہم ایک طیارے میں سفر کریں گے۔ لہٰذا طیارے کا جو عملہ ہے تم ان کے دماغوں میں بھی پہنچ کر اطمینان حاصل کرو گی۔"

"تم یہاں سے چلو۔ میں ایسا ہی کروں گی۔ جب تک اطمینان نہیں ہوگا، تمھیں طیارے میں سوار نہیں ہونے دوں گی۔"

میں بستر پر بیٹھ گیا۔ آہستہ آہستہ چل کر جا سکتا تھا لیکن میرے لیے پہیوں والی کرسی لائی گئی۔ مجھے اس میں بٹھا کر اسپتال کے باہر پہنچایا گیا۔ وہاں ہم ایک گاڑی میں سوار ہوئے۔ شیبا نے ڈرائیور کے دماغ میں بھی پہنچ کر اطمینان حاصل کیا۔ راستے میں وہ مجھے دو نقلی سونیا اور لومی کے مقابلے کے متعلق بتاتی رہی۔ تمام باتیں سننے کے بعد میں نے کہا "تم پچھلی رات سونیا کے دماغ میں گئی تھیں۔ تم نے اس سے جو معلومات حاصل کیں، اس سے پتا چل رہا تھا، وہ سونیا ہی ہے۔"

"میں نے تمھیں اس کی پوری ہسٹری سنائی تھی، کس طرح ایک عالیشان محل میں اس کی آنکھ کھلی تھی۔ اور آئینے کی سطح پر اس نے جو تحریر دیکھی تھی وہ تحریر اسی کی لکھی ہوئی لگتی تھی بلکہ ثابت یہی ہوا تھا کہ تنویمی عمل کے دوران اس سے یہ سب کچھ لکھوایا گیا ہے۔"

"کیا تمھیں دوسری سونیا کے دماغ میں پہنچنے کا موقع نہیں ملا؟"

"جب دونوں ہی فراڈ ثابت ہوئیں تو میں اپنا وقت کیوں ضائع کرتی۔"

"شیبا! ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ دو عدد نقلی سونیا کون ہیں اور ان میں سے ایک کی ہسٹری ایسی کیوں ہے کہ اس کا دماغ وہ بات کہتا ہے جو برین واشنگ کے بعد سونیا کو کہنا چاہیے۔"

"میں اس نتیجے پر پہنچ رہی ہوں کہ ہمارے سامنے جو دو نقلی سونیا آئی ہیں، ان سے پہلے چار یوں کی بھی برین واشنگ کی گئی ہے اور تنویمی عمل کے ذریعے وہی کہانی ان کے دماغوں میں بٹھائی گئی ہے جو سونیا کی کہانی ہونا چاہیے۔"

"تمھاری بات دل کو لگتی ہے۔ تنویمی عمل کرنے والے نے ایسی ہی چالیں چلی ہیں۔"

ہم ایئرپورٹ پہنچ گئے۔ میرے سامنے جہاز کے عملے کو حاضر کیا گیا۔ میں ان کی باتیں سنتا رہا اور شیبا ان کے دماغوں میں پہنچتی رہی۔ ان میں ایک پائلٹ، دوسرا کو پائلٹ، تیسرا اسٹیورڈ اور چوتھی ایک ایئر ہوسٹس تھی۔ ان کے دماغوں کو اچھی طرح ٹٹولنے کے بعد پتا چلا، وہ سب بابا صاحب کے ادارے سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہاں کی حکومت اپنے طیارے اور اپنے آدمیوں کے ذریعے مجھے بھیجنا نہیں چاہتی تھی۔ انھیں اندیشہ تھا راستے میں کوئی گڑبڑ ہوگی تو یہی الزام آئے گا کہ فرہاد کو یا فرہاد کے آلۂ کار مسٹر کاکس کو اسی حکومت کی سازشوں کے باعث ٹریپ کیا گیا ہے۔ وہ کوئی الزام اپنے سر لینا نہیں چاہتے تھے۔

اس چھوٹے سے طیارے میں ہم دو مسافر تھے۔ ایک میں، دوسری ڈمی رسونتی یعنی جوزا۔ جو چار آدمی مجھے اسپتال سے چھوڑنے آئے تھے، وہ واپس چلے گئے تھے۔ کیوں کہ طیارے میں ہمارے اپنے آدمی تھے۔ کوئی اجنبی نہیں تھا۔

طیارے کے پرواز کرنے سے پہلے ایک افسر ہمارے پاس آیا۔ پھر اس نے کہا "ڈاکٹر مسٹر کاکس! ہم راضی خوشی تمھیں رخصت کر رہے ہیں۔ اگر فرہاد صاحب یہاں موجود ہیں تو وہ اتنا کہہ دیں کہ انھیں ہم سے کوئی شکایت نہیں رہی۔ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ تم اپنے آدمیوں کے ساتھ یہاں سے جا رہے ہو اور آئندہ ہم سے کسی طرح کی شکایت نہیں ہوگی۔"

شیبا نے ایک اسٹیورڈ کے ذریعے کہا "میں فرہاد بول رہا ہوں اور اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ تم لوگوں نے اپنا فرض ادا کیا ہے، آئندہ تم سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔"

وہ آفیسر شکریہ ادا کر کے طیارے سے باہر چلا گیا۔ دروازہ بند کر دیا گیا۔ میں نے شیبا سے کہا "ہم جہاز کے اندر اپنے آدمیوں سے مطمئن ہیں۔ تم اس آفیسر کے دماغ میں رہو اور خیال رکھو، باہر سے کوئی شرارت نہ ہو سکے۔"

وہ میری ہدایت کے مطابق آفیسر کے دماغ میں چلی گئی۔ دس منٹ کے بعد طیارہ رن وے پر پرواز کرتا ہوا فضا میں بلند ہونے لگا۔ شیبا نے میرے پاس آ کر کہا "ہمیں اطمینان ہونا چاہیے، ہمارے خلاف کسی قسم کی سازش نہیں کی گئی ہے۔"

"تم بہت جلدی مطمئن ہو جاتی ہو۔ ایک بار پھر جہاز کے عملے کو چیک کرو۔"

"یہ سب اپنے ہی آدمی ہیں۔ تم کہتے ہو تو میں چیک کر لیتی ہوں۔"

وہ میرے دماغ سے گئی۔ تھوڑی دیر بعد ہی گھبرا کر واپس آئی۔ کہنے لگی "یہ وہ لوگ نہیں ہیں جن کے دماغوں کو میں نے چیک کیا تھا۔"

میں نے سیٹ بیلٹ کو کھولتے ہوئے پوچھا "کیا کہہ رہی ہو۔ کیا ان کا دماغ یہ بتا رہا ہے کہ وہ ہمارے آدمی نہیں ہیں؟"

"یہاں پائلٹ، کو پائلٹ، اسٹیورڈ، سبھی یوگا کے ماہر ہیں۔ ان میں سے ایک نے مجھے ذرا دیر کے لیے اپنے دماغ میں جگہ دی اور مجھ سے کہا "مسٹر فرہاد! زیادہ چالاک بننے کی کوشش نہ کرنا۔ ہم نے تمھاری ذرا سی غفلت سے فائدہ اٹھایا ہے، جس وقت تم آفیسر سے مخاطب تھے، اس وقت ہم نے تمھارے آدمیوں کو بڑی خاموشی اور صفائی سے اسی طیارے میں ہلاک کر دیا اور ان کی جگہ لے لی ہے۔"

میں نے پریشان ہو کر کہا "او شیبا! یہ کیا ہو گیا؟"

وہ خود پریشان تھی۔ کہنے لگی "شاید یہ اسی وقت ہوا جب میں طیارے کے باہر آفیسر کے دماغ میں پہنچی ہوئی تھی۔"

"کچھ بھی ہو، دشمنوں نے ہمیں بڑی چالاکی سے ٹریپ کیا ہے۔"

اسی وقت ایئر ہوسٹس ایک ٹرے میں مشروبات لے کر آئی۔ میں نے کہا "شیبا! اس کے دماغ میں پہنچ کر دیکھو۔"

تھوڑی دیر بعد شیبا نے واپس آ کر کہا "یہ ہمارے ادارے سے تعلق رکھتی ہے۔ ان مشروبات میں کوئی ضرر رساں دوا نہیں ہے۔"

میں نے ایک گلاس اٹھا کر پینا شروع کیا۔ میرے پاس بیٹھی ہوئی جوزا نے پینے سے انکار کیا اور باتھ روم کی طرف جانے لگی۔ ایئر ہوسٹس بھی اپنے کیبن کی طرف چلی گئی۔ میرے

تیزی سے سوچ رہا تھا۔ اب کیا کرنا چاہیے۔ شیبا نے کہا "میں جناب شیخ الفارس کے پاس جا رہی ہوں۔ انھیں اس واقعے کی اطلاع ہونا چاہیے۔"

"ٹھیک ہے لیکن تم فوراً واپس آؤ۔ صرف دو فقروں میں انھیں موجودہ حالات کے متعلق بتانا اور چلی آنا۔"

اس نے یہی کیا۔ واپس آکر بولی "شیخ الفارس بہت پریشان ہیں۔ یہ نئی مصیبت آپڑی ہے۔ پتا نہیں یہ کون لوگ ہیں جو تمھیں ٹریپ کر کے لے جا رہے ہیں۔"

جوزا باتھ روم سے واپس آکر میرے پاس بیٹھ گئی تھی۔ پائلٹ کیبن سے اسٹیورڈ نکل کر ہماری طرف آرہا تھا۔ پھر ہمارے قریب پہنچ کر کہنے لگا "مسٹر فرہاد! یا مسٹر مے کاکس! تم کوئی بھی ہو، ہمارے مہمان ہو۔ وہ پُراسرار شخص تمھاری اصلیت اگلوا نہ سکا مگر ہم معلوم کر کے رہیں گے۔"

میں نے پوچھا "تم لوگ کون ہو؟"

وہ مسکرایا، پھر بولا "ابھی نہیں بتاؤں گا۔ پہلے کچن سے ہو کر آتا ہوں، ہمیں کھانے پینے کی چیزوں میں محتاط رہنا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ کچن کی طرف چلا گیا۔ اس کے بعد پائلٹ کیبن سے کو پائلٹ نکل کر آیا۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ اس نے کہا "مسٹر مے کاکس! اپنے فرہاد سے کہہ دینا اُس کی خیال خوانی اس طیارے میں کام نہیں آسکے گی۔ اگر اس نے کوئی چال چلنے کی کوشش کی تو ہم تمھیں اور تمھاری اس ڈمی رسونتی کو فوراً گولی مار دیں گے۔"

میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا لیکن میرا سر چکرانے لگا۔ میں نے بڑی مشکل سے کہا "اگر تم نے مجھے کسی دوسری جگہ پہنچانے کی کوشش کی تو فرہاد تم لوگوں کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

"فرہاد ان لوگوں کے لیے خطرہ ہے جن کے دماغ کمزور ہوتے ہیں۔ ہم سب یوگا کے ماہر ہیں۔"

کچن کے کیبن کی طرف سے آنے والے اسٹیورڈ نے کہا۔ "یہ یقیناً معلوم کرنا چاہے گا کہ ہم کون ہیں اور کس سے تعلق رکھتے ہیں۔"

کو پائلٹ نے بڑے فخریہ انداز میں مسکرا کر کہا "ماسٹر کِی۔"

میں زیادہ دیر کھڑا نہ رہ سکا۔ سیٹ پر دھپ سے بیٹھ گیا۔ ایک ہاتھ سے سر کو تھام لیا۔ کو پائلٹ نے ہنستے ہوئے کہا "بس اتنا ہی دم خم ہے۔ ماسٹر کِی کا نام سن کر چکرا گئے۔"

جوزا نے کہا "تم لوگ اچھی طرح جانتے ہو، مے کاکس بُری طرح زخمی ہو گیا تھا۔ ابھی تک یہ کمزور ہے۔"

"فکر نہ کرو۔ ہم تم لوگوں کا پورا پورا خیال رکھیں گے اور اس بیمار کو اچھی طرح کھانے پینے کے لیے دیں گے۔"

کو پائلٹ کیبن میں چلا گیا۔ ہم تھوڑی دیر تک چپ چاپ بیٹھے رہے۔ شیبا نے کہا "فرہاد! یہ تمھارے ساتھ کیا ہوتا ہے آسمان سے گرتے ہو، کھجور میں اٹکتے ہو۔"

میں نے کہا "ابھی تو ہم آسمانوں میں اُڑ رہے ہیں۔ پتا نہیں تقدیر ہمیں کس زمین پر پہنچائے گی۔"

پندرہ منٹ بعد اسٹیورڈ، ائیر ہوسٹس کے ساتھ کھانے کی ٹرالی لے کر ہمارے قریب سے گزر رہا تھا۔ اس نے ہمیں دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا "تم لوگوں کو بھی ملے گا مگر صبر کرو۔ ہم بڑی دیر سے بھوکے ہیں۔"

اس نے پائلٹ کیبن کا دروازہ کھولا۔ پھر ٹرالی ادھر لے گیا۔ جوزا نے مجھ سے پوچھا "کیا تمھیں بھوک لگ رہی ہے؟"

میں نے ناگواری سے کہا "کیا ایسی حالت میں بھوک لگ سکتی ہے؟"

"میں اس لیے پوچھ رہی ہوں کہ بیمار اور کمزور ہو۔"

اسٹیورڈ پھر ہماری طرف آگیا تھا۔ اس نے کہا "ہم جانتے ہیں، اس طیارے سے تم چھلانگ نہیں لگا سکو گے۔ تمھیں باندھ کر رکھنا بھی فضول ہے۔ تمھارا فرہاد ہمارے دماغوں میں پہنچ نہیں سکتا۔ اتنے اطمینان کے باوجود ہم تمھاری نگرانی کرتے رہیں گے۔ ہم میں سے کوئی نہ کوئی تمھارے سامنے موجود رہے گا۔ ہم نے سنا ہے کہ فرہاد کا دماغ شیطان کا دماغ ہے، پتا نہیں وہ کس وقت کیا کر گزرے۔"

اس کے ہاتھ میں ایک گلاس تھا۔ وہ ایک ایک گھونٹ شراب پیتا جا رہا تھا۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ میں بے بس تھا۔ بیماری کی وجہ سے دماغ کمزور ہو گیا تھا۔ زیادہ سوچنے سے سر دُکھنے لگتا تھا۔

پھر میں نے دیکھا، میرے سر کے بجائے اسٹیورڈ کا سر دُکھنے لگا۔ وہ ایک ہاتھ سے سر تھام کر ہمارے سامنے والی ایک سیٹ پر بیٹھ گیا۔ جوزا نے مجھ سے کہا "تمھاری وہ خیال خوانی کرنے والی کیا تمھارے ہی دماغ میں بیٹھی رہے گی۔ ذرا اس سے کہو، اسٹیورڈ کے دماغ میں پہنچے۔"

میں نے ناگواری سے کہا "اس نے صرف ایک پیگ لیا ہے۔ اس کا دماغ کمزور نہیں ہے۔ یہ سانس روک سکے گا۔"

"نہیں روک سکے گا۔"

میں نے تعجب سے جوزا کو دیکھا۔ پھر شیبا سے کہا "ذرا اس کے دماغ میں پہنچ کر دیکھو۔"

دوسرے ہی لمحے وہ میرے پاس سے گئی۔ پھر واپس آکر بولی "اس کے دماغ میں جگہ مل رہی ہے۔ یہ اچانک دماغی طور پر بے حد کمزور ہو گیا ہے۔"

میں نے حیرانی سے جوزا کو دیکھا۔ اس نے مسکرا کر کہا۔ "اب اپنی چہیتی سے کہو، پائلٹ اور کو پائلٹ کے دماغ میں بھی پہنچے۔"

شیبا اُدھر بھی گئی۔ تھوڑی دیر بعد واپس آکر بولی "ان کے دماغ بھی کمزور ہیں۔ میں انھیں ٹریپ کر سکتی ہوں۔"

میں نے جوزا کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر فرطِ مسرت سے کہا۔ "تم نے کمال کر دیا۔ اب سمجھ میں آیا تم باتھ روم کی طرف کیوں گئی تھیں۔ تم نے یقیناً شراب میں کچھ ملایا ہے۔"

اس نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ پھر کہا "شیبا سے کہو، پائلٹ کے دماغ میں جائے اور وہاں جم کر بیٹھی رہے۔ ایسا نہ ہو اس کے کمزور دماغ کی وجہ سے یہ طیارہ تباہ ہو جائے۔"

میں نے کہا "شیبا پائلٹ کی جگہ سنبھال نہیں سکے گی۔ مجھے ہی جانا ہو گا۔"

"تم کمزور ہو، تم بھی اس کی جگہ نہیں سنبھال سکو گے۔ میں وہاں جاؤں گی۔"

میں نے حیرانی سے پوچھا "کیا تم پائلٹ کی جگہ لے سکتی ہو؟"

"میں کیا نہیں کر سکتی۔ تمھارے بیمار دماغ نے تمھیں دو کوڑی کا نہیں رکھا۔ فرہاد! تمھیں کیا ہو گیا ہے۔ کیا تم نے خیال خوانی کرنے والی شیبا سے یہ کہا تھا کہ وہ طیارے میں سفر کرنے والے تمام دماغوں کو اچھی طرح ٹٹول لے؟"

"بے شک، اس نے تمام لوگوں کو اچھی طرح ٹٹول لیا تھا۔ بس ایک ذرا سی غفلت کے باعث یہ دشمن طیارے میں سوار ہو گئے تھے۔"

"میں کہتی ہوں کہ شیبا نے سب کے دماغوں کو نہیں ٹٹولا تھا۔ کیا اس نے تمھارے دماغ میں جھانک کر دیکھا تھا؟"

"کیسی باتیں کرتی ہو، وہ میرے دماغ میں آتی جاتی رہتی ہے۔"

"کیا اس نے جوزا عرف ڈمی رسونتی کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تھا؟"

"تمھیں کیا ہو گیا ہے۔ تم تو اپنی ہو۔"

"بس یہیں غلطی کر گئے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ اسپتال میں جو ڈمی رسونتی ان افسران کے سامنے آئی تھی، وہ جوزا نہیں تھی۔"

"پھر کون تھی؟ تم کون ہو؟"

جواب میں وہ خاموش رہی۔ اپنی گردن کے پیچھے ہاتھ لے گئی۔ پھر اس نے اپنے چہرے سے ماسک اتار دیا۔ شدید حیرانی سے میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ میرے سامنے جو کھڑی ہوئی تھی، وہ پہلی نہیں تھی، دوسری نہیں تھی۔ ہاں، تیسری سونیا تھی۔

اب یہ تیسری سونیا بھی اصلی تھی یا نہیں؟ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا۔ میں نے پوچھا "کیا واقعی تم سونیا ہو، اور اگر ہو تو یہاں تک کیسے پہنچ گئیں؟ تمھیں کیسے معلوم ہوا کہ میں کون ہوں اور کس طرح میرے ساتھ اس طیارے میں سفر کر سکتی ہو؟"

"تمھارے سوال کے جواب میں ایک طویل داستان سنانا پڑے گی۔

"ویسے ایمان والے کہتے ہیں کہ جو کرتا ہے خدا کرتا ہے، مگر شیطان بھی تماشے خوب کرتا ہے۔ انسان کو بہکا کر گناہ کے راستے پر لے جاتا ہے۔ شیطان نے باس اور نیا سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ تم پر شیطان جال پھینک رہا ہے۔ تم بہکنے والے نہیں تھے، مگر شیطان تمھیں بہکا کر رسونتی کے پاس لے گیا۔ رسونتی کو تمھارے بچے کی ماں نہیں بننا چاہیے تھا مگر شیطانی عمل نے بنا دیا۔ دنیا میں کتنے لوگ ہیں جو شیطان سے بچتے ہیں؟ تم بھی نہ بچ سکے۔"

میں نے کہا "ٹھیک کہتی ہو، میں خدا کے آگے گناہ گار ہوں مگر جو مجھ پر کیچڑ اچھالے گا، میں اس سے پوچھوں گا کیا تم شیطان کے فریب میں کبھی نہیں آسکے؟ اگر نہیں تو انتظار کرو اور محتاط رہو، شیطان کسی لمحے بھی شب خون مارے گا مگر تم شیطان کا ذکر کیوں کر رہی ہو؟"

وہ مسکرا کر بولی "اس سے میری دوستی ہو گئی ہے۔ اس نے وعدہ کیا ہے کہ مجھے اپنی خالہ کہے گا۔"

یہ کہہ کر اس نے کیبن کا دروازہ کھولا اور دوسری طرف چلی گئی۔ دروازہ بند ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد شیبا میرے دماغ میں آکر بولی "پائلٹ کی جگہ جوزا نے سنبھال لی ہے۔"

میں نے پوچھا "کیا تم نے جوزا کی صورت دیکھی ہے؟"

"میں تو تمھارے ذریعے ہی کسی کو دیکھتی ہوں اور تمھارے ذریعے پہچانتی ہوں۔ ویسے بات کیا ہے؟"

"وہ جوزا نہیں ہے۔"

اس نے حیرانی سے پوچھا "پھر کون ہے؟"

میں نے ایک گہری سانس لی اور آہستگی سے کہا "شیطان کی خالہ۔"

شیطان

کی کسی سے رشتے داری نہیں ہوتی۔ اگر ہوتی تو وہ رشتے سے انکار کردیتا۔ کیوں کہ شیطان کے معنی انکار کرنے والا ہے۔ منکر، نافرمان۔ اپنی نافرمانی کے باعث وہ ملعون قرار دیا گیا۔ بہرحال بات رشتے کی ہو رہی تھی، وہ اگرچہ کسی رشتے کو نہیں مانتا مگر بعض حالات میں خالہ کا رشتہ تسلیم کرلیتا ہے گویا جو سب سے زور آور ہوتا ہے، وہ بھی کسی نہ کسی کے آگے دبتا ہے۔ شیر اپنے شکار کے ہزار ہتھکنڈوں سے واقف ہونے کے باوجود بلی کو خالہ تسلیم کرتا ہے۔ شیطان اپنی ہزار شیطانیت کے باوجود کسی ایسی عورت کے آگے کان پکڑتا ہے جو اس کے بھی کان کترتی ہے۔ اگرچہ یہ قصہ کہانی کی باتیں ہیں، تاہم خالہ کا اصطلاحی مفہوم وہ ہستی ہے جو شیر اور شیطان پر برتری حاصل کرتی ہے۔

شیبا نے حیرانی سے پوچھا "کیا وہ سونیا ہے؟"

میں نے کہا "ہم اب تک دو سونیا کے متعلق معلومات حاصل کرچکے ہیں، یہ تیسری طیارے کو کنٹرول کر رہی ہے۔"

کیا تم اسے اپنی سونیا تسلیم کرتے ہو؟"

"اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ بہت کم دشمنوں سے ہاتھا پائی کرتی ہے۔ مجبوری کی حالت میں لڑنے پر آمادہ ہوتی ہے۔ اب یہی دیکھ لو کہ یہاں طیارے میں تین دشمن تھے۔ پائلٹ، کو پائلٹ اور اسٹیورڈ۔ اگر کوئی ان کے مقابلے پر ہوتا تو وہ اپنی طاقت سے یا ہتھیاروں سے انھیں زیر کرنے کے متعلق سوچتا مگر سونیا کی مکارانہ ذہانت اسے کچن کی طرف لے گئی پھر اس نے جو گل کھلایا وہ ہمارے سامنے ہے۔"

"فرہاد! تم بھول رہے ہو، جب میں اعلیٰ بی بی کے دماغ میں رہ کر شیطان کے ذریعے اسکرین پر پہلی سونیا کو دیکھ رہی تھی تو وہ خلیج کے ساحلی علاقے میں دو آدمیوں سے لڑ رہی تھی۔ حالاں کہ اس کے پاس پستول تھا مگر اس نے اسے استعمال نہیں کیا تھا۔ اس وقت بھی ہم نے تسلیم کیا تھا کہ یہ سونیا کی فطرت کے عین مطابق ہے۔ تم اس تیسری کو بھی اس کی ایک خوبی کے پیش نظر سونیا تسلیم کر رہے ہو کہیں یہ بھی آگے چل کر فراڈ ثابت نہ ہو۔"

میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا "اب تو کوئی بات ناممکن نہیں رہی۔ تم دونوں کے دماغوں میں پہنچیں اور وہ دونوں سونیا ثابت ہوتی رہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ٹیلی پیتھی کی صلاحیتوں کے باوجود تم دھوکا کیسے کھاگئیں۔"

"ہاں، پہلے ہمیں اس سوال کا جواب تلاش کرنا چاہیے، ورنہ تیسری کے دماغ کو ٹٹولنے جاؤں گی تو یہاں بھی ٹیلی پیتھی کی صلاحیتوں کے باوجود دھوکا کھاؤں گی۔"

میں نے ایک ہاتھ سے سر کو تھام لیا۔ شیبا نے کہا۔ "تمھارے سر میں تکلیف ہو رہی ہے۔ ابھی کسی مسئلے پر بات نہیں کرنا چاہیے۔ تم خاموش اور پرسکون رہو۔"

میں نے کہا "میں چپ رہوں گا تب بھی کچھ نہ کچھ سوچتا رہوں گا۔ یہ زندگی کی علامت ہے۔ انسان جب تک زندہ رہتا ہے نہ سوچنے کے باوجود بے خیالی میں سوچتا چلا جاتا ہے۔ میں بظاہر تو خاموش ہوں لیکن اسی مسئلے پر سوچ رہا ہوں۔ تم بھی سمجھنے کی کوشش کرو کہ دھوکا کیسے کھاگئیں؟"

میں اس وقت طیارے میں جسمانی طور پر تنہا تھا۔ میرے پاس جو ڈمی رسونتی تھی، وہ سونیا ثابت ہوئی تھی۔ اور پائلٹ کیبن میں چلی گئی تھی۔ آس پاس کوئی نہیں تھا۔ شیبا میرے دماغ میں تھی مگر وہ شاید سوچنے کے لیے دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہوگئی ہوگی۔

مگر نہیں، میں تنہا نہیں تھا۔ ایئر ہوسٹس کو بھول گیا تھا وہ بابا صاحب کے ادارے سے تعلق رکھتی تھی۔ اچانک مجھے تیز خوشبو کا احساس ہوا۔ میں نے گھوم کر دیکھا، وہ میرے پیچھے کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے لباس تبدیل کرلیا تھا۔ جس طرح انسان کی عمر رفتہ رفتہ مختصر ہوتی جاتی ہے اسی طرح اس کا پہلے والا لباس عمر کی طرح مختصر ہوگیا تھا۔ مجھے بڑی حیرانی ہوئی۔ بابا صاحب کے ادارے سے تعلق رکھنے والی کوئی لڑکی ایسی بے باک نہیں ہوتی۔ اس نے اپنے ملائم ہاتھوں سے میرے سر کو تھام لیا، اور ہولے ہولے دبانے لگی۔ مجھے فوراً احساس ہوا کہ وہ سر داب رہی ہے مگر خوبصورت ہاتھوں کے ذریعے تعارف پیش کر رہی ہے کہ وہ اپنے ہاتھوں کی طرح سر سے پیر تک مکھن کی مانند ملائم ہے۔ میں اسے چھونا چاہوں گا تو انگلی کا نشان پڑ جائے گا۔

یہ میں کیا سوچ رہا ہوں۔ "لاحول ولاقوۃ۔"

لاحول پڑھتے ہی مجھے محسوس ہوا، میں جسمانی اور دماغی طور پر ہلکا پھلکا ہوگیا ہوں۔ دماغی کمزوری کے باوجود اتنی توانائی ہے کہ میں غلط خیالات سے پرہیز کرسکوں۔ میں نے ناگواری سے پوچھا "تم میرے قریب کیوں آئی ہو اور یہ تم نے کیسا لباس پہن رکھا ہے؟"

وہ مسکرا کر بولی "یہ ڈسکو لباس ہے۔"

وہ ایک ادائے ناز سے چلتے ہوئے میری سیٹ کے پیچھے سے ہو کر سامنے آئی پھر میرے برابر بیٹھ گئی۔ میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی "یہ طیارہ فضا میں اڑ رہا ہے۔ میں جانے کن آسمانوں میں اڑ رہی ہوں۔ میرا دل کہتا ہے، میری پرواز تمھارے پاس آکر تھمے گی۔"

"یہ کیا بکواس ہے۔"

"یہ بکواس نہیں، زندگی کی حقیقت ہے۔ انسان اپنی فطرت سے کترا کر نکلنا چاہتا ہے مگر نہیں نکل سکتا۔ کیا شیطان تمھیں غیر شعوری طور پر بہکاتے بہکاتے رسونتی تک نہیں لے گیا تھا؟"

میں نے سر ہلا کر کہا "میں سمجھ گیا۔ تمھارے اندر شیطان بول رہا ہے۔ بے شک، جو ہوا میں اسے تسلیم کرتا ہوں اور یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ انسان جب گناہ کرتا ہے تو اس کی پہلی کوشش یہی ہوتی ہے کہ وہ اپنے گناہ کو کسی طرح بھی جائز قرار دے سکے۔ یا پھر وہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ حالات سے مجبور ہو کر وہ گناہ کا مرتکب ہوا۔ بہرحال جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ گناہ ہوتا ہے۔"

ایئر ہوسٹس نے پوچھا "کیا تم شیطان کو نہیں مانتے؟"

"یہی تو مجبوری ہے۔ ہمارا ایمان کہتا ہے، شیطان اس دنیا میں انسان کو بہکانے کے لیے موجود ہے مگر لوگ نہیں مانتے۔ کہتے ہیں، ہم اپنے گناہ کا الزام شیطان کے سر تھوپتے ہیں۔ اب دو میں سے کوئی ایک بات تسلیم کرنا ہوگی۔ یا تو ہم جان بوجھ کر گناہ کرتے ہیں اور اس کا الزام شیطان کے سر رکھتے ہیں یا ہم ایمان والے ہیں اور اس بات کو مانتے ہیں کہ بعض حالات میں شیطان بہکا دیتا ہے۔ بے شک انسان کو بہکنا نہیں چاہیے مگر ہزاروں میں کوئی ایک انسان ثابت قدم نکلے گا۔ اور میں اس ایک انسان جیسا فرشتہ نہیں ہوں۔"

"تو پھر میری قدر کرو۔" ایئر ہوسٹس نے اپنا دوسرا ہاتھ میرے شانے پر رکھ دیا۔

میں نے اس کے دونوں ہاتھوں کو پرے ہٹاتے ہوئے کہا "یہ شیطان کی بدقسمتی ہے، وہ انسان کو بہکانے کے باوجود پوری طرح شیطان نہیں بنا سکتا۔ انسان پھر انسان ہے سنبھلنا جانتا ہے۔"

اس نے قاتل نگاہوں سے دیکھا۔ پھر پوچھا "کیا میں حسین نہیں ہوں۔ کیا میں جوان....؟"

وہ کہتے کہتے چیخ مار کر تڑپنے لگی۔ شیبا نے بتایا، وہ تھوڑی دیر کے لیے میرے پاس سے چلی گئی تھی۔ اس لیے ایئر ہوسٹس کو یا دوسرے لفظوں میں شیطان کو بہکانے کا موقع مل رہا تھا۔ شیبا نے ایک دماغی جھٹکا پہنچایا تو اس کے ہوش اڑ گئے یا وہ ہوش میں آگئی۔ اس نے مجھے چونک کر دیکھا۔ خود کو مختصر سے لباس میں پایا، پھر فوراً وہاں سے اٹھ کر تیزی سے دوڑتی ہوئی کیبن کی طرف چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد شیبا نے کہا "بے چاری پچھتا رہی ہے۔ یقیناً شیطان کے بہکاوے میں تمھارے پاس آئی تھی۔"

"تم کب سے میرے پاس ہو؟"

"میں تمھارے دماغ میں رہ کر دیکھ رہی تھی، تم بہکتے ہو یا نہیں؟"

میں نے مایوسی سے سر ہلا کر کہا "انسان کب بہکتا ہے، یہ خود اسے پتا نہیں چلتا۔"

"مگر تم ثابت قدم رہے۔ میں پھر ایک بار کہتی ہوں، تم بہت اچھے ہو۔"

"تم طوطے کی طرح ایک ہی فقرہ ادا کرتی ہو، کچھ اور نہیں کہہ سکتیں؟"

"کچھ اور کہنا آئے گا تو ضرور کہوں گی۔"

"تم کہاں گئی تھیں؟"

"وہ مسئلہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا، اس لیے جناب شیخ الفارس کے پاس گئی تھی۔ انھوں نے کہا، فرہاد دماغی طور پر کمزور ہوگیا ہے۔ کچھ سوچتا ہے تو سر درد کرنے لگتا ہے۔ اور تم ابھی نادان ہو۔ زندگی کے عملی میدان میں ایک طرف دھیان دیتی ہو تو دوسرے پہلوؤں کو بھول جاتی ہو۔"

میں نے پوچھا "کیا شیخ الفارس صاحب نے بتایا، تم کیا بھول رہی تھیں؟"

"ہاں، جب تم پراسرار شخص کی قید میں پہنچ گئے تھے اور وہ پروفیسر ناگری کے ذریعے ہپناٹائز کرکے تمھارے اندر کی بات اگلوانا چاہتا تھا، اس وقت میں تمھارے دماغ میں تھی۔ میں شیخ الفارس کی ہدایت کے مطابق تم پر تنویمی عمل کا اثر نہ ہونے دیتی۔ تمھارے دماغ میں رہ کر پروفیسر ناگری کے سوالات کا جواب تمھارے انداز میں دیتی اور دشمنوں کو یہ تسلیم کرنے پر مجبور کرتی کہ تم فرہاد نہیں ہو کاکس ہو۔"

وہ ایک ذرا توقف سے بولی "شیطان ہمارے منصوبے کو سمجھ گیا تھا۔ اس نے مثال دیتے ہوئے کہا، ٹھیک اسی طرح تم سونیا کے دماغ میں رہتے تھے جب ربی اسفندیار اس پر تنویمی عمل کرتا تھا۔ تم سونیا کے لب و لہجے میں سوالوں کے جواب دیتے تھے اور یہ تاثر دیتے تھے کہ سونیا معمولہ بن گئی ہے، ٹرانس میں آگئی ہے اور ربی اسفندیار سے متاثر ہو کر ان کے سوالات کا صحیح جواب دے رہی ہے۔"

میں نے سر کو تھام کر کہا "اوہ خدایا! اب میری سمجھ میں

بات آگئی۔ تم پہلی سونیا کے دماغ میں پہنچی تھیں۔ اس کے دماغ کو ٹٹول کر اس کی اصلیت معلوم کرنا چاہتی تھیں مگر معلوم نہ ہو سکی کیوں کہ شیطان اس کے دماغ میں موجود تھا اور تمھاری خیال خوانی کے باوجود تمھیں اس کے دماغ کی گہرائیوں تک پہنچنے نہیں دے رہا تھا۔"

شیبا نے کہا "تم جو کہہ رہے ہو وہی شیخ صاحب نے کہا ہے بلکہ یہ بھی کہا ہے کہ میں جس سونیا کے دماغ میں پہنچی تھی، اس کی برین واشنگ کی گئی ہے۔ پروفیسر سامری نے تنویمی عمل کے ذریعے اس کے ماضی کو بھلا دیا ہے۔ اس کے دماغ میں یہ نقش کر دیا ہے کہ وہ سونیا ہے۔"

"کسی الجھے ہوئے سوال کا جواب معلوم ہو جائے تو پھر اس کی پوری تفصیل معلوم ہو جاتی ہے۔ اب سمجھ میں آ رہا ہے کہ پروفیسر سامری ہمارے جس دشمن کے لیے کام کر رہا تھا جس کی خاطر اس نے دو عدد سونیا کے دماغوں کی برین واشنگ کی تو ایسی ہی لڑکیوں کا انتخاب کیا جو قد و قامت میں سونیا کے برابر تھیں۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ذہانت اور مکاری میں تقریباً سونیا جیسی ہیں لیکن وہ مکمل سونیا نہ بن سکیں۔ بوبی نے ان دونوں کا بھید کھول دیا۔"

"تیسری کے متعلق تمھارا کیا خیال ہے؟"

"تم اس کے دماغ کو ٹٹولنا چاہو گی تو دھوکا ہو سکتا ہے مگر کچھ تو کرنا ہی ہے۔ جاؤ اور اس سے باتیں کرو، کم از کم یہ تو معلوم کرو وہ ہمیں کہاں لے جا رہی ہے۔"

وہ تیسری سونیا کے پاس پہنچ گئی۔ اسے مخاطب کیا۔ "ہیلو سونیا! میں شیبا تمھارے دماغ میں موجود ہوں۔"

سونیا نے کہا "بولو مادام کمپیوٹر! میں سن رہی ہوں۔"

"فرہاد نے پوچھا ہے، تم اسے کہاں لے جا رہی ہو؟"

"پہلے فرہاد سے پوچھو کیا وہ مجھ سے محبت کرتا ہے؟ اگر کرتا ہے تو کتنی کرتا ہے؟"

شیبا نے میرے پاس آ کر کہا "وہ تو عجیب سوال کر رہی ہے، پوچھتی ہے، تم اس سے کتنی محبت کرتے ہو؟"

میں نے جواب دیا "اتنی کرتا ہوں کہ جب وہ ہوتی ہے تو مجھے اس کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔"

شیبا نے اس کے پاس جا کر میرا جواب سنا دیا۔ اس نے جواباً کہا "پھر تو محبت اندھی ہوتی ہے اور یہ نہیں جانتی کہ وہ کہاں جا رہی ہے، پھر میں تمھیں کیسے بتاؤں کہ فرہاد کو کہاں لے جا رہی ہوں۔"

"مگر سونیا! جہاز تمھارے کنٹرول میں ہے، تم سے بہتر کون جان سکتا ہے۔"

"کیا تم نے کسی سے محبت کی ہے؟"

وہ جھینپ گئی، ہچکچاتے ہوئے بولی "نن نہیں، میں نے کسی سے بھی محبت نہیں کی۔"

"اسی لیے الٹے سیدھے سوال کر رہی ہو۔ جب کہ تمھیں بتایا جا چکا ہے کہ محبت اندھی ہوتی ہے۔ میں اور فرہاد دونوں اندھے ہیں۔ ہم کیسے بتا سکتے ہیں کہ کہاں جا رہے ہیں۔"

"تم ٹال رہی ہو۔ تمھیں فرہاد کی پریشانیوں کا احساس ہی نہیں ہے۔"

فرہاد سے اتنا ہی کہہ دو کہ میں اصل سونیا ہوں، یقین ہونے کے بعد وہ پریشان نہیں ہو گا۔ وہ آج تک میرے ساتھ اس دنیا کے جہنم سے گزرتا رہا ہے۔ آج بھی گزرے گا۔"

"چلو فرہاد کو اتنا تو بتا دو، اب تک کہاں روپوش تھیں۔ خیال خوانی کے ذریعے تمھارے دماغ تک پہنچنا محال ہو گیا تھا۔ ہماری آخری معلومات کے مطابق تم کوما میں تھیں۔ ہمارے دماغ میں تمھارے متعلق کئی سوالات ہیں، پلیز ان کے جواب دے دو۔"

"فرہاد کا دماغ کمزور ہو گیا ہے مگر لگتا ہے تمھاری کھوپڑی میں تو دماغ ہی نہیں ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ میں تمھیں ان سوالات کے جواب دیتی رہوں گی تو طیارے کو کنٹرول کون کرے گا۔ یہ کوئی بچوں کا کھلونا تو نہیں ہے کہ چابی دے کر چھوڑ دوں، یہ چلتا رہے اور میں تم سے باتیں کرتی رہوں۔"

"واقعی تمھارا دھیان طیارے کی طرف ہونا چاہیے۔ پلیز، چار لفظوں میں اتنا بتا دو، فرہاد کو کہاں لے جا رہی ہو؟"

اس نے گن کے چار لفظوں میں جواب دیا "اپنے بھانجے کے پاس۔"

"بھانجا؟ تمھارا بھانجا کون ہے؟"

"وہی جو مجھے خالہ کہتا ہے۔"

وہ میرے پاس آ کر بولی "فرہاد! اس سے باتیں کرنے کے لیے بادام کھانا ہو گا۔ گھی پینا ہو گا۔"

"گویا وہ سونیا ہونے کا ثبوت دے رہی ہے۔"

میری بات ختم ہوتے ہی اسپیکر کے ذریعے اس کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہی تھی "فرہاد! ریڈیو ٹرانسمیٹر کے ذریعے مجھے مخاطب کیا جا رہا ہے۔ شیبا سے کہو، میرے دماغ میں آئے اور مخاطب کرنے والے کی آواز اور لب و لہجے کو گرفت میں لے۔"

شیبا فوراً ہی اس کے پاس پہنچ گئی۔ ریڈیو ٹرانسمیٹر کے ذریعے آواز سنائی دے رہی تھی "ہیلو ہیلو، کیپٹن جیری، تمھارا طیارہ ہماری گائیڈ لائن سے نکل گیا ہے، تم طیارے کو کدھر لے جا رہے ہو۔ ہیلو، ہیلو، کیپٹن جیری فوراً جواب دو۔"

سونیا نے کہا "تمھارا کیپٹن جیری آرام سے سو رہا ہے۔"

دوسری طرف سے کسی نے چونک کر کہا "ارے یہ تو کوئی جانی پہچانی سی آواز ہے۔ تم کون ہو؟"

سونیا نے مختصر سا جواب دیا "خالہ۔"

یہ کہتے ہی اس نے ریڈیو ٹرانسمیٹر کو بند کر دیا۔ پھر کہا۔ "شیبا! اس مخاطب کرنے والے کو معلوم تھا کہ کیپٹن جیری یوگا کا ماہر ہے۔ فرہاد اس کے دماغ میں نہیں پہنچ سکے گا۔ بہرحال تم نے سن لیا ہے۔ فوراً اس کے دماغ میں پہنچو۔ وہ دشمن اپنے طیارے ہمارے تعاقب میں بھیجیں گے۔ تمھیں کوشش کرنا چاہیے کہ ان تعاقب کرنے والے طیاروں کے پائلٹ وغیرہ کے دماغوں تک رسائی حاصل کر سکو۔"

شیبا نے خیال خوانی کی پرواز کی۔ اس نے وہی معلوم کیا جو ہمیں پہلے سے معلوم تھا۔ یعنی وہ لوگ ماسٹر کی سے تعلق رکھتے تھے۔ ہمارے طیارے کو اغوا کرنے والے تین افراد جو بے ہوش پڑے ہوئے تھے، وہ مجھے ماسٹر کی تک پہنچانا چاہتے تھے۔ اپنے طور پر تصدیق کرنا چاہتے تھے کہ میں واقعی نے کا کس ہوں یا نے کا کس کے پیچھے فرہاد چھپا ہوا ہے۔

جس نے ابھی سونیا کو ریڈیو ٹرانسمیٹر کے ذریعے مخاطب کیا تھا، وہ بہت بڑے گائیڈ ٹریک کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ اس گائیڈ ٹریک میں بہت سے ایئر روٹ کی لائنیں نظر آ رہی تھیں۔ ایک لائن پر بلب جلتا بجھتا جا رہا تھا۔ اس شخص کی سوچ نے بتایا کہ ماسٹر کی کے وہ تینوں آدمی ہمارے طیارے کو ٹسکالو لے جانا چاہتے تھے لیکن اب یہ طیارہ مونٹریال کی طرف جا رہا تھا۔

شیبا اس کے دماغ سے آنا چاہتی تھی، پھر رک گئی۔ اس کی سوچ نے بتایا، اچانک ہی طیارے نے پھر اپنا راستہ بدل دیا ہے۔ اب وہ مونٹریال کی طرف نہیں جا رہا تھا۔ گائیڈ ٹریک کی کسی لائن پر نہیں تھا۔ وہ شخص ٹریک کو دیکھتا جا رہا تھا اور ایک چھوٹے ٹرانسمیٹر کے ذریعے اپنے آدمیوں کو بتاتا جا رہا تھا کہ وہ طیارہ گائیڈ لائن سے ہٹ گیا ہے۔ اب نظر نہیں آ رہا ہے۔

اس کی بات کے جواب میں دوسری طرف سے جو کچھ کہا گیا، اسے سنتے ہی شیبا اس کے دماغ میں پہنچنا چاہتی تھی مگر اس نے سانس روک لی۔ پھر وہ سانس چھوڑتے ہوئے ٹریک کے پاس کھڑے ہوئے شخص سے کہنے لگا "مسٹر ایرونز! تم گائیڈ لائن کے پاس سے ہٹ جاؤ۔ اپنی ڈیوٹی چھوڑ دو۔ فرہاد تمھارے دماغ میں پہنچ گیا ہے اور ہمارے دماغ میں پہنچنا چاہتا ہے۔"

گائیڈ ٹریک کے پاس کھڑا ہوا ایرونز سوچ رہا تھا۔ اب اسے یہاں سے ہٹنا ہی چاہیے۔ اگرچہ طیارہ اس لائن پر نظر نہیں آ رہا ہے۔ شاید کہیں بھٹک گیا ہے۔ مگر واپس کسی نہ کسی لائن پر ضرور آئے گا۔ بین الاقوامی پرواز کے قوانین کے مطابق کسی بھی طیارے کو مقررہ حدود سے باہر پرواز کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ کوئی حدود سے باہر جاتا ہے تو جاسوسی طیاروں کے ذریعے اس کا سراغ لگایا جاتا ہے، یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ کسی وجہ سے وہ طیارہ بھٹک تو نہیں گیا ہے؟

شیبا یہ رپورٹ سونیا کو دے رہی تھی۔ سونیا نے کہا۔ "اسی لیے میں نے مونٹریال جانے کا راستہ بدل دیا ہے۔ فرہاد سے کہو سیٹ بیلٹ باندھ لے، پندرہ بیس منٹ کے اندر یہ طیارہ لینڈ کرنے والا ہے۔"

شیبا نے پوچھا "تم اسے کہاں اتار رہی ہو؟"

"ایسی جگہ جہاں فرہاد کے دشمن نہ پہنچ سکیں۔"

"ہم تو دشمن نہیں ہیں۔ ہمیں تو بتا دو۔"

"وہ ایسی جگہ ہے جہاں دوستوں کو بھی نہیں پہنچنا چاہیے۔"

"یعنی تم بتانا نہیں چاہتیں؟"

"میں اپنے بھانجے کے پاس جا رہی ہوں۔ اس نے صرف فرہاد کو مہمان بنانا قبول کیا ہے۔ اگر تم بابا صاحب کے ادارے میں جا کر ہمارا پتا ٹھکانہ بتاؤ گی تو دوستوں کی فوج ہمارے اس علاقے کے چاروں طرف پہنچ جائے گی۔"

"اس میں تمھارا نقصان کیا ہے؟"

"بہت نقصان ہے، جہاں دوست پہنچتے ہیں، وہاں دشمن بھی پہنچنے کا راستہ بنا لیتے ہیں۔ جب تک فرہاد باقاعدہ علاج کے بعد مکمل طور پر صحت یاب نہیں ہو گا اس وقت تک کسی کو اس جگہ کا نام و نشان نہیں بتاؤں گی۔"

"تم بھول رہی ہو کہ میں تمھارے دماغ میں رہ کر معلوم کر سکتی ہوں۔"

"تعجب ہے، تم نے ابھی تک معلوم کیوں نہیں کیا؟"

شیبا چپ رہی۔ چپ چاپ اس کے دماغ کی تہ میں اترنے کی کوشش کرتی رہی اور کامیاب بھی ہوئی۔ اس نے

سونیا کی اپنی سوچ میں پوچھا: "میں اس طیارے کو جہاں اتارنے والی ہوں، کیا وہاں مجھے باقاعدہ سگنل ملتا رہے گا، مجھے کون سگنل دے گا؟"

سونیا کی سوچ نے جواب دیا: "جنّت کا راستہ بہت مشکل ہے۔ جہنّم کا راستہ تو بالکل سیدھا ہے، وہاں کسی سگنل کی ضرورت نہیں پڑتی۔"

شیبا نے میرے پاس آکر کہا: "سونیا کی سوچ سے پتا چلتا ہے، وہ تمھیں جہنّم میں لے جارہی ہے۔"

میں نے پوچھا: "کیا تمھیں یقین ہے؟"

"تمھیں بھی یقین ہونا چاہیے۔ تمھیں پہلے سمجھ لینا چاہیے تھا کہ جب وہ خود کو شیطان کی خالہ کہہ رہی ہے اور یہ کہہ رہی ہے کہ اپنے بھانجے کے گھر لے جارہی ہے تو شیطان کا گھر جہنّم ہی ہے۔"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا: "ہم نے اپنی زندگی میں بے شمار شیطانوں کے گھر ایئر کنڈیشنڈ دیکھے ہیں، وہاں جہنّم کی آگ تو کیا ہلکی سی حرارت بھی نہیں پہنچتی۔"

ہماری باتوں کے دوران طیارہ زمین پر اتر گیا۔ ہم کس ملک کی زمین پر پہنچے تھے، یہ کہنا مشکل تھا۔ ویسے اندازہ لگایا جاسکتا تھا، جہاں سے ہم نے پرواز کی تھی وہاں سے اب تک تقریباً تین گھنٹے گزرے تھے، جیسا کہ شیبا نے خیال خوانی کے ذریعے معلوم کیا تھا۔ پہلے ہمارا طیارہ مونٹریال کی طرف جارہا تھا پھر وہ آف دی ٹریک ہوگیا۔ پتا نہیں کس سمت مڑ گیا تھا لیکن رُخ بدلنے کے صرف آدھے گھنٹے بعد ہی ہم کسی زمین پر پہنچ گئے تھے۔ اس طرح حساب لگایا جاسکتا تھا کہ ہم امریکا کے قریب ہی ہیں، زیادہ سے زیادہ امریکا کے شمال مشرقی حصّے میں پہنچ سکتے ہیں۔

سونیا میرے پاس آگئی۔ میں سر جھکائے سوچنے میں مصروف تھا۔ وہ میرے پاس جھک کر بولی: "خواہ مخواہ سوچ سوچ کر دماغ کو تھکانا دانشمندی نہیں ہے، تم جس زمین پر بھی ہو، دنیا کے جس حصّے میں بھی ہو، اپنی سونیا کے ساتھ ہو، کیا یہ اطمینان کافی نہیں ہے؟"

میں نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ میرے بالکل قریب تھی۔ پتا نہیں کتنے عرصے بعد میں اس کا بدلا ہوا مکھڑا اتنے قریب سے دیکھ رہا تھا۔ میں اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ اس نے میرے بازو کو تھام کر پوچھا: "خود چل سکتے ہو یا سہارا دوں؟"

"میں نہیں چاہتا، تم مجھے ہاتھ لگاؤ۔"

وہ حیرانی سے بولی: "کیا تم مجھ سے ناراض ہو؟"

"تم طیارے میں بے نقاب ہوتے ہی خود کو سونیا ظاہر کرتے ہی یہاں سے چلی گئیں۔ اگر میری سونیا ہوتی تو ایک نظر مسکرا کر تو دیکھتی۔"

اس نے ایک گہری سانس لی پھر کہا: "جتنی دیر مسکرانے میں لگتی، اتنی دیر میں طیارہ کریش ہوجاتا۔ پھر دشمن ہماری موت پر مسکراتے۔"

وہ میرے اور قریب آگئی پھر بولی: "تم دیکھ کر مسکرانے کی بات کرتے ہو، میں تو تصور میں بھی دیکھ کر مسکراتی رہتی ہوں۔ تم کیا سمجھتے ہو، تمھارے پاس آنے اور تمھارے پاس ہمیشہ ہمیشہ رہنے کو جی نہیں چاہتا؟"

اس نے اپنا سر میرے شانے پر رکھ دیا۔ تھوڑی دیر کے لیے ہماری زبانیں چپ ہوگئیں۔ زندگی میں ایسے لمحات بھی آتے ہیں جب زبانیں چپ ہوتی ہیں اور جذبے بولتے ہیں۔ میں ان لمحات میں یقین سے کہہ سکتا تھا کہ وہ میری سونیا ہے۔

میں نے شیبا کو مخاطب کرکے اپنے یقین کا اظہار کرنا چاہا۔ پتا چلا، وہ میرے دماغ سے چلی گئی ہے۔ روایت ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے دربار میں مکھیاں حاضر ہوئیں اور شکایت پیش کی۔ یا حضرت! ہم جہاں جاکر بیٹھتی ہیں، ہوا ہمیں اڑا دیتی ہے۔ خدارا! ہوا کو ایسی دشمنی سے باز رکھا جائے۔ حضرت سلیمانؑ نے انصاف کا تقاضا پورا کرنے کے لیے ہوا کو دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ فوراً حکم کی تعمیل ہوئی مگر جیسے ہی ہوا دربار میں حاضر ہوئی، مکھیاں وہاں سے اڑ گئیں۔

سونیا ایسی تند ہوا تھی کہ اس کے آگے ڈنک مارنے والی مکھیاں بھی اڑ جاتی تھیں۔ پھر شیبا میرے دماغ سے کیسے جاتی۔ ہم طیارے سے باہر آگئے۔ ہمارے لیے ایک بڑی سی ایئر کنڈیشنڈ کار کھڑی ہوئی تھی۔ ہم اس کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ ڈرائیور نے کار اسٹارٹ کی پھر اسے آگے بڑھا دیا۔

وہ کوئی باقاعدہ ایئرپورٹ نہیں تھا مگر جہاز کے اترنے کے لیے مناسب جگہ بنائی گئی تھی۔ وہاں سے نامعلوم منزل کی طرف جاتے ہوئے میں اس علاقے کو دیکھنا اور سمجھنا چاہتا تھا۔ سونیا نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے پوچھا: "اگر تمھاری بچھڑی ہوئی محبت اچانک سامنے پہنچ جائے تو تم محبوبہ کو دیکھو گے یا باہر کے مناظر کو؟"

"ایک وقت میں ایک ہی نظارہ آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے اور تم سے بہتر نظارہ کوئی نہیں ہوسکتا۔"

اس نے بڑی خوبصورتی سے یا چالاکی سے مجھے محبت میں الجھا لیا۔ باہر دیکھنے کا موقع ہی نہیں دیا حالاں کہ نئی جگہ پہنچ کر تجسس ہوتا ہے کہ ہم کہاں ہیں اور وہ جگہ کیسی ہے مگر اس نے اپنی محبت سے ثابت کردیا کہ جگہ کوئی سی ہو اور کیسی ہی کیوں نہ ہو، محبت کا کارواں ہر جگہ رواں رہتا ہے۔

میں کار میں تھا۔ اس نے محبت کی بانہوں میں منزل تک پہنچا دیا۔ منزل بھی کیا خوبصورت تھی۔ میں نے پہلے ہی شیبا سے کہا تھا کہ شیطان کا گھر ایئر کنڈیشنڈ ہوگا۔ وہ تو اس سے بھی کچھ زیادہ ہی تھا۔ اس عالی شان محل کے اطراف اتنا خوبصورت باغیچہ تھا جو دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ طرح طرح کے دلچسپ مناظر تھے جو بعد میں دیکھے جاسکتے تھے۔ جب میں اندر پہنچا تو مجھے احساس ہوا، یہاں میں پہلے بھی آچکا ہوں۔ سونیا نے مسکرا کر کہا: "تم نہیں آئے، البتہ اعلیٰ بی بی آچکی ہے۔"

میں نے چونک کر سونیا کو دیکھا پھر پوچھا: "تم ایسے کہہ رہی ہو جیسے میرے خیالات پڑھنے لگی ہو؟"

"جب تک شیطان میرے اندر رہتا ہے، میں دوسروں کے خیالات معلوم کرلیتی ہوں۔"

"گویا تم نے شیطان سے واقعی دوستی کرلی ہے۔"

"دوستی برابر والوں سے ہوتی ہے۔ میں تو اس کی بزرگ ہوں، خالہ کہلاتی ہوں۔"

"مذاق نہ کرو۔ مجھے بتاؤ یہ چکر کیا ہے؟"

"کوئی خاص چکر نہیں ہے۔ اعلیٰ بی بی، پروفیسر ناگری کی مہمان تھی اور ہم پروفیسر سامری کے مہمان ہیں۔"

میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا: "اچھا تو اب پروفیسر سامری کا چکر چل رہا ہے۔"

"تم ابھی کسی چکر میں نہ پڑو۔ تمھیں آرام کی سخت ضرورت ہے۔ میرے ساتھ چلو، کچھ کھاؤ پیو پھر آرام سے بیڈ روم میں سوجاؤ۔ جب تازہ دم ہوکر اٹھو گے تو اپنے متعلق بتاؤں گی۔"

"سونیا! تم سے صرف فرہاد محبت نہیں کرتا، ہمارے تمام پڑھنے والے تمھیں دل و جان سے چاہتے ہیں۔ تمھارا یہ چکر جب تک سمجھ میں نہیں آئے گا، مجھے نیند نہیں آئے گی اور نہ ہی میں اپنی داستان آگے بڑھا سکوں گا۔"

"تمھیں نیند کی آغوش میں پہنچانے کا ذمہ میرا ہے اور جب تم سو ہی جاؤ گے تو داستان آگے بڑھانے کا سوال کہاں پیدا ہوتا ہے۔ جاگنے کے بعد دیکھا جائے گا۔ چلو آؤ۔"

وہ مجھے ایک بہت ہی شاندار ڈرائنگ روم میں لے گئی۔ وہاں میز پر طرح طرح کے کھانے چنے گئے تھے۔ میں نے خوب سیر ہوکر کھایا۔ پھر اس کے ساتھ ایک بیڈ روم میں آیا۔ کھانا اتنا لذیذ تھا اور میں نے اتنا کھایا تھا کہ نشہ چھا رہا تھا۔

میں فی الحال اس بیڈ کی تعریف نہیں کرسکوں گا۔ جب میں بستر پر لیٹا تو صرف اتنا یاد ہے کہ سونیا میرے پاس بیٹھ کر میرا سر سہلا رہی تھی۔ اس کے بعد ہوش نہ رہا۔ میں گہری نیند میں ڈوب گیا۔

ایک تو میں پروفیسر سامری جیسے شیطان کے گھر میں تھا، دوسرے سونیا کی شیطانی حرکتیں کچھ کم نہیں ہوتیں۔ یقیناً اس نے نشہ آور کھانا کھلایا ہوگا۔ تبھی میں اتنی گہری نیند میں ڈوب گیا تھا۔ جب آنکھ کھلی تو حیران رہ گیا۔ میرے زخموں کی مرہم پٹی کی جاچکی تھی۔ کیا میں اتنا غافل تھا کہ مرہم پٹی کے دوران میری آنکھ نہ کھل سکی۔ میں گہری نیند میں تھا یا بے ہوش تھا، کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

وہ ایک ٹرالی میں نہانے دھونے کا سامان لے کر بیڈ روم میں آگئی۔ اس نے بہت ہی خوبصورت سا لباس پہنا ہوا تھا۔ اتنی حسین اور دلکش لگ رہی تھی کہ میں اسے دیکھتا رہا۔ اس نے کہا: "مرہم پٹیوں کے باعث تم غسل نہیں کرسکتے۔ لہٰذا تمھارے بدن کو اسفنج کے ذریعے صاف کرنا ہوگا۔"

پھر وہ صابن اور گیلے اسفنج کے ذریعے میری صفائی کرنے لگی۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا: "فرش کو گیلے کپڑے سے رگڑ کر صاف کیا جاتا ہے تو اسے پنجابی میں ٹاکی لگانا کہتے ہیں۔ آج میرے بدن پر ٹاکی لگائی جارہی ہے۔"

وہ ہنسنے لگی۔ وہاں میرے کھانے پینے، پہننے اوڑھنے کا ہر سامان فراہم کیا گیا تھا۔ صفائی کے بعد میں نے لباس تبدیل کیا، پھر آرام سے بستر پر لیٹ گیا۔ بہت سکون محسوس ہورہا تھا۔ خود کو توانا بھی محسوس کررہا تھا۔ سونیا نے کہا: "تمھیں صرف دوائیں نہیں دی جائیں گی بلکہ جو کھانا دیا جائے گا اس میں بھی ایسی دوائیں شامل رہیں گی کہ چوبیس گھنٹے کے اندر دماغی توانائی حاصل کرلوگے۔ اور خیال خوانی بھی کرسکو گے۔"

وہ درست کہہ رہی تھی۔ میں صاف ستھرا ہونے اور لباس تبدیل کرکے لیٹنے کے بعد خود کو تازہ دم محسوس کررہا تھا۔ جی چاہتا تھا، ابھی خیال خوانی کی کوشش کروں، مگر فی الحال خود کو اس کوشش سے باز رکھا۔ سونیا کسی کام سے گئی تھی۔ شیبا میرے پاس آگئی۔ میں نے پوچھا: "اتنی دیر تک کہاں تھیں؟"

اس نے جواب دیا: "میں تمھارے دماغ میں نہیں آؤں گی۔"

میں نے حیرانی سے پوچھا: "وہ کیوں؟"

"بس یونہی، اب سونیا جو تمھارے پاس ہے۔"
"پہلے تم مجھ سے ڈرتی تھیں کہ کہیں تمھارے دماغ میں جگہ نہ بنا لوں، کیا اب سونیا سے ڈر رہی ہو؟"
"میں بھلا کیوں ڈروں گی۔"
"تو پھر کیا بات ہے؟"
"کیا تم اتنے نادان ہو۔ اتنا بھی نہیں سمجھتے، جب وہ طیارہ یہاں پہنچا تو میں معلوم کرنا چاہتی تھی، تمھیں کہاں پہنچایا جا رہا ہے مگر سونیا تمھارے اتنے قریب آگئی کہ مجھے دور جانا پڑا۔"
میں نے ہنستے ہوئے کہا "اچھا سمجھ گیا بھئی تھوڑی دیر بعد تو آسکتی تھیں۔"
"نہ میں نے کبھی محبت کی ہے نہ جانتی ہوں کہ محبت کا ٹائم ٹیبل کب تک جاری رہتا ہے۔"
"اب کیسے آگئیں؟"
"کیا کروں۔ جناب شیخ الفارس بہت دیر سے ضد کر رہے تھے کہ مجھے تمھاری خیریت معلوم کرنا چاہیے۔ مجبوراً آنا پڑا۔ پتا چلا، تم گہری نیند میں ہو۔ پھر میں واپس چلی گئی۔ انھیں بتا دیا کہ تم خیریت سے ہو۔ تمھاری مرہم پٹیاں کی جا رہی ہیں اور باقاعدہ علاج ہو رہا ہے۔"
"چلو ٹھیک ہے۔ شیخ الفارس صاحب مطمئن تو ہوگئے۔"
"جب تک تم شیطان کے گھر میں رہو گے، وہ کبھی مطمئن نہیں رہیں گے۔ انھوں نے پھر مجھ سے ضد کی تھی کہ میں تمھارے دماغ میں جاؤں۔ مجبوراً پھر تمھارے پاس آئی تو..."
وہ کہتے کہتے رک گئی۔ میں نے پوچھا "تو کیا ہوا؟"
"میں کیا بتاؤں۔ کیا تمھیں پتا نہیں ہے، سونیا بیگم ٹا کی لگا رہی تھیں۔"
میں ہنسنے لگا۔ وہ سرگوشی کے انداز میں بولی "سونیا کو پا کر بہت خوش ہو؟"
"ہاں، بہت خوش ہوں۔"
"اسے بہت چاہتے ہو؟"
"میں کتنا چاہتا ہوں، اس کا حساب نہیں کر سکتا۔"
"کیا اس سے زیادہ کسی اور کو نہیں چاہو گے؟"
"سونیا کے لیے جو محبت ہے وہ سب سے مختلف ہے۔ یہ محبت محض اس لیے نہیں کہ وہ میری محبوبہ ہے۔ یہ محبت اس لیے بھی ہے کہ جہاں انسانی ذہن تھک جاتا ہے، ہار جاتا ہے، وہاں سے سونیا کا ذہن جیتنا شروع کر دیتا ہے۔ اس نے میرے لیے ایسی ایسی قربانیاں دی ہیں، ایسے کارنامے انجام دیے ہیں جس کی مثال کوئی پیش نہیں کر سکتا۔ اب یہی دیکھ لو، میری ساتھی عورتیں کوما میں پڑی ہوئی تھیں اور مرجانہ سجاد وغیرہ اسی کوما میں رہ کر ہم سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہوگئے۔ رسونتی کو انھوں نے ننھی سی بچی بنا دیا۔ اعلیٰ بی بی ذہانت اور حاضر دماغی میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔ اس کے باوجود دشمنوں نے اس کی برین واشنگ کر دی۔ انسان چاہے زمین کی تہ میں قید کر دیا جائے، وہاں سے بھی وہ فرار کا راستہ نکال لیتا ہے لیکن کوما میں مبتلا ہونے کے بعد نجات کا کوئی راستہ نہیں ہوتا۔ سونیا نے کس طرح نجات حاصل کی، کیا یہ تمھارا دماغ سوچ سکتا ہے اور اگر نہیں سوچ سکتا تو انتظار کرو۔ ابھی ہم پر انکشاف ہونے والا ہے۔"
اس نے کہا "فرہاد! کوئی ایسا وقت مقرر کرو کہ میں سونیا کی موجودگی میں بھی بے جھجک آسکوں۔"
"فی الحال موجود رہو۔ باہمی رابطے کے متعلق بعد میں وقت طے کر لیں گے۔"
اسی وقت سونیا پھر ایک ٹرالی لے کر کمرے میں داخل ہوئی۔ اس بار ٹرالی میں کھانے پینے کا سامان تھا۔ میں نے کہا۔ "تم تو بالکل گھر والی بن گئی ہو۔ میری خدمت کرنے سے فرصت ہی نہیں مل رہی ہے۔"
وہ مسکرا کر بولی "مرد بیمار ہو تو سپاہیانہ زندگی گزارنے والی عورت کو بھی میدانِ جنگ سے واپس آجانا چاہیے۔"
میں نے ہنستے ہوئے کہا "شاید اسی لیے عورتوں کو میدانِ جنگ میں بھیجا نہیں جاتا ورنہ وہ لڑتے لڑتے دشمن سے کہیں گی، ذرا ہاتھ روک لو۔ میرے میاں کی چائے کا وقت ہوگیا ہے اور بچے کو دودھ پلانا ہے۔"
اس نے بھرا ہوا گلاس میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا "لو دودھ پیو، سیب کھاؤ۔ باتیں کم کرو۔"
میں بستر سے اٹھ کر آرام سے بیٹھ گیا۔ پھر بولا "سونیا! صرف میں ہی تمھیں نہیں چاہتا، بے شمار لوگ تم سے محبت کرتے ہیں اور تمھارے متعلق جاننے کے لیے بے تاب ہیں۔ اس وقت شیبا میرے دماغ میں موجود ہے۔ اس کے ذریعے تمھاری ہسٹری بابا صاحب کے ادارے تک پہنچ جائے گی۔"
وہ اپنے لیے ایک پیالی کافی تیار کرتے ہوئے بولی "ہماری زندگی میں سکون نہیں ہے۔ میں نے سوچ رکھا تھا، چاہے جس قیمت پر بھی سکون میسر ہو، میں اسے ضرور خرید لوں گی۔"
وہ کافی کی پیالی لے کر ذرا فاصلے پر گئی پھر [illegible] بڑی چیئر پر بیٹھ گئی۔ [illegible] کے بعد کہنے [illegible] میں بولتی جا رہی ہوں، تم کھاتے بھی جاؤ اور سنتے بھی جاؤ۔"
اس نے کافی کی پیالی سے چند گھونٹ پیے۔ جس بڑی چیئر پر وہ بیٹھی ہوئی تھی، [illegible] آگے پیچھے ڈولتی [illegible] بیٹھنے والے کو ہولے ہولے جھولے کی طرح جھلاتی تھی۔ سونیا نے جھولتے ہوئے کہا "زندگی ایک جھولا ہے، جب تک ہم سانس لیتے رہیں گے، یہ زندگی ہمیں آگے پیچھے جھلاتی رہے گی، کبھی مسرتوں کی طرف، کبھی مصیبتوں کی طرف....."

میں کوما میں تھی۔ نہ زندہ تھی نہ مردہ تھی۔ کتنی عجیب بات ہے کہ میرا وجود تھا اور میں نہیں جانتی تھی کہ میں اس دنیا میں ہوں۔
میں طیارے کے حادثے میں بے ہوش ہوگئی تھی۔ جب آنکھ کھلی تو خود کو ایک سرد خانے میں پایا۔ شاید وہ کوما کا پہلا مرحلہ تھا۔ میں اس مرحلے میں دیکھ سکتی تھی، سُن سکتی تھی، اپنے وجود کو محسوس کرتے ہوئے اس دنیا کو سمجھ سکتی تھی۔ اسی لیے میں سمجھ گئی کہ مجھے کسی سرد خانے میں رکھا گیا ہے۔
ہوش میں آنے کے تھوڑی دیر بعد کچھ لوگ وہاں آئے۔ ان میں ایک نرس، ایک ڈاکٹر اور اس کا اسسٹنٹ بھی تھا۔ ڈاکٹر نے مجھے ترکی زبان میں مخاطب کیا "ہیلو سونیا! کیسی ہو؟"
میں جواباً کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔ کہنے کی سکت نہیں تھی، حلق خشک ہو رہا تھا۔ اس نے کہا "ہماری گفتگو کے لیے یہ زبان مناسب رہے گی۔ فرہاد تمھارے دماغ میں موجود رہنے کے باوجود میرے دماغ میں نہیں پہنچ سکے گا۔"
اس نے میری کلائی تھام لی۔ نبض ٹٹولنے لگا پھر اس نے میری آنکھوں کا معائنہ کیا۔ میں تھوک نگلنے لگی۔ اس نے مسکرا کر کہا "میں جانتا ہوں، تمھارا حلق خشک ہو رہا ہے۔"
اس نے نرس کو حکم دیا۔ وہ میرا منہ کھول کر میرے حلق میں کوئی رقیق مادہ ٹپکانے لگی۔ شاید کوئی دوا تھی جس سے میرا حلق تر ہونے لگا۔ اس دوران ڈاکٹر اپنے ساتھ آنے والوں سے کہہ رہا تھا "اسے زیادہ سے زیادہ ایک ہفتے کوما میں رکھا جا سکتا ہے۔"
ایک نے ترکی زبان میں جواب دیا "ایک ہفتہ ہمارے لیے بہت ہے۔"
ڈاکٹر نے کہا "تمھارے لیے بہت ہے مگر یہ مت بھولو، [illegible] ہے، یہ کیسی بلا ہے۔ آنے والا وقت ہی بتائے گا۔ دوسرے [illegible] اس کی تلاش میں ہوگا بلکہ اس وقت دماغ میں موجود [illegible] زبان کا ترجمہ اس کے ذریعے سن رہا ہوگا۔ اگر خطرات سے [illegible] ہو تو چوبیس گھنٹے کے اندر پروفیسر سامری کو طلب کرو اور اس کا برین واش کرا دو۔ کم از کم فرہاد کی ٹیلی پیتھی کا خطرہ نہیں رہے گا۔"
نرس میرا حلق تر کرنے کے بعد ڈاکٹر کے حکم کے مطابق ایک انجکشن تیار کر رہی تھی۔ ڈاکٹر نے میرے [illegible] آکر پوچھا۔ "کیا فرہاد موجود ہے؟ تم پلک جھپکا کر ہاں کے انداز میں جواب دے سکتی ہو۔"
میں نے پلک نہیں جھپکائی۔ اس نے کہا "مجھے یقین نہیں آتا، وہ تمھارے دماغ میں چھپا ہوا ہے۔ اسے ہماری زبان کا ترجمہ سنا دو۔ وہ صرف چند لمحوں تک ہمارے پاس رہ سکے گا۔ اس کے بعد تمھارا دماغ اس کی ٹیلی پیتھی کے قابل نہیں رہے گا۔"
نرس نے انجکشن لگانے کی سرنج ڈاکٹر کے ہاتھ میں تھما دی۔ اس نے سرنج کو لیتے ہوئے کہا "فرہاد کو میری اس بات کا ترجمہ بھی سنا دینا کہ اس بار اس کا کوئی داؤ ہم پر نہیں چلے گا۔ اس کی باقی دو عورتیں رسونتی اور اعلیٰ بی بی دو مختلف مقامات پر رکھی گئی ہیں۔ تمھیں بھی کہاں رکھا گیا ہے، یہ فرہاد کے فرشتے بھی نہیں معلوم کر سکیں گے۔ اب تم ایک سے دس تک گنتی رہو۔ اس کے بعد تمھارا دماغ اس کی ٹیلی پیتھی کے قابل نہیں رہے گا۔"
یہ کہتے ہوئے اس نے سرنج کی سوئی میرے بازو میں پیوست کر دی۔ اگر میں اس کی ہدایت کے مطابق دس تک گنتی تو شاید گن نہ پاتی۔ پتا نہیں کون سی دوا میرے جسم میں انجیکٹ کی گئی تھی۔ اچانک میرا دل ڈوبنے لگا۔ مجھے ایسا لگا جیسے جان نکل رہی ہو۔ دیکھتے ہی دیکھتے میرا جسم بے حس ہوگیا تھا۔ کان سُن ہوگئے تھے۔ کوئی آواز مجھ تک نہیں پہنچ رہی تھی۔ پھر آنکھوں کے سامنے دھند چھا گئی تھی۔ اب مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ بھلا میں کیسے دیکھتی، کیسے سنتی۔ جب کہ دماغ ہی کام نہیں کر رہا تھا۔ سوچنے کے قابل نہیں رہ گیا تھا اور جب انسان کچھ سوچ نہ سکے تو پھر اس کا شمار زندوں میں نہیں ہوتا۔
اگر میں یہ کہوں کہ میں نے زندہ رہ کر موت کا ذائقہ چکھا

ہے تو یہ بے جا نہ ہوگا۔ مجھے نئی زندگی ملی ہے۔ اب جو میں موجود ہوں تو یہ میرا دوسرا وجود ہے۔ میرے پہلے اور دوسرے وجود کے درمیان موت کا وقفہ رہا تھا جسے ہم کوما کہتے ہیں۔ موت اور کوما میں صرف اتنا سا فرق ہے کہ موت کے بعد انسان سانس لینے کے قابل نہیں رہتا۔ کوما کے دوران میری سانس برائے نام چلتی رہی تھی۔

میں نہیں جانتی، میری اس غفلت بھری زندگی کے کتنے گھنٹے یا کتنے دن گزر گئے۔ رفتہ رفتہ میری آنکھوں کے سامنے سے دھند چھٹنے لگی، مجھے نظر آنے لگا۔ میں نے ہلکی ہلکی سی آوازیں سنیں۔ پھر میرے کان پوری طرح سننے کے قابل ہو گئے۔ میرے بستر کے آس پاس کچھ لوگ تھے۔ میں سر گھما کر نہیں دیکھ سکتی تھی یعنی میرا جسم ابھی تک ساکت تھا۔ البتہ پلکیں جھپک سکتی تھی یعنی آنکھوں میں زندگی تھی۔ میں نے دیدے گھما کر دیکھا۔ مجھے وہی ڈاکٹر نظر آیا جس نے ترکی زبان میں گفتگو کی تھی۔

مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے یہ ابھی ابھی کی بات ہو۔ ابھی میری آنکھ لگی ہو اور آنکھ کھلی تو میں پھر وہی ماحول دیکھ رہی ہوں۔ وہی ڈاکٹر میرے پاس موجود ہے۔ بعد میں پتا چلا۔ میں دو دن تک کوما میں رہی تھی۔ اب جو ڈاکٹر کو دیکھ رہی تھی تو وہ تیسرا دن تھا۔

وہ ڈاکٹر ایک شخص سے ترکی زبان میں کہہ رہا تھا ”پروفیسر سامری میرے سامنے کیا بیچتا ہے۔ وہ اگر اپنے فن میں مہارت رکھتا ہے تو میں بھی کوئی سرکاری درباری ڈاکٹر نہیں ہوں۔ ایک زمانہ مجھے جانتا ہے۔ اس کم بخت پروفیسر نے میرے تین دن ضائع کر دیے۔ کیا میں کسی کا غلام ہوں۔“

اس کی باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ دو دن تک کوما میں رہنے کے دوران ڈاکٹر مجھے اٹینڈ کرتا رہا تھا تاکہ مجھے اس دوران زندہ رکھنے کا اہتمام کرتا رہے۔ وہ میری سانسوں کی رفتار دیکھتا تھا۔ سرد خانے میں رہنے کے باعث جسم اکڑ جاتا تھا۔ الیکٹرونک آلے کی مدد سے اس کی موجودگی میں میرے بدن پر مساج کیا جاتا تھا۔ انجکشن کے ذریعے مجھے خوراک پہنچائی جاتی تھی۔ اب تیسرے دن خبر ملی تھی کہ پروفیسر سامری مجھ پر تنویمی عمل کرنے اور میرا برین واش کرنے آ رہا ہے۔

میرے اندر بے چینی سی پیدا ہوئی۔ رفتہ رفتہ ہیجان سا برپا ہونے لگا۔ میں اپنی فطرت سے مجبور ہوں۔ شکست تسلیم کرنا نہیں جانتی۔ ان لوگوں نے مجھے تیسرے دن تک کوما میں رکھا تھا۔ اسے تو میں نے برداشت کر لیا۔ اب اس کے بعد ان کا شکار بن کر نہیں رہنا چاہتی تھی۔ میں نے بڑی کوشش کرتے ہو اپنے سر کو ذرا سا ہلانے کی کوشش کی۔ پتا چلا، مجھے جو انجکش دیا گیا تھا، وہ رفتہ رفتہ اپنا اثر دکھا رہا ہے۔ میں نارمل ہو جا رہی ہوں۔

میرا دماغ تیزی سے سوچ رہا تھا۔ ایک ہی م میرے سامنے تھا اور وہ یہ کہ تنویمی عمل کے دوران پروفیسر سا مجھے اپنی معمولہ نہ بنا سکے۔ اگر وہ کامیاب ہو جائے گا تو برین واش ہو جائے گا۔ میں اپنے متعلق اور اپنے لوگوں متعلق سب کچھ بھول جاؤں گی۔ پھر جو باتیں وہ میرے دماغ م بھر دیں گے میں انہی کے مطابق زندگی گزاروں گی۔ میں کٹھ پت کر کسی کی مرضی کے مطابق زندگی نہیں گزار سکتی تھی۔

مگر میں اپنا بچاؤ کس طرح کر سکتی تھی؟ میں جسمانی طو کمزور تھی، بستر سے اٹھ نہیں سکتی تھی۔ صرف لیٹے ہی لیٹے سے کوئی کام لے سکتی تھی۔ ان لمحات میں میرے اندر میری عادتیں جیسے چیخ رہی تھیں۔ میں مجبور نہیں ہوں۔ میں کبھی مجبور ہو سکتی۔ جو شدید مجبوری کے عالم میں بے بس ہو جائے، ہار جائے وہ سونیا نہیں ہو سکتی۔

پھر میرے اندر آندھی سی چلنے لگی۔ میں نے آہستہ آ اپنی مٹھی کو بھینچا۔ پھر کھولا۔ یقین ہو گیا کہ میرا جسم حرکت کر سکتا میں نے کن انکھیوں سے ٹرالی کی طرف دیکھا جس میں سرن دوائیں وغیرہ رکھی ہوئی تھیں۔ میرا ہاتھ بستر پہ آہستہ آہستہ ہوا ٹرالی کے دوسرے خانے تک پہنچ گیا۔ وہاں دو عدد رکھی ہوئی تھیں۔ چونکہ مختلف موقع پر مختلف سوئیاں میں لگائی جاتی ہیں، اس لیے وہاں کئی طرح کی سوئیاں رکھ تھیں۔ میرا ہاتھ وہاں تک پہنچا۔ میں نے فوراً ہی ایک س اٹھائی اور اسے مٹھی میں چھپا کر اپنا ہاتھ واپس بستر پر لے

اسی دوران کسی نے آ کر اطلاع دی تھی کہ پروفیسر سا آ رہا ہے۔ ڈاکٹر بڑبڑاتا ہوا ٹرالی کے پاس سے چلا گیا پروفیسر سامری کو دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتا تھا۔ وہ کمرے نکل رہا تھا۔ اسی وقت پروفیسر آ گیا۔ دونوں کا سامنا ہوا۔ سامری نے مسکراتے ہوئے پوچھا ”ڈاکٹر! غصے میں نظ آ رہے ہو؟“

اس نے ناگواری سے کہا ”میں فضول باتیں نہیں ک وقت ضائع نہیں کرتا۔ میں نے مریضہ کو نارمل کر دیا ہے، کام کر سکتے ہو۔“

وہ چلا گیا۔ سامری نے کمرے میں آ کر پہلے مجھ پر نظ پھر مسکرانے لگا۔ اس کے بعد اس نے حکم دیا ”کمرا خالی کر جائے۔ یہاں کوئی نہ رہے۔“

نرس ٹرالی کو دھکیلتے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔ ڈاکٹر کا اسسٹنٹ بھی کمرے سے باہر نکل گیا۔ سامری نے دروازہ بند کرنے سے پہلے کہا ”کمرے کے آس پاس کوئی آواز نہ ہو۔ میں مداخلت برداشت نہیں کروں گا۔“

اس نے دروازے کو بند کر دیا۔ پھر بڑے ہی باوقار انداز میں چلتا ہوا آیا جیسے کوئی فاتح اپنے مفتوح کے سامنے آتا ہے۔ پھر اس نے مجھ پر نظر ڈالتے ہوئے کہا ”سونیا! تم ایک پارہ ہو۔ کبھی دشمن کی ہتھیلی پر نہیں ٹھہرتیں۔ مگر آج کتنی مجبور ہو۔ اس بستر سے اٹھنے کے قابل نہیں ہو۔ تمہارا جسم کمزور ہے۔ دماغ کمزور ہے۔ میں ابھی چند لمحوں میں بڑی آسانی سے تمہیں اپنی معمولہ بنا لوں گا۔“

وہ میرے اور قریب آیا۔ اس نے پہلے میری پیشانی کو چھو کر دیکھا۔ میں سمجھ گئی، اس کے بعد وہ میری نبض ٹٹولے گا۔ میری مٹھی میں وہ سوئی دبی ہوئی تھی۔ میں نے اسے بستر میں چبھو دیا۔ پھر جیسے ہی وہ میری کلائی کی طرف بڑھا، میں نے ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔ وہ میری نبض ٹٹولنے لگا۔ پھر مطمئن ہو کر بولا ”بالکل نارمل ہو۔ تم پر تنویمی عمل کیا جا سکتا ہے۔“

اس نے میری طرف گھوم کر کمرے کا جائزہ لیا۔ دروازہ بند تھا۔ کھڑکیاں بھی بند تھیں اور پردے پڑے ہوئے تھے۔ ایئر کنڈیشنڈ آن تھا۔ گھٹن کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔ جب اسے اطمینان ہو گیا کہ اس کی باتیں سننے والا کوئی نہیں ہے تو وہ میرے قریب آ کر جھک گیا۔ پھر کہنے لگا ”میں صرف پروفیسر سامری نہیں ہوں، سامری کے اندر ایک شیطان ہوں۔ تمہارے چاہنے والوں کی فہرست میں پہلا نام میرا ہونا چاہیے تھا۔ یہ محض اتفاق ہے کہ پہلا نام فرہاد کا ہے مگر مجھے پورا یقین ہے، تم مجھے پسند کرنے لگو گی۔“

میں چپ چاپ اس کی باتیں سن رہی تھی۔ میری مٹھی میں پھر وہ سوئی آ گئی تھی۔ میں ایک سوئی سے کسی انسان کو ہلاک نہیں کر سکتی تھی۔ پھر میرے قریب تو شیطان تھا۔ بھلا میں اس کا کیا بگاڑ سکتی تھی لیکن بعد میں شیطان نے تسلیم کیا، میں جتنی دور تک سوچتی ہوں، وہ بھی اتنی دور تک نہیں سوچتا۔

میں نے وہ سوئی اپنی مٹھی میں اس لیے رکھی تھی کہ جب وہ تنویمی عمل کے ذریعے مجھ پر اثر انداز ہونے لگتا تو میں چپ چاپ اپنی ہتھیلی میں سوئی چبھوتی رہتی اور اس کی تکلیف کے باعث تنویمی عمل کا اثر زائل ہوتا رہتا۔ اس طرح میں ٹرانس میں نہ آتی۔ جب میں اس کی معمولہ نہ بنتی تو پھر وہ میرا برین واش نہیں کر سکتا تھا۔

اس نے مسکرا کر کہا ”میں شیطان ہوں۔ میرے اندر بڑی خوبیاں ہیں۔ ایک بڑی خوبی تو یہ ہے کہ میں ہر انسان کے اندر پہنچ کر اس کا بھید معلوم کر لیتا ہوں۔ میں مانتا ہوں، تمہاری جیسی عورتیں دنیا میں بہت کم ہیں۔ جیسی تدبیر تم سوچتی ہو اور جس طرح اس پر عمل کرتی ہو، اسے دیکھ کر میری عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اب یہی دیکھ لو کہ تم نے پروفیسر سامری کے تنویمی عمل کو ناکام بنانے اور برین واشنگ سے محفوظ رہنے کا کتنا عمدہ طریقہ سوچ رکھا ہے۔“

میں پریشان ہو گئی۔ کم بخت کو میری حفاظتی تدبیر کا علم ہو گیا تھا۔ اس نے کہا ”میں ایسے مقام پر مجبور ہو جاتا ہوں جہاں انسان بڑے عزم و استقلال سے جدوجہد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اتنی چھوٹ دی ہے کہ میں صرف ایسے لوگوں کو بہکا سکوں جو دماغی اور جسمانی طور پر کمزور ہوں، جن کے پاس قوتِ ارادی نہ ہو۔ جو بڑی آسانی سے بہک جاتے ہوں۔ اور جو عمل کرنا جانتے ہوں اور مشکلات میں بھی جدوجہد جاری رکھتے ہوں، میں ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ میں تمہارے ہاتھ سے سوئی چھین کر رکھ لوں تب بھی تم وہی ضدی سونیا رہو گی۔ اس کے بعد تمہاری جدوجہد بڑی طویل ہو گی۔ بڑی مشکلات سے گزرو گی لیکن پروفیسر سامری کے قابو میں نہیں آؤ گی۔ یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ لہٰذا کیوں نہ تم سے سمجھوتہ کر لوں۔“

میں نے کئی دن کی طویل خاموشی کے بعد بڑی مشکل سے زبان ہلائی، پوچھا ”تم کیا چاہتے ہو؟“

”منہ سے نہ بولو۔ میں تمہارے اندر بھی ہوں۔ تمہاری باتیں سمجھ رہا ہوں۔ تم اتنا سمجھ لو کہ مجھ سے دوستی کر کے فائدے میں رہو گی۔“

میں نے سوچ کے ذریعے کہا ”اگر مجھے نقصان ہوا تو تم مجھ سے بھی زیادہ نقصان اٹھاؤ گے۔“

اس نے تائید میں سر ہلا کر کہا ”میں جانتا ہوں اور میں تمہیں مانتا ہوں۔ تم وہ ناگن ہو جو ذرا سی چوٹ کھاتے ہی ڈس لیتی ہے۔ تمہاری دوستی بہتر ہے۔ دشمنی مہنگی پڑتی ہے۔“

میں نے پوچھا ”تم کیسے جانتے ہو؟“

”میں نے کون کون سے روپ میں تمہارا مقابلہ نہیں کیا۔ ہمیشہ دشمن بنا اور جسے اپنا آلۂ کار بنا کر تم سے دشمنی کی وہ بے چارہ نقصان اٹھاتا رہا۔ میرا نقصان یہ ہوا کہ میں کسی کو بھی آلۂ کار بنا کر اپنے مقاصد پورے نہ کر سکا۔“

"کیا دوست بن کر اپنے مقاصد پورے کرنا چاہتے ہو؟"
"یہی سمجھ لو۔"
"تم بھی اچھی طرح سمجھ لو، جن مقاصد کے پورا ہونے میں میرا یا میرے چاہنے والوں کا نقصان ہوگا، میں اس میں کامیاب نہیں ہونے دوں گی۔"
"یہ غلط ہے سونیا! تم تمام لوگوں کی ٹھیکیدار نہ بنو۔ فرہاد کو سب سے زیادہ چاہتی ہو لہٰذا میں اسے نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔"
"تم آج تک فرہاد کو اور ہم سب کو نقصان پہنچانے کی کوششیں کرتے رہے ہو۔ میں تم سے کہوں گی، آئندہ بھی اپنی کوششیں جاری رکھو۔ مجھے اس سلسلے میں تمھاری مدد کی ضرورت نہیں ہے۔"
"پھر ہمارے درمیان سمجھوتہ کیسے ہوگا؟"
"صرف اس بات پر کہ تم مجھے یہاں سے فرار ہونے کا موقع دو۔ اس کے بدلے میں تمھارے کسی کام آؤں گی۔"
شیطان نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ "مجھے منظور ہے مگر یہ سمجھوتہ ہمیشہ ہمارے درمیان قائم رہے گا۔ ایک طرح یہ معاہدہ ہے کہ میں ہمیشہ تمھارے کام آتا ہوں، اس کے بدلے تم میرا کوئی کام کر دیا کرو۔"
"میں نے کہا نا، جہاں میرا یا میرے ساتھیوں کا نقصان نہیں ہوگا وہاں تمھارے کام آؤں گی۔"
پروفیسر سامری عرف شیطان نے کہا۔ "تمھیں سب سے پہلا فائدہ یہ پہنچ رہا ہے کہ میں تنویمی عمل نہیں کروں گا، اور تمھارا برین واش نہیں ہوگا۔ اس کے بدلے تم میری ایک بات مان لو۔"
"بولو، کیا چاہتے ہو؟"
"میں چاہتا ہوں، یہاں سے فرار ہونے کے بعد نہ تم دشمنوں کے ہاتھ آؤ نہ دوستوں کے۔"
"اس کا مطلب کیا ہوا؟"
"شیطانی چکر بہت پیچیدہ اور بہت لمبا ہوتا ہے۔ میں تمھیں کہاں تک سمجھاؤں گا۔ صرف اتنا سمجھ لو کہ تمھارے چاہنے والوں کو اور خصوصاً فرہاد کو تمھارے غائب ہو جانے سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ بس میرا شیطانی کام چلتا رہے گا۔"
"آخر یہ شیطانی کام ہے کیا؟"
"تم یہاں سے فرار ہونے کے بعد روپوش رہو گی۔ مجھے بڑا مزہ آئے گا۔ جتنے دوست اور دشمن تمھیں تلاش کر رہے ہیں، میں انھیں چکر میں ڈالوں گا اور ایک کو دوسرے سے لڑاتا رہوں گا۔"
میں کچھ کہنا چاہتی تھی، اس سے پہلے ہی اس نے کہا۔ "پہلے پوری بات سن لو۔ میں شیطان ہوں، میرا ہرگز مقصد نہیں ہوتا کہ کسی کو جان سے مار ڈالوں۔ میں تو صرف چکر چلاتا ہوں، ہلکان کرتا ہوں۔ لوگوں کو پریشانیوں میں مبتلا کر کے مجھے دلی مسرت حاصل ہوتی ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔"
"اس سے زیادہ کچھ ہوگا تو پھر شکایت نہ کرنا کہ سونیا معاہدے سے پھر گئی۔"
"میں کبھی شکایت نہیں کروں گا۔ اب ہمارے درمیان سمجھوتہ ہوگیا، ہم دوست بن گئے۔"
میں نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔ "ابھی ہم دوست نہیں ہوئے۔ ابھی تو ہم دوستی کی آزمائشوں سے گزریں گے مگر ایک بات یاد رکھو، میں یہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو جاؤں گی تو تمھارا مجھ پر کوئی احسان نہیں ہوگا۔"
"کیوں نہیں ہوگا؟"
"اس طرح کہ میں نے تمھارے تنویمی عمل سے بچاؤ کا طریقہ سوچ لیا تھا اور اس پر عمل بھی کر رہی تھی۔ یہ خود تمھارا بیان ہے کہ جو انسان مستقل مزاج ہوتا ہے اور اپنی جدوجہد پورے عزائم سے جاری رکھتا ہے تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ جب تم نے دیکھا کہ میرا کچھ بگاڑ نہیں سکتے، اللہ تعالیٰ نے تمھیں اتنی قوت نہیں دی ہے تو تم سمجھوتے پر اتر آئے۔ دوسری طرف سے سمجھوتے پر میں اس لیے راضی ہوگئی کہ فرار کا راستہ آسان بنانا چاہتی ہوں۔"
"تم بہت ٹیڑھی ہو۔ ایک سیدھی بات کو الجھا رہی ہو۔"
"میں الجھا نہیں رہی ہوں، ہجے کر کے سمجھا رہی ہوں۔ ایک بات اور سمجھ لو۔ تمھارا احسان مجھ پر اس لیے بھی نہیں ہوگا کہ جو تم میرے ساتھ کرو گے اس کے بدلے میں تمھارے کام آؤں گی۔ لہٰذا کبھی مجھ پر احسان جتانے کی حماقت نہ کرنا۔"
مختصر یہ کہ ہمارے درمیان سمجھوتہ ہوگیا۔ پروفیسر سامری نے مجھے سمجھایا۔ "اب تم آنکھیں بند کر کے سونے کی ایکٹنگ کرو گی۔ میں کمرے سے باہر جا کر تمھارے دشمنوں کو سمجھاؤں گا کہ تنویمی عمل کامیاب رہا ہے، تم تین گھنٹے تک

سوتی رہو گی۔ اس دوران تمھیں دوسری جگہ منتقل کیا جائے گا۔ بہرحال جب تین گھنٹے کے بعد تمھاری آنکھ کھلے گی تو تم اپنا ماضی بھول چکی ہو گی۔"
میں نے پوچھا۔ "وہ مجھے کہاں منتقل کریں گے؟"
"وہ جہاں بھی لے جائیں گے، تم راستے ہی میں ان کے ہاتھ سے نکل جاؤ گی۔ میں مختلف روپ میں تمھارے ساتھ رہوں گا۔"
تمام معاملات طے ہو جانے کے بعد وہ جانا چاہتا تھا، میں نے کہا۔ "ایک بات بتاؤ۔ میں دنیا والوں سے چھپ کر رہ سکتی ہوں۔ یقیناً تم میرے لیے میک اپ کا سامان فراہم کرو گے لیکن خیال خوانی کرنے والوں سے کیسے چھپ سکوں گی؟"
اس نے مسکرا کر کہا۔ "میں انسان کے اندر رہتا ہوں، بہت کچھ کر سکتا ہوں۔ مثلاً اگر تم میرا احسان لینا چاہتیں تو اپنے ہاتھ میں سوئی چبھونے کی ضرورت نہ پڑتی۔ میں تمھارے اندر رہتا اور ادھر پروفیسر سامری تم پر تنویمی عمل کرتا رہتا اور میں اسے ناکام بناتا رہتا۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح فرہاد تمھارے دماغ میں چھپا رہتا تھا اور ربی اسفندیار کے تنویمی عمل کو ناکام بناتا جاتا تھا۔"
"میں سمجھ گئی۔ فرہاد جب بھی میرے دماغ میں آئیں گے، تم میرے اندر رہ کر یہی تاثر دو گے کہ میں کوما میں ہوں یا پھر میرا دماغ ناقابلِ فہم ہو گیا ہے۔"
وہ مسکراتا ہوا کمرے سے چلا گیا۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ آدھے گھنٹے تک مکمل خاموشی رہی۔ میرے کمرے میں کوئی نہیں آیا۔ پھر میں نے قدموں کی آہٹیں سنیں۔ اس کے بعد میں نے محسوس کیا، مجھے اٹھا کر اسٹریچر پر ڈالا جا رہا ہے، وہ میرے بیدار ہونے سے پہلے مجھے کہیں اور لے جا کر قید کرنا چاہتے تھے۔
جس اسٹریچر پر مجھے ڈالا گیا تھا اب اسے ایک ٹرالی پر رکھ دیا گیا تھا۔ وہ ٹرالی چل رہی تھی۔ یوں لے جانے والے یقیناً مجھ پر کبھی کبھی نظر ڈالتے ہوں گے مگر وہ میری بناوٹی نیند کو نہ سمجھ سکے۔ ایک جگہ ٹرالی رک گئی۔ میرے اسٹریچر کو اٹھا کر پھر کہیں لے جایا گیا اور رکھ دیا گیا۔ شیطان نے چپکے سے کہا۔ "میں آگیا ہوں۔ اس وقت تمھیں ایک گاڑی کے پچھلے حصے میں رکھا گیا ہے۔ گاڑی کا پچھلا دروازہ بند کر دیا گیا ہے۔ گاڑی کے اس بند حصے میں تمھارے علاوہ دو مسلح گارڈز بھی ہیں۔"
میں نے پوچھا۔ "کیا تم چاہتے ہو، میں راستے میں ان دو مسلح گارڈز کو مار پیٹ کر نکل جاؤں؟"
"کیا تم ایسا کر سکتی ہو؟"
"ذرا مشکل ہے۔ تین دن تک کوما میں رہی۔ کوما سے نکلنے کے بعد میں نے ایک گھونٹ پانی بھی نہیں پیا ہے، کھانا تو دور کی بات ہے۔ ایسے میں کمزوری محسوس کر رہی ہوں۔"
"پھر میری برتری تسلیم کرو۔ میرا احسان لینا گوارا کر لو۔ میں ان سے نجات دلاؤں گا۔"
"لعنت ہے تمھاری برتری پر۔ گاڑی کو آگے بڑھنے دو پھر دیکھو، میں کس طرح نکلتی ہوں۔"
"ضد نہ کرو، پھنس جاؤ گی۔"
"جب پھنسنے لگوں گی تو الٹی چال چلوں گی۔"
"کیسی چال، ذرا بتاؤ تو سہی۔"
"میں دشمنوں کے درمیان دوبارہ پہنچ کر یہی بیان دوں گی کہ پروفیسر سامری نے ان سے غداری کی تھی۔ مجھ پر تنویمی عمل نہیں کیا تھا۔"
شیطان نے غصے سے کہا۔ "اے مکار عورت! تم میرے ہی ہتھیار سے مجھے مارنا چاہتی ہو۔ اگر انھیں پتا چل گیا کہ میں نے ان سے جھوٹ کہا تھا اور تم پر تنویمی عمل نہیں کیا تھا تو وہ پروفیسر سامری کو مار ڈالیں گے۔ حالاں کہ میں نہیں مروں گا لیکن میں پروفیسر سامری کو جسمانی طور پر زندہ رکھنا چاہتا ہوں۔ ابھی اس سے مجھے بہت سے کام لینے ہیں۔"
"اس کے ذریعے بہت سے کام نکالنا چاہتے ہو تو پھر میرے کام آؤ۔"
"کام آؤں گا۔ وہ تو آنا ہی ہوگا۔ مگر یہ بتاؤ، تم نے یہ مکاری سیکھی کہاں سے ہے؟"
میں نے کہا۔ "میں نے حاتم طائی کا قصہ سنا تھا۔ وہ ایک سوال حل کرنے جا رہا تھا کہ راستے میں تمھارے جیسا شیطان مل گیا۔ وہ دونوں پاؤں سے اپاہج تھا۔ اس نے کہا۔ "مجھے کاندھے پر اٹھا کر فلاں جگہ پہنچا دو۔ حاتم طائی نے ترس کھا کر اسے کاندھے پر اٹھا لیا۔ پھر اس شیطان نے اس کے کاندھوں سے اترنا منظور نہیں کیا۔ جب بھی حاتم طائی اسے اتارنا چاہتا وہ اس کے کاندھوں پر سوار رہ کر دونوں پاؤں کی قینچی اس طرح بناتا تھا کہ حاتم کا دم گھٹنے لگتا تھا۔"

"تم کہنا کیا چاہتی ہو؟"

"یہی کہ ایک بار تم نے دوستی کے کاندھے پر بٹھا یا ہے اب مجھے اتار نہیں سکو گے۔"

"میں مکار ہوں اور ایسی جیسی مکار عورت کو پسند کرتا ہوں۔ تم کاندھے سے اتارنے کی بات کرتی ہو، میں تمھیں سر پہ بٹھاؤں گا۔"

"سر پہ بٹھانے والے احسان نہیں جتاتے۔"

"میں تمھارے مزاج کو سمجھ گیا ہوں۔ آئندہ ایسی حماقت نہیں کروں گا۔"

میں چپ چاپ آنکھیں بند کیے لیٹی ہوئی تھی ——— میں نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے ایک مسلح گارڈ کی آواز سنی۔ وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا۔ "یار ذرا دیکھو تو یہ وہی سونیا ہے جس کے چرچے ہم سنتے آئے ہیں۔ بڑی آرزو تھی اسے ایک بار قریب سے دیکھیں۔"

دوسرے نے کہا۔ "قریب سے دیکھ تو رہے ہو۔"

"وہ تو ٹھیک ہے مگر میں اسے چھو کر دیکھنا چاہتا ہوں۔"

دوسرے نے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے تمھارے اندر شیطان بول رہا ہے۔"

"ہمیں شیطان کا ایک احسان ماننا چاہیے۔ جب وہ ہمارے اندر آ کر ہمیں بھڑکاتا ہے تو اچانک حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔ چاہے ہم کتنے ہی بزدل ہوں، گناہ کے لیے دوڑ پڑتے ہیں۔"

وہ ضدی بچے کی طرح مچل رہا تھا۔ دوسرے لفظوں میں شیطان اس کو تڑپا رہا تھا۔ اس نے کہا۔ "میں کم از کم اس کا ہاتھ ضرور پکڑوں گا۔"

دوسرے مسلح گارڈ نے کہا۔ "تمھارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ یہ تنویمی نیند سو رہی ہے۔ اسے ڈسٹرب نہیں کرنا چاہیے۔"

ہوس کے مارے نے ریوالور نکالتے ہوئے کہا۔ "کیا تم نہیں جانتے، جب دیوانگی طاری ہوتی ہے تو دیوانہ انکار نہیں سنتا۔ جنون کے مارے اس عورت کو بھی قتل کر دیتا ہے جو انکار کرتی ہے۔ پھر تم تو پہرے دار ہو۔ صرف ایک دیوار ہو جسے میں پلک جھپکتے میں یوں گرا سکتا ہوں۔"

یہ کہتے ہی اس نے گولی چلا دی۔ ٹھائیں کی آواز کے ساتھ اس کا ساتھی پہرے دار اپنی جگہ سے اچھلا پھر سیٹ کے نیچے گرا۔ گرتے گرتے اس نے اپنا ریوالور نکال لیا تھا پھر اس نے بھی گولی چلائی، نتیجے کے طور پر دوسرا بھی اپنی جگہ سے اچھل کر گرا۔ اس کا جنون سرد پڑ چکا تھا۔ وہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ اور دیکھتے دیکھتے ٹھنڈے ہو رہے تھے۔

دشمن نادان نہیں تھے۔ وہ جانتے تھے کہ سونیا کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا آسان نہیں ہے۔ راستے میں گڑبڑ ہو سکتی ہے لہٰذا میں جس گاڑی میں تھی، اس کے آگے پیچھے اور بھی مسلح گارڈز سے بھری ہوئی گاڑیاں چل رہی تھیں۔ جب دو بار میری گاڑی سے گولیاں چلنے کی آواز باہر گئی تو سب چوکنے ہو گئے۔ ہم جس راستے سے گزر رہے تھے اس کے ایک طرف پہاڑی سلسلہ تھا، دوسری طرف ڈھلان تھی۔ ہمارے سامنے جانے والی گاڑی صورت حال معلوم کرنے کے لیے ہماری گاڑی کا راستہ روکنا چاہتی تھی مگر روکنے والے کے ہاتھ سے اسٹیئرنگ بہک گیا یا بہکا دیا گیا۔ وہ ڈھلان کی طرف گئی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے نیچے کی طرف لڑھکنے لگی۔ کتنے ہی مسلح افراد اس گاڑی سے چھلانگ لگا کر باہر آئے۔ شیطان کہاں موجود نہیں ہوتا۔ ہماری گاڑی کا اسٹیئرنگ جس کے ہاتھوں میں تھا، اس کے اندر بھی تھا۔ اور وہ تیز رفتاری سے گاڑی کو آگے دوڑاتا جا رہا تھا۔ ہمارے پیچھے والی گاڑی نے تعاقب جاری رکھا لیکن جو افراد آگے جانے والی گاڑی سے چھلانگ لگا کر باہر آئے تھے انھوں نے مسلسل فائرنگ کی تاکہ ہماری گاڑی کا پہیہ برسٹ ہو جائے اور ہم رک جائیں۔

ان کی پلاننگ درست تھی لیکن ہماری گاڑی تیز رفتاری سے جا رہی تھی اور تعاقب کرنے والی گاڑی کی رفتار بھی کچھ کم نہیں تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ فائرنگ کی زد میں آ گئی۔ اچانک ایک پہیہ برسٹ ہوا اور وہ گاڑی بھی ڈھلان کی طرف جاتے جاتے بچ گئی مگر رک گئی۔ وہ مسلح افراد جو تعداد میں کئی تھے، دیکھتے ہی دیکھتے بے مصرف ہو کر رہ گئے تھے۔ وہ ہمارا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے۔ ہماری گاڑی ان کی نگاہوں کے سامنے دور ہوتے ہوتے اوجھل ہو گئی تھی۔

میں اٹھ کر بیٹھ گئی تھی اور روشندان نما کھڑکی سے جھانک کر دیکھ رہی تھی۔ اس راستے میں دو گاڑیاں حادثے کا شکار ہوئی تھیں اس لیے ٹریفک میں ذرا خلل پڑا تھا مگر ہمارے دور نکلتے تک پھر ٹریفک بحال ہو گیا تھا۔ شیطان نے کہا۔ "ابھی تم محفوظ نہیں ہو۔ کوئی آواز سن رہی ہو؟"

میں نے روشندان سے دور آسمان کی طرف دیکھا۔ ایک ہیلی کاپٹر پرواز کرتا ہوا آ رہا تھا۔ میں نے کہا۔ "ہاں، ہیلی کاپٹر کے ذریعے ہماری گاڑی کی نگرانی ہو رہی ہے۔"

"آگے ایک سرنگ آنے والی ہے۔ تم اس گاڑی سے اترنے کے لیے تیار رہو۔"

اب وہ ہیلی کاپٹر ہماری گاڑی کے اوپر پرواز کر رہا تھا لیکن اسے آگے جا کر ذرا بلند ہو جانا پڑا کیوں کہ پہاڑی سرنگ آ گئی تھی۔ جب ہم سرنگ کے ایک سرے سے داخل ہو کر پہاڑی کے دوسری طرف دوسرے سرے پر نکلتے تب ہیلی کاپٹر پھر ہماری نگرانی کر سکتا تھا لیکن اس سرنگ سے گزرنے کے دوران نیم تاریک راستے میں گاڑی رک گئی۔ ڈرائیور نے فوراً ہی پچھلا دروازہ کھولا، میں اتر گئی۔ اس گاڑی کے آگے ایک کار کھڑی ہوئی تھی۔ میں اس کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ اسٹیئرنگ سیٹ پر پروفیسر سامری نظر آیا۔ پھر وہ گاڑی اسٹارٹ ہوئی اور سرنگ سے گزرنے لگی۔ میں جس گاڑی میں اب تک سفر کر رہی تھی، وہ بھی پیچھے آ رہی تھی، تاکہ ہیلی کاپٹر والوں کو شبہ نہ ہو کہ ہم نے گاڑی بدل لی ہے۔

سرنگ سے گزرنے کے بعد وہی ہیلی کاپٹر نظر آیا۔ ہم اپنی پچھلی گاڑی سے بہت دور نکل گئے تھے۔ میں نے پلٹ کر دیکھا، ہیلی کاپٹر اسی گاڑی کے اوپر فاصلہ رکھ کر پرواز کر رہا تھا۔ پروفیسر سامری نے راستہ بدل دیا۔

اس راستے پر بے شمار گاڑیاں آتی جاتی دکھائی دے رہی تھیں، ان میں سے کتنی ہی گاڑیاں مختلف راستے بدل کر اپنی اپنی منزل کی طرف جا رہی تھیں۔ ان میں سے میں کس گاڑی میں جا رہی ہوں، یہ ہیلی کاپٹر والوں کو معلوم نہ ہو سکا۔ تھوڑی دیر بعد پروفیسر سامری مجھے ایک بنگلے میں لے آیا۔ وہ پہلے ہی وعدہ کر چکا تھا کہ میں فرار ہو کر جہاں بھی پہنچوں گی، میرے لیے میک اپ وغیرہ کا سامان مہیا کر دیا جائے گا۔ اس بنگلے میں میری ضرورت کا ہر سامان موجود تھا۔ میں سب سے پہلے اپنا حلیہ تبدیل کرنے بیٹھ گئی۔ پروفیسر سامری بھی میرے پاس آ کر بیٹھ گیا پھر بولا۔ "تم میرے لیے مصیبت بننے لگی تھیں۔"

میں نے میک اپ کرتے ہوئے کہا۔ "ہاں۔"

"اگر تمھارے فرار ہونے میں شیطان کی مدد شامل نہ ہوتی، اور تم پکڑی جاتیں تو دشمنوں سے صاف صاف کہہ دیتیں کہ میں نے تم پر تنویمی عمل نہیں کیا تھا۔ یہ بھید کھلنے کے بعد وہ مجھے گولی مار دیتے۔"

"ہاں مار دیتے۔"

وہ غصے سے بولا۔ "میرے یہ ہاتھ دیکھ رہی ہو، فولاد ہیں فولاد، اگر ابھی تمھارا گلا دبا دوں تو؟"

"کیا پوچھ کر دباؤ گے؟"

وہ یک بیک ہنسنے لگا۔ پھر بدلے ہوئے لہجے میں بولا۔ "میں شیطان بول رہا ہوں۔ یہ پروفیسر سامری محض اس لیے بکواس کر رہا تھا کہ میں تھوڑی دیر کے لیے غیر حاضر ہو گیا تھا۔"

میں نے کہا۔ "شیطان کبھی کسی انسان کے پاس سے غیر حاضر نہیں رہتا۔ ہر لمحے موقع کی تاک میں رہتا ہے مگر جہاں اپنا نقصان دیکھتا ہے وہاں دو لڑنے والوں کے درمیان ثالث بن کر آ جاتا ہے۔ تم یہی چاہتے ہو نا کہ میرے ہاتھوں پروفیسر سامری کی ٹوٹ پھوٹ نہ ہو۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "بھئی تم دونوں میرے اپنے ہو۔ سامری میرا شاگرد ہے اور تم میری دوست۔ میں کسی کا بھی نقصان کیسے برداشت کر سکتا ہوں۔"

میں نے پوچھا۔ "تم پروفیسر سامری سے آخر کون سا اہم کام لینا چاہتے ہو؟"

اس نے کہا۔ "پہلے اپنا حلیہ تبدیل کر لو پھر بتاؤں گا بلکہ دکھاؤں گا۔"

آدھے گھنٹے کے اندر میں نے اپنا چہرہ بڑی حد تک تبدیل کر لیا۔ دشمن مجھے پہچان نہیں سکتے تھے۔ پھر میں نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "چلو مجھے بتاؤ، بلکہ دکھاؤ کیا دکھانا چاہتے ہو۔"

وہ مجھے ایسے کمرے میں لے گیا جہاں ایک دیوار پر بڑا سا ٹی وی اسکرین نصب کیا گیا تھا۔ ہم اسکرین سے تقریباً پندرہ فٹ کے فاصلے پر آرام سے کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ ہمارے سامنے ایک سینٹر ٹیبل تھی۔ وہاں ایک ریموٹ کنٹرولر رکھا ہوا تھا۔ پروفیسر سامری نے کہا۔ "جب میں نہ رہوں اور تم اسکرین پر کچھ دیکھنا چاہو تو ریموٹ کنٹرولر کے ذریعے دیکھ سکتی ہو۔ ویسے مجھے اس کی ضرورت نہیں پڑتی، صرف چٹکی بجانے سے کام چلتا ہے۔"

اس نے فضا میں ہاتھ بلند کیا اور چٹکی بجائی، اسی لمحے ٹی وی اسکرین آن ہو گیا۔ میں نے خود کو وہاں دیکھا۔ مجھے اپنے سامنے ایک اور سونیا نظر آ رہی تھی۔ میں نے کہا۔ "یہ میں ہوں۔"

پروفیسر سامری نے کہا۔ "تم نہیں ہو، کوئی اور ہے۔"

اسکرین پر نظر آنے والی سونیا پورے قد و قامت کے ساتھ نظر آ رہی تھی۔ کبھی چل رہی تھی، کبھی اٹھ رہی تھی، کبھی بیٹھ رہی تھی۔ اور کبھی بول رہی تھی۔ ہر انداز میرا اپنا تھا۔

سامری نے کہا: "یہ لڑکی ماسٹر کی سے تعلق رکھتی ہے۔"

"کیا یہ میری ہم شکل ہے؟"

"نہیں، مگر ہم شکل بنایا گیا ہے، یہ قد و قامت اور عادات و اطوار میں تم سے مماثلت رکھتی ہے، ماسٹر کی نے اسے تمھاری طرح بنانے کی ہر ممکن کوشش کی ہے اور وہ اس کوشش میں بڑی حد تک کامیاب رہا ہے۔"

میں نے کہا: "یعنی اس کے ذریعے فرہاد کو دھوکا دیا جائے گا۔ کیا ماسٹر کی یہ نہیں جانتا کہ اصل سونیا کسی وقت بھی راز فاش کر سکتی ہے؟"

"وہ ہر پہلو پر غور کر چکا ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ وہ اصل سونیا کو جلد ہی گرفتار کر لے گا۔ اسے اپنی قید میں رکھے گا اور دوسری سونیا کو فرہاد تک پہنچائے گا۔ پھر یہ سونیا بابا صاحب کے ادارے میں پہنچے گی اور اس ادارے سے متعلق جاسوسی کرتی رہے گی۔ وہاں کی خبریں ماسٹر کی تک پہنچاتی رہے گی۔"

اسکرین پر وہ سونیا نظر آ رہی تھی۔ میں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا: "یہ مجھ سے کتنی ہی مشابہت اور مماثلت رکھے پھر بھی کوئی نہ کوئی بات مجھ سے مختلف ہوگی۔"

"میں نے تنویمی عمل کے ذریعے اسے مکمل سونیا بنایا ہے، یہ تمھاری ہم مزاج بن گئی ہے۔ میں تمھیں دکھاتا ہوں، ہپناٹزم کے علم سے میں نے کتنا فائدہ اٹھایا ہے۔"

اس نے پھر ایک چٹکی بجائی۔ اسکرین پر منظر بدل گیا۔ سونیا بستر پر لیٹی ہوئی تھی اور پروفیسر سامری پاس کھڑا ہوا اس پر تنویمی عمل کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا: "اب چونکہ تم میری معمولہ بن چکی ہو، میرے ہر حکم کی تعمیل کرو گی لہٰذا تمھیں سونیا کا کیسٹ سنایا جا رہا ہے۔ تمھارے کان اس کی آواز، اس کے لب و لہجے کو سنتے رہیں گے اور یہ لب و لہجہ اور یہ آواز تمھارے دماغ میں نقش ہوتی رہے گی۔ جب تم بیدار ہو گی تو اسی آواز اور اسی لب و لہجے میں گفتگو کرو گی۔"

میری ہم شکل سونیا بستر پر آنکھیں بند کیے لیٹی ہوئی تھی۔ وہ تنویمی عمل کے زیرِ اثر تھی۔ اس نے کہا: "میں کیسٹ کے ذریعے سونیا کی آواز اور لب و لہجے کو سنوں گی اور اسے اپنے ذہن میں نقش کر لوں گی۔"

ایک کیسٹ ریکارڈر آن کیا گیا۔ اس میں سے میری آواز سنائی دینے لگی۔ تنویمی عمل کے زیرِ اثر رہنے والی اس کیسٹ سے میری باتیں سنتی تھی اور ان باتوں کو دہراتی جاتی تھی۔ تھوڑی دیر بعد منظر بدل گیا۔ اب دوسرے منظر میں وہ سونیا جو تنویمی عمل کے ذریعے گہری نیند میں تھی، بیدار ہو گئی تھی۔ اُٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ پھر اس کمرے میں پروفیسر سامری کسی شخص کے ساتھ داخل ہوا۔ انھوں نے میری ہم شکل سے کوئی سوال کیا۔ جب اس نے جواب دیا تو میں حیران رہ گئی کیوں کہ وہ بالکل میری آواز اور میرے لب و لہجے میں بول رہی تھی۔ سامری نے ہاتھ اٹھا کر چٹکی بجائی، منظر تبدیل ہو گیا۔ اسی طرح میری ہم شکل بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ اس پر تنویمی عمل کیا جا رہا تھا۔ سامری نے کمنٹری کرنے کے انداز میں کہا: "تمھاری آواز اور لب و لہجے کو پوری طرح نقل کرنے کے لیے ذرا وقت لگتا ہے۔ میں ایک ہی بار تنویمی عمل کے ذریعے ساری باتیں نقش نہیں کرا سکتا تھا۔ اس لیے ہر روز اس پر عمل کیا جاتا۔ آخر اس نے تمھارے انداز میں مکمل طور پر بولنا سیکھ لیا۔"

منظر پھر بدل گیا۔ میری ہم شکل پھر بستر پر لیٹی ہوئی تھی اور تنویمی عمل کے زیرِ اثر تھی۔ سامری کہہ رہا تھا: "اب تم آنکھیں کھولو گی اور بستر سے اٹھو گی لیکن تنویمی عمل کے زیرِ اثر رہو گی۔ تمھارے سامنے بڑے سے اسکرین پر سونیا کی متحرک فلم دکھائی جائے گی۔ سونیا لڑائی کے دوران جس طرح پینترے بدلتی ہے، جس طرح چالاکی دکھاتی ہے، تم وہ سب دیکھتی رہو گی اور اس کی نقل کرتی جاؤ گی۔"

اسکرین پر پروفیسر سامری جو کہہ رہا تھا، اسی کے مطابق تھوڑی دیر بعد منظر تبدیل ہوا۔ میری ہم شکل سونیا نے آنکھیں کھول دی تھیں۔ پھر بستر سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ اس سے کچھ فاصلے پر ایک بڑا سا اسکرین تھا۔ وہاں میری فلم چل رہی تھی۔ بڑی تفصیل سے یہ دکھایا جا رہا تھا کہ میں لڑنے سے پہلے کس طرح پینترے بدلتی ہوں۔ میرے پاؤں کس طرح حرکت کرتے ہیں۔ آنکھیں کس طرح مدِ مقابل پر جمی رہتی ہیں اور میں کس طرح اپنے مقابل کو باتوں میں الجھاتی ہوں اور اس پر حملے کرتی ہوں۔ بعض اوقات توقع کے خلاف حرکتیں کرتی ہوں۔ لڑنے کا موقع آتا ہے تو دشمنوں کو اس فریب میں مبتلا رکھتی ہوں کہ اب تب میں حملہ کرنے والی ہوں مگر اس کے برعکس چالاکی دکھاتی ہوں۔ اپنا کام نکالتی ہوں، ایک ذرا ہاتھ لگائے بغیر دشمنوں کے نرغے سے نکل جاتی ہوں۔

میں اپنی ہم شکل کو ٹی وی اسکرین پر دیکھ رہی تھی۔ وہ اسکرین پر مجھے دیکھ رہی تھی۔ اور میری نقل کرتی جا رہی تھی۔ میں نے سامری سے پوچھا: "کیا یہ سونیا بن کر فرہاد اور بابا صاحب کے ادارے والوں کو بے وقوف بنا سکے گی؟"

سامری نے کہا "ماسٹر کی یقین سے کہتا ہے، وہ ایسا کر سکے گی۔ جب یہ منظر عام پر آئے گی تو صرف فرہاد اور اس کے چاہنے والے ہی نہیں، ماسک مین اور سُپر ماسٹر اور وہ پُراسرار شخص سبھی دھوکا کھائیں گے، اسے سونیا سمجھ کر اس کے پیچھے پڑ جائیں گے۔"

میں نے کہا "خواہ مخواہ اتنا لمبا چکر چلایا جا رہا ہے، اتنی محنت کر کے سونیا تیار کی جا رہی ہے۔ میں ایسی ڈمی کو پلک جھپکتے ہی خاک میں ملا دوں گی۔"

"تمھیں یہ زحمت اٹھانے کی ضرورت نہیں پڑے گی. جس طرح لوہے کو لوہا کاٹتا ہے، اسی طرح ایک ڈمی سونیا کو دوسری ڈمی سونیا کاٹ دے گی۔"

میں نے پوچھا "تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

اس نے کہا "اسکرین پر دیکھو۔"

میں نے ادھر دیکھا۔ وہاں میری ہم شکل کی تصویر دکھائی دے رہی تھی۔ میں نے کہا "یہ تو وہی ڈمی سونیا ہے۔"

"نہیں، یہ دوسری ڈمی ہے۔"

میں نے ناگواری سے پوچھا "کیا سونیاؤں کا بازار لگایا جا رہا ہے؟"

وہ ہنستے ہوئے بولا "میں نے دوسری ڈمی تیار کی ہے جیسا کہ تم سے کہہ چکا ہوں، تم وہاں سے فرار ہونے کے بعد یہاں آئی ہو۔ یہاں سے کہیں اور جاؤ گی اور روپوش رہو گی حتیٰ کہ فرہاد سے بھی نہیں ملو گی۔ تمھاری جگہ میری یہ ڈمی سونیا کام کرے گی۔"

میں نے انکار میں سر ہلا کر کہا "مجھے اس کے کئی پہلوؤں سے انکار ہے۔"

"جہاں تمھیں انکار ہوگا وہاں میں سمجھوتہ کروں گا۔"

میں نے کہا "اوّل تو یہ کہ تمھاری یا کسی کی بھی ڈمی سونیا باباصاحب کے ادارے میں قدم نہیں رکھے گی۔"

"مجھے منظور کرنا پڑے گا۔"

"میری دوسری شرط یہ ہے کہ تم لوگ دو نہیں دو سو ڈمی سونیا تیار کر لو مگر میں فرہاد کو سونیا کی ذات سے دھوکا کھانے نہیں دوں گی۔ لہٰذا جب بھی یہ ڈمیاں منظر عام پر آئیں گی تو فرہاد کو میرے پاس ہونا چاہیے یا مجھے فرہاد کے پاس پہنچ جانا چاہیے۔"

"تم دوسری شرط میں ذرا لچک پیدا کرو۔ اگر فرہاد تم سے ملے گا یا تم فرہاد کے پاس پہنچ جاؤ گی تو پھر قصّہ ہی ختم ہو جائے گا۔ دشمنوں کی نظروں میں تم دونوں اہم مہرے ہو۔ جب ایک جگہ ہو جاؤ گے تو دشمن پیچھے ہٹ جائیں گے۔ میں نے شیطانی چالوں کے لیے شطرنج کی جو بساط بچھائی ہے وہ الٹ پلٹ ہو جائے گی۔"

میں نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا "پروفیسر سامری عرف مسٹر شیطان! آج تک تم شطرنج کی بساط بچھا کر اپنی مرضی سے چالیں چلتے رہے۔ چونکہ تم نے مجھے دوست بنا لیا ہے اپنے کاندھے پر سوار کر لیا ہے، اس لیے تمھارے ساتھ ساتھ میں بھی چالیں چلوں گی۔ بے شک تم ہمارے تمام ساتھیوں کو اپنے مہرے سمجھ کر جس خانے میں چلنا چاہو، چلو لیکن فرہاد کو میں اپنی مرضی سے جس خانے میں چاہوں گی پہنچاؤں گی۔"

پروفیسر سامری اپنی جگہ سے اٹھ کر ادھر سے اُدھر ٹہلنے لگا۔ پھر اس نے کہا "میں تمھیں خوش رکھنا چاہتا ہوں لہٰذا اس بساط پر تم اور فرہاد دو مہرے آزاد ہوں گے اور آزادی سے کسی بھی خانے تک پہنچ سکیں گے۔ باقی جو چالیں میں چلوں گا تم ان پر اعتراض نہیں کرو گی۔"

میں نے اسے مسکرا کر دیکھا، پھر کہا "ہرگز اعتراض نہیں کروں گی لیکن جہاں میرے چاہنے والوں کو نقصان پہنچے گا وہاں میں تمھاری چال کے جواب میں اپنی چال چلوں گی۔"

وہ انکار میں ہاتھ ہلاتے ہوئے بولا "یہ کیا بات ہوئی؟"

"بات یہ ہوئی کہ دنیا بھر کے مہرے تمھارے ہاتھ میں ہیں، میرے ہاتھ میں صرف دو مہرے ہیں۔ ایک میں ہوں، دوسرا فرہاد۔ پھر تم ڈرتے کیوں ہو؟"

"میں شیطان ہوں، کسی سے نہیں ڈرتا۔ تم کیا ڈراؤ گی۔"

"یہ بات ہے تو شطرنج کی بساط پر میری نئی چال سُن لو۔ جب بھی یہ دونوں ڈمی سونیا ایک ساتھ منظر عام پر آئیں گی اس وقت فرہاد کو میرے پاس ہونا چاہیے۔ اگر فرہاد تک پہنچنے میں تم نے کوئی رکاوٹ پیدا کی تو میں دونوں ڈمیوں کا کباڑا کر دوں گی۔"

اس نے میری دونوں شرائط کو تسلیم کر لیا۔ میں اس کمرے سے نکل کر ڈائننگ روم میں آئی۔ سامری کے ملازم نے میز پر کھانا چُن دیا تھا۔ میں نے تھوڑا سا کھایا، پھر تھکن محسوس کرتے ہوئے بیڈ روم میں آ کر لیٹ گئی۔ لیٹنے سے پہلے دروازے اور کھڑکی کو اندر سے بند کر دیا۔ میں دو دن تک کوما میں تھی۔ تیسرے دن نجات حاصل ہوئی تھی۔ اس دوران سوتی رہی تھی یا جاگتی رہی تھی، میں خود نہیں جانتی۔ بستر پر لیٹنے کے چند منٹ بعد ہی میری آنکھ لگ گئی۔

ہم اپنے دن زندگی کی دھوپ چھاؤں سے گزرتے رہتے ہیں۔ آزادی سے اپنے گھر میں سونے کے باوجود انجانے خطرات میں گھرے رہتے ہیں۔ اس لیے ہمیں سونے کے دوران بھی ذہنی طور پر جاگتے رہنے کی عادت ہو گئی ہے۔ میں گہری نیند میں تھی۔ خواب میں پروفیسر سامری کو دیکھا۔ وہ میری طرف دونوں بازو پھیلا کر کہہ رہا تھا "یہ جوانی کے دن ہیں اور تم یہ دن رات سو کر گزارتی ہو یا فرہاد کے انتظار میں۔ بھلا یہ بھی کوئی زندگی ہے۔ میرے پاس آ جاؤ۔"

میں نے کہا "میری دوستی شیطان سے ہو گئی ہے، شیطان بلائے گا تو آؤں گی۔"

وہ خوش ہو کر بولا "میں سامری کے اندر شیطان بول رہا ہوں۔ تم نے آج تک جنّت کا تذکرہ سنا ہے۔ میں نے جو جنّت بنائی ہے وہاں پہنچ جاؤ تو ساری دنیا کو بھول جاؤ گی۔ آؤ میرے پاس آؤ۔"

میں اس کی طرف بے اختیار بڑھنا چاہتی تھی، اچانک میرے جاگتے ہوئے ذہن نے مجھے بیدار کر دیا۔ آنکھ کھل گئی۔ میں کمرے میں تنہا تھی۔ مگر چھٹی حس کہہ رہی تھی، میں اکیلی نہیں ہوں۔ کمرے میں کوئی ہو یا نہ ہو مگر کوئی مجھے دیکھ رہا ہے۔ پھر میری نظر کھڑکی کی طرف گئی۔ کھڑکی کا پردہ ایک طرف سے ذرا سا ہٹا ہوا تھا اور پروفیسر سامری وہاں سے جھانک کر مجھے دیکھ رہا تھا۔

میں نے سونے سے پہلے کھڑکی بند کی تھی۔ پتا نہیں کیسے کھل گئی تھی یا کھول دی گئی تھی۔ میں نے چپکے سے شیطان کو مخاطب کیا "اے شیطان! میرے اندر جذبے مچل رہے ہیں کیا تو میرے پاس ہے؟"

وہ بولا "ہاں، میں تمھارے پاس ہوں۔"

"کیا تم چاہتے ہو کہ میں پروفیسر سامری کے پاس چلی جاؤں؟"

وہ خوش ہو کر بولا "واہ سونیا! اس طرح تم مجھے خوش کر دو گی۔ شیطان اور چاہتا کیا ہے؟"

"تو پھر میری ایک بات مانو۔ جب تک میں سامری کو کمرے کے اندر نہ بلاؤں، تم میرے پاس نہ رہو۔ تمھیں یہ سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے کہ ایسے وقت عورت شرماتی ہے اور کسی کی موجودگی برداشت نہیں کرتی۔"

اس نے خوش ہو کر کہا "فکر نہ کرو، میں جا رہا ہوں۔ پروفیسر سامری کے پاس رہوں گا۔"

پھر میں نے اپنے آپ کو ہلکا پھلکا سا محسوس کیا۔ جذبے سرد پڑ گئے کیوں کہ شیطان میرے اندر سے چلا گیا تھا۔ میں نے کھڑکی کی طرف دیکھا، کھڑکی کے پاس ہی دروازہ تھا۔ دروازے کے پاس ایک سوئچ بورڈ تھا۔ اگر میں وہاں جا کر لائٹ آف کر دیتی تو اندھیرا چھا جاتا۔ پروفیسر سامری کو کچھ نظر نہ آتا۔ وہ آنکھیں رکھتے ہوئے بھی وقتی طور پر اندھا ہو جاتا۔

میں نے پھر کھڑکی کی طرف دیکھا اور ایک بھرپور انگڑائی لی۔ پروفیسر سامری کی باچھیں کھل گئیں۔ میں بستر سے اتر کر ایک ادائے ناز سے چلتی ہوئی کھڑکی کے پاس آئی۔ پھر مسکرا کر بولی۔ "دروازہ کھولوں؟"

وہ خوش ہوتے ہوئے بولا "تم دروازے کو پوچھ رہی ہو، میں نے تو اپنا دل کھول کر رکھ دیا ہے۔"

"تو پھر دیر کس بات کی ہے، آؤ۔"

وہ کھڑکی سے ہٹ کر دروازے کی طرف گیا۔ میں نے کمرے کی بتّی بجھا دی۔ کھڑکی کا پردہ ذرا سا ہٹا ہوا تھا، برآمدے کی روشنی ذرا سی اندر آ رہی تھی ورنہ کمرے میں تاریکی چھا گئی تھی۔ میں نے فوراً ہی دروازہ نہیں کھولا۔ وہ بے چین سا ہو کر بولا "دروازہ کھولو۔"

"کھول رہی ہوں۔ تم سمجھتے کیوں نہیں، میں عورت ہوں، پہلے شرماتی ہوں۔"

"ہاں، ہاں۔ ابھی شیطان میرے پاس آ کر کہہ رہا تھا، تم شرما رہی ہو۔"

چند سیکنڈ تک خاموشی رہی۔ پھر اس سے رہا نہ گیا۔ اس نے ہولے سے دستک دیتے ہوئے کہا "بھئی کب تک شرماؤ گی۔ میں تو تمھارا اپنا ہوں۔"

"ہائے میرے اپنے، میرے پیارے سامری تم اب تک کہاں تھے؟"

"میری پیاری سونیا! محبت کی یہ باتیں دروازہ کھول کر بھی کر سکتی ہو۔"

"اوہ، میں تو بھول ہی گئی تھی۔ یہ لو، کھول رہی ہوں۔"

میں نے دروازے کو ایک جھٹکے سے کھول دیا۔ برآمدے کی روشنی ذرا اندر آئی۔ پروفیسر سامری دلوانہ وار آگے بڑھا اور اپنا ہاتھ میری طرف بڑھایا۔ میں نے ایک ہاتھ سے سوئچ آن کیا۔ دوسرے ہاتھ سے تار کے ننگے سرے کو اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ یکبارگی اس کے حلق سے چیخ نکلی۔ اس نے اس خیال سے مٹھی باندھی تھی کہ میری کلائی

ہاتھ آگئی ہے لیکن بدحواسی میں وہ مٹھی کھولنا بھول گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کئی بار اسے بجلی کے جھٹکے لگے۔ کئی بار وہ تھرایا، چیخیں نکلیں۔ اس کے بعد جھٹکا کھا کر پیچھے چلا گیا۔ میں نے سوئچ کو آف کیا۔ پھر دروازے کو بند کر دیا۔ باہر اس کے کراہنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ میں نے کمرے کی لائٹ آن کر دی۔ کمرا روشن ہوگیا۔ میں کھڑکی کے پاس آئی۔ پھر پردے کو ہٹا کر دیکھا، وہ برآمدے کے فرش پر پڑا ہوا گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ جیسے ہی مجھ پر نظر پڑی، میں نے پوچھا۔ "دروازہ کھولوں؟"

پھر جو اس کی زبان سے مغلظات کا لاوا ابلنا شروع ہوا ہے تو میں نے دونوں کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں۔ کھڑکی کے پاس سے ہٹ کر بستر پر جاتے ہوئے شیطان کو مخاطب کیا۔ اس نے کہا "حاضر ہوں۔"

"اپنے شاگرد کو سمجھاؤ۔ عورتوں کی طرح گالیاں بکنے سے کیا ملے گا۔ مرد کی طرح میرے پاس آئے، میں دروازہ کھولتی ہوں۔"

"اب تو اس کا باپ بھی نہیں آئے گا۔ میں سمجھ رہا تھا، تم دروازہ کھولتے ہی اس پر حملہ کرو گی۔ دونوں کے درمیان مقابلہ ہوگا۔ یا تو وہ غالب آئے گا یا تم اس پر غالب آجاؤ گی۔"

"میں خود کو تھکا دینے کی عادی نہیں ہوں۔"

"تم کیا چیز ہو سونیا! میں نے ایک بار پروفیسر ناگری کے ذریعے اعلیٰ بی بی کے کمرے میں داخل ہونے کی کوشش کی تھی۔ پتا چلا، اس نے اسم اعظم پڑھا ہے۔ میں اس کی تنہائی میں نہیں جاسکوں گا۔ ایک بات کا جواب دو۔ تم نے اسم اعظم کیوں نہیں پڑھا؟"

میں نے جواب دیا "وہ اعلیٰ بی بی ہے، میں سونیا ہوں۔ اس نے اسمائے عظیم کا ورد کیا اور میں رب عظیم کی دی ہوئی عقل استعمال کرتی ہوں۔ ہم سب اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے سر جھکاتے ہیں۔ مگر ہمارے طریقۂ کار مختلف ہوتے ہیں۔ اعلیٰ بی بی نے دعا سے تحفظ حاصل کیا، میں دوا سے حاصل کر چکی ہوں۔"

میں نے بستر پر لیٹتے ہوئے کہا "چونکہ تم دوست بن گئے ہو اس لیے لاحول نہیں پڑھوں گی۔ خود ہی شرافت سے دفع ہو جاؤ۔ میں سونے جارہی ہوں۔"

وہ چلا گیا۔ میں نے کروٹ بدل کر آنکھ بند کی۔ چند منٹ کے بعد گہری نیند میں ڈوب گئی مگر ذہن اسی طرح جاگتا رہا۔ میں شیطان کے گھر میں تھی۔ دانشمندی کا تقاضا تھا کہ ایک آنکھ سے سوتی رہوں، دوسری آنکھ سے جاگتی رہوں۔

میں صبح دیر تک آرام سے سوتی رہی۔ بہت عرصے بعد ایسی نیند میسر ہوئی تھی۔ بیدار ہو کر میں نے غسل وغیرہ کیا۔ لباس تبدیل کرنے کے بعد ناشتا کرنے بیٹھی تو اچانک خطرے کی گھنٹی سنائی دی۔ شیطان نے بتایا کہ میں ماسٹر کِی کی گرفت میں آنے والی ہوں۔

میں نے غصے سے کہا "تم بہت دوغلے ہو۔ میرے پاس آکر دوستی کا بھرم رکھتے ہو اور ادھر میرے دشمنوں کے لیے کام کرتے ہو۔ بھلا ماسٹر کِی کو کیسے معلوم ہوگیا کہ میں کہاں ہوں اور کس حلیے میں ہوں؟"

"سونیا مجھ پر شبہ نہ کرو۔ میں تمھارا بہترین دوست ہوں۔ تمھیں خطرے سے آگاہ کرنے آیا ہوں۔ جب طیارہ تباہ ہوا تھا اور تم بے ہوش ہوگئی تھیں تو پُراسرار شخص کے آدمی تمھیں وہاں سے لے گئے تھے۔ مگر تمھاری ایک اٹیچی وہاں رہ گئی تھی جو ماسٹر کِی کے آدمیوں کے ہاتھ لگی۔ اس اٹیچی میں تمھارا ایک استعمال شدہ کپڑا تھا۔ وہ کپڑا شکاری کتوں کو سنگھایا گیا ہے۔ دیکھو دیکھو، ذرا غور سے سنو۔ کتوں کے بھونکنے کی آوازیں آرہی ہیں۔"

میں ایک دم سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ کھڑکی کے پاس کان لگا کر سنا تو واقعی دور بہت دور کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں اور وہ آوازیں رفتہ رفتہ قریب آتی جارہی تھیں۔ میں کھڑکی کے پاس سے پلٹ گئی۔ پروفیسر سامری کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر نفرت سے واپس جانے لگا۔ میں نے کہا "پروفیسر! پلیز ایک منٹ۔ مجھے اپنی گاڑی کی چابی دو۔"

اس نے نفرت سے دیکھتے ہوئے کہا "تم شیطان سے مل کر مجھے اُلّو بنا رہی ہو۔ کل رات تم نے جو سلوک میرے ساتھ کیا، میں کبھی بھلا نہیں سکوں گا۔ تم میری گاڑی کی چابی مانگ رہی ہو۔ میں اس گھر کی بھی چابی تمھیں نہیں دوں گا۔ جتنی جلدی ہو سکے، یہاں سے نکل جاؤ۔"

میں نے تنبیہ کے انداز میں اسے انگلی دکھاتے ہوئے کہا "سامری! جو میری مصیبت میں کام نہیں آتا، میں اس کے لیے مصیبت بن جاتی ہوں۔ شکاری کتے میرے تعاقب میں آرہے ہیں۔ مجھے یہاں سے فرار ہونا ہے اور تمھاری گاڑی کی سخت ضرورت ہے۔ میں اپنے کمرے میں ضروری سامان لینے جارہی ہوں۔ ایک منٹ میں واپس آؤں گی۔ اس وقت مجھے چابی مل جانا چاہیے۔"

میں اپنے کمرے میں گئی۔ ایک بیگ لیا۔ اس میں ضروری سامان رکھا پھر کمرے سے نکلنا ہی چاہتی تھی کہ گاڑی کی آواز سنائی دی۔ میں نے تیزی سے دوڑتے ہوئے برآمدے میں آکر دیکھا تو وہ گاڑی اسٹارٹ کرکے آگے جاچکا تھا اور تیز رفتاری سے ڈرائیو کرتے ہوئے بنگلے کے احاطے سے باہر چلا گیا تھا۔ میں فوراً ہی پلٹ کر اس کے کمرے میں گئی۔ شیطان نے پوچھا "تم کیا کر رہی ہو؟"

میں نے کہا "بکواس مت کرو۔ جب تم نے پروفیسر سامری کو گاڑی لے جانے سے نہیں روکا تو یہ بھی مت پوچھو کہ میں کیا کرنے جارہی ہوں۔ چلے جاؤ میرے پاس سے ورنہ دوستی کا خیال نہیں کروں گی اور لاحول پڑھوں گی۔"

وہ چلا گیا۔ دراصل شیطان ایسا زبردست نہیں ہوتا جیسا کہ اسے بنایا گیا ہے۔ شیطان کی کمزوری کی کھلی دلیل یہ ہے کہ وہ ازل سے انسان کے اندر رہ کر اسے بہکاتا ہے مگر آج تک انسانوں کی اکثریت کو شیطان نہیں بنا سکا۔ اگر انسانی تاریخ میں دو چار انسان مکمل شیطان کے روپ میں آئے ہیں تو یہ شیطان کی کامیابی نہیں ہے اور نہ ہی اس کے زبردست ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

کتوں کے بھونکنے کی آواز اور قریب آتی جارہی تھی۔ میں دوڑتی ہوئی اپنے کمرے میں آئی۔ وقتی طور پر اپنے بچاؤ کے لیے تدبیر ذہن میں آگئی تھی۔ بہت عرصہ پہلے جب فرہاد سے میری دشمنی تھی اور میں ماسٹر لیوشے کے لیے کام کرتی تھی اور مجھ میں سونگھنے کی بے پناہ صلاحیت تھی تو میں فرہاد کی بو سونگھ کر اس کا تعاقب کیا کرتی تھی۔ ایسے وقت فرہاد نے اپنے بچاؤ کے لیے اپنے جسم پر بارہا خوشبو اسپرے کی تھی جس کے نتیجے میں وہ خوشبو اس کے جسم پر اس قدر چھا جاتی تھی کہ قدرتی بو چھپ جاتی تھی۔ اور میں تعاقب کرتے کرتے رک جاتی تھی۔ پھر مجھے اس کا سراغ نہیں ملتا تھا۔

میں نے ڈریسنگ ٹیبل پر سے پرفیوم کی بوتل اٹھائی پھر اسے اپنے بدن پر اسپرے کرنے لگی۔ اس کے بعد بوتل کو بیگ میں رکھ لیا۔ وہاں سے باتھ روم میں گئی۔ جو کپڑے میں نے اتارے تھے انھیں سمیٹ کر واشنگ مشین میں ڈال دیا۔ اسے آن کیا۔ تھوڑی دیر تک وہاں کھڑی رہی۔ جب اطمینان ہوگیا کہ پانی اور صابن وغیرہ میں کپڑوں سے خارج ہونے والی بو مل ہوگئی ہے اور اب وہ فضا میں نہیں پھیلے گی تو میں نے مشین کو آف کر دیا۔ وہاں سے نکل کر مختلف کمروں سے گزرتے ہوئے اس بنگلے کے برآمدے میں پہنچی۔ اس وقت تک وہ کتے بنگلے کے قریب آگئے تھے۔

انھوں نے بھونکنا بند کر دیا تھا۔ کبھی آسمان کی طرف منہ اٹھاتے تھے اور کبھی اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے آہستہ آہستہ غرّاتے تھے۔ میری بُو گم ہوگئی تھی۔ وہ فضا میں نتھنے پھیلا پھیلا کر سونگھ رہے تھے۔ میرا سراغ لگانے کی کوشش کر رہے تھے۔

اگر میں ذرا بھی چوک جاتی تو وہ بنگلے کو چاروں طرف سے گھیر لیتے۔ پھر میں لاکھ پرفیوم استعمال کرتی، خوشبوؤں میں چھپ جانے کی کوشش کرتی، کتوں کے ساتھ آنے والے دشمن سمجھ لیتے کہ میں کتوں سے بچنے کے ہتھکنڈے استعمال کر رہی ہوں۔ فی الحال کوئی مجھ پر شبہ نہیں کر رہا تھا۔

میں نے دیکھا، ایک گاڑی کے پچھلے حصے میں آہنی کٹہرا سا بنا ہوا تھا جس کے اندر چار کتے نظر آرہے تھے۔ دوسری گاڑی کی چھت کے اوپر چھوٹا سا آہنی کٹہرا تھا، اس میں دو کتے دکھائی دیے۔ اور گاڑی کی چھت پر بھی دو کتے بیٹھے تھے۔ ان کی زنجیریں ایک شخص کے ہاتھ میں تھیں۔ ان کتوں کو کٹہرے میں نہیں رکھا گیا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ وہ میری بُو پاتے ہی میری طرف دوڑ پڑیں مگر اس طرح کہ ان کی زنجیریں اس شخص کے ہاتھ میں رہتیں۔ اس کے ساتھ کچھ اور دشمن بھی میری طرف آتے اور مجھے زندہ گرفتار کرنے کی کوشش کرتے۔ اگر میں فرار ہونا چاہتی تو آہنی کٹہروں کے باقی کتوں کو آزاد کر دیا جاتا۔ پھر وہ چاروں طرف سے مجھے گھیر کر، بھنبھوڑ کر فرار ہونے کے قابل نہ چھوڑتے۔

میں برآمدے سے پلٹ کر بنگلے کے اندر آئی پھر پچھلے دروازے سے نکل گئی۔ باہر آتے ہی تیزی سے چلتے ہوئے پچھلی سڑک پر پہنچ گئی۔ مجھے اس بات کا خیال تھا کہ کھلی فضا میں زیادہ دیر رہوں گی تو میرے بدن پر اسپرے کی ہوئی خوشبو اڑ جائے گی۔ پھر میری اپنی بُو کتوں تک پہنچنے لگے گی۔ اس خیال سے تیز قدم اٹھاتی جارہی تھی۔ اس راستے پر اکا دکا گاڑیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ میں نے ایک گاڑی والے کو لفٹ حاصل کرنے کا اشارہ کیا مگر وہ تیزی سے ڈرائیو کرتا ہوا گزر گیا۔ پھر ایک موٹر سائیکل والا دکھائی دیا۔ اس سے پہلے کہ میں اشارہ کرتی، وہ خود ہی میرے پاس رک گیا۔ وہ نوجوان تھا۔ بھلا کیسے نہ رکتا۔ مجھے دیکھ کر بولا "ہیلو سوئٹی۔"

میں شانے سے بیگ لٹکا کر گاڑی کے پاس آئی پھر اس کے پیچھے بیٹھ گئی۔ اس نے پیچھے کی طرف سر گھما کر مجھے دیکھتے ہوئے کہا "جانِ من! ذرا لگ کر بیٹھو۔"

میں نے دونوں ہاتھ اس کی کمر پر رکھے۔ پھر دونوں سے

انگوٹھوں کو اس کی ریڑھ کی ہڈی پر رکھ کر اچانک دباؤ ڈالا تو اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ میں نے کہا۔ ”بعض لڑکیاں لگتے ہی جھٹکا پہنچاتی ہیں۔“

تکلیف کی شدت سے اس کے دونوں ہاتھ موٹر سائیکل کے ہینڈل پر سے اٹھ گئے تھے۔ وہ سنبھلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر اس نے ایک ہاتھ کی کہنی مارنا چاہی۔ میں نے اس کی ریڑھ کی ہڈی پر اور دباؤ ڈالا۔ وہ اور زیادہ چیخنے لگا۔ میں نے ایک ہاتھ سے اس کی گردن پکڑی۔ دوسرے ہاتھ سے اس کی ایک ٹانگ پکڑ کر گاڑی پر سے الٹا دیا۔ وہ سڑک کے کنارے گرا پھر لڑھکتا ہوا ایک درخت سے ٹکرا گیا۔

آج کل کے نوجوان ڈسکو میں کمر بہت ہلاتے ہیں مگر کمر کے مضبوط نہیں ہوتے۔ وہ ایک ہاتھ سے اپنی کمر تھامے تکلیف سے کراہ رہا تھا۔ اٹھنے کی ہمت نہیں تھی۔ میں نے گاڑی اسٹارٹ کی پھر یہ جا اور وہ جا۔

کچھ دور جانے کے بعد میں نے موٹر سائیکل بائیں راستے پر موڑ لی۔ پھر اس راستے پر گاڑی کو موڑ لیا جو ہمارے بنگلے کے سامنے سے گزرتا تھا۔ اور جدھر میں نے شکاری کتوں سے بھری ہوئی گاڑیاں دیکھی تھیں۔ ذرا آگے جا کر میں نے وہ گاڑیاں دیکھیں۔ ان کا رخ میری ہی طرف تھا لیکن ابھی میرے بدن پر خوشبو باقی تھی۔ میں نے دور ہی سے دیکھ لیا تھا کتے میری طرف منہ کر کے نہیں بھونک رہے تھے۔ میں نے گاڑی کی رفتار بڑھائی اور ان کی طرف جانے لگی۔

شیطان نے اچانک ہی مخاطب کیا۔ ”مانا کہ تم دلیر ہو۔ مگر جان بوجھ کر جان کو خطرے میں ڈالنا دلیری نہیں حماقت ہے۔ بھلا کتوں کی طرف جانے کی کیا ضرورت ہے۔“

”مسٹر شیطان! میں تمھیں پہلی اور آخری بار سمجھاتی ہوں، مجھ سے اجازت لیے بغیر نہ آیا کرو اور اچانک مخاطب نہ کیا کرو۔“

”آئندہ اجازت لے کر آؤں گا۔“

”میں اگلے چار گھنٹوں تک تمھیں آنے کی اجازت نہیں دوں گی۔“

اس دوران وہ کتوں والی گاڑیاں میرے قریب آگئی تھیں۔ میں رفتار بڑھاتے ہوئے ان کے قریب سے گزرتی ہوئی آگے نکل گئی۔ شیطان نے پوچھا۔ ”اس کا مطلب یہ ہے کہ اگلے چار گھنٹوں میں تم کوئی ایسی شرارت کرنے والی ہو جس سے سامری کو نقصان پہنچے گا۔“

”میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا۔ وہ مجھے مصیبت میں [illegible] کر جائے گا تو خود مصیبت میں مبتلا ہو گا۔“

”نہیں سونیا! نہیں۔ تم کوئی لمبا چکر چلا رہی ہو، دیکھو میں اسے نقصان پہنچتے نہیں دیکھنا چاہتا۔“

”اور مجھے نقصان پہنچتے دیکھنا چاہتے ہو؟“

”بالکل نہیں، اگر تم اپنی چالاکی دکھا کر وہاں سے [illegible] نہ ہوتیں تو میں تمھارے بچاؤ کے لیے کوئی دوسری تدبیر [illegible] میں مانتا ہوں تمھارا دماغ کمپیوٹر سے زیادہ تیز ہے، میں [illegible] تیزی سے مصیبت میں مبتلا نہیں کر سکتا جتنی تیزی سے [illegible] کا راستہ ڈھونڈ نکالتی ہو۔“

”تم مجھے باتوں میں الجھا کر معلوم کرنا چاہتے ہو کہ [illegible] اگلے چار گھنٹوں کے اندر کیا کرنے والی ہوں۔ تم جا [illegible] یا نہیں۔“

”ناراض کیوں ہوتی ہو۔ جا رہا ہوں مگر یاد رکھو [illegible] پاس شیطانی دماغ ہے۔ میں پروفیسر سامری کو تمھارے [illegible] سے بچا لوں گا۔“

وہ چلا گیا۔ میں اس سڑک کے آخری سرے پر [illegible] رک گئی۔ پلٹ کر دیکھا تو دور جانے والی گاڑیاں بھی [illegible] تھیں۔ اور اب چھت پر بیٹھے ہوئے دو آزاد کتے [illegible] طرف رخ کر کے بھونک رہے تھے۔ اس کا مطلب [illegible] کہ میرے بدن سے خوشبو زائل ہو گئی تھی۔

اس سڑک پر خاصا ٹریفک تھا۔ کتے اگرچہ [illegible] رخ کر کے بھونک رہے تھے لیکن ان کے ساتھ آنے [illegible] دشمن مجھ پر شبہ نہیں کر سکتے تھے۔ اس راستے پر شبہ کرنے [illegible] لیے بہت سے لوگ تھے۔ میں نے پھر گاڑی اسٹارٹ [illegible] اور تیزی سے ڈرائیو کرتی ہوئی دور جانے لگی۔ [illegible] انھوں نے گاڑیاں موڑ لی تھیں اور اسی طرف آ رہے [illegible] جس طرف کتے منہ اٹھا کر بھونکتے جا رہے تھے۔

میں آج صبح دیر تک سوتی رہی تھی۔ بیدار ہو [illegible] بعد غسل وغیرہ کر کے لباس تبدیل کرنے کے بعد نا [illegible] بیٹھی تو گیارہ بج رہے تھے۔ مجھے ایک لقمہ بھی [illegible] نصیب نہیں ہوا۔ یہ کتے میرے پیچھے پڑ گئے تھے [illegible] ایک بج رہا تھا۔ مجھے بھوک لگ رہی تھی۔ میں [illegible] بیگ میں سے رومال نکالا۔ چہرے اور گردن کو پونچھ [illegible] ایک طرف پھینک دیا۔ بہت دور جا کر ایک ریستوران [illegible] سامنے گاڑی روکی پھر اندر جا کر ایک کیبن میں بیٹھ [illegible] کا آرڈر دیا۔ اس کے بعد بیگ میں سے بوتل نکال [illegible] پر خوشبو کو اسپرے کر لیا۔

بہت قریب سے کتوں کے بھونکنے کی آواز آ رہی تھیں [illegible] ریستوران کے دروازے تک پہنچ گئے تھے۔ ایک شخص اندر [illegible] ہو کر ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ پھر اپنے ساتھی سے کہہ رہا [illegible] ”وہ یقیناً یہاں آئی ہے۔“

کتوں کو کنٹرول کرنے والے شخص نے کہا۔ ”ادھر نہیں [illegible] دیکھو یہ رخ بدل کر بھونک رہے ہیں۔ ہمیں اسی سمت [illegible] ہو گا۔“

پہلے شخص نے جھنجلا کر کہا۔ ”کیا مصیبت ہے۔ یہ کتے [illegible] طور پر تربیت یافتہ نہیں ہیں۔ ہمیں خواہ مخواہ بھٹکا [illegible] ہے ہیں۔“

وہ بڑبڑاتا ہوا ریستوران سے باہر گیا۔ اب کتوں کے [illegible] بھونکنے کی آواز دور ہوتی جا رہی تھی۔ یقیناً وہ ادھر جا رہے [illegible] جدھر میں نے رومال پھینکا تھا۔ میرا مطلوبہ کھانا میز [illegible] آ گیا تھا۔ میں اطمینان سے کھانے لگی۔

میں نے پیدا ہوتے ہی کتوں کے درمیان زندگی [illegible] گزارنا شروع کی تھی۔ بارہ برس تک کتوں کے ساتھ رہ کر تجربہ کیا گیا کہ انسان پر کتوں کے اثرات کیا پڑ سکتے ہیں۔ تجربہ یہ ہوا کہ مجھ میں ان کی طرح سونگھنے کی حس پیدا ہو گئی [illegible] میں آج بھی ان کی عادات اور ان کے مزاج کو خوب سمجھتی ہوں۔ انسان ہوں یا حیوان، دونوں ہی خوشبو اور بدبو پوری طرح محسوس کرتے ہیں یعنی حیوان میں بھی خوشبو سے متاثر ہونے کی حس ہوتی ہے اسی لیے میں ان کتوں کے سامنے سے دو بار خوشبو لگا کر گزر چکی تھی تاکہ وہ میری اس خوشبو کے عادی ہو جائیں اور کسی وقت میں ان کے قریب جاؤں تو وہ اس خوشبو سے متاثر رہیں۔

میں نے نہایت اطمینان سے کھانا ختم کیا۔ پھر مجھے اسی شخص کی آواز سنائی دی۔ وہ کاؤنٹر کے پاس جا کر پوچھ رہا تھا۔ ”یہاں بیس پچیس منٹ پہلے ایک عورت آئی تھی۔ کیا [illegible] جا چکی ہے؟“

کاؤنٹر مین نے کہا۔ ”پچیس منٹ کے اندر کتنی ہی عورتیں آئیں اور چلی گئیں۔ ہم یہ حساب نہیں رکھتے۔“

میں اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ بیگ کو شانے سے لٹکایا۔ پھر کیبن سے نکل کر گرین روم کی طرف جانے لگی۔ اسی وقت اس شخص کی نظر مجھ پر پڑی۔ میں نے اسے نظر انداز کیا اور اس گرین روم کی طرف جانے لگی جو ریستوران میں آنے والی عورتوں کے لیے مخصوص ہوتا ہے۔ جہاں عورتیں لباس اور میک اپ درست کرنے کے لیے جاتی ہیں۔ میں اس کمرے میں پہنچ کر آئینے کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ آئینے میں وہ نظر آیا۔ دروازے پر کھڑا ہوا تھا۔ پھر اس نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ ”جیسے ہی تم کیبن سے نکلیں، تمھارے لباس سے اٹھنے والی خوشبو نے متوجہ کر لیا۔ بڑی تیز خوشبو استعمال کرتی ہو۔“

میں نے پلٹ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ ”میں اتنی حسین نہیں ہوں کہ دیکھنے والے مجھے دیکھتے ہی رہ جائیں للذا متوجہ کرنے کے لیے تیز خوشبو استعمال کرتی ہوں۔ میں نے دو ڈالر میں یہ پرفیوم خریدا تھا۔ میری رقم ضائع نہیں ہوئی۔ تم سے وصول کر لوں گی۔“

اس نے اچانک ہی جیب سے چاقو نکالا پھر اسے ایک جھٹکے سے کھولتے ہوئے کہا۔ ”میں تمھارے چہرے کو دیکھنا چاہتا ہوں، یہ اصلی ہے یا نقلی۔“

اس کے پاس ریوالور بھی تھا لیکن وہ ایسا ہتھیار استعمال نہیں کرنا چاہتا تھا جس سے ریستوران میں ہنگامہ برپا ہو جائے۔ وہ میرے سامنے آیا پھر چاقو کی نوک میری ٹھوڑی کے نیچے حلق سے لگا دی۔ دوسرے ہاتھ سے چہرے کو چھو کر دیکھنا چاہتا تھا، میں نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔ زبان سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میرے چونکنے کے انداز نے اسے بھی ادھر دیکھنے پر مجبور کر دیا۔ بس اتنی سی مہلت کافی تھی۔ میں نے چاقو والے ہاتھ کو پکڑا، کلائی کو گرفت میں لیتے ہی اسے ایک طرف جھٹکا دیا۔ جوڈو کا داؤ استعمال کیا۔ وہ میرے پاس سے ہوتا ہوا قلابازی کھاتا ہوا سنگھار میز کے آئینے سے جا کر ٹکرایا۔ چاقو ہاتھ سے چھوٹ چکا تھا۔ میں نے اسے اٹھا کر بند کیا مگر اس کے دستے سے ایک زبردست ضرب لگائی۔ وہ آئینے سے ٹکرا کر گرنے کے بعد اٹھنا چاہتا تھا۔ پھر کراہتے ہوئے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام کر فرش پر جھکنے لگا۔ میں نے دوسری ضرب لگائی۔ وہ فرش پر چپ چاپ لیٹ گیا۔ خواہ مخواہ قتل کرنا مناسب نہیں تھا۔ اسے بے ہوش کر دینا ہی کافی تھا۔

میں نے اس کی جیبیں ٹٹولیں۔ اچھی خاصی رقم موجود تھی۔ میں نے صرف پچیس ڈالر نکال لیے اور گرین روم سے نکل کر اس کے دروازے کو باہر سے بند کیا۔ پھر ریستوران کے حصے میں آئی۔ ویٹر نے میری طرف بل بڑھایا۔ بیس ڈالر کا بل تھا۔ میں نے پچیس ڈالر دے دیے۔ ویٹر نے خوش ہو کر شکریہ ادا کیا۔ میں کچھ نہ کہہ سکی۔ بعض اوقات شکریے کے الفاظ غلط جگہ پہنچ جاتے ہیں۔ میں شانے سے بیگ لٹکائے ریستوران سے باہر

آگئی۔ اپنی گاڑی پر آکر بیٹھ گئی۔ کتوں سے بھری ہوئی گاڑیاں ذرا فاصلے پر کھڑی ہوئی تھیں۔ اس شخص کا انتظار تھا جو ریستوران میں گیا تھا۔ میں نے اپنی گاڑی اسٹارٹ کی، پھر وہاں سے دور نکل گئی۔

دس منٹ کے بعد میں ایک کارنیوال میں پہنچ گئی۔ وہاں طرح طرح کے تماشے ہو رہے تھے۔ لوگوں کی اچھی خاصی بھیڑ تھی۔ میں نے اس بھیڑ میں اپنے بدن پر اسپرے نہیں کیا۔ وہ خوشبو جو دوسری بار میں نے اسپرے کی تھی، زائل ہو چکی تھی۔ یقیناً کتے بھونکتے ہوئے میرے دشمنوں کو ادھر لا رہے ہوں گے۔ میں کارنیوال کے گیٹ کے پاس کھڑی ہوئی تھی۔ مجھے وہ کتوں سے بھری ہوئی گاڑیاں نظر آگئیں لیکن وہ گاڑیوں کو کارنیوال کے احاطے میں نہ لا سکے۔ وہاں کی انتظامیہ نے کتوں کو اندر لانے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا۔ مجبوراً انھوں نے گاڑیوں کو باہر روکا۔ پھر میری تلاش میں احاطے کے اندر آگئے۔ وہ تعداد میں تین تھے۔ میں نے حساب لگایا ایک آہنی کٹہرے میں چار کتے تھے۔ دوسرے چھت والے کٹہرے میں دو کتے دکھائی دیے تھے اور دو کتے آزاد تھے یعنی ان کی تعداد آٹھ تھی۔ اگر دو کتوں کو ایک آدمی کنٹرول کرتا تھا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ میرے چار دشمن تھے جن میں سے ایک نظر نہیں آرہا تھا۔ یقیناً اسے بے ہوشی کی حالت میں اسپتال پہنچا یا گیا ہو گا۔

جب وہ تینوں دشمن مجھے تلاش کرتے ہوئے کارنیوال کے دوسرے حصے میں چلے گئے تو میں نے بیگ سے بوتل نکال کر تھوڑی سی خوشبو اپنے اوپر اسپرے کی۔ پھر کارنیوال سے باہر آگئی۔ کتوں نے بھونکنا بند کر دیا تھا۔ غرا رہے تھے یا پھر نتھنے پھیلا کر فضا میں سونگھنے کی اور مجھے ڈھونڈنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ دو کتے جو آزادانہ گاڑی کی چھت پر نظر آئے تھے، اب انھیں بھی بڑے کٹہرے میں بند کر دیا گیا تھا۔ کیوں کہ ان کو کنٹرول کرنے والا کارنیوال کے اندر چلا گیا تھا۔ وہاں تین گاڑیاں تھیں اور صرف ایک ڈرائیور نظر آرہا تھا۔

میں نے پارکنگ لاٹ سے اپنی موٹر سائیکل نکالی پھر اسے اسٹارٹ کر کے گاڑی کے قریب آئی۔ ڈرائیور نے میری جانب دیکھا۔ میں نے اس کی طرف ایک ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا "ہیلو، میری تلاش کر رہے ہو۔ وہ تین بے وقوف کارنیوال کے اندر بھٹکنے گئے ہیں۔ اگر ان کا انتظار کرو گے تو مجھے گرفتار نہیں کر سکو گے۔"

یہ کہتے ہی میں نے گاڑی کو ذرا آگے بڑھایا۔ اس کے لیے سوچنے سمجھنے کا موقع نہیں تھا۔ یہ بات میں نے اس کے دماغ میں ڈال دی تھی کہ اپنے ساتھیوں کا انتظار کرے گا تو ہاتھ سے نکل جاؤں گی۔ اس نے فوراً گاڑی اسٹارٹ کی اور میرے پیچھے لگ گیا۔

مجھے ان تینوں کی طرف سے اطمینان تھا۔ وہ کارنیوال اتنا بڑا تھا اور وہاں اتنی بھیڑ تھی کہ مجھے تلاش کرنے میں ایک گھنٹا تو ضرور لگ جاتا۔ انھوں نے ریستوران والوں سے میرے حلیے اور میرے لباس کے متعلق پوچھا ہو گا اور اسی حوالے سے تلاش کر رہے ہوں گے۔

میں تیز رفتاری سے موٹر سائیکل دوڑاتی جا رہی تھی۔ وہ اپنی بڑی سی گاڑی میں بیٹھا تعاقب کر رہا تھا۔ ہم ایک راستے پر جا رہے تھے جس کے اطراف دور دور تک کھیت اور مویشیوں کے فارم نظر آرہے تھے۔ آگے جا کر ایک اور راستہ کھیتوں کے درمیان سے گزرتا ہوا دکھائی دیا۔ میں نے اس راستے کو اختیار کیا۔ میرا تعاقب کرنے والا بھی اسی راستے پر مڑ گیا۔ بہت دور جانے کے بعد میں نے موٹر سائیکل روک دی پھر یوں اسے چیک کرنے لگی جیسے کوئی خرابی پیدا ہو گئی ہو۔

وہ گاڑی مجھ سے کچھ فاصلے پر رک گئی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا۔ ڈرائیو کرنے والا اسٹیئرنگ سیٹ سے اتر رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ اس نے میری طرف بڑھتے ہوئے کہا "زیادہ اسمارٹ بننے کی کوشش نہ کرنا۔ میں ذرا بھی چھوٹ نہیں دوں گا۔ چالاکی دکھاؤ گی تو مُردہ بنا کر یہاں سے لے جاؤں گا۔"

"تمھارا ماسٹر کبھی میری لاش دیکھ کر تمھاری بھی لاش گرا دے گا۔ اسے سونیا ہر حال میں زندہ چاہیے۔"

میں نے اپنے شانے سے بیگ اتارا۔ اس نے ڈانٹ کر کہا "خبردار، ذرا بھی حرکت نہ کرنا۔"

"حرکت میں برکت ہے، یہ بیگ میرے لیے بوجھ ہے تم سنبھالو۔"

یہ کہتے ہی میں نے بیگ اس کی طرف اچھالا۔ ایک ساعت کے لیے اس کا دھیان بیگ کی طرف گیا اور میری نظر اس کے ریوالور پر پڑی۔ اگر اس کے ہاتھ سے ریوالور چھوٹ جاتا تب بھی وہ مجھ پر گولی نہیں چلا سکتا تھا۔ میں نے ہی یاد دہانی کرا دی تھی کہ ماسٹر کو مجھے زندہ حالت میں چاہتا ہے۔

میری پہلی کِک اس کے ریوالور پر پڑی تھی۔ دوسری راؤنڈ اباؤٹ کک منہ پر پڑی۔ وہ ذرا سا پیچھے گیا۔ پھر تیزی سے آگے آیا۔ اس وقت تک ریوالور میرے ہاتھ میں آگیا تھا۔

میں نے کہا "اب دوسری طرف گھوم جاؤ اور دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے رکھو۔"

وہ سہم کر ریوالور کی طرف دیکھنے لگا۔ میں نے کہا "تم سب جانتے ہو، میں ہتھیار استعمال نہیں کرتی۔ مجبور کرو گے تو اصول توڑ دوں گی۔"

وہ چُپ چاپ دوسری طرف گھوم گیا۔ اس کے گھومتے ہی میں نے ریوالور کے دستے سے سر پر زوردار ضرب لگائی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بیٹھنے لگا۔ وہ اچھا خاصا صحت مند تھا۔ ایک سے کام نہیں چل سکتا تھا۔ میں نے دوسری زوردار ضرب لگائی۔ اس کے بعد وہ زمین بوس ہوا تو پھر اٹھنے کے قابل نہ رہا۔

میں تیزی سے چلتی ہوئی گاڑی کے پاس آئی پھر اس کی چھت پر چڑھ گئی۔ وہاں سے آہنی کٹہرے کی چھت پر آئی۔ چھت پر سے سر جھکا کر دیکھا۔ آہنی سلاخوں کے پیچھے کتے مجھے دیکھتے ہی زور زور سے بھونکنے لگے۔

میرے بدن میں ابھی خوشبو باقی تھی۔ اس کے باوجود میں نے بوتل نکالی اور خوشبو اسپرے کر لی۔ بوتل کو بیگ میں رکھا پھر ایک مردانہ لباس نکالا۔ اس میں سے پاجامہ الگ کر کے کٹہرے کی آہنی سلاخوں کے سامنے جھُلانے لگی۔ کتے پہلے تو چُپ رہے، پھر آہستہ آہستہ غرانے لگے۔ میں نے پاجامے کو آہنی سلاخوں کے قریب لانا شروع کیا۔ وہ سب کے سب لپک رہے تھے۔ ایک دوسرے پر چڑھتے ہوئے پاجامے تک پہنچنا چاہتے تھے لیکن آہنی سلاخیں درمیان میں تھیں۔ میں سر جھکائے انھیں دیکھ رہی تھی۔ اور ایک ایک کتے کے نتھنوں کے قریب پاجامے کو پہنچانے کی کوشش کر رہی تھی۔ پھر میں نے اسے اس طرح جھُلایا کہ وہ آہنی سلاخوں کے درمیان جلنے لگا۔ کتوں نے اسے جھپٹ لیا۔ اتنے زور سے کھینچا، کہ وہ پاجامہ آدھا میرے ہاتھ میں رہ گیا، آدھا کتوں کے پاس چلا گیا۔

شیطان پھر میرے پاس آگیا۔ اس نے حیرانی سے پوچھا۔ "یہ تم کیا کر رہی ہو۔ یہ کس کا کپڑا ہے؟"

"جب تمھارا سامری مجھے بے یار و مددگار چھوڑ گیا تھا تو میں نے تم سے کہا تھا، میرے پاس سے چلے جاؤ۔ میں اپنے طور پر اپنا بچاؤ کر لوں گی اور سامری کو مصیبت میں مبتلا کر دوں گی۔"

شیطان نے تائید کی "ہاں تم نے مجھے اپنے پاس نہیں رہنے دیا تھا۔ مجھے وہاں سے جانے پر مجبور کیا تھا۔ اوہ اچھا، اب سمجھا۔ کیا یہ پروفیسر سامری کا لباس ہے جو تم کتوں کے آگے ڈال رہی ہو؟"

"خوب سمجھے، مگر دیر سے سمجھے۔"

"نہیں تم ایسا نہیں کر سکتیں۔"

"میں تو کر چکی ہوں۔ اب کتوں کو آزاد کرنے والی ہوں۔ اپنے پروفیسر کا بچاؤ کر سکتے ہو تو کرو۔"

وہ چلا گیا۔ میں نے آہنی کٹہرے کے ایک دروازہ نما حصے کو اوپر کی طرف اٹھانا شروع کیا۔ آہنی سلاخوں کے درمیان ایک حصہ تھا جو اوپر کی طرف اٹھانے سے دروازے کی مانند کھل جاتا تھا۔ وہاں سے ایک وقت میں ایک ہی کتا باہر نکل سکتا تھا۔ جب میں نے اٹھایا تو ایک کتا پھنسا پھنسا سا باہر نکلنے لگا۔ دوسرا اس کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ میں نے اسے بھی نکلنے کا موقع دیا۔ پھر دروازے کو بند کر دیا۔

وہ دونوں باہر نکلتے ہی ذرا دور تک دوڑتے ہوئے گئے پھر رک گئے۔ سر اٹھا کر وہ مخصوص بُو سونگھنے لگے جو میں پیش کر چکی تھی۔ اس کے بعد وہ دونوں ایک سمت دوڑتے چلے گئے۔

شیطان نے آکر کہا "بس کرو سونیا! میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ میرے دوست آپس میں جھگڑا کریں اور ایک دوسرے کو نقصان پہنچائیں۔"

میں نے کہا "اے شیطان! میری مجبوری یہ ہے کہ نور انسان کو تعمیری کاموں سے روک سکتا ہے۔ تخریبی کارروائیوں سے نہ کبھی تو نے روکا ہے نہ روک سکتا ہے۔ اس وقت میں تخریبی کارروائی میں مصروف ہوں۔ بالکل تیرے مزاج کے مطابق۔ تو بھلا مجھے کیسے روک سکے گا؟"

اس نے کہا "دنیا والے تمھاری جیسی عورتوں کو شیطان کی خالہ کہتے ہیں۔ ٹھیک ہی کہتے ہیں۔"

"کیا تم مجھے اپنی خالہ تسلیم کرتے ہو؟"

"ہرگز نہیں، میں خواہ مخواہ اپنا وقت ضائع کر رہا ہوں۔ کتوں سے محفوظ رہنے کے لیے تم نے جو طریقہ اختیار کیا ہے، میں ابھی جا کر سامری کو وہی طریقہ بتا رہا ہوں۔"

وہ چلا گیا۔ میں پانچ منٹ تک کٹہرے کی چھت پر بیٹھی رہی تھی۔ میں نے بیگ میں سے پروفیسر سامری کی ...... شرٹ نکالی۔ سامری باہر جانے سے پہلے جو خوشبو استعمال کیا کرتا تھا، میں نے وہی خوشبو اس شرٹ میں اسپرے کر دی تھی اور

اسے لپیٹ کر بیگ میں ٹھونس دیا تھا۔ میں نہیں جانتی کہ ذہانت کی مکمل تعریف کیا ہے۔ فی الحال میں اپنے متعلق اتنا ہی کہتی ہوں کہ مشکل حالات میں مجھے ہر پہلو پر نظر رکھنا آتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب میں نے خوشبو کے ذریعے اپنے آپ کو کتوں سے چھپایا تو یہ سمجھ لیا تھا کہ یہی طریقہ پروفیسر سامری بھی اختیار کر سکتا ہے۔

میں کٹہرے کے اوپر سے ذرا جھک گئی۔ سر جھکا کر آہنی سلاخوں کے پیچھے کتوں کو دیکھا۔ وہ مجھے دیکھ کر بھونکنے لگے۔ میں نے سامری کی وہ شرٹ آہنی سلاخوں کے سامنے جھلانا شروع کی۔ کوئی بات سمجھنے سے رہ جائے تو انسان کیا شیطان بھی دھوکا کھا جاتا ہے۔ شیطان نہ کبھی یہ سوچ سکتا تھا نہ سمجھ سکتا تھا کہ میں پہلے ہی سامری کی وہ خوشبو اسی کی شرٹ میں چُرا کر یہاں تک لے آؤں گی۔ پہلے اس کے بدن کی قدرتی بُو کے ذریعے کتوں کو پیچھے لگاؤں گی، بعد میں اسی کے پسندیدہ پرفیوم کو اس کے خلاف ہتھیار بنالوں گی۔

وہ خوش ہو کر گیا تھا کہ پروفیسر سامری کو کتوں سے نجات دلانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ ابھی جو دوسرا حملہ ہو رہا تھا، وہ اسے چونکا دینے والا تھا۔ مجھے اپنے اندر اس کی ہنسی سنائی دی۔ میں نے پوچھا "کیا بات ہے؟ کامیاب ہو گئے؟"

اس نے کہا "ہاں، پروفیسر سامری نے ایک کتے کو گولی مار دی۔ میں نے اسے سمجھا دیا ہے کہ گولی مارنے سے کام نہیں چلے گا۔ سونیا ابھی اور کتے بھیجنے والی ہے لہٰذا اسے پرفیوم استعمال کرنا چاہیے۔ اب وہ یہی کر رہا ہے۔ دوسرا کتا اس بنگلے کے باہر خاموش کھڑا ہے۔ جس بُو کے پیچھے آیا تھا وہ گم ہو گئی ہے۔"

میں نے یکبارگی چونک کر کہا "ارے ارے، یہ کیا ہو رہا ہے؟"

شیطان نے حیرانی سے پوچھا "کہاں کیا ہو رہا ہے؟"

"میں دور بہت دور سامری کے بنگلے کے آس پاس دیکھ رہی ہوں، وہ چار عدد کتے جو میں نے بعد میں چھوڑے تھے، اب وہاں بھونک رہے ہیں، سامری کو بنگلے کے باہر بلا رہے ہیں۔"

"تم نے ان کتوں کو بعد میں چھوڑا تھا۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے انہیں بھی سامری کی بُو نہیں ملے گی۔"

"کیسے نہیں ملے گی۔ اس وقت سامری نے جو پرفیوم لگایا ہوا ہے وہ اسی کی بُو پر دوڑتے ہوئے گئے ہیں۔"

"کیا؟" اس نے شدید حیرانی سے پوچھا۔ پھر انکار کرتے

ہوئے کہا "نہیں نہیں، تم ایسا نہیں کر سکتیں۔ میں ابھی جا کر دیکھتا ہوں۔"

وہ گیا اور پھر واپس آکر کہنے لگا "مان گیا۔ سونیا! میں تمھیں مان گیا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا، تم دوہری چال چلو گی۔ پہلے میں نے انکار کیا تھا۔ اب تسلیم کرتا ہوں، تم میری خالہ ہو۔"

"میں تمھارے پروفیسر سامری کو نقصان پہنچا رہی ہوں۔ کیا تمھیں مجھ پر غصہ نہیں آرہا ہے؟"

"ارے غصہ کس بات کا۔ تم شیطانی دماغ رکھتی ہو۔ یہ میرے لیے فخر کی بات ہے۔ اوہ! میں پھر وقت ضائع کر رہا ہوں۔ مجھے سامری کے پاس پہنچنا چاہیے۔"

وہ پھر چلا گیا۔ اس دن کے بعد سے وہ جیسے میرا معتقد بن گیا۔ اس نے وعدہ کیا، میرے خلاف کبھی کوئی شیطانی چال نہیں چلے گا۔ بھلا یہ بھی کوئی یقین کرنے کی بات ہے کہ جانور چار پاؤں رکھتا ہو اور چار پاؤں سے نہ چلے۔ پنجہ رکھتا ہو، پنجہ نہ مارے۔ یہ تو صرف قیامت کے دن یقین آئے گا۔ جب انسان اور شیطان کا کھیل ختم ہو چکا ہو گا۔

پروفیسر سامری کے متعلق بعد میں پتا چلا کہ کتوں کی یلغار سے بوکھلا گیا تھا۔ پہلے حملے میں دو کتے تھے جن میں سے ایک کو اس نے ہلاک کر دیا تھا، دوسرا قابو میں نہیں آرہا تھا۔ اسی وقت شیطان نے مشورہ دیا تھا کہ اسے پرفیوم استعمال کرنا چاہیے۔ اس کم بخت نے وہی پرفیوم استعمال کیا جو میں اس کی شرٹ پر چھڑک کر لے آئی تھی۔

دوسرا حملہ چار کتوں نے کیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ بدن کی بُو کو چھپا دینے کے باوجود یہ حملہ کیسے ہو رہا ہے۔

جب شیطان نے اسے میری چال سمجھائی تو وہ بے تحاشا گالیاں بکنے لگا۔ شیطان نے کہا "میری پوجا کرنے والوں کی دعا اثر نہیں کرتی، گالیاں کیا اثر کریں گی۔ فوراً خوشبو سے معطر لباس کو اتار دو اور واشنگ مشین میں ڈال دو۔ دوسرا لباس پہنو۔ تمھارے بدن کی قدرتی بُو جو خارج ہو گی وہ کتوں پر اثر نہیں کرے گی کیوں کہ وہ صرف پرفیوم کی مہک پر یہاں تک آئے ہیں۔"

اس نے یہی کیا مگر لباس اتارنے اور اسے واشنگ مشین میں ڈالنے کے دوران دو کتے جانے کس طرح بنگلے کے اندر چلے آئے۔ ان سے نمٹنا پڑا۔ اس نے پھر ایک کو گولی مار دی مگر دوسرے نے حملہ کر دیا۔ اس طرح بھنبھوڑا کہ آج کل وہ چودہ انجکشن کے کورس سے گزر رہا ہے۔

شیطان نے ڈانٹ کر کہا "جب کتے سونیا کا تعاقب کرتے ادھر آرہے تھے تو تم نے اسے گاڑی کی چابی کیوں نہیں دی تھی؟"

سامری نے جھنجلا کر کہا "وہ چالاکی دکھاتی ہے۔ میرے سامنے مکاری نہیں چلے گی۔ وہ تو میں نے دھوکے میں بجلی کے ننگے تار کو پکڑ لیا تھا ورنہ...."

"ورنہ تم کچھ نہیں کر سکتے تھے اور نہ ہی آئندہ کر سکو گے۔ غلطی تمھاری تھی۔ تم رات کو اس کے کمرے میں کیوں جانا چاہتے تھے؟"

سامری نے حیرانی سے کہا "ارے واہ رے شیطان، ایک تو خود ہی مجھے گناہ کی ترغیب دیتے ہو۔ جب میں گناہ کے راستے پر چلتا ہوں تو پوچھتے ہو، کیوں ادھر جا رہا تھا۔"

"میں صرف گناہ کا راستہ دکھاتا ہوں، یہ نہیں بتاتا کہ راستے میں کتنے کانٹے ہوں گے۔ کس طرح پاؤں چھلنی ہوں گے۔ کیسی جان لیوا دلدل ہو گی کہ دھنسنے کے بعد قیامت کے دن ہی نکالا جا سکے گا۔"

"تم خود کہہ رہے ہو کہ تمھارے ماننے والے تمھارے راستے پر چلنے والے نقصان اٹھاتے ہیں۔"

"فائدہ بھی اٹھاتے ہیں۔ تم نے پروفیسر سامری کی حیثیت سے جو شہرت اور دولت حاصل کی ہے، وہ اپنی محنت سے کبھی نہیں کر سکتے تھے۔ تمھیں ہپناٹزم کا علم سیکھنے کے لیے پتا نہیں کتنے سال لگ جاتے لیکن تم نے کالا علم سیکھا، میں نے سکھایا اور اس کے ذریعے تم نے ہپناٹزم پر عبور حاصل کر لیا۔ آج اس کے ذریعے تم مختلف خطرناک تنظیموں کے کام آتے ہو اور ان سے منہ مانگی رقوم وصول کرتے ہو۔ آج شمالی امریکا میں تمھاری طرح کالا علم جاننے والوں میں کوئی اتنا دولت مند نہیں ہے۔ تم ایک چھوٹے سے جزیرے کے مالک بھی ہو۔ میں اس جزیرے کے متعلق کچھ ضروری باتیں کرنے آیا ہوں۔"

"کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"وہ جزیرہ سونیا کو کچھ عرصے کے لیے دے دو۔"

اس نے چونک کر پوچھا "کیا کہہ رہے ہو۔ وہ جزیرہ اور سونیا کو دوں۔ جب کہ تم خود جانتے ہو، وہ کتنی مکار ہے، جہاں قدم رکھے گی، وہاں سے اس کے قدم اکھاڑے نہیں جا سکیں گے۔ تم چاہتے ہو، وہ میرے جزیرے پر قابض ہو جائے۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں، ایسی کوئی بات نہیں ہو گی۔ وہ کچھ عرصے تک وہاں رہے گی۔"

"اس کا مطلب ہے، دشمن ابھی اور شکاری کتے اس کے تعاقب میں چھوڑیں گے اور تم اسے جزیرے میں پناہ دینا چاہتے ہو۔"

"تم وہاں کے مالک ہو۔ سونیا جب وہاں رہے گی تو تم سے کوئی بات چھپی نہیں رہے گی۔ لہٰذا میں تمھیں ایک راز بتا رہا ہوں۔ اور اس یقین کے ساتھ بتا رہا ہوں کہ کسی کے سامنے اس سلسلے میں زبان نہیں کھولو گے اور میں تمھیں اس کا موقع ہی نہیں دوں گا۔"

"میرے اندر تجسس پیدا ہو رہا ہے کہ وہ کون سا اہم راز ہے؟"

"اس جزیرے میں سونیا اپنے فرہاد کے ساتھ رہے گی۔"

اس نے چونک کر پوچھا "فرہاد! کہاں ہے وہ؟"

"وہ جہاں بھی ہے اس جزیرے میں پہنچ جائے گا۔ تمھارے جتنے ملازم اور مسلح گارڈز ہیں، انھیں بھی نہیں معلوم ہونا چاہیے کہ سونیا کے ..... ساتھ وہاں رہنے والا فرہاد ہے بلکہ یہ خبر جزیرے سے باہر نہ جائے کہ سونیا نے جزیرے میں رہائش اختیار کی ہے۔"

"اے شیطان! میں نے خدا کی نافرمانی کی اور تیرا بندہ بن گیا۔ اب تیری نافرمانی کر کے کہاں جاؤں گا۔ نہ گھر کا رہوں گا نہ گھاٹ کا۔ اس لیے مجھے منظور ہے۔ میں کچھ عرصے کے لیے اپنا جزیرہ اسے دے دوں گا۔"

"تم گھر کے بھی رہو گے اور گھاٹ کے بھی۔ کیا تم سوچ سکتے ہو کہ وہ ڈمی سونیا جو تیار کی گئی ہیں، ہم ان کے ذریعے مختلف خطرناک تنظیموں سے کتنی رقمیں وصول کر سکیں گے۔ اگر ہم اپنے منصوبے میں کامیاب رہے تو تم ایک اور جزیرے کے مالک بن جاؤ گے۔"

وہ لالچ میں آگیا۔ شیطان نے کہا "مگر اس بات کو اچھی طرح یاد رکھنا، تم نے کسی بھی خطرناک تنظیم کے سربراہ کو یا کسی بھی فرد کو سونیا اور فرہاد کے متعلق بتایا تو وہ دن تمھاری زندگی کا آخری دن ہو گا۔ بے انتہا دولت میرے اس بندے کے کام آئے گی جو تم سے زیادہ فرماں بردار ہو گا۔"

پروفیسر سامری نے دونوں ہاتھ جوڑ دیے، سر کو جھکا لیا۔ وہ جس کی پوجا کرتا تھا، اس کی نافرمانی نہیں کر سکتا تھا۔

■■

میں بستر پر بیٹھا ہوا تھا۔ شیبا میرے دماغ میں تھی اور ہم دونوں سونیا کی داستان سن رہے تھے۔ وہ میرے سامنے ذرا فاصلے پر ایزی چیئر پر بیٹھی ہوئی تھی۔ میں اسے بڑی محبت سے دیکھ رہا تھا۔ وہ داستان سنانے کے دوران کرسی پر بیٹھی آگے پیچھے ڈولتی جاتی تھی۔ ڈولتے وقت

یوں لگتا تھا جیسے کبھی وہ بالکل میرے پاس آرہی ہو اور کبھی دور جارہی ہو۔

اس کی حقیقی زندگی بھی یہی تھی، کبھی وہ میرے پاس آتی تھی اور کبھی اتنے عرصے کے لیے دور چلی جاتی تھی کہ اس کی قربت کے لیے ترستا رہتا تھا۔ وہ کرسی سے اٹھ کر میرے پاس آئی پھر کھانے کی ٹرالی سے ایک ڈش اٹھا کر میری طرف بڑھاتے ہوئے بولی "تم صرف باتیں سن رہے ہو۔ کھانا تو بھول ہی گئے۔"

"میں سنتا بھی جارہا ہوں، کھاتا بھی جارہا ہوں، مجھے بتاؤ، اس کے بعد کیا ہوا؟"

"اس کے بعد شیبا نے تمھیں بتا ہی دیا ہے کہ کس طرح دو سونیا کا چکّر چلایا گیا ـــــ جب مجھے پتا چلا کہ خلیج کے ساحلی شہر میں دو عدد سونیا نے تمام خطرناک تنظیموں کی توجہ اپنی طرف مبذول کر رکھی ہے تو میں نے شیطان سے کہا "یہی موقع ہے، مجھے ڈمی رسونتی بن کر فرہاد کے قریب رہنا چاہیے۔ جب طیارہ وہاں سے پرواز کرے گا تو ہم اس طیارے کا رُخ جزیرے کی طرف کر دیں گے۔"

"میں یہ نہیں پوچھوں گا کہ تم نے جوزا کا روپ کیسے اختیار کیا اور کس طرح اس کی جگہ لی۔ یہ سارے طریقۂ کار ہم جانتے ہیں اور ایک عرصے سے ان پر عمل کرتے آرہے ہیں۔ ایک اہم سوال جو دماغ میں چبھ رہا ہے، وہ میں پوچھتا ہوں۔"

سونیا نے مجھے ایک کیپسول کھانے کے لیے دیا۔ ڈاکٹری نسخے کے مطابق رات کے کھانے کے دوران اس کیپسول کو کھانا ضروری تھا۔ میں نے اسے نگل لیا پھر پانی پینے کے بعد پوچھا۔ "کیا تمھیں یقین ہے کہ اس جزیرے میں شیطان ہمیں پہچاننے کی کوشش نہیں کرے گا؟"

"وہ کبھی ایسا نہیں کرسکے گا۔"

"تم کس بل بوتے پر کہہ رہی ہو۔ جب کہ ساری دنیا کی خطرناک تنظیمیں فرہاد اور سونیا کو ایک ساتھ زندہ یا مردہ چاہتی ہیں۔ ان کی یہ خواہش اب پوری ہوگی۔ ہم دونوں ایک چھوٹے سے جزیرے میں ہیں۔ ہمارے چاروں طرف سمندر ہے، یہاں سے فرار کا جو بھی راستہ ہوگا اسے شیطان جانتا ہوگا وہ ان سب راستوں کی ناکہ بندی کرے گا پھر کیا ہوگا؟"

وہ میرے پاس آگئی۔ پھر جلدی سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی کہنے لگی "سوری، میں بھول گئی تھی کہ شیبا موجود ہے۔"

شیبا نے سوچ کے ذریعے پوچھا "میں چلی جاؤں؟"

میں نے سوچ کے ذریعے جواب دیا "نہیں میرے پا[س] رہو۔ میں نے بہت اہم سوال کیا ہے۔ اس کا جواب تمھیں [بھی] سننا چاہیے۔"

سونیا نے مسکرا کر کہا "بے شک شیبا کو موجود رہنا چا[ہیے]۔ میں یہ بتانا چاہتی ہوں کہ جب تمھیں رہائی نصیب ہوئی تو تم بابا صاحب کے ادارے کی طرف جارہے تھے لیکن تمھارے [وہاں] تک پہنچنے کی کوئی ضمانت نہیں تھی۔"

"میں دشمنوں کے پرانے ہتھکنڈے جانتا ہوں انھوں نے میرا راستہ روکنے کی سازشیں کی ہوں گی۔ ایک مثال تو ہمیں پرواز کے بعد ہی مل گئی کہ ماسٹر کی کے آدمیوں نے اس طیارے پر قبضہ کرلیا تھا۔"

"اگر میں وہاں موجود نہ ہوتی اور تم کسی دوسرے ذریعے سے ماسٹر کی کے پھندے سے نکل جاتے تب بھی بابا صاحب کا ادارہ بہت دور تھا۔ راستے میں اور بھی رکاوٹیں پیش آتیں۔ یہودیوں کی کاہال تنظیم کے افراد، ماسٹر کی اور سپر ماسٹر سب [گھات] تاک میں تھے۔ اگرچہ سپر ماسٹر بظاہر تمھارے معاملے میں دلچسپی نہیں لے رہا ہے لیکن درپردہ اس کی بھی یہی کوشش تھی کہ [تمھیں بابا] صاحب کے ادارے تک نہ پہنچنے دیا جائے۔ خواہ تم فرہاد [رہو یا کسی او]ر کا کس۔ تمھیں راستے ہی میں ختم کر دینے کا منصوبہ ہر طرح سے مکمل ہوچکا تھا۔ تمھارے ایک یا دو چار دشمن ناکام ہو[تے تو] اس کے بعد بھی ایسے دشمن تھے جن کی کامیابی کے امکانات [تھے۔"]

"میں جہاں بھی ہوتا، دشمنوں کے گھیرے میں ہوتا۔ [اب] تو سمندر کے گھیرے میں ہوں۔ اسے تیر کر عبور نہیں کیا جا سک[تا]۔ تم اتنی سمجھ دار ہو کر مجھے ایسی جگہ لے آئی ہو جہاں سے ہم شیط[ان] کی مرضی کے بغیر نہیں نکل سکتے۔"

"خدا کی مرضی سے تو نکل سکتے ہیں؟"

اس بات پر مجھے بے حد شرمندگی ہوئی۔ ذرا سی دیر [کے] لیے میرا ایمان ڈگمگا گیا تھا۔ واقعی خدا کی مرضی کے آگے شیط[ان] کی مرضی کیا معنی رکھتی ہے۔ جسے اللہ رکھتا ہے اسے کوئی [نہیں] چکھتا۔ میں نے کہا "تم درست کہتی ہو۔ یہ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ہم جیتے ہیں، اسی کی مرضی سے اٹھا[ئے] جاتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو عقل دی ہے اسے بھی [استعمال] کرنا چاہیے۔"

"میں استعمال کر رہی ہوں ... کر ... دو کھانے پیو اور ... سے جلد صحت یاب ہونے کی کوشش کرو۔"

"تم نے تو کہا تھا میں ... گھنٹے کے اندر دماغی [طور پر] اتنی توانائی حاصل کرلوں گا کہ خیال خوانی کرسکوں گا۔"

"انشاء اللہ ضرور خیال خوانی کرسکو گے۔"

"میں اس عمارت کو دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"رات ہوچکی ہے، دن کے وقت اس عمارت کو اندر سے بھی دیکھنا، باہر سے بھی۔ ہم پورے جزیرے کا ایک چکر لگائیں گے۔"

شیبا نے کہا "بہتر ہے، تم آرام [کرو] میں جاؤں گی۔"

میں نے کہا "سونیا! یہ شیبا جانا چاہتی ہے۔"

"شیبا ابھی نہ جاؤ۔ تم یہاں سے جاکر اپنے دوسرے ساتھیوں کے متعلق معلومات حاصل کروگی۔ وہ کام یہاں بھی ہوسکتا ہے۔"

وہ کہتے کہتے رُک گئی۔ پھر چونک کر بولی "شیبا! تم فوراً بلیک شیڈو کے پاس جاؤ۔ اسے تمھاری ضرورت ہے مگر اسی طرح فرہاد بن کر جانا۔"

وہ چلی گئی۔ میں نے سونیا سے پوچھا "بات کیا ہے؟"

"وہی چال جو تم نے سکھایا تھا، اب کام آنے والا ہے۔ مائک سے لے کر اسپیکر تک کوئی خرابی پیدا ہوگئی تھی، بلیک شیڈو نے بظاہر اسے درست کر دیا ہے مگر ایک خامی چھوڑ دی ہے۔"

یہ سنتے ہی میں بے چین ہوگیا۔ کاش میں خیال خوانی کر سکتا تو اسی لمحے اس پُراسرار شخص تک پہنچنے کی کوشش کرتا۔ پتا نہیں شیبا کیا کرے گی۔ حالاں کہ وہ اب تک بڑی عمدگی سے اپنے فرائض ادا کرتی آرہی تھی لیکن بعض اوقات منزل بالکل نگاہوں کے سامنے ہوتی ہے مگر وہاں تک پہنچنے کے راستے پیچیدہ ہوجاتے ہیں۔ ان پیچیدگیوں سے وہ گزر سکے گی یا نہیں؟

میں نے آنکھیں بند کیں۔ سونیا نے پوچھا "کیا کر رہے ہو؟"

میں نے جواب دیا "آنکھیں بند کر کے تصوّر میں شیبا کو دیکھ رہا ہوں، معلوم کرنا چاہتا ہوں، وہ وہاں پہنچ کر کیا کر رہی ہوگی۔" میں نے شیبا کا تصوّر کیا۔ اسے اپنی دماغی آنکھوں سے صاف طور سے دیکھا۔ یوں لگا جیسے میں سچ مچ اس کے پاس پہنچ رہا ہوں مگر یہ خیال خوانی کا انداز نہیں تھا۔ بس کسی کو یاد کرنے اور تصوّر میں دیکھنے والی بات تھی۔ میں نے بلیک شیڈو کے لب و لہجے کو یاد کیا۔ اس کی آواز میرے دماغ میں گونجنے لگی۔ میں نے محسوس کیا، میں دماغی طور پر کمزور نہیں ہوں۔ میں نے خیال خوانی کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ پھر آنکھیں کھول دیں۔

سونیا کھانے کی ٹرالی لے کر جاچکی تھی۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ پھر اپنا رُخ بدل کر بیٹھ گیا۔ اس کمرے میں پتا نہیں چل رہا تھا کہ شمال جنوب کدھر ہے۔ دوسری بار جب میں نے سمت بدل کر دیکھا تو میرا رُخ شمال کی طرف ہوگیا۔ مجھے اس طرح معلوم ہوا کہ میں نے آنکھیں بند کی تھیں، خیال خوانی کی بھرپور کوشش کی تو ایک دم سے میری سوچ کی لہریں پرواز کرنے لگیں پھر ایک ساعت کی بھی دیر نہیں لگی اور میں بلیک شیڈو کے دماغ میں تھا۔

سونیا نے درست کہا تھا۔ میں نے اس کی پیشنگوئی کے مطابق چوبیس گھنٹے کے اندر خیال خوانی کی قوت دوبارہ حاصل کرلی تھی۔ نہ جانے وہ میری خوراک میں کس قسم کی دوائیں ملا کر مجھے کھلا رہی تھی۔ بہرحال میں بلیک شیڈو کے دماغ میں خاموش رہا۔ اسے مخاطب کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کی سوچ نے بتایا "ابھی ابھی فرہاد صاحب دماغ میں آئے تھے تو اس نے بتا دیا ہے کہ مائک اور اسپیکر کے درمیان ایک ایسی خرابی پیدا کردی گئی ہے جس کا علم اس پُراسرار شخص یا اس کے آدمیوں کو نہیں ہوگا۔ یہ سنتے ہی فرہاد صاحب دی کلر کے دماغ میں چلے گئے ہیں۔"

وہ شیبا کو فرہاد سمجھ رہا تھا۔ میں نے پھر خیال خوانی کی پرواز کی اور دی کلر کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہاں شیبا موجود ہوگی مگر میں نے اسے مخاطب نہیں کیا۔ اس وقت ہر لمحہ قیمتی تھا۔ کسی بھی لمحے ہمیں اس پُراسرار شخص کی آواز سنائی دے سکتی تھی۔

دی کلر ایک بستر پر لیٹا ہوا تھا اور ننھے بچے جیسی حرکتیں کر رہا تھا۔ پتا چلا جب اسپیکر اور مائک کے درمیان کوئی خرابی پیدا ہوتی ہے اور کمپیوٹر کا رابطہ ختم ہوجاتا ہے تو وہ بالکل ناکارہ ہوجاتا ہے۔ اپنے تیس برس کے وجود کے ساتھ ننھا سا بچہ بن کر رہ جاتا ہے۔ اس وقت بھی وہ بچہ بنا ہوا تھا۔ نہ اپنے دماغ سے کچھ سوچ سکتا تھا اور نہ ہی اپنے طور پر کچھ سمجھ سکتا تھا۔

مجھے خیال آیا کہیں شیبا کامیاب ہونے کی خوشی میں کام نہ بگاڑ دے۔ یہ سوچ کر میں نے اسے مخاطب کیا۔ وہ ایک دم سے چونک گئی بے یقینی سے بولی "فرہاد! یہ تم ہو؟"

"ہاں، میں ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے، وہ مجھے محتاج اور مجبور بنا کر نہیں رکھتا۔ دیکھ لو، میں مجبوریوں سے نکل آیا ہوں۔ ایک ضروری بات سمجھانا چاہتا ہوں۔"

"اچھا ہوا، تم خیال خوانی کے ذریعے آگئے۔ میں سوچ رہی

تھی، کہیں مجھ سے کوئی غلطی نہ ہو جائے۔"

"اب تک دی کلر کی زبان سے جو لب و لہجہ سنتی رہی ہو، وہ آج مختلف ہوگا۔ جب بھی یہ تیس برس کا نتھا بولے گا تو وہ اجنبی آواز اور لب و لہجہ ہوگا۔ کیوں کہ مائک سے لے کر اسپیکر تک تبدیل ہونے والی آواز اب تبدیل نہیں ہوگی۔ جو شخص مائک کے پاس موجود ہوگا اس کی اپنی اصلی آواز ہم سن سکیں گے۔"

"میں اسی مقام پر الجھ رہی تھی کہ اس کی آواز اور لب و لہجہ سننے کے بعد اس کے دماغ میں پہنچنا چاہیے یا نہیں؟"

"تم اسے صرف یاد رکھنا۔ میں اس کے دماغ میں جاؤں گا۔"

"وہ یوگا کا ماہر ہو سکتا ہے۔"

"اگر وہ ایسا ہوتا تو مائک کے پیچھے چھپا نہ رہتا اور مائک سے لے کر اسپیکر تک اپنی آواز تبدیل نہ کرتا۔ وہ تو ماسٹر کی طرح ہمیں چیلنج کرتا۔ دی کلر کے ذریعے اپنی آواز اور اپنا لب و لہجہ پیش کرتا اور ہم سنتے رہ جاتے مگر اس کے دماغ تک نہ پہنچ سکتے۔"

"ٹھیک کہتے ہو۔ اگر وہ یوگا کا ماہر ہوتا تو مائک اور اسپیکر کا سہارا کبھی نہ لیتا۔"

میری خیال خوانی کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ سونیا مجھے مخاطب کر رہی تھی۔ میں نے کہا "شیبا، تم دی کلر کے پاس رہو۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

میں نے آنکھیں کھول دیں۔ سونیا مجھے غور سے دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے پوچھا "کیا کامیاب ہو گئے ہو؟"

میں نے ہاں کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا "ہاں، ابھی میں خیال خوانی کے ذریعے دی کلر کے دماغ میں پہنچ گیا تھا۔"

اس نے خوش ہو کر دونوں بانہیں پھیلا دیں۔ میری طرف دوڑتے ہوئے آنے لگی۔ پھر قریب آتے ہی یک بیک رک گئی۔ میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی "کیا شیبا ہے؟"

میں نے مسکراتے ہوئے نہیں کے انداز میں سر ہلایا۔ وہ ہاں کے انداز میں آگئی۔

یہ بھی عجیب وقت ہوتا ہے جب محبت پیچھے سے دامن پکڑ کر کھینچتی ہے اور دشمن آگے سے گریبان پکڑ کر کھینچتے ہیں۔ یہ اس پُراسرار دشمن کا خیال مجھے کھینچ رہا تھا۔ آج دی کلر کے ذریعے اس کے دماغ تک پہنچا جا سکتا تھا۔ ادھر سونیا نے اس طرح محبت کا دامن تھام رکھا تھا کہ میں چھڑا نہیں سکتا تھا بلکہ چھڑانا چاہتا ہی نہیں تھا۔

مجھے محسوس ہو رہا تھا جیسے میں تپتے ہوئے صحرا سے گزر رہا ہوں۔ اچانک گھنی چھاؤں مل گئی ہے۔ ایسے میں جی چاہتا ہے، بس تھک ہار کر گر جائیں۔ دنیا کو بھول جائیں، کسی کی فکر نہ کریں اور جہاں تک فکر کرنے کا تعلق ہے، دشمن دن رات فکر میں مبتلا رکھنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ اب تو ہم بڑے ڈھیٹ بن گئے ہیں۔ فکر دنیا کو کھا جاتی ہے اور ہم فکر کو کھا جاتے ہیں۔

میں سوچ رہا تھا، دشمن تو روز روز ملتے ہیں۔ محبت کبھی کبھی ملتی ہے اور نصیب سے ملتی ہے اس لیے بدنصیب نہیں بننا چاہیے۔ پھر شیبا دی کلر کے دماغ میں موجود تھی۔ میری غیر موجودگی سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ بعد میں اس کے ذریعے سارے حالات معلوم ہو جاتے۔

تقریباً چالیس منٹ گزر گئے۔ سونیا نے میری طرف ہاتھ بڑھایا۔ پھر دودھ کا گلاس پیش کرتے ہوئے بولی "چلو پی جاؤ۔"

"کیا تم مجھے کھلا کھلا کر مار ڈالنا چاہتی ہو؟"

وہ مسکرا کر بولی "مجھے دشمن سمجھو اور دودھ کو زہر لیکن محبت سے پی جاؤ۔"

میں اس کے محبوبانہ حکم کی تعمیل کرتے ہوئے شیبا کے پاس پہنچ گیا۔ میرا خیال تھا، وہ ابھی تک دی کلر کے دماغ میں ہوگی لیکن وہ باباصاحب کے ادارے میں اپنے کمرے کے اندر تھی۔ بستر پر سمٹی ہوئی پڑی تھی۔ اور ہولے ہولے کانپ رہی تھی۔ میں نے اسے مخاطب کیا تو چونک گئی "شیبا، کیا بات ہے؟"

وہ ایک دم سے گھبرا کر بولی "فرہاد! ابھی چلے جاؤ۔ میرے دماغ میں مت رہو۔"

"معلوم ہوتا ہے، تمہاری حالت اچانک خراب ہوگئی۔ میں ایسی حالت میں تمہیں کیسے چھوڑ کر جا سکتا ہوں؟"

"مجھے کچھ نہیں ہوا ہے۔ میں ابھی تھوڑی دیر میں ٹھیک ہو جاؤں گی۔ بس یونہی...۔"

اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ پھر خلا میں تکتے ہوئے بولی "کیا تم موجود ہو؟"

"ہاں۔"

"میں نے کہا نا، چلے جاؤ۔ تم نے وعدہ کیا تھا میری مرضی کے بغیر میرے دماغ میں نہیں آؤ گے۔ اپنا وعدہ پورا کرو۔"

"اچھی بات ہے۔ میں اپنی زبان کا پابند ہو رہا ہوں۔"

میں اس کے دماغ سے نکل آیا۔ سونیا نے پوچھا "کہاں پہنچے ہوئے تھے؟"

میں نے سونیا کو شیبا کے متعلق بتایا۔ اس نے حیرانی سے پوچھا "یہ اچانک اس کی طبیعت کیسے خراب ہوگئی؟"

"میں تھوڑی دیر میں اس سے اجازت لے کر اس کے دماغ میں جاؤں گا۔ پھر معلوم کروں گا۔ فی الحال مجھے دی کلر کے متعلق معلوم کرنا چاہیے۔"

میں بلیک شیڈو کے پاس پہنچ گیا۔ جیسے ہی پہنچا، اس کے منہ پر ایک گھونسا لگا۔ میں ایک دم سے چونک گیا۔ وہ گھونسا کھاتے ہی ایک کرسی پر جا کر بیٹھ گیا تھا۔ اس کے چاروں طرف چھ آدمی تھے۔ ان میں سے ایک کہہ رہا تھا "تم چالاک بننے کی کوشش کر رہے ہو... مگر ہمارا پُراسرار باس اپنے سائے پر بھی بھروسا نہیں کرتا۔ پھر تم پر کیسے کر سکتا تھا۔ تم نے جان بوجھ کر اسپیکر اور مائک کے درمیان وہ خرابی پیدا کر دی تھی۔"

بلیک شیڈو نے انکار میں سر ہلا کر کہا "نہیں یہ جھوٹ ہے۔ میں قسم کھاتا ہوں، میں نے کوئی خرابی پیدا نہیں کی۔"

ایک نے پوچھا "پھر مائک پر بولنے والے کی آواز اسپیکر تک پہنچ کر تبدیل کیوں نہیں ہوئی؟"

ایک شخص نے بلیک شیڈو کا گریبان پکڑ کر اسے کرسی سے اٹھایا۔ پھر الٹا ہاتھ اس کے منہ پر رسید کیا۔ وہ پھر کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس شخص نے کہا "ہمارے پُراسرار باس نے پہلے ہی ہمیں حکم دیا تھا کہ جب تم مائک کے اسپیکر وغیرہ کا کام کر لیا کرو تو تمہیں اس کمرے سے ہٹا دیا جائے۔ آج تک تمہارے سامنے وہ شخص کبھی نہیں آیا جو مائک کے پاس بیٹھ کر دی کلر کے دماغ میں پہنچ جاتا ہے۔"

بلیک شیڈو نے رونے کے انداز میں کہا "تم لوگ کیسی باتیں کر رہے ہو، میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔"

ایک اور شخص نے کہا "ہم تمہیں سمجھا رہے ہیں، تم یہ نہیں جانتے تھے کہ مائک کے پاس بیٹھ کر جو شخص بولتا ہے وہ اپنے کان پر ہیڈ فون پہنے رہتا ہے۔ اس کی آواز جب اسپیکر تک جا کر تبدیل ہوتی ہے تو وہ تبدیل شدہ آواز اسے اپنے ہیڈ فون پر سنائی دیتی ہے۔ اس طرح اسے پتا چلتا ہے کہ مائک سے لے کر اسپیکر تک کوئی خرابی نہیں ہے اور اس کا بدلا ہوا لب و لہجہ دی کلر تک پہنچ رہا ہے لیکن آج جب اس نے ہیڈ فون لگا کر اپنی ہی آواز سنی تو وہ چونک گیا۔ اسے اس کی اپنی اصلی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اس نے فوراً ہی مائک کو آف کر دیا۔"

ایک اور شخص نے کہا "ہم تمہاری یہ خوش فہمی ختم کر دیں کہ مائک کے پاس ہمارا پُراسرار باس بیٹھ کر بولتا ہوگا نہیں،

وہاں بھی ہم جیسے ہی آلۂ کار کام کرتے ہیں۔ اگر تم نے فرہاد کے اشارے پر یہ حماقت کی ہے تو فرہاد سے بھی کہہ دینا کہ وہ پُراسرار باس تک کبھی نہیں پہنچ سکے گا۔ تمھاری پیدا کردہ خامی کے باعث جو شخص مائک کے پاس بیٹھ کر بولتا تھا اور جس نے اپنی اصل آواز میں ایک فقرہ ادا کیا ہے اور وہ فقرہ دی کلر کے ذریعے شاید فرہاد نے سنا ہو تو اسے یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ ہم نے اس مائک کے پاس بولنے والے کو گولی مار دی ہے۔"

میں بلیک شیڈو کے دماغ میں رہ کر ان کی باتیں سن رہا تھا اور سمجھ رہا تھا کہ پُراسرار شخص بہت ہی محتاط ہے۔ اپنے خاص آدمیوں میں سے بھی کسی کی بھول چوک برداشت نہیں کرتا ہے۔ یقیناً اسے گولی مار دی گئی ہو گی۔ اس نے کانوں سے ہیڈ فون لگا کر جو ایک فقرہ ادا کیا تھا اور بعد میں اسے غلطی کا احساس ہوا تھا تو وہ فقرہ شیبا نے دی کلر کے دماغ میں رہ کر ضرور سنا ہو گا۔

لیکن ابھی شیبا کے پاس جانے کا وقت نہیں تھا۔ میں نے بلیک شیڈو سے وعدہ کیا تھا کہ وہ میرے کام آئے گا تو میں اس کے کام آؤں گا۔ اور اسے وہاں سے فرار ہونے کا موقع دوں گا۔ اب اس کی جان پر بنی ہوئی تھی، ایسے میں میں اسے چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔

اس وقت بلیک شیڈو اپنے طور پر صفائی پیش کرتے ہوئے کہہ رہا تھا: "دوستو! خواہ مخواہ مجھ پر شبہ نہ کرو۔ مجھے یہاں عیش و آرام سے رکھا گیا ہے۔ کسی بات کی تکلیف نہیں ہے۔ میں بھلا باس سے غداری کیوں کروں گا؟ اور میں یقین دلاتا ہوں، فرہاد سے میرا کوئی رابطہ نہیں ہے۔"

ایک شخص نے پھر اس کے منہ پر الٹا ہاتھ رسید کیا پھر کہا: "ہم تمھیں بھی پہلی فرصت میں گولی مار دیتے لیکن انتظار کر رہے ہیں۔ تم فرہاد کے کام آتے رہے ہو، وہ بھی تمھارے کام آئے گا۔ ہم تمھیں مہلت دے رہے ہیں۔ پکارو، اسے پکارو۔ مرتے وقت یہ حسرت نہ رہے کہ ہم نے تمھیں فرہاد سے مدد طلب کرنے کا موقع نہیں دیا تھا۔"

مجھے یقین ہو گیا کہ وہ لوگ بلیک شیڈو کو گولی مار دیں گے۔ اگر ایسا ہو جائے گا تو مجھے بے حد افسوس ہو گا۔ وہ میرے کام آیا تھا، اب اس کی زندگی بچانا میرا فرض تھا۔ میں نے اس بولنے والے شخص کے دماغ میں پہنچنے کی کوشش کی۔ اس نے فوراً سانس روک لی۔ پھر مسکرا کر بولا: "اوہ فرہاد علی تیمور! میرے دماغ میں آنا چاہتے ہو۔ نہیں بھئی، ادھر نو ویکینسی ہے لہٰذا اپنے آلۂ کار ہی کے دماغ میں جا کر اس کے ذریعے ہم سے گفتگو کرو۔"

میں نے بلیک شیڈو کے دماغ میں پہنچ کر اس کی زبان سے کہا: "میں فرہاد علی تیمور بول رہا ہوں۔ تم اسے زندہ رہنے کی کتنی مہلت دے سکتے ہو؟"

"صرف پانچ منٹ۔"

"میں کہتا ہوں اسے آدھے گھنٹے تک زندہ رہنے دو۔ ابھی تمھارا وہ پُراسرار باس تمھیں اس کی جان بخشنے کا حکم دے گا۔"

"تم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے ہمارے باس کے دماغ میں پہنچ چکے ہو۔"

"آدھے گھنٹے کے اندر تمھیں اپنی بات کا جواب مل جائے گا۔"

اس نے طنزیہ انداز میں کہا: "ہم تمھارا یہ کارنامہ ضرور دیکھیں گے۔ اس کے لیے آدھے گھنٹے کی مہلت دیں گے مگر یاد رکھنا کوئی چالاکی نہیں چلے گی۔"

"اچھی بات ہے، میں ابھی آتا ہوں۔"

میں فوراً ہی سُپر ماسٹر کے دماغ میں پہنچ گیا۔ جب اسے مخاطب کیا تو اس نے چونک کر پوچھا: "کون فرہاد صاحب؟"

"ہاں، میں فرہاد علی تیمور بول رہا ہوں۔ تم یقیناً یہ جانتے ہو کہ تمھارے علاوہ بھی ایک سُپر ماسٹر ہے جو تم سے بھی سُپر ہے اور تمھارے اسی ملک سے تعلق رکھتا ہے؟"

"نہیں فرہاد صاحب! یہ کیسے ممکن ہے؟ ایک وقت میں ایک ہی سُپر ماسٹر ہوتا ہے۔"

"ہاں، دوسری تنظیموں کو دھوکا دینے کے لیے تم ایک کی طرح سُپر ماسٹر بنے ہوئے ہو ورنہ اصل میں کوئی اور ہے جو اپنے آپ کو پُراسرار شخص کہتا ہے۔"

"کیا آپ اس سلسلے میں ثبوت پیش کر سکتے ہیں؟"

"ثبوت ضروری نہیں ہوتا۔ ہاں، ٹھوس دلائل دے سکتا ہوں۔ میں تو کیا، دوسری خطرناک تنظیموں کے سربراہ اب یقین سے کہنے لگے ہیں کہ وہ پُراسرار شخص اصل سُپر ماسٹر ہے۔ وہ بڑی کامیابی سے اب تک پُراسرار بنا رہا لیکن انسان ہے، کہیں تو غلطی ضرور کرے گا۔ سو اس نے غلطی کی۔ سب سے پہلی غلطی یہ کہ اس نے رسونتی، سونیا اور اعلیٰ بی بی کو اغوا کرانے کے بعد الاسکا پہنچا دیا۔ اس کے بعد رسونتی کو ہوائی جہاز سے پہنچایا یعنی میری تینوں ساتھی عورتوں کو اسی ملک کے شمال سے جنوب تک خواہ مخواہ گردش میں رکھا۔"

سُپر ماسٹر نے کہا: "یہ تو کوئی دلیل نہ ہوئی۔"

"ٹھوس دلائل یہ ہیں کہ جب تک رسونتی ... کی ساتھ ہار رہے سے برازیل تک سفر کرتی رہی، وہاں اس کی نگرانی کے لیے صرف سادہ لباس والے ہی سفر نہیں کر رہے تھے بلکہ بعض جگہ فوجیوں کو بھی استعمال کیا گیا۔ اور بحری، فضائی اور خشکی کے تمام راستوں کی ناکہ بندی کی گئی۔ تمام ایئرپورٹ وغیرہ میں ایسے احکامات صادر کیے گئے جو یہاں کے اعلیٰ حکام کی زبان سے ہی صادر ہو سکتے تھے۔"

میں نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا: "سُپر ماسٹر! میں نے تمھارے آدمیوں سے آدھے گھنٹے کی مہلت حاصل کی ہے تاکہ وہ بلیک شیڈو کو گولی نہ ماریں۔ میں اس کی جان بخشی کا حکم چاہتا ہوں۔ اگر آدھے گھنٹے سے پہلے حکم نہ دیا گیا تو بلیک شیڈو کی طرح تمھیں بھی اپنی جان سے جانا ہو گا۔"

وہ ایک دم سے ہڑبڑا کر اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ کہنے لگا۔ "یہ کیا کہہ رہے ہو۔ کسی بلیک شیڈو کی وجہ سے تم مجھے کیوں ہلاک کرنا چاہتے ہو؟"

"میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ اگر تم اپنی زندگی چاہتے ہو تو اپنی حفاظت کے لیے دنیا بھر کے حفاظتی انتظامات کر لو یا پھر اپنے اس اعلیٰ سُپر ماسٹر تک یہ خبر فوراً پہنچا دو کہ بلیک شیڈو کے بدلے تمھاری جان جانے والی ہے، اگر وہ تمھاری زندگی بچانا چاہیں گے تو بے چارہ بلیک شیڈو بھی حرام موت مرنے سے بچ جائے گا۔"

پھر میں نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا: "میری گھڑی سے اپنا وقت ملا لو۔ صرف اٹھارہ منٹ رہ گئے ہیں۔ اٹھارہ منٹ کے بعد تم اور بلیک شیڈو دونوں ہی مر گئے یا دونوں ہی زندہ رہو گے۔"

وہ فوراً ہی اعلیٰ حکام سے رابطہ قائم کرنے لگا۔ میں نے کہا: "میں پندرہ منٹ کے بعد آؤں گا۔ اس کے بعد صرف تین منٹ رہ جائیں گے۔"

میں نے بلیک شیڈو کو آ کر تسلی دی: "تم اطمینان سے بیٹھے رہو۔ ابھی تھوڑی دیر میں تمھاری رہائی کا حکم سنایا جائے گا۔"

اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ کیوں کہ اس کے سامنے ایک کرسی پر جو شخص بیٹھا ہوا تھا اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا اور ریوالور کا رُخ اسی کی طرف تھا۔ وہ بلیک شیڈو سے کہہ رہا تھا۔ "ہم دونوں آمنے سامنے ایک ایک کرسی پر بیٹھے ہیں۔ دونوں ہی زندہ ہیں۔ فرہاد نے اگر آدھے گھنٹے کے اندر تمھارے لیے کچھ نہیں کیا تو اس کرسی پر میں زندہ رہوں گا اور اس کرسی پر تم مردہ نظر آؤ گے۔"

دس منٹ اور گزر گئے۔ میں بلیک شیڈو کے دماغ میں تھا۔ اس خیال سے کہ اگر اسے رہائی نصیب نہ ہوئی تو وہاں کسی طرح ہنگامہ برپا کر دوں گا اور بلیک شیڈو کو فرار ہونے کا موقع دوں گا۔

بارہ منٹ کے بعد ہی ٹیلیفون کی گھنٹی بجنے لگی۔ ایک شخص نے ریسیور اٹھا کر سنا پھر وہ ٹیلیفون اٹھا کر ریوالور والے شخص کے پاس آیا۔ ریسیور اسے تھما دیا۔ اس نے ریسیور کو کان سے لگا کر کہا: "ہیلو، میں میکی بول رہا ہوں۔"

وہ چپ ہو کر سننے لگا۔ ساتھ ہی بلیک شیڈو کی طرف دیکھتا جاتا تھا۔ پھر اس نے کہا: "یس سر! میں انتظار کروں گا۔"

اس نے ریسیور رکھتے ہوئے بلیک شیڈو سے کہا: "اگر فرہاد علی تیمور تمھارے پاس موجود ہے تو اس سے کہو کہ وہ سُپر ماسٹر کے پاس جائے۔"

میں نے بلیک شیڈو کی زبان سے کہا: "میں موجود ہوں۔ مگر اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک اس کی رہائی کا حکم سنایا نہیں جائے گا۔"

اس نے کہا: "ہم وعدہ کرتے ہیں، جب تک تم یہاں واپس نہیں آؤ گے، ہم اس شخص کو نقصان نہیں پہنچائیں گے۔"

میں نے سُپر ماسٹر کے پاس آ کر اسے مخاطب کیا۔ اس نے کہا: "مسٹر فرہاد! ہم ابھی بلیک شیڈو کی رہائی کا حکم دے رہے ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی پُراسرار شخص کا تعلق ہمارے ملک سے ہے یا وہ میرے اوپر کوئی دوسرا سُپر ماسٹر ہے..."

میں نے پوچھا: "کیا تم بلیک شیڈو کو نہیں جانتے ہو؟"

اس نے انکار کیا۔ میں نے پھر پوچھا: "کیا تم یہ بھی نہیں جانتے کہ بلیک شیڈو کو کہاں قید کر کے رکھا گیا ہے؟"

اس نے پھر انکار کرتے ہوئے کہا: "میں اس شخص کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔"

میں نے کہا: "لیکن اس شخص کو جو لوگ گولی مارنے آئے ہیں انھوں نے ابھی ٹیلیفون پر بات کرنے کے بعد مجھ سے کہا ہے کہ میں سُپر ماسٹر سے رابطہ قائم کر دوں۔"

میری اس بات پر وہ گڑبڑا گیا۔ میں نے کہا: "جب تم بلیک شیڈو کو نہیں جانتے اور یہ بھی نہیں جانتے کہ اسے کہاں قید کر کے رکھا گیا ہے تو مجھ سے یہ کیسے کہہ رہے تھے کہ ابھی اس کی رہائی کا حکم دے دیا جائے گا۔"

اس نے کہا: "تم بال کی کھال نکال رہے ہو۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ ہم اپنے ملک میں کسی کو قتل کرنے یا کسی کو قتل ہونے نہیں دینا چاہتے، خواہ وہ بلیک شیڈو ہو یا کوئی او...

بہر حال اس کی رہائی کا حکم دے دیا گیا ہوگا۔ مجھے یقین ہے کہ تم مجھ سے دشمنی نہیں کرو گے۔"

میں نے کہا: "اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھو میں نے کبھی دشمنی کرنے میں پہل نہیں کی۔ اگر آج بھی تمھارے لوگ میرے آدمی کو قتل کی دھمکی نہ دیتے تو میں تمھیں دھمکی دینے کبھی نہ آتا۔"

میں بلیک شیڈو کے پاس پہنچ گیا۔ وہ خوش نظر آرہا تھا کیوں کہ رہائی کا حکم سنا دیا گیا تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ اسے اس کی رہائش گاہ کی طرف بھیجا جا رہا ہے، کل تک اسے ٹکٹ وغیرہ فراہم کر دیے جائیں گے تاکہ وہ اپنے وطن واپس جاسکے۔ میں نے اسے نئی زندگی کی مبارک باد دی۔ اس نے کہا: "جناب! آپ اپنی زبان کے پکے ہیں، جو کہا تھا وہ کر دکھایا لیکن میں پیرس کس طرح واپس جاسکتا ہوں۔ وہاں پہنچتے ہی گرفتار کر لیا جاؤں گا کیوں کہ مجھے جیل سے اغوا کر کے لایا گیا تھا۔"

"فکر نہ کرو، یہاں سے جاؤ۔ میں جناب شیخ الفارس کے ذریعے فرانسیسی حکام سے رابطہ قائم کر کے تمھیں معافی دلانے کی کوشش کروں گا۔"

میں دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہوا۔ سونیا نے پوچھا۔ "کیا ہوا؟"

"کچھ بھی نہ ہو سکا۔ بلیک شیڈو نے میری ہدایت پر عمل کیا تھا لیکن پُراسرار شخص بھی بہت چالاک ہے، وہ حفاظتی انتظامات پہلے ہی کر چکا تھا۔ اس لیے جو خرابی اسپیکر اور مائک کے درمیان پیدا کی گئی تھی، اس سے ہم فائدہ نہ اٹھا سکے۔"

میں نے سونیا کو ساری تفصیلات بتائیں۔ اس نے سننے کے بعد کہا: "وہ پُراسرار شخص یقیناً اصل سپر ماسٹر ہے۔ تم نے جو دلائل پیش کیے ہیں، وہ قابلِ قبول ہیں۔ اب جب کہ بلیک شیڈو کو معافی مل گئی ہے تو اس بات سے یہ بھی ثابت ہو گیا ہے کہ سپر ماسٹر اپنے ماتحت سپر ماسٹر کو ٹیلی پیتھی کے ذریعے آنی والی موت سے بچانے کے لیے بلیک شیڈو کو رہا کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔"

میں نے کہا: "ہم نے اس پُراسرار شخص کی نشاندہی کر دی ہے لیکن وہ سپر ماسٹر کون ہے، کیا نام ہے، یہ ہم معلوم نہ کر سکے۔ جس دن ہم یہ معلوم کر لیں گے اس دن اس پُراسرار شخص کی ساری خوش فہمی ختم ہو جائے گی۔"

"اس پُراسرار شخص کو بے نقاب کرنا اتنا ضروری نہیں ہے، ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں۔ ہمیں اپنے دوسرے ساتھیوں کی خیریت معلوم کرنا چاہیے اور..."

میں نے کہا: "سب سے پہلے شیبا کی خیریت معلوم کرنا چاہیے۔ آخر اسے اچانک کیا ہو گیا ہے؟"

"تم اس کے پاس جاؤ اور معلوم کرو۔"

"میں اس کے پاس نہیں جاسکتا۔"

اس نے حیرانی سے پوچھا: "کیوں؟"

"وہ نہیں چاہتی کہ میں اس کے دماغ میں جاؤں۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟"

"اب میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"پھر اس سے رابطہ کیسے قائم ہوگا؟"

"وہ خود میرے پاس آئے گی یا تم سے رابطہ قائم کرے گی۔"

وہ چند لمحے تک سر جھکائے سوچتی رہی پھر بولی: "وہ نہیں چاہتی کہ تم اس کے چور خیالات پڑھو۔ اس کے دل میں ایسی کوئی بات ہے جسے وہ چھپائے رکھنا چاہتی ہے۔"

وہ کہتے کہتے رک گئی۔ خلا میں تکنے لگی۔ میں نے فوراً اس کے دماغ میں آواز لگائی تو مجھے شیبا کی سوچ سنائی دی۔ وہ سونیا سے کہہ رہی تھی: "میں خیریت سے ہوں، تم دونوں خواہ مخواہ میرے لیے پریشان ہو رہے ہو۔"

سونیا نے سوچ کے ذریعے کہا: "کیا یہ پریشان ہونے کی بات نہیں ہے کہ تم اچھی بھلی تھیں اور اچانک بیمار ہو گئیں۔"

"کبھی کبھی آدمی اچانک بیمار ہو جاتا ہے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ بیمار کیسے ہو گیا۔"

"ڈاکٹر کی سمجھ میں تو آسکتا ہے۔"

"بھئی مجھے معمولی سا بخار تھا۔ میں نے ایک ٹیبلٹ کھائی، پانی پیا اور تھوڑی دیر بعد آرام آ گیا۔"

"کیا تم نے جناب شیخ الفارس کو ہمارے متعلق سب کچھ بتا دیا ہے؟"

"ہاں، میں نے انھیں یہ بھی بتا دیا ہے کہ فرہاد صحت یاب ہو گئے ہیں اور اب خیال خوانی کر سکتے ہیں، وہ کہہ رہے تھے کہ لومی اور والشورو کی وغیرہ کی خیریت معلوم کرنا چاہیے۔"

سونیا نے کہا: "شیبا! میں، تم اور فرہاد ہمیں ایسے ہیں کہ گھر بیٹھے اپنے ساتھیوں کی خیریت معلوم ہو جاتی ہے، تم دو ٹیلی پیتھی کے ذریعے معلوم کرتے ہو اور اب میری آگاہی کا ذریعہ شیطان ہے۔"

میں نے پوچھا: "کیا شیطان ہمارے درمیان موجود ہے؟"

سونیا نے کہا: "وہ کب موجود نہیں رہتا۔ اگر شیبا کو چھیڑتے تو وہ ہمیں پھر بہکانا شروع کر دیتا۔"

یہ کہہ کر وہ ہنسنے لگی۔ شیبا نے پوچھا: "کیا میں جا

سونیا نے کہا: "ارے نہیں، میں تو مذاق کر رہی تھی۔"

میں نے سونیا سے جاپانی زبان میں کہا: "میں یہ سوچ کر بے چین ہو رہا ہوں کہ آخر شیبا اچانک بیمار کیسے پڑ گئی تھی۔ میں معلوم کرنا چاہتا ہوں، تم اسے باتوں میں الجھائے رکھو۔"

شیبا نے پوچھا: "یہ اچانک جاپانی زبان میں گفتگو کیوں ہو رہی ہے؟"

سونیا نے جلدی سے کہا: "فرہاد کہہ رہے ہیں کہ شیطان یہ زبان سمجھتا ہے یا نہیں۔ میں یہ جواب شیطان سے طلب کر رہی ہوں۔"

پھر وہ جاپانی زبان میں الٹی سیدھی باتیں کرنے لگی۔ میں نے فوراً ہی شیبا کے دماغ میں چھلانگ لگائی۔ اسے میری موجودگی کا علم نہ ہو سکا۔ وہ سونیا کی باتوں میں الجھی ہوئی تھی۔

مجھے صرف اتنا معلوم کرنا تھا، وہ اچانک بیمار کیسے پڑ گئی جب کہ دی کلر کے دماغ میں تھی اور اس وقت کا انتظار کر رہی تھی جب مائک کے پاس بولنے والے کا اصل لب و لہجہ سنائی دے گا۔ میں اسے اتنی بڑی ذمے داری سونپ کر سونیا کے ساتھ آیا تھا پھر شیبا کو کیا ہو گیا تھا۔ اسے اچانک بخار کیسے آ گیا تھا؟

اس بات کا جواب مجھے فوراً ہی مل گیا۔ میں نے زیادہ اس کے دماغ کو کریدنا مناسب نہیں سمجھا۔ پھر دماغی طور پر حاضر ہو گیا۔ سونیا میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں نے مخصوص اشارہ کیا۔ اس نے اپنی بکواس بند کر دی۔

اصل بات یہ ہے کہ شیبا نے دی کلر کے دماغ میں رہ کر اس شخص کا اصل لب و لہجہ سنا تھا جو مائک کے پاس بیٹھا ہوا بول رہا تھا۔ اس نے ایک ہی فقرہ ادا کیا تھا، اور خاموش ہو گیا تھا۔ کیوں کہ خود بولنے والے کو اپنے ہیڈ فون کے ذریعے اپنی اصل آواز سنائی دی تھی اور وہ محتاط ہو گیا تھا۔ شیبا نے پوری توجہ سے اس کے ایک فقرے کو نہیں سنا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی، ابھی وہ کچھ اور بولے گا مگر جب ادھر سے کوئی آواز سنائی نہیں دی تو اس نے اس ایک فقرے کو یاد کیا۔ پھر بھی وہ شخص نہ بولا۔ تب اس نے سوچا کہ فرہاد کو صورتِ حال سے آگاہ کرنا چاہیے۔ اس لیے وہ میرے دماغ میں آ گئی۔

وہ ایسے لمحات تھے جب سونیا محبت سے میرا دامن تھام رہی تھی۔ میں کسی سے ہار نہیں مانتا مگر محبت سے زیر ہو جاتا ہوں۔ اس لیے سونیا کی محبت کے آگے ہتھیار ڈال رہا تھا۔ میں شیبا کو اپنے دماغ میں محسوس نہ کر سکا۔ اگرچہ میں صحت یاب ہو رہا تھا، دماغی توانائی حاصل ہو گئی تھی لیکن وہ غیر معمولی توانائی حاصل نہیں ہوئی تھی جس کے ذریعے میں پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کرتا اور سانس روک لیتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شیبا میرے دماغ میں آئی تو جیسے پر کٹ گئے۔ اس کی سوچ پرواز کرتے ہوئے واپس نہ جاسکی۔ وہ جہاں تھی وہیں رہ گئی تھی۔

اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اسے ٹھہر جانا چاہیے یا بھاگ جانا چاہیے۔ کچھ کتابیں ایسی ہوتی ہیں جنھیں نہیں پڑھنا چاہیے مگر پڑھنے والا شروع کرتا ہے تو پڑھتا چلا جاتا ہے۔ ایسے ہی وقت سوال پیدا ہوتا ہے، کیا انسان بھٹکتا ہے یا شیطان چپ چاپ اسے بہکاتا چلا جاتا ہے۔ شیبا سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ٹیلی پیتھی کی جادو نگری میں کہاں سے کہاں پہنچ جائے گی۔ وہ محوِ حیرت تھی کہ اب دل کیا سے کیا ہو جائے گا۔

پہلے تو اس پر سکتہ سا طاری ہو گیا تھا۔ جب اسے ہوش آیا تو وہ فوراً میرے دماغ سے بھاگ گئی۔ دماغی طور پر اپنی جگہ پہنچ گئی اور اپنے کمرے کے بستر پر گر پڑی۔ وہ پسینہ پسینہ ہو رہی تھی۔ اور ہولے ہولے کانپ رہی تھی۔ پھر اسے محسوس ہوا جیسے اس کا بدن تپ رہا ہے اور وہ بخار میں مبتلا ہو۔

میں نے سونیا کو دیکھتے ہوئے پوچھا: "شیبا موجود ہے؟"

اس نے انکار میں سر ہلا کر کہا: "وہ ابھی میرے پاس سے گئی ہے، کہہ رہی تھی، لومی اور والشورو کی وغیرہ کی خیریت معلوم کر کے جناب شیخ الفارس کو بتائے گی۔"

میں نے کہا: "تم کہہ رہی تھیں کہ جس طرح ہم ٹیلی پیتھی کے ذریعے بہت کچھ معلوم کر لیتے ہیں، اسی طرح تم شیطانی علم سے معلومات حاصل کر لیتی ہو۔ آخر یہ سب کچھ کیسے ہوتا ہے؟ تم ابھی کون سی اہم معلومات حاصل کر رہی ہو، کیا مجھے بتا سکتی ہو؟"

وہ میرے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ پھر کہنے لگی: "آج شیطان سے میری دوستی ہے، مگر مجھے اس بات پر فخر ہے کہ میں نے بابا فرید واسطی مرحوم کے سامنے زانوئے ادب طے کیا ہے، ان سے اتنا کچھ سیکھا ہے کہ شیطان کی دوستی بھی مجھے گمراہ نہیں کر سکتی۔"

ان کا کہنا تھا کہ علم جائز ذرائع سے حاصل کرو۔ جائز ذرائع کا مطلب یہ ہے کہ اپنی محنت سے، اپنی کمائی سے اور اپنی تمام تر ذہانت سے۔ ناجائز ذرائع کا مطلب ہے، حرام کی کمائی سے یا بغیر محنت کیے کسی کی سفارش کے ذریعے کامیاب ہونا یا ایسا راستہ اختیار کرنا جس سے علم تو حاصل ہوتا ہو مگر دوسروں کو نقصان پہنچتا ہو اور دوسروں کی ہلاکت کا سبب بنتا ہو۔ جیسے کالا علم حاصل کرنے کے لیے لازمی ہے کہ دوسروں

کو نقصان پہنچایا جائے یا دوسروں کی جان کی قربانی دی جائے۔

ایسا شیطانی علم کمزور ہوتا ہے۔ کمزوروں پر اثر کرتا ہے، اسی لیے شیطان کمزوروں پر غالب آتا ہے۔ جو ایمان کے ٹھوس اور ارادے کے مضبوط ہوتے ہیں، ان پر وہ اثر انداز نہیں ہوتا۔

"فرہاد! تم نے ٹیلی پیتھی کا علم جائز طریقے سے حاصل کیا۔ تم نے یہ علم حاصل کرتے وقت نہ کسی کو پریشان کیا، نہ کسی کو نقصان پہنچایا۔ اپنی محنت اور اپنی ذہانت استعمال کی اور اسے حاصل کیا۔ اس کے برعکس میں شیطانی علم رکھتی ہوں۔ جب تک شیطان سے دوستی ہے، مجھے غیب کی باتیں معلوم ہوتی رہیں گی۔"

میں نے کہا "لیکن تم نے تو کوئی ناجائز طریقہ اختیار نہیں کیا اور نہ ہی کالا علم حاصل کیا ہے۔"

"کیا یہ جائز ہے کہ میں نے شیطان سے دوستی کی ہے؟"

"جائز بھی نہیں سمجھتی ہو اور دوستی بھی کرتی ہو۔"

"یہ دوستی اس وقت تک قائم رہے گی جب تک مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا "دیکھنا ہے کہ تمھاری اور شیطان کی دوستی کیا رنگ لاتی ہے۔ فی الحال یہ بتاؤ، ہمارے ساتھیوں کے متعلق تم کیا جانتی ہو؟"

"اپنے ساتھیوں کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے دوران دشمنوں پر نظر رکھنا پڑتی ہے لہٰذا میں نے ان کے متعلق جو معلومات حاصل کی ہیں، وہ سنو۔"

وہ بتانے لگی "جب دو عدد سونیا ایک دوسرے کے لیے چیلنج بنی ہوئی تھیں تب پومی نے دونوں ہی کو ڈمی ثابت کر دیا تھا۔ ان سے لڑنے کے دوران والشورو کی نے چیلنج کیا کہ پومی یہاں صرف دی کلر کے لیے آئی ہے اور اس کا سر کاٹ کر لے جائے گی۔

اس چیلنج نے تمام دشمنوں کو چونکا دیا ہے، اگر وہ ایک عام سی لڑکی ہوتی تو اس چیلنج کو بچکانہ سمجھا جاتا لیکن والشورو کی نے اس وقت چیلنج کیا جب پومی اپنے جوہر دکھا چکی تھی۔ اس نے دی کلر کے مقابلے میں صرف ذرا سی دیر کے لیے اپنے فن کا مظاہرہ کیا تھا۔ سلیمان جوگو کے لیے چیلنج بن گئی تھی۔ بھرے مجمع میں ایک سونیا کی پٹائی کی تھی۔ دوسری سونیا کو میدان چھوڑنے پر مجبور کیا تھا۔ اس کے لڑنے کا انداز اتنا انوکھا تھا کہ وہ سب کی نگاہوں کا مرکز بن گئی تھی۔ اور سب کو اپنے اپنے طور پر سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ پھر بھلا دشمن اس کے متعلق کیسے نہ سوچتے۔ اس کی اطلاع تمام خطرناک تنظیموں کے سربراہوں تک پہنچی تھی۔ اب سبھی پومی کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں کہ یہ کون ہے۔ کہاں سے آئی ہے۔ اب تک کہاں روپوش تھی اور یک بیک اس کو منظرِ عام پر لانے کا مقصد کیا ہے؟

مختلف تنظیموں کے سربراہوں کا متفقہ خیال ہے کہ ڈاکٹر ٹے کاکس ہی فرہاد تھا۔ اس کی طرف سے توجہ ہٹانے کے لیے پومی کو ایک سرپرائز، ایک دھماکا، ایک چیلنج بنا کر اچانک سامنے لایا گیا ہے۔

ماسٹر کِی نے بڑی محنت سے ایک ڈمی سونیا تیار کی تھی۔ دوسری طرف شیطان نے ماسٹر کِی کو فریب دینے اور اس ڈمی سونیا کے مقابل ایک اور ڈمی سونیا لانے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اس منصوبے پر عمل بھی کر رہا تھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ماسٹر کِی اور شیطان کی دو عدد ڈمی سونیا بہت ہنگامہ پیدا کرنے والی تھیں۔ ہمارے لیے بھی چیلنج بن جاتیں اور دوسری تنظیموں کے لیے بھی یہ تماشا ایک مدت تک جاری رہتا لیکن ماسٹر کِی اور شیطان کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اچانک کوئی نوخیز دوشیزہ پومی منظرِ عام پر آئے گی اور ان کے منصوبوں کا کباڑا کر دے گی۔

اگرچہ دو عدد ڈمی سونیا کا بھید کھل گیا ہے تاہم ماسٹر کِی اور شیطان اپنے ارادے سے باز نہیں آئیں گے۔ وہ دوسرے انداز سے دونوں سونیا کو پیش کریں گے۔ اب بھی مختلف تنظیموں کے سربراہوں کو الجھانے کی کوشش کریں گے، اور ہمارے لیے دشواریاں پیدا کرنا چاہیں گے۔ جب تک میں روپوش رہوں گی، وہ اپنے منصوبوں پر عمل کرتے رہیں گے۔ لیکن سب سے زیادہ فکرمند وہ پُراسرار شخص ہے۔ اس نے کروڑوں ڈالر خرچ کر کے دی کلر کے دماغ کا آپریشن کرایا تھا۔ تیس برس کے ننھے سے بچے کو فولاد کی طرح مضبوط اور آسمان کی طرح نہ جھکنے والا بنا دیا تھا۔ یہ پُراسرار شخص کی خوش فہمی تھی کہ دی کلر ناقابلِ تسخیر ہے، ناقابلِ شکست ہے۔

یہ خوش فہمی اس وقت ختم ہوئی جب پہلی بار سلیمان جوگو سے اس کا مقابلہ ہوا۔ اگرچہ وہ مقابلہ فیصلہ کن نہیں تھا لیکن یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ سلیمان جوگو اس پر بھاری پڑ رہا تھا۔ اب آخری وقت میں دی کلر اس پر بھاری پڑ جاتا، یہ دوسری بات ہے۔ حقیقتاً دی کلر صرف اپنے مضبوط جسم سے لڑتا تھا، دماغ استعمال نہیں کرتا تھا۔ اس کے دماغ کو تو وہ لوگ استعمال کرتے تھے جو کمپیوٹر کے پیچھے بیٹھے ہوتے تھے اور ایک اسکرین کے ذریعے دی کلر کو دیکھتے رہتے تھے۔ مائک کے ذریعے اسے گائیڈ کرتے تھے اور جس کمپیوٹر کے ذریعے وہ حرکتیں کرتا تھا، کمپیوٹر میں مقابلہ کرنے کے جتنے گُر اور داؤ پیچ ہوتے ہیں، وہ سب سیٹ کر دیے گئے تھے۔ اس کے مطابق وہ مقابلہ کرتا تھا۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کمپیوٹر ہے کیا؟ کمپیوٹر تو ایک مشین ہے جسے انسان سیٹ کرتا ہے۔ اس کے بعد وہ مشین خود بخود کام کرنے لگتی ہے گویا اس کمپیوٹر میں مقابلہ کرنے کے جتنے گُر اور داؤ پیچ سیٹ کیے ہوئے تھے، وہ دوسرے انسانوں کے ہی سیٹ کیے ہوئے تھے جو اپنے طور پر بہترین فائٹر ہوں گے..."

میں نے سونیا کی باتوں میں مداخلت کرتے ہوئے کہا "کمپیوٹر کے ذریعے فائٹ کرنے کا طریقہ بہت ہی انوکھا ہے گویا کہ دی کلر ایک کمپیوٹر فائٹر ہے؟"

سونیا نے کہا "ہاں، جس طرح ہم دنیا بھر کے سوالوں کے جوابات کمپیوٹر میں حل کر دیتے ہیں اور دوسروں کے لیے ریاضی کے ہر سوال کا جواب اس میں موجود رکھتے ہیں، اسی طرح پُراسرار شخص نے ایسے چیدہ اور تجربے کار فائٹروں کی خدمات حاصل کیں اور ان کے ذریعے کمپیوٹر میں مقابلہ کرنے کے لیے ایسے ایسے گُر اور داؤ پیچ سیٹ کرائے جس سے دی کلر ناقابلِ تسخیر سمجھا جانے لگا۔ پُراسرار شخص یہ بھول گیا کہ جن لوگوں نے کمپیوٹر میں وہ تمام داؤ پیچ سیٹ کیے ہیں، ان فائٹروں سے بھی زیادہ کوئی شہ زور ہو سکتا ہے، ان سے بھی زیادہ داؤ پیچ جاننے والا یا پومی کی طرح انوکھے انداز میں لڑنے والی ہستی سامنے آ سکتی ہے۔

اب پومی جس انداز میں سامنے آئی ہے، اس نے پُراسرار شخص کو فکر میں مبتلا کر دیا ہے۔ والشورو کی نے چیلنج کیا ہے کہ یہ لڑکی دی کلر کا سر کاٹ کر لے جائے گی۔ چوں کہ بابا صاحب کے ادارے سے اور خصوصاً فرہاد سے تعلق رکھنے والے جو چیلنج کرتے ہیں، وہ اکثر پورا کر کے دکھاتے ہیں تو پھر یہ چیلنج پُراسرار شخص کی نیندیں کیسے نہیں اڑائے گا۔"

میں نے پوچھا "دی کلر کے لیے حفاظتی انتظامات اور سخت کیے جا رہے ہوں گے؟"

"صرف حفاظتی انتظامات ہی نہیں بلکہ مقابلہ کرنے کے لیے اور بھی نئے نئے گُر اور داؤ پیچ اس کمپیوٹر میں سیٹ کیے جا رہے ہیں۔"

دوسری بات یہ کہ وہ دی کلر کو ابھی پومی کے سامنے نہیں جانے دیں گے۔ اس سے پہلے پومی کو مختلف فائٹروں کے ذریعے چھیڑا جائے گا۔ اور دیکھا جائے گا کہ وہ کس انداز میں فائٹ کرتی ہے۔ اس کے لیے خفیہ کیمرے نصب کیے جائیں گے اور اس کے لڑنے کے انداز کو ریکارڈ کر کے اسکرین پر دیکھا جائے گا اور پھر اس کے توڑ میں کچھ اور نئے داؤ پیچ کمپیوٹر میں سیٹ کیے جائیں گے۔ پُراسرار شخص کبھی یہ نہیں چاہے گا کہ کسی بھی مقام پر دی کلر کو شکست ہو اور اس کا کٹا ہوا سر بابا صاحب کے ادارے میں پہنچ کر سارا بھید کھول دے۔"

میں سونیا کی باتیں سن رہا تھا اور اس مسئلے پر غور کر رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا "دی کلر جس انداز میں ہمارے سامنے آیا تھا، اسے دوسری خطرناک تنظیموں کے سربراہوں نے اور ان کے ماتحتوں نے دیکھا تھا جب ہمارے دماغ میں یہ بات آ گئی کہ دی کلر کے دماغ میں کوئی کمپیوٹر سسٹم ہے تو کیا یہ بات دوسروں کے دماغوں میں نہیں آئی ہو گی؟"

سونیا مسکرانے لگی۔ اس نے کہا "ہاں، دوسرے بھی یہی سوچتے آ رہے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ انھوں نے اظہار نہیں کیا۔ اس بات کو اپنے تک محدود رکھا۔ انھوں نے بھی یہی سوچا تھا کہ دی کلر جب بھی ہاتھ آئے گا تو ضرور اس کا سر توڑا جائے گا۔ اور اس راز تک پہنچا جائے گا لیکن بھرے مجمع میں پومی کی طرف سے سر کاٹنے کا چیلنج ایسا تھا کہ سب چوکنا ہو گئے ہیں۔ اب سب ہی اپنی اپنی جگہ سوچ رہے ہیں کہ پومی کامیاب ہو گی اور وہ دی کلر کا سر لے جائے گی تو پھر ان کے ہاتھ کیا آئے گا۔ بھید انھیں نہیں معلوم ہو گا صرف بابا صاحب کے ادارے تک محدود رہ جائے گا۔"

"یعنی اب تمام لوگوں کی نظروں میں دی کلر کا سر اہم ہو گیا ہے؟"

"ہاں، تمام خطرناک تنظیموں کے درمیان اب اس سر کے لیے رسّہ کشی ہو گی۔"

شیبا نے سونیا کے پاس آ کر پوچھا "کیا میں آ سکتی ہوں؟"

"ضرور آؤ، تمھارے لیے کوئی پابندی نہیں ہے۔ کہو، خیریت ہے؟"

"ہاں، سب خیریت سے ہیں۔ پومی اور والشورو کی آرام سے اپنی نیند پوری کر رہے ہیں۔ اعلیٰ بی بی بابا صاحب کے ادارے میں پہنچ چکی ہے لیکن ایک بُری خبر بھی ہے۔"

سونیا نے کہا "بُری خبر صرف کمزور دلوں کے لیے ہوتی ہے، تم بے دھڑک سناؤ۔"

"یہ خبر فرہاد کے لیے ہے کہ رسونتی اب ماں نہیں بن سکے گی۔"

میں سونیا کے دماغ میں پہنچ کر یہ باتیں سن رہا تھا۔ میں نے جواباً کہا۔ "مجھے باپ بننے کی اور خواہش نہیں تھی ویسے جو کچھ ہوا اُس میں رسونتی کی بھلائی ہے۔ اللہ جو کرتا ہے بہتر کرتا ہے۔ وہ اپنے بچکانہ ذہن کے ساتھ ممتا کے مرحلے سے نہیں گزر سکتی تھی۔ بائی دی وے یہ کیسے ہو گیا؟"

شیبا نے کہا۔ "اس کی بچکانہ حرکتوں کی وجہ سے ایسا ہو گیا۔ اسے منع کیا جاتا تھا لیکن وہ تیزی سے دوڑتی تھی اور سیڑھیاں بھی تیزی سے اترتی تھی۔ ایسے ہی وقت وہ پھسل کر گر پڑی۔ اب بابا صاحب کے ادارے میں زیرِ علاج ہے ویسے فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔"

"شیبا! تم نے مجھے اپنے دماغ میں رہنے سے منع کر دیا ہے۔ میں نے تو تمھارا راستہ نہیں روکا ہے۔ تم میرے پاس کیوں نہیں آتی ہو؟"

وہ میری بات کو نظر انداز کرتے ہوئے بولی۔ "میں بہت تھک گئی ہوں۔ اب جا کر سونا چاہتی ہوں۔"

سونیا نے کہا۔ "یہی بہتر ہے۔ یہاں بھی رات زیادہ ہو چکی ہے۔ فرہاد کو اب آرام سے سونا چاہیے۔"

وہ شب بخیر کہہ کر چلی گئی۔ سونیا نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑکی اور دروازوں کو چیک کیا پھر بتّی بجھا دی۔ اندھیرے میں شیطان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اُلّو اور شیطان رات کو نہیں سوتے۔ ہمیں اطمینان سے سونے دو۔ تمھاری کوئی شرارت نہیں چلے گی۔" میں نے اپنے اور سونیا کے دماغ کو ضروری ہدایات دیں، اس کے بعد ہم آرام سے سو گئے۔

ہدایات دینے کے بعد دماغ اتنا حساس ہو جاتا ہے کہ کمرے کے اندر ہلکی سی آہٹ ہو یا کوئی غیر معمولی تبدیلی ہو تو آنکھ فوراً کھل جاتی ہے یا پھر ہمارے اندر کوئی ایسی بات پیدا ہو جائے کوئی جذبہ یا کوئی بُرائی سوچ ہمارے اندر داخل ہو۔ تو دماغ فوراً ہی جھنجوڑ کر بیدار کر دیتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ... ہدایات دینے کے بعد شیطان بھی ہمارے اندر نہ آسکا اور ہم آرام سے سوتے رہے۔

یہ جو میں نے اپنی داستان میں شیطان کا ذکر شروع کیا ہے تو اس کی چند خاص وجوہات ہیں۔ پہلی وجہ تو یہ کہ میں ہر انسان کے دماغ میں پہنچتا ہوں۔ جس کے دماغ میں پہنچتا ہوں، اس کی صرف سوچ ہی نہیں پڑھتا بلکہ وہ جب دوسروں سے متاثر ہوتا ہے اور دوسروں کا ردِ عمل اس کے دماغ میں ہوتا ہے تو اس ردِ عمل کو بھی اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ میں نے بہت پہلے ہی اپنی داستان میں انسانی سوچ کی بنیاد بتائی ہے اور وہ یہ کہ سوچ دو طرح کی ہوتی ہے۔ مثبت اور منفی (پازیٹو اور نیگیٹو)۔ انسان جب پیدا ہوتا ہے اور پہلے پہل سوچنے سمجھنے اور اپنے طور پر عمل کرنے کے قابل ہوتا ہے تب سے وہ اپنے اندر لڑتا چلا آتا ہے اور وہ لڑائی منفی اور مثبت سوچ کی ہوتی ہے۔

اس بات کو مزید وضاحت سے یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ انسان شروع سے ہی اپنے اندر نیکی اور بدی کی جنگ میں الجھا رہتا ہے۔ ایک خیال اسے راہِ راست پر لے جانا چاہتا ہے۔ دوسرا خیال اسے گمراہ کرتا ہے۔ اسی گمراہی کے زمرے میں شیطان کا نام آتا ہے۔

ایک کہاوت ہے کہ انسان اپنے اندر خود بہت بڑا شیطان ہوتا ہے۔ اس کہاوت سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان کے اندر یقیناً شیطان موجود ہوتا ہے جو سمجھ میں نہیں آتا بلکہ انسان کو چُپ چاپ اپنے راستے پر چلاتا جاتا ہے۔

میں نے انسانی دماغوں کو پڑھتے پڑھتے اس حد تک معلومات حاصل کی ہیں کہ شیطان ہمارے اندر کہاں کہاں چھپا رہتا ہے۔ مثلاً لالچ میں چھپا رہتا ہے۔ یہ لالچ دولت کی طرف لے جاتا ہے۔ وہ ہوس میں چھپا رہتا ہے۔ یہ ہوس گناہ کی طرف لے جاتی ہے۔ وہ ہوسِ اقتدار میں چھپا رہتا ہے۔ اقتدار حاصل کرنے کا جذبہ اسے ناجائز طور پر بھی ملک گیری اور حکمرانی کی طرف لے جاتا ہے۔ جذبۂ برتری ہوتا ہے جو اپنے سامنے دوسروں کو کم تر دیکھنا چاہتا ہے۔ ایک جذبۂ تشدّد ہوتا ہے۔ دوسروں پر ظلم کر کے انھیں طرح طرح کی اذیتیں پہنچا کر دلی اور روحانی سکون حاصل ہوتا ہے۔ ان تمام منفی جذبات کے پیچھے شیطان چھپا ہوتا ہے۔

لیکن اب وہ مجھ سے چھپ نہیں سکتا۔ میں نے انسانی دماغوں کو پڑھتے پڑھتے اسے تلاش کر لیا ہے۔ چونکہ وہ سالم وجود کے ساتھ ہمارے سامنے موجود نہیں ہوتا اس لیے میں اس کے ذکر سے کتراتا رہا لیکن اب سوچتا ہوں کہ اسے وضاحت سے پیش کر دوں۔ جو بات عام لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی وہ میں ٹیلی پیتھی وغیرہ کے ذریعے کیسے سمجھتا ہوں، یہ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں۔

مثال کے طور پر میں اور سونیا اپنے دماغ کو ہدایت دے کر آرام سے سو گئے تھے۔ اب تو کوئی شیطانی چکر چل نہیں سکتا تھا لیکن شیطان باز نہیں آتا۔ وہ اپنا چکر چلانے

کے لیے کمزور افراد کو تلاش کرتا ہے اور انھیں اپنا آلۂ کار بناتا ہے۔ وہ کم بخت جانتا تھا کہ شیبا کو اچانک کیوں بخار چڑھ گیا تھا۔ اور وہ فرہاد کے پاس آنے سے کیوں کترا رہی تھی لہٰذا وہ شیبا کے پاس پہنچ گیا۔ وہ اپنے دماغ کو ہدایات دے کر گہری نیند میں تھی۔ اگر وہ شیطانی خیالات اس کے دماغ میں پہنچاتا تو بیدار ہو جاتی لہٰذا اس نے مثبت انداز اختیار کیا۔ ایک ہلکے سے خواب کا منظر پیش کیا۔ پھر اس منظر میں مجھے دکھایا گیا۔

یہ وہی شیبا تھی جو مجھ سے خوف کھاتی تھی کہ کہیں میں اس کے دماغ میں نہ پہنچ جاؤں۔ آج کل تو میں اس کے دماغ میں بھی پہنچتا تھا اور اس کے خوابوں میں بھی آتا تھا۔ اس خواب میں اس نے پہلے تو مجھے اجنبی کی حیثیت سے دیکھا پھر دوست کی حیثیت سے، پھر میں اسے محبوب نظر آنے لگا۔ رفتہ رفتہ وہ میری طرف کھنچی چلی آئی۔ مجھ سے بے تکلف ہونے لگی۔ اس نے میری اور سونیا کی تنہائی میں آکر جو غلطی کی تھی، وہ اب اسے غلطی نہیں سمجھ رہی تھی اور سونیا کی جگہ خود کو دیکھ رہی تھی۔

میں کہتا ہوں، یہ شیطان کی کارفرمائی تھی، اس نے شیبا کو میری محبوب اور میری مطلوب بنا دیا تھا۔ اگر اس سے انکار کیا جائے کہ شیطان ایسے تماشے نہیں کرتا تو پھر یہ نفسیاتی ردِ عمل تھا۔ شیبا نے جو کچھ ٹیلی پیتھی کی آنکھوں سے دیکھا تھا، اب اسے بند آنکھوں میں خواب کے ذریعے دیکھ رہی تھی۔ اور وہی باتیں خود پر دہرا رہی تھی۔ یہ نفسیاتی الجھنیں ہیں۔ کسی کی سمجھ میں آتی ہیں کسی کی سمجھ میں نہیں آتیں۔

بہر حال خواب ایسا تھا کہ شیبا کی آنکھ کھل گئی۔ وہ چند ساعتوں تک چُپ چاپ پڑی آنکھیں کھولے کمرے کی تاریکی میں ایک طرف تکتی رہی۔ پھر اس نے بھر پور انگڑائی لی۔ غبارے میں دھواں بھر جائے تو وہ بلندی کی طرف پرواز کرنے لگتا ہے۔ آدمی کے اندر دھواں بھر جائے تو وہ... انگڑائی کی اٹھان پر آجاتا ہے۔ شیبا کے اندر جانی انجانی خواہشوں کا دھواں سا بھر گیا تھا۔ اور میں کہتا ہوں کہ اس کے اندر شیطان انگڑائی لے رہا تھا۔

پھر اس کے اندر ایک خیال پیدا ہوا۔ 'مجھے چُپ چاپ سونیا کے پاس پہنچ کر دیکھنا چاہیے، وہ سو رہی ہے یا جاگ رہی ہے۔' (یہ منفی یا شیطانی خیال تھا۔)

شیبا نے انکار میں سر ہلا کر سوچا۔ 'نہیں، یہ غلط بات ہے۔ کسی کی تنہائی میں نہیں جانا چاہیے۔' (یہ مثبت اور صحیح انسانی سوچ تھی۔)

پھر اس کے دماغ میں بات آئی، 'میں وہاں کیوں گئی تھی اور جب گئی تھی تو فوراً واپس کیوں نہ آسکی۔ میں وہیں کیوں رہ گئی تھی؟ اب اگر میں وہاں جاؤں؟' (یہ وہی منفی اور شیطانی خیال)

شیبا نے ہچکچاتے ہوئے سوچا۔ 'نہیں مجھے نہیں جانا چاہیے۔ فرہاد مجھے اپنے دماغ میں محسوس کر لیتے ہیں اور سونیا تو شیطان کی خالہ ہے۔ کہیں اسے پتا چل گیا کہ میں آگئی ہوں تو؟' (اب شیبا جذبوں کے باعث کمزور پڑ رہی تھی یا پھر شیطان غالب آرہا تھا۔)

وہ تھوڑی دیر تک اپنے اندر لڑتی رہی۔ ایسے حالات میں ہر انسان اپنے اندر کے شیطان کو بھول جاتا ہے۔ صرف اپنے جذبوں کو یاد رکھتا ہے اور جذبات کی رو میں بہتا ہے۔ آخر وہ بہتے بہتے خیال خوانی کی پرواز پر مجبور ہو گئی۔ چپ چاپ سونیا کے دماغ میں پہنچ گئی۔

یہ انسان کی احتیاطی تدابیر اور شیطان کی چالوں کو سمجھنے کا مقام ہے۔ میں نے اور سونیا نے اپنے طور پر احتیاطی تدابیر کیں، دماغوں کو ہدایات دیں اور مطمئن ہو کر سو گئے۔ یقیناً شیطان خود ہمارے پاس نہیں آسکتا تھا، کسی کو ذریعہ بنا سکتا تھا لہٰذا اس نے شیبا کو ذریعہ بنا لیا۔

مگر افسوس! شیبا کو وہاں پہنچتے ہی مایوسی ہوئی۔ وہ سوچ رہی تھی، سونیا کے پاس آکر کسی طلسمی ماحول میں پہنچ جائے گی لیکن وہ تو بے خبر سو رہی تھی۔ وہ مایوس ہو کر واپس جانا چاہتی تھی۔ شیطان نے پھر اس کے دماغ میں سحر پھونکا، یہ خیال پیدا کیا، 'اگر وہ سونیا کا ہاتھ نیند کی حالت میں فرہاد کی طرف بڑھا دے تو فرہاد کی آنکھ کھل جائے گی۔ اور اس نے ہزاروں میل سے خیال خوانی کی جو پرواز کی ہے، وہ یہاں آکر رائیگاں نہیں جائے گی۔'

شیبا ہچکچانے لگی۔ وہ جانے کیوں ایسا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ شیطان نے اس کے اندر سرگوشی کی، 'چلو سونیا کا ہاتھ اس کی طرف نہ بڑھاؤ، صرف اس کے دماغ میں رہ کر انگڑائی لو۔'

ذرا دیر بعد ہی سونیا نے نیند میں ایک بھرپور انگڑائی لی۔ انگڑائی کے دوران اس کی آنکھ کھل گئی۔ کمرے میں نیم تاریکی تھی۔ آنکھ کھلتے ہی سونیا کا بیدار ذہن چوکنا ہو گیا۔ اس نے لیٹے ہی لیٹے سر اٹھا کر کھڑکیوں اور دروازوں کی طرف دیکھا پھر مطمئن ہو کر سیدھی طرح لیٹ گئی۔ اس کے بعد کروٹ بد

کر فرہاد کو دیکھا۔ اسے دیکھ کر مسکرانے لگی۔ اس پر بڑا پیار آرہا تھا۔ اس نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا لیکن پھر رک گئی۔ یاد آگیا کہ فرہاد دماغ کو ہدایات دے کر سو رہا ہے۔ صبح اس نے بیدار ہونے کا ایک وقت مقرر کیا ہے لہٰذا اس وقت تک اس کی نیند میں خلل انداز نہیں ہونا چاہیے۔

وہ ایسا سوچنے کے دوران چونک سی گئی۔ اسے یہ یاد آیا کہ سونے سے پہلے فرہاد نے اس کے دماغ کو بھی ہدایت کی تھی کہ وہ صبح سات بجے تک آرام سے سوتی رہے۔ اگر کوئی غیر معمولی بات ہو تب اس کی آنکھ کھلے۔ اس نے سوچا، میں صبح سات بجے سے پہلے کیسے بیدار ہوگئی؟ کیا ابھی کوئی غیر معمولی بات ہوئی ہے؟

وہ پھر محتاط انداز میں کمرے کے چاروں طرف دیکھنے لگی۔ اس بات کا اطمینان ہوا کہ کمرے کے اندر کوئی نہیں ہے۔ ہاں، اپنے اندر کوئی ہو سکتا ہے۔ تب اس نے ناگواری سے شیطان کو مخاطب کیا: "اے مردود! میں نے تجھ سے کہہ دیا تھا، تیری کوئی شرارت نہیں چلے گی مگر تو باز نہیں آتا۔ لاحول ولا قوۃ۔"

دوسرے ہی لمحے شیبا نے محسوس کیا کہ خیال خوانی کی پروازیں ختم ہوگئی ہے جیسے پرواز کے پر کٹ گئے ہوں۔ وہ دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہوگئی تھی۔ تب اسے احساس ہوا کہ وہ اتنی دیر سے بہک رہی تھی اور اس کے اندر کوئی بہکانے والا تھا۔ تب اس نے بھی کہا: "لاحول ولا قوۃ۔"

اچانک اسے محسوس ہوا جیسے دماغ پر اب پہلے جیسا بوجھ نہیں رہا ہے۔ جسم ہلکا پھلکا ہوگیا۔ تھکن محسوس ہو رہی ہے اور وہ سو جانا چاہتی ہے۔

اس نے آرام سے لیٹ کر آنکھیں بند کیں، دماغ کو... ہدایات دیں، اس کے بعد آرام سے سو گئی۔

ہم دوسری صبح مقررہ وقت پر بیدار ہوگئے، غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر لباس تبدیل کیا۔ سونیا نے جین اور جیکٹ پہنا جب وہ میرے سامنے آئی تو پاؤں میں ربر سول کے جوتے تھے۔ میں نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے کہا: "ایسا لگتا ہے جیسے کوئی خطرہ محسوس کر رہی ہو اور یہ تیاری اسی کے لیے ہے؟"

"خطرہ کسی لمحے بھی پیش آسکتا ہے، ہمیں مطمئن نہیں رہنا چاہیے۔"

"کیا تم مجھے اس عالی شان عمارت کی سیر نہیں کراؤ گی؟"

"ہم سیر بعد میں کرلیں گے، پہلے میں تمھیں اس عمارت کے تہ خانے میں لے جاؤں گی۔"

ہم دونوں ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر اس کمرے سے نکلے پھر اس عمارت کے مختلف حصوں سے گزرتے گئے۔ اگر یہ پروفیسر سامری کی جاگیر تھی اور یہ محل اسی نے تعمیر کرایا تھا تو یقیناً وہ حسن پرست تھا۔ عمارت نہایت ہی خوبصورت تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ ایک بہت بڑی حرم سرا ہو جہاں دو جنوں کنیزوں کے لیے گنجائش نکل سکتی تھی۔

ہم ایک لفٹ کے دروازے کے سامنے رک گئے۔ سونیا نے بٹن دبایا، دروازہ کھل گیا۔ ہم اندر چلے گئے، دروازہ بند ہوگیا۔ پھر میں نے محسوس کیا، ہم اوپر جانے کے بجائے نیچے جا رہے ہیں۔ میں نے پوچھا: "کیا یہ لفٹ ہمیں تہ خانے میں لے جا رہی ہے؟"

سونیا نے بدلتے ہوئے نمبروں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "اب ہم تہ خانے سے بھی نیچے جارہے ہیں۔"

ایک جگہ لفٹ رک گئی۔ دروازہ کھل گیا۔ ہم ایک بڑے سے ہال نما حصے میں آئے۔ اس کی دیواریں پتھر کی تھیں اور جگہ جگہ سے بھیگی ہوئی تھیں۔ جیسے پانی رس رہا ہو۔ اچانک ہمیں قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ پھر ایسی آواز بھی سنائی دی، جیسے کوئی پہیہ چل رہا ہو اور اس میں تیل یا گریس نہ ہونے کے باعث چوں چوں کی آواز پیدا کر رہا ہو۔ ذرا سی دیر میں ہی ہمارے سامنے ایک وھیل چیئر نظر آئی۔ اس پر پروفیسر سامری بیٹھا ہوا تھا۔

سونیا اسے دیکھ کر چونک گئی۔ وہ وھیل چیئر کو ایک طرف بڑھاتا جا رہا تھا۔ پھر ہم سے بہت فاصلے پر رک گیا۔ ہمیں دیکھ کر قہقہے لگانے لگا مگر اس کے قہقہے میں نقاہت اور کمزوری تھی۔ اس کے دونوں پاؤں ننگے تھے اور ایک پاؤں میں پٹیاں بندھی ہوئی تھیں، دوسرے پاؤں پر بھی چھوٹی چھوٹی پٹیاں چپکی ہوئی تھیں۔ جسم کے دوسرے حصوں پر بھی زخم ہوں گے لیکن لباس کی وجہ سے نظر نہیں آرہے تھے۔ اس کا یہ حال اسی شکاری کتے نے کیا تھا جسے سونیا نے اس کے تعاقب میں چھوڑا تھا۔

سونیا نے اسے ناگواری سے دیکھتے ہوئے کہا: "ابھی تو تمھارے چودہ انجکشن کا کورس پورا نہیں ہوا اور قہقہہ لگانے کی ناکام کوشش کر رہے ہو۔"

وہ غرانے لگا۔ پھر نفرت سے بولا: "میں جانتا تھا، تم فرار ہونے کے لیے یہی راستہ اختیار کرو گی لیکن یہ اتنا آسان نہیں ہے۔ اپنے چاروں طرف دیکھو۔"

وہ بڑھتے ہوئے قدموں کی آوازیں اب قریب آگئی تھیں اور ایک ایک دو دو مسلح افراد نظر آتے جارہے تھے۔ ان سب کے ہاتھوں میں اسٹین گنیں تھیں۔ ان میں سے دو نے فوراً لفٹ کے دروازے پر پہنچ کر ہمارا راستہ روک دیا تھا تاکہ ہم واپس نہ جاسکیں۔

پروفیسر سامری نے کہا: "سونیا! تم بہت چالاک بنتی ہو۔ مسلسل کامیابیوں نے تمھیں کبھی یہ سوچنے کا موقع ہی نہیں دیا کہ تم بھی انسان ہو اور تم سے بھی غلطیاں ہو سکتی ہیں۔ یہ کتنی بڑی حماقت ہے کہ میری جاگیر میں، میری عمارت میں آکر تم نے یہ سمجھ لیا کہ میرے وفادار ملازم تمھارے وفادار ملازم بن جائیں گے۔"

اس نے وھیل چیئر کو ایک طرف گھماتے ہوئے کہا: "یہ مانتا ہوں، میرا ایک ملازم غدار نکلا۔ تمھارا وفادار بن گیا۔ اس نے تمھاری ہدایت کے مطابق پچھلے دن تمھاری اور فرہاد کی ضرورت کا تمام سامان آبدوز میں پہنچا دیا۔ تمھیں یقین تھا کہ فرہاد کو جو دوائیں اور خوراک دی جارہی ہے وہ چوبیس گھنٹے میں اسے صحت مند بنا دیں گی۔ تب تم فرار کے لیے یہ راستہ اختیار کرو گی۔ کیا تمھیں اتنی سی عقل بھی نہیں ہے کہ یہ میرا محل ہے۔ میں اس تہ خانے سے واقف ہوں اور میں جانتا ہوں کہ آبدوز کے اندر پہنچنے کے لیے یہاں سے ایک سرنگ بنائی گئی ہے۔ تم اگر یہاں سے فرار ہونا چاہو گی تو میں تمھارا راستہ روک سکتا ہوں، یہ بات ایک احمق کی سمجھ میں بھی آسکتی ہے۔"

سونیا نے شکست خوردہ انداز میں سر کو جھکا کر کہا: "واقعی مجھ سے بہت بڑی حماقت ہوئی۔"

سونیا اور مایوس ہو جائے، میں یقین نہیں کر سکتا تھا۔ فوراً ہی اس کے دماغ میں پہنچ کر معلوم کیا تو وہ سراسر مکاری دکھا رہی تھی۔ پروفیسر سامری کو خوش فہمی میں رکھنے کے لیے اپنی حماقت اور شکست کا اعتراف کر رہی تھی۔

وہ کہہ رہا تھا: "میں نے شیطان سے شکایت کی تھی کہ وہ تمھاری مدد کر رہا ہے، اگر وہ مدد نہ کرتا تو تم اس رات مجھے بجلی کے تاروں سے شاک نہ پہنچا سکتیں۔ اس کی مدد حاصل کرکے ہی تم نے کتوں کا دماغ پھیر دیا تھا۔ ورنہ جو تمھارے پیچھے جارہے تھے، وہ میرے پیچھے کیسے آسکتے تھے۔ تب شیطان نے کہا کہ وہ ہمارے معاملے میں بالکل غیر جانبدار ہے، نہ میری مدد کر رہا ہے نہ تمھاری۔ میں اس بات پر یقین تو نہیں کر سکتا تھا لیکن کرنا پڑا۔ شیطان نے کہا، اگر میں عقل سے کام لوں اور سونیا کو گھیرنے کی کوشش کروں تو مجھے کامیابی ہوگی۔

لیکن کہیں بھی حماقت سرزد ہوئی تو اس کا الزام شیطان پر عائد نہ کیا جائے۔ اب میں دیکھ رہا ہوں، واقعی شیطان غیر جانبدار ہے۔ یہ معاملہ ہمارے درمیان ہے اور میں یہ میدان جیت رہا ہوں۔"

سونیا نے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا: "تمھاری تقریر کب ختم ہوگی؟ اپنے آدمیوں کو حکم دو، وہ ہمیں گولی ماردیں۔"

اس نے انکار میں سر ہلا کر کہا: "نہیں، تم دونوں کو مار ڈالنے سے مجھے فائدہ کیا ہوگا؟ زیادہ سے زیادہ انتقام کی آگ بجھے گی مگر انتقام احمق لوگ لیا کرتے ہیں۔ دانشمندی تو یہ ہے کہ تم دونوں کو مجبور اور بے بس بنا کر رکھوں۔ شیطان کی پیشنگوئی کے مطابق میں تم دونوں سے اتنا فائدہ اٹھاؤں گا کہ ایک اور جزیرے کا مالک بن جاؤں گا۔"

سونیا نے کہا: "ہم تو پھنستے اور نکلتے ہی رہتے ہیں۔ ہمارے لیے یہ کوئی نئی بات نہیں، مگر تم اس بار پھنس گئے تو کیا ہوگا؟"

وہ غصے اور نفرت سے بولا: "تم بڑے اعتماد سے میرے پھنسنے کی بات کر رہی ہو جب کہ تمھارے چاروں طرف اسٹین گنیں ہیں۔ کیا تم انھیں بچوں کے کھلونے سمجھ رہی ہو یا یہ سمجھ رہی ہو کہ میں کسی طور پر تمھیں معاف کردوں گا؟"

"جو خود معافی کا طلب گار ہو، اس سے تو کوئی احمق ہی معافی مانگے گا۔"

اس نے اپنی وھیل چیئر کو ایک طرف گھمایا پھر اسے آگے بڑھاتے ہوئے ایک ہاتھ کی انگلی سونیا کو تنبیہ کے انداز میں دکھاتے ہوئے کہا: "تم... تم کتیا ہو۔ تم نے مجھے کتے سے کٹوایا۔ میں بھی تمھیں خونخوار کتوں کے پنجرے میں ڈال دوں گا۔ تم چیختی چلاتی رہو گی اور میں قہقہے لگاتا رہوں گا، مگر..."

اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ پھر ایک لمحہ توقف کے بعد فاتحانہ انداز میں کہا: "مگر میں تمھیں مرنے نہیں دوں گا۔ کتوں سے نچوا کر بھی زندہ رکھوں گا۔ تم بھی چودہ انجکشنوں کے کورس سے گزرو گی۔ تمھیں جیسی اذیتیں پہنچاؤں گا، اور تمھارے ساتھ جیسے عبرتناک تماشے کرتا رہا ہوں گا، ان سب کی فلم تیار کرتا رہوں گا اور یہ فلم تمھارے تمام بڑے بڑے دشمنوں تک پہنچائی جائے گی۔"

وہ کہتے کہتے چپ ہوا۔ پھر کرسی کے دستے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا: "افسوس کہ یہاں کتے نہیں ہیں، ورنہ میں یہیں تماشا شروع کردیتا۔"

میں نے کہا: "تم انتقام کے جوش میں عقل کے اندھے

ہو گئے ہو۔ کیا اس بات کا اندیشہ نہیں ہے کہ میں ٹیلی پیتھی کے ذریعے تمہارے دماغ سے کھیل سکتا ہوں؟"

"میں خوب سمجھتا ہوں۔ میں نے اپنے آدمیوں کو اچھی طرح سمجھا دیا ہے کہ اگر ٹیلی پیتھی کے ذریعے مجھے ذرا بھی نقصان پہنچے تو تمہیں فوراً گولی مار دی جائے لہٰذا میرے دماغ تک پہنچنے کی حماقت نہ کرنا۔"

اس نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا۔ لفٹ کے دروازے سے دو مسلح افراد آگے بڑھ کر ہمارے پیچھے آئے اور اسٹین گنیں ہماری پشت سے لگا کر آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ ہم آگے بڑھتے ہوئے ہال کے اس حصے میں پہنچے جہاں سے ایک غار نما راہداری نہ جانے کتنی دور تک چلی گئی تھی۔ اس راہداری کے فرش پر ریلوے لائن کی طرح پٹریاں بچھی ہوئی تھیں اور اس پر چھوٹی چھوٹی ٹرالیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ وہ ٹرالیاں ان لوہے کی پٹریوں پر چلتی تھیں۔ ہمیں ایک ٹرالی پر بیٹھنے کے لیے کہا گیا۔ ہم نے ان کے حکم کی تعمیل کی اور ایک ٹرالی پر بیٹھ گئے۔

ہماری آگے والی دو ٹرالیوں پر مسلح افراد تھے۔ ہماری پیچھے والی ٹرالی پروفیسر سامری کے لیے مخصوص تھی۔ وہ وہیل چیئر پر وہاں تک آیا۔ چونکہ اپنے پاؤں پر چل نہیں سکتا تھا، اس لیے دو شخص اسے اٹھا کر ٹرالی پر لے آئے۔ اس ٹرالی کے پیچھے بھی مسلح افراد کی ٹرالیاں تھیں۔ اس طرح یہ قافلہ وہاں سے روانہ ہوا۔ ٹرالیوں کو لے جانے کا انداز وہی پرانا تھا یعنی ٹرالی مین ان ٹرالیوں کو دھکا دیتے ہوئے، دوڑاتے ہوئے لے جاتے تھے۔ جب ٹرالی تیز رفتاری سے چلنے لگتی تو وہ بھی اچھل کر ٹرالی پر سوار ہو جاتے تھے۔ رفتار دھیمی ہوتی تو وہ اتر کر پھر ٹرالی کو دوڑاتے ہوئے لے جاتے تھے۔ اس طرح ہم ایک نیم تاریک غار سے گزرتے جا رہے تھے۔ کہیں کہیں بلب کی روشنی سے وہ غار ذرا دور تک روشن ہوتا تھا پھر نیم تاریکی چھا جاتی تھی۔

میں نے سوچ کے ذریعے کہا "سونیا! یہ کیا ہو رہا ہے۔ کیا تم نے سوچ سمجھ کر قدم اٹھایا تھا؟"

"میرے متعلق تمہارا یہ خیال ہے تو یہی سہی۔"

"نہیں میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔ تم نے ضرور پہلے سے ایسی زبردست پلاننگ کی ہوگی جو اس کم بخت سامری کو چونکا دے گی۔"

"تمہیں یہ سن کر افسوس ہوگا کہ میں نے ایسی کوئی چونکا دینے والی پلاننگ نہیں کی ہے۔"

"پھر؟" میں نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"حیران کیوں ہوتے ہو۔ کیا یہ ہمیں جان سے ڈالے گا؟"

"نہیں، یہ تو ایک اور نئے جزیرے کا مالک ... لیے ہمارا سودا بڑی بڑی تنظیموں سے کرنا چاہتا ..."

"جب یہ ہمیں ہلاک نہیں کرے گا تو پھر ... بات کی۔ یوں بھی ہمیں اس جزیرے سے تو نکلنا ہی ... شیطان کسی وقت بھی اپنی شیطانیت دکھا سکتا ہے۔"

"کیا تم نے پہلے سے اس آبدوز کو دیکھ رکھا ..."

"ہاں، جب میں یہاں تنہا آئی تھی تو میں نے ... اندر اور باہر سے اچھی طرح دیکھا تھا۔ پھر شیطان سے ... کہ مجھے فرار ہونے کا ایک خفیہ راستہ چاہیے۔ تب وہ اس تہ خانے اور غار میں لے آیا تھا۔ اور اس آبدوز میں ... گیا تھا جہاں ہم اب جا رہے ہیں۔"

"کیا تم نے یہ نہیں سوچا تھا کہ فرار ہونے کے ... پروفیسر سامری رکاوٹ بن سکتا ہے؟"

"اس خفیہ راستے میں صرف سامری رکاوٹ ... ہے۔ اگر ہم جزیرے میں رہتے تو چاروں طرف سمندر ... دشمن بحری اور فضائی راستوں سے گھیر لیتے۔ ہمارے ... کوئی بھی راہِ فرار نہ ہوتی۔ یہاں تو صرف سامری سے سامنا ہے۔"

میں نے اس کی پلاننگ کو سمجھتے ہوئے کہا "... سامری سے سامنا ہوتے ہوئے بھی ہم اسے نہیں ... اس کی مرضی کے مطابق چلیں گے؟"

"ہاں، ہمارا مقصد اس جزیرے سے نکلنا تھا۔ آج ... شیطان نے بتایا کہ یہ بات معلوم کر لی گئی ہے کہ ڈا... کو لے جانے والا طیارہ کس جزیرے میں اتارا گیا ... لہٰذا اب چاروں طرف سے یلغار ہونے والی تھی۔ ہمار... لیے یہی ایک خفیہ راستہ رہ گیا تھا۔ ہم یہاں سے صحیح ... نکل رہے ہیں۔ یہ سامری ہمیں آئندہ جس زمین پر پہنچا... گا، وہاں ہم اس سے نمٹ لیں گے۔ ویسے اس آبدوز ... بھی میرے چند وفادار موجود ہیں۔"

میں نے کہا "نہ بھی ہوں تو میں ٹیلی پیتھی کے ذ... وفادار بنا سکتا ہوں۔"

"تو پھر پریشانی کس بات کی ہے؟ آرام ..."

میں نے سر گھما کر پیچھے دیکھا۔ پھر کہا "یہ کم ... سامری آرام سے بیٹھا ہوا ہے، یہ مجھے کچھ اچھا نہیں ... اسے ہلکی پھلکی سزا دینے کو جی چاہ رہا ہے۔"

سونیا نے کہا "یہ کون سی بڑی بات ہے۔ ابھی لو۔"

ٹرالی تیزی سے دوڑ رہی تھی۔ ٹرالی مین اس کے ساتھ ساتھ دوڑتا جا رہا تھا۔ جب اس نے پھر رفتار پکڑلی تو وہ اچھل کر ٹرالی پر سوار ہو گیا۔ ہمارے پیچھے سامری کی ٹرالی بھی اسی رفتار سے چلی آ رہی تھی۔ سونیا نے کہا "ہوشیار ہو جاؤ۔ جم کر بیٹھے رہو۔"

یہ کہتے ہی اس نے بریک پر پاؤں رکھ دیا۔ اچانک ٹرالی رکنے لگی۔ اس کی رفتار دھیمی پڑتے ہی پیچھے سے آنے والی ٹرالی زور سے ہماری ٹرالی سے ٹکرائی۔ ہم پہلے سے محتاط بیٹھے ہوئے تھے لیکن وہ زخمی سامری اس حادثے کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ آرام سے بیٹھا ہوا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ٹکراتے ہی وہ ٹرالی سے اچھلا اور چیخ مار کر نیچے زمین پر جا گرا اور لڑھکتا ہوا غار کی دیوار سے جا کر ٹکرایا۔ آدمی کو ایسے لمحات میں شدید غصے کے عالم میں اپنی تکلیف کا بھی خیال نہیں رہتا۔ وہ اس بات پر جھنجلا گیا تھا کہ آگے والی ٹرالی اچانک کیسے رک گئی، کیوں رک گئی۔ یہ ٹرالی مین نے کیوں خیال نہیں کیا کہ پیچھے اس کی بھی ٹرالی آ رہی ہے۔

وہ زمین پر پڑا ہوا کراہ رہا تھا اور چیخ چیخ کر ٹرالی مین کو گالیاں دے رہا تھا۔ اپنے آدمیوں سے کہہ رہا تھا "مارو۔ ٹرالی مین کو میرے سامنے لا کر اس کی اتنی پٹائی کرو کہ اپنے پاؤں پر کھڑے رہنے کے قابل نہ رہے۔"

اس کی پٹائی شروع ہو گئی۔ سونیا نے کہا "رک جاؤ۔ اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔ ٹرالی تو میں نے روکی تھی۔ بریک میرے پاؤں کے پاس تھا۔ یہ بھلا کیسے روک سکتا ہے۔"

بات سب کی سمجھ میں آ گئی۔ اور جب پروفیسر سامری کی سمجھ میں بھی یہ بات آئی تو اس نے سونیا کو گالیاں دینا چاہیں۔ مگر شدید غصے کے عالم میں آدمی کتنا کچھ چاہتا ہے اور کتنا کچھ ہے، اس موقع سے فائدہ اٹھا کر میں اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ اپنے منہ سے ایسے الفاظ نکالنے لگا جن کے معنی وہ خود نہیں سمجھ سکتا تھا۔ اس کے مسلح وفادار حیرانی سے اس کا منہ تک رہے تھے۔ پھر انہوں نے سونیا کو سوالیہ نظروں سے دیکھا جیسے معلوم کرنا چاہتے ہوں کہ سونیا اس کی باتوں کو سمجھ رہی ہے یا نہیں۔

سونیا نے ہاں کے انداز میں ہاتھ ہلا کر کہا "پروفیسر سامری! تمہاری یہ اجنبی زبان میں سمجھتی ہوں، تم اسی زبان میں کالا منتر پڑھا کرتے ہو۔"

سونیا کے اس مذاق نے سامری کو جیسے پاگل کر دیا لیکن مجبور تھا، سونیا کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا تھا۔

اس کے دو مسلح گارڈز اسے ہاتھوں پر اٹھا کر ٹرالی تک لائے پھر اس پر بٹھا دیا۔ وہ اب بولنے کے قابل ہو گیا تھا۔ کیوں کہ میں نے اسے ذرا سی چھوٹ دے دی تھی۔ اس نے سونیا کو غصہ دکھاتے ہوئے کہا "میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ تم نے اپنی ٹرالی کو بریک کیوں لگایا تھا؟"

"مجھے اچانک ایک بات یاد آ گئی تھی جو میں تم سے کہنا چاہتی تھی۔ یہ ٹرالیاں چونکہ دوڑتے وقت بہت شور مچاتی ہیں۔ میری بات تمہیں سنائی نہ دیتی۔ اس لیے میں نے بریک لگا دیا تھا۔"

وہ غصے سے دہاڑتے ہوئے بولا "کیا تم پاگل کی بچی ہو۔ کیا تم سمجھ نہیں سکتی تھیں کہ اپنی ٹرالی کو بریک لگاؤ گی تو میری ٹرالی آ کر ٹکرا جائے گی۔"

وہ معذرت چاہنے کے انداز میں بولی "بات اتنی ضروری تھی کہ میں اس طرف دھیان نہ دے سکی۔"

"تم بکواس کرتی ہو۔ کوئی ضروری بات نہیں تھی اور اگر کوئی بات ہے تو آبدوز میں پہنچ کر کر سکتی تھیں۔"

"تب تک بہت دیر ہو جاتی۔ تمہارے پاس ٹرانسمیٹر موجود ہے۔ میں جو کچھ کہوں گی، تم ان باتوں کی تصدیق کر سکو گے۔"

اس نے گھورتے ہوئے پوچھا "آخر وہ کونسی اہم بات ہے؟"

سونیا نے میری طرف دیکھا پھر کہا "ابھی فرہاد کو خیال خوانی کے ذریعے پتا چلا ہے کہ تمہارا جوان بیٹا اور بیٹی دونوں لاپتا ہیں۔"

سامری کے دماغ کو جھٹکا سا لگا۔ پہلے تو وہ ایک ساعت کے لیے ساکت ہو گیا پھر اس نے بے یقینی سے کہا "یہ جھوٹ ہے۔"

میں نے کہا "ٹیلی پیتھی کا علم جھوٹ نہیں کہتا۔ یقین نہ ہو تو تصدیق کر لو۔"

اس نے فوراً ہی اپنے مسلح گارڈ سے ٹرانسمیٹر طلب کیا۔ اس دوران میں نے سوچ کے ذریعے سونیا سے پوچھا۔ "یہ تم نے کیا چکر چلایا ہے؟"

"میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ یہ ایک جوان بیٹی اور بیٹے کا باپ ہے۔ اپنے دونوں بچوں سے بے انتہا محبت کرتا ہے۔ یہ جو جائز اور ناجائز دولت جمع کر کے ایک اور جزیرہ حاصل کرنا چاہتا ہے، اس کی بھی یہی وجہ

ہے کہ یہ ایک جزیرہ بیٹی کو اور دوسرا جزیرہ بیٹے کو دے کر ان کو مستقبل کی فکروں سے بے نیاز کر دینا چاہتا ہے۔ اب تم خود اندازہ کر سکتے ہو کہ یہ انھیں کس قدر چاہتا ہے۔"

"اب یہ تصدیق کرے گا اور معلوم ہو گا کہ اس کی بیٹی اور بیٹا دونوں ہی اپنے خاندان میں موجود ہیں۔ تب کیا ہو گا؟"

" ابھی وہ ٹرانسمیٹر کے ذریعے معلوم کر رہا ہے تم خیال خوانی کے ذریعے اس شخص تک پہنچو جو دوسری طرف ٹرانسمیٹر پر بات کر رہا ہے۔ اس طرح تم ان کے فیملی ممبرز تک پہنچ جاؤ گے۔ یعنی سامری کے بیوی بچوں کے دماغ تک پہنچنا کوئی بڑی بات تو نہیں ہے۔ ابھی وہ لاپتا نہیں ہیں مگر تم ایسا کر سکتے ہو۔"

میں سونیا کی مکاریاں سمجھ رہا تھا۔ ایک تو وہ اس بات کو اچھی طرح سمجھ رہی تھی کہ پروفیسر سامری ہم دونوں کو جانی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ جہاں بھی لے جائے گا وہاں ہم اس سے نمٹ لیں گے۔ دوسری بات یہ کہ سونیا سامری کی کمزوری سے فائدہ اٹھانا چاہتی تھی۔ وہ اسے اولاد کی خاطر اپنے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دینا چاہتی تھی۔

وہ ٹرانسمیٹر کے ذریعے گفتگو کرتے ہوئے گھور کر سونیا کو دیکھتا جا رہا تھا۔ میں اس کے دماغ میں رہ کر دوسری طرف سے بولنے والے کی آواز سن رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا" باس! میں ابھی آپ کے گھر فون کر کے بچوں کی خیریت معلوم کرتا ہوں۔"

ٹرانسمیٹر سے رابطہ ختم ہو گیا۔ میں اس شخص کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ بھی اس ٹرانسمیٹر کو آف کرنے کے بعد ٹیلیفون اٹھا کر نمبر ڈائل کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس کے ریسیور پر ایک عورت کی آواز سنائی دی۔ وہ سامری کی بیوی تھی۔ فون کرنے والے نے پوچھا "میڈم! باس نے آپ لوگوں کی خیریت معلوم کی ہے۔"

دوسری طرف سے اس عورت نے جواب دیا "ہم سب یہاں بخیریت ہیں۔ تمھارے باس کب تک آئیں گے؟"

"میں باس سے پوچھ کر بتاؤں گا۔ آپ یہ بتائیں للّی اور جونی بابا کہاں ہیں؟"

اس عورت نے کہا "بچے جوان ہو گئے ہیں۔ ہم ان کا محاسبہ نہیں کر سکتے کہ وہ کہاں جاتے ہیں اور کس طرح وقت گزارتے ہیں۔"

"پھر بھی میڈم! ہمارے باس بہت پریشان ہیں۔ پتا چلا ہے کہ دشمن للّی اور جونی بابا کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ آپ پلیز کسی طرح انھیں تلاش کر کے ان کی خیریت معلوم کریں۔"

اب میں اس عورت کے دماغ میں تھا۔ یہ بات سن کر وہ پریشان ہو گئی تھی۔ اس نے کہا "میں ابھی فون کر کے پھر بتاتی ہوں۔"

اس نے ریسیور رکھا۔ تھوڑی دیر تک سوچتی رہی۔ اس کی سوچ بتا رہی تھی کہ للّی کسی نیگرو نوجوان سے محبت کرتی ہے۔ یہ بات پروفیسر سامری کو معلوم ہوئی تھی تو اس نے للّی پر سختی کی تھی۔ گورے لوگ یہ برداشت ہی نہیں کر سکتے کہ ان کے بچے کالے لوگوں سے میل جول بڑھائیں۔ کجا یہ کہ للّی اس کالے نوجوان سے محبت کرنے لگی تھی۔ اور اس سے شادی کرنے کی ضد کر رہی تھی۔

سامری نے للّی کو دھمکی دی تھی کہ اگر وہ اپنی ضد سے باز نہ آئی تو وہ اس کے کالے محبوب کو گولی مار دے گا۔

اس پر للّی نے بھی چیلنج کے انداز میں کہا تھا کہ وہ جوان ہے، بالغ ہو گئی ہے اور اپنی مرضی سے شادی کا فیصلہ کر سکتی ہے۔ اگر ماں باپ نے رکاوٹ پیدا کی تو وہ اپنے نیگرو محبوب کے ساتھ کہیں چلی جائے گی۔

یہی بات اب للّی کی ماں کو پریشان کر رہی تھی۔ وہ ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگی۔ اس کی سوچ بتا رہی تھی کہ اسے معلوم نہیں ہے کہ للّی اس وقت کہاں ہو گی لہٰذا اسے کئی جگہ نمبر ڈائل کرنے ہوں گے۔

میں نے سوچا جب تک وہ للّی کو تلاش کر رہی ہے، مجھے دماغی طور پر حاضر رہنا چاہیے۔ میں نے دیکھا جس سرنگ میں ہماری ٹرالیاں کھڑی ہوئی تھیں، وہاں سب خاموش تھے۔ ٹرانسمیٹر سے گفتگو ہو رہی تھی۔ وہی شخص سامری سے کہہ رہا تھا "باس! میڈم کہہ رہی ہیں کہ ابھی تھوڑی دیر میں للّی اور جانی بابا کے متعلق اطلاع دیں گی۔"

سامری نے غصے سے کہا "میں زیادہ انتظار نہیں کر سکتا۔ پھر میڈم کو رِنگ کرو، جلدی معلوم کرو۔"

اس نے ٹرانسمیٹر کو آف کیا۔ اسی وقت پھر اشارہ موصول ہونے لگا۔ اس نے ٹرانسمیٹر کو آن کرتے ہوئے پوچھا۔ "ہیلو، میں سامری بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے رابطہ قائم کرنے والا وہ شخص تھا جو جزیرے کی اسی عمارت میں رہتا تھا جہاں سے ہم ابھی آئے تھے۔ وہ کہہ رہا تھا "باس! ہمارے جزیرے میں کئی ہیلی کاپٹر اتر رہے ہیں۔ جزیرے کے ٹاور سے اطلاع ملی ہے کہ کئی بحری جہاز بھی جزیرے کی طرف آ رہے ہیں۔"

اس کا مطلب یہ تھا کہ سونیا کو اور مجھ کو تلاش کرنے کے لیے دشمنوں نے اس جزیرے کو چاروں طرف سے گھیرنا شروع کر دیا تھا۔ ہیلی کاپٹرز کے ذریعے وہاں پہنچ رہے تھے۔ پروفیسر سامری نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا "ٹرالی آگے بڑھاؤ اور فوراً آبدوز پر پہنچو۔"

ٹرالیاں پھر لوہے کی پٹڑیوں پر تیزی سے دوڑنے لگیں۔ میں سامری کی بیوی کے پاس پہنچ گیا۔ اس وقت وہ ریسیور کان سے لگائے دوسری طرف کی آواز سن رہی تھی۔ کوئی نوجوان بول رہا تھا "اے میری ہونے والی ساس! میں تمھیں ساس بھی نہیں کہہ سکتا کیوں کہ مجھ کالے آدمی کو تمھارے خاندان میں قبول نہیں کیا جائے گا۔ میرے لیے یہی فخر کی بات ہے کہ تمھاری بیٹی نے مجھے قبول کر لیا ہے۔ اب میں اسے اتنی دور لے آیا ہوں جہاں پروفیسر سامری اپنے کالے علم کے ذریعے بھی نہیں پہنچ سکے گا۔"

للّی کی ماں نے کہا "بیٹے جوزف! تم کالے ہو مگر ہماری طرح انسان ہو۔ میں تمھیں اپنا داماد تسلیم کر لوں گی۔ میری بیٹی کو لے آؤ۔"

"مجھے افسوس ہے، اب میں اور للّی کبھی واپس نہیں آئیں گے۔"

اسی وقت میں جوزف کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ میں نے اس کی زبان سے اگلوایا "مجھے ایک ایسے ادارے میں پناہ مل گئی ہے جو پروفیسر سامری کے دشمن ہیں اور وہ ہماری ہر طرح حفاظت کریں گے۔ اور ہمیں ساری عمر پناہ دیں گے۔ اب میں رابطہ ختم کر رہا ہوں۔ دوسری بار رِنگ کرو گی تو ہم یہاں نہیں ہوں گے۔"

میں نے جوزف کے ہاتھوں سے ریسیور کریڈل پر رکھوا کر اس کے دماغ کو آزاد چھوڑا تو وہ ذرا پریشان ہوا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ آخری چند فقرے اس نے کیا کہے تھے۔ وہ ٹیلی فون کو دیکھتا رہ گیا۔ دوسری طرف للّی کی ماں بار بار کریڈل پر دستک دے رہی تھی اور جوزف کو پکار رہی تھی۔ اس نے دوسری بار نمبر ڈائل کیے۔ مگر دوسری طرف سے آواز سنائی نہیں دی۔ میں نے جوزف کے پاس پہنچ کر دیکھا تو وہ للّی کے ساتھ ایک کار میں بیٹھا اسے اسٹارٹ کر رہا تھا یعنی اب وہ ٹیلیفون کے پاس نہیں تھا۔

ادھر پروفیسر سامری کے خاص ماتحت نے دوبارہ للّی کی ماں سے رابطہ قائم کر کے خیریت پوچھی تو وہ گھبرائی ہوئی تھی۔ اس نے کہا "جوزف نے ہماری بیٹی کو اغوا کر لیا ہے۔ اسے کسی ادارے والوں نے پناہ دی ہے اور وہ ادارے والے پروفیسر سامری کے دشمن ہیں۔"

یہ بات سامری کو معلوم ہوئی تو وہ ایک دم سے تڑپ گیا۔ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا "بتاؤ۔ مجھے سچ سچ بتاؤ کس ادارے والوں نے میری بیٹی کو پناہ دی ہے؟"

میں مسکرانے لگا۔ وہ ایک دم سے بپھر گیا مگر مجبور تھا، اپنی جگہ سے اٹھ نہیں سکتا تھا۔ چیختے ہوئے بولا "میں تمھیں مسکرانے کے قابل نہیں چھوڑوں گا؟"

میں نے کہا "سامری! تم ہمارے ساتھ جو برتاؤ کرو گے وہی برتاؤ تمھاری بیٹی اور بیٹے کے ساتھ ہو گا۔ ابھی تو تمھیں بیٹی کے متعلق معلوم ہوا ہے۔ اب ذرا بیٹے کی خبر لو۔"

اس نے گھونسا دکھاتے ہوئے کہا "تم بتاؤ ٹرانسمیٹر کے ذریعے معلومات حاصل کرنے میں دیر ہو گی۔"

"میں اتنا جانتا ہوں کہ للّی ابھی نیویارک میں ہے۔ تمھارے بیٹے کے متعلق مجھے اپنے ادارے والوں سے پوچھنا ہو گا۔"

"میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو۔ فوراً پوچھو اور مجھے بتاؤ۔"

ہم آبدوز میں پہنچ گئے تھے۔ میں نے کہا "جب تک مجھے آرام سے بیٹھ کر خیال خوانی کرنے کا موقع نہیں ملے گا، میں نہیں بتا سکوں گا۔"

مجھے اور سونیا کو ایک آرام دہ کیبن میں پہنچایا گیا۔ سامری نے کہا "ہم سب باہر رہیں گے مگر یہ نہ سمجھنا کہ یہاں سے فرار ہو سکو گے۔ آبدوز سے سرنگ کا رابطہ ختم کر دیا گیا ہے اور اب سمندر کی تہ میں ہمارا سفر شروع ہو رہا ہے۔"

میں نے للّی کی ماں کے پاس پہنچ کر دیکھا۔ وہ ٹیلیفون کے ذریعے اپنے بیٹے سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ آخر ایک جگہ اسے بیٹے کی آواز سنائی دی۔ اس نے پوچھا "جانی بابا! تم کہاں ہو؟ پلیز گھر آ جاؤ۔ میرا دل گھبرا رہا ہے۔ کوئی تمھیں نقصان پہنچا سکتا ہے۔"

جانی بابا کی آواز سنائی دی "اوہ ممی! تم ابھی تک ہمیں بچہ سمجھتی ہو۔ بھلا کون ہمیں نقصان پہنچا سکتا ہے؟"

للّی کی ماں جواب میں للّی کے متعلق بتانے لگی۔ جانی نے تمام باتیں سننے کے بعد کہا "للّی بے وقوف لڑکی ہے خواہ مخواہ اس نیگرو سے محبت کرنے لگی ہے۔ اس کا نتیجہ تو سامنے آنا ہی تھا۔ آخر وہ اسے لے کر بھاگ گیا۔ ہم کیا کر سکتے ہیں۔ للّی بالغ ہے، اپنی شادی کا فیصلہ خود کر سکتی ہے۔"

"بیٹے! یہ اس کے بالغ ہونے یا شادی کرنے کی

نہیں ہے۔ دراصل تمہارے ڈیڈی کے دشمن اسے پناہ دے رہے ہیں اور ہم سے دور کر رہے ہیں، تمہارے ساتھ بھی یہی کچھ ہو سکتا ہے، پلیز آ جاؤ۔"

"ممی! میں اپنی حفاظت کرنا خوب جانتا ہوں۔ مجھے افسوس ہے، میں ایک ہفتے تک واپس نہیں آ سکوں گا۔ اپنے دوستوں کے ساتھ فلاڈلفیا جا رہا ہوں۔"

میں دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔ اس کیبن میں میں اور سونیا تنہا تھے۔ وہ مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں نے سوچ کے ذریعے تمام باتیں بتائیں پھر دروازے پر دستک دی۔ سامری نے فوراً ہی دروازے کو کھول کر پوچھا۔ "میرا بیٹا کہاں ہے؟"

"مجھے افسوس ہے، میں اس کا پتا ٹھکانہ نہیں بتاؤں گا مگر ابھی وہ خیریت سے ہے، اور اس وقت تک خیریت سے رہے گا، جب تک میں اور سونیا تمہارے پاس بخیریت رہیں گے۔"

اس نے دانت پیستے ہوئے مجھے دیکھا۔ پھر کہا۔ "اس کا مطلب یہ ہے کہ تم مجھے بلیک میل کر رہے ہو؟"

میں نے مسکرا کر کہا۔ "پروفیسر سامری! کیبن کے اندر آؤ اور آرام سے بیٹھ کر بات کرو۔ ہم تم سے ہمدردی کر رہے ہیں۔ دوستی کا ثبوت دے رہے ہیں۔"

وہ اندر آ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "کیسی دوستی، کیسی ہمدردی، کیا میرے بچوں کو اغوا کرنا، ان کی ماں سے دور لے جانا اور مجھے پریشانیوں میں مبتلا کرنا دوستی ہے، ہمدردی ہے؟"

"جن حالات کا ہمیں علم ہے، تمھیں نہیں ہے، کیا تھوڑی دیر پہلے تمھیں اطلاع نہیں ملی کہ جزیرے پر دھاوا بول دیا گیا ہے، ہمیں چاروں طرف سے گھیرنے کی کوشش کی گئی ہے، ہم ان کی دسترس میں نہیں ہیں۔ بہت دور نکل آئے ہیں۔"

وہ جھنجلا کر بولا۔ "اس کا میرے بچوں سے کیا تعلق ہے؟"

"تمام خطرناک تنظیموں کے سربراہ جانتے ہیں کہ وہ جزیرہ تمہاری ملکیت ہے جہاں ہم نے پناہ لی تھی۔ اب ہم ان کے ہاتھ نہیں آئیں گے تو وہ تمہاری کمزوریوں سے فائدہ اٹھائیں گے اور فائدہ اٹھانے کے لیے وہ سب سے پہلے تمہارے بچوں کو اغوا کریں گے۔ لہٰذا ہم نے انھیں ان سے بچانے کے لیے اپنے ہاں پناہ دی ہے۔"

وہ ہاتھ نچا کر بولا۔ "میں بے وقوف نہیں ہوں۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ اپنے بچوں کو دوسرے دشمنوں سے محفوظ رکھنے کے لیے تمہارے جیسے دشمن کی پناہ میں چھوڑ دوں گا، ہرگز نہیں۔"

"تم چاہتے ہو، ہم انھیں چھوڑ دیں؟"

"ہاں ابھی اپنے ادارے والوں سے رابطہ قائم کرو اور بچوں کو میرے گھر پہنچانے کے لیے کہہ دو۔"

"تم ہمیں کہاں پہنچا رہے ہو؟"

"آں؟" اس نے پریشان ہو کر مجھے اور سونیا کو دیکھا پھر بے بسی سے بولا۔ "تم جہاں کہو گے وہاں پہنچا دوں گا۔"

"فی الحال تم نے ہمیں کہاں لے جانے کا ارادہ کیا ہے؟"

"ہم نیو ہیون کی طرف جا رہے ہیں۔"

"یہ جگہ کہاں ہے؟"

"نیویارک سے کچھ پہلے ایک ساحلی شہر ہے، اس کا نام نیو ہیون ہے۔ ہم اس ساحلی شہر کے قریب ایک پرائیویٹ پورٹ پر پہنچیں گے۔"

میں نے کہا۔ "تم ہمیں نیو ہیون سے نیویارک جانے کی اجازت دے دینا جیسے ہی ہم نیویارک پہنچیں گے تمہارے بچوں کو رہا کر دیا جائے گا۔"

وہ تلملا کر اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ کہنے لگا۔ "یہ نہیں ہو سکتا۔ ہم ایک دن اور ایک رات کے بعد کل صبح دس بجے تک نیو ہیون پہنچیں گے۔ کیا اس وقت تک میرے بچے تمہارے ادارے والوں کی قید میں رہیں گے؟" وہ ایک ذرا رکا پھر غصے سے بولا۔ "میں لعنت بھیجتا ہوں تم دونوں پر۔ میں تمھیں قیدی بنا کر نہیں رکھنا چاہتا۔ تم دونوں آزاد ہو، ابھی سے آزاد ہو۔"

سونیا نے کہا۔ "ہم آزاد ہو کر کیا کریں گے۔ اس وقت آبدوز میں ہیں اور ہمارے چاروں طرف سمندر ہے۔"

وہ بولا۔ "میں آبدوز کا رخ موڑ دوں گا، تمھیں کسی ساحلی علاقے میں اتار دوں گا۔"

"نہیں، ہم پہلے نیو ہیون کے پرائیویٹ پورٹ پر پہنچیں گے۔ وہاں سے نیویارک جائیں گے۔ اس کے بعد تمہارے بچوں کو آزاد کر دیا جائے گا۔ اس سے زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

وہ غصے سے تلملا اٹھا۔ کچھ کہنا چاہتا تھا مگر غصے کی زیادتی سے کہہ نہیں پا رہا تھا۔ سونیا نے پوچھا۔ "سامری! کیا شیطان نے تمھیں سمجھایا نہیں تھا کہ مجھ سے دشمنی کتنی مہنگی پڑے گی؟"

وہ شکست خوردہ انداز میں بولا۔ "مجھ سے غلطی ہوئی،

بہت بڑی غلطی ہوئی۔ آئندہ تم سے دشمنی کرنا تو دور کی بات ہے تمہارا نام بھی اپنی زبان پر نہیں لاؤں گا۔ خدا کے لیے میری غلطی معاف کر دو۔ میرے بچوں کو رہا کر دو۔"

سونیا نے کہا۔ "ہم ظالم نہیں ہیں۔ تم سے وعدہ کرتے ہیں کہ تمہارے بچے خیریت کے ساتھ تمہارے گھر پہنچ جائیں گے۔ ہم زبان کے پکے ہیں، یہ بات ہمارے ریکارڈ میں بھی ہے اور تم بھی خوب سمجھتے ہیں۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "مجھے صبر کرنا ہی پڑے گا۔ میں مانتا ہوں، تم لوگ دھن کے پکے ہو، جو ارادہ کر لیتے ہو اسے پورا کر کے رہتے ہو۔"

وہ اپنا دھیل چیئر دروازے کی طرف موڑتے ہوئے بولا۔ "میں آج کا دن اور آج کی رات بڑی بے چینی میں گزاروں گا۔ کل نیو ہیون پہنچتے ہی تم لوگوں کے لیے ایک ہیلی کاپٹر کا انتظام کر دیا جائے گا تاکہ جلد سے جلد تم دونوں نیویارک پہنچ کر میرے بچوں کو رہا کر دو۔"

وہ دروازے کو ایک جھٹکے سے بند کرتا ہوا چلا گیا۔ سونیا نے میری طرف دیکھا۔ میں نے اس کے دماغ میں پہنچ کر پوچھا۔ "تم کیا پوچھنا چاہتی ہو؟"

وہ بولی۔ "یہ جانی بابا کا کیا قصہ ہے؟ میں نے تو یوں ہی کہہ دیا تھا کہ ہمارے آدمیوں نے اسے اغوا کیا ہے۔ کیا سچ مچ یہی بات ہو گئی ہے؟"

میں نے کہا۔ "تمہاری آدھی بات سچ ہے، یعنی للی کو اس کے سیاہ فام محبوب نے اغوا کیا ہے۔ یہ بات ہمارے حق میں جاتی ہے لیکن جانی بابا اپنے دوستوں کے ساتھ ایک ہفتے کے لیے فلاڈلفیا جا رہا ہے یعنی ایک ہفتے تک ماں باپ سے اس کا رابطہ قائم نہیں ہو سکے گا۔ ہمیں تو کل تک کا موقع چاہیے۔"

سونیا نے کہا۔ "فرہاد! یہ معلوم کرو، وہ فلاڈلفیا کب جا رہا ہے، اس کے متعلق ہمیں پوری معلومات ہونا چاہئیں۔"

"مجھے جانی بابا کے متعلق معلومات حاصل کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اب اس کے پاس جا رہا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد تمھیں ساری باتیں بتاؤں گا۔"

اسی وقت شیبا نے سونیا کے دماغ میں کہا۔ "میں نے اس کے متعلق معلومات حاصل کر لی ہیں۔"

میں جاتے جاتے رک گیا۔ سونیا نے پوچھا۔ "تم کب سے ہمارے دماغ میں ہو؟"

"جب سے تم لفٹ کے ذریعے اس عمارت کے تہ خانے میں پہنچی تھیں اور سامری نے تم لوگوں کو گھیر لیا تھا۔ جب میں نے دیکھا کہ فرہاد کو جانی بابا کے متعلق معلومات حاصل کرنے کا وقت نہیں مل رہا ہے تو میں نے یہ معلومات حاصل کر لیں۔ اسے ماں باپ پیار سے جانی کہتے ہیں ورنہ اس کا اصل نام جانسن رائیڈ ہے۔ سامری کا اصل نام رائیڈ ملٹن ہے، چوں کہ الف لیلوی کہانیوں میں سامری جیسا نام ایک بہت بڑے جادوگر کی حیثیت سے آتا ہے لہٰذا اس نے جادوگری کا پیشہ اختیار کرتے ہی خود کو سامری کہنا شروع کر دیا۔ اسی لیے وہ پروفیسر سامری کے نام سے مشہور ہے۔"

سونیا نے کہا۔ "تم جانسن عرف جانی بابا کے متعلق بتاؤ۔"

شیبا نے کہا۔ "وہ اب تک فلاڈلفیا کے لیے پرواز کر چکا ہو گا۔ کیوں کہ آخری بار جب میں اس کے دماغ میں تھی تو وہ... ایئرپورٹ کی طرف جا رہا تھا۔"

میں نے کہا۔ "شیبا! کیا تم نے میرے دماغ میں نہ آنے کی قسم کھالی ہے؟"

شیبا نے کہا۔ "میں سونیا کے پاس ہوں، اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ تم سے گفتگو تو ہو رہی ہے۔"

میں نے کہا۔ "اچھی بات ہے۔ تم جس بات میں خوش ہو میں بھی اسی میں راضی ہوں۔ اب ہمیں اپنے ساتھیوں کو للی اور جانی بابا کے متعلق معلومات فراہم کرنا چاہیے تاکہ کبھی ہم مصیبت میں مبتلا ہوں تو انھیں سچ مچ اغوا کیا جا سکے۔"

شیبا چلی گئی، میں نے سونیا سے کہا۔ "میں بھی جا رہا ہوں۔ ویسے تو جسمانی طور پر تمہارے پاس موجود رہوں گا لیکن تم تنہا تنہا سی رہو گی۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔ "میں کیبن سے باہر جا رہی ہوں۔ ذرا آبدوز کے اندر ایک چکر لگا دوں گی۔"

"شاید سامری ہمیں اس کیبن سے باہر نہ جانے دے۔"

وہ بولی۔ "اب اس کا باپ بھی ہمیں اس کیبن میں قید کر کے نہیں رکھ سکتا۔ میں اسے دھمکی دوں گی کہ وہ ہمیں پابند کرے گا تو ہم بھی اس کے بچوں کو سخت پابندی میں رکھیں گے۔"

"ہاں، یاد آیا، تم کہہ رہی تھیں کہ اس آبدوز میں تمہارے چند وفادار بھی ہیں؟"

"ہاں، ہیں تو سہی مگر جب اصل مہرہ ہمارے ہاتھ میں ہے اور ہماری انگلیوں پر ناچ رہا ہے تو ان وفاداروں سے کام نہیں لینا چاہیے۔ سامری کو اسی خوش فہمی میں رہنے دو کہ یہاں سب اس کے ہی جاں نثار ہیں۔"

وہ چلی گئی۔ میں نے خیال خوانی کی پرواز کی اور ماسٹر والٹسورو کی کے پاس پہنچ گیا۔ اس کی سوچ نے بتایا کہ وہ

لوگ خلیج کے ساحلی شہر سے شکاگو آ گئے ہیں۔ وہ میری خاطر وہاں پہنچے تھے۔ مگر ان کے پہنچنے سے پہلے ہی سونیا مجھے وہاں سے سامری کے جزیرے میں لے آئی تھی۔ ویسے شیبا کے ذریعے انھیں ہمارے حالات کا علم برابر ہوتا رہتا تھا۔ باباصاحب کے ادارے سے تعلق رکھنے والے افراد اس جزیرے سے دور مختلف ساحلی علاقوں میں تیار بیٹھے ہوئے تھے۔ جب بھی ہمیں ان کی ضرورت ہوتی وہ بحری یا فضائی راستے سے وہاں پہنچ جاتے مگر اب اس کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ انھیں اطلاع مل چکی تھی کہ ہم بخیریت اِس جزیرے سے نکل چکے ہیں اور اس وقت ایک آبدوز میں سفر کر رہے ہیں۔

جب میں وانشوروکی کے پاس پہنچا تو لنچ کا وقت ہو رہا تھا۔ اسے بھوک لگ رہی تھی۔ اور وہ پومی کے انتظار میں ٹہل رہا تھا پھر اس نے آگے بڑھ کر ایک کھڑکی سے جھانکتے ہوئے کمرے کے اندر دیکھا۔ پومی ایک جگہ فرش پر پالتھی مار کر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے دونوں ہاتھ اپنے گھٹنوں پر تھے اور وہ سانس روکے ہوئے تھی

وانشوروکی کے ذریعے معلوم ہوا کہ وہ بلا ناغہ صبح دوپہر اور رات کے کھانے سے پہلے یوگا کی مشقیں کرتی ہے۔ ایک تو یوگا میں مہارت حاصل کرنا اس کا مقصد ہے، دوسرے کھانے سے پہلے یہ مشقیں کی جائیں تو بھوک اچھی لگتی ہے۔

وانشوروکی نے کھڑکی سے جھانکتے ہوئے کہا۔ "بیٹے، جب تک تم اپنی بھوک چمکاتی رہوگی۔ یہ بڈھا بھوک سے مر جائے گا۔ بس کرو۔ چلی آؤ۔"

وہ آہستہ آہستہ سانس لینے لگی۔ اسی لمحے میں اس کے دماغ میں پہنچ گیا مگر دوسرے ہی لمحے نکل آیا۔ کیوں کہ اس نے سانس روک لی تھی۔ میں نے دوبارہ وانشوروکی کے ذریعے اسے دیکھا۔ وہ پوچھ رہی تھی۔ "شیبا، کیا تم ہو؟"

میں نے اس کے دماغ میں پہنچ کر کہا۔ "شیبا نہیں، میں ہوں۔۔۔"

میری آواز اور لب و لہجہ سنتے ہی وہ جیسے پھول کی طرح کھل گئی۔ اس کی مسکراہٹ دیکھتے ہوئے وانشوروکی نے پوچھا۔ "کیا بات ہے بیٹی، کیا مسکراہٹ سے پیٹ بھرنے کا ارادہ ہے؟"

میں نے کہا۔ "کیوں اپنے بوڑھے استاد کو پریشان کرتی ہو۔ انھیں بھوک لگ رہی ہے، یہاں سے اٹھو۔"

وہ فوراً ہی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ کمرے سے باہر آ کر۔۔۔ [illegible] بولی۔ "میرے پاس فرہاد آئے ہیں۔"

میں نے بوڑھے استاد کے پاس پہنچ کر انھیں سلام کیا پھر انھیں بتایا کہ ہم خیریت سے ایک آبدوز میں سفر کر رہے ہیں۔ یہاں ہمارے لیے کوئی خطرہ نہیں ہے۔

وہ دونوں ڈائننگ ٹیبل کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ ایک ملازم ان کے لیے کھانا لگا رہا تھا۔ میں نے پومی سے پوچھا۔ "کیا تم دونوں یہاں اکیلے ہو؟"

"ہاں، ہمارے ساتھی اس جزیرے کے آس پاس والے ساحلی علاقوں میں موجود ہیں، جہاں سونیا تمھیں لے گئی تھی۔"

"اور تم یہاں ماسٹر وانشوروکی کے ساتھ دی کلر کا انتظار کر رہی ہو؟"

"ہاں، میں باباصاحب کے ادارے سے محض دی کلر کا کام لے جانے آئی ہوں۔"

میں وانشوروکی کے دماغ میں رہ کر اس کی باتیں سن رہا تھا اور ان کی زبان سے جواب دیتا جاتا تھا۔ کبھی وانشوروکی خود اپنے طور پر اپنی بات کہتے جاتے تھے۔ انھوں نے کہا۔ "اس چیلنج نے تمام خطرناک تنظیموں کے سربراہوں کو چونکا دیا ہے، دراصل وہ بھی اسی پہلو پر غور کر رہے تھے کہ دی کلر کے دماغ میں کمپیوٹر نصب کیا گیا ہے، وہ بھی اس کا سر کاٹ کر اپنی اپنی تجربہ گاہ میں لے جانا چاہتے تھے اور حقیقت معلوم کرنا چاہتے تھے۔ گویا دی کلر کے سر کا سودا سبھی کے سر میں سمایا ہوا ہے۔"

وانشوروکی نے کہا۔ "ہمیں شیبا کے ذریعے معلوم ہوا ہے کہ دی کلر کے لیے بڑے سخت حفاظتی انتظامات کیے جا رہے ہیں اور ابھی اسے پومی کے مقابلے پر نہیں لایا جائے گا۔ میری بیٹی کو موت کے گھاٹ اتارنے کے لیے دوسرے زبردست فائٹر بھیجے جائیں گے۔ پومی ان کے ہاتھوں ماری جائے گی تو انھیں اطمینان ہوگا اور اگر زندہ رہی تو اس کے لڑنے کا انداز ریکارڈ کر لیا جائے گا۔"

میں نے بڑی عقیدت سے کہا۔ "ماسٹر! آپ واقعی عظیم ہیں آپ نے پومی کو روما نہ اور مرجانہ بنا دیا ہے۔"

انھوں نے مسکرا کر کہا۔ "میری پومی بیٹی ان سے بھی آگے نکلے گی۔ ابھی تم نے دیکھا ہی کیا ہے۔ آنے والا وقت اس کے جوہر دکھائے گا۔"

پومی نے کہا۔ "اوہ ماسٹر! پلیز آپ ہی نے تو کہا تھا کہ تعریف انسان کی صلاحیتوں کو کھا جاتی ہے۔"

بے شک کہا تھا۔ مگر ساتھ میں یہ بھی کہا تھا کہ کوئی اپنے استاد کی نظروں میں کبھی مکمل نہیں ہوتا۔ میں نے تمھیں مارشل آرٹ، کنگ فو، تائیکوانڈو وغیرہ میں ایسا پختہ کر دیا ہے کہ دشمن خواہ کتنا ہی شہ زور ہو تمھارے سامنے ٹھہر نہیں سکتا۔ مرجانہ میری پہلی شاگرد تھی جس کے جسم کو میں نے فولاد بنا دیا تھا۔ اس کے ہاتھ ایسے فولادی ہو گئے تھے کہ بڑے سے بڑا شہ زور بھی اس سے پنجہ نہیں لڑا سکتا تھا۔ دوسری شاگرد تم ہو۔ میں نے تمھارے صرف ہاتھ ہی نہیں، تمھارے پورے جسم کو فولاد بنا دیا ہے، جو تم سے ٹکرائے گا پاش پاش ہو جائے گا۔ تم قیامت بن کر ٹوٹو گی اس پر۔"

میں نے پوچھا۔ "جب آپ اتنے اعتماد سے اسے ہر طرح مکمل کہتے ہیں، تو پھر یہ کیوں کہتے ہیں کہ کوئی شاگرد اپنے استاد کی نظر میں مکمل نہیں ہوتا؟"

ماسٹر وانشوروکی نے مسکرا کر کہا۔ "اس لیے کہتا ہوں کہ استاد ہمیشہ ایک داؤ اپنے لیے بچا کر رکھتا ہے۔ چوں کہ شاگرد میں اس داؤ کی کمی ہوتی ہے اس لیے وہ نامکمل ہوتا ہے۔"

پومی نے روٹھ کر کہا۔ "جائیے ماسٹر، میں آپ سے نہیں بولوں گی۔ آپ نے مجھ سے کچھ چھپا کر رکھا ہے۔"

انھوں نے اس کے ایک ہاتھ کو تھپکتے ہوئے کہا۔ "ایسی کوئی بات نہیں ہے، بیٹی! میں نے مرنے سے پہلے اپنا تمام ہنر تم میں منتقل کر دیا ہے۔ وہ ایک داؤ جس کا میں ذکر کر رہا ہوں، ابھی تم سے اتنا تعلق نہیں رکھتا۔ وہ بڑھاپے کے داؤ پیچ ہیں۔ انسان کو آخری عمر میں کس طرح چاق و چوبند رہنا چاہیے اور اپنی سانس کو قابو میں رکھنا چاہیے' یہ تم مجھ میں دیکھ رہی ہو۔ میں جوانوں کے مقابلے میں کم از کم ایک گھنٹے کے لیے اپنی سانسوں کو اعتدال پر رکھ سکتا ہوں، نہ ہانپ سکتا ہوں نہ گر سکتا ہوں۔"

پومی نے ناراض ہو کر نیپکن کو میز پر پھینکا پھر کہا۔ "میں جوانی میں بڑھاپے کا یہ داؤ سیکھوں گی ورنہ آپ سے نہیں بولوں گی۔"

ماسٹر وانشوروکی نے ہنستے ہوئے کہا۔ "میں اپنی بیٹی کو سب کچھ سکھا دوں گا۔ بھئی ناراض کیوں ہوتی ہو۔"

میں نے کہا۔ "فی الحال تو سیکھنے کا وقت نہیں ہے۔ میں ضروری کام سے آیا ہوں۔"

وہ دونوں ہی چونک گئے۔ ماسٹر وانشوروکی نے کہا۔ "اوہ سوری فرہاد! میں سمجھ رہا تھا تم محض خیریت معلوم کرنے آئے ہو۔ میں نے تو پوچھا ہی نہیں کہ تمھیں ہماری ضرورت ہے بھی یا نہیں۔"

پومی نے مسکرا کر کہا۔ "چلو، میں پوچھ رہی ہوں۔"

میں نے کہا۔ "پومی! تمھیں فلاڈلفیا جانا ہوگا۔"

"ضرور جاؤں گی۔"

میں نے انھیں للی اور جانی بابا کے متعلق تفصیلات بتائیں پھر یہ بھی بتایا کہ سونیا اب کس قسم کی چالیں چلنا چاہتی ہے۔

ماسٹر وانشوروکی نے کہا۔ "سونیا نے جو چال سوچی تھی اس سلسلے میں تقدیر نے بھی ساتھ دیا۔ یعنی للی کو اغوا کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ اس کا سیاہ فام عاشق ہی اسے لے گیا۔"

پومی نے کہا۔ "اب رہ گیا جانی بابا، اسے میں ٹریپ کر لوں گی لیکن دی کلر کا کیا ہوگا؟"

"فکر نہ کرو، تم جہاں جاؤ گی وہاں تم سے دشمن ٹکرائیں گے۔ میں چاہتا ہوں' یہ ٹکراؤ ہوتا رہے اور تم سونیا، رومانہ اور مرجانہ کی طرح دشمنوں کے دلوں میں دہشت بن جاؤ۔ اس دوران ہم دی کلر کا صحیح ٹھکانہ معلوم کر کے تمھیں وہاں پہنچا دیں گے۔"

ماسٹر وانشوروکی نے ملازم سے ٹیلیفون لانے کے لیے کہا۔ پھر مجھ سے کہا۔ "میں فون کے ذریعے ابھی کسی طیارے میں سیٹ ریزرو کراتا ہوں۔ اگر جگہ نہ ملی تو ایک ہیلی کاپٹر چارٹرڈ کراؤں گا۔ انشاء اللہ آج رات تک ہم فلاڈلفیا پہنچ جائیں گے۔"

میں نے پومی سے پوچھا۔ "کیا شیبا آئی تھی؟"

شیبا کی سوچ سنائی دی۔ "میں موجود ہوں۔"

میں نے پوچھا۔ "کیا میں تمھارے پاس آؤں؟"

"نہ۔ نہیں۔" پھر وہ سنبھل کر بولی۔ "میرا مطلب ہے' میرے پاس آنے کی ضرورت کیا ہے؟ ہم پومی کے دماغ میں رہ کر بھی ایک دوسرے سے گفتگو کر سکتے ہیں۔"

میں نے کہا۔ "تعجب ہے، کبھی تم سونیا کے دماغ میں پہنچ جاتی ہو، کبھی پومی کے دماغ میں۔ کبھی دور ہی دور رہ کر میری باتیں سنتی ہو۔ اپنی باتیں سناتی ہو لیکن مجھ سے ڈرتی ہو۔ کیا تم پر ڈرنے اور خوفزدہ ہونے کا دورہ پڑتا رہتا ہے؟"

چوں کہ یہ باتیں پومی کے دماغ میں ہو رہی تھیں' اس لیے وہ بھی سن رہی تھی۔ اس نے پوچھا۔ "شیبا! آخر بات کیا ہے؟"

شیبا نے کہا۔ "کچھ بھی تو نہیں۔ بس یوں ہی۔"

پومی نے مجھ سے پوچھا۔ "فرہاد! مجھے بتاؤ، اگر اس کے ڈرنے کی کوئی معقول وجہ ہے تو میں اس خوف کو دور کر دوں گی۔"

میں نے کہا۔ "خوف اگر بیماری بن جائے تو کوئی دوا

نہیں کر سکتا۔ میرے لیے یہی غنیمت ہے کہ تمھارے دماغ میں رہ کر تمھارے دو باتیں کر لیا کروں گا۔"

ماسٹر والٹسورو کی ٹیلی فون کا ریسیور کان سے لگائے باتیں کر رہا تھا۔ پھر اس نے ریسیور رکھتے ہوئے پومی کو دیکھ کر کہا "فرہاد! ہمیں ایک طیارے میں دو سیٹیں مل گئی ہیں۔ طیارہ ٹھیک تین بجے یہاں سے روانہ ہوگا۔ لہٰذا اب ہمیں چلنا چاہیے۔"

پومی اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ ماسٹر والٹسورو کی بھی اٹھ کر جانا چاہتا تھا، ٹیلیفون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا پھر کہا "ہیلو۔"

دوسری طرف سے پوچھا گیا "کیا والٹسورو کی ہے؟"

"ہاں میں رو کی بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے آواز آئی "اگر تمھارے باس فرہاد موجود ہے تو اسے کہنا کہ ہم یوگا کے ماہر ہیں۔ لہٰذا ہمارے پاس آنے کی زحمت نہ کریں۔"

والٹسورو کی نے پوچھا "تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟"

"پومی، دی کلر کا سر چاہتی ہے اور ہم تمھارا سر۔"

ماسٹر رو کی نے نہایت تحمل سے جواب دیا "ابھی تین بجے تک میرا سر شکاگو میں ہے۔ تقریباً دو ڈھائی گھنٹے تک یہ سر فلاڈلفیا میں ہوگا۔ جب چاہو میرے کاندھے سے اتار کر لے جاؤ۔"

اس نے ریسیور کو رکھا پھر اپنے کمرے میں جا کر سامان پیک کرنے لگا۔ پومی بھی اپنے کمرے میں جا چکی تھی۔ میں نے اسے کہہ دیا "اب میں تمھارے دماغ سے جا رہا ہوں۔ بعد میں رابطہ قائم کروں گا۔"

یہ بات میں نے اس لیے کہہ دی کہ وہ سامان پیک کرنے سے پہلے لباس تبدیل کرنا چاہتی تھی۔ میں آبدوز میں پہنچ گیا۔ اسی وقت سونیا دروازہ کھول کر کیبن میں داخل ہو رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر بولی "خیال خوانی سے بڑی جلدی فرصت مل گئی ہے؟"

میں نے پومی اور ماسٹر والٹسورو کی کے متعلق بتایا۔ اس نے کہا "یہ اچھا ہوا کہ ماسٹر رو کی نے دشمنوں کو اپنا پروگرام بتا دیا کہ وہ کب تک شکاگو میں رہیں گے اور کب فلاڈلفیا پہنچیں گے۔ اس طرح دشمن ان کے سامنے ضرور آئیں گے۔"

"ماسٹر رو کی جہاندیدہ اور تجربے کار ہے، وہ جانتا ہے دشمنوں کو کس طرح پیچھے لگایا جا سکتا ہے۔"

"تمام دشمن پومی کو مرکز نگاہ بنا کر رکھیں گے۔ وہ جانتے ہیں، دی کلر اس سے ٹکرائے گا یا وہ دی کلر تک ضرور [illegible] گی اور ایسے میں وہ پومی کو دھوکا دے کر یا ہلاک کر کے دی کلر کا سر لے جائیں گے۔ سب اپنے اپنے منصوبے کے مطابق گھات میں لگے ہوں گے۔ ہمیں اس دوران معلوم [illegible] چاہیے کہ دی کلر کہاں ہے اور پومی کو وہاں تک کیسے [illegible] جا سکتا ہے؟"

دروازے پر دستک سنائی دی۔ میں نے کہا "کم [illegible]" دروازہ کھلا اور ایک مسلح شخص نے آ کر پوچھا "[illegible] لوگوں کے لیے لنچ یہاں لایا جائے یا ڈائننگ روم میں چلیں گے؟"

سونیا نے کہا "یہیں لے آؤ۔"

وہ چلا گیا۔ سونیا نے کہا "میں نے یہاں لنچ اس لیے منگوایا ہے کہ تم کھانے کے دوران بھی خیال خوانی کر سکو [illegible] اب زیادہ سے زیادہ پومی کے پاس رہنا چاہیے۔"

دوسری بار میں پومی کے پاس پہنچا تو وہ ماسٹر رو کی کے ساتھ ایک ٹیکسی میں بیٹھی ایئر پورٹ کی طرف جا رہی تھی۔ رو کی ڈرائیور کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا اور پومی [illegible] سیٹ پر تھی۔ وہ کسی پر بھروسا نہیں کرتے تھے۔ اس [illegible] اس طرح بیٹھے ہوئے تھے۔ اگر ڈرائیور دشمن ثابت [illegible] پومی پیچھے سے اور ماسٹر رو کی سامنے سے مل کر اسے [illegible] بنا دیتے۔

کچھ دور جانے کے بعد ڈرائیور نے کہا "ہم ایئر پو[illegible] آدھے گھنٹے میں پہنچیں گے۔"

ماسٹر رو کی نے کہا "اچھی بات ہے۔"

ڈرائیور نے کہا "اگر میں یہ کہوں کہ یہ ٹیکسی نہیں [illegible] اور میں ڈرائیور نہیں ہوں تو؟"

ماسٹر رو کی نے جواب دیا "ہم یقین کر لیں گے۔"

"اگر میں یہ کہوں کہ میں دشمن بھی نہیں ہوں تو؟"

"ہم اس پر بھی یقین کر لیں گے۔"

"اس ٹیکسی کے آگے پیچھے ہماری گاڑیاں دوڑ رہی [illegible]"

"بھئی، مجھے تمھاری تمام باتوں کا یقین ہے۔ اب کا[م] کی بات کرو۔"

"ہمارا ماسک مین فرہاد صاحب سے دو باتیں کرنا چاہتا ہے۔"

میں نے پومی کے ذریعے پوچھا "کیا ماسک مین براہ [راست] فرہاد سے گفتگو کرے گا؟"

"نہیں ماسک مین کی طرف سے ہمارا باس بورنیا [illegible] باتیں کرے گا۔"

پومی نے میری مرضی کے مطابق کہا "لعنت ہے تمھارے باس بورنیا پر۔ وہ شیطان کا بچہ فرہاد سے کیا بات کر سکتا ہے؟"

"تم نفرت سے کہہ رہی ہو مگر باس بورنیا شیطان کا بچہ کہلانے میں فخر محسوس کرتا ہے۔"

پومی نے کہا "ہم سے باس بورنیا کی باتیں نہ کرو۔ اگر ماسک مین براہ راست گفتگو کرنا چاہے تو ہم راضی ہیں ورنہ فرہاد کسی پردہ نشین سے نہ تو بات کرتا ہے نہ دوستی۔"

ڈرائیور نے پوچھا "کیا فرہاد صاحب ابھی ہمارے درمیان موجود ہیں؟"

"ہاں موجود ہیں۔"

اس نے ڈیش بورڈ کا خانہ کھول کر اس میں سے چھوٹا سا ٹرانسمیٹر نکالا پھر اسے والٹسورو کی کو دیتے ہوئے کہا "میں فریکوئنسی بتاتا ہوں، آپ اس کے مطابق رابطہ قائم کریں۔"

ماسٹر والٹسورو کی نے اس کے کہنے کے مطابق رابطہ قائم کیا۔ دوسری طرف سے اشارتی سگنل موصول ہوا۔ ڈرائیور نے ٹرانسمیٹر کو اپنے ایک ہاتھ میں لے کر دوسرے ہاتھ سے اسٹیرنگ سنبھالتے ہوئے کہا "جناب! میں اوڈبل ون بول رہا ہوں۔ ابھی ٹیکسی کے اندر فرہاد صاحب خیال خوانی کے ذریعے موجود ہیں۔ وہ باس بورنیا کی آواز تک سننا پسند نہیں کرتے۔ ان کا مطالبہ ہے کہ براہ راست آپ سے گفتگو ہو۔"

اس کے جواب میں پھر اشارتی سگنل موصول ہوا۔ میں نے ڈرائیور کے دماغ میں پہنچ کر معلوم کیا۔ اس کی سوچ بتا رہی تھی کہ اشارتی سگنل کے ذریعے انتظار کرنے کو کہا گیا ہے۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر ٹرانسمیٹر کے ذریعے آواز سنائی دی "ہیلو فرہاد علی تیمور! آج تک میری آواز کسی نے نہیں سنی۔ میں پہلی بار آپ سے مخاطب ہو رہا ہوں۔ میں کون ہوں، یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کچھ کہنے سے پہلے ہی آپ میرے دماغ میں پہنچ چکے ہوں گے۔ میں ٹرانسمیٹر آف کر رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے رابطہ ختم ہو گیا۔ ادھر ڈرائیور بھی ٹرانسمیٹر کو آف کر کے ڈیش بورڈ کے خانے میں رکھنے لگا۔ میں نے خیال خوانی کی پرواز کی اور اس شخص کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ آنکھیں پھاڑے خلا میں تک رہا تھا۔ ایک آرام کرسی پر بیٹھا ہوا مجھے اپنے دماغ میں محسوس کر رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ میں اسے مخاطب کرنے والا ہوں۔

مگر میں خاموش رہا۔ اس کی بے چینی بڑھ گئی۔ اس نے آہستگی سے پوچھا "مسٹر فرہاد علی تیمور! کیا آپ میرے دماغ میں آ چکے ہیں؟"

میں نے کہا "مسٹر! بے وقوف بنانے کی کوشش مت کرو، میں جانتا ہوں تم مجھے اپنے دماغ میں محسوس کر چکے ہو۔"

وہ کھسیانے انداز میں مسکراتے ہوئے بولا "جی، جی ہاں، میں یوگا میں مہارت رکھتا ہوں۔ میں نے آپ کو محسوس کر لیا تھا۔ مگر یقین نہیں تھا اس لیے آپ کو مخاطب کیا۔"

"اچھا، تو تم ماسک مین ہو؟"

"جی، جی ہاں۔"

"سوچ سمجھ کر جواب دو۔ میں چور خیالات بھی پڑھ لیتا ہوں۔"

"جی ہاں، میں قائم مقام ماسک مین ہوں۔ اصل ماسک مین آج کل چھٹیاں گزار رہے ہیں۔"

"تم جھوٹ پر جھوٹ بولے جا رہے ہو۔ اصل ماسک مین تمھارے ساتھ والے کمرے میں بیٹھا ہوا ہے۔"

اس نے شکست خوردہ انداز میں گہری سانس لی پھر آرام سے کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔ بولا "آپ سے کوئی بات چھپائی نہیں جا سکتی۔ آپ ہمارے باس بورنیا کو پسند نہیں کرتے۔ اس لیے ماسک مین نے مجھے قائم مقام بنایا ہے۔ آپ میرے ذریعے جو کچھ باس سے کہنا چاہیں کہہ سکتے ہیں۔"

"میرے پاس تو کہنے کو کچھ بھی نہیں ہے۔ میں تمھارے ماسک مین سے کیا کہنا چاہوں گا؟"

"اوہ سوری، دراصل کہنا ہم چاہتے ہیں اور جو بات ہم کہنا چاہتے ہیں وہ وہی دوستی کی پیشکش ہے۔"

"پہلے بھی درجنوں بار تمھارے ماسک مین سے دوستی ہو چکی ہے۔ کبھی مجھے فائدہ پہنچا کبھی نقصان۔ ویسے سپر ماسٹر، ماسک مین نے اور دوسری تمام تنظیموں کے سربراہوں نے یہ وعدہ کیا تھا کہ اب وہ میرے معاملات میں مداخلت نہیں کریں گے۔ نہ مجھ سے کوئی تعلق رکھیں گے پھر یہ دوستی یا دشمنی کا سوال کیسے پیدا ہو گیا؟"

اس قائم مقام ماسک مین نے کہا "ہم واقعی آپ کے معاملے میں مداخلت کرنا نہیں چاہتے لیکن یہ بات اب کھل کر سامنے آ گئی ہے کہ سپر ماسٹر آپ کے راستے میں رکاوٹیں پیدا کر رہا ہے اور پُراسرار شخص بن کر آپ کو اور آپ کی ساتھی عورتوں کو مسلسل نقصان پہنچاتا رہا ہے۔"

"ماسک مین کو میرے نقصانات کا احساس ہے، [illegible] بات کا شکریہ۔"

"ہم آپ سے دوستی کرنا چاہتے ہیں۔"

"یہ میں کیسے مان لوں کہ ماسک مین مجھ سے دوستی کرنا چاہتا ہے؟ میرا تجربہ ہے جو شخص پردے میں رہتا ہے، دوستوں کے سامنے بھی نہیں آتا تو ایسا شخص دشمن سے بھی زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔"

قائم مقام ماسک مین کے سامنے ایک ٹیلی پرنٹر تھا۔ میں اس کے دماغ میں جو بات کہتا تھا، اس بات کو وہ زبان سے دُہراتا تھا۔ اس کی بات دوسرے کمرے میں ماسک مین سنتا تھا۔ اور پھر ٹیلی پرنٹر کے ذریعے جواب دیتا تھا۔ قائم مقام ماسک مین نے پوچھا: "اگر ہمارا ماسک مین تمہارے سامنے آجائے، اپنے دماغ کے دروازے تمہارے لیے کھول دے تو دوستی ہوسکے گی؟"

"ہمارے درمیان پہلے بھی دوستی قائم ہوتی اور ٹوٹتی رہی — بہرحال ایک تجربہ اور کرلینے میں کوئی ہرج نہیں ہے۔ اگر اپنے ماسک مین سے کہو، ابھی اپنی آواز نہ سنائے۔ ذرا انتظار کیجیے۔"

میں نے شیخ الفارس کو مخاطب کیا۔ انہیں ماسک مین کی پیشکش کے متعلق بتایا۔ انھوں نے کہا: "سانپ اور آدمی جب تک نہ ڈسے، ہمارے لیے بے ضرر ہے اور جب ڈسنا چاہے تو پھر دشمن سے بھی بدتر ہے۔ ان سے دوستی ہوسکتی ہے مگر ہم کبھی ان پر اعتماد نہیں کریں گے۔ کوئی ایسی شرط قبول نہیں کریں گے جس سے ہمیں آئندہ .... نقصان پہنچ سکے۔"

"میں سمجھتا ہوں، وہ دی کلر کا سر حاصل کرنے کے لیے دوستی کر رہے ہیں۔ اگر یہ شرط پیش کی گئی تو؟"

"آج کل دی کلر کا سر تمام لوگوں کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔ میں نے بھی یہی سوچا ہوا ہے کہ اس کا سر حاصل ہو جائے تو ہم اس پُراسرار آپریشن کا راز معلوم کرلیں گے جو جاپانی ڈاکٹر واکی توڑ کے ذریعے عمل میں آیا۔ ویسے یہ بات اب چھپی نہیں رہی کہ دی کلر کی کھوپڑی میں ایک کمپیوٹر نصب ہے۔ یہ بات دوسری خطرناک تنظیموں کے افراد بھی سمجھتے ہیں۔ لیکن اس کا سر حاصل کرکے اس کی کھوپڑی کو کھول کے تمام بڑے ڈاکٹر یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ کمپیوٹر کس طرح اس کی کھوپڑی میں رکھا گیا ہے اور وہ کمپیوٹر کس دھات اور ساخت کا بنا ہوا ہے۔"

میں نے کہا: "پھر تو دی کلر کا سر کسی بھی دشمن کے پاس جائے، ہم خیال خوانی کے ذریعے یہ معلومات حاصل کرسکتے ہیں۔"

"فرہاد! صرف اس حد تک معلومات حاصل کرنا ہو تو کوئی بھی دی کلر کی کھوپڑی حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ بات تو کچھ اور ہے۔ خصوصاً ماسک مین اس لیے اس کا سر چاہتا ہے کہ وہ جاپانی ڈاکٹر کے آپریشن کی تکنیک کو سمجھ سکیں یا اپنے ڈاکٹروں کو سمجھا سکیں۔ اور پھر اپنے کسی آدمی پر یہ تجربہ کرسکیں۔ یعنی اس کی کھوپڑی میں بھی ایسا ہی کمپیوٹر رکھا جائے گا تاکہ ایک نارمل انسان کو اپنی قوت سے کہیں زیادہ طاقتور بنایا جاسکے۔ اس کمپیوٹر کے پیچھے جتنے ذہین افراد بیٹھے ہوں گے، وہ اپنی تمام تر ذہانت اس کمپیوٹر والے انسان کو منتقل کرتے رہیں گے۔ اس طرح اس کی ذہنی قوت بھی غیرمعمولی اور حیرت انگیز ہوگی۔ اس پُراسرار شخص نے دی کلر کے دماغی آپریشن میں کروڑوں روپے خرچ کیے ہوں گے مگر اس کا تجربہ ابھی تک محدود ہے۔ یہ تجربہ بہت آگے بڑھ سکتا ہے۔ اسی لیے بڑی بڑی خطرناک تنظیمیں دی کلر کا سر حاصل کرنا چاہتی ہیں۔"

"جناب! کیا آپ بھی یہ سر حاصل کرکے کوئی ایسا ہی تجربہ کرنا چاہتے ہیں؟"

"لاحول ولاقوۃ، یہ ایک غیرانسانی فعل ہے، ہم اپنے ادارے میں کبھی ایسا نہیں کریں گے۔"

"پھر تو دی کلر کا سر ہمارے لیے اتنی اہمیت نہیں رکھتا ہے۔"

"ہاں، تم ماسک مین سے اس شرط پر دوستی کرسکتے ہو، اس کا سر ان کے حوالے کیا جاسکتا ہے لیکن وانٹسو روکی کا چیلنج قائم رہے گا۔ صرف پومی ہی دی کلر کا سر اس کے شانے سے اتارے گی۔ دشمنوں پر یہ دہشت طاری رہنا چاہیے کہ ہم جو کہتے ہیں وہ کر گزرتے ہیں۔"

میں جناب شیخ الفارس سے رخصت ہو کر ماسک مین کے دماغ میں پہنچ گیا۔ دوسرے کمرے میں قائم مقام ماسک مین بیٹھا میرا انتظار کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے میں نے منع کیا تھا کہ ماسک مین ابھی مجھے اپنی آواز نہ سنائے۔ ذرا انتظار کرے لہٰذا وہ دونوں اپنے اپنے کمرے میں انتظار کر رہے تھے۔ میں نے اصل ماسک مین کو آہستگی سے مخاطب کیا: "ہیلو ماسک مین!"

وہ ایک دم سے اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ بے یقینی سے اپنے سر کو تھام کر خلا میں تکنے لگا۔ میں نے کہا: "کیا سوچ رہے ہو۔ کہاں تک پہنچ رہے ہو؟ میں تو تمہارے دماغ میں ہوں۔"

وہ پریشان ہو کر بولا: "کیا..... کیا تم فرہاد علی تیمور ہو؟"

"دماغ میں بھلا اور کون بول سکتا ہے؟"

"لیکن میں نے تو اپنی آواز نہیں سنائی تھی۔"

"مگر میں بہت پہلے ہی تمہاری آواز سن چکا ہوں۔ تم سے پہلے جو ماسک مین تھا، میں اس کے دماغ میں بھی پہنچ سکتا تھا لیکن میں نے اس کے باوجود نہ تو تم لوگوں کو چھیڑا اور نہ ہی تمہیں اور تمہارے ملک کو کوئی نقصان پہنچایا۔"

اس نے تائید میں سر ہلا کر کہا: "میں مانتا ہوں فرہاد! تم گریٹ ہو، تم بہت عظیم ہو، تم چاہتے تو ہمیں دن رات بلیک میل کرسکتے تھے۔ تم ان تمام رازوں تک پہنچ سکتے ہو یا پہنچ چکے ہو جن کی گرد کو بھی کوئی نہیں پہنچ سکتا۔"

میں نے کہا: "میں بہت کچھ کرسکتا ہوں اور ایسے مقامات تک پہنچ سکتا ہوں جہاں پرندہ بھی پَر نہیں مار سکتا۔ مگر میں نے کبھی ایسی کوشش نہیں کی اس لیے کہ مجھے کسی بھی ملک کی سیاست سے یا ان کے فائدے نقصان سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ میں پہلے بھی تم لوگوں کو اور سُپر ماسٹر وغیرہ کو سمجھاتا آیا ہوں کہ مجھے چھیڑا نہ جائے۔ میرے معاملے میں کسی طرح کی مداخلت نہ کی جائے لیکن تم میں سے کوئی باز نہیں آتا۔"

ماسک مین نے کہا: "فرہاد! ہماری مجبوریاں سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں سوچتا ہوں، کہیں سُپر ماسٹر کسی طرح تم سے دوستی کرلے تو میں نقصان میں رہوں گا۔ اسی طرح سُپر ماسٹر سوچتا ہے کہ میں اگر تم سے کسی طرح دوستی کرلوں تو وہ نقصان میں رہے گا۔ لہٰذا ہم صرف تم سے دوستی کرنے کے لیے ایک دوسرے کو نقصان بھی پہنچاتے ہیں اور تمہاری دشمنی بھی مول لیتے ہیں۔ اب یہ نہیں ہونا چاہیے۔ تم صرف ایک بار ہم سے دوستی کرکے آزماؤ۔ ہم تمہارے دل میں دشمنی کا خیال تک آنے نہیں دیں گے۔"

میں نے کہا: "میں بھی یہی سوچ رہا ہوں، کسی ایک بڑی طاقت سے تو دوستی کرنا ہی ہوگی۔ لہٰذا اب میں تم سے دوستی کرتا ہوں اور یہ یاد رکھنا کہ یہ آزمائشی دوستی ہوگی۔ اسے قائم رکھنا اور مستحکم بنانا تم لوگوں کا فرض ہوگا۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں، ہمارے درمیان کبھی ہلکی سی تلخی بھی پیدا نہیں ہوگی۔"

"اب ذرا اس دوستی کی شرط بھی پیش کردو۔"

وہ ذرا ہچکچایا پھر بولا: "شرط؟ کیسی شرط؟"

"دیکھو مجھ سے چور خیالات چھپے نہیں رہتے، تم دی کلر کا سر چاہتے ہو نا؟"

وہ ہنسنے لگا: "واقعی تم سے کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی۔"

"تھوڑی دیر پہلے میں نے ذرا انتظار کرنے کے لیے کہا تھا۔ دراصل میں اپنے بزرگ سے مشورہ کرنے گیا تھا۔ انھوں نے مشورہ دیا ہے کہ دی کلر کا سر تمہارے حوالے کر دیا جائے۔"

وہ خوشی سے کھل گیا۔ کہنے لگا: "تم دوستی کی ابتدا میں دی کلر کے سر کا تحفہ پیش کر رہے ہو۔ مجھے بتاؤ، میں تمہارے لیے کیا کروں؟"

میں سوچنے لگا۔ سپر ماسٹر، ماسک مین اور دوسری خطرناک تنظیموں کے سربراہ مے کاکس کو فرہاد نہیں سمجھ رہے تھے۔ یہ رپورٹ ہر جگہ پہنچ گئی تھی کہ مے کاکس فرہاد ثابت نہیں ہوسکا لیکن سونیا اسے اغوا کرکے کسی جزیرے میں لے گئی ہے۔ ڈاکٹر مے کاکس کو کسی جزیرے میں لے جانے کا مقصد کیا تھا، یہ کوئی سمجھ نہ سکا لیکن پھر شبہ ہونے لگا کہ شاید مے کاکس ہی فرہاد ہے، اسی لیے سونیا اس میں اتنی دلچسپی لے رہی ہے۔

میں نے ماسک مین سے کہا: "کل صبح دس بجے تک سونیا مے کاکس کو لے کر نیوہیون کے کسی علاقے میں پہنچے گی۔ میں اس مقام کی صحیح نشاندہی کروں گا۔ تمہارے آدمیوں کو وہاں ایک ہیلی کاپٹر لے کر پہنچنا ہے، وہ ہیلی کاپٹر سونیا کے مصرف میں رہے گا۔"

"جناب فرہاد صاحب! یہ تو بہت ہی معمولی سی بات ہے۔ کوئی اور حکم دیجیے۔"

"جب بھی مجھے ضرورت ہوگی، میں تم سے مدد طلب کروں گا اور جب تمہیں میری ضرورت ہوگی، میں تمہارے کام آؤں گا۔ ابھی تو دوستی کی ابتدا ہوئی ہے۔"

میں نے اس سے بعد میں رابطہ قائم کرنے کا وعدہ کیا پھر رخصت ہو کر دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہوگیا۔ سونیا ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ مُہرے اپنے اپنے خانوں میں رکھے ہوئے تھے اور وہ چالیں چل رہی تھی۔ میں نے خیال خوانی کے ذریعے جو کچھ معلومات حاصل کی تھیں، وہ سب اسے بتانے لگا۔ اس نے پوچھا: "اب پومی اور وانٹسو روکی کہاں ہیں؟"

میں نے کہا: "وہ جہاز میں سوار ہوچکے ہیں اور فلاڈلفیا کی طرف جا رہے ہیں۔ یعنی ہم سب جب تک اپنی اپنی منزل تک نہ پہنچ جائیں اس وقت تک راوی چین لکھتا ہے۔"

"ہاں! ابھی تو اطمینان ہے۔ پتا نہیں، کس وقت کیا ہو جائے۔ ہماری زندگی میں تو یہی ہوتا رہا ہے کہ جب بھی ہم اطمینان کا سانس لیتے ہیں، اسی لمحے کوئی دھماکا ہو جاتا ہے، دشمنوں کا کچھ بھی نقصان ہوتا ہو مگر ہمارا تو سکون برباد ہو جاتا ہے۔"

وہ شطرنج کی بساط اور مہرے اٹھا کر بستر پر آئی پھر وہاں بساط بچھاتے ہوئے بولی "جب تک ہمیں اطمینان ہے، ایک بازی ہو جائے۔ میں دیکھتی ہوں، تم کتنے ذہین ہو۔"

میں اپنی جگہ سے اٹھ کر بستر پر آیا پھر اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولا "شطرنج کا کھلاڑی ہونا دانشمندی کی دلیل نہیں ہے۔ جو لوگ شطرنج میں ماہر ہوتے ہیں، ان سے بھی زیادہ ذہین وہ لوگ ہوتے ہیں جو کبھی شطرنج نہیں کھیلتے مگر سیاسی اور سماجی بساط پر انقلاب برپا کر کے بازی جیت لیتے ہیں۔"

وہ مہرے جماتے ہوئے بولی "ہارنے سے پہلے اپنی صفائی پیش نہ کرو۔ چلو، یہ رہی میری پہلی چال۔"

اس نے مہرے کو آگے بڑھایا پھر کھیل شروع ہو گیا۔ ہمارا وقت اچھی طرح گزرنے لگا۔ دو بازیاں ہوئیں، ایک میں نے جیتی، دوسری سونیا نے۔ وہ اور کھیلنا چاہتی تھی، میں نے انکار کر دیا۔ وہ کہنے لگی "تم جانتے ہو، تیسری بازی میں جیت لوں گی تو میرا پلڑا بھاری ہو جائے گا۔"

"میں کھیلے بغیر ہی ہار مان لیتا ہوں تاکہ تھوڑی دیر تک آرام سے نیند پوری کر سکوں۔ پتا نہیں رات کو آرام سے سونا نصیب ہو گا یا نہیں۔"

وہ شطرنج کی بساط اور مہروں کو ایک طرف رکھتے ہوئے بولی "میرا خیال ہے، آج کی رات بڑے آرام سے گزرے گی، کیوں کہ ہم سمندر کی تہ میں ہیں۔ دشمنوں نے جزیرے کو گھیر کر اپنے طور پر ساری کوششیں کر لی ہوں گی، وہاں اپنے اپنے طور پر محاذ بنا کر بیٹھ گئے ہوں گے یا واپس چلے گئے ہوں گے۔"

"تم یہ بھول رہی ہو کہ ہمارے دشمن بڑے بڑے ذرائع کے مالک ہیں۔ وہ آبدوز کے ذریعے ہمارا تعاقب کر سکتے ہیں؟"

"ایسا وقت آئے گا تو دیکھا جائے گا۔ فی الحال ہمیں آرام سے سو جانا چاہیے۔"

اس نے دروازے کو اندر سے بند کیا۔ پھر بستر پر آ کر گر پڑی۔ میں نے رسٹ واچ کو دیکھتے ہوئے کہا "آٹھ بج رہے ہیں۔ پومی اور ماسٹر واٹسوروکی فلاڈلفیا پہنچ گئے ہوں گے۔"

"تمھیں تو سونے سے پہلے خیال خوانی کی عادت ہو گئی ہے۔ خواہ مخواہ جاؤ گے اور ان کے معاملات میں الجھ جاؤ گے۔"

"کیا تم چاہتی ہو کہ ہم اپنے ساتھیوں کی خبر نہ لیں؟"

"ہمارے ساتھی ننھے بچے نہیں ہیں۔ وہ حالات سے نمٹنا جانتے ہیں۔"

بے شک وہ ذہین بھی تھے، شہ زور بھی تھے، حالات سے نمٹنا اچھی طرح جانتے تھے پھر بھی میری تسلی نہیں ہو سکتی تھی۔ میں نے سونیا کی تسلی کے لیے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا "لو میں سو رہا ہوں، تم بھی آنکھیں بند کر لو۔ میں تمھارے دماغ کو ہدایات دوں گا۔"

اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ میں نے اس کے دماغ کو ہدایات دیں۔ اسے تھپکی کی لوری سنائی۔ وہ تھوڑی دیر بعد سو گئی۔ میں نے پومی کے پاس پہنچ کر دیکھا۔ وہ فلاڈلفیا پہنچ گئی تھی اور واٹسوروکی کے ساتھ ایک ہوٹل میں میرا انتظار کر رہی تھی۔ میں نے کہا "ذرا دیر اور انتظار کرو، میں ابھی آتا ہوں۔"

میں جانی بابا کے پاس پہنچ گیا۔ تھوڑی دیر تک اس کے دماغ میں رہ کر معلومات حاصل کرتا رہا پھر میں نے پومی کے پاس آ کر کہا "اس وقت جانی بابا کیسینو روزا میں ہے۔ وہ حسن پرست اور عاشق مزاج ہے۔ تم بہ آسانی اسے ٹریپ کر سکتی ہو۔"

پومی نے کہا "تم نے اور سونیا نے سامری کو یہی تاثر دیا ہے کہ جانی بابا کو ہم نے اغوا کیا ہے۔ کیا اسے ٹریپ کرنے کے بعد اغوا کیا جائے گا؟"

"ابھی اس کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف اسے اپنی طرف مائل کر لو۔ وقت آنے پر اسے تم جہاں لے جانا چاہو گی، تمھارے پیچھے پیچھے چلا آئے گا۔"

"کیا میں اپنے ماسٹر کے ساتھ جاؤں؟"

"ماسٹر روکی تمھارے ساتھ جائیں گے مگر انھیں اپنے سے دور ہی رکھنا۔ وہ دور ہی دور سے تمھاری نگرانی کرتے رہیں گے۔"

وہ اور واٹسوروکی دو الگ الگ کمروں میں مقیم تھے۔ میں نے واٹسوروکی کو بھی پروگرام کے متعلق بتا دیا۔ وہ بھی باہر نکلنے کے لیے لباس تبدیل کرنے لگا۔ ادھر پومی نے جینز پتلون اور ہاف سلیوز کی خوبصورت سی بنیان پہنی۔ پاؤں میں جرابیں اور کینوس کے جوتے پہن لیے۔ ایسے جوتے پہن کر جمناسٹک کے کرتب دکھانے میں آسانی ہوتی تھی۔ اس نے اپنے پرس میں میک اپ کے سامان کے علاوہ پچیس ہزار ڈالر کے بڑے بڑے نوٹ رکھے پھر اسے شانے سے لٹکا کر دروازے کے پاس آئی۔ اس کی چٹخنی گرا کر اسے کھولنا چاہا تو وہ کھل نہ سکا۔ اس ہوٹل کے دروازے باہر کی طرف کھلتے تھے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے باہر سے کسی نے دروازے کو دبا رکھا ہو۔ اس نے پوچھا "کون ہے؟"

دوسری طرف سے ہنسنے کی آواز سنائی دی۔ پومی نے زور لگا کر دروازے کو کھولنے کی کوشش کی تو وہ ذرا سا کھل گیا۔ اس کھلے ہوئے حصے سے ایک شخص کرسی پر بیٹھا ہوا نظر آیا۔ وہ باہر برآمدے کی ریلنگ سے کرسی لگا کر بیٹھا ہوا تھا اور ایک ٹانگ دروازے پر رکھی تھی اور دوسری دیوار پر۔ اس طرح اس نے دروازے کو بند کیا ہوا تھا۔ ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا "میری جان! سنا ہے بڑی زور دار ہو۔ ذرا دروازہ کھول کر دکھاؤ۔"

پومی نے دروازے کو چھوڑ دیا۔ ذرا پیچھے ہٹ کر بولی۔ "نہ میں زور دار ہوں، نہ دروازہ کھول سکتی ہوں۔ یوں بھی میرا باہر جانا ضروری نہیں ہے۔ چاہو تو رات بھر بیٹھے رہو۔ میں دروازے کی چٹخنی لگا رہی ہوں۔"

باہر بیٹھا ہوا شخص یہ کیسے گوارا کرتا کہ وہ چٹخنی لگا کر اندر بند ہو جاتی اور وہ اس کے پاس پہنچ نہ پاتا۔ اس نے اپنے پاؤں کو دروازے سے ہٹانا چاہا، ایسے ہی وقت پومی نے اندر سے دروازے پر لات ماری۔ اس کا پاؤں جو ہٹ رہا تھا، دروازے سے ٹکرا کر ایک طرف گیا اور وہ کرسی سمیت دوسری طرف گھوم گیا۔

اس وقت پومی نے سونیا کا انداز اختیار کیا تھا یعنی خواہ مخواہ دروازے پر زور آزمائی کر کے وقت اور قوت ضائع کرنے کے بجائے چالاکی سے کام لیا تو دروازہ آسانی سے کھل گیا۔ دشمن بھی کرسی پر بیٹھے بیٹھے دوسری طرف گھوم گیا تھا۔

گھومنے کے بعد اس کا رخ جدھر ہوا، ادھر واٹسوروکی کھڑا ہوا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا "نہ بابا نہ، میں نے تو کچھ نہیں دیکھا۔ میں ابھی اپنے کمرے سے نکل کر آ رہا ہوں۔ میں کسی سے نہیں کہوں گا کہ ایک لڑکی نے ایک شہ زور کو اپنا ٹرن کرا دیا تھا۔"

وہ جھنجلا کر کرسی سے اٹھا مگر پومی نے کراٹے کا ایک ہاتھ اس کی گردن اور شانے کے درمیان رسید کیا۔ وہ پھر بیٹھ گیا۔ میں مار کھانے والے کے دماغ میں تھا۔ وہ محسوس کر رہا تھا جیسے کراٹے کا ہاتھ نہیں بلکہ کوئی آہنی سلاخ تھی جو اس کی گردن کے پاس لگی تھی۔ شدید تکلیف کا احساس ہوا تھا مگر وہ کمزوری ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ دوسری بار اس نے تیزی سے اٹھ کر پومی کی طرف پلٹنے کی کوشش کی مگر پھر دوسرا ہاتھ اس کے دوسرے شانے اور گردن کے درمیان پڑا۔ وہ پھر کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔ سامنے کھڑے ہوئے واٹسوروکی نے کہا "نہ بابا نہ، میں نے کچھ نہیں دیکھا۔ بھلا بوڑھی آنکھیں کیا دیکھیں گی۔ البتہ وہ کیمرہ دیکھ رہا تھا۔ وہی تمھارے پٹنے کا تماشا دنیا کو دکھائے گا۔"

اس بالکونی میں ذرا فاصلے پر ایک شخص مووی کیمرہ لیے کھڑا تھا اور فلم تیار کر رہا تھا۔ بات سمجھ میں آ گئی۔ یہ لوگ پُراسرار شخص کے آدمی تھے اور پومی کے لڑنے کے انداز کو ریکارڈ کر رہے تھے۔ مار کھانے والا قد آور شخص بادی بلڈر تھا۔ اس بار اس نے اٹھنے کی حماقت نہیں کی۔ کرسی پر بیٹھے ہی بیٹھے پھسل کر فرش پر آیا۔ پھر وہاں سے لڑھکتا ہوا ذرا دور گیا۔ پھر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ واٹسوروکی نے اس کی پیٹھ کو تھپکتے ہوئے کہا "اب پہلوان پوزیشن میں آ گیا ہے۔ اے لڑکی تیری شامت آ گئی ہے۔"

پھر واٹسوروکی نے اسے دھکا دیتے ہوئے کہا۔ "چڑھ جا بیٹا سولی پر، رام بھلی کرے گا۔"

وہ اس بات کے لیے تیار نہیں تھا کہ پیچھے سے دھکا لگے گا اور جب دھکا لگ ہی گیا تو وہ پومی کو مارنے کے لیے دوڑ پڑا۔ ایسے ہی وقت پومی نے کرسی کو آگے کر دیا۔ وہ اس سے ٹکرا کر اس پر اوندھا گرا۔ پومی نے اس کے سر کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ لیا اور اتنے زور کا جھٹکا دیا کہ وہ چیخ مار کر سیدھا بیٹھ گیا۔

واٹسوروکی نے کیمرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس بات کے گواہ رہنا کہ پومی نے اوّل تو اسے کرسی سے اٹھنے نہیں دیا تھا۔ اسے اس کرسی سے نجات پانے کے لیے پھسل کر کرسی سے نیچے آنا پڑا۔ اس کے بعد بھی اسے نجات نہیں ملی۔ دوسری بار حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھا تو پھر اس کے نصیب میں یہی کرسی تھی اور اب تک یہ یہیں بیٹھا ہوا ہے۔"

بوڑھے ماسٹر نے کیمرہ مین کو ڈائریکشن دیتے ہوئے کہا۔ "اب یہاں آ جاؤ اور ذرا سامنے سے فوٹو گرافی کرو۔ میری بیٹی اب اسے کرسی سے اٹھنے نہیں دے گی۔"

پومی کرسی کے پیچھے پہنچ گئی تھی اور اس نے اس کے دونوں جبڑوں کو اپنے دونوں پنجوں میں جکڑ لیا تھا۔ اس کی انگلیاں جیسے لوہے کی سلاخوں کی طرح اس کے جبڑوں میں پیوست ہو رہی تھیں اور وہ چیخیں مار رہا تھا۔ اچانک پاس والے کمرے سے دو پہلوان نما شخص نمودار ہوتے۔ انھوں نے فضا میں چھلانگیں لگائیں۔ پھر پومی کو پیچھے سے فلائنگ کک ماری۔ وہ اس بات کے لیے تیار نہیں تھی۔ کرسی کے پیچھے سے الٹ کر سامنے آ کر گری لیکن دوسرے ہی لمحے

الٹی قلابازی کھا کر پھر کرسی کے پیچھے پہنچ گئی لیکن اس طرح کہ اب اس کی دونوں ٹانگیں آنے والے دونوں پہلوانوں کے منہ پر پڑی تھیں اور وہ لڑکھڑا کر پیچھے چلے گئے تھے۔

والشوروکی نے پھر کمنٹری شروع کی "ناظرین! آپ کیمرے کی آنکھ سے دیکھ رہے ہیں کہ پیچھے سے دو بنا سینی پہلوان آئے تھے۔ وہ بھی منہ کی کھا کر پیچھے گئے ہیں اور اب پھر حملہ کر رہے ہیں۔ مگر وہ حملہ کس پر کریں گے۔ لومی تو فضا میں قلابازیاں کھا کر ان کے سروں پر سے گزرتی ہوئی پیچھے چلی گئی ہے۔ اب وہ دونوں پیچھے پلٹ کر دیکھ رہے ہیں مگر توبہ توبہ شرم نہیں آتی۔ ایسی گھورنے والی آنکھوں کو پھوٹ جانا چاہیے۔ ارے یہ کیا؟ اب وہ دونوں اپنی اپنی آنکھیں تھام کر چیخ رہے ہیں۔ لومی نے اپنے دونوں ہاتھوں کی ایک ایک انگلی ان کی ایک ایک آنکھ میں پیوست کر دی تھی مگر یہ سب اتنی تیزی سے کیسے ہوا۔ مجھے تو کچھ نظر نہیں آیا۔ شاید کیمرے کی آنکھ نے ریکارڈ کر لیا ہو۔"

ماسٹر والشوروکی کی کمنٹری جاری تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "کیسا اندھیر ہے یہ؟ زمانے کی کیسی بے حسی ہے یہ؟ ہوٹل میں ایسا ہنگامہ ہو رہا ہے اور کوئی پوچھنے والا نہیں۔ یہ سب پُراسرار باس کے ذرائع ہیں کہ ایک بے چاری لڑکی کو گھیرنے اور مارنے والوں کا محاسبہ کرنے کی کسی میں جرأت نہیں ہے۔ ویسے کوئی بات نہیں۔ دو پہلوانوں کی ایک ایک آنکھ تو گئی۔ اب یہ کانے ہو گئے اور جس فائٹر کے متعلق میں نے پیشنگوئی کی تھی کہ میری بیٹی اسے کرسی سے اٹھنے نہیں دے گی تو یہ اب تک بیٹھا ہوا ہے۔ اب اس میں ہلنے کی بھی سکت نہیں ہے۔"

والشوروکی نے کیمرہ مین کے پاس آ کر اس کے شانے کو تھپکتے ہوئے کہا "شاباش، تم نے بڑی اچھی فلم بندی کی ہے اب کیمرہ مجھے دے دو باقی فلم بندی میں کروں گا۔"

والشوروکی نے اس کے ہاتھ سے کیمرہ لے لیا پھر لومی سے کہا "بے چارے نے اتنی محنت کی ہے، کیا اسے انعام نہیں دو گی؟"

یہ کہہ کر اس نے مووی کیمرے کو آن کیا۔ لومی نے آ کر کیمرہ مین کے سر کو سہلایا۔ پھر ایک گھونسا منہ پر جڑ دیا۔ وہ ایک دم سے چکرا کر گھومتا ہوا ریلنگ کے پاس گیا اور زمین پر گر پڑا۔ وہ لومی کا ہلکا ہاتھ تھا۔ کیمرہ مین کو زیادہ نقصان نہیں پہنچانا چاہتی تھی مگر وہ بے ہوش ہو گیا تھا بلکہ بے ہوش ہونے کی ایکٹنگ کر رہا تھا تاکہ دوسرا ہاتھ نہ پڑے۔ والشوروکی کے ہاتھ میں مووی کیمرہ آن تھا اور وہ کمنٹری کر رہا تھا "اب لومی نے اپنا پرس فرش پر سے اٹھا لیا ہے اور اسے شانے سے لٹکا کر یہاں سے جا رہی ہے۔ میرے اندازے کے مطابق اس کیمرے سے اتاری جانے والی فلم گھنٹے آدھ گھنٹے کے اندر پُراسرار باس تک پہنچا دی جائے گی اور اس وقت وہ یہ فلم دیکھ رہا ہو گا اور میری کمنٹری سن رہا ہو گا۔ میں اسے یہ بھی سنانا چاہتا ہوں کہ لومی یہاں سے کیسیتوروزا جائے گی اور آج کی رات وہاں گزارے گی۔ لہٰذا جتنے پہلوان اسٹاک میں رہ گئے ہیں وہاں بھیجے جا سکتے ہیں۔"

یہ کہہ کر والشوروکی نے کیمرے کو آف کیا پھر اسے بے ہوش کیمرہ مین کے پاس رکھ کر وہاں سے جانے لگا۔

میں یکبارگی ہڑبڑا کر بستر پر بیٹھ گیا۔ خیال خوانی کا سلسلہ ٹوٹ گیا تھا۔ اچانک ہی آبدوز میں جیسے زلزلہ آ گیا تھا۔ سونیا جو میری ہدایات کے مطابق سو رہی تھی، اس ہدایت کے مطابق غیر معمولی واقعے پر اس کی آنکھ کھل گئی تھی اور وہ بھی اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ میں نے کہا "کوئی گڑبڑ ہے۔ میں نے ہلکے سے دھماکے کی آواز سنی ہے۔ اس کیبن کی دیواریں ایسے لرز گئی تھیں جیسے زلزلہ آیا ہو۔"

وہ فوراً ہی اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ دوڑتی ہوئی دروازے کے پاس گئی۔ پھر بولی "میں معلوم کرتی ہوں۔ تم خیال خوانی کے ذریعے معلومات حاصل کرو۔"

میں نے فوراً ہی پروفیسر سامری کے دماغ میں چھلانگ لگائی۔ پتا چلا کہ اس آبدوز پر کسی نے حملہ کیا ہے۔ پروفیسر سامری کنٹرول روم میں کھڑا ہوا تھا۔ اور اس کے سامنے وہ آلات تھے جن کے ذریعے سمندر کی تہہ میں دشمن کی آبدوز کشتیوں کا سراغ لگایا جاتا ہے۔ ایک اسکرین پر گراف بنتا جا رہا تھا اور وہ گراف نشان دہی کر رہا تھا کہ حملہ کرنے والی دشمن کی آبدوز کشتی یہاں سے کتنے فاصلے پر اور کس سمت میں ہے۔

سامری کے پاس کھڑا ہوا مسلح باڈی گارڈ اپنے ماتحتوں کو حکم دے رہا تھا کہ کس سمت میں کتنے فاصلے پر حملہ کرنا ہے۔ اس کے حکم کے مطابق جوابی حملہ کیا جا رہا تھا۔ ذرا دیر بعد ہی پھر ہماری آبدوز میں جیسے زلزلہ آ گیا۔ پھر دشمن کا چھوڑا ہوا گولا ہماری آبدوز کی بیرونی باڈی پر آ کر لگا تھا۔ بعد میں پتا چلا، ہماری یہ بدقسمتی تھی کہ دشمن کا چھوڑا ہوا دوسرا گولا بھی بیرونی باڈی کے اسی حصے پر پڑا تھا جہاں پہلا گولا آ کر لگا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس حصے پر ذرا سا شگاف پڑ گیا۔

یک بیک خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔ آبدوز کے ایک دور افتادہ حصے سے ایک شخص اطلاع دے رہا تھا کہ آبدوز کے اندر آہستہ آہستہ پانی آنے لگا ہے۔ یہ سنتے ہی سب کے ہوش اڑ گئے۔

آبدوز کے اندر پانی آنے کا مطلب یہ تھا کہ اب یہ ابھر کر سمندر کی سطح پر نہیں پہنچ سکے گی۔ ہم سب کبھی خشکی تک پہنچنا تو دور کی بات ہے خشکی کا نظارہ بھی نہیں کر سکیں گے۔ اسی پانی کی تہہ میں... ڈوبتے چلے جائیں گے۔ یہ آبدوز جو ہمیں پار لگانے والی تھی، اب ہماری قبر بن رہی تھی۔ آہ، ہماری موت ہمارے سامنے تھی۔ مگر اس حال میں بھی چچا غالب کا یہ شعر یاد آ رہا تھا ؎

ہوئے مر کے ہم جو رسوا، ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا
نہ کوئی جنازہ اٹھتا، نہ کہیں مزار ہوتا

کتنے ہی سوالات دماغ میں چیخ رہے تھے، کیا ہم مر جائیں گے؟ کیا ہم ڈوب جائیں گے؟

کیا ہمارے چاہنے والے کبھی ہماری لاش بھی نہیں دیکھ سکیں گے؟

ایسی بات نہیں ہے، کاتب تقدیر نے موت کا جو وقت مقرر کیا ہے، اس سے پہلے اگر انسان موت کو سامنے دیکھ کر ڈر جائے، ہتھیار ڈال دے تو اس کی موت یقینی ہو جاتی ہے اور وہ حرام موت ہوتی ہے۔

میں نہیں جانتا کہ مجھے اور سونیا کو کتنے دن اور زندہ رہنا ہے اور رہنا بھی ہے یا آج کا دن ہماری زندگی کا آخری دن ہے۔ ہماری زندگی تمام ہو چکی تھی یا ہونے والی تھی۔ پھر گھبرانے اور پریشان ہونے سے تو بات نہیں بنتی۔ میرا دماغ تیزی سے سوچ رہا تھا۔ ایسے وقت کوئی تدبیر سوچنا نہایت ضروری تھا۔ میں خیال خوانی کے ذریعے سونیا کی خبر نہیں لے سکتا تھا۔ پتا نہیں وہ کیا کرتی پھر رہی تھی۔ ویسے آبدوز کے اندر افراتفری کا عالم تھا۔ لوگ ادھر سے ادھر بھاگ دوڑ رہے تھے۔ اس شگاف کو بند کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی مگر وہ احمقانہ کوشش تھی۔ یہ کوئی آبدوز کی مرمت کا کارخانہ نہیں تھا۔ ہم سمندر کی تہہ میں تھے۔ آبدوز کے جس حصے میں دو گولے آ کر لگے تھے اور جہاں ہلکا سا شگاف پڑا تھا، اب وہ بڑھتا جا رہا تھا۔ کوشش ناکام ہو رہی تھی۔ کیا ایسی صورت میں بھی زندگی کی امید رکھی جا سکتی تھی؟

ہمارے چاروں طرف سمندر تھا۔ پانی ہی پانی تھا۔ کہیں سے فرار کا راستہ نہیں تھا۔ اگر کوئی راستہ نکل بھی آیا تو دشمن کی آبدوز یا نہ جانے کتنی کشتیاں ہمارے چاروں طرف ہوں گی۔ ہم اس آبدوز کشتی سے نکل کر کیسے جا سکتے تھے۔ ہم نے تو اپنی قبر اپنے ہاتھوں سے بنائی تھی۔

مجھے سونیا پر بڑا ناز تھا کہ وہ ذہین ہے، حاضر دماغ ہے۔ اتنی مکار ہے کہ موت سامنے آئے تو اس کا رُخ بھی پھیر دیتی ہے لیکن یہ آبدوز کی قبر اسی نے بنائی تھی، وہی مجھے یہاں لائی تھی اور میں کیسا احمق تھا۔ مجھے سوچنا چاہیے تھا کہ عورت ہزار ذہین اور چالاک ہو پھر بھی ناقص العقل ہوتی ہے۔ اس پر بھروسا کرنے والا مرد کہیں نہ کہیں ضرور ٹھوکر کھاتا ہے۔

اچانک ہی کیبن کے دروازے پر ایک ٹھوکر پڑی۔ دروازہ ایک جھٹکے سے کھل گیا۔ میں نے چونک کر دیکھا۔ سونیا کھلے ہوئے دروازے پر کھڑی ہوئی تھی اور اس کے تیور ایسے تھے جیسے وہ موت کو چٹکی میں دبا کر لائی ہو اور مجھ پر سے صدقہ اتار کر اس آبدوز سے باہر پھینکنے والی ہو۔

اس لمحے میں اسے ناقص العقل عورت نہیں کہہ سکتا تھا۔ وہ اپنے ہاتھوں میں زندہ رہنے کا نسخہ لے کر آئی تھی۔

ہاں وہ زندہ رہنے کا نسخہ لے کر آئی تھی۔ اس کے ایک ہاتھ میں ریوالور تھا۔ شانے پر کارتوس کی پیٹی لٹک رہی تھی۔ حالانکہ وہ ہتھیار شاذ و نادر ہی استعمال کرتی تھی مگر زندہ رہنے کا سوال تھا اور زندہ رہنے کے لیے موت سے لڑنا پڑتا ہے۔ ریوالور بھی ایک موت ہے۔ اس کے اندر سے نکلی ہوئی گولی کبھی زندگی کا پیغام نہیں سُناتی۔

ہمارے سروں پر جو موت منڈلا رہی تھی، اسے بھگانے کے لیے ہتھیار لازمی تھا۔ جس طرح لوہے کو لوہا کاٹتا ہے، اسی طرح وہ ریوالور کے ذریعے آنے والی موت کو موت کا پیغام سنانے والی تھی۔

ہاں اس کے ہاتھوں میں زندہ رہنے کا نسخہ تھا۔ میں نے اس کے دوسرے ہاتھ کو دیکھا۔ اس میں غوطہ خوری کا لباس ایک بنڈل کی صورت میں لپٹا ہوا تھا۔ اس نے اس لباس کو میری طرف اچھال دیا۔ میں نے اسے کیچ کرتے ہوئے دیکھا۔ وہ خود سر سے پاؤں تک غوطہ خوری کے لباس میں تھی۔ گویا میرے پاس آنے سے پہلے اس نے موقع پاکر وہ لباس پہن لیا تھا تاکہ وقت ضائع نہ ہو۔

میں اسے پہننے لگا اسی وقت پھر ایک دھماکا سا ہوا اور آبدوز میں جیسے زلزلہ آگیا۔ میں لباس پہنتے پہنتے گر پڑا۔ پھر سنبھل کر پہننے لگا۔ باہر سے تڑ تڑ اتڑ فائرنگ کی آواز سُنائی دے رہی تھی۔ سونیا فوراً ہی اندر آگئی۔ پھر اس نے ایک ہاتھ بڑھا کر ریوالور سے فائر کیا۔ کسی کی چیخ سُنائی دی۔ وہ پھر دروازے کے اندر ہوتے ہوئے بولی۔

”خبردار! کیبن کے اندر کوئی نہ آئے ورنہ آبدوز کے ساتھ غرق ہونے سے پہلے ہی میرے ہاتھوں مارا جائے گا۔“

میں نے حیرانی سے سوچ کے ذریعے پوچھا۔ ”سونیا! بات کیا ہے؟ یہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کیوں کیا جا رہا ہے؟“

سونیا نے سوچ کے ذریعے جواب دیا۔ ”اس آبدوز میں سے غوطہ خوری کے صرف چھ لباس ہیں۔ دو پر میں نے قبضہ کر لیا۔ باقی چار کے لیے وہ لوگ آپس میں لڑ رہے ہیں۔ سب کو اپنی جان پیاری ہوتی ہے۔“

بے شک یہی آزمائش کا وقت ہوتا ہے کہ کون کس کا وفادار ہے لیکن ان حالات میں سامری کی اہمیت نہیں تھی۔ نہ وہ آقا رہا نہ کوئی اس کا غلام۔ سب اپنی اپنی جان بچانے کی فکر میں تھے۔ انھوں نے سامری کے حکم کی پروا نہیں کی تھی اور غوطہ خوری کے لباس کے لیے آپس میں ایک دوسرے کو ہلاک کر رہے تھے۔ ایک دوسرے سے لڑ رہے تھے۔ چھپ چھپ کر محاذ بناتے ہوئے فائرنگ کر رہے تھے۔ کچھ لوگ ہمارے کیبن کی طرف آئے تھے اور سونیا ان سے نمٹ رہی تھی۔

اس نے ایک ذرا میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ذرا جلدی لباس پہنو۔“

”سمجھو کہ پہن لیا مگر آکسیجن سلنڈر کے بغیر اس آبدوز سے نہیں نکل سکیں گے، ہمیں پانی میں زندہ رہنا ہوگا۔“

”آکسیجن سلنڈر کا اسٹاک ہمارے ہی کیبن کے اسٹور روم میں ہے۔ یہاں مسلح افراد میں سے جو چار شخص غوطہ خوری کا لباس حاصل کرنے میں کامیاب ہوں گے وہ اِدھر آئیں گے۔“

”کیا تم ان پر بھی گولیاں چلاؤ گی؟“

”کیا میرا دماغ خراب ہوا ہے؟ جو کامیاب ہوں گے وہ یقیناً ہمارے دوست بن جائیں گے۔ میں ان کا راستہ روک رہی ہوں جو یہاں آکر آکسیجن سلنڈر تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ جنھیں خود زندہ رہنے کی اُمید نہیں رہے گی وہ ہمیں بھی زندہ رہنے کا موقع نہیں دیں گے۔ ایسے ہی موقع پر کہا جاتا ہے۔ ہم تو ڈوبے ہیں صنم، تم کو بھی لے ڈوبیں گے۔“

میں نے اسٹور روم میں پہنچ کر دو گیس سلنڈر اُٹھائے پھر انھیں لاکر سونیا کی پشت پر باندھنے لگا۔ غوطہ خوری کے لباس کے ساتھ ایسی ٹوپی تھی جو سر پر پہنی جاتی تھی۔ پیشانی پر ایک چھوٹی سی ہیڈ لائٹ منسلک تھی۔ اسے روشن کرنے کے لیے ایک بھاری پاور کی چھوٹی سی بیٹری تھی جو ہمارے لباس میں چھپی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ ایک آہنی نوز کور تھا یعنی ناک سے لے کر کانوں تک کو ڈھانپنے والا لوہے کا کور تھا۔ اس میں ایک ایئر فون لگا ہوا تھا۔ دوسرے ناک کے پاس ایسی نلکیاں تھیں جو آکسیجن سلنڈر سے منسلک تھیں۔ آبدوز سے باہر جاتے وقت ہم وہ نوز کور اپنی ناک پر چڑھانے والے تھے۔

اس دوران میں نے سامری کی خبر لی۔ اس بے چارے کا بُرا حال تھا۔ اس کے وفاداروں نے اسے مار پیٹ کر ادھ مرا کر دیا تھا۔ وہ زخمی ہو کر چیخ رہا تھا۔ دونوں ہاتھ پھیلا کر دُہائی دے رہا تھا۔ ”مجھے لے چلو۔ مجھے میرے بچوں کے پاس لے چلو۔ خدا کے لیے مجھے ایک لباس دے دو۔ اس کے لیے میں تمھیں لاکھوں ڈالر دوں گا۔ زیادہ مانگو گے زیادہ دوں گا مگر ایک لباس دے دو۔ میں اپنے بچوں سے ملنا چاہتا ہوں۔“

اس نے آج تک شیطان کی پوجا کی۔ اس کے حکم پر عمل کرتا رہا اور دولت کماتا رہا صرف اپنی اولاد کی خوشیوں کے لیے۔ اب وہ مرنے والا تھا۔ وہ دولت اس کی اولاد کے ہی کام آتی۔ اسے اس بات کا اطمینان تھا کہ اس کے بعد بیوی بچے خوشحال زندگی گزاریں گے لیکن دل نہیں مانتا۔ دل کہتا ہے انھیں خوشحال زندگی گزارتے ہوئے دیکھا جائے۔ بڑھاپے میں ایک طرف بیٹھ کر بچوں کو ہنستے کھیلتے اور زندگی کا لطف اُٹھاتے دیکھا جائے مگر وہ سارے

ارمان، ساری خوشیاں اور ساری حسرتیں ڈوب رہی تھیں۔

پہلے اس بات کی اُمید تھی کہ ڈوبتی ہوئی آبدوز کو سمندر کی سطح پر لایا جا سکتا ہے۔ ہنگامی حالت میں یہی کیا جاتا ہے۔ آبدوز کشتیاں ایسی حالت میں پانی کے اندر نہیں رہ پاتیں۔ انھیں اوپر اُبھار کر سمندر کی سطح پر لانا پڑتا ہے مگر بدقسمتی یہ تھی کہ دشمن آبدوز کی طرف سے مسلسل فائرنگ نے ہماری آبدوز کی حالت بگاڑ دی تھی۔ جنریٹر پہلے تو بند ہوا۔ پھر اسے اسٹارٹ کرنے کی کوشش کی گئی تو وہاں تک پانی چلا آیا۔ آبدوز کا ایکسٹرا انجن بھی پانی میں ڈوب چکا تھا یعنی آبدوز کے غرق ہو جانے میں کوئی شبہ نہیں رہا تھا۔ زندگی کی اُمید باقی نہیں رہی تھی۔ اس لیے سب آپس میں لڑ رہے تھے۔ یہ بات سبھی سمجھ رہے تھے کہ صرف چھ آدمی وہاں سے نکل سکیں گے۔ وہاں سے نکلنے کے بعد پانی میں کب تک غوطہ خوری کے لباس میں رہیں گے، کب تک اپنی زندگی کے لیے لڑتے رہیں گے؟ یہ بعد کی باتیں تھیں لیکن ابھی وہاں سے زندہ نکلنے کے لیے صرف چار غوطہ خوری کے لباس رہ گئے تھے اور وہ سونیا جس کا مکاری اور حاضر جوابی میں جواب نہیں ہے اس نے دوسروں کا دھیان اُدھر جانے سے پہلے ہی دو لباسوں پر قبضہ جما لیا تھا اور اب یہ دو لباس ہمارے جسم پر سے کوئی نہیں اتار سکتا تھا۔

اس نے اپنا ریوالور مجھے دیا۔ میں دروازے کے پاس کھڑا ہو گیا۔ وہ اسٹور روم میں گئی۔ وہاں سے آکسیجن سلنڈر لاکر میری پشت پر باندھنے لگی، آبدوز بُری طرح ڈگمگا رہی تھی اور سمندر کی تہ میں بیٹھتی جا رہی تھی۔ اس میں توازن برقرار نہیں رہا تھا۔ اس لیے ہم بھی بڑی مشکل سے اپنا توازن برقرار رکھ رہے تھے۔ ایسے میں کسی نے فائر کیا۔ ایک گولی میرے قریب آئی اور دروازے پر لگی۔ یہ آبدوز کے ڈگمگانے کا نتیجہ تھا کہ میں بال بال بچ گیا۔ میں نے جوابی فائرنگ کی۔ دوسری طرف اس کی بھی زندگی باقی تھی یعنی ڈگمگاتے اور ڈولتے ہوئے آبدوز میں کوئی کسی کا صحیح نشانہ نہیں لے سکتا تھا۔

پھر میں نے کسی کی چیخ سُنی۔ دروازے سے ذرا سر نکال کر دیکھا تو جس نے میری طرف فائرنگ کی تھی وہ سینہ تھام کر فرش پر گر پڑا تھا۔ دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سُنائی دیں۔ پھر وہ آوازیں رُک گئیں۔ کسی نے سونیا کو مخاطب کیا۔ ”مادام! ہم آپ کے دشمن نہیں ہیں۔ میں نے اور میرے ساتھی نے غوطہ خوری کا لباس حاصل کر لیا ہے۔ ہم آپس میں دوستی کر لیں تو یہاں سے زندہ سلامت نکل سکتے ہیں۔“

دوستی تو کرنا ہی تھی کیونکہ دوستی کی پیشکش کرنے والوں کو آکسیجن سلنڈر کی ضرورت تھی جو ہمارے پاس تھے اور ہمیں یہاں سے جانے کے لیے اس راستے سے گزرنا تھا جہاں وہ کھڑے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ ”آپ ہمیں آکسیجن سلنڈر دیجیے، ہم آپ کو ایرو شوٹر اور چاقو دیں گے۔“

ایرو شوٹر تقریباً ایک ہاتھ لانبی بندوق ہوتی ہے۔ ریوالور کے چیمبر میں چھ گولیاں ڈالی جاتی ہیں۔ ایرو شوٹر کے چیمبر میں چار چار انچ کے چار فولادی تیر ڈالے جاتے ہیں۔ ہر فائر پر ایک تیر بندوق کی نالی سے نکلتا ہے اور سنسناتا ہوا اپنے ٹارگٹ تک پہنچتا ہے۔ سمندر کے پانی کی دبیز تہ میں بلٹ وغیرہ کام نہیں آتے۔

میں نے کہا۔ ”یہاں چار غوطہ خوری کے لباس تھے۔ دو تم لوگوں نے پہنے ہیں، باقی دو کہاں ہیں؟“

”وہ اسی آبدوز میں ہوں گے۔ جنھوں نے وہ دو لباس حاصل کیے ہیں، وہ اِدھر ضرور آئیں گے۔ آکسیجن سلنڈر حاصل کیے بغیر یہاں سے نکل نہیں پائیں گے۔“

”ہمیں تمھاری دوستی منظور ہے۔ کیبن میں آجاؤ۔“

وہ چلے آئے۔ میں نے اور سونیا نے دو دو سلنڈر الگ الگ ان دونوں کی پشت پر باندھے۔ انھوں نے ہمیں ہاتھ بھر لانبے چاقو اور دو عدد ایرو شوٹر دیے، ان کے علاوہ ایک بڑا سا باکس تھا جس میں فولادی تیر بھرے ہوئے تھے۔ یہ باکس شانے سے لٹکایا جاتا تھا۔ ان کی پشت پر سلنڈر باندھنے کے دوران باقی دو بھی آگئے۔ انھوں نے بھی دور سے سونیا کو مخاطب کیا۔ ”مادام! ہم دوست بن کر آئے ہیں۔ ہمارے پاس دوستی اور دشمنی کو سمجھنے اور کوئی حتمی فیصلہ کرنے کا وقت نہیں ہے۔ بہتر ہے ہم بے سوچے سمجھے ایک دوسرے پر اعتماد کریں۔ آپ ہمیں آکسیجن سلنڈر دیجیے اس کے بدلے ہم آپ کو ہتھیار دیں گے۔“

واقعی کچھ سوچنے سمجھنے کا وقت نہیں تھا۔ ہم نے منظوری دے دی۔ وہ کیبن میں چلے آئے۔ اب ہماری تعداد چھ ہو گئی تھی۔ پندرہ منٹ کے بعد ہم پوری طرح سر سے پاؤں تک تیار ہو کر وہاں سے نکلے۔ ایک لفٹ کے ذریعے آبدوز کے اوپری حصے میں بیرونی دروازے تک پہنچا جاتا تھا لیکن انجن بند ہو چکا تھا۔ جنریٹر کام نہیں کر رہا تھا۔ اس لیے لفٹ بے کار ہو چکی تھی۔ ہم زینے پر چڑھتے ہوئے جانے لگے۔ درمیانی زینے پر اچانک ہی کسی نے فائر کیا۔ ہم سے آگے جانے والے کی چیخ سُنائی دی اور وہ لڑھکتا ہوا ہمارے پاس آکر گرا۔ ہم محتاط ہو گئے اور جوابی فائرنگ کرنے لگے۔ ہمارا راستہ روکنے والے صرف دو رہ گئے تھے۔ باقی ہلاک ہو چکے تھے۔ وہ دو بھی مقابلے پر نہ ٹھہر سکے۔ رفتہ رفتہ ہم اوپر چڑھتے گئے۔ وہ پسپا ہوتے گئے۔ خارجی دروازے تک پہنچتے

پہنچتے وہ دونوں ہماری گولیوں کا نشانہ بن چکے تھے۔ ویسے ہم میں بھی ایک کم ہوگیا تھا۔ ہماری تعداد پانچ رہ گئی تھی۔

خارجی دروازے کے پاس پہنچ کر ہم نے تیراکی والے جوتے پہنے جن کے پنجے چوڑے اور پھیلے ہوتے ہیں۔ جوتے پہننے کے دوران ہمیں آہٹ سی سنائی دی۔ ہم سب چونک کر زینے کی طرف دیکھنے لگے۔ سونیا نے اپنی جگہ سے اٹھ کر زینے کے اوپری سرے پر پہنچ کر دیکھا۔ پروفیسر سامری آرہا تھا۔

مگر کس حال میں! وہ عبرت کا نمونہ بنا ہوا تھا۔ اپنے پیروں پر چل کر نہیں آسکتا تھا۔ زینے پر اوندھا پڑا ہوا تھا اور ہاتھوں کے بل اپنے جسم کو گھسیٹتا ہوا اوپر آنے کی کوشش کر رہا تھا۔ سونیا کو دیکھتے ہی گڑگڑا کر کہنے لگا: ”مجھے معاف کر دو۔ مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔ میرے بچے، میری بلی، میرا جوتی بابا، میں ان کی صورت دیکھنا چاہتا ہوں۔ ان کی صورتیں دیکھ کر میری صبح ہوتی ہے، ان کی صورتیں دیکھ کر میری شام ہوتی ہے۔ مجھے لے چلو، خدا کا واسطہ مجھے لے چلو۔“

وہ گڑگڑا رہا تھا۔ بڑی مشکل سے دونوں ہاتھوں کے بل خود کو زینے پر گھسیٹتا جا رہا تھا۔ وہ زخموں سے چور تھا۔ لہو میں ڈوب رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اب تب میں سانس اکھڑ جائے گی مگر وہ ہوے ہوے ہانپتا ہوا سونیا کے قریب پہنچتا جا رہا تھا۔

پھر اس نے کہا: ”میں تمھیں مانتا ہوں۔ میں احمق تھا۔ مجھے پہلے ہی سمجھنا چاہیے تھا۔ جب شیطان تمھیں مانتا ہے تو مجھے انکار نہیں کرنا چاہیے تھا مگر میں نے تم سے دشمنی کی۔ تمھیں کتوں کے حوالے کرنے کے لیے اپنی گاڑیاں لے گیا۔ تمھیں فرار ہونے کے لیے موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ مجھے سزا دو۔ میں تمھارے قدموں میں پہنچ گیا ہوں۔ مجھے ٹھوکر مارو۔ خوب مارو مگر مجھے میرے بچوں کے پاس زندہ پہنچا دو۔“

یہ کہتے ہوئے اس نے سونیا کے دونوں پاؤں پکڑ لیے اور اپنا سر رکھنا ہی چاہتا تھا کہ وہ فوراً پیچھے ہٹ گئی۔ میری طرف دیکھنے لگی۔ میں نے سوچ کے ذریعے پوچھا: ”کیا خیال ہے۔ یہ ہمارے ساتھ جا سکے گا؟“

سونیا نے اس پر ایک نظر ڈالی۔ پھر سوچ کے ذریعے جواب دیا: ”یہ زخموں سے چور ہے۔ اس میں کھڑے ہونے کی سکت نہیں ہے۔ یہ سمندر کے گہرے پانی میں کیسے تیر سکے گا؟“

سامری کے دونوں ہاتھ زینے کے اوپری سرے پر تھے اور منہ اوندھا تھا۔ سونیا نے کہا: ”مجھے تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ ہم میں سے ایک آدمی مارا گیا ہے۔ اس کا لباس تم استعمال کر سکتے ہو۔ چلو اٹھو اور اس کے جسم سے لباس اتار کر جلدی پہن لو۔“

وہ چپ چاپ پڑا رہا۔ ہم نے اس کے اٹھنے کا انتظار کیا۔ ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔ سونیا نے جھک کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر جھنجوڑا۔ پھر اسے سیدھا کیا۔ تو اس کے دیدے پھیل کر ساکت ہوگئے تھے۔ منہ ایسے کھل گیا تھا جیسے آخری بار اس نے جوتی بابا کہا ہو اور بابا کہتے ہوئے منہ کھلا رہ گیا ہو۔

جیسے ہی اسے سیدھا کیا گیا، اس کا وزنی اور بے جان جسم زینے کی پستی کی طرف پھسل گیا۔ ذرا دور پھسل کر گیا پھر زینہ بہ زینہ لڑھکتا ہوا نیچے پہنچ گیا۔ وہ ہمارا جانی دشمن تھا مگر اب تو اس میں سانس تک نہیں رہی تھی۔ اب وہ دشمن تھا نہ دوست تھا، نہ اس سے کوئی رشتہ تھا۔ پھر بھی ہم نے چند لمحوں کے لیے اپنے سروں کو جھکا لیا اور دل ہی دل میں کہا: ”ہم نے تمھارے بچوں کو اغوا نہیں کیا اور نہ ہی ایسا کرنے کا ارادہ ہے۔ تم نے اپنے کیے کی سزا پالی۔ بچے معصوم ہیں۔ انھیں کوئی سزا نہیں دے گا۔ وہ بخیریت اپنی ماں کے پاس پہنچ جائیں گے۔“

ہم وہاں سے چلتے ہوئے بیرونی دروازے کے پاس آئے۔ پاؤں میں تیراکی کے جوتے پہننے کے بعد چلنا مشکل ہو جاتا ہے۔ بڑی مشکل سے ایک ایک قدم اٹھا کر آگے رکھنا پڑتا ہے۔ بہرحال ہم بیرونی دروازے کو کھول کر بفر روم میں پہنچ گئے۔

بفر روم آبدوز کے اندرونی اور بیرونی حصے کے درمیان ہوتا ہے۔ بفر روم کے دوسرے آہنی دروازے کو کھولتے ہی سمندر کا پانی اندر چلا آتا ہے لیکن یہ پانی کمرے تک محدود رہتا ہے۔ آبدوز کے اندرونی حصوں تک نہیں پہنچ پاتا۔ بعد میں ایئر کمپریسر کے ذریعے تمام پانی بفر روم سے خارج کر دیا جاتا ہے۔

ویسے ہمیں یہ زحمت اٹھانے کی ضرورت نہیں تھی۔ آبدوز میں یوں بھی پانی بھر رہا تھا۔ ہم نے دوسرے آہنی دروازے کو کھولا پھر جیسے طوفانی سیلاب آگیا۔ چشم زدن میں سمندر کا پانی کمرے میں بھر گیا اور ہم تیرتے ہوئے آبدوز سے باہر نکل آئے۔

زندگی نے کیا کیا رنگ دکھائے ہیں۔ ایک ارضی دنیا میں کتنی ہی دنیاؤں کے تماشے دکھائے ہیں۔ ہم نے خشکی میں جنم لیا۔ زمین پر چلتے رہے، دوڑتے رہے اور تیز رفتار گاڑیوں میں سفر کرتے رہے۔ فضائی سفر بھی کیا اور بحری سفر بھی کیا لیکن سمندر کے اندر کی دنیا آج تک نہیں دیکھی تھی اور آج دیکھ رہے تھے۔

ہمیں آبدوز سے نکلتے ہی اپنے اپنے چاقو سنبھالنے پڑے۔ ہم آبی پودوں اور جھاڑیوں میں الجھتے جا رہے تھے اور انھیں کاٹتے ہوئے اوپر کی طرف جانا چاہتے تھے۔ سر پر روشن رہنے والی ہیڈ لائٹ کے ذریعے بمشکل پانچ گز تک کا فاصلہ نظر آتا تھا۔ ہم نے اندازہ لگایا کہ دو پہاڑوں کے درمیان سے گزر رہے ہیں کیونکہ کبھی جھاڑیاں نظر آتی تھیں اور کبھی سخت چٹانیں دکھائی دیتی تھیں جن پر کائی سی جمی ہوئی تھی یا تو وہ دو پہاڑ تھے یا ایسی سنگلاخ بلند چٹانیں تھیں جو کبھی زلزلے کے باعث درمیان سے پھٹ گئی تھیں اور ان میں خلا پیدا ہوگیا تھا اور ہم اسی خلا سے گزر رہے تھے۔

ہم انسان کھلی فضا میں کہیں بھی گزارہ کر سکتے ہیں۔ خواہ وہاں کی فضا گرم ہو یا سرد یا موسلا دھار بارش ہوتی ہو۔ دلدلی زمین ہو، پہاڑ ہوں، چٹانیں ہوں، پھول ہوں یا کانٹے ہوں، انسان ہر مقام سے گزر سکتا ہے اور بڑی حد تک گزارہ کر سکتا ہے لیکن سمندر کے اندر زندہ رہنے کی ذرا بھی گنجائش نہیں رہتی۔ ہم محض ان آکسیجن سلنڈروں کے سہارے زندہ تھے جو ہماری پشت پر بندھے ہوئے تھے۔

ایک غوطہ خور کو ایک منٹ میں دو لیٹر آکسیجن کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس حساب سے ہم ایک سلنڈر کے ذریعے ستر منٹ تک سانس لے سکتے تھے۔ یعنی دو سلنڈروں کے ذریعے دو گھنٹے بیس منٹ تک سمندر میں رہ سکتے تھے۔ اس کے بعد خدا ہی حافظ تھا۔

کیبن کے اسٹور روم میں صرف دو سلنڈر ایکسٹرا رہ گئے تھے۔ وہ دونوں سلنڈر ہمارے دو سمندری ہمسفروں کے ہاتھوں میں تھے۔ ہم سب کی زندگی دو گھنٹے بیس منٹ کی تھی۔ اس میں سے کئی منٹ گزر چکے تھے لیکن صرف دو آدمی ایسے تھے جو ایک گھنٹا دس منٹ اور زندہ رہ سکتے تھے اور وہ دونوں وہی تھے جو اپنے اپنے ہاتھوں میں ایک ایک گیس سلنڈر اٹھائے ہوئے تھے۔

میں نے اپنی رسٹ واچ دیکھی۔ بیس منٹ گزر چکے تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ہم میں سے ہر ایک کی زندگی اب دو گھنٹے کی رہ گئی تھی۔ سمندر کی دنیا بہت وسیع تھی لیکن ہمارے لیے اتنی وسعت میں بھی کوئی جگہ نہیں تھی۔ وہاں ہماری زندگی سکڑ کر منٹوں کے حساب میں رہ گئی تھی۔ وہاں نہ تو سونے چاندی کی قیمت تھی۔ نہ ہیرے جواہرات کی کوئی اہمیت۔ اگر کوئی اہمیت تھی تو صرف آکسیجن سلنڈر کی۔

ہم اور آپ اپنی دنیا میں ہمیشہ دیکھتے آئے ہیں کہ انسان انسان سے دولت چھینتا ہے، زمین چھینتا ہے، عورت چھینتا ہے۔ اس کے منہ کا نوالا چھینتا ہے۔ فی الحال سمندری دنیا کے اندر چھیننے کے لیے صرف آکسیجن رہ گیا تھا۔ اب حساب یوں تھا کہ ہم پانچوں میں سے کوئی ایک مر جائے تو اس کے آکسیجن سلنڈر سے ہمیں سانسیں زیادہ دیر کے لیے نصیب ہوں گی۔ اگر دو مر جائیں تو زندگی اور طویل ہو جائے گی۔ اس طرح وہاں ہر شخص تنہا زندہ رہنا چاہتا تھا تاکہ دوسرے دن تک زندہ رہے۔ سمندر میں نجات کا راستہ تلاش کرتا رہے۔ اس پانی کی گہرائی سے ابھر کر سطح پر آسکے۔ کوئی کنارا تلاش کر سکے یا کسی گزرتے ہوئے جہاز سے مدد طلب کر سکے۔

میں نے ہیڈ لائٹ کی روشنی میں دیکھا۔ صرف سونیا میرے ساتھ تھی۔ باقی سب لوگ ایک دوسرے سے دور دور تھے مگر ایک دوسرے کو نظر آرہے تھے۔ ہم جب تک آبدوز کے اندر تھے، عجلت میں تھے۔ ایک دوسرے پر سوچے سمجھے بغیر بھروسا کرنے پر مجبور تھے۔ آبدوز کے باہر آکر وہ تینوں ہم سے دور ہوگئے تھے لیعنی الگ محاذ بنا رہے تھے۔ کچھ بھی ہو، وہ تینوں ایک ہی شہر، ایک ہی ملک، ایک ہی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ ہم ان کی نظروں میں پہلے بھی دشمن تھے۔ وقتی طور پر دوستی ہوئی تھی، وہ بھی اپنی اپنی غرض کے لیے۔ اب پھر دشمنی کا وقت آگیا تھا۔

ہم ہاتھ پاؤں چلاتے ہوئے اوپر کی طرف جا رہے تھے۔ اچانک ہی ہم دونوں نے ایک ساتھ غوطہ لگایا۔ پھر نیچے کی طرف گئے۔ کیونکہ ہم نے اپنے ایک دشمن کو پلٹ کر ایرو شوٹر سے حملہ کرتے دیکھ لیا تھا۔ جب سے دشمنی کا اندیشہ پیدا ہوا تھا، ہم برابر ان پر نظر رکھ رہے تھے اور ہمارا یہی عمل کام آگیا۔ ہم نے غوطہ لگاتے ہی ہیڈ لائٹ بجھا دی تھیں۔

اب ہم تاریکی میں تھے۔

ہم نے سر اٹھا کر دیکھا۔ اوپر ذرا فاصلے پر پانی روشن روشن سا دکھائی دے رہا تھا یعنی ان تینوں کی ہیڈ لائٹس سے پانی کا وہ حصہ روشن تھا۔ انھوں نے حملہ کرتے وقت یہ نہیں سوچا تھا کہ اگر ہم بچ جائیں گے اور اپنی ہیڈ لائٹس بجھا دیں گے تو وہ ہمیں اندھیرے میں کس طرح تلاش کریں گے۔ اگر اپنی ہیڈ لائٹس کی روشنی میں تلاش کرنے آئیں گے تو ہمارے نشانے پر ہوں گے۔

ان کے لیے مسئلہ پیدا ہوگیا تھا۔ وہ ہمیں تلاش نہیں کر سکتے تھے۔ لہٰذا تھوڑی دیر بعد ہی پانی کا وہ اوپری حصہ جو روشن تھا اب تاریک ہوگیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اوپر بلندی کی طرف جا رہے تھے۔ ہم نے بھی اوپر کی طرف جانا شروع کیا۔ تھوڑی دیر بعد پھر پانی کا کچھ حصہ روشن نظر آیا۔ ہم ان کے قریب پہنچ رہے تھے۔ ہم نے اپنے اپنے ایرو شوٹر کو شانے سے اتار کر ہاتھوں میں تھام لیا۔ تیزی سے پاؤں چلاتے ہوئے ذرا اوپر آئے۔ روشنی ہمارے قریب ہوتی گئی لیکن اس سے پہلے کہ ہم ان کی نظروں میں آئیں، وہ ہماری نظروں میں آچکے تھے۔ پھر انھوں نے غوطہ کھاتے ہوئے ہیڈ لائٹس کی روشنی میں ہمیں دیکھا۔ وہ ان کی آنکھوں کی آخری بصارت تھی۔ ہم دونوں کے شوٹر سے تیر سنسناتے ہوئے نکلے اور دو کے جسم میں پیوست ہوگئے۔ تیسرا تیزی سے پاؤں چلاتا ہوا اوپر کی طرف جانے لگا۔

ہم نے اسے جانے دیا۔ وہ دونوں ہلاک ہونے کے بعد

بے دست و پا ہو گئے تھے۔ اب نیچے کی طرف جا رہے تھے۔ سمندر کسی چیز کو اپنے اندر نہیں رکھتا۔ اچھال کر سطح پر لے آتا ہے لیکن ابھی ان کے جسم وزنی تھے اور وہ وقتی طور پر نیچے جا رہے تھے۔

ہم نے فوراً ہی تیزی سے تیرتے ہوئے انھیں لپک کر تھام لیا۔ ان کے شانوں پر ایک ایک فاضل سلنڈر لٹک رہا تھا۔ انھیں ہم نے اپنی تحویل میں لیا۔ اُن کی لاشوں کو چھوڑ دیا۔ پھر تیزی سے پاؤں چلاتے ہوئے اوپر کی طرف جانے لگے۔ وہ تیسرا شخص ہم سے بہت دور نکل گیا ہوگا۔ ہم زیادہ دیر تاریکی میں تیر نہیں سکتے تھے۔ کسی چٹان سے ٹکرا سکتے تھے یا کسی جھاڑی میں اُلجھ سکتے تھے۔ لہٰذا ہم نے پھر ہیڈ لائٹس روشن کیں اور اس کی روشنی میں اوپر جانے لگے۔

وہ آبدوز نہ جانے سمندر کی کتنی گہرائی میں چل رہی تھی۔ ہم نے اس بات کا خیال نہیں رکھا تھا۔ نہ ہی آبدوز کے کپتان سے معلوم کیا تھا۔ اب اپنے ہاتھ پاؤں کی مشقت سے بلندی کی طرف جاتے ہوئے پتا چل رہا تھا کہ ہم بہت گہرائی میں تھے اور نہ جانے ابھی کتنے اوپر جانے کے بعد سمندر کی سطح تک پہنچنا تھا۔

ہم ایک چٹان کو تھام کر کھڑے ہو گئے۔ ذرا ستانے لگے۔ وہاں کسی بھی چیز کا سہارا لے کر ستانے، تھکن اتارنے کے بہت سے مقامات تھے لیکن آکسیجن سلنڈر نے سمندر کی دنیا میں ہماری زندگی کا ایک وقت مقرر کر دیا تھا۔ اگرچہ اب ہمارے پاس ایک ایک ایکسٹرا سلنڈر تھا۔ پھر بھی دانشمندی یہی تھی کہ ہم وقت سے بہت پہلے سمندر کی سطح پر پہنچ جائیں۔ وہاں بھی تیرتے ہوئے ہمیں نہ جانے کوئی بحری جہاز یا ساحل مل سکتا تھا یا نہیں ؟

رات کا وقت تھا۔ سمندر کے باہر تمام دنیا میں تاریکی ہوگی، اندر کیسے نہ ہوتی۔ پتا نہیں دن کے وقت سورج کی روشنی سمندر کے اس حصے تک پہنچتی تھی یا نہیں مگر ہم ہیڈ لائٹس کی روشنی میں ذرا فاصلے تک دیکھ سکتے تھے۔ ہم نے وہاں عجیب الخلقت آبی جانور دیکھے جو مچھلی نما بھی تھے، سانپ نما بھی۔ ایسے آبی پودے تھے جن کی شاخیں مکڑی کے پیروں کی طرح دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ پانی میں وہ دور تک اس طرح تیرتے تھے جیسے کوئی جاندار ہوں اور ہماری طرف آ رہے ہوں۔ پتا نہیں، ان میں جان بھی ہوتی تھی یا نہیں۔ اس سلسلے میں ہماری معلومات محدود ہیں۔

ہم نے ستانے میں پانچ منٹ ضائع کیے۔ اس سے زیادہ ٹھہرنا مناسب نہیں تھا۔ ہمیں رہ رہ کر آکسیجن کا خیال آتا تھا۔ ہم نے وہاں سے پھر بلندی کی طرف تیرنا شروع کیا۔ اُمید تھی کہ جلد ہی سطح تک پہنچ جائیں گے۔ منزل تک پہنچنے سے پہلے رکاوٹوں کا علم یقینی ہوتا ہے لیکن یہ نہیں معلوم ہوتا، وہ رکاوٹیں کیسی ہوں گی ابھی ہم پاؤں مارتے ہوئے ذرا بلندی تک گئے تھے کہ دور تک پانی روشن ہو گیا۔ ہماری معلومات کے مطابق اس سمندر کی دنیا کے اندر ہمارا صرف ایک دشمن تھا۔ اس ایک دشمن کی ہیڈ لائٹ سے اتنی روشنی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ ایک نہیں کئی تھے۔ جلد ہی تصدیق ہو گئی۔ وہ نظر آنے لگے لیکن یا حیرت! وہ تعداد میں چھ سات تھے۔ ہمیں حیرانی تعداد پر نہیں تھی بلکہ انھوں نے ایک بڑے سے جال کو چار کونوں سے پکڑ رکھا تھا اور اسے لیے ہوئے بڑھتے آ رہے تھے۔ یعنی ہم پر جال پھینکنا چاہتے تھے اگر ہم خشکی پر ہوتے تو ہم پر پھندے پھینکے جاتے۔ پانی کے اندر مچھلی ہو یا انسان، ان پر جال ہی پھینکے جا سکتے ہیں۔

وہ بلندی سے آ رہے تھے اور ہم پستی سے بلندی کی طرف جا رہے تھے۔ جال کو دیکھتے ہی ہم نے رُخ بدلا پھر تیزی سے پاؤں مارنے لگے۔ انھوں نے بھی ہمیں دیکھتے ہی رُخ بدل لیا۔ ہماری طرف جال لے کر بڑھنے لگے۔ اب سونیا اور فرہاد کی اوقات یہی رہ گئی تھی کہ ہمیں بے یار و مددگار مچھلیوں کی طرح پھانسا جا رہا تھا۔ مچھلیاں کسی کو مدد کے لیے نہیں پکار سکتیں۔ ہم بھی وہاں کسی کو نہیں پکار سکتے تھے۔ مچھلیاں پیچھے دُم ہلاتی ہوئی جال سے کترانے کی کوشش کرتی ہیں۔ ہم اپنے پاؤں مارتے ہوئے کترانے کی کوشش کر رہے تھے۔ مچھلیوں میں اور ہم میں اتنا فرق تھا کہ وہ بے بس ہوتی ہیں اور ہم بے بس نہیں تھے۔ اچانک سونیا نے پلٹ کر ایرو شوٹر سے ایک تیر داغ دیا۔

جال کے چار کونوں میں سے ایک کونے والا اچانک ساکت ہو گیا۔ جال کا وہ کونا اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اب ان کی صحیح تعداد معلوم ہو رہی تھی۔ وہ کُل چھ تھے جن میں سے ایک ختم ہو چکا تھا۔ پانچویں نے جال کے چوتھے کونے کو جا کر سنبھال لیا تھا اور جو چھٹا شخص تھا وہ جال سے پہلے ہی بہت دور تھا اور بڑی تیزی سے ہماری طرف چلا آ رہا تھا۔

اس کے تنہا آنے کا مقصد سمجھ میں آ گیا۔ وہ ہم سے اُلجھنا چاہتا تھا۔ ہاتھا پائی کے بہانے ہمیں آگے بڑھنے سے روکنا چاہتا تھا۔ اس طرح جال والے ہمارے قریب آ جاتے اور وہ ہاتھا پائی کرنے والا یا تو ہم سے کترا کر نکل جاتا یا ہمارے ساتھ جال میں پھنس جاتا۔

ہمیں شکار کرنے والوں کو ہمارے ساتھ جال میں پھنسنے کا اندیشہ نہیں تھا اور نہ ہی ہمارے ہاتھوں ہلاک ہونے کی پروا تھی یقیناً انھیں حکم دیا گیا تھا کہ ہمیں زندہ پکڑ کر لایا جائے اس لیے وہ جان کی بازی لگا رہے تھے۔ وہ چھٹا شخص میرے قریب پہنچ گیا۔ میں نے ہاتھ بھر کا لانبا چاقو نکال لیا۔ میں چاہتا تو ایرو شوٹر سے اس کا کام تمام کر سکتا تھا۔ چونکہ وہ ہمیں ہلاک نہیں کرنا چاہتے

تھے، اس لیے ہمیں بھی کسی کو ہلاک کرنا مناسب نہیں تھا۔ میں چاقو سے محض دھمکی دینا چاہتا تھا۔

پانی کے اندر انسان کی تیزی اور طراری باقی نہیں رہتی، وہ جو بھی حرکت کرتا ہے وہ سلو موشن کے مطابق ہوتی ہے۔ اس لیے مجھے اندازہ نہ ہوا کہ میرا ہاتھ کتنی دیر میں آنے والے تک پہنچے گا۔ آنے والے نے اتنی دیر میں میرے چاقو والے ہاتھ کی کلائی تھام لی۔ میرے دوسرے ہاتھ کو اپنے دوسرے ہاتھ سے پکڑ لیا پھر ہم دونوں میں زور آزمائی ہونے لگی۔ ہم پانی کی دبیز تہ میں الٹ پلٹ رہے تھے۔ ذرا سی دیر میں اسے احساس ہو گیا کہ میرا ہاتھ اس پر بھاری پڑے گا اور میرے چاقو کی نوک اس کے جسم میں پیوست ہو جائے گی۔ اس نے میرے دوسرے ہاتھ کو چھوڑ کر دونوں ہاتھوں سے چاقو والے ہاتھ کی کلائی تھام لی۔ میرا دھیان اس کی طرف بھی تھا اور میں رہ رہ کر اپنی طرف بڑھنے والے جال کو بھی دیکھتا جا رہا تھا۔

اس کی تدبیر کام آ رہی تھی۔ وہ مجھے جال کے اندر لے جانے ہی والا تھا۔ جب میں نے دیکھا کہ بچاؤ کی کوئی صورت نہیں ہے تو میں نے اپنا ایک ہاتھ اس کے آکسیجن سلنڈر کی طرف بڑھایا۔ اس کے دونوں ہاتھ میرے چاقو والے ہاتھ کو تھامے ہوئے تھے۔ اس نے میرے دوسرے ہاتھ کی طرف دھیان نہیں دیا۔ پھر اچانک ہی وہ گڑبڑا گیا۔ میں نے سلنڈر کی نلکی کو ایک جھٹکے سے کھینچ دیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آکسیجن کی سپلائی بند ہو گئی۔ وہ ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ اس نے یقیناً تھوڑی دیر کے لیے سانس روک لی ہوگی۔ اسی لیے وہ ہاتھ پاؤں مارنے کے قابل رہ گیا تھا۔ آخر وہ کب تک سانس روک سکتا تھا۔ آخر اس کا جسم ڈھیلا پڑتا گیا۔ پھر وہ ساکت ہو گیا۔

وہ جال جو میری طرف بڑھتا آ رہا تھا، اب اس کے اور میرے درمیان صرف ایک گز کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ میں کسی بھی لمحے جال کے اندر جا سکتا تھا لیکن پھر اس کا ایک کونا تھامنے والا ساکت ہو گیا۔ سونیا نے اسے ایرو شوٹر کا نشانہ بنایا تھا۔ اسی وقت میں نے جال کے کنارے کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ پھر پاؤں مارتا ہوا الٹ گیا۔ یعنی جال کے اندر جانے کے بجائے اس کے اوپر پہنچ گیا۔ سونیا مجھ سے ذرا دور شکار میں مصروف تھی۔ اس نے دوسرے کو بھی ایرو شوٹر کا نشانہ بنایا۔ یہ سب بڑی آسانی سے ہو گیا کیونکہ دشمنوں کی طرف سے جوابی حملہ نہیں ہو رہا تھا، وہ ہمیں زندہ گرفتار کرنے کی دھن میں لگے ہوئے تھے۔

اب دو رہ گئے تھے۔ وہ دونوں جال کو چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ ان کے لیے اب بھاگنے کا ہی راستہ رہ گیا تھا۔ میں نے اور سونیا نے جال کو دو طرف سے تھاما۔ پھر پاؤں مارتے ہوئے ان کی طرف بڑھنے لگے یعنی جال الٹ گئی تھی، اب ہم وہ جال ان کی طرف لے جا رہے تھے۔

وہ جال تھیلا نما تھا۔ بہت بڑا تھا اور اس کا مُنہ تھیلے کی طرح یوں کھلتا تھا کہ چار آدمیوں کو اسے چاروں طرف سے پکڑ کر رکھنا پڑتا تھا۔ میں اور سونیا دو تھے۔ اس لیے جال کا مُنہ پوری طرح کھلا ہوا نہیں تھا۔ ہم جانتے تھے، ان فرار ہونے والوں کو اس میں اتار نہیں سکیں گے البتہ اتنی دیر میں نہ جانے کتنی مچھلیاں اس میں پہنچ گئی تھیں۔ ہم تو محض دھمکی دینے کے لیے اسے ان کی طرف لے کر بڑھ رہے تھے۔ زیادہ دور تک نہیں گئے کیونکہ وہ وزنی ہو گیا تھا اور وزن کے ساتھ تیرنا بہت مشکل ہو رہا تھا۔ اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ لہٰذا ہم نے اسے چھوڑ دیا۔

لیکن ان کے تعاقب میں رہے۔ اپنے اپنے ایرو شوٹر کو سنبھال لیا۔ وہ نظر نہیں آ رہے تھے لیکن پانی کا کچھ حصہ روشن تھا۔ اس سے نشاندہی ہو رہی تھی کہ وہ کس سمت جا رہے ہیں۔ روشنی کا وہ دھبا ہم سے ذرا دور ہوتا تھا۔ پھر ہم اس کے قریب ہو جاتے تھے۔ یہ آنکھ مچولی کچھ دیر تک جاری رہی۔ پھر ہم نے انھیں دیکھ لیا مگر جو ہم نے دیکھا، اس کی توقع نہیں کر سکتے تھے۔ وہ دونوں فرار ہونے والے ہمارے دشمن تھے لیکن اب دشمنوں کی طرح آپس میں لڑتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔

ہم نے اپنی رفتار سست کر دی۔ آہستہ آہستہ ان کی طرف جانے لگے۔ ان دونوں کے ہاتھ میں لانبے چاقو تھے، دونوں ہی ایک دوسرے کے چاقو والے ہاتھ کو پکڑے ہوئے تھے، زور آزمائی کر رہے تھے۔ جب ان کی توجہ زور آزمائی کی طرف ہوتی تو وہ پاؤں مارنا بھول جاتے جس کے نتیجے میں نیچے جانے لگتے۔ پھر پاؤں مارتے ہوئے اوپر آتے تھے اور اسی طرح لڑتے جاتے تھے خون ریز لڑائی میں یہی ہوتا ہے، ایک جیتتا ہے اور ایک مارا جاتا ہے۔ ان میں سے ایک مارا گیا۔ جیتنے والے نے ہماری طرف دیکھا۔ پھر اپنا چاقو ہاتھ سے چھوڑ دیا۔ اس کے بعد اس نے اپنا ایرو شوٹر بھی شانے سے اتار کر اپنے سے الگ کر دیا۔ اس کا مطلب تھا، وہ ہمارے آگے ہتھیار ڈال رہا ہے۔

مگر کیوں ہتھیار ڈال رہا ہے ؟ وہ کون تھا، کیا ہمارا دوست؟

وہ ہماری طرف آنے لگا۔ ہم بھی اس کی طرف محتاط انداز میں بڑھتے رہے۔ پھر ایک دوسرے کے قریب آ گئے۔ اس نے اپنے ایک طرف کے کالر کو دو انگلیوں سے تھام کر الٹا دیا۔ ہم نے غور سے دیکھا کالر کے پیچھے ریڈ پادر لکھا ہوا تھا۔ یعنی وہ ماسک مین کا آدمی تھا۔

ہم پانی کی دبیز تہ میں رہ کر زبان سے بول نہیں سکتے تھے۔ اس لیے وہ گونگوں کی بین الاقوامی زبان میں بولنے لگا۔ ہاتھ کے اشارے سے سمجھانے لگا، "سمندر کی سطح پر کئی بحری جہاز اور سیفٹی بوٹ ہمارے منتظر ہیں۔ وہ تمام جہاز اور کشتیاں مجیر ماسٹر، ماسٹر کی اور ماسک مین سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان تمام تنظیموں کے غوطہ خور سمندر کے اندر آپ لوگوں کو تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ میں ماسک مین کے حکم پر آیا ہوں۔ پلیز، یہاں سے فوراً نکل چلیں۔"

ہم وہاں سے تیرتے ہوئے اوپر کی طرف جانے لگے۔ ہمارے اس اجنبی دوست کے ہاتھ میں ایک ایسا ٹرانسمیٹر تھا جو پانی کی تہ میں رہ کر سمندر کی سطح پر بحری جہازوں سے رابطہ قائم کر سکتا تھا۔ چونکہ زبان سے گفتگو نہیں کی جا سکتی تھی، اس لیے اس ٹرانسمیٹر کے مختلف بٹن دبائے جاتے تھے۔ ٹیلیگراف کی تکنیک کے مطابق اس ٹرانسمیٹر سے "ٹکا ٹکا ٹکا" جیسی آواز نکلتی تھی اور یہ آواز ریڈ پاور کے جہاز تک پہنچتی تھی۔ ہمارا اجنبی ساتھی اشارے کی زبان سے بتا رہا تھا کہ ہم سطح پر آ رہے ہیں، اور جس سمت آ رہے ہیں، اس کی بھی نشاندہی کی جا رہی ہے۔ لہٰذا سیفٹی بوٹ فوراً بھیجی جائے۔

پھر ہم پندرہ منٹ کے بعد ہی سمندر کی سطح پر آ گئے۔ پانی سے سر نکال کر دیکھا تو یوں لگا جیسے ہم برسوں کے بعد، صدیوں کے بعد آسمان دیکھ رہے ہیں۔ جہاں ہم نے سر ابھارا تھا، وہیں کچھ فاصلے پر ایک سیفٹی بوٹ تھی۔ وہ بوٹ فوراً ہی ہمارے قریب آ گئی۔ جو لوگ اس پر سوار تھے انھوں نے ہمیں بوٹ پر چڑھنے میں مدد دی۔ وہاں پہنچتے ہی ہم نے سب سے پہلے اپنی ناک پر سے نوز گور ہٹایا۔ آکسیجن سے نجات حاصل کی اور کھلی ہوا میں سانس لیتے ہوئے بوٹ پر چاروں شانے چت لیٹ گئے۔ کھلے آسمان کو بڑی محبت سے دیکھنے لگے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے ہم کسی کال کوٹھری میں قید تھے۔ ایسی کوٹھری میں جہاں سلاخیں نہیں تھیں لیکن وہاں سے نکل آنا مقدر کی بات تھی اور ہمارے مقدر نے ساتھ دیا تھا۔

بوٹ پر سوار ہوتے ہی وہ تیزی سے ایک طرف جانے لگی۔ میں نے ذرا سر اٹھا کر دیکھا۔ بہت دور ایک بحری جہاز نظر آیا۔ ہمارے ساتھی نے کہا، "جناب! چاروں طرف دیکھیں۔"

میں نے سر گھما کر دیکھا۔ سونیا بھی اٹھ کر دیکھنے لگی۔ چاروں طرف کم از کم پانچ بحری جہاز نظر آئے۔ وہ مختلف تنظیموں سے تعلق رکھتے تھے۔ بعد میں پتا چلا، ایک جہاز کا ہال تنظیم سے تعلق رکھتا ہے۔ چونکہ ہم نیویارک کے قریب تھے اور نیویارک یہودیوں کا مسکن ہے لہٰذا وہاں کے تمام یہودیوں کی یہ دلی خواہش تھی کہ کسی طرح سونیا کو اور اس کے ساتھی رے کاکس کو ٹریپ کر کے نیویارک یا اسرائیل پہنچایا جائے۔

تمام جہازوں سے دوربین کے ذریعے دیکھا جا رہا تھا۔ وہ سب ہی اس تاک میں تھے کہ کون سونیا اور رے کاکس کو سمندر کی تہ سے نکال کر لاتا ہے۔ اگرچہ ہم سطح پر آ کر بوٹ پر پہنچ گئے تھے لیکن ابھی پہچانے نہیں گئے تھے کیونکہ غوطہ خوری کے لباس میں چھپے ہوئے تھے۔ ہماری آنکھوں پر ابھی تک وہی آبی عینک چڑھی ہوئی تھی۔ صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں باقی چہرہ چھپا ہوا تھا۔ اس اثنا میں جہازوں کی طرف سے کتنی ہی موٹر بوٹ وغیرہ تیزی سے ہماری طرف آنے لگیں۔ ہم ان سے کافی فاصلے پر تھے اور ریڈ پاور کے جہاز کی طرف جا رہے تھے۔ ہماری سیفٹی بوٹ پر مسلح افراد نے اپنی اپنی پوزیشن سنبھال لی تھی۔

ہمارا چہرہ نظر نہ آنے کے باوجود پہچانے جانے کی دو وجوہات تھیں۔ ایک تو یہ کہ سمندر سے تین افراد ابھرے تھے۔ ایک میں، دوسری سونیا اور تیسرا ہمارا اجنبی دوست۔ ہم تینوں جب سیفٹی بوٹ پر سوار ہو گئے تو وہ ریڈ پاور کے جہاز کی طرف جانے لگی۔ اس سے شبہ ہوا کہ شاید انھوں نے سونیا اور رے کاکس کو حاصل کر لیا ہے۔ جب ہمارے تعاقب میں ہر طرف سے موٹر بوٹ دوڑنے لگیں تو ہماری کشتی کے مسلح افراد نے اپنی اپنی پوزیشن سنبھال لی۔ اس بات نے شبہے کو اور تقویت پہنچائی بلکہ یقین ہو گیا کہ سونیا اور رے کاکس اسی سیفٹی بوٹ میں ریڈ پاور کے جہاز کی طرف جا رہے ہیں۔

دشمن اپنی موٹر بوٹ میں ہزار تیز رفتاری کے باوجود ہم تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ نہ ہمیں گھیر سکتے تھے۔ اس لیے دور ہی سے فائرنگ کرنے لگے۔ اِدھر سے بھی جوابی فائرنگ ہونے لگی۔ ہم آرام سے موٹر بوٹ پر لیٹے ہوئے تھے۔ ہم نے بڑی جدوجہد کی تھی، تھک گئے تھے۔ آرام کرنا چاہتے تھے اور ہمیں ان سے نمٹنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ ہمارے بے شمار محافظ پیدا ہوتے چلے جا رہے تھے یعنی ریڈ پاور کے جہاز کی طرف سے بھی کئی موٹر بوٹ آ رہی تھیں اور وہ بھی فائرنگ کرتی جا رہی تھیں۔ بہرحال ہم بڑی آسانی سے ریڈ پاور کے جہاز میں پہنچا دیے گئے۔

سمندر کی گہرائی سے نکل کر سطح پر ابھرتے ہی سب سے پہلے شیبا نے خوشی اور اطمینان کا اظہار سونیا کے دماغ میں کیا تھا۔ اللہ ہمیں مبارک باد دی تھی۔ سونیا نے چپکے سے کہا، "فرہاد! میرے دماغ میں آ جاؤ۔"

پھر میں سونیا کے دماغ میں پہنچ گیا تھا اور ہم اس بوٹ پر لیٹے ہوئے شیبا کی باتیں سنتے رہے تھے اور ہمارے چاروں طرف اندھا دھند فائرنگ ہوتی رہی تھی۔ شیبا نے بتایا کہ وہ میری عدم موجودگی میں میرا رول ادا کرتی رہی ہے۔ اس نے جناب شیخ الفارس کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے ماسک مین سے بھی رابطہ قائم کیا تھا۔ اس کے سامنے شیخ صاحب کا ایک منصوبہ پیش کیا تھا۔ اب ریڈ پاور کے جہاز پر پہنچتے ہی اس منصوبے پر عمل شروع ہو گیا۔

سب سے پہلے بڑی گرم جوشی سے سونیا کا اور میرا استقبال کیا گیا۔ سب کی توجہ سونیا پر زیادہ تھی۔ اس کے سامنے ڈاکٹر رے کاکس کی اہمیت نہیں تھی۔ جہاز کے عرشے پر ایک ہیلی کاپٹر کھڑا ہوا تھا۔ پہلے ہمیں ایک کیبن میں لے جایا گیا۔ ہمارے ساتھ ماسک مین کے دو خاص ماتحت تھے۔ کیبن میں صرف وہ ہمارے ساتھ آئے۔ باقی لوگ باہر رہ گئے۔ اس کیبن کا دروازہ کھولنے کے بعد ہم دوسرے دروازے سے دوسرے کیبن میں داخل ہوئے۔ وہاں ایک اور سونیا کو دیکھتے ہی ہم ٹھٹک گئے۔ پہلی نظر میں وہ سونیا ہی لگی تھی۔ پھر اس کی خامیاں نظر آئیں۔ میں نے کہا، "مسٹر! آپ لوگ ایک ڈمی سونیا بنانے میں ناکام رہے ہیں۔ اس کا میک اپ درست نہیں ہے۔"

ماسک مین کے خاص ماتحت نے کہا، "ہم نے جلدی میں یہ ڈمی تیار کی ہے، ماسک مین نے جناب شیخ الفارس کے منصوبے کے مطابق اس جہاز کے عرشے پر ایک ہیلی کاپٹر تیار رکھا ہے۔ منصوبہ یہ ہے کہ یہ ڈمی سونیا اور یہ ڈمی رے کاکس ابھی ہیلی کاپٹر میں بیٹھ کر جائیں گے۔ تمام دشمن ہیلی کاپٹر کو ہمارے..... جہاز پر سے پرواز کرتے دیکھیں گے تو یقین کر لیں گے کہ ہم نے سونیا اور رے کاکس کو کسی دوسری جگہ روانہ کر دیا ہے۔"

سونیا نے کہا، "مگر سونیا کی ڈمی کو مکمل ہونا چاہیے۔"

اسی ماتحت نے ادب سے کہا، "مادام! رات کا وقت ہے۔ یہ ڈمی چل جائے گی۔ تمام دشمن اپنے اپنے جہازوں سے سرچ لائٹ کے ذریعے دور تک دیکھ رہے ہیں۔ بھلا رات کو سرچ لائٹ میں ڈمی اور اصل میں کیا فرق نظر آئے گا اور یہ تو چند منٹوں کا کھیل تماشا ہو گا۔ اس کے بعد وہ ہیلی کاپٹر ایک دھماکے سے تباہ ہو جائے گا۔"

میں نے حیرانی سے پوچھا، "ڈمی سونیا اور ڈمی رے کاکس کا کیا بنے گا؟"

سونیا نے کہا، "ہیلی کاپٹر کی تباہی سے شبہ پیدا ہو گا کہ جان بوجھ کر ایسا کیا گیا ہے اور اس میں سونیا نہیں تھی۔"

ماتحت نے جواب دیا، "اوّل تو ہیلی کاپٹر کے یہاں سے پرواز کرتے ہی دوسرے جہازوں سے بھی ہیلی کاپٹر پرواز کریں گے اور اس پر یقیناً فائرنگ کریں گے۔ ایسے میں ہیلی کاپٹر دھماکے سے تباہ ہو سکتا ہے۔ حالانکہ ہم ہی اسے تباہ کریں گے لیکن تباہی کے ذمے دار وہی لوگ ہوں گے۔"

"لیکن ڈمی افراد کا کیا ہو گا؟"

"یہاں سے قریب ترین ساحل بیس میل کے فاصلے پر ہے۔ ہیلی کاپٹر اسی طرف پرواز کرے گا۔ جیسا کہ آپ جانتی ہیں، رات کی تاریکی میں راڈار اور انڈیکیٹر کے ذریعے جہازوں یا ہیلی کاپٹر وغیرہ کا سراغ لگایا جاتا ہے۔ تعاقب کرنے والے بھی یہی کریں گے۔ تاریکی میں ہمارا ہیلی کاپٹر نظر نہیں آئے گا۔ اس اندھیرے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ڈمی سونیا اور رے کاکس ہیلی کاپٹر سے سمندر میں چھلانگ لگائیں گے، اس مقصد کے لیے ان کے پاس آکسیجن سلنڈر اور ماسک وغیرہ موجود ہیں۔ آپ ان کی فکر نہ کریں۔"

سونیا نے کہا، "اگر ہر کام منصوبے کے مطابق ہو جائے اور ڈمی افراد کو جانی نقصان نہ پہنچے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

ڈمی افراد کو اس کیبن سے باہر بھیج دیا گیا۔ اگرچہ جہاز میں تمام ماسک مین کے آدمی موجود تھے تاہم انھیں ڈمی سونیا کے متعلق بتایا نہیں گیا تھا۔ یہ کام بڑی رازداری سے کیا گیا تھا۔ جب وہ دونوں کیبن سے نکل کر جہاز کے عرشے پر گئے اور ہیلی کاپٹر میں بیٹھے تو ریڈ پاور کے اپنے آدمی بھی انھیں سونیا اور رے کاکس سمجھ رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد ہیلی کاپٹر کے پنکھے کے گردش کرنے کی آواز سنائی دی۔ پھر وہ بلند ہوتا ہوا فضا میں پرواز کرتا ہوا دور جانے لگا۔ ہم کیبن میں بیٹھے اس کی آواز سے اندازہ لگا رہے تھے کہ وہ بحری جہاز سے دور جا چکا ہے۔ اس کے بعد ماتحت نے کہا، "مادام! یہاں میک اپ کا تمام سامان موجود ہے۔ کسی چیز کی کمی ہو تو ہم فراہم کرنے کی کوشش کریں گے۔ آپ لوگوں کو اصل چہرے کے ساتھ یہاں نہیں رہنا چاہیے۔ آپ ان دو تصویروں کو دیکھیں۔"

اس نے ایک میز پر سے دو بڑی بڑی تصویریں اٹھا کر دکھائیں۔ پھر کہا، "یہ مس ٹیری ہے اور یہ مسٹر ہڈسن ہیں۔ ان دونوں کے چہروں کا ماسک تیار ہے۔ ماسک میک اپ میں دیر نہیں لگے گی اور آپ کو تو میک اپ میں مہارت حاصل ہے۔ ٹیری اور ہڈسن کے ضروری کاغذات اور پاسپورٹ وغیرہ بھی یہاں موجود ہیں۔ ان کی آواز، لب و لہجے اور چال ڈھال کے متعلق زیادہ اسٹڈی کرنا ضروری نہیں ہے کیونکہ ان کا عام لوگوں میں شمار ہوتا ہے۔ یہ نہ تو کوئی شہرت رکھتے ہیں اور نہ ہی ان کے ایسے شناسا ہیں جو بعد میں پریشانی کا سبب بن سکیں۔"

ہمارے لیے گرما گرم کافی آ گئی۔ ماتحت نے کہا، "آپ

کافی سے شغل کریں۔ میک اَپ کرنے کے بعد کھانا تیار ملے گا۔"

وہ چلا گیا۔ ہم کافی کی پیالی لے کر آئینے کے سامنے آ گئے۔ پھر ایک ایک گھونٹ پیتے ہوئے مُیری اور ہڈسن کی تصویروں کا بغور معائنہ کرتے رہے اور ان کی مختصر سی روداد پڑھتے رہے۔ اس کے بعد ہم میک اَپ کرنے لگے۔

چہرے پر ماسک چڑھانے کے بعد تصویر کو بار بار دیکھنا پڑتا تھا۔ ایسے ہی وقت میں تصویر کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا میں ہڈسن کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ ہیلی کاپٹر میں تھا اور اس کے پاس مُیری بیٹھی ہوئی تھی۔ یعنی ہڈسن اور مُیری نے ڈمی مے کاکس اور ڈمی سونیا کا روپ اختیار کیا ہوا تھا اور ہیلی کاپٹر میں جا رہے تھے۔ اس وقت ان پر چاروں طرف سے فائرنگ ہو رہی تھی۔ میں دماغی طور پر واپس آ گیا۔ اتنی طویل جدّوجہد کے بعد لڑائی جھگڑے سے بیزار ہو گیا تھا۔ دماغ کو پُرسکون رکھنا ضروری تھا۔ میں نے سوچا، تھوڑی دیر بعد ان کے دماغ میں جاؤں گا اور معلوم کروں گا کہ وہ بخیریت کہیں پہنچ گئے ہیں یا نہیں؟

سونیا نے میک اپ کرتے ہوئے آئینے میں خود کو دیکھا۔ پھر شیطان کو مخاطب کیا۔ اس نے فوراً ہی حاضر ہو کر کہا۔ "ہیلو آنٹی! نئی زندگی مبارک ہو۔"

"تمھارا کیا خیال تھا۔ ہم غرق ہو جائیں گے؟"

"میں تمھارے لیے پریشان تھا۔ جیسے ہی تم اور فرہاد آبدوز میں گئے، تم لوگوں سے میرا رابطہ ختم ہو گیا تھا۔"

"کیوں تم آبدوز میں نہیں آ سکتے تھے؟"

"آگ اور پانی ایک جگہ نہیں رہ سکتے۔ میں شیطان آگ ہوں۔ بھلا سمندر کی تہ میں تمھارے پاس کیسے آ سکتا تھا۔"

"میرا خیال ہے، دنیا کے تمام سمندر بھی شیطانیت کی آگ کو نہیں بجھا سکتے۔"

"تم شاید ٹھیک کہتی ہو مگر آگ زیادہ ہو اور پانی تھوڑا، تو وہ بھاپ بن کر اڑ جاتا ہے اور پانی زیادہ ہو، آگ تھوڑی تو وہ بجھ جاتی ہے۔ میں نے سوچا جب تم پانی سے نکل آؤ گی تو مبارک باد دوں گا۔"

"جب تک ہم غرق رہے تم کیا کرتے رہے؟"

"میں تمھارے لیے ماتم کرتا رہا۔ تم ڈوبی تھیں، اپنے ساتھ ٹیلی پیتھی کو بھی ڈبو دیا تھا۔ میں نے اس فکر میں دنیا کے سارے کام چھوڑ دیے تھے۔ صرف تمھارا انتظار کر رہا تھا۔"

"تم جھوٹ اور شیطانیت سے باز نہیں آؤ گے۔ یہ اچھی طرح جانتے ہو کہ ثیبا اور فرہاد ٹیلی پیتھی کے ذریعے تمام معلومات حاصل کر لیں گے۔ اس کے باوجود تمھاری شیطانیت کیا گل کھلاتی رہی ہے، یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں۔"

"میں سچ کہتا ہوں، میں نے تمھارے ساتھیوں کے خلاف کچھ نہیں کیا ہے۔"

"جہاں سچ ہوتا ہے وہاں تم نہیں ہوتے اور جہاں تم ہوتے ہو وہاں سچ نہیں ہوتا۔ چلو اتنا بتا دو، دی کلر کو کہاں چھپا کر رکھا گیا ہے؟"

"تم پوچھ کر کیا کرو گی۔ اس کے لیے تو پومی چیلنج بنی ہوئی ہے۔"

"میں پومی کی خاطر پوچھ رہی ہوں۔ میں نہیں چاہتی، وہ زیادہ عرصے نیویارک اور مونٹریال میں بھٹکتی رہے۔ جلد سے جلد اس کا دی کلر سے سامنا ہو جانا چاہیے۔"

اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "فرہاد سے کہو، دی کلر کے دماغ میں پہنچ کر دکھائے۔"

"ہم جانتے ہیں، جب سے مائک اور اسپیکر کے درمیان خرابی پیدا کی گئی ہے تب سے دی کلر کا پہلا لب و لہجہ نہیں رہا، پہلے جو مائک کے پیچھے رہتا تھا اور بولتا تھا..... اب اسے ہٹا دیا گیا ہے۔ دی کلر کے دماغ میں جو کمپیوٹر ہے اسے کوئی دوسرا شخص کنٹرول کر رہا ہو گا۔"

"ہاں اس کی آواز اور لب و لہجہ بدل چکا ہے۔ تمھارے ٹیلی پیتھی جاننے والے اس کے دماغ تک نہیں پہنچ سکیں گے۔"

"کیا تم نہیں پہنچاؤ گے؟"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔ "ابھی ممکن نہیں ہے۔ وہاں فیصلہ کیا جا رہا ہے کہ دی کلر کی آواز اور لب و لہجہ ایک ہی رکھا جائے یا بار بار تبدیل کیا جائے۔"

"مسٹر شیطان! تم مجھے ٹال رہے ہو۔"

"یہی میری بدبختی ہے کہ کوئی مجھ پر بھروسا نہیں کرتا، تم بھی نہیں کرتیں۔"

"اس سے پہلے کہ میں تمھیں بھگاؤں، تم خود چلے جاؤ۔"

وہ چلا گیا۔ ہمارا میک اَپ مکمل ہو چکا تھا۔ ہم نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اچھی طرح اپنا جائزہ لیا۔ تھوڑی دیر بعد ماسک مین کا ماتحت آ گیا۔ اس نے ہمیں تعریفی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "واقعی آپ لوگوں نے بڑی مہارت سے میک اَپ کیا ہے۔ اس جہاز میں جن لوگوں نے مُیری اور ہڈسن کو دیکھا ہے وہ آپ لوگوں کو دیکھ کر ذرا بھی شبہ نہیں کریں گے۔"

میں نے کہا۔ "آپ کے کچھ لوگوں نے مُیری اور ہڈسن کی آواز سُنی ہو گی۔ ان کے بولنے کے انداز کو یاد رکھا ہو گا۔"

اس نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔ "جب ہم ماسک مین کے حکم کے مطابق یہاں آئے تو پہلے ہی اس بات کا خیال رکھا

تھا کہ جہاز میں کوئی ایک دوسرے سے بے تکلف نہ ہونے پائے اور نہ ہی کوئی غیر ضروری گفتگو کرے۔ خصوصاً مُیری اور ہڈسن ہمارے جہاز کے پرائیویٹ معاملات سے تعلق رکھتے تھے اور مخصوص کوڈ ورڈز کے ذریعے پیغام رسانی کا کام کرتے تھے۔ ایسے لوگ بہت ریزرو ہوتے ہیں۔ وہ دونوں اتنے ریزرو تھے کہ نہ تو ڈانس وغیرہ کے لیے ریکریشن ہال میں جاتے تھے اور نہ ہی ڈائننگ ہال میں جا کر کسی کے ساتھ کھانے میں شریک ہوتے تھے۔"

سونیا نے پوچھا۔ "ہماری قریبی منزل کون سی ہے؟"

"ہم یہاں سے نیویارک جائیں گے۔ ابھی اطلاع ملی ہے کہ جس ہیلی کاپٹر میں ڈمی افراد گئے تھے، وہ تباہ ہو گیا ہے مگر وہ دونوں محفوظ ہیں۔ آخری اطلاع کے مطابق وہ ہماری ایک لائف بوٹ میں کسی ساحل کی طرف جا رہے تھے۔"

ہمارے لیے کھانا آ گیا۔ آدھی رات گزر چکی تھی، کھانے کا وقت بھی گزر چکا تھا۔ ہم نے برائے نام کچھ کھایا۔ پھر بستر پر آ کر لیٹ گئے۔ سونیا نے کہا۔ "میں جانتی ہوں، تم خیال خوانی کیے بغیر سونا نہیں چاہو گے۔ بہر حال مجھے سُلا دو۔"

اس نے آنکھیں بند کیں۔ میں نے ٹیلی پیتھی کے ذریعے تھپک تھپک کر اسے سلا دیا۔ پھر خیال خوانی کی پرواز کی اور پومی کے پاس پہنچ گیا۔ جب آخری بار میں اس کے دماغ میں تھا تو وہ ہوٹل سے نکل کر جونی بابا سے ملنے کیسینو روزا کی طرف جانا چاہتی تھی لیکن پُراسرار شخص کے چند پٹھوؤں نے اسے روکنے کی کوشش کی تھی۔ ان کے ساتھ جو کچھ ہوا تھا اور جس طرح کیمرے کے ذریعے اس کے لڑنے کے انداز کو ریکارڈ کیا گیا تھا، وہ میں بیان کر چکا ہوں۔

پومی اس ہوٹل سے دشمنوں کے مقابل ہو کر ایسے گئی تھی جیسے کوئی راستے کے پتھر کو، ہلکی سی ٹھوکر مار کر ہٹا دیتا ہے اور گزرتا چلا جاتا ہے۔ جب وہ ہوٹل سے جا رہی تھی تبھی میری خیال خوانی کا رابطہ ٹوٹ گیا تھا اور میں آبدوز میں دماغی طور پر حاضر ہو گیا تھا۔

ثیبا نے جناب شیخ الفارس سے پوچھا تھا۔ "میں سونیا اور فرہاد کی مدد کیسے کر سکتی ہوں۔ اُدھر پومی کیسینو روزا کی طرف گئی ہے۔"

جناب شیخ صاحب نے مشورہ دیا تھا۔ "تم سونیا اور فرہاد کی فکر نہ کرو۔ انشاءاللہ وہ سمندر کی تہ سے نکل آئیں گے، تم پومی کے پاس رہو۔"

پومی نے کیسینو روزا میں قدم رکھا تو وہ بظاہر تنہا تھی مگر بوڑھے ماسٹر روکی کی نظریں اس کی نگرانی کر رہی تھیں اور ثیبا اس کے دماغ میں موجود تھی۔ اس نے کہا۔ "میں ثیبا بول رہی ہوں۔"

پومی نے پوچھا۔ "فرہاد کہاں ہیں؟"

"وہ اور سونیا پھر ایک نئی مصیبت میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ میں فرہاد کی عدم موجودگی میں تمھارے ساتھ رہوں گی۔"

"کیا تم جونی بابا کے دماغ میں پہنچ سکتی ہو؟"

"ہاں میں فرہاد کے ذریعے ریٹی، جونی بابا اور مسز سامری کے دماغوں تک پہنچ چکی ہوں۔"

ثیبا کب میرے ذریعے جونی بابا وغیرہ تک پہنچی تھی، مجھے معلوم نہیں تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں خیال خوانی تو کرنے لگا تھا مگر دماغی توانائی اس حد تک حاصل نہیں ہوئی تھی کہ پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کر سکوں۔ شاید اسی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ثیبا میرے دماغ میں تھی اور میرے ذریعے جونی بابا کی آواز اور اس کے لب و لہجے کو یاد رکھا تھا۔

پومی نے کہا۔ "ثیبا! میں ڈائننگ ہال میں جا رہی ہوں۔ ہو سکے تو جونی بابا کو ٹریپ کر کے میری طرف لے آؤ۔"

وہ کیسینو روزا کے بار میں بیٹھا شراب سے شغل کر رہا تھا۔ اپنی ایک گرل فرینڈ سے کہہ رہا تھا۔ "ہم بڑی جلدی آ گئے، کیسینو کی رونق نو بجے کے بعد جمے گی۔"

وہاں کے قمار خانے میں لوگ نو بجے کے بعد آتے تھے پھر صبح چار بجے تک ہزاروں لاکھوں کا جوا کھیلا جاتا تھا۔ اس کی گرل فرینڈ نے کہا۔ "تم عجیب و غریب جواری ہو۔ لوگ جیتنے کی خواہش میں کھیلتے ہیں اور تم ہارنے میں خوشی محسوس کرتے ہو۔"

"مائی سوئٹ! دنیا کا کوئی بھی شخص ہارنا نہیں چاہتا۔ میں بھی نہیں چاہتا مگر جب ہارتا ہوں تو جبراً مسکراتا ہوں۔ ہار کر مسکرانا بڑی بات ہے اور تم لوگ یہ سمجھتے ہو کہ میں سب کچھ لٹا کر خوشی محسوس کرتا ہوں۔ بھئی خوب سمجھتے ہو۔"

"تم لڑکیوں کو شاپنگ کرانے کے معاملے میں کنجوس ہو۔ وہ ہیرے کا نیکلس کتنا خوب صورت تھا۔ قیمت صرف پانچ ہزار ڈالر تھی مگر میری ضد کے باوجود تم نے اسے نہیں خریدا۔"

"میں نے اس وقت بھی کہا تھا، اب بھی کہتا ہوں۔ آج جیتنے کی دعا مانگو تمھیں وہ نیکلس خرید کر دوں گا۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تمھیں مجھ سے زیادہ تاش کے پتّوں میں دلچسپی ہے۔ مورلی ٹھیک کہتی تھی۔"

"مورلی کیا کہتی تھی؟"

"یہی کہ تم ہرجائی ہو۔ آج مجھ سے دوستی کی ہے، کل مجھ سے حسین ملے گی تو اس کی طرف دوڑ پڑو گے۔"

اس نے اپنی ایک انگلی انکار میں ہلاتے ہوئے کہا۔ "نہیں

نہیں، میں عورت اور تاش کے پتوں کو برابر سمجھتا ہوں۔ جو عورت ہمارے پتے کی طرح میرے ہاتھ آتی ہے، میرا مقدر چمکاتی ہے تو اس میں دونوں کا فائدہ ہوتا ہے۔ میں جیت جاتا ہوں اور اُسے بھرپور شاپنگ کراتا ہوں۔ اس کی پوری قیمت ادا کرتا ہوں اور جو میرے ساتھ کیسینو میں آ کر میری بدقسمتی بن جاتی ہے، میں اُسے صبح ہونے تک چھوڑ دیتا ہوں۔ اسی لیے کہہ رہا ہوں، اپنے حق میں دعا کرتی رہو۔"

اس نے اپنی رسٹ واچ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "ابھی ایک گھنٹا باقی ہے۔ کیوں نہ ہم اپنے کمرے میں یہ وقت گزاریں۔"

وہ شوخی سے دیکھتے ہوئے بولی۔ "بڑے مطلبی ہو۔"

اس نے بازو تھام لیا۔ پھر ایک طرف کھینچتے ہوئے بولا۔ "چلو۔"

وہ بازو چھڑا کر بولی۔ "بالکل جنگلی ہو۔ میں نہیں جاؤں گی۔"

"سوچ لو۔"

"اس لیے انکار کر رہی ہوں کہ میرا بیگ کار میں رہ گیا ہے، لباس تبدیل کرنے کے لیے وہ بیگ لینا ضروری ہے۔"

"تو چلو، پہلے کار سے بیگ نکال کر لے آتے ہیں۔"

وہ پارکنگ ایریا کی طرف جانے لگے۔ شیبل نے پومی کے پاس آ کر کہا۔ "میں جونی بابا کو یہاں لانا مناسب نہیں سمجھتی۔ تمھیں وہاں پہنچا سکتی ہوں۔"

"کیا وہ تاش کے پتوں میں مصروف ہے؟"

"نہیں۔ ایک گھنٹے بعد قمار خانے میں جائے گا۔ ابھی ایک لڑکی کے ساتھ گیراج کی طرف جا رہا ہے۔ لڑکی اسے ٹریپ کرنے والی ہے۔"

پومی ڈائننگ ہال سے نکل کر انکوائری کاؤنٹر پر آئی۔ ان سے پوچھا۔ "پارکنگ ایریا کہاں ہے؟"

پتا چلا، وہ اسی عمارت کے نیچے ہے یعنی کاروں کی پارکنگ کے لیے انڈر گراؤنڈ بڑا سا گیراج ہال بنایا گیا تھا۔ پومی ان سے رہنمائی حاصل کر کے گیراج تک جا سکتی تھی۔ اسی وقت ایک شخص نے مخاطب کیا۔ "مس! کیا میں تمھاری رہنمائی کر سکتا ہوں؟"

پومی نے گھوم کر دیکھا۔ ایک شخص مووی کیمرہ شانے سے لٹکائے کھڑا ہوا تھا۔ اس نے کیمرے کو دیکھا۔ پھر پوچھا۔ "ہوٹل میں تین آئے تھے، یہاں کتنے ہیں؟"

وہ مسکرا کر بولا۔ "تمھاری بات سمجھ میں نہیں آئی۔"

"میں سمجھاتی ہوں۔ پہلے کیمرہ مین کے ساتھ تین بدمعاش تھے۔"

"تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو۔ میں شوقیہ کیمرہ مین ہوں۔ یہ میری ہابی ہے۔ جو حسن مجھے پسند آتا ہے، میں اسے کیمرے میں محفوظ کر لیتا ہوں۔ میں نے تمھیں کیسینو میں داخل ہوتے دیکھا تو بس دیکھتا ہی رہ گیا۔ تم میں مشرق اور مغربی حسن کا امتزاج ہے۔ تمھاری چال میں نزاکت بھی ہے اور رعب اور دبدبہ بھی۔ تمھارے تیور ایسے لگتے ہیں جیسے کسی خطرناک زہنیے کو تراش کر ایک حسین وجود بنا دیا گیا ہو۔ تمھارا حسن ایک فریب ہے۔"

"واہ! خوب بولتے ہو۔ یہ شاعری بھی ہے اور افسانہ نگاری بھی۔ معلوم ہوتا ہے، یہ تمام فقرے گھر سے اچھی طرح رٹ کر آئے ہو۔"

وہ جانے لگی۔ کیمرہ مین اس کے ساتھ چلتے ہوئے بولا۔ "مجھے اظہارِ بیان کا سلیقہ آتا ہے۔ میں لفظوں کا بازی گر ہوں۔ تم بُرا نہ مانو تو سچ کہوں گا، میں تمھیں دیکھتے ہی مر مٹا ہوں مگر افسوس کہ میری عمر جواب دے گئی ہے۔ بڑھاپے میں آدمی جب حسن پرستی نہیں کر پاتا اور اسے یقین ہو جاتا ہے کہ حسینہ ہاتھ نہیں آئے گی تو اس سے بات کر کے ہی خوش ہوتا ہے۔"

وہ چلتے چلتے رُک گئی۔ دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بڑی محبت سے ناراض ہو کر بولی۔ "کسی اندھی نے تمھیں بوڑھا کہا ہوگا۔ بھلا تم بوڑھے نظر آتے ہو؟"

"ایں!" وہ بوکھلا کر اس کا منہ تکنے لگا۔ "کیا میں بوڑھا نہیں ہوں؟"

پومی نے اس کے بازو میں بازو ڈال کر کہا۔ "اتنی عمدہ شاعری کرنے والا کسی عمر میں بوڑھا نہیں ہو سکتا۔ بائی دی وے، اس سے پہلے کہ مرد کمینگی پر اتر آئے، کیوں نہ محبوبہ بن کر اس کے بازو میں بازو ڈال کر چلا جائے۔ چلو، میں تمھارے قریب سے قریب تر ہوں۔"

وہ اسے کھینچتے ہوئے لے جانے لگی۔ وہ چل رہا تھا مگر گھسٹ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ پومی مذاق کر رہی ہے یا سنجیدہ ہے۔ اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "دیکھو، مذاق نہ کرو۔ میرے منہ میں تو پورے دانت بھی نہیں ہیں۔"

"کوئی بات نہیں۔ مجھے چبا کر نہ کھانا۔"

وہ اس کے ساتھ ساتھ گیراج کی طرف جانے لگی۔ اس انڈر گراؤنڈ گیراج میں جونی بابا اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ پہنچ گیا تھا۔ اس نے پچھلا دروازہ کھولنے کے لیے جیب سے چابی نکالتے ہوئے کہا۔ "لو، اپنا بیگ نکال لو۔ پھر میرے ساتھ چلو۔"

گرل فرینڈ نے پچھلے دروازے کے سامنے آ کر کہا۔ "یہ نہیں، اگلا دروازہ کھولو۔"

"مگر تمھارا بیگ تو پچھلی سیٹ پر رکھا ہوا ہے۔"

"اور تمھارے ستر ہزار ڈالر اگلی سیٹ کے نیچے رکھے ہوئے ہیں۔"

وہ بولا۔ "ہاں۔ وہ سیفٹی اماؤنٹ ہیں۔ جب بازی جمنے لگتی ہے اور میرے مقابل کھیلنے والے چیلنج بن جاتے ہیں تو میں اس سیٹ کے نیچے سے رقم نکال کر لے جاتا ہوں۔"

"آج یہ رقم میں لے جاؤں گی۔"

"کیا بکتی ہو؟ کیا دماغ چل گیا ہے؟"

"اب سے پہلے تمھاری زندگی میں جتنی لڑکیاں آئیں ان ے دماغ چل گئے تھے۔ وہ نادان تھیں۔ تم ان سے بھی یہی کہتے تھے کہ وہ تمھاری جیت کا انتظار کریں اور اپنے حق میں دعا کرتی رہیں ن تم کبھی جیت نہ سکے اور ان کی دعا کبھی قبول نہ ہوئی۔ میری دعا ی قبول نہ ہوگی۔"

"تمھارے تیور بتا رہے ہیں کہ تم یہ رقم مجھ سے چھین کر لے ناچاہتی ہو۔"

"میں دعا کی نہیں، دوا کی قائل ہوں۔ مجھے وہ ہیروں کا نیکلس اہیے۔ اس کے لیے میں تمھاری جیت کا انتظار نہیں کروں گی۔"

جونی بابا نے ہنستے ہوئے اس کے ہاتھوں کو تھام کر کہا۔ ان نازک ہاتھوں سے میری رقم چھین کر لے جاؤ گی اور اس گلے ، میری رقم سے خریدا ہوا ہیروں کا نیکلس پہنو گی۔"

اس نے ایک ہاتھ اس کی ٹھوڑی کے نیچے گلے پر رکھا۔ مر کہا۔ "میں کیوں نہ یہ گلا ہی دبا ڈالوں۔"

اچانک کسی نے پیچھے سے اس کی گردن کو دبوچ لیا۔ اس نے ایک ہاتھ پیچھے کی طرف گھمانا چاہا۔ وہ ہاتھ کسی اور نے پکڑ لیا۔ ں نے دوسرے ہاتھ کو آزمانا چاہا۔ اس ہاتھ کو بھی کسی اور نے بڑ لیا۔ یہ اندازہ ہو گیا کہ پیچھے کئی لوگ ہیں۔ ایک نے سامنے کر ریوالور دکھاتے ہوئے کہا۔ "تمھارے ہاتھ میں کار کی چابی ہے۔ ور دروازہ کھول کر سیٹ کے نیچے سے رقم نکالو گے یا ہمیں زحمت ٹھانا ہوگی۔"

جونی بابا ریوالور کو دیکھتے ہی ٹھنڈا پڑ گیا۔ اُن لوگوں نے سے چھوڑ دیا۔ وہ تعداد میں پانچ تھے۔ اس نے بے بسی سے سر گھما راپنے چاروں طرف دیکھا۔ شاید کوئی مدد کے لیے پہنچ جائے۔ س انڈر گراؤنڈ گیراج میں دور دور تک قیمتی کاریں کھڑی ہوئی تھیں۔ مگر ان کے مالک اور ان میں بیٹھنے والے کیسینو میں تھے۔ ہاں کوئی مدد کرنے والا نہیں تھا۔ ریوالور والے نے کہا۔ "اگر تم شور مچاؤ گے تو ریوالور بے آواز ہے۔ یہ شور نہیں مچائے گا۔"

اس گیراج کے کسی حصے سے پومی کی آواز ابھری۔ "یہ کمال ہے، تمھارا ریوالور بھی بے آواز ہے اور ہمارا کیمرہ بھی بے آواز۔ تمھارا ریوالور شوٹ کرتا ہے، ہمارا کیمرہ شوٹنگ کرتا ہے۔"

وہ سب چونک کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ دور دور تک گیراج ویران نظر آ رہا تھا۔ وہ بولنے والی نظر نہیں آ رہی تھی اور نہ ہی جس کیمرے کا ذکر تھا، وہ نظر آ رہا تھا۔ اچانک ہی گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی دی۔ سب نے چونک کر آواز کی سمت دیکھا جدھر سے کار گیراج میں داخل ہوتی تھی، وہ داخلے کا راستہ بند ہو رہا تھا۔ شٹر نیچے گرایا جا رہا تھا۔ گرانے والا نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ سب جہاں کھڑے تھے وہاں سے شٹر کا اوپری حصہ دکھائی دے رہا تھا۔ پھر بھی ریوالور والے نے بغیر دیکھے ہوئے دھمکی دی۔ "خبردار! شٹر نہ گرایا جائے ورنہ یہ گیراج تمھارا مقبرہ بن جائے گا۔"

ریوالور والے نے اپنے آدمیوں سے کہا۔ "جونی کو جکڑ کر رکھو۔ میں ابھی دیکھ کر آتا ہوں۔"

وہ محتاط انداز میں چلتا ہوا داخلے کے گیٹ کی طرف جانے لگا۔ اس کے وہاں پہنچنے تک شٹر بند ہو چکا تھا۔ اندر اچھی خاصی روشنی تھی۔ بڑی آسانی سے فوٹوگرافی ہو سکتی تھی مگر وہ نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ شٹر کی طرف بڑھنے لگا۔ اسی وقت پیچھے سے آواز سنائی دی۔ "میں یہاں ہوں۔"

اس نے تیزی سے پلٹ کر ریوالور والا ہاتھ بلند کیا مگر گولی نہیں چلائی۔ وہ ایک حسین دوشیزہ کو دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ اس نے سر سے پاؤں تک اسے دیکھا۔ پھر پوچھا۔ "تم! کیا تم نے شٹر بند کیا ہے؟ کیا ابھی تم بول رہی تھیں؟"

"میری آواز سے مجھے پہچان لو۔"

اس نے ڈپٹ کر پوچھا۔ "کون ہو تم؟ یہاں کیا کر رہی ہو؟"

"میں جو کوئی بھی ہوں، یہ بتانے آئی ہوں کہ تمھارے ریوالور میں گولیاں نہیں ہیں۔"

اس نے تعجب سے ریوالور کو دیکھا۔ پھر پوچھا۔ "کیا بکتی ہو؟" پھر وہ ریوالور کے چیمبر کو دیکھنا چاہتا تھا۔ پومی نے کہا۔ "چیمبر میں گولیاں نہیں، پلاسٹک کے دانے ہیں۔ یقین نہ ہو تو مجھ پر فائر کر کے دیکھ لو۔"

وہ غصے سے بولا۔ "تم میرا وقت ضائع کرنے آئی ہو، کیوں بھری جوانی میں مرنا چاہتی ہو۔"

"تم ریوالور سے مار سکتے ہو۔ اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے کھلونے سے نہیں۔"

اس نے طیش میں آ کر پومی کا نشانہ لیا۔ پھر ٹرائیگر کو دبا دیا۔ اس میں سائلنسر لگا ہوا تھا اس لیے کھٹ کی آواز کے ساتھ گولی نکلی مگر وہ نشانے پر نہیں تھی، پومی اچھل کر ایک کار کے بونٹ پر بیٹھ گئی تھی۔ کہنے لگی۔ "کیمرہ مین! اپنا کام جاری رکھو۔"

اس نے حیرانی سے اپنے ریوالور کو دیکھا۔ پھر اس پر فائر کیا۔ وہ بونٹ پر سے پھسل کر نیچے آ گئی۔ کھٹ کی آواز کے ساتھ اس کار کی ونڈ اسکرین ایک چھناکے سے چُور چُور ہو گئی۔ وہ دونوں ٹانگیں پھیلائے کھڑا تھا۔ پومی بونٹ سے پھسل کر نیچے آتے ہوئے پھسلتے ہوئے اس کی ٹانگوں کے درمیان پہنچ گئی تھی۔ پھر دونوں ہاتھ اپنے سر کے نیچے رکھ کر اسی طرح لیٹے ہوئے بولی۔ "میں نے

کہا تا، تمھارے ریوالور میں گولی نہیں ہے۔ گولی اسے کہتے ہیں جو نشانے پر لگ جائے۔"

اس نے لیٹے لیٹے پیچھے سے ایک لات ماری۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا آگے جاکر کار سے ٹکرا گیا۔ پھر اس نے تیزی سے پلٹ کر فائر کیا مگر پتا چلا، وہ اس سے بھی زیادہ پھرتیلی ہے۔ اس کے فائر کرتے ہی سامنے والی ایک گاڑی کے پہیے سے ہوا نکلنے لگی تھی۔

پھر تو وہ جھنجلا کر فائر کرنے لگا۔ کھٹ کھٹ کھٹ کی آواز کے ساتھ مسلسل تین فائر ہوئے مگر ان آوازوں پر ہاہپ ہپ کی آواز بھاری پڑتی رہی۔ وہ ہر آواز کے ساتھ فضا میں قلابازی کھاتی تھی اور زمین پر آکر کھڑی ہو جاتی تھی۔

اس نے پھر فائر کیا مگر گولی نہیں چلی۔ پومی نے کہا۔ "ریوالور میں ساتویں گولی نہیں ہوتی۔"

وہ جیب میں ہاتھ ڈال کر فاضل بلٹ نکالنا چاہتا تھا۔ اس سے پہلے ہی ہاہپ ہپ کی آواز کے ساتھ وہ جمناسٹک کے کرتب دکھاتی ہوئی آئی۔ پھر اس نے ہاتھ پر ٹھوکر ماری۔ ریوالور چھوٹ گیا۔ اچھل کر فضا میں گیا۔ ریوالور والے نے اچھل کر اسے کیچ کرنا چاہا مگر پومی اچھلتی ہوئی اس سے زیادہ بلندی پر گئی تھی۔ اس سے پہلے ریوالور کو کیچ کر کے زمین پر آگئی تھی۔ اس شخص نے واپس زمین پر پہنچ کر دیکھا تو وہ بولی۔ "ریوالور میرے پاس ہے اور بلٹ تمھارے پاس لہٰذا یہ میرے کسی کام کا نہیں۔ اسے تم ہی لے لو۔"

اس نے پھر اسے فضا میں اچھالا۔ اس شخص نے اسے کیچ کرنے کے لیے دوبارہ اچھال ماری لیکن پومی نے اسے ایک لات جمادی۔ وہ چیختا ہوا زمین پر آیا اور چاروں شانے چت ہو گیا۔ ریوالور کے نیچے آنے سے پہلے ہی اس نے کیچ کر لیا۔ پھر اسے بوڑھے کیمرہ مین کی طرف اچھالتے ہوئے کہا۔ "اسے تم رکھو اور اپنا کام کرتے رہو۔"

وہ ایک گاڑی کی چھت پر چڑھا فلم کی شوٹنگ میں مصروف تھا۔ اس نے ریوالور کو کیچ کر کے جیب میں رکھ لیا۔ پھر شوٹنگ کرنے لگا۔ وہ چار افراد جنھوں نے جونی بابا کو جکڑ رکھا تھا، پریشان ہو رہے تھے۔ مار پیٹ کی آواز سن رہے تھے مگر انھیں پومی اور اپنا ریوالور والا ساتھی نظر نہیں آرہا تھا۔ ایک نے سر اٹھا کر دیکھا پھر چیختے ہوئے کہا۔ "ارے وہ دیکھو، ہماری فلم اتاری جا رہی ہے۔"

انھوں نے فوراً ہی جونی بابا کو چھوڑ دیا۔ چوروں کو جب خطرہ درپیش ہوتا ہے تو وہ مقابلہ نہیں کرتے۔ فرار کا راستہ ڈھونڈتے ہیں۔ لہٰذا وہ بھاگنے لگے۔ وہ گرل فرینڈ بھی بھاگنا چاہتی تھی لیکن جونی بابا نے اس کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ لیا۔ پھر پوچھا۔ "ہیروں کا نیکلس نہیں پہنو گی؟"

وہ چاروں وہاں سے بھاگتے ہوئے اُدھر آئے جدھر پومی ریوالور والے کی پٹائی کر رہی تھی۔ اب اس میں اتنا دم نہیں رہا تھا کہ اپنے پیروں پر کھڑا رہتا۔ اپنے ساتھیوں کے پہنچنے تک وہ زمین بوس ہو چکا تھا۔ انھوں نے حیرانی سے ایک نوخیز دوشیزہ کو دیکھا جس نے ان کے ایک زبردست ساتھی کو زمین دکھا دی تھی۔ کوئی دوسرا وقت ہوتا تو وہ پومی سے ضرور بھڑ جاتے مگر اپنے بچاؤ کی فکر تھی لہٰذا وہ بھاگتے ہوئے اُدھر جانے لگے جدھر پومی نے شٹر کو گرا دیا تھا۔

وہ چاروں دوڑتے ہوئے شٹر کے پاس آئے مگر ایک دم سے ٹھٹک گئے۔ وہاں کوئی شخص شٹر کی طرف منہ کیے کھڑا ہوا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ کمر پر تھے۔ اس نے آہستہ آہستہ گھوم کر ان چاروں کو دیکھا۔ وہ ماسٹر وانٹسوروکی تھا۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "واپس جاؤ۔ میری بیٹی کی فلم کی شوٹنگ ہو رہی ہے۔ اس میں حصہ لو اور یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ تم لوگوں کے حصے میں لات جوتے ہیں۔"

جونی بابا اپنی گرل فرینڈ کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر دھکا دیتا ہوا اُدھر آیا جہاں وہ چاروں فرار کا راستہ نہ پا کر پومی سے اُلجھ گئے تھے۔ اس نے حیرانی سے دیکھا ایک حسین لڑکی ان چاروں کی ایسے پٹائی کر رہی تھی جیسے کھیل کر رہی ہو۔

اس نے وانٹسوروکی کے پاس آکر پوچھا۔ "یہ کون ہے؟"

"میری بیٹی ہے۔"

"تعجب ہے، بیٹی ان کا مقابلہ کر رہی ہے اور تم تماشا دیکھ رہے ہو۔"

"تم بھی تماشا دیکھو۔"

"کیا مطلب؟"

"وہ لڑتے وقت اندھی ہو جاتی ہے۔ اسے کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ اگر ہم دونوں بیچ بچاؤ کے لیے جائیں گے تو ہماری بھی پٹائی ہو جائے گی۔"

وانٹسوروکی نے شٹر کو اوپر اٹھاتے ہوئے کہا۔ "آؤ، ہم چلیں۔"

وہ چاروں بُری طرح مار کھا چکے تھے۔ اب ان میں بھاگنے کی سکت نہیں رہی تھی۔ جونی بابا نے حیرانی سے دیکھا۔ جو اسے بیٹی کہہ رہا تھا۔ وہ وہاں سے پلٹ کر ایسے چلا گیا تھا جیسے کوئی رشتہ نہ ہو۔ اس نے پومی کے پاس آکر کہا۔ "تم جتنی حسین ہو اتنی ہی سنگین بھی۔ تم نے تو کمال کر دیا۔"

پومی نے پوچھا۔ "تم کون ہو؟"

وہ ذرا فخر سے سینہ تان کر بولا۔ "مجھے یہاں کی اونچی سوسائٹی میں سب جانتے ہیں۔ میرا نام جانسن رائیٹ ہے مگر عرفِ عام میں جونی بابا کہا جاتا ہے۔"

پومی نے خوش ہو کر کہا۔ "اوہ تو تم وہی جانسن رائیٹ ہو جس کے باپ کا نام پروفیسر سامری ہے۔"

"ہاں، کیا تم میرے ڈیڈ کو جانتی ہو؟"

"ارے پروفیسر سامری کو کون نہیں جانتا۔ تم تو بہت بڑے باپ کے بیٹے ہو۔"

"ہم بہت دولت مند ہیں۔ یہ لڑکی مجھے محبت کا فریب دے کر میرے ستر ہزار ڈالر یہاں سے اُڑا لے جانا چاہتی تھی۔ یہ سب اس کے ساتھی ہیں۔ ہم ابھی انھیں پولیس کے حوالے کریں گے۔"

"تم چاہتے ہو، میں پولیس والوں کے سامنے بیٹھ کر اپنا بیان دوں اور اپنا وقت ضائع کروں۔ نہیں، میں اس جھمیلے میں نہیں پڑوں گی۔"

"مگر یہ کوئی معمولی بات تو نہیں ہے۔ اگر تم نہ آتیں تو یہ میرے ستر ہزار ڈالر اُڑا لے جاتے۔"

وہ پانچوں دور دور تک زمین پر پڑے ہوئے تھے۔ ایک آدھ بیٹھا ہوا تھا۔ پومی نے ان کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ "کیا تم لوگ جونی بابا کی رقم چرانا چاہتے تھے؟"

ان لوگوں نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔ "نہیں نہیں، ہم چور نہیں ہیں۔"

پومی نے جونی بابا سے کہا۔ "دیکھا، یہ بے چارے چور نہیں ہیں۔"

وہ غصے سے بولا۔ "یہ جھوٹ کہتے ہیں۔ یہ لڑکی میری گرل فرینڈ بن کر مجھے لوٹنا چاہتی تھی۔ کہتی تھی، ہیروں کا نیکلس پہنے گی جس کی قیمت پانچ ہزار ڈالر ہے۔"

پومی نے اس لڑکی سے پوچھا۔ "کیا تم ہیروں کا نیکلس پہننا چاہتی ہو؟"

لڑکی نے گڑبڑا کر کہا۔ "نہیں نہیں، میں نیکلس پہننا نہیں چاہتی مجھے چھوڑ دو۔"

پومی نے کہا۔ "یہ بے چاری نیکلس کے نام سے گھبرا رہی ہے۔ کیوں اس کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ رکھا ہے۔ اسے چھوڑ دو۔"

جونی بابا نے کہا۔ "تم عجیب لڑکی ہو۔ اگر یہ چور بدمعاش نہیں ہیں تو تم ان سے لڑائی کیوں کر رہی تھیں؟"

پومی نے اوپر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اُدھر دیکھو، ہماری فلم کی شوٹنگ ہو رہی تھی۔ یہ شوٹنگ ختم ہو چکی ہے۔ میں جا رہی ہوں۔"

پھر اس نے کیمرہ مین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "نیچے آجاؤ ڈارلنگ!"

وہ گاڑی کی چھت سے اتر کر آنے لگا۔ جونی بابا نے حیرانی سے پوچھا۔ "تم اس بوڑھے کو ڈارلنگ کہہ رہی ہو؟"

اس وقت تک کیمرہ مین قریب آگیا تھا۔ پومی نے اس کے بازو میں بازو ڈال کر کہا۔ "ہاں، یہ میرا بوائے فرینڈ ہے۔"

جونی بابا نے شدید حیرانی سے چیخ کر پوچھا۔ "کیا؟ یہ، یہ بوڑھا تمھارا بوائے فرینڈ ہے؟"

پومی نے سخت لہجے میں کہا۔ "خبردار، اگر میرے بوائے فرینڈ کو بوڑھا کہا تو منہ توڑ دوں گی۔"

جونی بابا کی کھوپڑی گھوم رہی تھی۔ وہ آنکھوں سے دیکھ کر بھی یقین کرنے کے لیے تیار نہیں تھا کہ اتنی حسین، اسمارٹ اور شباب سے بھرپور لڑکی ایک کھوکھلے بوڑھے پر مرمٹی ہے۔ بلکہ اسے بوڑھا تسلیم کرنے سے انکار کرتی ہے اور بوڑھا کہنے والوں کا منہ بھی توڑ سکتی ہے۔

پومی نے جونی بابا کی آنکھوں کے سامنے کتنے ہی ہٹے کٹے جوانوں کی منہ توڑ پٹائی کی تھی۔ جونی بابا میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ وہ پومی کے عشق پر احتجاج کر سکتا۔ تاہم اس نے پومی اور اس کے بوڑھے بوائے فرینڈ کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔ "میں شرم سے مر جاؤں گا۔ ہم نوجوانوں کی انسلٹ اس سے زیادہ کیا ہوگی کہ ...."

پومی نے چلتے چلتے گھور کر دیکھا۔ وہ بات بدل کر بولا۔ "تم، میں تمھارے عشق پر اعتراض نہیں کر رہا ہوں۔ اپنے مقدر پر لعنت بھیج رہا ہوں۔"

پومی نے جواب نہیں دیا۔ جونی بابا نے چلتے چلتے اپنی پوزیشن بدلی۔ بوڑھے کیمرہ مین کے پاس آکر اسے حسرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں آلمائٹی گاڈ سے ایک ہی دعا مانگ رہا ہوں۔"

"کیا مانگ رہے ہو؟"

"تمھاری عمر۔ خدا مجھے اسی لمحے بوڑھا کھوسٹ بنا دے۔"

بوڑھے نے آہستگی سے کہا۔ "خدا کی قسم میں تمھاری عمر مانگ رہا ہوں۔ کاش ہم نکٹائی کی طرح اپنی اپنی عمر کا تبادلہ کر سکتے۔"

پومی نے دونوں کو الجھن میں ڈال دیا تھا۔ جونی بابا نے کیسینو میں پہنچ کر اسے اور بوڑھے کو دیکھا پھر کہا۔ "میں نے زندگی میں پہلی بار ایسا نایاب جوڑا دیکھا ہے۔ آپ کی ملاقات کو یادگار بنانے کے لیے میں دونوں کو ڈنر کے لیے مدعو کرتا ہوں۔ پلیز میری درخواست کو نہ ٹھکرانا۔"

اس نے درخواست قبول کر لی۔ تینوں ڈائننگ ہال میں جانے لگے۔ میں نے شیبا سے کہا۔ "میں تمھاری اجازت سے دماغ میں آنا چاہتا ہوں۔"

وہ چپ رہی۔ اس نے میری آمد پر اعتراض نہیں کیا۔ مگر کہنے لگی۔ "ضروری بات ہو تو فوراً کہہ کر چلے جاؤ۔"

"تمھیں یہ اندیشہ ہے کہ میں تمھارے چور خیالات پڑھ لوں گا۔"

اس نے چونک کر پوچھا۔ "اس کا مطلب ہے تم چپ چپ

میرے دماغ میں آتے ہو۔"

"میں خدا سے ڈرتا ہوں۔ خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں، میں نہ تو پہلے کبھی چپکے سے تمھارے دماغ میں آیا ہوں اور نہ آئندہ ایسی غیر اخلاقی حرکت کروں گا۔"

"میں تم پر بہت اعتماد کرتی ہوں۔ مگر میری منفی سوچ تمھارے خلاف بھڑکاتی ہے۔"

"بہتر ہے، تم میرے پاس آ جاؤ۔ میں جا رہا ہوں۔"

میں دماغی طور پر حاضر ہوا۔ اس نے میرے پاس آکر پوچھا "ناراض ہو گئے ؟"

"نہیں۔ میں تمھاری تسلّی اور اطمینان چاہتا ہوں۔ یوں بھی سونیا سو رہی ہے۔ تمھیں میرے پاس آنے سے جھجکنا نہیں چاہیے۔"

"آ تو گئی ہوں۔ یہ بتاؤ، میری یاد کیسے آ گئی ؟"

"کیا خوب ادا ہے۔ خود ہی اپنے پاس آنے سے روکتی ہو۔ میرے اختیار میں ہو تو بار بار آکر ثابت کروں کہ دن رات تمھیں یاد ہی کرتا رہتا ہوں۔"

"میں۔ کیا۔ کہنا چاہتی تھی۔ کیا کہہ گئی۔"

"کچھ پوچھنا چاہتی ہو ؟"

"ہاں ابھی تم کسی ضروری کام سے آئے تھے ؟"

"ہم دونوں کی مصروفیات کے متعلق گفتگو کرنا چاہتا تھا۔ پیرس میں کافی رات گزر چکی ہو گی۔ تمھیں نیند پوری کرنا چاہیے۔ میں پومی کے پاس رہوں گا۔"

"یہی میں تم سے کہنا چاہتی ہوں۔"

"بحث نہ کرو۔ ابھی تمھیں سونا چاہیے۔"

"تم اور سونیا سمندر کی لہروں سے لڑتے رہے ہو۔ وہ تھک ہار کر سو رہی ہے۔ تم کیوں جاگ رہے ہو ؟"

"سونیا تھکنا اور ہارنا نہیں جانتی۔ وہ محض میری موجودگی سے مطمئن ہو کر سو رہی ہے۔ شیبا! تم میری بات مانتی ہو۔ جاؤ شاباش سو جاؤ۔"

وہ ہنستے ہوئے بولی "تم بچوں کی طرح مجھے سونے کو کہہ رہے ہو۔"

"کیا میں تمھیں جوان سمجھ کر بات چھیڑوں ؟"

"مجھے چلے ہی جانا چاہیے۔"

وہ چلی گئی۔ میں معلوم کرنا چاہتا تھا، وہ میری ہدایت کے مطابق سوئے گی یا نہیں ؟ اس مقصد کے لیے میں اس کی ماما کے پاس پہنچ گیا۔ رات کا تیسرا پہر تھا اور وہ جاگ رہی تھی۔ خاموشی سے بستر پر لیٹی رو رہی تھی۔

میں حیران ہو کر اس کی سوچ پڑھنے لگا۔ فلسطین کی چہار دیواری میں ایک ایسی دیوار ہے جسے دیوارِ گریہ کہتے ہیں۔ یہودی اس دیوار پر ہاتھ رکھ کر، سر جھکا کر روتے ہیں۔ اس وقت شیبا کی ماما تصور میں اسی دیوار پر ہاتھ رکھ کر رو رہی تھی۔ مجھے شیبا کی سوچ سنائی دی۔ وہ ماں سے پوچھ رہی تھی "ماما! کیا بات ہے ؟"

ماما جواب دیے بغیر اور رونے لگی۔ بیٹی نے کہا "ایک تو آپ اتنی رات تک جاگ رہی ہیں، دوسرے رو رہی ہیں۔"

شیبا نے ذرا چپ رہ کر اُن کی سوچ پڑھی۔ پھر کہا "اوہ ماما! آپ اتنی رات کو فلسطین پہنچی ہوئی ہیں۔"

ماما نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا "کیا کروں ؟ یہاں تمھارے ساتھ قید ہو کر رہ گئی ہوں۔ وطن کی یاد آتی ہے تو آنسو نکل آتے ہیں۔"

شیبا نے حیرانی سے پوچھا "کیا آپ بابا صاحب کے ادارے میں خود کو قیدی سمجھ رہی ہیں ؟"

"اور کیا سمجھوں ؟ ہم یہاں سے باہر نہیں نکل سکتے۔"

"جناب شیخ الفارس نے ہماری سلامتی کے لیے سمجھایا ہے کہ ادارے سے باہر نہیں جانا چاہیے۔ ربی کے خفیہ جاسوس ہماری تاک میں ہیں۔"

"کیا تم انھیں محترم ربی نہیں کہہ سکتیں ؟ کیا مسلمانوں کے ساتھ رہ کر ان کا احترام کرنا بھول گئی ہو ؟"

"ماما! میں اپنے مذہب کے کسی بھی پیشوا کو محترم ربی کہتی ہوں اور کہتی رہوں گی۔ مگر ربی اسفند یار کو کبھی محترم نہیں کہوں گی۔"

"معلوم ہوتا ہے، تم فرہاد سے پوری طرح متاثر ہو چکی ہو۔"

"کیا اپنے محسن سے متاثر نہیں ہونا چاہیے ؟"

"میں تم سے بحث نہیں کرنا چاہتی۔"

"میری اچھی ماما! سو جائیے۔"

"میرے ایک سوال کا جواب دو۔"

"پوچھیے۔"

"کیا ہم ساری زندگی یہیں گزاریں گے ؟"

"آپ جہاں چاہیں گی، وہاں گزاریں گے۔"

"اپنا وطن سب کو عزیز ہوتا ہے۔ ایک طرف جنّت ہو اور دوسری طرف سرزمین اسرائیل تو میں اسرائیل جاؤں گی۔"

"وہاں تو شاید ربی کی موت کے بعد ہی جانا نصیب ہو گا۔ آپ بھول گئی ہیں، ربی نے آپ کو مار ڈالنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ وہ اچھی طرح سمجھ گئے ہیں کہ میں ان کے ہاتھ سے نکل گئی ہوں۔ وہ کبھی میری ٹیلی پیتھی سے فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے۔"

ماما نے کہا "میں مانتی ہوں، ربی نے مجھے قتل کرانے کی غلطی کی۔ تم بھی یہ مان لو، انھوں نے تمھاری ٹیلی پیتھی کی صلاحیت سے ذاتی مفاد حاصل نہیں کیا۔ وہ تمھارے ذریعے اسرائیلی حکومت کو اور یہودی قوم کو فائدہ پہنچانا چاہتے تھے۔ ملک اور قوم پر لاکھوں افراد قربان ہو جاتے ہیں۔ اگر میں بھی قتل ہو جاتی تو کیا قیامت آ جاتی۔"

"ماما! آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں ؟"

"بیٹی! میں قومی جذبے سے بول رہی ہوں۔ میری زندگی کتنی رہ گئی ہے۔ آج ہوں کل نہیں۔ میں شیخ الفارس کا احترام کرتی ہوں۔ فرہاد کی عزت کرتی ہوں لیکن میں مسلمانوں کے ہاں رہ کر مر جاؤں گی تو میری روح کو سکون حاصل نہیں ہو گا۔ میں اپنی زمین پر، اپنے لوگوں کے درمیان رہ کر مرنا چاہتی ہوں۔"

"اوہ ماما! آپ مجھے مشکل میں ڈال رہی ہیں۔"

"مشکل کیسی ؟ سیدھی سی بات ہے۔ تم یہاں رہو، مجھے جانے دو۔"

"آپ بیٹی کو چھوڑ دیں گی ؟"

"میں تو ایک بیٹی کو چھوڑوں گی۔ بیٹی نے تو پوری قوم کو چھوڑ دیا ہے۔"

"ماما! میں یہودی ہوں، یہودی رہوں گی۔ مجھے اپنی قوم سے، اپنے وطن سے بے پناہ محبت ہے۔ آپ سمجھنے کی کوشش کریں۔ میں فرہاد سے دوستی رکھوں گی تو میری قوم کو اور ملک کو اس کی ٹیلی پیتھی سے نقصان نہیں پہنچے گا۔"

"بے شک نقصان نہیں پہنچے گا۔ فائدہ بھی تو نہیں پہنچ رہا ہے۔"

"فی الحال آپ کی بیٹی کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔ میں اس ادارے میں رہ کر عملی میدان میں حاضر دماغی سے ذہانت اور چالاکی سے کامیاب ہونے کے گُر سیکھ رہی ہوں۔ پہلے میں اکثر بیمار رہتی تھی۔ جب سے یوگا کی مشقیں کر رہی ہوں، آدھی بیماری دور ہو چکی ہے۔ چند ماہ کے بعد یہاں کی لڑکیوں کی طرح صحت مند رہا کروں گی۔"

"یعنی تم یہیں رہا کرو گی ؟"

"آئندہ کی باتیں کون جانتا ہے۔ ویسے میں ربی کی موت کے بعد یہاں سے نکلوں گی۔"

"اگر محترم ربی تمھیں نقصان نہ پہنچائیں تو ؟"

"یہ آپ کیسے کہہ سکتی ہیں ؟"

"میں خود جا کر محترم ربی سے بات کروں گی۔ مجھے یقین ہے وہ بزرگ پیشوا ہو کر بھی تم سے معافی مانگ لیں گے۔"

"شیخ صاحب کے آدمیوں نے کتنی جدوجہد کے بعد آپ کو ربی کے چنگل سے نکالا ہے۔ آپ پھر وہیں جا کر پھنسنا چاہتی ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا آپ کو کیا ہو گیا ہے۔ یا تو قومی جذبہ کچھ زیادہ ہی غالب آ گیا ہے، یا شیطان کسی چکر میں ڈالنا چاہتا ہے۔"

پھر شیبا نے چونک کر کہا "اوہ گاڈ! میں تو شیطان کو بھول ہی گئی تھی۔ لاحول ولا قوة۔"

یہ کہتے ہی اس کی ماما نے جماہی لی۔ پھر کہا "مجھے نیند آ رہی ہے۔"

"آپ آنکھیں بند کریں، میں سُلاتی ہوں۔"

ماں نے آنکھیں بند کر لیں۔ بیٹی نے ٹیلی پیتھی کی لوری سنائی۔ وہ دومنٹ کے اندر ہی سو گئیں۔ میں واپس آنا چاہتا تھا مگر ٹھہر گیا۔ مجھے شیبا کی سوچ سنائی دی۔ وہ ماں کو مخاطب کر رہی تھی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ ماں سو چکی ہے، وہ بڑبڑانے کے انداز میں کہہ رہی تھی "ماما! مجھے بھی تل ابیب اور یروشلم کی فضائیں یاد آتی ہیں۔ یہودیت ہماری رگوں میں خون کی طرح جاری رہتی ہے۔ یہ سب قومیت اور محبت الوطنی کے جذبے ہیں۔ مگر جذبوں میں بہنے سے حقیقت نہیں بدلتی۔ یہ حقیقت ہے کہ ہم ماں بیٹی کو مسلمانوں کے ہاں پناہ مل رہی ہے۔ اس ادارے کے باہر یہودی رائفلوں کی گولیاں ہماری منتظر ہیں۔"

شیبا نے ایک گہری سانس لے کر کہا "اس لیے ماما! تمام جذبوں کو تھپک تھپک کر اسی طرح سُلا دو جس طرح ابھی میں نے آپ کو سُلا دیا ہے۔ شب بخیر ماما۔"

ماما کے خوابیدہ دماغ میں خاموشی چھا گئی۔ شیبا چلی گئی تھی، میں نے اپنی جگہ حاضر ہو کر سوچا۔ شیطان کی چالاکیاں اپنا جواب نہیں رکھتیں۔ اُس کمبخت نے اب ماما کے دماغ میں جگہ بنائی تھی۔ ایک بوڑھی عورت جو عمر کے آخری ایام گزار رہی ہو، اس کے اندر شدید مذہبی جذبہ پیدا کرنا آسان ہوتا ہے۔ دیارِ غیر میں بھٹکنے والا ہر انسان اپنی زندگی کی آخری سانسیں اپنے وطن میں لینا چاہتا ہے۔ شیطان نے بڑا اچھا مُہرہ ہاتھ میں لیا تھا۔

ویسے وہ بوڑھی خاتون خطرے کی علامت بن گئی تھیں۔ آئندہ ہمارے لیے مشکلات پیدا کرنے والی تھیں۔ جناب شیخ الفارس سو رہے تھے۔ میں نے سوچا، دوسرے دن اس سلسلے میں ان سے گفتگو کروں گا۔

میں پومی کے پاس آ گیا۔ وہ کیسینو سے نکل آئی تھی۔ پہلے اس نے قمار خانے میں جا کر جوا کھیلنے کے دوران جونی بابا پر نظر رکھنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ مگر وہ خود ہی اس کا دیوانہ ہو گیا تھا۔ ڈنر سے فارغ ہونے کے بعد اس نے رات کو شہر کی رونق دیکھنے پر پومی کو آمادہ کر لیا تھا۔

پومی سوچ رہی تھی یہی بہتر ہے۔ اُسے گھیرنے کے لیے دشمنوں کو کھلی جگہ آسانی ہو گی۔ اور اب وہ جم کر مقابلہ نہیں کر سکے گی۔ انہیں خوش فہمی میں رکھے گی۔ اُن کی گرفت میں آ جائے گی۔ اگرچہ اس

میں جان کا خطرہ تھا۔ مگر دی کلر تک جلد سے جلد پہنچنے کے لیے یہ خطرہ مول لینا چاہتی تھی۔

اسے خدا کے بعد اپنی صلاحیتوں پر پورا بھروسا تھا۔ اس کے بعد وہ ہماری ٹیلی پیتھی پر تکیہ کرتی تھی۔ اس نے سوچ کے ذریعے مخاطب کیا "ثیبا! تم موجود ہو؟"

میں نے کہا "ثیبا سو رہی ہے۔"

وہ خوش ہو کر بولی "فرہاد! تم ہو۔"

"ہاں۔ میں تم سے بہت خوش ہوں۔ تم نے عملی میدان میں قدم رکھتے ہی اپنی صلاحیتوں کو منوانا شروع کر دیا ہے۔ ماسٹر کِی اور پُراسرار شخص کے لیے زبردست پرابلم بن گئی ہو۔"

"اُسے پُراسرار کیوں کہتے ہو۔ وہ سُپر ماسٹر ثابت ہو رہا ہے۔"

"جب تک اس کے دماغ میں نہیں پہنچوں گا، اُسے پُراسرار کہوں گا۔"

"یعنی اس کے سُپر ماسٹر ہونے میں شبہ ہے۔ وہ کوئی اور ہو سکتا ہے؟"

"ہاں ہم نے سُپر ماسٹر ثابت کرنے کے سلسلے میں جو ثبوت بیان کیے ہیں، وہ غلط ثابت ہو سکتے ہیں۔"

"بے شک دشمن کھلی کتاب کی طرح سامنے ہو پھر بھی اس کا کوئی راز سمجھنے کے لیے رہ جاتا ہے۔"

"پومی! تم بے حد ذہین اور حاضر دماغ ہو۔ ابھی تمھیں میرے آنے کی خوشی بھی ہے۔ ایک اہم مسئلے پر گفتگو بھی کر رہی ہو۔ مگر اپنے اطراف کے ماحول سے غافل نہیں ہو۔ ابھی سکون سے بیٹھی ہو، اگلے ہی پل بجلی کی طرح حرکت میں آ سکتی ہو۔ میں خیال خوانی کے ذریعے تمھیں اچھی طرح سمجھ رہا ہوں۔"

"فرہاد! میں تمھارے ساتھ کام کرنا چاہتی ہوں۔"

"ان شاء اللہ ایسا موقع آئے گا جب ہم کسی مہم پر ساتھ ہوں گے۔"

وہ جونی بابا کی رولس رائس کار میں بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ اپنی بے انتہا دولت کا مظاہرہ کر کے پومی کو متاثر کرنا چاہتا تھا۔ پہلے اس نے کیسینو میں جوا کھیل کر ہزاروں ڈالر ہارنے یا جیتنے کا ارادہ کیا۔ اگر وہ جیت جاتا تو پومی اس سے متاثر ہوتی۔ ہار جاتا تب بھی اس کی امارت کی دھاک بیٹھ جاتی۔

پھر اُس نے سوچا، جوا کھیلنے سے بہتر ہے، پومی کو شہر کی سیر کرائی جائے اور ہزاروں ڈالر کی شاپنگ کرائی جائے۔ مگر پومی نے پوچھا "تم مجھے کتنی شاپنگ کرا سکتے ہو؟"

جونی بابا نے کہا "ابھی میری گاڑی میں ستر ہزار ہیں۔ اس سے زیادہ چاہو تو کل صبح بینک سے لاکھوں ڈالر نکلوا سکتا ہوں۔"

"ستر ہزار اور لاکھوں ڈالر کی شاپنگ میں بھی کرا سکتی ہوں۔"

جونی بابا نے حیرانی سے پوچھا "واقعی؟"

"ہاں۔ کیسینو کے گیراج میں دشمن یہ رقم چھین کر لے جاتے تو تم کیا کر لیتے؟"

"میں بے بس ہو گیا تھا۔"

"میں تم سے یہ رقم چھین لوں تب بھی بے بس رہو گے۔ کل صبح لاکھوں ڈالر بینک سے لاؤ گے انھیں بھی چھین لوں گی۔ تب بھی بے بس رہو گے اور یہ ساری رقم حاصل کر کے میں تمھیں شہر میں گھماؤں گی اور تمھیں شاپنگ کراؤں گی۔ وہ ساری رقم تمھاری نہیں میری ہو گی۔ کیونکہ دولت اسی کی ہوتی ہے، جس کی مٹھی میں ہو۔"

اس نے مجبوراً تائید میں سر ہلا کر کہا "سمجھ گیا۔ میں دولت مند ہوتے ہوئے بھی کنگال ہوں، تمھیں کسی طرح متاثر نہیں کر سکتا۔"

یہ اس وقت کی بات ہے جب جونی بابا، پومی اور بوڑھے عاشق کے ساتھ کیسینو سے نکل رہا تھا۔ اس نے بوڑھے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پومی سے کہا "میں اس مقدر کے سکندر سے دو باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ ذرا اسے الگ لے جاؤں گا۔ اگر تمھیں اعتراض نہ ہو۔"

"لے جاؤ مگر یہ مجھے صحیح سلامت ملنا چاہیے۔"

جونی بابا نے بوڑھے کو الگ لے جا کر پوچھا "اس کے سامنے تمھارا بڑھاپا کانپتا ہے۔ کیوں مذاق بنتے ہو۔ بھاگ جاؤ۔"

"کیسے بھاگ جاؤں، یہ پھر پکڑ لے گی۔ میں نے شغل کے طور پر عشق کا اظہار کیا تھا، یہ سچ مچ گلے پڑ گئی ہے۔"

"میں تمھیں پانچ ہزار ڈالر دوں گا۔ تم اس کے ساتھ چلتے چلتے اچانک زمین پر گر کر بے ہوش ہو جاؤ۔"

"پانچ ہزار؟ میں نے ایک مدت سے پانچ ہزار ڈالر ایک ساتھ نہیں دیکھے۔"

جونی بابا نے جیب سے ایک گڈی نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دی۔ بوڑھے نے کہا "یہ گڈی کتنی گرم ہے۔ بدن میں حرارت پیدا کر دیتی ہے۔"

وہ رقم جیب میں رکھ کر پومی کے پاس آیا۔ پومی نے کہا "میں دیکھ رہی تھی۔ تم نے اس سے جو کچھ لیا ہے، واپس کر دو۔"

وہ گھگیاتے ہوئے بولا "میری ماں! مجھے معاف کر دے۔ آئندہ میں کسی جوان لڑکی سے مذاق نہیں کروں گا۔"

پومی نے پوچھا "کیا میں بدصورت ہوں؟"

اس نے سر ہلا کر کہا "نہیں۔"

"کیا میں جوان نہیں ہوں؟"

"تم ہو، میں نہیں ہوں۔ میں تو بوڑھوں سے بھی گیا گزرا ہوں یہ دیکھو۔"

اس نے اپنے سر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "تم سمجھتی ہو یہ اصلی بال ہیں۔ نہیں میرا سر چٹیل میدان ہے۔"

اس نے اپنی وِگ اتار دی "تم اس صفاچٹ میدان میں جوتے مار لو۔ مگر مجھے چھوڑ دو۔"

"میں سچا عشق کرتی ہوں۔ چھوڑ نہیں سکتی۔"

"لعنت ہے۔" اس نے وِگ کو زمین پر پٹختے ہوئے کہا۔

"میرے منہ میں سچ مچ دانت نہیں ہیں، یہ دیکھو۔"

اس نے منہ میں ہاتھ ڈال کر اوپر اور نیچے کے دانتوں کے سیٹ نکالے پھر دکھاتے ہوئے کہا "مجھے اپنا بھید کھولنے پر مجبور کر رہی ہو۔ آج یہ جوانی کا بھرم بھی گیا۔"

وہ اپنی مصنوعی بھوئیں نوچنے لگا۔ اُس پر سے جوانی کی کھال اتر چکی تھی۔ وہ صرف بوڑھا نہیں، بنجر بھی دکھائی دے رہا تھا۔ صورت ایسی ہو گئی تھی کہ دیکھنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ پومی نے کہا "میری جو ویڈیو کیسٹ تیار کی ہے، وہ مجھے دے دو۔"

وہ قریب رکھے ہوئے کیمرے کے پاس گیا۔ جلدی سے کیسٹ لے کر آ گیا۔ پومی نے اسے لے کر کہا "دفع ہو جاؤ۔"

وہ کیمرہ اٹھا کر بھاگتا چلا گیا۔ جونی بابا نے پاس آ کر کہا "تم حسین بھی ہو، دلیر بھی اور بہت گہری بھی۔ ایک بوڑھے کو اچھا سبق سکھایا ہے۔"

"ایک جوان کو بھی سکھانا ہو گا۔" اُس نے جونی بابا کے بازو میں اپنا بازو ڈال کر کہا "آؤ چلیں۔"

اُس نے رولس رائس کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا "میں ایسی کوئی حماقت نہیں کروں گا۔"

اب وہ جونی بابا کے ساتھ کار میں بیٹھی ایک شاہراہ سے گزر رہی تھی اور سوچ کے ذریعے مجھ سے باتیں کر رہی تھی۔ اس دوران عقب نما آئینے میں بھی دیکھتی جا رہی تھی۔ نہ کوئی تعاقب کر رہا تھا، نہ سامنے سے کوئی راستہ روکنے والا تھا۔

میں نے کہا "یہ اچھی عادت ہے۔ دشمنوں کو فراموش نہ کرو۔ مگر ان کے انتظار میں زیادہ بے چینی نقصان پہنچائے گی۔ بعض اوقات دشمن ایسی بھی چالیں چلتے ہیں کہ اپنے آنے کا یقین دلاتے ہیں اور انتظار کراتے کراتے تھکا ڈالتے ہیں۔ پھر اچانک ہی شب خون مارتے ہیں۔"

جونی بابا نے ایک جگہ کار روک دی۔ پومی نے پوچھا "کیا بات ہے؟"

اُس نے کہا "تم نے ڈنر سے پہلے مجھے پینے کی اجازت نہیں دی، اب تو دو گھونٹ پی لینے دو۔"

"میں کہہ چکی ہوں، شراب میرے مذہب میں حرام ہے۔ پینے جاؤ گے تو گاڑی لے جاؤں گی۔"

وہ بے بسی سے بولا "یہ میری جوانی کی پہلی رات ہے کہ شراب کی دکان چند قدم پر ہے اور شباب ایک بالشت کے فاصلے پر۔ مگر میں پیاسا ہوں۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی اچانک پچھلی سیٹ کا دروازہ کھلا، کوئی تیزی سے اندر آیا۔ پھر اُس نے ریوالور کا رُخ پومی کی طرف کرتے ہوئے کہا "تم کار کے اندر جمناسٹک کے کرتب نہیں دکھا سکو گی۔ کوئی اور حربہ استعمال کرو گی تو گولی چل جائے گی۔"

پومی نے ایک گہری سانس لے کر کہا "جونی بابا! اُس بوڑھے کے بعد تمھارے سبق سیکھنے کا وقت آ گیا۔ ریوالور کی گولی تمھاری طرف بھی آ سکتی ہے۔"

ریوالور والے نے حکم دیا "گاڑی آگے بڑھاؤ۔"

وہ سلیمان جوگو تھا۔ پومی نے پوچھا "فرہاد! تم موجود ہو۔"

"ہاں ابھی چاہوں تو سلیمان جوگو کے ہاتھ سے ریوالور گرا دوں۔ لیکن تم اس سے معاملات طے کرو کہ یہ کن شرائط پر تمھیں دی کلر تک پہنچا سکتا ہے، میں ابھی آتا ہوں۔"

میں نے واٹسوروکی کے پاس آ کر دیکھا۔ وہ ایک رینٹل کار میں جونی کی رولس رائس کا تعاقب کر رہا تھا۔ میں نے کہا "ماسٹر! میں فرہاد بول رہا ہوں۔"

وہ خوش ہو کر بولا "ویل مائی سن۔ خیریت تو ہے؟"

"بالکل خیریت ہے۔ اگلی کار میں سلیمان جوگو، پومی کو گن پوائنٹ

پر رکھے بیٹھا ہے۔ پومی اسے ہاتھ نہیں لگائے گی، پچھلے چیلنج کے مطابق وہ تمھارا شکار ہے۔"

"کیا ابھی دبوچ لوں؟"

"نہیں۔ پہلے اس کے ذریعے دی کلر تک پہنچنے کی کوشش کی جائے گی۔"

"کیا تم دی کلر کے دماغ میں نہیں پہنچ سکتے؟"

"نہیں۔ اس کے دماغی کمپیوٹر کو کنٹرول کرنے والا شخص بدل گیا ہے میں نے ابھی تک دی کلر کی نئی آواز اور نیا لہجہ نہیں سنا ہے۔ میں جا رہا ہوں، پھر آؤں گا۔"

میں پومی کے پاس آیا۔ وہ سلیمان سے پوچھ رہی تھی "ریوالور کچھ تو بھاری ہوتا ہے۔ کب تک اٹھائے رکھو گے؟"

وہ غرّا کر بولا "زیادہ اسمارٹ بننے کی کوشش نہ کرو۔"

وہ مسکرا کر بولی "ماسٹر کِی نے مجھے اغوا کرنے کا معاوضہ کیا دیا ہے۔"

"تم سے مطلب؟"

"تم رقم بتادو، کتنی ملنے والی ہے۔"

"نہیں بتاؤں گا۔"

"شکریہ تم نے یہ تو بتادیا کہ ماسٹر کِی کے حکم کے مطابق اغوا کیا جا رہا ہے اور مجھے زندہ سلامت کہیں پہنچایا جائے گا۔ تم مجھے ہلاک کرو گے تو معاوضے کی رقم نہیں ملے گی۔"

"معلوم ہوتا ہے تم ماں کے پیٹ سے چالاکی سیکھ کر آئی ہو۔"

"میں صرف سونیا کی اسٹڈی کرتی ہوں اور اس کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرتی ہوں۔"

"میں مانتا ہوں معاوضے کی رقم حاصل کرنے کے لیے ہلاک نہیں کروں گا، مگر تمھارے ہاتھ سے نکلنے سے رقم بھی ہاتھ سے نکل جائے گی۔ للہٰذا ناکامی کی صورت میں گولی مار دوں گا۔"

پومی نے پوچھا "ایسا سودا کیوں نہیں کرتے کہ آم کے آم اور گٹھلی کے دام بھی مل جائیں۔"

"وضاحت سے بولو۔"

"ماسٹر کِی جتنی رقم دے رہا ہے، میں اس سے زیادہ دے سکتی ہوں۔"

"تم بابا صاحب کے ادارے سے اتنی دور ہو۔ کیا ایک گھنٹے کے اندر پچاس ہزار دے سکتی ہو۔"

"ایک منٹ کے اندر دے سکتی ہوں۔ کیوں جونی بابا؟"

جونی بابا نے پریشان ہو کر پوچھا "کک... کیا کہہ رہی ہو۔ میں ڈوب جاؤں گا۔"

"بچنا چاہو گے تو ریوالور کی گولی ڈبو دے گی۔" پھر پومی نے سلیمان جوگو سے کہا "یہ جونی میرا بینکر ہے۔"

جونی زیرِ لب بڑبڑایا "مر گیا جونی۔"

پومی نے کہا "پتا ہے سلیمان! یہ جونی میرا بہت ہی دولت مند بوڑھا فرینڈ ہے۔ مجھے ایک ہی رات میں ستّر ہزار ڈالر کی شاپنگ کرانے والا تھا۔ میرے پیارے جونی! ذرا ڈیش بورڈ کھول کر جھلک دکھا دو۔ مجھے تمھاری زندگی عزیز ہے۔"

جونی بابا نے ایک طرف گاڑی روکی۔ چابی سے ڈیش بورڈ کھولا۔ بڑے بڑے نوٹوں کی جھلک دکھائی۔ پھر بند کرنے لگا تو پومی نے کہا "ٹھہرو۔ سلیمان جوگو کا ریوالور بھی لاک کر دو۔ ہمارے درمیان سودے بازی ہو گی۔"

سلیمان جوگو نے سخت لہجے میں کہا "سیدھی طرح وہ تمام رقم میرے حوالے کر دو۔ پومی تم زیادہ اسمارٹ بننے کی کوشش میں بھول گئیں کہ میں تم دونوں کو گولی مار کر یہ رقم لے جا سکتا ہوں۔"

پومی نے کہا "میں صرف اتنا یاد رکھتی ہوں کہ دشمن شرافت سے بات نہیں مانتے تو ٹیلی پیتھی کی مار کھاتے ہیں۔"

وہ قہقہہ لگاتے ہوئے بولا "میں یوگا کا ماہر ہوں۔"

میں نے اس کے دماغ میں کہا "کیسے ماہر ہو۔ میں تو تمھارے دماغ میں ہوں۔"

اس نے پریشان ہو کر سوچا "یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ سوچ کی لہر دماغ میں آتے ہی میں بے اختیار سانس روک لیتا ہوں۔ پھر میں ابھی پرائی سوچ کو محسوس کیوں نہیں کر رہا ہوں۔"

اس نے سانس روکی۔ سانس ذرا دیر کے لیے رکی۔ مگر اس میں یوگا کی خصوصی مہارت نہیں تھی۔ میں نے کہا "میں موجود ہوں۔"

اس نے پھر ایک بار کوشش کی۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "میں اپنی موجودگی کا ثبوت دے رہا ہوں۔ تم اپنا ریوالور ڈیش بورڈ کے اندر نوٹوں کے اوپر رکھ دو گے۔"

وہ غصے سے بولا "میں نہیں رکھوں گا۔ ابھی اس چھوکری کو شوٹ...."

اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی میں اس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ اس نے اپنی سیٹ پر سے اٹھ کر اگلی سیٹ کی طرف جھکتے ہوئے بڑی شرافت سے ریوالور کو نوٹوں پر رکھ دیا اور واپس اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑا تو وہ ایک دم سے چونک گیا۔ سامنے ہی ڈیش بورڈ کے اندر نوٹوں کے اوپر ریوالور نظر آ رہا تھا۔

وہ غصے سے جھنجلا کر اپنی سیٹ پر سے اٹھا۔ اس سے پہلے ہی پومی نے ریوالور کو اٹھا لیا۔ اس کے چیمبر سے گولیاں نکال کر باہر پھینک دیں۔ خالی ریوالور اسے دیتے ہوئے کہا "اسے لوڈ کرنے کے لیے کار سے باہر جا کر فٹ پاتھ پر گولیاں چنتا ہوں گی۔ باہر جاؤ گے تو یہ کار چل پڑے گی۔ اندر رہو گے تو ہتھیار خالی رہے گا۔"

میں نے کہا "اور اپنی جگہ سے اٹھو گے تو میں اٹھنے نہیں دوں گا۔"

وہ سمجھ گیا کہ پومی پر حملہ کرنے کے لیے بھی اٹھ نہیں سکے گا۔ جونی ڈیش بورڈ کو بند کر رہا تھا۔ اس نے کہا "ٹھہرو۔ بند نہ کرو۔ پومی! تم کیا چاہتی ہو بتاؤ۔ یہ تمام رقم مجھے دے دو۔"

"رقم مل جائے گی۔ پہلے یہ بتاؤ، مجھے کہاں پہنچانا چاہتے ہو؟"

"یہ ٹیلی پیتھی کے ذریعے میرے دماغ سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"ہم تمھارا سچ اور جھوٹ معلوم کرنا چاہتے ہیں۔"

اس نے مجبور ہو کر جواب دیا "تمھیں ہائی وال کی عمارت میں لے جا رہا ہوں۔ وہاں ماسٹر کِی کے زبردست فائٹر تمھارا انتظار کر رہے ہیں۔"

"میں خواہ مخواہ لڑائی میں وقت ضائع کرنا نہیں چاہتی۔ جس مقصد کے لیے آئی ہوں، وہ مقصد حاصل کرنا چاہتی ہوں۔"

سلیمان جوگو نے کہا "ہاں تم چیلنج کر چکی ہو کہ یہاں سے دی کلر کا سر کاٹ کر لے جاؤ گی۔ لیکن یہ جوان چھوکری کے بس کی بات نہیں ہے۔ میں اس سے مقابلہ کر چکا ہوں۔ وہ کمبخت فولادی چٹان ہے۔ اپنے حسن کی قدر کرو۔ جوانی کے دن ہیں مُرادوں کی راتیں۔ کیوں حرام موت مرنا چاہتی ہو۔"

"تم میری فکر نہ کرو۔ کھلے ہوئے ڈیش بورڈ کو دیکھتے رہو۔"

اس نے نوٹوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا "کیا تم مجھے للچا رہی ہو؟"

"نہیں۔ دی کلر کے متعلق معلومات فراہم کرو۔ مجھے وہاں تک پہنچانے کے سلسلے میں رہنمائی کرو اور اس میں سے پچاس ہزار لے جاؤ۔"

وہ پریشان ہو کر بولا "بڑی مشکل ہے۔ جھوٹ بول کر رقم نہیں لے سکتا۔ تم لوگ سامنے بھی رہتے ہو اور دماغ کے اندر بھی۔"

میں نے کہا "میں اندر موجود ہوں۔ تم پومی سے سچ کہو۔"

اُس نے ایک گہری سانس لی۔ حسرت سے ان نوٹوں کو دیکھ کر کہا۔ "ابھی یہ دولت میرے مقدر میں نہیں ہے۔ کیونکہ میں خود دی کلر تک پہنچنے کی فکر میں ہوں۔ ماسٹر کِی نے تمھیں اسی لیے اغوا کرنے کو کہا ہے کہ تم کہیں ہم سے پہلے اس کمپیوٹر مین تک نہ پہنچ جاؤ۔ دنیا کی تمام خطرناک تنظیمیں بھی دی کلر کا سر چاہتی ہیں۔ اس نئے انوکھے تجربے کو دیکھنا چاہتی ہیں۔ یقیناً یہ انوکھا تجربہ ہے۔ ایک انسان کمپیوٹر کی زبان سے بولتا ہے، اور اس کمپیوٹر کی رہنمائی میں ایسا فائٹر بن جاتا ہے کہ مدمقابل کے چھکے چھڑا دیتا ہے۔"

"تم تقریر کرنے لگے۔ کام کی بات کرو۔"

"میں اسے تلاش کر رہا ہوں۔ وعدہ کرو، جب بھی اس کا ٹھکانہ بتاؤں گا تم پچاس ہزار ڈالر دو گی۔"

"وعدہ کرتی ہوں۔"

وہ جانے لگا۔ پومی نے پوچھا "تم کتنی دولت حاصل کرنا چاہتے ہو۔ اس کے لیے ماسٹر کی سے سودا کرتے ہو۔ پُراسرار شخص کا بھی کام کرتے ہو۔ اب پچاس ہزار کے لیے میرے بھی کام آؤ گے۔ کیا تمھارے لالچ کی حد ہے؟"

"یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔"

"مگر تم ہمارے مذہب سے تعلق رکھتے ہو۔ جب تمھیں چوری، بے ایمانی اور دھوکا دہی سے دولت حاصل کرنا تھی تو تم نے اسلام کیوں قبول کیا؟"

"تم اسلام قبول کرنے پر اعتراض نہیں کر سکتیں۔"

"قبول کرنے والے کو سمجھا تو سکتی ہوں۔"

"تمھاری عمر ابھی سمجھنے کی ہے، سمجھانے کی نہیں ہے۔"

وہ دروازہ کھول کر جانے لگا۔ پومی نے کہا "سلیمان جوگو! فرصت ملے تو خدا کا شکر ادا کرنا۔ تم محض اسلام قبول کرنے کی بنا پر زندہ نظر آ رہے ہو۔ ورنہ شاید میرے ہاتھوں مارے جاتے۔"

وہ غرّا کر بولا "کیا پدّی کیا پدّی کا شوربا۔ مجھے تمھاری خوش فہمی دور کرنا ہی ہو گی۔"

اسے اپنی توہین پر بڑی جلدی غصہ آ جاتا تھا۔ ایسے وقت وہ صرف انتقام کے متعلق سوچتا تھا۔ اس لمحے اُس نے ٹیلی پیتھی کے عذاب کو بھلا دیا۔ فوراً ہی کار سے نکل کر باہر آیا پھر اگلی سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے بولا "باہر آؤ۔ میں تمھیں ٹھوکروں میں اُڑاؤں گا۔"

پومی نے مسکرا کر دیکھا۔ پھر کہا "تمھارے پیچھے فرہاد ہے۔"

وہ بوکھلا کر پیچھے دیکھنے کے لیے گھومنے لگا۔ پہاڑ جیسا آدمی تھا۔ پیچھے دیکھنے میں جتنی دیر لگی، اتنی دیر میں پومی نے کار سے نکل کر ایک لات رسید کی۔ وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ اس کے قدم اکھڑ گئے۔ وہ فٹ پاتھ پر تھا۔ ڈگمگاتا ہوا سامنے ایک دکان کے شو ونڈو سے ٹکرایا۔ وہاں کا شیشہ ایک چھناکے سے ٹوٹ گیا۔ وہ ٹوٹے ہوئے شیشے سے گزر کر آدھا اندر گیا، آدھا باہر رہ گیا۔

اسی وقت کار اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔ وہ غصے سے دہاڑتے ہوئے گالیاں بکنے لگا۔ وہ اپنی دانست میں بڑی پھرتی سے شیشوں کے درمیان سے نکلا تھا۔ مگر پومی جونی بابا کے ساتھ جا چکی تھی۔ اِدھر اس کا لباس پھٹ گیا تھا اور جگہ جگہ سے خون بہنے لگا تھا۔ ایک کار تیزی سے سامنے آ کر رکی۔ وہ اگلی نشست کا دروازہ کھول کر بیٹھتے ہوئے بولا "ہری اپ، رولس رائس کا پیچھا کرو۔"

وہ اس کار میں کیسینو سے پومی کا پیچھا کرتا آیا تھا۔ گاڑی تیزی

سے آگے بڑھ گئی۔ اتنی ہی تیزی سے وہ غصے میں پاگل ہو رہا تھا۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا "یہ لڑکی کسی ایک آدمی یا کسی ایک تنظیم کے بس کی نہیں ہے۔ تمام تنظیموں کے افراد کو مل کر اسے گھیرنا ہوگا۔"

اس کی بڑی انسلٹ ہوئی تھی۔ ایسے میں وہ کام کی باتیں نہیں سوچ سکتا تھا۔ میں نے اُسے ایسا تاثر دیا جیسے اچانک کام کی بات سوجھ رہی ہو۔ وہ بے اختیار سوچنے لگا "ہاں۔ وہ دی کلر کا سر چاہتی ہے۔ کیوں نہ پُراسرار شخص کے آدمیوں کو اس کے پیچھے لگا دیا جائے؟"

یہ خیال آتے ہی اس نے پیچھے بیٹھے ہوئے افراد میں سے ایک کو مخاطب کیا اور ٹرانسمیٹر طلب کیا۔ چند سیکنڈ کے بعد ہی وہ ٹرانسمیٹر کے ذریعے پُراسرار شخص کے خاص ایجنٹ سے کہہ رہا تھا "ہیلو مسٹر نوکو! میں ایک گھنٹے کے اندر پومی کو تمہارے پاس پہنچا سکتا ہوں۔"

مسٹر نوکو نے پوچھا "اس کا مطلب ہے تم ہمارا کام کرو گے؟"

"ہاں مگر معاوضہ بڑھا دو۔"

"تیس ہزار ڈالر بہت ہوتے ہیں۔"

سلیمان جوگو نے کہا "یہ کم ہیں۔ پومی نے بابا صاحب کے ادارے سے نکلتے ہی تہلکہ مچا دیا ہے۔ اگر تم نے اسے قتل کر دیا تو تمام دشمنوں پر دھاک بیٹھ جائے گی۔ جو لوگ دی کلر کا سر لے جانا چاہتے ہیں، وہ اپنے ارادوں سے باز آ جائیں گے۔ تمہارا دی کلر کچھ عرصے کے لیے محفوظ رہے گا۔ اس کے تحفظ کے لیے تیس ہزار کم ہیں۔ چالیس ہزار دے دو۔"

دوسری طرف خاموشی رہی۔ سلیمان نے کہا "ماسٹر کی چھتیس ہزار دے رہا ہے۔ میں پومی کو وہاں پہنچاؤں گا تو وہ ماسٹر کی اس لڑکی سے دوستی کرے گا۔ دی کلر کے سر کے لیے ان کے درمیان کوئی معاہدہ ہو سکتا ہے۔ ایسے میں ماسٹر کی اور پومی کی مشترکہ قوت تمہاری پوزیشن کمزور کر دے گی۔"

مسٹر نوکو نے کہا "ہم خطرناک تنظیم کے افراد بڑی بڑی حکومتوں کی کمزوریوں سے کھیلتے ہیں اور تم ہماری کمزوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہو۔ اچھی بات ہے۔ چالیس ہزار مل جائیں گے۔ پومی کب ملے گی؟"

"ایک گھنٹے کے اندر مل سکتی ہے۔ میں اس سے دوستی کر کے تمہارے اڈے تک پہنچاؤں گا۔ ہو سکتا ہے، کچھ دیر لگے۔ ویسے صبح ہونے سے پہلے وہ تمہارے قدموں میں ہوگی۔ بائی دی وے، اسے کہاں پہنچایا جائے۔"

"پہلے اُسے قابو میں کرو۔ پھر ٹرانسمیٹر کے ذریعے تنہائی میں رابطہ قائم کرو، تب میں اس خفیہ مقام تک پہنچنے کے سلسلے میں تمہاری رہنمائی کروں گا۔"

سلیمان جوگو بات ختم کرنے کے لیے اوور اینڈ آل کہنے والا تھا۔ مسٹر نوکو نے کہا "ٹھہرو۔ ایک بار تم ماسٹر کی کے خدمت گزار بن کر ہمارے دی کلر سے ٹکرائے تھے۔ خود بھی نقصان اٹھایا تھا، دی کلر کو بھی نقصان پہنچایا تھا۔ اس بار تم پر بھروسا کرنے کی شرط یہ ہے کہ تم بھی پومی کے ساتھ آؤ گے، اس کے بعد ہی تمہیں منہ مانگا معاوضہ دیا جائے گا۔"

اس نے شرط مان لی۔ رابطہ ختم کر کے ٹرانسمیٹر اپنے آدمی کو دیتے ہوئے ڈرائیور سے کہا "رفتار بڑھاؤ اور اگلی گاڑی کے ساتھ چلو۔"

میں نے لومی کے پاس آ کر کہا "سلیمان جوگو اُس پچاس ہزار ڈالر کو کبھی نہیں چھوڑے گا، جو ڈیش بورڈ میں رکھے ہیں۔ گاڑی کی رفتار نارمل رکھو، وہ دوستی کہتے آ رہا ہے۔"

پومی کے کہنے پر جونی بابا نے گاڑی کی رفتار دھیمی کر دی۔ ایک منٹ کے بعد ہی سلیمان جوگو کی کار رولس رائس کے برابر چلنے لگی۔ سلیمان نے کہا "پومی! مجھے افسوس ہے، میں نے غصہ دکھایا۔ گاڑی روکو۔ میں تمہیں دی کلر تک پہنچا دوں گا۔"

گاڑی رک گئی۔ سلیمان جوگو نے رولس رائس کے پاس آ کر کہا "میں تمہیں خود دی کلر تک پہنچانے جاؤں گا۔ وعدے کے مطابق پچاس ہزار دو۔"

پومی نے مسکرا کر جونی بابا کو دیکھا۔ بے چارے نے ایک سرد آہ بھری ڈیش بورڈ کو کھولا۔ اس میں سے پچاس ہزار نکال کر دے دیئے۔ پومی نے وہ رقم سلیمان کو دیتے ہوئے کہا "گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔ تم میرے ساتھ چلو گے۔"

"بے شک چلوں گا۔ مگر پہلے یہ رقم اپنے آدمیوں کو دے کر آؤں گا۔"

پومی نے اعتراض نہیں کیا۔ وہ اپنی کار کے پاس گیا۔ اس رقم کو اپنے آدمیوں کے حوالے کیا۔ پھر واپس آ کر رولس رائس کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ وہ اپنے ساتھ ٹرانسمیٹر لے آیا تھا۔ دل ہی دل میں بہت خوش تھا۔ ایک تو پومی سے بڑی رقم لی تھی۔ دوسرے اسے جال میں پھانسنے لے جا رہا تھا۔

میں نے وانسورڈکی سے کہا "سلیمان جوگو جس کار سے اتر کر پومی کے پاس گیا ہے، اس کار میں جوگو کے تین آدمی ہیں اور جونی بابا کے پچاس ہزار ڈالر ہیں۔ ہو سکے تو وہ رقم ان سے واپس لے لو۔ میں تمہارے دماغ میں آتا رہوں گا۔"

میں نے پومی کے پاس آ کر دیکھا۔ سلیمان جوگو نے ایک پل کے پاس گاڑی رکوا دی تھی۔ کار سے اتر کر پل کی ریلنگ کے پاس چلا آیا تھا۔ اب تنہائی میں مسٹر نوکو سے یہ پوچھ رہا تھا "پتا بتاؤ، میں پومی کے ساتھ آ رہا ہوں۔"

مسٹر نوکو نے کہا "میں حیران ہوں، پومی اتنی آسانی سے تمہارے

فریب میں کیسے آ گئی۔"

سلیمان نے کہا "اُسے فریب دینا ضروری نہیں تھا۔ وہ خود ہی دی کلر تک پہنچنے کے لیے بے تاب تھی۔ اپنی مرضی سے آگ میں کودنا چاہتی ہے۔ کہتی ہے، مر جائے گی یا دی کلر کا سر لے جائے گی۔"

میں نے اُسے چھوڑ کر ماسٹر وانسورڈکی کی خبر لی۔ وہاں دونوں کاریں رکی ہوئی تھیں۔ ماسٹر ڈکی نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر ایک آدمی کو گریبان سے پکڑ کر باہر کھینچ لیا تھا۔ مگر دوسرے نے ریوالور نکال لیا تھا۔ وانسورڈکی نے جسے کھینچا تھا اُسے واپس ریوالور والے پر پھینک دیا تھا۔ صرف اتنا ہی نہیں خود اندر آ کر اُن پر لد گیا تھا۔ سلیمان جوگو کے آدمی اچھے فائٹر ہوں گے۔ مگر پچھلی سیٹ پر جگہ کم تھی۔ دو آدمیوں کے لڑنے کی گنجائش نہیں تھی۔ کجا یہ کہ وہاں تین پہلے سے تھے، اوپر سے وانسورڈکی آ گیا تھا۔ کسی کو ہاتھ پاؤں چلانے کی جگہ نہیں مل رہی تھی۔

ان میں سے ایک نے دوسرا دروازہ کھولا۔ اس وقت تک وانسورڈکی نیچے دبے ہوئے شخص سے ریوالور چھین لیا تھا۔ اب باہر نکل کر کہہ رہا تھا "وہ پچاس ہزار واپس کر دو۔"

ریوالور کے سامنے رقم واپس کرنا پڑی۔ وانسورڈکی ریوالور خالی کر کے خالی ہاتھوں سے ان کی پٹائی کرنا چاہتا تھا۔ میں نے کہا۔ "ماسٹر! وقت ضائع نہ کرو۔ رقم لے کر ہائی وے کے پل پر آؤ۔"

میں وہاں سے پومی کے پاس آیا۔ سلیمان جوگو کہہ رہا تھا "ہمیں ہل ٹریک کی طرف جانا ہوگا۔"

جونی بابا نے کہا "اوہ گاڈ! وہ یہاں سے ایک سو پچاس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ وہاں پہنچنے تک صبح ہو جائے گی۔"

میں نے پومی سے کہا "ابھی یہیں انتظار کرو۔ تمہارے ماسٹر وانسورڈکی آ رہے ہیں۔ تم ماسٹر کی کار میں پچھلی سیٹ پر سوتی ہوئی جاؤ گی تاکہ صبح تازہ دم رہ سکو۔"

تھوڑی دیر بعد وانسورڈکی اپنی رینٹل کار میں آ گیا۔ پومی نے کہا "سلیمان! تم اس کار کی اگلی سیٹ پر بیٹھو، میں آ رہی ہوں۔"

سلیمان جوگو دوسری کار میں چلا گیا۔ وانسورڈکی نے میرے مشورے کے مطابق اس کے پچاس ہزار چپکے سے دے کر کہا "یہ تمہاری امانت تمہیں لوٹائی جا رہی ہے۔ سلیمان جوگو دیکھنے نہ پائے۔ چپ چاپ رکھ لو۔"

پومی نے اس کے شانے کو تھپک کر کہا "جونی بابا! تمہارے ساتھ اچھا وقت گزرا، پھر کبھی ملاقات ہوگی۔"

جونی بابا نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے بڑی حسرت سے دیکھا۔ پھر کہا "تم میرے لیے آسمان ہو۔ میں اتنی اونچی پرواز نہیں کر سکوں گا۔" اس نے اس کی ہتھیلی کی پشت کو چوم لیا۔ پومی نے ہنستے ہوئے اپنا ہاتھ چھڑایا۔ پھر دوسری کار کی پچھلی سیٹ پر آ گئی۔ وانسورڈکی نے اسٹیئرنگ سیٹ سنبھالی۔ گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھاتے ہوئے پومی سے کہا "بے بی! آرام سے نیند پوری کرو۔ میں اور سلیمان جاگتے رہیں گے۔"

سلیمان نے کہا "مجھے بھی سونا چاہیے۔"

وانسورڈکی نے کہا "میں یہاں اجنبی ہوں۔ تم راستہ بتاؤ گے۔"

"ہائی وے پر چلتے رہو۔ تین گھنٹے بعد مجھے جگا دینا۔ ہم چار گھنٹے سے پہلے نہیں پہنچیں گے۔"

میں نے کہا "پومی! آرام کرو۔ میں صبح ہونے سے پہلے تمہارے پاس آ جاؤں گا۔"

میں اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔ سونیا آرام سے سو رہی تھی۔ شیبا بھی سو رہی ہوگی۔ میں نے اس کی ماما کے پاس پہنچ کر دیکھا۔ وہاں ایک آدھ گھنٹے کے بعد صبح ہونے والی تھی۔ ماما ٹیلی پیتھی کی نیند سو رہی تھی۔ میں نے انہیں آنکھ کھولنے پر مجبور کیا۔ ان کے دماغ نے میری ہدایت کے مطابق اپنے کمرے کی کھڑکی سے جھانک کر دوسرے کمرے میں دیکھا۔ وہاں شیبا سو رہی تھی۔ گھڑی میں چار بج کر پندرہ منٹ ہوئے تھے۔ میں نے ماما کو پھر سلا دیا۔

میں جناب شیخ الفارس سے ماما کے متعلق گفتگو کرنا چاہتا تھا مگر ابھی وقت نہیں تھا۔ میں نے ماسک مین کو مخاطب کیا۔ وہ بڑبڑا کر نیند سے بیدار ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ ایسی گھبراہٹ میں کیسے آنکھ کھل گئی؟

میں نے کہا "مجھے افسوس ہے۔ میں نے نیند میں خلل ڈالا۔"

وہ پریشانی بھول کر خوش ہو گیا "آپ فرہاد صاحب! آپ تو کسی وقت بھی آ سکتے ہیں۔"

"معاملہ بہت اہم ہے۔ اسی لیے آیا ہوں۔"

"فرمایئے۔"

"پومی کل صبح تک پُراسرار شخص کے خاص ایجنٹ مسٹر نوکو تک پہنچنے والی ہے۔ مسٹر نوکو ہل ٹریک میں رہتا ہے۔"

ماسک مین نے کہا "ہل ٹریک میلوں دور تک پھیلا ہوا علاقہ ہے۔ پومی کی منزل کہاں ہے؟"

"ہل ٹریک پہنچ کر سلیمان جوگو ٹرانسمیٹر کے ذریعے رابطہ قائم کرے گا۔ مسٹر نوکو اس کی راہنمائی کرے گا۔ ہمارے قیاس کے مطابق دی کلر وہیں کہیں ہے۔"

"آپ اطمینان رکھیں۔ صبح ہونے تک ہمارے مسلح افراد ہل ٹریک کے مختلف حصوں میں پہنچ جائیں گے۔ پومی کی ضرورت کے لیے ہیلی کاپٹر وہاں سے کچھ فاصلے پر رہے گا۔ طلب کرتے ہی پہنچ جائے گا۔"

میں نے کہا "ابھی ہم نہیں جانتے وہ جگہ کیسی ہوگی۔ حالات کیا ہوں گے، پومی کی ضروریات کیا ہوں گی۔ آپ اپنے آدمیوں کو سمجھا دیں، پومی کی کسی بھی غیر متوقع ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ذہنی طور پر تیار رہیں۔"

"بالکل یہی ہوگا۔ میں احکامات جاری کر رہا ہوں۔"

میں نے اپنی جگہ حاضر ہو کر خود کو بستر پر گرا دیا۔ دماغ کو ہدایات دیں۔ پھر چند سیکنڈ کے بعد ہی گہری نیند سو گیا۔

میں چاہتا تو مسٹر نوکو کے دماغ میں پہنچتا اور معلوم کر لیتا کہ... ہل ٹریک کے کس حصے میں وہ پومی کو بلا رہا ہے۔ مگر میں نے احتیاطاً خیال خوانی سے پرہیز کیا۔ مسٹر نوکو یوگا کا ماہر ہو سکتا تھا۔

دشمن اتنے نادان نہیں ہوتے، جتنا ہم سمجھتے ہیں۔ برسوں سے یہ اٹل حقیقت ہے کہ میری تمام ساتھی عورتوں کے پیچھے ٹیلی پیتھی کا ہتھیار چھپا ہوتا ہے۔ مسٹر نوکو یقیناً سمجھتا ہوگا کہ پومی تنہا ہوگی۔ مگر فرہاد اس کے اندر چھپا ہوگا۔

صبح پانچ بجے آنکھ کھل گئی۔ میں نے کروٹ بدل کر دیکھا۔ سونیا بستر پر نہیں تھی۔ وہ بحری جہاز کے عرشے پر کھڑی ہوئی تھی۔ آس پاس کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ سمندر پر گہری دھند کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ میں نے کہا "سردی لگ جائے گی۔ پائلٹ کے کیبن میں جاؤ اور معلوم کرو، ہم کب تک ساحل پر پہنچیں گے۔"

وہ عرشے سے نیچے آتے ہوئے بولی "ہم ایک گھنٹے کے اندر نیویارک کی بندرگاہ میں پہنچ جائیں گے۔ میں نے ماسک مین سے کہہ دیا ہے، اس جہاز کو لنگر انداز ہونے میں کافی وقت لگے گا، ہمیں فوراً موٹر بوٹ میں ساحل تک پہنچایا جائے۔ میں تمہارے جاگنے کا انتظار کر رہی تھی۔ فوراً منہ ہاتھ دھو کر تیار ہو جاؤ۔"

میں نے بستر سے اٹھ کر کہا "شہر مونٹریال سے جو ہائی وے نیویارک تک ہے، پچھلی رات پومی اس پر سفر کر رہی تھی۔ اور ہل ٹریک تک جانا چاہتی تھی، اس کا مطلب ہے، وہ میلوں دور تک پھیلا ہوا ہل ٹریک کا علاقہ شہر مونٹریال اور نیویارک کے درمیان ہے۔ ہم بھی وہاں پہنچ سکتے ہیں۔ میرے تیار ہونے تک تم وہاں کا جغرافیہ معلوم کرو۔"

میں وہاں سے جسمانی طور پر باتھ روم میں گیا اور دماغی طور پر پومی کے پاس پہنچ گیا۔ وہ نیند سے بیدار ہو گئی تھی۔ ان کی کار ایک ہائی وے کے ہوٹل کے سامنے رکی ہوئی تھی۔ وہ غسل وغیرہ کرنے ہوٹل کے باتھ روم میں جا رہی تھی۔

میں نے سلیمان جوگو کی خبر لی۔ وہ بھی ایک باتھ روم میں تھا اور دھیمی آواز میں ٹرانسیٹر کے ذریعے گفتگو کر رہا تھا۔ دوسری طرف سے مسٹر نوکو کہہ رہا تھا "تم جہاں ہو، وہاں سے دس کلومیٹر اور آگے آؤ۔ وہاں ایک ڈے اینڈ نائٹ موٹیل ہے۔ موٹیل کے بائیں جانب راستے پر چلو، وہاں سے پہاڑی راستہ شروع ہوگا۔"

سلیمان نے کہا "پہاڑی راستے پیچیدہ ہوتے ہیں، ہم بھٹک جائیں گے۔"

"نہیں بھٹکو گے۔ پہاڑی راستہ پندرہ کلومیٹر تک جاتا ہے۔ وہاں سے آگے گاڑیاں نہیں گزر سکتیں۔ پیدل یا خچر پر جانا ہوگا۔ دونوں گاڑی سے اتر کر پیدل چلو گے تو ہر ایک کلومیٹر پر کسی درخت پر چھوٹے چھوٹے سائن بورڈ نظر آئیں گے، جن پر لکھا ہوگا "نوکو کیسل" یعنی نوکو کا قلعہ۔ ہر سائن بورڈ پر تیر کا نشان ہوگا۔ ان نشانات کے ذریعے یہاں پہنچ جاؤ گے۔"

"ٹھیک ہے۔ کوئی پریشانی ہوگی تو پھر رابطہ قائم کروں گا۔ میری رقم تیار رکھنا۔"

اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ وہ سب نہا دھو کر تیار ہو رہے تھے۔ ناشتہ کرنے کے بعد وہاں سے روانہ ہونے والے تھے۔ میں نہا دھو کر کمرے میں آ گیا۔ سونیا ناشتہ لے کر آ گئی۔ میں نے اس سے پانچ منٹ کی خیال خوانی کی اجازت لی۔ ماسک مین کو نوکو کے قلعے تک پہنچنے کا راستہ بتایا۔ پھر سونیا کے پاس واپس آ کر ناشتہ کرتے ہوئے پومی کے حالات تفصیل سے بتانے لگا۔

ناشتہ کرنے کے بعد ہم کیبن سے باہر آئے۔ ہمارے لیے ایک موٹر بوٹ تیار تھی۔ ہم نے میری اور ہڈسن کا سامان اور پاسپورٹ وغیرہ لیا۔ موٹر بوٹ میں سوار ہوئے اور ساحل کی طرف چل پڑے۔ ماسک مین کا خاص ماتحت ہمارے ساتھ تھا۔ وہ ہمیں ہل ٹریک علاقے کے متعلق بتانے لگا۔ اس نے کہا "نیویارک پہنچتے ہی بائی روڈ سفر کرنے کے لیے نئے ماڈل کی کار مل جائے گی۔ ملبوسات اور ضروریات کا دوسرا سامان بھی مل جائے گا۔ آپ ہیلی کاپٹر کے ذریعے بھی جا سکتے ہیں۔"

میں نے سونیا کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ اس نے کہا "ہم بذریعہ کار جائیں گے۔ ہمیں خیال خوانی کرنے کا کافی موقع ملے گا۔ میں چاہتی ہوں، پومی ہماری مدد کے بغیر غیر معمولی کارنامے انجام دینے کا ریکارڈ قائم کرے۔ بہت مجبوری ہوگی تو ہم مداخلت کریں گے۔"

میں نے تائید کی۔ پھر سوچ کے ذریعے شیبا کی ماما کے متعلق اس نے کہا "یہ معزز خاتون ہمارے لیے مسئلہ بن جائیں گی۔ تم شیخ صاحب سے بات کرو۔"

میں جناب شیخ الفارس کے پاس پہنچ گیا۔ انہیں ماما کے متعلق بتانے لگا۔ انھوں نے کہا "دو روز پہلے شیبا کی ماما ادارے سے باہر جانے کی اجازت مانگ رہی تھیں۔"

میں نے ماما کو سمجھایا، باہر دشمن تاک میں لگے ہیں۔ وہ کہنے لگیں، میں دشمنوں کے ڈر سے اپنا مذہب نہیں چھوڑ سکتی، میں اپنے سنیاگوگ (یہودیوں کی عبادت گاہ) میں جا کر عبادت کرنا چاہتی ہوں۔

میں نے انھیں ہر پہلو سے سمجھایا تو وہ خاموش ہو گئیں مگر ان کے تیور بتا رہے تھے کہ انھیں زیادہ عرصے تک یہاں روکا نہیں جا سکے گا۔"

جناب شیخ الفارس، ماما کے متعلق بیان دیتے وقت تشویش میں مبتلا تھے۔ میں نے کہا "آپ شیبا کو سمجھائیے۔ اگر ماما باہر جائیں گی اور پکڑی جائیں گی تو دشمن، ماما کو شیبا کی کمزوری بنا لیں گے۔"

مجھے شیخ صاحب کے دماغ میں شیبا کی سوچ سنائی دی۔ اس نے کہا "میں ماما کو یہ اچھی طرح سمجھا چکی ہوں۔ وہ ایک ہی بات کہتی ہیں۔ ربی اسفندیار مجھ سے غلطی کی معافی مانگ لیں گے۔ ہمیں اپنی قوم کے درمیان رہنا چاہیے۔"

میں نے پوچھا "تم کیا کہتی ہو؟"

"میں ربی پر کبھی بھروسا نہیں کروں گی۔ فرہاد! میں تمہیں اور شیخ صاحب کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔"

شیخ صاحب نے کہا "بیٹی! تم انھیں جتنے دن روک سکتی ہو یہاں روکے رکھو۔ اس عرصے میں ان کے لیے پیرس میں کوئی ٹھکانہ بنایا جائے گا۔ وہ مذہبی عقیدے کے مطابق سنیاگوگ میں جا کر عبادت کر سکیں گی۔ مگر ان کا چہرہ تبدیل کر دیا جائے گا۔"

"پھر تو میں بھی روپ بدل کر ماما کے ساتھ سنیاگوگ میں قدم رکھ سکوں گی۔ میرا دل بھی وہاں جانے کو چاہتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ ضرور جانا۔ مگر ابھی ماما کو ٹالنے کی کوشش کرو۔"

"اچھی بات ہے۔ فرہاد تم بتاؤ ابھی کیا پروگرام ہے؟"

میں نے شیبا کو پومی کے متعلق بتانے کے بعد کہا "میں اور سونیا نیویارک پہنچ رہے ہیں۔ تم پومی کے پاس رہو۔ کوئی اہم اطلاع ہو تو میرے دماغ میں آ جانا۔"

میں ان سے رخصت ہو کر موٹر بوٹ میں حاضر ہو گیا۔ ہم بندرگاہ کے اس پلیٹ فارم میں پہنچ گئے تھے، جو موٹر بوٹ کے لیے مخصوص تھا۔ وہاں ہمارے پاسپورٹ اور سامان کی چیکنگ ہوئی۔ پھر ہم پارکنگ شیڈ میں پہنچے، ہمارے لیے ایک کار موجود تھی۔ اس کار نے ہمیں ایک چھوٹے سے بنگلے میں پہنچا دیا۔ وہاں دو کمرے تھے۔ وہ دونوں کمرے جیسے ڈیپارٹمنٹل اسٹور بنے ہوئے تھے۔ میرے اور سونیا کے لیے ملبوسات کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ میک اپ اور شیونگ کا سامان، مختلف ڈیزائن کے جوتے، ریوالور، چاقو اور اسٹین گن اور نہ جانے کیا کچھ تھا۔

میں نے ماسک مین کے خاص ماتحت سے پوچھا "یہ سب کیا ہے؟"

اس نے جواب دیا "یہاں ریڈ پاور کا باس میں ہوں۔ میں نے اپنے آدمیوں سے کہہ دیا ہے نیویارک میں آپ دونوں کو کسی چیز کی کمی نہ ہو۔ آپ جب تک لباس وغیرہ تبدیل کر کے آگے جانے کے لیے تیار ہوں گے، تب تک اس بنگلے کے سامنے نئے ماڈل کی ایک درجن کاریں موجود ہوں گی۔"

میں نے کہا "تم اس قدر اہتمام کرو گے تو دشمن یہ ضرور سوچیں گے کہ ہم بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ یہ تو سب جانتے ہیں کہ سونیا اور ڈاکٹر ٹمے کاکس کو ریڈ پاور کے بحری جہاز میں پہنچایا گیا ہے۔ سب کی نظریں ہم پر ہوں گی۔ لہٰذا ہم انھیں دھوکا دے کر نکلنا چاہتے ہیں۔"

"آپ اپنا طریقۂ کار بتائیں۔ ہم اُس پر عمل کریں گے۔"

"وہ جو ایک درجن نئے ماڈل کی کاریں آ رہی ہیں، انھیں ترک دو۔ صرف ایک مرسڈیز کافی ہے۔ جب ہم یہاں سے نکلیں تو ہمارے آگے پیچھے کسی کو نگرانی کے لیے نہیں رہنا چاہیے۔ ضرورت پڑی تو تم سے خیال خوانی کے ذریعے بات کروں گا۔"

باس نے ایک بڑی سی اٹیچی کھول کر کہا "اس میں الیکٹرونک آلات ہیں۔ آپ پہاڑی علاقے میں جا رہے ہیں۔ ان کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔"

اس نے ایک چھوٹا سا کیلکولیٹر نکالا۔ وہ چھ انچ لانبا اور تین انچ چوڑا تھا۔ دراصل وہ ایک ڈیٹکٹو آلہ تھا۔ اُسے آپریٹ کرنے سے سُرخ سگنل کے ذریعے معلوم ہوتا تھا کہ آس پاس دس گز کے فاصلے پر کوئی چھپا ہوا ہے۔ اگر اس نے کوئی ہتھیار چھپایا ہو تو اس کا بھی سراغ مل جاتا تھا۔

اس سراغرساں آلے میں سُرخ سگنل کے نیچے ایک چھوٹا سا بٹن تھا۔ اسے دباتے ہی فائر کرنے والے ہتھیاروں کا نشانہ بہک جاتا تھا۔ دشمن کبھی صحیح ٹارگٹ پر فائر نہیں کر سکتے تھے۔

اس آلے کی تیسری خصوصیت یہ تھی کہ ایک مخصوص بٹن کو دباتے ہی اُس کے اوپری حصے سے باریک سا تار نکلتا تھا اور تیزی سے پچاس فٹ کی بلندی پر پہنچ کر کمند کی طرح اٹک جاتا تھا۔ دوسرا بٹن دبانے پر اس آلے کو مضبوطی سے پکڑنے والا آلے کے ساتھ [illegible] بلندی پر پہنچ جاتا تھا۔ پہاڑی علاقے میں درختوں اور چٹانوں پر چڑھنے کے لیے یہ آلہ ضروری تھا۔ میں نے اور سونیا نے ایک ایک آلہ اپنے پاس رکھ لیا۔ ہم وہاں سے صبح نو بجے روانہ ہوئے۔ سونیا ڈرائیو کر رہی تھی۔ میں نے کہا "شیبا نے ابھی تک مجھ سے رابطہ قائم نہیں کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پومی خیریت سے ہے۔"

"ہو سکتا ہے، شیبا خیریت سے نہ ہو۔ اس کے پیٹ میں درد ہو رہا ہو۔ وہ وقتی طور پر کسی وجہ سے خیال خوانی کرنے کے قابل نہ ہو تو کیا تم پومی کو بخیریت سمجھتے رہو گے۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا "تم یہ بات سیدھی طرح بھی کہہ سکتی ہو کہ مجھے پومی کی خیریت معلوم کرنا چاہیے۔"

میں نے خیال خوانی شروع کر دی۔ پومی نے بابا صاحب کے ادارے میں رہ کر مکمل ٹریننگ حاصل کی تھی۔ اس نے ہل ٹریک

کی طرف جانے سے پہلے اس علاقے کے متعلق ہوٹل والوں سے معلومات حاصل کی تھیں۔ جب معلوم ہوا کہ اونچے درختوں اور پہاڑی چٹانوں سے گزرنا ہوگا تو اس نے ایک لانبا سا چاقو اور رسّیوں کا ایک بنڈل خرید لیا۔ ہوٹل کے منیجر نے کہا "جہاں تک گاڑی جاتی ہے، اس کے بعد سفر کرنے کے لیے کرائے پر خچّر مل جاتے ہیں۔"

اس نے پوچھا "وہاں سے لوکو کیسل کتنی دور ہے؟"

منیجر نے کہا "میں کبھی کیسل کی طرف نہیں گیا۔ سنا ہے، وہ قلعہ کسی دوسری پہاڑی پر ہے۔ ہینگنگ چیئر (لٹکنے والی کرسی) پر بیٹھ کر ایک پہاڑی سے دوسری پہاڑی کے قلعے تک جانا پڑتا ہے۔"

پلومی نے وہاں سے روانہ ہوتے وقت سلیمان جوگو سے کہا "مسٹر لوکو اس کیسل کے متعلق قسطوں میں رہنمائی کر رہا ہے۔ وہ ایک ہی بار نہیں بتا رہا ہے کہ وہ قلعہ کتنی دور ہے اور وہاں کا راستہ کتنا دشوار گزار ہے۔"

سلیمان جوگو نے کہا "شاید وہ سوچتا ہو کہ راستوں کی دشواری کا علم ہوگا تو تم وہاں تک جانے سے انکار کر دوگی۔"

"نہیں، وہ سمجھ گیا ہے کہ میں دی کلر کا سر کاٹنے کے لیے جہنّم میں بھی جا سکتی ہوں۔ وہ ہمیں لمبا چکّر دے رہا ہے۔"

سلیمان جوگو کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ پلومی اس کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ پچھلی سیٹ پر وانسورو کی سو رہا تھا۔ پلومی نے کہا "اگر اس نے کوئی جال بچھایا ہے تو اس کے لیے اور تمھارے لیے مہنگا پڑے گا۔"

"تم مجھے کیوں کہہ رہی ہو؟"

"اس لیے کہ میں نے تمھیں پچاس ہزار ڈالر دیے ہیں۔ میں ایک ایک ڈالر تمھارے ایک ایک روئیں سے حاصل کروں گی۔"

"میں تمھارا یہ چیلنج برداشت نہیں کروں گا۔"

"برداشت نہ کرنے کے لیے تمھیں رقم واپس کرنا ہوگی۔"

"جو چیز میرے ہاتھ میں آجائے، وہ میری ہو جاتی ہے، اسے کوئی واپس نہیں لے سکتا۔"

"اگر میں واپس لے لوں تو؟"

"تو میں تمھاری برتری تسلیم کر لوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ ابھی فرہاد ٹیلی پیتھی کے ذریعے تمھیں دی ہوئی رقم تمھارے آدمیوں سے حاصل کر لیں گے۔"

"ٹیلی پیتھی کا سہارا لینا دلیری اور ذہانت نہیں ہے۔"

"تم نے مجھے قابو میں کرنے کے لیے سب سے پہلے ریوالور کا سہارا لیا تھا۔ کیا یہ دلیری تھی؟ مسٹر سلیمان جوگو! دشمن کو کمزور بنانے اور اسے قابو میں رکھنے کے لیے جائز اور ناجائز ذرائع اختیار کیے جاتے ہیں۔"

وہ خاموش رہا۔ انھوں نے پختہ سڑک تک سفر کر لیا تھا۔ چار پہیوں کی گاڑی کے لیے راستہ نہیں تھا۔ کچھ فاصلے پر ایک بہت بڑا اصطبل دکھائی دے رہا تھا۔ وہاں خچّر نظر آرہے تھے۔ کار میں آنے والوں کو دیکھتے ہی اصطبل کے مالک نے خیر مقدم کیا۔ اس سے خچّروں کا کرایہ طے ہوا۔ وہ دونوں خچّروں پر بیٹھ کر جانے لگے۔ کچھ دور جانے کے بعد پلومی نے کہا "سلیمان! یہ خچّر تمھیں زیادہ دور نہیں لے جا سکے گا۔ تمھارے بھاری بھرکم وجود کا تقاضا ہے کہ ایک فاضل خچّر لے چلو۔"

اس نے یہی کیا۔ وہ ایک فاضل خچّر پر رسّیوں کا بنڈل لاد کر لے جانے لگے۔ وہ پگڈنڈی نما راستے پر رفتہ رفتہ اونچائی کی طرف جا رہے تھے یعنی پہاڑی پر چڑھ رہے تھے۔ ایک پگڈنڈی آگے جا کر کئی بار مختلف سمتیں اختیار کرتی تھی۔ ایسی جگہ کسی درخت پر "لوکو کیسل" کا بورڈ نظر آتا تھا اور تیر کے ذریعے صحیح سمت کی رہنمائی ہو جاتی تھی۔

ایک جگہ سلیمان جوگو نے رک کر کہا "تم آگے چلو۔ میں ذرا ٹرانسمیٹر کے ذریعے ضروری معلومات حاصل کروں گا۔"

"سلیمان! جب ہم ہمسفر ہیں اور منزل ایک ہے تو مسٹر لوکو سے میری موجودگی میں بات کیوں نہیں کرتے؟"

"میں تمھاری بات کا یہی جواب دے سکتا ہوں کہ میں اپنے معاملات میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔"

پلومی نے کہا "سنا تھا دال میں کالا ہوتا ہے، تمھارے دل میں کالا ہے۔"

وہ آگے بڑھ گئی۔ سلیمان نے ٹرانسمیٹر کے ذریعے رابطہ قائم کرنے کے بعد کہا "ہم تمھارے سائن بورڈ نمبر چھ تک پہنچ گئے ہیں اور کتنی دور آنا ہوگا؟"

مسٹر لوکو نے جواب دیا "اور بیس میل تک چلے آؤ۔ تمھیں قلعہ نظر آئے گا۔"

"بیس میل؟" سلیمان نے حیرانی اور بیزاری سے کہا "یہ تو بہت دُور ہے۔"

"چالیس ہزار ڈالر حاصل کرنے کے لیے زیادہ دور نہیں ہے۔"

مسٹر لوکو نے مزید کچھ کہے سنے بغیر رابطہ ختم کر دیا۔ سلیمان جوگو غصّے میں ٹرانسمیٹر کو پٹخ دینا چاہتا تھا مگر دماغ نے سمجھایا "مسٹر لوکو سے بات کرنے کا یہی ایک ذریعہ ہے۔ یہ ٹوٹ جائے گا تو وہ بھٹکتا رہ جائے گا۔ لوکو تک نہیں پہنچ سکے گا اور چالیس ہزار ڈالر ڈوب جائیں گے۔

وہ صبر کرتا ہوا، خچّر کو ہانکتا ہوا پلومی کے پاس آگیا۔ وہ [بولی] "تمھارے منہ پر بارہ بج رہے ہیں۔"

"یو شٹ اپ۔"

"آخر غصّہ کس بات پر ہے؟"

"ہمیں اور بیس میل چلنا ہوگا۔"

"حالانکہ تم نہیں چل رہے ہو۔ خچّر چل رہا ہے۔"

"تمھاری بات زہر لگتی ہے۔ کیا تم خاموش نہیں رہ سکتیں؟"

وہ خاموش ہو گئی۔ مگر یکبارگی سلیمان جوگو کے حلق سے چیخ [نـ]کلی۔ وہ خچّر پر سے اُلٹ کر زمین پر پہنچا اور وہ خچّر اوپر اٹھنے [لـ]گا۔ فضا میں بلند ہونے لگا۔ جلد ہی یہ بات سمجھ میں آگئی کہ اُس [خـ]چّر کا پاؤں ایک شکنجے میں پھنس گیا تھا اور وہ بلند ہوتا ہوا [د]رخت کی ایک شاخ سے جھول رہا تھا۔

جنگل میں دشمنوں کو پھانسنے کے لیے اونچی گھاسوں کے [د]رمیان ایسے ہی شکنجے بچھائے جاتے ہیں یا رسّی کے پھندے [ڈ]الے جاتے ہیں۔ جس کا پاؤں اس پھندے یا شکنجے میں پہنچتا ہے [و]ہ پھر پاؤں آگے نہیں بڑھا سکتا۔ پھندا یا شکنجہ اس کے پاؤں کو جکڑتا ہے۔ اس شکنجے کی رسّی جو درخت کی کسی شاخ سے بندھی ہوتی ہے، وہ اس رسّی میں جھولتا ہوا پھر اپنے بس میں نہیں رہتا۔

آدمی اس وقت تک اپنے بس میں ہوتا ہے جب تک اس کے قدم نہیں اکھڑتے۔ ایک بار زمین سے الگ ہو جانے کے بعد کوئی بھی اندھا تیر اسے زندگی کا آخری سبق سکھا سکتا ہے۔

اچانک خچّر نے بے ہنگم سی آواز نکالی اور ٹھنڈا پڑ گیا۔ کسی اندھے تیر نے اس کا کام تمام کر دیا تھا۔ اگر اس کی جگہ سلیمان یا پلومی کا پاؤں پڑتا تو ان کا بھی یہی انجام ہوتا۔

سلیمان جوگو چند لمحوں تک گم صُم سا ہو کر لٹکتے ہوئے خچّر کو دیکھتا رہا۔ پلومی نے کہا "یہ عبرت کا مقام ہے۔ اگر میرے دشمن کو اپنا دوست سمجھ رہے ہو تو اپنی گمراہی کو سمجھ لو۔ میرے کام آؤ یا نہ آؤ، اپنے انجام کو سوچ لو۔"

وہ حقیقت تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ ہماری دنیا میں بہت سے لوگ ہیں جو بُرے انجام کو آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بھی بُرے انجام تک جاتے ہیں اور اس خوش فہمی میں مبتلا رہتے ہیں کہ اُن کا بھلا ہوگا اور ان پر بدبختی کبھی نہیں آئے گی۔ اس نے پلومی کو ڈانٹ کر کہا "کیا بکواس کرتی ہو؟ میں تمھارے دشمن کو اپنا دوست نہیں سمجھ رہا ہوں۔"

"پھر تمھارے دوست کی تدبیر نے تمھارے خچّر کو کیوں اٹھا لیا؟ دنیا سے ہی اٹھا لیا۔ پیدل ہوتے تو تم ہی اُٹھ جاتے۔ میں پھر سمجھا رہی ہوں، ہم جس سے ملنے جا رہے ہیں، وہ کسی کا دوست نہیں ہے۔ صرف اپنا مفاد دیکھتا ہے۔"

سلیمان جوگو نے اکڑ کر کہا "اگر وہ دشمن ثابت ہوا تو میں اس کا سر توڑ دوں گا۔"

پلومی اب احتیاط سے چل رہی تھی۔ کسی درخت کے نیچے سے نہیں گزرتی تھی کیونکہ کمند صرف درختوں کے نیچے ہی بچھائی جا سکتی تھی۔ انھوں نے اندازہ لگایا کہ ہر کلومیٹر کے بعد لوکو کیسل کا بورڈ کسی درخت پر نظر آتا ہے اور اس پر بورڈ نمبر لکھا ہوتا ہے۔ یعنی ہر بورڈ سنگِ میل ہوتا ہے۔ اس حساب سے انھوں نے دس کلومیٹر کا فاصلہ طے کر لیا تھا۔

دھوپ تیز تھی، سخت گرمی تھی۔ سلیمان نے ایک درخت کے سائے میں احتیاط سے جانے کے بعد پسینہ پونچھتے ہوئے کہا "مسٹر لوکو نے مجھے تھکا مارا ہے۔"

پھر اس نے پلومی کو دیکھ کر حیرانی سے پوچھا "کیا شعلے کی طرح دہکتی دھوپ تم پر اثر نہیں کر رہی ہے؟"

وہ بولی "میرا ماسٹر وانسورو کی بہت ظالم ہے۔ یوں تو باپ کی طرح محبت کرتا ہے مگر ٹریننگ کے وقت بے رحم بن جاتا ہے۔ اس نے جہنّم جیسی دہکتی ہوئی آگ کے سامنے کئی بار ورزش کرائی۔ پہلے پہل میں دو چار بار بے ہوش ہوئی پھر رفتہ رفتہ عادی ہوتی گئی۔ اب جہنّم کی گرمی ہو یا قطب شمالی کی جان لیوا برف باری ہو، مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔"

سلیمان جوگو نے حاسدانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "میرا کوئی استاد نہیں ہے۔ میں قدرتی طور پر پہاڑ ہوں، شہ زور ہوں اور دشمنوں پر غالب آجاتا ہوں۔ تم اپنے استاد وانسورو کی

کی دھونس نہ جماؤ۔ تمھاری برتری اس لیے قائم رہتی ہے کہ تم جمناسٹک کے کرتب جانتی ہو۔ چھلاوے کی طرح اِدھر سے اُدھر ہو جاتی ہو۔"

پلومی نے کہا "کسی بھی لڑنے والے کی ایک خصوصیت ہوتی ہے۔ کوئی تمھارے جیسا طاقت میں برتر ہوتا ہے۔ کوئی داؤ پیچ سے بازی لے جاتا ہے میں جس طرح بازی لے جاتی ہوں، یہ رفتہ رفتہ تمھاری سمجھ میں آئے گا۔"

"تم ابھی سمجھا دو"

پلومی نے کہا "سمجھانے سے خرد ماغ لوگوں کی سمجھ میں بات نہیں آتی۔ پھر بھی راز کی بات بتا رہی ہوں۔ فرہاد اور اس کی ساتھی عورتوں کی کامیابی کا راز ان کی حاضر دماغی میں ہے اور حاضر دماغی اسی وقت قائم رہتی ہے، جب انسان غصے پر قابو پانا سیکھ لے اور تم شاید یہ کبھی نہ کر سکو۔"

وہ غصے سے گرج کر بولا "تم مجھے خرد ماغ سمجھتی ہو؟"

"دیکھو۔ میں نے غصہ دلایا اور تمھیں غصہ آگیا یہی انسانی کمزوری ہے۔"

"مجھے بزرگوں کی طرح سمجھانے کی کوشش نہ کرو۔ میں تم سے زیادہ سمجھتا ہوں۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی جیسے آسمان سے کوئی کود پڑا ہو۔ ویسے ہی ایک درخت سے کسی نے چھلانگ لگائی۔ وہ سیاہ لبادے میں تھا۔ اس کے ساتھ ہی کئی سیاہ پوش نظر آئے۔ وہ سب اپنے اپنے ہاتھ میں ہتھوڑا لیے ہوئے تھے اور بلائے ناگہانی کی طرح حملے کر رہے تھے۔

مجھے پلومی کی فکر نہیں تھی۔ وہ جمناسٹک کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ ہاہپ ہپ، ہاہپ ہپ کی آواز کے ساتھ ہتھوڑا گروپ کے قابو میں نہیں آرہی تھی کئی ہتھوڑا برداروں نے کامیابی سے حملہ کیا تھا، مگر ہر حملے پر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا تھا۔ وہ حیران تھے، پریشان تھے کہ کس بجلی پر حملہ کر رہے ہیں۔ وہ ایک پل میں اِدھر ہوتی تھی، دوسرے پل میں اُدھر چلی جاتی تھی گیلے صابن کو پکڑا جا سکتا تھا مگر اسے ایک ساعت کے لیے بھی گرفت میں لینا ممکن نہ تھا۔

میں نے سلیمان جوگو کی خبر لی۔ وہ پھرتیلا نہیں تھا۔ اُس کے سر پر اور جسم کے کئی حصوں پر وقتاً فوقتاً ہتھوڑے برستے تھے مگر وہ جی دار تھا۔ ایسے جوابی حملے کرتا تھا کہ ہتھوڑا بردار اس کا ایک ہاتھ کھانے کے بعد دوبارہ زمین سے اٹھنے کے قابل نہیں رہتا تھا۔

ہتھوڑا گروپ کے افراد اونچے درختوں کی اونچی شاخوں سے چھلانگیں لگاتے تھے۔ پلک جھپکتے ہی آتے تھے اور حملہ کر کے فضا میں چھلانگیں لگاتے ہوئے کسی دوسرے درخت کی شاخوں پر پہنچ جاتے تھے۔

وہ آدم بیزار پرندے نہیں تھے کہ اُڑتے ہوئے نیچے آتے اور انھیں چونچیں مار کر دوسرے درختوں پر پہنچ جاتے، پلومی نے سمجھ لیا، وہ اسپرنگ والے جوتے پہنے ہوئے تھے اوپر سے زمین پر آتے تھے پھر آپ ہی آپ اچھلتے ہوئے دوسرے درخت پر پہنچ جاتے تھے۔ سیاہ لباس میں چمگادڑ جیسے لگ رہے تھے۔ وہ تعداد میں چھ ہوں گے ایک چھلاوے کی طرح اِدھر سے آتے تھے، اُدھر نکل جاتے تھے۔

ان کے حملوں سے بچنا تقریباً ناممکن تھا۔ سلیمان جوگو کو یقین ہو گیا کہ یہاں پلومی کا کام تمام ہو جائے گا۔ اس میدانِ جنگ میں جمناسٹک کے کمالات دکھائے نہیں جا سکتے تھے۔ وہ مار کھاتا جا رہا تھا اور بچاؤ کرتا جا رہا تھا۔

مگر پلومی؟ پلومی کہاں ہے؟

وہ کہیں بھاگ کر نہیں جا سکتی تھی۔ سلیمان نے اپنا بچاؤ کرتے ہوئے دیکھا تو دل دھک سے رہ گیا۔ وہ زمین پر گر پڑی تھی۔ ظاہر ہے ہتھوڑے کھانے کے بعد کون زندہ رہ سکتا ہے مگر اس کی موت سے سلیمان جوگو کے چالیس ہزار ڈوب رہے تھے، اگر وہ پلومی کو زندہ مسٹر لوکوتک نہ پہنچاتا تو اسے ایک ڈالر بھی نہ ملتا۔

وہ غصے سے چیخ چیخ کر حملہ کرنے والوں کو گالیاں دینے لگا۔ اسی وقت پلومی کی آواز سنائی دی "کیوں حلق پھاڑ رہے ہو۔ زمین پر کیوں نہیں لیٹ جاتے؟"

اس نے حیرانی اور بے یقینی سے پلومی کو دیکھا۔ اسی وقت ایک ہتھوڑا پڑا۔ وہ چیخ مار کر زمین پر چاروں شانے چت ہو گیا۔ اسے آسمان اور اونچے اونچے درخت نظر آرہے تھے۔ حملہ آور بلندی سے آرہے تھے مگر اب حملہ کرنے کے لیے انھیں زمین کی طرف جھکنا پڑتا۔ پاؤں میں اسپرنگ والے جوتے تھے۔ جھکنے سے توازن بگڑ جاتا تھا۔ وہ زمین پر قدم نہیں جما سکتے تھے۔ جوتے انھیں اچھالتے رہتے تھے، انھوں نے حملہ کرنے کا ایک ہی انداز سیکھا تھا۔ اوپر سے آنا اور ہتھوڑا مارتے ہوئے کسی درخت پر پہنچ جانا۔ اب وہ ایسا نہیں کر رہے تھے۔

سلیمان جوگو چاروں شانے چت پڑا ہوا آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر سوچ رہا تھا "یہ کمبخت واقعی حاضر دماغ ہے۔ بچاؤ کی اتنی سی تدبیر میرے دماغ میں کیوں نہیں آئی؟"

ان سے کچھ فاصلے پر حملہ کرنے والے نظر آرہے تھے۔ وہ اب اچھلتے ہوئے درختوں پر نہیں جا رہے تھے۔ زمین پر

...آہستہ یوں اچھل رہے تھے جیسے قدم جمانے کی کوشش کر ...ہے ہوں۔ یہ ممکن نہ تھا کہ پاؤں کے نیچے اسپرنگ ہوں اور ...پل بھر کو کہیں کھڑے رہ سکیں۔ وہ مختلف درختوں کا سہارا ...رہے تھے۔ انھیں پکڑ کر ایک جگہ ٹھہر رہے تھے اور ...وں کے تلے سے اسپرنگ کھینچ کر علیحدہ کر رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد ہی وہ سب قدم جمائے کھڑے تھے۔ ...نے لیٹے ہی لیٹے کروٹیں بدل کر چاروں طرف دیکھا۔ آسمانی ...ن کر حملہ کرنے والے زمین پر لڑنے آرہے تھے۔ سلیمان جوگو ...ر کھڑا ہو گیا۔ اس کے سر پر اور بدن کے کتنے ہی حصوں پر ...وڑے پڑتے رہے تھے۔ جسم پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔ ...انت پیس کر گھونسا دکھاتے ہوئے بولا "آؤ تم سب کی ...ت میرے ہاتھوں سے ہو گی۔"

جب وہ قریب آکر کچھ فاصلے پر ٹھہر گئے تو پلومی نے ...پ ہپ" کی آواز نکالتے ہوئے لیٹے ہی لیٹے اچھل کر قلابازی ...ئی پھر زمین پر دونوں پاؤں جما کر کھڑی ہو گئی۔ سلیمان جوگو نے کہا۔ ...ہپ ہپ والی! خبردار کسی کو ہاتھ نہ لگانا۔ تمھیں تو ایک ہتھوڑا ...نہیں پڑا۔ میں ایک ایک ہتھوڑے کے بدلے انھیں موت کا ...چکھاؤں گا۔"

پھر جنگ شروع ہو گئی۔ دو حملہ آور چھلانگیں لگاتے ہوئے ...ی کی طرف آئے۔ وہ جمناسٹک کا مظاہرہ کرتی ہوئی دوسری طرف ...، پھر بولی "لڑکی پر ہاتھ اٹھاتے ہو، شرم نہیں آتی۔ اُدھر جاؤ ...ر اس پہلوان سے لڑو۔"

وہ پہلوان بالکل پہاڑ تھا۔ لڑنا بھی خوب جانتا تھا۔ اس ...ے ٹکرانے والوں کو دن میں تارے نظر آرہے تھے۔ پلومی کو ہاتھ ...ں ہلانے کی ضرورت نہیں پڑی۔ حملہ آوروں نے جب سلیمان جوگو ...چٹان کی طرح مضبوط پایا تو پلومی کو چھوڑ کر سب اسی پر پل پڑے ...ں نے والشورو کی کو دیکھا۔ وہ دور ایک درخت سے ٹیک ...لگائے کھڑا تھا۔ اس کی سوچ کہہ رہی تھی "جب پلومی آرام ...ے ہے تو مجھے بھی آرام کرنا چاہیے۔"

میں دماغی طور پر سونیا کے پاس حاضر ہو گیا۔ وہ کار ...ڈرائیو کر رہی تھی۔ ہم ایک بہت بڑی شاہراہ سے گزر رہے تھے۔ ...ں اسے پلومی کے حالات بتانے لگا۔ وہ سن کر خوش ہو رہی ...تھی۔ کہنے لگی "وہ سچ مچ ایک اسمارٹ فائٹر ہے۔ بہت اچھی ...جا رہی ہے۔"

"تم کیا توقع کرتی ہو۔ وہ جہاں جا رہی ہے، وہاں ...ی کلر سے سامنا ہو سکتا ہے۔"

"ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی۔"

"زیادہ چانس کس بات کا ہے؟"

"ہو سکتا ہے، انھوں نے دی کلر کو ایسے چھپا دیا ہے جیسے دفن کر دیا ہو۔ یوں تو اسے منظرِ عام پر نہیں لائیں گے مگر کسی خاص موقع پر ضرور لائیں گے۔"

"خاص موقع یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پلومی نے اس کا سر لے جانے کے لیے چیلنج کیا تھا۔ وہ اس کی تلاش میں مسٹر لوکوتک پہنچ رہی ہے۔ شاید اس کے چیلنج کو پورا کرنے کا موقع دیا جائے۔"

"وہ پُراسرار شخص یقیناً اس موقع سے فائدہ اٹھائے گا۔ اگر وہ پلومی کو اور سلیمان جوگو کو بیک وقت دی کلر کے ہاتھوں قتل کرا دے تو اس کے تمام مخالفین پر دہشت طاری ہو گی پھر کوئی اس کا سر لے جانے کے سلسلے میں چیلنج نہیں کرے گا۔"

ہم دونوں تھوڑی دیر تک خاموش رہے۔ کار تیز رفتاری سے راستہ طے کرتی رہی۔ پھر سونیا نے کہا "فرہاد! پیاس لگ رہی ہے۔ تھرماس نکالو۔"

میں نے پچھلی سیٹ کی طرف ہاتھ بڑھا کر چھوٹے سے تھرماس کو اٹھایا۔ اسی وقت ڈیش بورڈ پر اشارہ موصول ہونے لگا۔ میں نے تھرماس کھول کر سونیا کی طرف بڑھایا۔ پھر ٹرانسمیٹر کو آپریٹ کرتے ہوئے کوڈ ورڈ دُہرائے۔ دوسری طرف سے آواز سنائی دی "ہیلو فرہاد! میری آواز کیسی ہے؟"

میں نے تعجب سے سونیا کی طرف دیکھا۔ ہم سمجھ رہے تھے کہ ریڈ پاور کا باس ہم سے مخاطب ہے۔ میں نے کہا۔ "تمھاری آواز میں مٹھاس بھی ہے اور پتھر جیسی سختی بھی۔"

دوسری طرف سے کہا گیا "ایسے نہیں میرے دماغ میں ...ہنچ کر ...ہ۔"

...سونیا نے فوراً ہی کہا "مسٹر باس فار ریڈ پاور، تم اچھی ...طرح جانتے ہو، میں ڈمی سونیا ہوں اور یہ ہڈسن، ڈمی ...فرہاد علی تیمور کا عکس ہے۔"

دوسری طرف سے کہا گیا "سونیا! ہم مانتے ہیں، تم بے حد چالاک ہو۔ کتنی جلدی بات بدل رہی ہو۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں ریڈ پاور کا باس نہیں ہوں، تم ثابت کرنا چاہتی ہو کہ مجھے باس سمجھ رہی ہو۔"

"میں نے پوچھا "تم کون ہو؟"

"میں نے کہا نا، میرے دماغ میں آؤ اور معلوم کر لو۔"

میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا "میرے پاس یہ صلاحیت ہوتی تو تمھارا کچا چٹھا معلوم کر لیتا۔ ویسے یقین ہو گیا ہے، تم باس نہیں ہو۔ بتاؤ، کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟"

"میں کہہ چکا ہوں، میرے متعلق معلومات حاصل کرنا نہایت آسان ہے۔ دماغ میں چلے آؤ۔"

"میں کیسے یقین دلاؤں کہ خیال خوانی نہیں کر سکتا۔"

"مسٹر فرہاد! جب تم اور سونیا کار میں بیٹھ رہے تھے تو اس گاڑی کی اچھی طرح چیکنگ کی گئی تھی کہ خفیہ ٹائم بم وغیرہ چھپا کر نہ رکھا گیا ہو لیکن چیکنگ کرنے والوں میں میرا اپنا ایک آدمی تھا۔"

میں نے اور سونیا نے پریشان ہو کر دیکھا۔ سونیا نے فوراً ہی بریک لگا کر کار کو سڑک کے کنارے روک دیا۔ دوسری طرف سے کہا گیا۔ "میں نے گاڑی کے رکنے کی آواز سنی ہے۔ یقیناً تم دونوں پریشان ہو گئے ہو۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تمھاری کار میں کوئی ٹائم بم نہیں ہے کچھ اور ہے۔"

میں نے پوچھا۔ "کیا ہے؟"

"میں کتنی بار کہوں کہ سوال نہ کرو۔ دماغ میں آ کر جواب معلوم کر لو۔"

وہ ہر طرح سے مجھے گھیر کر خیال خوانی پر مجبور کرنا چاہتا تھا۔ تاکہ میرے فرہاد ہونے کی تصدیق ہو جائے۔ بظاہر وہ بڑی فراخدلی سے مجھے اپنے دماغ میں آنے کی دعوت دے رہا تھا لیکن اس دعوت کے پیچھے ایک چیلنج تھا۔ میری سوچ کی لہریں اس کے دماغ تک نہیں پہنچ سکتی تھیں۔ وہ یقیناً یوگا کا ماہر ہوگا۔

دوسری طرف سے آواز آئی۔ "میں جانتا ہوں، تم بلا کے ضدی ہو کبھی خود کو فرہاد نہیں کہو گے۔ چلو، میں تسلیم کرتا ہوں، تم ہڈسن ہو اور تمھارے ساتھ مس میری ہے۔ ایک بات کا جواب چاہتا ہوں۔"

ذرا خاموشی رہی پھر اس نے سوال کیا۔ "مس میری اور ہڈسن! کیا تم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہو؟"

میں نے کہا۔ "یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے ہم ہمیشہ ساتھ رہتے ہیں۔ کیا اس طرح محبت کا اظہار نہیں ہوتا؟"

"ہوتا ہے۔ میرا سوال کچھ اور ہے۔ تم میری کو کیا کہہ کر مخاطب کرتے ہو کیونکہ محبت سے مخاطب کرنے کا انداز کچھ اور ہوتا ہے۔ اسی طرح مس میری تمھیں کس انداز سے مخاطب کرتی ہے؟"

"مجھے میری کا نام پسند ہے۔ اس لیے میں اسے میری کہتا ہوں۔"

سونیا نے کہا۔ "محبت جس سے ہوتی ہے اس کا نام دنیا میں سب سے پیارا لگتا ہے۔ اسی لیے میں اپنے محبوب کو ہڈسن کہتی ہوں۔"

دوسری طرف سے کہا گیا۔ "تم دونوں اس کار میں تنہا سفر کرتے آ رہے ہو۔ تیسرا کوئی موجود نہیں ہے۔ تم نے ایک دوسرے کو محبوبانہ انداز میں مخاطب نہیں کیا۔ مسٹر! تم نے مس کو میری نہیں کہا اور مس نے تمھیں ہڈسن کہہ کر مخاطب نہیں کیا۔"

میں نے اور سونیا نے ایک دوسرے کو چونک کر دیکھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "اس کار میں بیٹھ کر یہاں تک آنے کے دوران سونیا نے تمھیں فرہاد کہہ کر مخاطب کیا ہے اور تم نے اسے سونیا کہا ہے۔ کیا یہ جھوٹ ہے؟"

یہ سچ تھا۔ ہم دونوں کار میں تنہا تھے۔ کوئی تیسرا نہیں تھا۔ کسی بات کا اندیشہ نہیں تھا۔ اس لیے ہم نے بڑے اطمینان سے ایک دوسرے کو فرہاد اور سونیا کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ اس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ ہماری کار کے اندر کوئی سراغرساں آلہ چھپا کر رکھا گیا تھا۔

میں نے کہا۔ "تم جو کوئی بھی ہو، تمھاری بات سمجھ میں آ گئی۔ ہماری کار کو جب چیک کیا جا رہا تھا تو چیک کرنے والوں میں تمھارا آدمی تھا۔ اس نے یہاں کوئی خفیہ ٹرانسمیٹر رکھا ہوا ہے۔"

"خوب سمجھے برادر، اپنی کار کی چھت کو دیکھو جہاں چھوٹی سی لائٹ ہے۔ اس لائٹ کا کور کھولو گے تو چھوٹا سا ٹرانسمیٹر نظر آئے گا۔ میں نے تم دونوں کی تمام باتیں سن لی ہیں۔"

میں نے اور سونیا نے خاموش نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "میں نے تمھیں اپنے دماغ میں آنے کی دعوت دی مگر تم فرہاد ہونے سے انکار کرتے رہے۔ یہی تاثر دینے کی کوشش کرتے رہے کہ خیال خوانی نہیں جانتے ہو، اگر نہیں جانتے تو تمھیں کار میں بیٹھے بیٹھے پومی کے حالات کیسے معلوم ہو گئے اور وہ حالات تم سونیا کو کتنی تفصیل سے ... تے تھے۔"

بے شک وہ ہمیں بڑی مضبوطی سے پھانس رہا تھا بلکہ پھانسنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ اچانک میں نے قہقہہ لگایا۔ دوسری طرف سے پوچھا گیا۔ "کس خوشی میں ہنس رہے ہو؟"

میں نے کہا۔ "میں یہاں بیٹھے بیٹھے اپنے تمام ساتھیوں کے متعلق معلومات فراہم کر سکتا ہوں اور اسے صرف سونیا کو نہیں بلکہ تمھیں بھی سنا سکتا ہوں لیکن خیال خوانی نہیں کر سکتا۔"

اس نے تعجب سے پوچھا۔ "کیا مطلب؟"

مطلب سمجھنے کے لیے بہت بڑی عقل کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ابھی میرے دماغ میں فرہاد موجود ہوتا تو

تمھاری آواز سنتے ہی تمھارے دماغ میں پہنچنے کی کوشش کرتا۔ لیکن جب سے تم نے مخاطب کیا ہے، فرہاد ہمارے پاس نہیں ہے۔ پومی کے پاس مصروف ہے۔ وہ میرے دماغ میں آتا ہے اور پومی کے تازہ ترین واقعات سناتا ہے پھر چلا جاتا ہے۔ جب وہ آئے گا تو میں تمھاری تسلی کرا دوں گا۔"

چند لمحوں تک خاموشی رہی۔ دوسری طرف چپ لگ گئی تھی۔ اس نے مجھے بے نقاب کرنے کے لیے بڑا مضبوط جال بچھایا تھا مگر میں نے ایک ہی جھٹکے میں اس جال کو کاٹ دیا تھا۔ میں نے کہا۔ "مسٹر، تم کون ہو؟ یہ فرہاد کے آنے پر شاید معلوم ہو جائے۔ دو میں سے کوئی ایک بات ہوگی۔ یا تو وہ تمھارے دماغ میں آسانی سے پہنچ جائے گا یا تمھارے دماغ کے دروازے یوگا کے ذریعے بند ہوں گے۔ اب رہ گیا تمھارا یہ سوال کہ ہم نے تنہائی میں ایک دوسرے کو میری اور ہڈسن کہہ کر مخاطب کیوں نہیں کیا۔ کیوں ہم ایک دوسرے کو سونیا اور فرہاد کہتے رہے؟"

میں نے پھر ذرا خاموشی اختیار کی۔ اس کے بعد کہا۔ "ہم نے اس لیے ایسا کیا کہ ہم کار میں تنہا نہیں تھے۔"

دوسری طرف سے چونک کر پوچھا گیا۔ "کیا تمھاری کار میں کوئی تیسرا موجود ہے؟"

"ہاں، وقفے وقفے سے موجود رہتا ہے پھر چلا جاتا ہے اور وہ فرہاد ہے لہٰذا ہمیں اس کی موجودگی کا خیال رکھتے ہوئے ایک دوسرے کو سونیا اور فرہاد کہنا پڑتا ہے۔ اس نے سختی سے تاکید کی ہے کہ ہم تنہائی میں بھی ایک دوسرے کو سونیا اور فرہاد کہنے کی مشقیں جاری رکھیں تاکہ یہ ہماری فطرتِ ثانیہ بن جائے اور دشمن کا کوئی بھی نفسیاتی حملہ ہم پر اثر انداز نہ ہو۔ ہم ہر حال میں، ہر حالت میں ایک دوسرے کو سونیا اور فرہاد سمجھ کر یہی رول بے اختیار، بے جھجک ادا کرتے رہیں۔"

"میں کیسے یقین کروں۔ تم دونوں سونیا اور فرہاد کا رول ادا کر رہے ہو لیکن میری اور ہڈسن کی حیثیت سے دنیا والوں کے سامنے ہو۔ پھر یہ رول ادا کرنا تو نہ ہوا۔"

"ہم نے کب کہا ہے کہ ابھی سے رول ادا کر رہے ہیں۔ ہم تو مشقیں کر رہے ہیں۔ صرف شمالی امریکا میں ایک درجن جوان عورتیں اور جوان مرد ایسے ہیں جو فرہاد اور سونیا کی جسامت اور قد سے مماثلت رکھتے ہیں۔ ان کے چہروں پر ذرا سی ترمیم کے بعد انھیں سونیا اور فرہاد بنایا جا سکتا ہے۔ یہ سب بابا صاحب کے ادارے سے تعلق رکھتے ہیں اور ہماری طرح مشقیں جاری رکھتے ہیں کسی وقت بھی، کوئی بھی سونیا اور فرہاد کا رول ادا کر سکتا ہے۔ ابھی ہم فرہاد کی ہدایت پر لوپومی کی طرف جا رہے ہیں۔"

"اب تم میری ہدایت پر عمل کرو گے اور میری طرف آؤ گے۔"

میں نے کہا۔ "ہمارا راستہ روک کر تمھیں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔"

"میں اپنا نقصان اور فائدہ خوب سمجھتا ہوں۔ تم دونوں کی تصدیق کروں گا۔ اس کے بعد ہی تمھیں کہیں جانے دوں گا۔ یہ بتاؤ، تم اس وقت کہاں ہو؟"

"ہم جرسی سٹی سے نکل آئے ہیں اور واٹربیوری پہنچنے والے ہیں۔"

اس نے کہا۔ "واٹربیوری سے آگے البانی شہر ہے۔ تم البانی فلائنگ کلب پہنچ جاؤ۔ ہمارا ایک ہیلی کاپٹر تمھیں اور مس میری کو ہمارے پاس پہنچا دے گا۔"

سونیا نے کہا۔ "اس وقت ہم دونوں اپنے اختیار میں نہیں ہیں۔ تمھاری ہدایت کے مطابق البانی شہر پہنچیں گے اور فلائنگ کلب بھی جائیں گے۔ اس دوران فرہاد نے ہم سے رابطہ قائم کیا تو اسے ہمارے موجودہ حالات کا علم ہو جائے گا۔ پھر وہ خود ہی تم سے نمٹ لے گا۔"

"میں بھی نمٹنے والوں سے نمٹنا جانتا ہوں۔ فی الحال تمھارے سر کے اوپر جو سراغرساں آلہ رکھا ہوا ہے، اسے وہیں رہنے دو گے تاکہ تم دونوں کی باتیں سنتا رہوں اور تم وقتاً فوقتاً بلند آواز سے یہ بتلاتے رہو کہ کن راستوں سے گزر رہے ہو۔"

"ہم سے یہ برداشت نہ ہوگا کہ ہمارے سروں پر ایک انجانی سی تلوار لٹکتی رہے۔ ہم ابھی اس آلے کو نوچ کر پھینک رہے ہیں۔ تم نے ہمارے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے اتنے انتظامات کیے ہیں تو یقیناً تمھارے آدمی ہمارے تعاقب میں ہوں گے۔ ان کے ذریعے ہمارے راستوں کا علم ہوتا رہے گا۔ ویسے جب ہم نے کہہ دیا ہے کہ ہم البانی فلائنگ کلب جا رہے ہیں تو وہیں پہنچیں گے۔"

میں نے رابطہ ختم کر دیا۔ پھر ڈیش بورڈ سے ایک چھوٹا سا اسکرو ڈرائیور نکال کر چھت پر لگی ہوئی لائٹ کے کور کو کھولا، وہاں ایک بلب دکھائی دے رہا تھا۔ وہ خفیہ ٹرانسمیٹر نظر نہیں آیا۔ میں نے اس اسکرو ڈرائیور کے ذریعے پوری لائٹ کو کھول دیا۔ تب ایک ننھا سا ٹرانسمیٹر نظر آیا۔ میں نے اسے نکالا۔ پھر الٹ پلٹ کر دیکھا۔ اس کے بعد اسے کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔

ہماری گاڑی تیز رفتاری سے البانی کی طرف جا رہی تھی۔

ہمیں اس بات کی پروا نہیں تھی کہ ہمارا تعاقب کیا جا رہا ہوگا۔ ہمیں تو وہیں جانا تھا جہاں اس انجانے دشمن نے ہمیں بلایا

تھا۔ میں پومی کے پاس پہنچ گیا۔ بڑی دیر ہو گئی تھی۔ میرا خیال تھا، اگر وہ موجودہ مصیبت سے نہیں نکل پائے گی تو شیبا مجھے تشویشناک حالات سے مطلع کرے گی۔ بہرحال ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ جب میں وہاں پہنچا تو میدان صاف ہو چکا تھا جو دشمن مقابلے پر آئے تھے، ان میں سے دو بُری طرح زخمی ہوئے تھے۔ باقی فرار ہو گئے تھے اور یہ سب سلیمان جوگو کا کمال تھا۔

وہ مسلسل ہتھوڑے کھانے کے بعد غصّے سے پاگل ہو گیا تھا۔ بھاگنے والوں کا تو کچھ نہ بگاڑ سکا، جو زخمی ہو کر پڑے ہوئے تھے، انہیں مار ڈالنا چاہتا تھا۔ پومی نے روکتے ہوئے کہا "ٹھہر جاؤ، ان سے یہ تو معلوم کرو، آخر ہم پر حملہ کیوں کر رہے تھے کس کے اشارے پر ایسا کر رہے تھے۔"

وہ جھنجلا کر بولا "ان سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں یقین سے کہتا ہوں، یہ مسٹر لوکو کا علاقہ ہے اور اسی کے اشارے پر حملہ کیا گیا ہے۔"

جو شخص زخمی پڑا ہوا تھا، اس نے اپنی جیب سے ایک چھوٹا سا ٹرانسمیٹر نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "ہم کسی مسٹر لوکو کو نہیں جانتے۔ جو ہمارا باس ہے اور جس کے اشارے پر ہم نے ایسا کیا، اس سے ٹرانسمیٹر کے ذریعے رابطہ قائم ہو سکتا ہے۔"

پومی نے اس سے ٹرانسمیٹر لے لیا۔ اب سلیمان جوگو اس کی پٹائی کرنا چاہتا تھا مگر پہلا ہاتھ مارتے ہی اسے محسوس ہوا، جیسے وہ ساکت ہو گیا ہے۔ اس نے گھور کر دیکھا تو ٹرانسمیٹر دینے والے کا سر ایک طرف ڈھلک گیا تھا۔ وہ ختم ہو چکا تھا۔ ٹرانسمیٹر پر فریکوئنسی لکھی ہوئی تھی۔ اس کے مطابق پومی نے رابطہ قائم کیا۔ دوسری طرف سے مسٹر لوکو کی آواز سنائی دی۔ سلیمان جوگو نے دہاڑتے ہوئے کہا "یو چیٹر، تم پومی کے ساتھ مجھے بھی ہلاک کرنا چاہتے ہو۔"

"سلیمان جوگو! غصّے میں آدمی کسی کام کا نہیں رہتا۔ لہٰذا ٹھنڈے دل سے بات کرو۔ ورنہ ٹرانسمیٹر سے دور چلے جاؤ۔"

پومی نے کہا "سلیمان! بہتر یہی ہے تم دور ہو جاؤ یا میں دور چلی جاتی ہوں۔ ذرا معلوم تو کرنے دو، آخر یہ مسٹر لوکو چاہتے کیا ہیں؟"

لوکو نے کہا "تم دی کلر کا سر حاصل کرنا چاہتی ہو۔ اس لیے تمہیں بلایا ہے اور یہ کوئی دھوکا نہیں ہے۔ دی کلر میرے پاس موجود ہے اور یہ تم سے باتیں کر رہا ہے۔"

تھوڑی دیر بعد ہی ایک اجنبی سی آواز سنائی دی۔ "ہیلو مس پومی! مجھے بڑی خوشی ہو گی اگر میرا سر تمہارے کام آسکے گا۔ بشرطیکہ تم کام نہ آجاؤ۔"

پومی نے پوچھا "میں کیسے یقین کروں کہ تم دی کلر ہو؟"

"ٹیلی پیتھی کے ذریعے یقین کر سکتی ہو۔ میں نے اپنے دماغ کے دروازے کھول دیے ہیں۔ فرہاد سے کہو، میرے پاس آجائے۔"

پومی نے چند لمحوں تک سوچنے کے بعد بلند آواز سے پوچھا "فرہاد، کیا تم میرے پاس موجود ہو؟"

شیبا نے چپکے سے کہا "میں تمہارے پاس ہوں مگر یہی تاثر دو کہ فرہاد موجود ہیں۔ میں ابھی اس کے دماغ میں جاؤں گی۔"

پومی نے کہا "دی کلر! فرہاد تمہارے دماغ میں پہنچنے والے ہیں۔"

دی کلر نے کہا "جب یقین ہو جائے کہ میں وہی ہوں جس کی تمہیں تلاش ہے تو تم ہزار خطرات سے گزر کر بھی میرے پاس آؤ گی۔ یہ جو چمگادڑیں تم پر حملہ کر رہی تھیں، یہ کچھ بھی نہیں ہیں، پتا نہیں تمہیں اور کتنے سخت مراحل سے گزرنا پڑے۔ میرا سر اتنا سستا نہیں ہے۔ اس کی قیمت ہے تمہاری زندگی۔"

گویا یہ کھل کر اعتراف کر لیا گیا تھا کہ پومی کو کسی طرح بھی زندہ واپس نہیں جانے دیا جائے گا اور وہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ دی کلر کی آواز سنانے کے بعد پومی واقعی جان ہتھیلی پر رکھ کر جائے گی۔ میں نے اس کے ایک فقرے پر غور کیا۔ اس نے ابھی کہا تھا، دماغ کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ میں آسکتا ہوں۔ گویا وہ دروازے بند بھی کر سکتا تھا۔ اب دی کلر کے پیچھے جو بھی کمپیوٹر کو کنٹرول کر رہا تھا، وہ یوگا سسٹم سے کام لینے والا تھا۔ دی کلر کے لیے یوگا سسٹم یہی ہو سکتا تھا کہ جس طرح یوگا کے ماہر سانس روک کر ٹیلی پیتھی کی لہروں کو روک دیتے ہیں، اسی طرح دی کلر کے دماغ کا کمپیوٹر آف کرنے کے بعد ہمارے لیے اس کے دماغ کا راستہ بند ہو جاتا۔

پہلے شیبا اس کے دماغ میں پہنچی۔ اس کے پیچھے میں گیا۔ اس وقت وہ ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھا ایک بکرے کی پوری ران ہاتھ میں اٹھائے اسے دانتوں سے کاٹ کاٹ کر کھا رہا تھا۔ میز پر اور طرح طرح کے کھانے چنے ہوئے تھے۔ میز کے دوسری طرف ایک شخص بیٹھا ہوا ٹرانسمیٹر کے ذریعے ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا "اچھا تو مسٹر فرہاد، تم دی کلر کے دماغ میں آگئے ہو۔"

تھوڑی دیر کے لیے میں سوچ میں پڑ گیا۔ دی کلر سامنے بیٹھا ہوا چپ چاپ کھانے میں مصروف تھا اور اس کی جگہ وہ شخص بول رہا تھا جو سامنے ٹرانسمیٹر لیے بیٹھا تھا۔ پھر اس نے وضاحت کی "میں دی کلر کے دماغ کو کنٹرول کرتا ہوں۔ اگر تم میرے ذریعے دیکھ سکو تو سامنے میز پر صرف ایک ٹرانسمیٹر نہیں بلکہ کمپیوٹر سیٹ رکھا ہوا ہے۔ اس کے ذریعے میں جب چاہوں، دی کلر کے دماغ میں پہنچ جاؤں۔ میں جانتا تھا جب بھی تم خیال خوانی کی پرواز کرو گے تو سیدھے میرے پاس پہنچو گے۔"

میں نے کہا "اب میں سمجھ رہا ہوں یعنی دی کلر کا وجود دو حصّوں میں تقسیم ہو گیا ہے۔ مطلب یہ کہ ایک دی کلر وہ ہے جو جسمانی اعتبار سے پہاڑ جیسا مضبوط ہے اور دوسرا وہ ہے جو زبان سے بولتا ہے، عمل کرتا ہے اور دی کلر ٹھیک اس کی رفتار اور گفتار کے مطابق حرکتیں کرتا ہے۔"

"ٹھیک سمجھ رہے ہو، آدھا دی کلر میں ہوں جس سے ابھی مخاطب ہو۔ آدھا وہ ہے جو سامنے بیٹھا کھانے میں مصروف ہے لیکن جب یہ اٹھے گا اور اپنے دشمن کی گردن تک اس کا ہاتھ جائے گا تو پھر اس کی گردن کوئی نہیں چھڑا سکے گا۔ موت کے بعد خود بخود نجات مل جائے گی۔"

"تم یوگا کے ماہر ہو؟ اپنی سانس روکو گے تو تمہارے اور دی کلر کے دماغ کا دروازہ بند ہو جائے گا اور ہم باہر ہو جائیں گے۔"

"میں نے اسی لیے تمہیں بلایا ہے کہ تم میرے طریقۂ کار کو اچھی طرح سمجھ لو اور اس خوش فہمی سے باز رہو کہ پہلے کی طرح جب چاہو گے، دی کلر کے دماغ میں پہنچ جاؤ گے۔ اب یہ تمہارے لیے ممکن نہیں رہا۔"

میں نے پوچھا "مسٹر! کیا پومی تمہارے پاس آرہی ہے؟"

وہ ہنستے ہوئے بولا "صرف مسٹر کیوں کہہ رہے ہو؟"

میں نے کہا "مسٹر لوکو!"

"یہ ہوئی نا بات۔ اب پوری طرح سمجھ میں آجانا چاہیے کہ دی کلر میرے کنٹرول میں ہے اور یہ میرے قلعے میں محفوظ ہے۔ یہ قلعہ اتنا مضبوط ہے کہ میری اجازت کے بغیر کوئی یہاں نہیں پہنچ سکے گا۔"

میں نے دل ہی دل میں کہا "پومی تمہاری اجازت سے ہی پہنچ رہی ہے۔ یہی تم پر بُرا وقت لائے گی۔"

شیبا پومی کے پاس آکر اسے مسٹر لوکو اور دی کلر کے متعلق بتا رہی تھی۔ میں دماغی طور پر کار میں حاضر ہوا۔ پھر سوچ کے ذریعے سونیا کو ان کے متعلق بتانے لگا۔ میں نے انکشاف کیا جو شخص اپنی کار میں ٹرانسمیٹر کے ذریعے ہم سے مخاطب ہو رہا تھا، وہ مسٹر لوکو ہی تھا۔ میں نے ابھی اس کی آواز اور لب و لہجے سے معلوم کیا ہے۔

سونیا نے کہا "اس کا مطلب ہے، ہم وہیں جا رہے ہیں جہاں پومی پہنچنے والی ہے۔"

"بظاہر تو یہی معلوم ہو رہا ہے۔ اب دیکھیں، اس کے قلعے میں پومی پہنچے گی یا ہمیں کہیں اور پہنچایا جائے گا۔"

ڈیش بورڈ کے ٹرانسمیٹر سے اشارہ موصول ہونے لگا۔ میں نے اسے آن کیا تو مسٹر لوکو کی آواز سنائی دی "ہیلو، مسٹر ہڈسن! کیا تمہارا رابطہ فرہاد سے قائم ہوا؟"

"اس وقت فرہاد صاحب میرے دماغ میں ہیں، انھوں نے مجھے بتایا ہے کہ تم وہی مسٹر لوکو ہو جس کے پاس پومی جا رہی ہے۔"

"میں تمہارے ذریعے فرہاد سے پوچھ رہا ہوں کہ وہ اچانک میرے دماغ سے کیوں چلا گیا؟"

میں نے کہا "میں فرہاد ہوں اور ہڈسن کی زبان سے بول رہا ہوں۔ میں تمہاری مرضی سے آیا تھا، اپنی مرضی سے واپس چلا آیا۔ کوئی ضروری بات رہ گئی ہو تو کہہ سکتے ہو۔"

"میں پوچھنا چاہتا ہوں، تم ایک آدمی ہو۔ ٹیلی پیتھی کے ذریعے بیک وقت اپنے کتنے ساتھیوں کی حفاظت کر سکتے ہو؟"

وہ کہتے کہتے چونک گیا۔ میں نے فوراً ہی اس کے دماغ میں چھلانگ لگائی۔ دماغ کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور وہ کہہ رہا تھا "ارے، تم تو بات کرتے کرتے ایک دم سے میرے دماغ میں آنا چاہتے ہو، چلو میں اجازت دے رہا ہوں۔"

اسی لمحے شیبا کی آواز سنائی دی۔ وہ فرہاد بن کر کہہ رہی تھی "میں ذرا پومی کے پاس ضروری کام سے چلا گیا تھا۔"

مسٹر لوکو نے حیرانی سے کہا "پومی کے پاس؟ مگر تم ابھی ہڈسن کے پاس تھے۔"

معاملہ اچانک ہی بگڑ گیا۔ میں اس بگڑی کو بنا سکتا تھا اور اس کے جواب میں کہہ سکتا تھا۔ سوری، میں نے بھول سے پومی کہہ دیا۔ حالانکہ مجھے ہڈسن کہنا چاہیے لیکن میں یہ کہہ نہ سکا۔ فوراً ہی یہ خیال آیا کہ میں جواباً کچھ کہوں گا اور اسی وقت شیبا بول پڑے گی تو دماغ میں بیک وقت دو سوچ کی لہریں ابھریں گی۔ اس طرح معاملہ کچھ اور بگڑ جائے گا۔

لیکن شیبا نے اتنے عرصے تک بابا صاحب کے ادارے میں رہ کر اچھی خاصی حاضر دماغی کی مشقیں جاری رکھی تھیں اور

عملی طور پر بھی اس کا مظاہرہ کرنے لگی تھی۔ اس نے کچھ کہنے کے بجائے فوراً میرے دماغ میں چھلانگ لگائی۔ میں نے اسے محسوس کیا تو اسے سنانے کے لیے مسٹر لوکو سے کہا۔ "اوہ سوری، میں ایک ایک پل میں جگہ بدلتا ہوں کبھی پومی کے پاس اور کبھی ہڈسن کے پاس جاتا ہوں۔ اس لیے میری زبان سے پومی کا نام نکل گیا۔ حالانکہ میں ہڈسن کے پاس سے آرہا ہوں۔"

وہ اس کے دماغ سے نکل آئی تھی۔ میں اسے مسلسل اپنے دماغ میں محسوس کر رہا تھا مگر انجان بنا ہوا تھا۔ مسٹر لوکو نے کہا "مسٹر فرہاد، میں میری اور ہڈسن کو اپنے پاس بلا رہا ہوں۔ تمھیں اعتراض ہے تو میرا راستہ روکنے کی کوشش کرو۔"

"میں فضول کوششوں میں اپنا وقت ضائع نہیں کرتا۔ بتا نہیں، تم انھیں کیوں بلا رہے ہو؟ ان سے کیا چاہتے ہو؟ اگر میں انھیں نقصان پہنچتا دیکھوں گا تو جوابی کارروائی کروں گا فی الحال جا رہا ہوں۔"

میں اس کے دماغ سے جیسے ہی نکلا، شیبا نے اطمینان کی ایک گہری سانس لے کر کہا "میں بہت بڑی غلطی کرنے جا رہی تھی۔ مجھے افسوس ہے۔"

"لیکن مجھے خوشی ہے کہ تم فوراً ہی سنبھل گئیں۔ تم نے بڑی حاضر دماغی سے کام لیا۔"

"میں تھوڑی دیر کے لیے غیر حاضر رہوں گی۔ میری ماما مجھے مخاطب کر رہی ہیں۔"

وہ چلی گئی۔ میں نے پومی کے پاس پہنچ کر دیکھا۔ وہ ایک خچر پر بیٹھی پہاڑی راستے سے گزر رہی تھی سلیمان جوگو اس سے آگے ایک خچر پر جا رہا تھا۔ والشورو کی ان سے بہت پیچھے تھا۔ میں نے پومی کو مسٹر لوکو سے ہونے والی گفتگو کے متعلق بتایا۔ اس نے پوچھا "تم کہاں ہو؟"

"میں سونیا کے ساتھ ہوں۔ تم سے زیادہ دور نہیں ہوں۔"

"میں یہ نہیں پوچھوں گی کہاں ہو اور کس روپ میں ہو۔ بعض اوقات دشمن اذیتیں پہنچا کر اور کبھی تنویمی عمل کے ذریعے ہمارے دماغ سے بہت سی باتیں معلوم کر لیتے ہیں۔ میں نہیں چاہوں گی کہ تمھارے متعلق دشمنوں کو کچھ بھی معلوم ہو سکے۔"

سونیا نے مجھے مخاطب کیا۔ میں پومی کے پاس سے چلا آیا۔ وہ مجھے مخاطب کرنے کے بعد خاموش ہوگئی تھی۔ میں اس کی خاموشی کا مطلب سمجھ گیا اور خیال خوانی کے ذریعے اس کے پاس پہنچ گیا۔ پھر میں نے پوچھا "تم کچھ کہنا چاہتی ہو؟"

"ہاں۔ تم نے وہ ننھا سا ٹرانسمیٹر نکال لیا ہے۔ ہوسکتا ہے، کوئی اور ٹرانسمیٹر اسی کار میں کسی اور جگہ چھپا کر رکھا گیا ہو اور مسٹر لوکو نے ہمیں نہ بتایا ہو۔"

"یہ ہوسکتا ہے۔ ہمیں کوئی بھی اہم گفتگو خیال خوانی کے ذریعے کرنا چاہیے۔"

مجھے اپنے اندر شیطان کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا "یہی مناسب ہے۔"

ہر انسان کے اندر دو طرح کی سوچیں ہوتی ہیں۔ ایک مثبت سوچ، دوسری منفی سوچ۔ ہم منفی خیالات کو شیطانی خیالات بھی کہہ سکتے ہیں۔ ویسے بعض حالات میں ایک منفی سوچ بھی مثبت سے زیادہ کارآمد ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً ایک چاقو جو ہمیں ہلاک کر سکتا ہے، وہی چاقو ہاتھ آجائے تو ہمارا بچاؤ بھی کر سکتا ہے۔

میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں، شیطان ہمارے یا آپ کے پاس اپنے وجود کے ساتھ نہیں آتا اپنے خیالات کے ساتھ آتا ہے پھر اپنے خیالات ہمارے دماغوں میں نقش کر کے دور سے تماشا دیکھتا ہے۔ میں نے سونیا سے کہا "ہم مسٹر لوکو سے بات چھپانے کے لیے خیال خوانی کا سہارا لے رہے ہیں مگر یہ کمبخت شیطان ہمارے درمیان موجود ہے۔"

وہ بولا "مجھے کمبخت نہ کہو۔ میں بلند بخت بھی ثابت ہوسکتا ہوں۔"

اب وہ سونیا کے اندر پہنچ کر بول رہا تھا۔ کیونکہ میں بھی سونیا کے دماغ میں تھا۔ اس طرح ہم تینوں خاموش رہ کر گفتگو کر سکتے تھے اور ایک دوسرے کی سن سکتے تھے سونیا نے اس سے پوچھا "تم اپنی حرکتوں سے باز نہیں آؤ گے؟"

وہ معصومیت سے بولا "میں نے کیا حرکت کی ہے؟ میں تو تمھارے خلاف کچھ کرنے کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا"

"تم شیبا کی ماما کو ہمارے خلاف بھڑکا رہے ہو۔"

"توبہ توبہ، میں بھلا کیوں بھڑکاؤں گا۔ وہ تو اس کے دل میں مذہبی جذبہ پیدا ہو رہا ہے۔ اپنی قوم کے لیے محبت پیدا ہو رہی ہے۔ میں کسی کے جذبے اور کسی کی محبت کو کیسے روک سکتا ہوں۔"

"تم چاہو تو ایسے جذبات سے اسے روک سکتے ہو۔ ہماری دوستی کی اہمیت جتا سکتے ہو مگر تم نے کبھی مثبت قدم اٹھایا ہی نہیں۔ پھر یہ کیسے کر سکتے ہو۔"

میں نے کہا "تھوڑی دیر پہلے شیبا یہ کہہ کر گئی ہے کہ اس کی ماما بلا رہی ہیں۔ کیا کوئی اہم بات ہے؟"

وہ ہنستے ہوئے بولا "مسٹر فرہاد! تم خیال خوانی کے ذریعے وہاں پہنچ کر خود معلوم کر سکتے ہو۔"

"جب تم بتانے والے آگئے ہو تو مجھے وہاں جانے کی کیا ضرورت ہے۔"

شیطان نے کہا "بات اصل میں یہ ہے کہ شیبا کی ماما تھوڑی دیر پہلے روتے روتے بے ہوش ہوگئی تھیں۔"

میں نے اور سونیا نے چونک کر پوچھا "کیا بات ہے؟"

"بات کچھ بھی نہیں ہے۔ آج ہفتے کا ساتواں دن ہے۔ یہودی ساتویں دن کو سباتھ کہتے ہیں۔ اس دن وہ سیناگوج میں جا کر عبادت کرتے ہیں۔ ماما ضد کرنے لگی تھیں کہ انھیں ادارے سے باہر جانے کی اجازت دی جائے۔ وہ چپ چاپ باہر پہنچیں گی۔ ایک سیناگوج میں عبادت کریں گی۔ رات ہونے تک واپس آجائیں گی۔ شیخ الفارس نے انھیں سمجھایا۔ مگر وہ سمجھنے کے بجائے روتے روتے بے ہوش ہوگئیں۔"

میں نے کہا "وقت ضائع کرنے سے بہتر ہے سیدھی طرح بتا دو، کیا چکر چلا رہے ہو۔"

"میں کیا چکر چلاؤں گا۔ یہ تو ایک موٹی سی عقل والے بھی سوچ سکتے ہیں۔ اگر کسی کو چھپا کر رکھا جائے تو اس سے تعلق رکھنے والے اسے ضرور تلاش کریں گے۔"

سونیا نے پوچھا "تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ شیبا اور اس کی ماما کو تلاش کیا جا رہا ہے۔"

"بے شک، شیبا کی صرف ایک ماں نہیں ہے تل ابیب میں اس کا ایک ماموں بھی ہے جس کا نام ہرزل ماموں ہے اور وہ اسرائیلی ہائی کمان کا ایک اعلیٰ افسر ہے۔ شیبا کا ایک نانا ہے جس کا نام نوبل ماموں ہے۔ وہ اسرائیل میں بہت بڑا سوداگر تسلیم کیا جاتا ہے۔ بہت ہی مکار بزنس مین ہے۔ وہ اپنی دولت کے بل پر اپنی بیٹی موریا یعنی شیبا کی ماما کو ڈھونڈ نکالنے کا عزم کر چکا ہے۔ ربی اسفندیار نے مرچنٹ نوبل ماموں یعنی شیبا کے نانا سے کہا ہے کہ شیبا اور اس کی ماما، بابا صاحب کے ادارے میں ہوسکتی ہیں۔ لہٰذا اس ادارے کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے اور انھیں تلاش کرنے کے لیے سرچ وارنٹ حاصل کیا جائے۔"

"گویا تم نے بڑی دور تک شیطانی جال پھیلا دیا ہے۔"

"میں تو خواہ مخواہ بدنام ہوتا ہوں۔ اگر میں دشمن ہوتا تو تمھارے پاس کیوں آتا۔"

"یہی تمھاری خوبی ہے۔ تم دوستوں اور دشمنوں میں یکساں مقام حاصل کر لیتے ہو۔"

سونیا نے پوچھا "یہ بتاؤ، ابھی کیوں آئے ہو؟"

"میں مشورہ دینے آیا ہوں۔ اپنا زیادہ وقت اور زیادہ توجہ شیبا اور اس کی ماما پر صرف کرو۔"

"تم چاہتے ہو، ہم پومی کو خطرات سے گزرتے دیکھیں اور اسے نظر انداز کر دیں۔"

"پومی ذہین ہے، دلیر ہے۔ وہ مشکلات کو آسان بنانا جانتی ہے مگر شیبا عملی میدان میں کچی ہے۔ وہ اپنی ماما کو نہیں سنبھال سکے گی۔ پھر بیرونی حملے ہو رہے ہیں۔ ہرزل ماموں اپنی حکومت کی طرف سے بڑے ذرائع اختیار کر رہا ہے۔ ربی اسفندیار ان کے ساتھ ہے اور شیبا کا نانا اپنی دولت پانی کی طرح بہا دینے پر آمادہ ہے۔ وہ ہر حال میں ماں بیٹی کو اس ادارے سے نکال لائیں گے۔"

ہم سوچ میں پڑ گئے۔ شیطان نے کہا "شیبا کی ماما، موریا کے چلے جانے سے تم لوگوں کا نقصان نہیں ہوگا لیکن شیبا چلی گئی تو ٹیلی پیتھی کی ایک قوت مخالف محاذ پر ہوگی۔"

وہ درست کہہ رہا تھا۔ اگرچہ شیبا دماغی طور پر ذرا کمزور تھی۔ ہمارے مخالف محاذ پر پہنچ کر ہمیں نقصان نہیں پہنچا سکتی تھی لیکن اس کا دماغ ہمیشہ کمزور نہ رہتا۔ اس نے بابا صاحب کے ادارے میں رہ کر دماغی توانائی حاصل کرنے کا نسخہ سمجھ لیا تھا اور وہ اس پر عمل بھی کرتی تھی۔ اب وہ پہلے جیسی شیبا نہیں رہی تھی۔ اس کی صحت اچھی ہوگئی تھی۔ پہلے اسے اختلاجِ قلب کی شکایت تھی، اب وہ شکایت دور ہو گئی تھی۔ جو جسمانی طور پر صحت مند ہو، وہ دماغی طور پر بھی صحت مند رہتا ہے۔ اس لیے ہم شیبا کو کسی طرح نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔

سونیا نے کہا "بڑی مشکل ہے۔ ہم پومی کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے۔ پھر ہمیں دماغی طور پر حاضر رہنا پڑے گا کیونکہ ہم مسٹر لوکو کے بلاوے پر جا رہے ہیں۔"

میں نے کہا "موجودہ صورتِ حال کے مطابق ہمیں مسٹر لوکو کی طرف نہیں جانا چاہیے۔ راستہ بدل دینا چاہیے۔"

سونیا نے عقب نما آئینے میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس کے آدمی ہمارا تعاقب کر رہے ہوں گے۔"

"ہم انھیں ڈاج دے کر نکل سکتے ہیں۔"

شیطان نے کہا "میں یہ مشورہ نہیں دوں گا۔"

"تم سے مشورہ کس نے مانگا ہے؟"

"میں مادام کو آنٹی کہتا ہوں۔ ان کی بھلائی چاہتا ہوں، اس لیے ضرور کہوں گا کہ مسٹر لوکو سے سامنا کرنا چاہیے۔ اس

کے ذریعے ایک بہت ہی قیمتی ہیرا تم لوگوں کے ہاتھ آسکتا ہے۔"

"تم جانتے ہو، ہم کبھی ہیرے جواہرات کا لالچ نہیں کرتے ورنہ ہمارے قدموں میں دنیا جہاں کے خزانے ہوسکتے ہیں۔"

شیطان نے کہا۔" میں لالچ اور خزانے کے حصول کی بات نہیں کر رہا ہوں۔ وہ ہیرا یہودیوں کے لیے بہت مقدس ہے۔ وہ تمہارے ہاتھ میں رہے گا تو ان کی ایک کمزوری بھی تمہارے ہاتھ میں رہے گی۔"

کمبخت شیطان تھا۔ موقع کی مناسبت سے بھرپور دلائل کے ساتھ اپنی بات منواتا تھا۔ اس وقت وہ بات ہمارے حق میں تھی۔ شیبا اور اس کی ماما ہمارے ہاتھ سے نکلنے والی تھیں۔ ایسے میں یہودیوں کی ایک کمزوری اپنے ہاتھ میں لازمی تھی۔ اس کے باوجود میں نے کہا۔" اے شیطان! ہم تیری باتوں میں نہیں آئیں گے۔"

سونیا نے پوچھا۔" بائی دی وے، ایک ہیرا ان کے لیے مقدس کیسے ہوسکتا ہے؟"

"یہودیوں کی مذہبی تاریخ پڑھوگی تو میری باتوں پر یقین آئے گا۔ اتنا بتادوں کہ جب حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم کو خدا کی وحدانیت کے متعلق بتایا اور اس کی عبادت کرنے کے لیے کہا تو کچھ لوگوں نے مخالفت کی۔ پھر یہ مخالفت بڑھتی گئی۔ ان کا مطالبہ تھا اگر خدا ہے تو نظر کیوں نہیں آتا اور اگر ہم خدا کو تسلیم کرلیں تو اسے دیکھے بغیر کس کی عبادت کر سکتے ہیں۔ مختصر یہ کہ مخالفت کرنے والوں نے ایک جانور کا بُت تراشا اور اس کے آگے سجدہ کرنے لگے۔ اس کے آگے جانوروں کی قربانیاں دینے لگے اور ہیرے جواہرات کے چڑھاوے چڑھانے لگے۔ انھی جواہرات میں وہ ایک ہیرا تھا جو اس بت کی پیشانی پر ماتھے کی بندیا کی طرح لگا دیا گیا تھا۔ اس ہیرے کی شکل سورج مکھی کی طرح تھی۔ وہ ایک ننھے سے بٹن کی طرح تھا مگر اس کی جگمگاہٹ دور سے دیکھی جا سکتی تھی۔"

میں نے کہا۔" یہ پرانی تاریخ ہے۔ اب یہودی کسی جانور نما بُت کی پرستش نہیں کرتے ــــ پھر وہ ہیرا ان کے لیے مقدس کیسے ہوسکتا ہے۔"

"بے شک، وہ بت کی پرستش نہیں کرتے۔ تاہم وہ ہیرا ان کا تاریخی اثاثہ ہے۔ ایسی قیمتی اور نایاب چیزیں جب کسی میوزیم میں رکھی جاتی ہیں تو اس چیز سے تعلق رکھنے والی قوم ان پر فخر کرتی ہے۔"

سونیا نے پوچھا۔" کیا وہ نایاب اور مقدس ہیرا کسی میوزیم میں رکھا ہوا ہے؟"

"رکھا ہوا تھا۔ اب چُرا لیا گیا ہے۔"

"تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ اس ہیرے کو مسٹر لوکو نے کسی میوزیم سے چُرایا ہے اور ہم وہ ہیرا کسی طرح حاصل کرسکتے ہیں۔"

"میں یہی کہنا چاہتا ہوں۔"

"یہودیوں کا یہ تاریخی اثاثہ کسی دوسرے میوزیم میں کیسے پہنچ گیا تھا؟"

"وہ کسی میوزیم میں کیسے پہنچ گیا تھا، یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ بہرحال جب یہودی صدیوں پہلے امریکا میں داخل ہوئے اور نیویارک کو اپنا مسکن بنایا تو اسی وقت کسی دولت مند یہودی نے وہ ہیرا میوزیم میں رکھوا دیا تھا۔ اب جبکہ ان کی حکومت اسرائیل میں قائم ہوگئی ہے تو وہ اس میوزیم سے ہیرے کو لے جاکر وہاں رکھنا چاہتے تھے لیکن یہاں کی حکومت اس پر راضی نہ ہوئی۔ لہٰذا اسے چُرا لیا گیا۔"

"گویا وہ مقدس سورج مکھی یہاں سے اسمگل ہوکر اسرائیل پہنچے گا۔"

"ہاں، یہی ہونے لگا ہے۔"

"اسے کون یہاں سے لے جارہا ہے اور کس طرح لے جارہا ہے؟"

"یہ تو میں نہیں بتاسکتا۔ کچھ مجبوریاں ہیں۔ جب تم مسٹر لوکو کا سامنا کروگے تو بہت کچھ معلوم ہوتا جائے گا۔"

ہماری کار تیز رفتاری سے جارہی تھی۔ اچانک ہی سونیا نے بریک لگائے۔ ایک جھٹکے سے گاڑی رکی۔ ہم دونوں ڈیش بورڈ سے ٹکراتے ٹکراتے بچ گئے۔ ایک بڑا سا ٹرک دوسرے راستے سے آکر ہمارے سامنے رک گیا تھا اور اس طرح رکا تھا کہ دائیں بائیں سے کار لے جانے کا راستہ نہیں رہا تھا۔

شیطان نے کہا۔" مسٹر لوکو نے جو راستہ بتایا تھا، تم اس پر نہیں جارہے تھے۔ لہٰذا تمھیں گھیرا جارہا ہے۔"

میں نے کہا۔" ہم میں اتنی سمجھ ہے اور ہم یہ بھی سمجھ رہے ہیں کہ تم نے ہمیں باتوں میں لگائے رکھا۔ نہ ہم راستے کا خیال رکھ سکے اور نہ ہی پومی کی اب تک خبر لے سکے۔"

ہمارے پیچھے دو گاڑیاں آکر رک گئی تھیں۔ ان میں سے چند مسلح افراد اتر کر ہماری طرف آرہے تھے۔ وہ تعداد میں چار تھے۔ ان کے ہاتھوں سے ہتھیار گرانا اور انھیں بے بس کردینا ہمارے لیے کوئی بڑی بات نہیں تھی مگر ہم نے بے بسی ظاہر کی اور یہ تاثر دیا کہ فرہاد ہمارے دماغوں میں نہیں ہے۔ جب ہمارے پاس آئے گا تو مسلح جوانوں سے نمٹ

لے گا۔ انھوں نے قریب آکر کہا۔" چپ چاپ اس ٹرک کے پچھلے حصے میں بیٹھ جاؤ۔"

اس کے پچھلے حصے سے ایک کیبن نما ٹریلر بندھا ہوا تھا۔ ہم اس کیبن میں جاکر بیٹھ گئے۔ وہ چاروں بھی اس کیبن میں آگئے تھے۔ جب وہ ٹریلر چل پڑا تو ایک شخص نے ایک بیگ ہماری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔" اس میں میک اپ اتارنے کا سامان رکھا ہوا ہے۔ اپنے ہاتھوں سے اتاروگے یا ہمیں تکلیف دوگے۔"

سونیا نے کہا۔" اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔"

اس نے اپنی گردن کے پیچھے ہاتھ لے جاکر ماسک میک اپ کو کھولا۔ پھر اسے چہرے پر سے اتار دیا۔ ان بدمعاشوں نے خوش ہوکر اسے دیکھا۔ ایک نے کہا۔" واہ، آپ تو مادام سونیا نکلیں۔ اس کا مطلب ہے، آپ کے ساتھ مسٹر فرہاد ہیں۔"

میں نے اپنا ماسک اتارتے ہوئے کہا۔" میں اپنی پیدائش کے روز اوّل سے مے کاکس ہوں اور یہی رہوں گا۔"

وہ مجھے غور سے دیکھنے لگے۔ میں نے خیال خوانی کے ذریعے کہا۔" سونیا، یہ لوگ ہمیں اپنی گاڑیوں میں بٹھا کر لے جا سکتے تھے۔ اس ٹریلر میں بٹھانے کا مقصد یہ ہوسکتا ہے کہ اس کیبن میں ہماری باتیں سننے کے لیے وہی خفیہ آلہ کہیں نصب کیا ہوگا اور کچھ ایسے خصوصی انتظامات کیے گئے ہوں گے کہ ہمیں ہر طرح سے دیکھ سمجھ کر پرکھا جائے اور ہماری اصلیت معلوم کی جائے۔"

وہ بولی۔" ان لوگوں کو مجھ پر چھوڑ دو۔ پومی کی خبر لو۔"

میں دوسرے ہی لمحے اس کے پاس پہنچ گیا۔ وہ خچر پر سفر کرتے ہوئے ایک پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گئی تھی۔ اس پہاڑ کے سامنے ایک اور پہاڑ کی چوٹی نظر آرہی تھی۔ دونوں پہاڑوں کے درمیان تقریباً دو میل کا فاصلہ تھا۔ سامنے والی پہاڑ کی چوٹی پر بہت بڑا قلعہ دکھائی دے رہا تھا اور وہ لوکو کیسل تھا۔

لوکو کیسل کی بلندی بتارہی تھی، وہاں تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ نیچے سیکڑوں فٹ کی گہرائی تھی۔ ایک پہاڑی سے نیچے اتر کر دو میل چل کر دوسری پہاڑی پر چڑھنا ممکن نہ تھا۔ وہ پہاڑی قدرتی طور پر ایسی تراشیدہ تھی کہ شاید کوہ پیما ہی چڑھ سکتے ہوں گے لیکن قلعے کے قریب پہنچنا کسی کوہ پیما کے بس میں بھی نہیں تھا۔ وہاں چاروں طرف آہنی کانٹے بچھے ہوئے تھے پھر دور سے ہی مسلح افراد نظر آرہے تھے۔ معلوم ہوتا تھا چوبیس گھنٹے قلعے کے چاروں طرف پہرہ دیا جاتا ہے۔

پومی نے آنکھوں پر سے دوربین ہٹا کر سلیمان جوگو کو دے دی۔ وہ دیکھنے لگا۔ اِس پہاڑی سے اُس پہاڑی تک پہنچنے کا ایک ہی راستہ تھا۔ دونوں پہاڑ کی چوٹیوں کو بڑے بڑے آہنی تاروں سے منسلک کیا گیا تھا۔ ان تاروں پر ہینگنگ چیئرز یعنی جھولتی ہوئی کرسیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ ان کرسیوں پر بیٹھ کر اس پہاڑی کے قلعے تک پہنچا جاسکتا تھا۔

قریب ہی چند فرلانگ کے فاصلے پر ایک اسٹیشن کی چھوٹی سی عمارت نظر آرہی تھی۔ اس اسٹیشن سے ہینگنگ چیئرز روانہ ہوتی تھیں اور جانے والوں کو اس قلعے تک پہنچاتی تھیں مگر وہاں تک ہر شخص نہیں جاسکتا تھا۔ مسٹر لوکو کی اجازت کے بغیر ایسے جانوروں کو بھی بھیجا نہیں جاتا تھا جن کا گوشت کھایا جاتا ہے۔

وہ دونوں خچروں کو ہانکتے ہوئے اسٹیشن تک پہنچ گئے۔ سلیمان جوگو نے اسٹیشن ماسٹر سے ملاقات کی، اپنا تعارف کرایا اور کہا۔ "مسٹر لوکو نے انھیں قلعے میں آنے کی اجازت دی ہے۔"

اسٹیشن ماسٹر نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کیے۔ دوسرے پہاڑ کی چوٹی پر جو ہینگنگ چیئرز اسٹیشن تھا، وہاں کے اسٹیشن ماسٹر سے رابطہ قائم ہوگیا۔ اسے سلیمان جوگو اور پومی کے متعلق بتایا گیا۔ دوسری طرف سے کہا گیا۔" مسٹر سلیمان جوگو سے کہا جائے کہ ان کے پاس جو ٹرانسمیٹر ہے، اس کے ذریعے مسٹر لوکو سے رابطہ قائم کریں۔ جب ہمارے باس سے حکم ملے گا تو ہم یہاں آنے کی اجازت دیں گے۔"

اس کے مطابق سلیمان نے ٹرانسمیٹر کے ذریعے رابطہ قائم کیا۔ مسٹر لوکو نے خوش ہوکر کہا۔" اچھا تو تم پومی کے ساتھ یہاں تک پہنچ گئے ہو۔ بائی دی وے، مجھے یقین نہیں آرہا ہے کہ وہ ایسی جگہ آرہی ہے جہاں سے واپسی ممکن نہیں ہے۔"

سلیمان نے کہا۔" یقین نہیں آرہا ہے تو اپنے آدمیوں سے کہو، پومی کے چہرے کا اچھی طرح جائزہ لیں۔ اگر وہ میک اپ میں ہے تو میک اپ اتارنے کی کوشش کریں۔"

مسٹر لوکو نے کہا۔" اب اصلی اور میک اپ زدہ چہروں کو سمجھنا بہت مشکل ہوگیا ہے۔ پلاسٹک سرجری کے ذریعے نقلی کو بھی اصلی ثابت کردیا جاتا ہے۔ بہرحال تم آسکتے ہو۔ میں اپنے آدمیوں کو حکم دیتا ہوں، وہ تم دونوں کو یہاں پہنچادیں گے۔"

رابطہ ختم ہوگیا۔ تھوڑی دیر بعد ہی فون پر اطلاع ملی کہ پومی اور سلیمان جوگو کو ہینگنگ چیئرز پر قلعے تک پہنچادیا جائے۔

اسٹیشن ماسٹر انھیں اس پلیٹ فارم تک لے گیا جہاں یکے بعد دیگرے کرسیاں قطار سے رکھی ہوئی تھیں۔ وہ سب

موٹے آہنی تار سے منسلک تھیں۔ وہاں دو طرفہ تار تھے۔ ایک تار سے لٹکنے والی کرسیاں مسافروں کو دوسری پہاڑی پر لے جاتی تھیں اور دوسرے تار سے لٹکنے والی کرسیاں اس قلعے سے آنے والوں کو یہاں تک لاتی تھیں۔

اس پلیٹ فارم پر دو شخص اور تھے۔ان میں سے ایک مشین آپریٹر تھا۔اس نے دوسرے شخص سے کہا۔"انھیں کرسیوں پر بٹھاؤ، میں مشین چلاتا ہوں۔"

وہ پلیٹ فارم کے پیچھے والے بڑے ہال میں چلا گیا جہاں ایک بڑی سی مشین نصب کی گئی تھی۔اس مشین کے آن ہوتے ہی کرسیاں خودبخود تار پر جھولتی ہوئی دوسری طرف جانے لگتی تھیں۔ادھر پلیٹ فارم پر کھڑے ہوئے شخص نے پومی اور سلیمان سے کہا۔وہ الگ الگ کرسیوں پر بیٹھ جائیں اور سیفٹی بیلٹ باندھ لیں۔اس کرسی کے ہتھے پر ایک چھوٹا سا ہینڈل تھا جسے تھام کر کرسی کی رفتار بڑھائی اور گھٹائی جاسکتی تھی۔ پہلی کرسی پر پومی کو بیٹھنے کے لیے کہا گیا۔سلیمان جوگو نے کہا۔"پہلے میں بیٹھوں گا۔"

اس شخص نے کہا۔"سوری، میرے پاس احکامات آئے ہیں، پہلی کرسی پر یہ لڑکی جائے گی۔ دوسری پر تم۔"

اسی وقت واٹسوروکی وہاں پہنچ گیا۔اس نے کہا۔"اور تیسری پر میں جاؤں گا۔"

پلیٹ فارم پر کھڑے ہوئے شخص نے کہا۔"ماسٹر کے حکم کے بغیر تم تو کیا تمھارے سر کا بال بھی نہیں جاسکے گا۔اپنے آس پاس دیکھ لو۔"

اس کے آس پاس اچانک مسلح افراد پہنچ گئے تھے۔ان سب کے ہاتھوں میں اسٹین گنیں تھیں۔پھر ایک مسلح شخص نے کہا۔"مسٹر سلیمان جوگو! ابھی فون پر باس کا حکم ملا ہے کہ تم ٹرانسمیٹر کے ذریعے گفتگو کرسکتے ہو۔"

سلیمان نے رابطہ قائم کیا۔دوسری طرف سے مسٹر لوکو کی آواز سنائی دی۔وہ کہہ رہا تھا۔"سلیمان! میرے قلعے میں صرف دو افراد آئیں گے۔ان میں پومی کی آمد لازمی ہے۔دوسرے تم ہوسکتے ہو یا پومی کا استاد ماسٹر روکی۔یہ تم دونوں فیصلہ کرو، کون آئے گا۔"

سلیمان جوگو نے جھنجلا کر کہا۔"میں آؤں گا۔تم نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ میرے آتے ہی رقم ادا کرو گے۔"

مسٹر لوکو نے ہنستے ہوئے کہا۔"تمھیں غصہ بہت جلدی آتا ہے۔ذرا ٹھنڈے دماغ سے سوچو۔تم یہاں تک آنے کے لیے واٹسوروکی کو ہلاک کردو گے تو میرا ایک اور دشمن ختم ہوجائے گا۔ تمھارے معاوضے کی رقم اور بڑھ جائے گی۔"

اچانک سلیمان کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی۔وہ خونخوار نظروں سے واٹسوروکی کو دیکھنے لگا۔اس ٹرانسمیٹر سے مسٹر لوکو کی آواز ابھر رہی تھی۔وہ کہتا جا رہا تھا۔"اگر واٹسوروکی نے تمھیں ہلاک کردیا تو میرے چالیس ہزار ڈالر محفوظ رہیں گے۔میں اس کی ادائیگی سے بچ جاؤں گا۔"

وہ غصے سے ٹرانسمیٹر کو دیکھتے ہوئے بولا۔"تم جھوٹے ہو۔میری رقم بڑھاتے جاتے ہو۔لالچ دیتے جاتے ہو اور مجھ سے کام لیتے جاتے ہو۔ٹھیک ہے، میں اس بڈھے جاپانی کو ابھی ختم کردوں گا۔بولو، میری رقم کتنی بڑھے گی؟"

دوسری طرف سے آواز آئی۔"دس ہزار ڈالر۔"

"تو پھر پورے پچاس ہزار ڈالر تیار رکھو۔میں پومی کو لے کر آرہا ہوں۔"

واٹسوروکی ذرا فاصلے پر کھڑا ہوا تھا۔میں اسے ٹرانسمیٹر پر ہونے والی گفتگو بتاتا جا رہا تھا۔سلیمان نے اپنا ٹرانسمیٹر پاس کھڑے ہوئے شخص کو دیا۔پھر غرا کر واٹسوروکی کی طرف پلٹ گیا۔روکی نے کہا۔"میں جانتا ہوں، دس ہزار کی رقم بڑھ گئی ہے مگر تمھاری زندگی گھٹ سکتی ہے۔"

وہ محتاط انداز میں پینترے بدلتا ہوا واٹسوروکی کے سامنے آیا۔روکی نے کہا۔"تمھیں یاد ہے، تم مجھ سے مصافحہ کرنا چاہتے تھے۔میں نے کہا تھا، میں اپنے مدمقابل سے زندگی کا پہلا اور آخری مصافحہ کرتا ہوں۔کیا خیال ہے؟"

یہ کہتے ہوئے واٹسوروکی نے اپنا ہاتھ مصافحہ کے لیے بڑھایا۔سلیمان نے گھور کر اس کے ہاتھ کو دیکھا پھر اچانک لات ماری۔مگر جہاں لات ماری، وہاں ہاتھ نہیں تھا۔جب اس کی لات اپنی جگہ واپس آئی تو وہ ہاتھ اپنی جگہ دکھائی دیا۔بوڑھے جاپانی کی یہ شرارت غصے کو بھڑکانے کے لیے کافی تھی۔اس نے بھڑک کر یکبارگی حملہ کیا۔وہ حملہ بھی ناکام ہوا۔واٹسوروکی نے کہا۔"اگرچہ تم میرے دشمن ہو مگر اصولی بات سمجھاتا ہوں۔مجھ سے لڑنا چاہتے ہو تو دماغ کو قابو میں رکھو۔غصہ تھوک دو ورنہ ایک حملہ بھی کامیاب نہیں ہوسکے گا۔"

سلیمان جوگو نے اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔اب اس کا دماغ سمجھا رہا تھا۔"بوڑھا بہت ہی شاطر ہے۔آسانی سے قابو میں آنے والا نہیں ہے۔بہت سوچ کر اس پر حملہ کرنا ہوگا۔"

یہ سوچتے ہی اس نے اپنا ایک ہاتھ بڑھایا۔مگر وہ مصافحے کے لیے نہیں، پنجہ لڑانے کے لیے تھا۔واٹسوروکی نے اس کی یہ خواہش پوری کی۔اس سے ایک ہاتھ کا پنجہ ملایا۔

اس نے دوسرا ہاتھ بھی بڑھایا۔پھر دونوں ہاتھ کے پنجے ایک دوسرے سے مل گئے۔

دونوں میں زور آزمائی ہونے لگی۔سلیمان جوگو طاقت میں زیادہ تھا۔واٹسوروکی کمال میں زیادہ تھا۔سلیمان نے پوری قوت سے اس کی انگلیوں کو اپنے شکنجے میں لیتے ہوئے کہا۔"یہ فولادی پنجہ ہے۔اس سے نکل نہیں پاؤ گے۔"

بے شک وہ فولادی پنجے تھے۔ان سے کوئی نہیں نکل سکتا تھا لیکن واٹسوروکی نے مسکراتے ہوئے کہا۔"ننھے ننھے باریک اور نرم کیچوؤں کو دیکھا ہے۔وہ سخت زمین میں سرنگ لگا کر اندر چلے جاتے ہیں اور اسی سرنگ سے نکل آتے ہیں یہ دیکھو۔"

پھر سلیمان جوگو نے اپنی پوری قوتیں صرف کرنے کے باوجود دیکھا، واٹسوروکی کی انگلیاں اس کی آہنی انگلیوں کے درمیان سے کیچوؤں کی طرح پھسلتی ہوئی نکل رہی تھیں۔وہ پوری قوت سے دبوچے رہنا چاہتا تھا لیکن ناکام ہو رہا تھا۔اچانک ہی اس کا ہاتھ اس کے آہنی شکنجے سے نکلا۔پھر دو ہاتھ اس کے منہ پر پڑے۔وہ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے گیا۔پھر سر کو جھٹک کر دیکھا۔ واٹسوروکی اس کے سامنے کھڑا اپنے دو آزاد ہاتھوں کو دکھا رہا تھا۔پومی آرام سے کرسی پر سیفٹی بیلٹ باندھے بیٹھی ہوئی تھی۔ ایک مسلح شخص نے کہا۔"ہم انتظار نہیں کرسکتے۔کرسیاں یہاں سے جارہی ہیں۔ایک میں پومی بیٹھی ہے۔دوسری خالی جائے گی۔تم میں سے جو بھی اس خالی پر قبضہ جمائے گا، وہی اس پار قلعے میں جاسکے گا۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی اچانک گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی دی، مشین چل پڑی تھی۔پومی کی کرسی نے حرکت کی اور تار پر جھولتے ہوئے آگے جانے لگی۔سلیمان جوگو دوڑ کر خالی کرسی کی طرف جانا چاہتا تھا مگر اس کی ٹانگ پر واٹسوروکی کی ٹانگ پڑی۔وہ اوندھے منہ گر پڑا۔

دوسری خالی کرسی پومی سے تقریباً پانچ گز کے فاصلے پر تھی۔پومی کرسی پر بیٹھی پلیٹ فارم سے نکل کر پہاڑی سطح سے دور ہوچکی تھی۔اس کے پاؤں تلے سیکڑوں فٹ گہری کھائی تھی۔وہاں اتنی گہرائی تھی کہ سورج کی روشنی مشکل سے پہنچتی تھی۔اگر کرسی پر سیفٹی بیلٹ نہ بندھا ہو تو کوئی بھی کمزور شخص ہوا کے تیز جھونکے سے موت کی انجانی پستیوں میں پہنچ سکتا تھا۔

پومی کے پیچھے پانچ گز کے فاصلے پر جو خالی کرسی تھی، اس کرسی نے بھی حرکت کی۔آگے جانے لگی۔واٹسوروکی تیزی سے دوڑتا ہوا کرسی کی طرف لپکا مگر اس کی ٹانگ پر سلیمان جوگو کا ہاتھ پڑا۔روکی گرتے گرتے اس خالی کرسی سے لپٹ گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اس کرسی پر گھسٹتے ہوئے جانے لگا۔

سلیمان جوگو کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ دوڑتا ہوا کرسی سے جا کر لپٹ جاتا یا اس پر چڑھتا۔اس نے اچھل کر گھسٹنے والے واٹسوروکی کی دونوں ٹانگوں کو پکڑ لیا۔اب وہ بھی اس کے ساتھ گھسٹتا جا رہا تھا۔دونوں پلیٹ فارم کی حد سے نکل گئے تھے۔پہاڑی سطح کی بلندی سے نکلتے ہی اچانک واٹسوروکی کو جھٹکا سا لگا۔ایک تو اس کے اپنے وجود کا وزن تھا، دوسرے سلیمان جوگو اس کی ٹانگ پکڑ کر لٹک رہا تھا۔اس نے ذرا سر جھکا کر دیکھا۔نیچے سیکڑوں فٹ کی گہرائی تھی اور جوگو اس کی ٹانگیں پکڑ کر جھول رہا تھا۔

یہ سوچنا ہی حماقت تھی کہ کوئی سیفٹی بیلٹ باندھے بغیر فضا میں جھولتا ہوا پہاڑ کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جاسکتا ہے اور کہاں یہ کہ واٹسوروکی کرسی پر بیٹھا ہوا نہیں تھا، اس سے لپٹا ہوا تھا اور سلیمان اس کی ٹانگیں پکڑ کر لٹک رہا تھا۔دونوں ہی زندگی اور موت کے درمیان جھول رہے تھے۔اتنی بلندی پر ہوا سائیں سائیں کرتی گزر رہی تھی۔

واٹسوروکی نے چیختے ہوئے کہا۔"سلیمان! میں اپنی بیٹی کی حفاظت کے لیے جا رہا ہوں اور تم پچاس ہزار کے لیے۔میں چاہوں تو تمھیں اس کرسی تک پہنچنے نہ دوں مگر تمھیں توبہ کا موقع دیتا ہوں۔تم نے اسلام قبول کیا ہے۔میں تمھیں سمجھاتا ہوں، لالچ سے باز آجاؤ۔ہم تمھیں دوست بنا کر رکھنا چاہتے ہیں۔"

اس کی باتوں کے دوران سلیمان اپنی دونوں ٹانگوں کو اوپر کی طرف اٹھا رہا تھا۔کرسی کے چار آہنی پائے، چار آہنی راڈ سے منسلک تھے۔سلیمان نے اپنی ٹانگیں ان میں سے ایک راڈ میں پھنسالیں یعنی اب صرف واٹسوروکی کا سہارا نہیں تھا۔ وہ راڈ کے سہارے بھی کرسی سے الٹا لٹک سکتا تھا مگر اس نے واٹسوروکی کو نہیں چھوڑا۔

مگر وہ کب تک ٹانگیں پکڑ کر رہ سکتا تھا۔اصل مقصد تو کرسی پر قبضہ جمانا تھا اور قبضہ حاصل کرنے کے لیے وہاں تک پہنچنا لازمی تھا۔اس نے ایک ایک کرکے اس کی ٹانگوں کو چھوڑ دیا۔کرسی کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔اب کرسی کے اوپر واٹسوروکی تھا اور اس کے نیچے راڈ پر سلیمان جوگو اوپر آنے کی کوشش کر رہا تھا۔

پومی نے بار بار سر گھما کر دیکھا۔وہ بڑا ہی دم بخود کردینے والا منظر تھا۔دو انسان زندگی اور موت کے لیے ہزاروں فٹ کی بلندی پر ایک دوسرے سے لڑ رہے تھے اور ایک کرسی پر قبضہ جمانا چاہتے تھے۔کرسی خواہ زمین پر ہو یا خلا میں،

اس پر قبضہ جمانے کے لیے دو قوتیں آپس میں برسرِ پیکار رہتی ہیں۔

سلیمان جوگو کرسی کے پائیدان کی طرف آگیا۔ پھر وہاں کی ان دونوں زنجیروں کو مضبوطی سے تھام لیا جو موٹے تار سے منسلک تھیں اور اس تار پر ایک آہنی پہیے کے ذریعے پھسلتی جا رہی تھیں۔ اس کے پاؤں آہنی راڈ پر جمے ہوئے تھے۔ جب اس نے سر اٹھا کر کرسی کی طرف دیکھا تو وہاں والشورو کی بیٹھا ہوا تھا اور کہہ رہا تھا "یہ نہ سمجھنا کہ میں تمھیں نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ تمھیں یہاں تک پہنچنے کا موقع دے رہا ہوں۔ اب بھی لالچ سے باز آجاؤ۔"

اس نے کہا "میں توبہ کرتا ہوں۔ میں لالچ نہیں کروں گا۔ مجھے کرسی پر آنے دو۔"

والشورو کی نے ایک انگلی کا اشارہ کیا۔ یعنی اسے آنے کی اجازت دے دی۔ کرسی ایک فرد کے لیے تھی۔ وہ پائیدان پر آکر کھڑا ہو گیا۔ والشورو کی نے پوچھا "کیا تم اب بھی پچاس ہزار میں پومی کا اور میرا سودا کرو گے؟"

وہ زنجیروں کو مضبوطی سے پکڑے کھڑا ہوا تھا۔ اس نے کہا "بے وقوف! وہ مسٹر نوکو ہم میں سے کسی کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ صرف مجھے اس لیے چھوڑ سکتا ہے کہ میں اس کے کام آرہا ہوں۔ پومی کو اس کے پاس پہنچا رہا ہوں اور تمھارا خاتمہ کرنے والا ہوں۔"

یہ کہتے ہی اس نے اچانک والشورو کی کے منہ پر ٹھوکر ماری۔ روکی کا منہ دوسری طرف گھوم گیا۔ نیچے بہت نیچے موت کی انجانی گہرائی تھی۔ روکی نے حفاظتی بیلٹ نہیں باندھی تھی۔ اس لیے ٹھوکر کھانے کے بعد آدھا نیچے جھک گیا تھا۔ گرنے ہی والا تھا لیکن اس نے کرسی کے نچلے راڈ کو تھام لیا تھا۔ دوسرے ہاتھ سے زنجیر کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھا۔ اس پر پے در پے سلیمان جوگو کی بھاری بھرکم لاتیں پڑ رہی تھیں۔

ہر ٹھوکر پر یوں لگ رہا تھا جیسے اب تب میں وہ نیچے گرنے ہی والا ہو۔ جیسے زندگی تھک گئی ہو اور اسے موت کی گہری آغوش میں پہنچانا چاہتی ہو۔ ایک بار اچانک ہی اس کے ہاتھ سے راڈ چھوٹ گیا۔ یہ سلیمان جوگو کے لیے فیصلہ کن موقع تھا۔ اس نے ایک ہاتھ سے زنجیر چھوڑ دی۔ دوسرے ہاتھ سے زنجیر کو تھامے رہا۔ پھر آگے بڑھ کر اس نے والشورو کی کے منہ پر ٹھوکر مارنا چاہی مگر روکی نے اپنا سر ایک طرف ہٹا لیا۔ اس نے اتنی زور سے ٹھوکر مارنا چاہی تھی کہ وار خالی جاتے پر

ایسا لگا جیسے ہاتھ سے زنجیر چھوٹ گئی ہو واقعی اس کے ہاتھ سے زنجیر چھوٹ گئی تھی۔ وہ حملہ کرنے کی جھونک میں پیچھے پھسلنے لگا تھا۔

تب پتا چلا' روکی کے ہاتھ سے راڈ چھوٹا نہیں تھا۔ اس نے جان بوجھ کر چھوڑا تھا۔ سلیمان کے آگے چارہ ڈالا تھا کہ وہ آگے بڑھ کر فیصلہ کن حملہ کرے اور اس نے یہی کیا تھا جیسے ہی اس نے منہ پر ٹھوکر مارنا چاہی تھی' روکی نے اپنا سر ایک طرف ہٹا کر اس کی ٹانگ پکڑ کر کھینچ لی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہاتھ سے زنجیر چھوٹ گئی۔ وہ کرسی کے پائیدان سے پھسلتا ہوا نیچے جانے لگا مگر ایک ٹانگ روکی کے ہاتھ میں تھی اس نے اس ٹانگ کو اپنی بغل میں دبا لیا تھا۔ دوسرے ہاتھ سے زنجیر کو تھامے ہوئے تھا اور کرسی پر اوندھے منہ پڑا ہوا تھا۔

سلیمان جوگو کسی بھی لمحے میں زندگی کے ہاتھوں سے چھوٹ سکتا تھا۔ موت کی اندھی آغوش میں پہنچ سکتا تھا۔ کیونکہ وہ سیدھا لٹک رہا تھا۔ ایک آدھ بار اس نے دوسری ٹانگ چلا کر اسے راڈ تک پہنچانے کی کوشش کی تو روکی نے چیخ کر کہا "اب تمھاری جدوجہد کا وقت ختم ہو چکا ہے۔ تم بازیگری دکھا کر کرسی کے راڈ تک پہنچنا چاہو گے تو میں تمھاری ٹانگ چھوڑ دوں گا۔"

وہ سمجھ رہا تھا' ٹانگ روکی کے ہاتھ سے چھوٹ گئی تو پھر وہ کہیں کا نہیں رہے گا کوئی سہارا نہیں ملے گا۔ اس لیے وہ دم سادھے' چپ چاپ الٹا لٹکتے ہوئے دیدے پھیلا کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا جیسے کوئی نادان بچہ تیرنا نہ جانتا ہو اور خلا میں تیرنے کے خواب دیکھ رہا ہو۔

پلومی بڑی دیر سے اپنی کرسی پر بیٹھی یہ...... تماشا دیکھ رہی تھی۔ اس نے ہینڈل کو تھام کر اس کی رفتار سست کر دی۔ وہ سمجھ رہی تھی' اس کا استاد ماسٹر روکی زیادہ دیر تک کرسی پر اوندھا پڑا رہ کر سلیمان جیسے پہاڑ کو سنبھال نہیں سکے گا۔ آخر بوڑھا ہے۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ زیادہ مشقت کرے۔ لہٰذا اس نے بلند آواز سے کہا "سلیمان! اب بھی آنکھیں کھولو۔ دوست اور دشمن کو پہچانو۔ مجھے جس کے حوالے کرنے جا رہے ہو وہ تمھیں پھوٹی کوڑی نہیں دے گا اور ہم تمھیں بار بار موت کے منہ سے بچا رہے ہیں۔ لو ایک بار پھر تمھیں زندگی کی طرف لا رہے ہیں۔"

اس نے رسّی کے بنڈل کو کھول کر اس کے ایک سرے کو تھاما۔ باقی بنڈل کے پیچھے کو دور سلیمان جوگو کی طرف اچھال دیا۔ وہ بنڈل کھلتا ہوا سلیمان کی طرف گیا۔ اس نے فوراً ہی اسے تھام لیا۔ پومی نے کہا "ماسٹر! اسے چھوڑ دو۔ سیٹ پر سیدھی طرح بیٹھ کر سیفٹی بیلٹ باندھ لو۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے رسّی کے اس سرے کو جو اس کے ہاتھ میں تھا۔ . . کرسی کی زنجیر سے باندھ دیا۔ اُدھر روکی نے اس کی ٹانگ چھوڑ دی تھی۔ وہ لٹکتا ہوا ذرا دور تک گیا۔ اس کے حلق سے چیخ نکلنے لگی مگر وہ رسّی سے لٹک رہا تھا۔ جھولنے والی کرسی سے بہت نیچے جھولتا جا رہا تھا۔

ذرا دیر بعد اس کے حواس درست ہوئے تو وہ رسّی کو اسی طرح مضبوطی سے تھامے اوپر کی طرف چڑھنے لگا۔ پومی نے سر جھکا کر کہا "خبردار! جہاں ہو وہیں رہو۔ میرے جھولے تک آنے کی کوشش کرو گے تو میں اس رسّی کو چاقو سے کاٹ ڈالوں گی۔"

اس نے لانبا سا چاقو کھول کر اسے دکھایا۔ وہ جہاں تھا وہیں لٹکتا رہ گیا۔ حسرت سے سر اٹھا کر دیکھتا رہا۔ کبھی پومی کو، کبھی والشورو کی کو۔ ان میں سے وہ کسی کی کرسی تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ یہی اطمینان کافی تھا کہ وہ زندہ رہ سکے گا اور مسٹر نوکو تک پہنچ کر اپنا معاوضہ وصول کر سکے گا۔ افسوس اس بات کا تھا کہ وہ دس ہزار نہیں ملیں گے۔ وہ بوڑھا جاپانی بڑا ڈھیٹ ثابت ہوا تھا۔ اس کے سامنے بلندی پر زندہ سلامت کرسی پر بیٹھا سفر کر رہا تھا۔

آخر وہ دوسری پہاڑی کی چوٹی پر قلعے کے قریب پہنچنے لگے۔ سب سے پہلے سلیمان جوگو کے پاؤں اس پہاڑی سے لگے۔ کیونکہ وہ نیچے تھا اور سب سے پہلے پہاڑی کو چھو رہا تھا۔ پھر وہ رسّی کو تھامے ہوئے اس پہاڑی پر دوڑنے لگا۔ اوپر کی طرف چڑھنے لگا۔ اس کے ساتھ ساتھ رسّی پر بھی چڑھتا گیا۔ اب پومی نے اس کے چڑھنے پر اعتراض نہیں کیا۔ حالات کا یہی تقاضا تھا۔

وہ تھوڑی دیر بعد نوکو کیسل کے ہل اسٹیشن پر پہنچ گئے وہاں دور دور تک مسلح افراد نظر آرہے تھے۔ وہ سب ایک ہی رنگ کی وردی میں ملبوس تھے۔ سب کے شانے سے اسٹین گنیں لٹک رہی تھیں جس پلیٹ فارم پر پومی' والشورو کی پہنچے وہاں بھی وہی وردی والے مسلح افراد موجود تھے۔ مسلح افراد کے ایک افسر نے کہا "ہماری اطلاع کے مطابق یہاں صرف دو افراد کو آنا چاہیے جبکہ تین نظر آرہے ہیں۔"

سلیمان جوگو نے جلدی سے آگے بڑھ کر کہا "مسٹر نوکو نے مجھ کو اور اس لڑکی کو بلایا ہے۔ یہ بوڑھا جاپانی زبردستی چلا آیا ہے۔"

روکی نے کہا "بے وقوف جوگو! کیا اب بھی تمھیں امید ہے کہ چالیس ہزار ڈالر تمھیں مل جائیں گے۔"

اس افسر نے ٹرانسمیٹر کے ذریعے رابطہ قائم کیا پھر کہا۔ "سر! یہاں تین ہیں۔"

مسٹر نوکو کی آواز سنائی دی "تیسرا آ ہی گیا ہے تو آنے دو۔"

پومی چاروں طرف گھوم کر اس پہاڑی حصے کو دیکھ رہی تھی۔ بہت بلندی پر وہ قلعہ دکھائی دے رہا تھا بلکہ قلعے کی دیوار کا کچھ حصہ نظر آرہا تھا۔ پتا چلتا تھا جیسے وہ میلوں دور تک پھیلا ہوا ہے اور وہاں تک پہنچنے کا راستہ کسی دوسری جگہ سے ہے۔

افسر کے حکم پر مسلح افراد نے پومی' ماسٹر والشورو کی اور سلیمان جوگو کو گھیر لیا۔ وہ دو قطاروں میں کھڑے ہو گئے۔ پھر تینوں قیدیوں کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ دونوں طرف کے مسلح افراد لیفٹ رائٹ کرتے ہوئے انھیں اپنے درمیان لے کر چلنے لگے۔ پومی اور والشورو کی چاروں طرف دیکھتے جا رہے تھے ان کی سوچ بتا رہی تھی کہ وہاں سے فرار کا کوئی راستہ نہیں ہے' اگر وہ قلعے میں پہنچ کر نکلنے کی کوشش کریں گے اور ان پہاڑیوں سے گزرنا چاہیں گے تو قدم قدم پر مسلح افراد راستہ روکیں گے پھر یہ پہاڑی کتنی دور تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس کا نقشہ پومی یا والشورو کی کے پاس نہیں تھا۔

وہ افسر اُن کے ساتھ چل رہا تھا۔ اس نے مسکرا کر کہا۔ "اچھی طرح چاروں طرف دیکھتے چلو اور اطمینان کر لو کہ فرار کا راستہ نہیں ہے۔ ہم جیسے عام لوگوں کے لیے یہی لفٹ چیئر ہے جس کے ذریعے تم لوگ یہاں تک پہنچے ہو۔ ہمارا باس ہیلی کاپٹر کے ذریعے آتا ہے اور وہی ایک ہیلی کاپٹر یہاں آسکتا ہے' کوئی دوسرا آنا چاہے گا تو اسے قلعے پر پرواز کرنے سے پہلے ہی مار کر گرا دیا جائے گا۔ بائی دی وے' آج تک کسی ہیلی کاپٹر والے نے قلعے کے اوپر سے بغیر اجازت پرواز کرنے کی جرأت نہیں کی۔"

وہ باتیں کرتے ہوئے ایک غار کے دہانے کے سامنے آکر رک گئے۔ وہاں بھی مسلح افراد کا سخت پہرہ تھا۔ افسر نے کہا "ہماری ڈیوٹی یہیں تک ہے۔"

دوسرے افسر نے آکر کہا "یہاں سے میری ڈیوٹی شروع ہوتی ہے۔ میرے ساتھ چلے آؤ۔"

وہ مسلح افراد واپس چلے گئے۔ دوسرے مسلح جوانوں نے آکر انھیں چاروں طرف سے گھیر لیا۔ پھر اسی طرح دو قطاروں میں تقسیم ہو گئے۔ لیفٹ رائٹ کرتے ہوئے انھیں اپنے درمیان

لے کر غار کے دہانے میں داخل ہو گئے۔ اندر پتھروں سے تراشیدہ ہال تھا۔ اس ہال کے ایک طرف ایک لفٹ تھی جو نامعلوم بلندیوں تک جاتی تھی۔ پومی، والشورو کی اور سلیمان جوگو کو لفٹ میں پہنچا دیا گیا۔ پھر اس افسر نے ایک بٹن کو دبا دیا۔ اس کا دروازہ بند ہو گیا۔ تینوں نے اس کے اندر چاروں طرف گھوم کر دیکھا۔ اندر کوئی ایسا بٹن نہیں تھا جس کے ذریعے دروازے کو کھولا یا بند کیا جا سکتا تھا یا اسے اوپر لے جایا جا سکتا تھا یا نیچے لایا جا سکتا تھا۔ وہ تینوں اس لفٹ میں قید ہو کر رہ گئے تھے۔

وہ لفٹ اوپر کی طرف جا رہی تھی جو آفیسر غار کے دہانے پر رہتا تھا اس کی ڈیوٹی لفٹ کے باہر تک تھی۔ وہ باہر ہی رہ گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد لفٹ رک گئی۔ دروازہ خود بخود کھل گیا۔ باہر نکل کر پتا چلا، وہاں ایک تیسرا افسر تھا۔ اس نے بٹن کو دبا کر دروازے کو کھولا تھا۔

انھوں نے باہر نکل کر دیکھا۔ اب وہ تراشیدہ ہال نہیں تھا۔ وہاں کا منظر ہی بدل گیا تھا۔ دور دور تک ہریالی نظر آ رہی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ [illegible] بلند ترین چوٹی پر [illegible] کے اندر پہنچ گئے تھے [illegible]

[illegible]

"اچھی بات ہے۔ [illegible]

آتا ہوں۔"

میں نے شیبا سے پوچھا: "کیا میں تمھارے پاس آسکتا ہوں؟"

اس نے اجازت دی۔ میں نے پوچھا: "کیا بات ہے؟ تم اتنی دیر سے غیر حاضر ہو۔ پومی کی خبر لینا چاہیے۔"

"میں کیا کروں؟ بہت پریشان ہوں۔ ربی اسفندیار چند اسرائیلی افسران کے ساتھ ادارے میں آنے والے ہیں انھیں یہاں کی سرکار نے ادارے میں آکر مجھ سے اور ماما سے بات کرنے کی اجازت دی ہے۔ شیخ الفارس نے بھی اسے منظور کر لیا ہے۔ میں سوچ رہی ہوں، پتا نہیں اب کیا ہونے والا ہے؟"

"تم فکر نہ کرو۔ شیخ صاحب جو مشورہ دیتے رہیں، اس پر عمل کرتی رہو۔ میں ابھی تمھارے پاس آنے کی کوشش کروں گا۔"

میں نے واپس آکر سونیا سے خیال خوانی کے ذریعے کہا۔ "بڑی مشکل ہے۔ شیبا اپنی جگہ پریشان ہے۔ وہاں اتنے اہم معاملات ہیں کہ میں اسے پومی کے پاس جانے کے لیے نہیں کہہ سکتا بلکہ مجھے بھی بابا صاحب کے ادارے میں موجود رہنا چاہیے۔"

"آخر بات کیا ہے؟"

[illegible]

[illegible]

اس نے کہا: "فکر نہ کرو۔ میرے ساتھ میرے [illegible]"

[illegible] زبان دے چکا تھا کبھی اس کی اجازت کے بغیر نہیں آؤں گا۔ لہٰذا میں نے اپنی آمد کے متعلق بتایا۔ وہ مطمئن ہو کر بولی: "فرہاد! مجھے بڑا ڈر لگ

رہا ہے۔ تم آگئے ہو پھر بھی سوچتی ہوں، ربی اسفندیار کا سامنا کیسے کروں گی؟"

میں نے پوچھا: "اُن کی آنکھوں سے ڈر لگتا ہے؟"

"ہاں، وہ آنکھیں مقناطیسی ہیں، اپنی طرف کھینچ لیتی ہیں۔"

"یہ بھول رہی ہو کہ تم نے شمع کی لو پر نظریں مرکوز رکھ کر ٹیلی پیتھی کا علم حاصل کیا ہے۔ کسی بھی تنویمی عمل کرنے والے کی آنکھیں تم پر اتنی آسانی سے اثر انداز نہیں ہو سکتیں۔"

"میں مانتی ہوں مگر مجھ پر نفسیاتی اثر ہے۔ میں بچپن سے اُن کا احترام کرتی آئی ہوں۔ ان کا رعب اور دبدبہ دلوں پر طاری رہتا ہے۔ میں کیا سب ہی اُن سے دبتے ہیں۔"

"میں تمھارے دماغ میں موجود رہوں گا۔ تم اُن سے آنکھیں ملا کر باتیں کر سکو گی اور میں تمھیں متاثر ہونے کا موقع نہیں دوں گا۔"

"فرہاد! کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ میں یہاں سے فوراً پرواز کروں اور تمھارے پاس پہنچ جاؤں؟ مجھے ربی سے ڈر لگ رہا ہے شاید میرے نانا مرچنٹ ماموں بھی آئیں گے۔ ہو سکتا ہے، میرے ماموں ہرزل ماموں بھی یہاں آجائیں۔ سب مجھ پر دباؤ ڈالیں گے۔ اپنے ساتھ چلنے کے لیے کہیں گے۔"

تم اپنے دل اور دماغ کا فیصلہ سناؤ گی۔ تمھارا دل اگر کہتا ہے کہ تمھیں یہاں سے جانا چاہیے۔ تمھارا دماغ اگر سمجھاتا ہے کہ یہاں سے باہر رہ کر محفوظ رہ سکو گی اور آئندہ کبھی تمھاری ماں پر یا تم پر قاتلانہ حملہ نہیں ہوگا۔ تمھارے خلاف کبھی ایسی سازش نہیں کی جائے گی جس کا علم تمھیں کبھی نہ ہو سکے اور تم دھوکا کھاتی رہو۔ اگر یہ ساری باتیں تمھاری سمجھ میں آرہی ہیں تو تم خوب سوچ سمجھ لو۔ ابھی وقت ہے۔"

مگر وقت نہیں تھا۔ جیسے ہی سرکاری طور پر اجازت ملی، ویسے ہی وہ لوگ بابا صاحب کے ادارے تک پہنچ گئے۔ وہ کئی گاڑیوں میں آئے تھے۔ ان میں سب سے زیادہ اہمیت اسرائیلی سفیر کی تھی جو پیرس میں مقیم تھا۔ اس کے ساتھ اسرائیل کے چند اہم افسران بھی تھے۔ ایک گاڑی میں ربی اسفندیار، شیبا کے ماموں اور نانا کے ساتھ آیا تھا۔ جناب شیخ الفارس نے ان سب کو ایک بڑے سے ہال میں بٹھایا جہاں مذاکرات ہونے والے تھے۔ وہاں سب سے پہلے شیبا کی ماما موریا کو پیش کیا گیا۔

جب وہ اس ہال میں داخل ہوئی تو اس کی نگاہوں کے سامنے اس کا باپ مرچنٹ ماموں تھا اور بھائی ہرزل ماموں بھی تھا لیکن ان کے درمیان ربی اسفندیار کو دیکھ کر وہ تیزی سے چلتی ہوئی آئی، پھر اس کے سامنے گھٹنے ٹیک کر سر جھکا دیا۔ اس کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ ربی اسفندیار نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا: "بیٹی، میں تم سے شرمندہ ہوں۔ میں یہاں اپنی ندامت سے متعلق تفصیل سے بات کرنا نہیں چاہتا۔ پھر کبھی اسی موضوع پر گفتگو ہوگی، فی الحال اتنا سمجھ لو کہ میں نے جو کچھ کیا۔ اپنے ملک اور اپنی قوم کی بھلائی کے لیے کیا تھا۔"

ماما نے سر جھکا کر کہا: "میں مانتی ہوں۔ مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ میرے دل میں آپ کے لیے پہلے جیسی عقیدت ہے۔"

ربی اسفندیار نے پوچھا: "تمھاری بیٹی شیبا کہاں ہے؟"

جناب شیخ الفارس نے کہا: "محترم ربی! شیبا یہاں آئے گی مگر پہلے ہم ان معاملات پر گفتگو کر لیں۔"

ربی نے کہا: "جب ماں آئی ہے تو بیٹی کے پہلے.... آجانے میں کیا حرج ہے؟"

جناب شیخ صاحب نے کہا: "یہ اپنے اپنے معاملات ہیں۔ شیبا کی ماما اپنے دل سے مجبور ہو کر آپ کے سامنے گھٹنے ٹیکنے حاضر ہو گئیں۔ شیبا بھی دل سے مجبور ہوگی تو چلی آئے گی یا پھر ہمارے مذاکرات کے دوران اس کی ضرورت پیش آئی تو یہاں اُسے پیش کر دیا جائے گا۔"

اس ہال میں دور دور تک دائرے کی صورت میں کرسیاں تھیں۔ ان کرسیوں کے آگے چھوٹے چھوٹے ڈیسک تھے ہر ڈیسک پر ایک ایک مائکروفون رکھا ہوا تھا تاکہ کوئی بھی دور سے بولے تو آواز صاف طور پر سنائی دے۔ وہ سب اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ وہاں فرانسیسی حکومت کے بھی چند اہم افسران موجود تھے۔ سب سے پہلے ربی اسفندیار نے مائکروفون اپنے سامنے رکھتے ہوئے کہا: "ماما موریا اور اس کی بیٹی شیبا مدام قومیت کے لحاظ سے اسرائیلی ہیں۔ دونوں اسرائیلی سرزمین میں پیدا ہوئیں، وہیں پلی بڑھیں، تعلیم حاصل کی۔ ماما موریا اپنی تمام عمر وہاں گزار چکی ہیں۔ شیبا وہاں جوان ہوئی ہے۔ ان دونوں کو اپنے ملک اور قوم کے کام آنا چاہیے۔ اس لیے ہم ماں بیٹی کا مطالبہ کرنے آئے ہیں۔"

جناب شیخ الفارس نے مائک کے سامنے ذرا جھک کر کہا: "مجھے آپ کے مطالبے پر اعتراض نہیں ہے۔ دنیا کے ہر شخص کو اپنے ملک میں رہنے کا حق حاصل ہے۔ وہ جب چاہے جا سکتا ہے اور وہاں اپنی تمام زندگی گزار سکتا ہے۔ ہم ماما موریا اور شیبا مدام کو جبراً یہاں نہیں لائے۔ یہ اپنی مرضی سے آئی ہیں۔ اور اپنی مرضی سے جا سکتی ہیں۔ ان کے جانے پر ہمیں ہرگز اعتراض نہیں ہوگا۔"

ماما موریا نے اپنے مائکروفون کے بٹن کو آن کرتے ہوئے کہا۔ "میں جناب شیخ الفارس کا اور اس ادارے کے تمام افراد کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔ انھوں نے یہاں مجھے آرام سے رکھا۔ مجھے پناہ کی ضرورت تھی۔ انھوں نے پناہ دی۔ اب میں اپنی مرضی سے اپنی خوشی سے محترم ربی کے ساتھ جانا چاہتی ہوں۔"

اسرائیلی ہائی کمانڈ کے اعلیٰ افسر یعنی شیبا کے ماموں ہرزل ماموں نے کہا۔ "میری بہن نے اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا ہے۔ اب شیبا کو بلایا جائے تاکہ ہم اُس کی مرضی معلوم کر سکیں۔"

جناب شیخ الفارس نے کہا۔ "شیبا کو حاضر ہونے کے لیے کہا جائے۔"

وہ اس ہال سے منسلک ایک دوسرے کمرے میں بیٹھی تمام باتیں سن رہی تھی۔ میرے کہنے پر اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ میں نے کہا۔ "فکر نہ کرو۔ جہاں تم کمزور پڑو گی، وہاں میں پوری طرح تمھارے دماغ پر قابض ہو جاؤں گا۔"

وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے بڑے سے ہال کے دروازے پر پہنچی۔ اُس کا سر جھکا ہوا تھا۔ وہ چند قدم آگے بڑھ کر ہال میں داخل ہوئی۔ پھر سر اٹھا کر سب سے پہلے ہرزل ماموں کو دیکھا۔ ہرزل ماموں نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر دونوں بازو پھیلا دیے۔ وہ دوڑتی ہوئی آ کر اپنے ماموں کے سینے سے لگ گئی اور ایک بچی کی طرح رونے لگی۔ سرجنٹ ماموں بھی اپنی جگہ سے اُٹھ گیا۔ وہ اپنے ماموں سے الگ ہو کر اپنے نانا کے پاس دوڑتی ہوئی چلی گئی۔ پھر اس کے بھی سینے سے لگ کر رونے لگی۔ یہ بڑا ہی دل گداز منظر تھا۔ بچھڑے ہوئے رشتے آپس میں مل رہے تھے۔ میں نے انھیں ملنے کا موقع دیا۔ ان کے راستے میں ٹیلی پیتھی کی رکاوٹ پیدا نہیں کی۔ میں چپ چاپ تماشا دیکھتا رہا۔

ربی اسفندیار خوشی سے کھل رہا تھا۔ اس کی مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو رہا ہے۔ بچھڑے ہوئے رشتے دار اپنی اپنی طرف شیبا کو کھینچ رہے تھے۔ محبت کی اور خون کے رشتوں کی کشش ایسی ہی ہوتی ہے۔ چاہے جتنے عرصے بھی دور رکھا جائے، ایک نہ ایک دن اسی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں جہاں اُن کی مٹی، اُن کا خون، اُن کی تہذیب اور ان کی قوم انھیں پکارتی ہے۔

ہرزل ماموں نے شیبا کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "بیٹی! تمھارے ربی سامنے کھڑے ہیں۔ جاؤ، ان کے آگے سر جھکاؤ، ان کے ہاتھوں کو بوسہ دو۔"

شیبا روتے روتے ایک دم سے چونک گئی۔ اپنے نانا سے الگ ہو کر آنسو پونچھتے ہوئے ذرا پیچھے ہٹ گئی۔ پھر ربی کو دیکھتے ہوئے بولی۔ "میں اپنے مذہبی پیشوا کی عزت کرتی ہوں، احترام کرتی ہوں مگر مسٹر اسفندیار کو ربی تسلیم کرنے سے انکار کرتی ہوں۔"

یہ بات تمام یہودی مہمانوں کے لیے دھماکا ثابت ہوئی۔ وہ سب بے اختیار اپنی اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ ایک نے کہا۔ "شیبا! تم گستاخی کر رہی ہو۔ ابھی ہمارے سامنے محترم ربی سے معافی مانگو۔"

وہ ایک قدم اور پیچھے ہٹ کر بولی۔ "اپنے باپ کے قاتل سے معافی مانگنا تو دور کی بات ہے، میں بات کرنا بھی گوارا نہیں کرتی۔"

ہرزل ماموں نے چونک کر پوچھا۔ "بیٹی! یہ کیا کہہ رہی ہو؟"

"میں سچ کہہ رہی ہوں۔ مسٹر اسفندیار نے میری ماں کو قتل کرنے کی سازش کی تھی۔ ایک کرائے کے قاتل کی خدمات حاصل کی تھیں مگر قاتل کا نشانہ چوک گیا۔ جو گولی میری ماں کو لگنے والی تھی، وہ میرے باپ کو لگی۔ اگر آپ کہتے ہیں کہ یہ ربی ہیں اور ہمارے محترم ہیں تو میں آپ سب کے سامنے ان سے سوال کرتی ہوں، کیا میں جھوٹ بول رہی ہوں؟"

ربی اسفندیار نے جھجکتے ہوئے موریا کی طرف دیکھا۔ ماما موریا نے جلدی سے بیٹی کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "یہ ہمارے گھر کے جھگڑے ہیں۔ ہم گھر میں نمٹا لیں گے۔ ایسی باتیں یہاں مناسب نہیں ہیں۔"

ماما نے قریب آ کر بیٹی کا ہاتھ پکڑا۔ بیٹی نے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا۔ "میں نے مسٹر اسفندیار سے سوال کیا ہے۔ آپ بیچ میں نہ بولیں۔"

ربی اسفندیار نے کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔ "میں جو کہوں گا، سچ کہوں گا۔ اپنے ملک اور قوم کے لیے جان بھی دینا پڑی تو دریغ نہیں کروں گا۔ پچھلے دنوں مجھے اس بات کا علم ہوا کہ فرہاد علی تیمور ماما موریا کے دماغ میں پہنچ گیا ہے اور اس کے ذریعے شیبا کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ شیبا ہمارے ملک کے لیے کتنی اہم ہے، یہ میں اپنے اعلیٰ حکام کو بتا چکا ہوں۔ اور اس ادارے کے تمام اہم افراد بھی جانتے ہیں۔ ٹیلی پیتھی ایک ایسا ہتھیار ہے جس کے سامنے تمام جدید ترین ہتھیار بیکار رہ جاتے ہیں۔ میں شیبا کو ہر حال میں فرہاد سے دور رکھنا چاہتا تھا۔ اسے چھپا کر رکھنا چاہتا تھا۔ جب مجھے شبہ ہوا تو میں نے یہی مناسب سمجھا کہ ماما موریا کو راستے سے ہٹا دیا جائے۔ جب ماما کا دماغ ہی مردہ ہو جائے گا تو فرہاد اس دماغ کو شیبا تک

پہنچنے کے لیے استعمال نہیں کر سکے گا۔"

ایک فرانسیسی افسر نے پوچھا۔ "مسٹر ربی اسفندیار! کیا آپ اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ آپ نے ماما کو قتل کرنے کی سازش کی لیکن ان کی جگہ اُن کے شوہر قتل ہو گئے؟"

ربی اسفندیار نے کہا۔ "یہ جو کچھ ہوا، ہمارے ملک میں ہوا اور یہ ہمارے اپنے معاملات ہیں۔"

"گویا آپ سازشی اور قاتل ہونے کا اعتراف کر رہے ہیں۔"

اسرائیلی سفیر نے کہا۔ "آپ ہمارے ربی کو سازشی اور قاتل نہیں کہہ سکتے۔"

فرانسیسی افسر نے کہا۔ "آپ یہ نہ بھولیں کہ اس وقت فرانس کی سرزمین پر ہیں۔ یہاں ایک قاتل اپنے جرم کا اعتراف کر رہا ہے۔ اگر شیبا اور اس کی ماما نے اس قاتل سے محفوظ رہنے کے لیے ہمارے ملک میں پناہ لی ہے تو ہم انھیں ضرور پناہ دیں گے۔"

شیبا کی ماما نے کہا۔ "مجھے یہ پناہ منظور نہیں ہے۔ میں اپنے ملک واپس جاؤں گی۔"

فرانسیسی افسر نے کہا۔ "آپ اپنی مرضی سے جا سکتی ہیں لیکن مس شیبا کی کیا مرضی ہے؟"

کہاں تو شیبا ربی اسفندیار کا سامنا کرنے سے کترانا چاہتی تھی، اُس سے ڈر رہی تھی اور کہاں یہ کہ وہ بڑی دلیری سے جواب دے رہی تھی۔ شاید اس لیے کہ میں اُس کے اندر موجود تھا اور اُسے حوصلہ دے رہا تھا۔ وہ تن کر بولی۔ "میں ہرگز نہیں جاؤں گی۔ اس ادارے میں آ کر میں نے نئی زندگی حاصل کی ہے۔"

ہرزل ماموں نے اپنی جیب سے ایک کاغذ نکال کر اُسے کھول کر دکھاتے ہوئے کہا۔ "یہ شیبا کا پیدائشی سرٹیفکیٹ ہے۔ اس سرٹیفکیٹ کے مطابق یہ ابھی اٹھارہ برس کی ہے۔ قانونی طور پر یہ اپنے متعلق اہم فیصلے نہیں کر سکتی۔"

جناب شیخ الفارس نے کہا۔ "بیشک یہ ابھی اپنی شادی کا فیصلہ نہیں کر سکتی لیکن ایک ایسی بچی جو اس حد تک سمجھ رکھتی ہو کہ اپنے لیے خطرہ محسوس کرے تو وہ کہیں بھی بھاگ کر پناہ لے سکتی ہے۔ ہم نے اسے پناہ دی ہے اور ہم اسے جان بوجھ کر پھر قاتلوں کی پناہ میں نہیں جانے دیں گے۔"

ہرزل ماموں نے کہا۔ "محترم شیخ صاحب، اگر شیبا لاوارث ہوتی، اس کا کوئی بزرگ، سرپرست نہ ہوتا تو آپ اسے اپنی پناہ میں رکھ سکتے تھے۔ اب جبکہ اس کی ماں موجود ہے۔ اس کا ماموں موجود ہے۔ اس کا نانا موجود ہے تو اسے کس قسم کا خطرہ پیش آ سکتا ہے؟"

شیخ صاحب نے کہا۔ "وہی جو پہلے پیش آ چکا ہے۔ اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ جو سازش پہلے کی گئی، وہ اب نہیں کی جائے گی۔ اب تو فرہاد علی تیمور صرف ماما موریا کے دماغ میں نہیں، آپ کے دماغ میں بھی ہے، شیبا کے نانا کے دماغ میں بھی ہے۔ یہاں جو افسران اب تک اپنی آوازیں سنا چکے ہیں ان سب کے دماغوں میں پہنچ چکا ہے۔ محترم ربی اسفندیار فرہاد سے شیبا کو محفوظ رکھنے کے لیے اپنے کتنے آدمیوں کو قتل کریں گے۔ شیبا کا باپ ربی اسفندیار کی سازش سے مارا گیا، کیا تم بھی قتل ہونا چاہتے ہو؟"

ہرزل ماموں نے کہا۔ "آپ نے بہت ہی دانشمندانہ سوال کیا ہے۔ یہ ہمارے لیے سوچنے کا مقام ہے کہ ربی اسفندیار جب میری بہن کو قتل کر سکتے ہیں تو ہمارے خلاف بھی یہی سازش کر سکتے ہیں لیکن میں اسرائیلی ہائی کمان کا ایک اعلیٰ افسر ہوں۔ میں نے اپنی بھانجی شیبا کی حفاظت کے لیے اور اپنے اہلِ خاندان کی حفاظت کے لیے پہلے ہی انتظامات کر رکھے ہیں۔"

اُس نے ایک دوسرا کاغذ نکال کر شیخ الفارس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اسے دیکھیے، اس کاغذ کے مطابق محترم ربی اسفندیار کو ملک بدر کیا جا چکا ہے۔ یہ اب اسرائیلی سرزمین پر قدم نہیں رکھیں گے۔ کسی بھی ملک میں جا کر جلاوطن بن کر زندگی گزاریں گے۔ جب یہ اسرائیل میں نہیں رہیں گے تو پھر شیبا کو کسی طرح بھی جان کا خطرہ نہیں ہو گا بلکہ اُسے اتنی سخت نگرانی اور حفاظت میں رکھا جائے گا کہ کسی نامعلوم دشمن کا سایہ بھی اس پر نہیں پڑ سکے گا۔"

شیبا نے پریشان ہو کر کہا۔ "فرہاد! یہ ترپ چال چل رہے ہیں، کیا تم سوچ بھی سکتے ہو کہ ربی اسفندیار خود ساختہ جلاوطن ہو کر ہمیں یوں مجبور کر دے گا۔"

میں نے کہا۔ "اس میں شبہ نہیں کہ بہت زبردست چال چلی جا رہی ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت تمھیں یہاں نہیں روک سکے گی۔ جو دشمن تھا وہ جلاوطن کر دیا گیا۔ تمھارے بزرگ اور سرپرست دعویٰ کر رہے ہیں کہ تمھیں کسی قسم کا جانی نقصان نہیں پہنچے گا۔ تمھاری پوری طرح حفاظت کی جائے گی۔"

وہ پریشان ہو کر بولی۔ "نہیں فرہاد نہیں، یہ میرے اپنے ہیں مگر میں تم سے زیادہ کسی پر بھروسا نہیں کر سکتی۔ میں نہیں جاؤں گی۔ خدا کے لیے مجھے بچاؤ۔"

"تم پریشان کیوں ہوتی ہو۔ میں تو حقائق بیان کر رہا ہوں لیکن ان حقائق کے باوجود ہمارے پاس بھی ایک ترپ چال ہے۔ ذرا دیکھتی رہو، شیخ الفارس کیا کرتے ہیں۔"

جناب شیخ الفارس نے کہا۔ "مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ اتنے بڑے اور محترم ربی کو جلاوطن کر دیا گیا۔ اب شیبا کے لیے راستہ صاف ہے۔ وہ اپنے وطن جا سکتی ہے لیکن پانچ سال کے بعد۔"

سب نے چونک کر شیخ صاحب کو دیکھا پھر ہرذل مامون نے پوچھا۔ "آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

شیخ صاحب نے ایک فائل سے ایک فارم نکالتے ہوئے کہا۔ "یہ اس ادارے کا فارم ہے۔ یہاں اول تو کسی کو داخل ہونے کی اجازت نہیں دی جاتی لیکن کوئی ہمارے لیے قابلِ اعتماد بن جائے تو ہم اُسے اجازت دیتے ہیں اور اس فارم پر دستخط کراتے ہیں۔ جو نوجوان لڑکیاں یا نوجوان لڑکے.... اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے اور مختلف ٹریننگ حاصل کرنے کے لیے یہاں داخل ہوتے ہیں وہ پہلے اس فارم پر دستخط کرتے ہیں یعنی اس بات کا معاہدہ کرتے ہیں کہ وہ پانچ برس تک ادارے کو چھوڑ کر نہیں جائیں گے اور یہاں کے قاعدے اور قوانین پر عمل کرتے رہیں گے۔ اس فارم پر شیبا نے دستخط کیے ہیں۔"

ہرذل مامون نے کہا۔ "شیبا ہمارے قانون کے مطابق بالغ نہیں ہے۔ وہ غلطی کر سکتی ہے۔"

شیخ صاحب نے کہا۔ "بیشک وہ غلطی کر سکتی ہے۔ کچھ عرصے بعد ماما موریا ہمارے ادارے میں آئیں اور انھوں نے اس فارم پر شیبا کی ایک سرپرست کی حیثیت سے دستخط کیے۔"

ماما موریا نے کہا۔ "میں اس دستخط کو منسوخ کرتی ہوں۔"

"معاہدہ زبانی ہو تو منسوخ ہو سکتا ہے یا جھٹلایا جا سکتا ہے۔ تحریری ہو تو نہ جھٹلایا جا سکتا ہے اور نہ منسوخ کیا جا سکتا ہے۔"

ہرذل مامون نے پوچھا۔ "آپ کے ادارے کے اس فارم پر جو دستخط کیے جاتے ہیں یا جو معاہدہ ہوا کرتا ہے اس کی قانونی حیثیت کیا ہے؟"

شیخ صاحب نے کہا۔ "یہاں فرانسیسی حکومت کے اعلیٰ افسران تشریف رکھتے ہیں۔ وہ اس بات کے گواہ ہیں کہ ہمارے ادارے کو حکومت کی سرپرستی حاصل ہے۔ ہم جو بھی کام کرتے ہیں حکومت کی اجازت سے کرتے ہیں۔ یہ فارم بھی حکومت کی اجازت سے شائع کیا گیا ہے اور اس پر سختی سے عمل کیا جاتا ہے۔"

ماما موریا نے اور اس کے باپ مرچنٹ مامون نے غصے سے کہا۔ "ہم اس ادارے کو اور یہاں کے معاہدے کو نہیں مانتے۔"

شیخ صاحب نے کہا۔ "تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔ آپ ہمارے قانون کو تسلیم نہیں کریں گے تو ہم بھی آپ کے قانون کو اور آپ کے مطالبے کو تسلیم نہیں کریں گے۔"

ماما موریا نے پوچھا۔ "یہ کون سا قانون ہے کہ بیٹی کو ماں سے جدا کیا جا رہا ہے۔"

شیبا نے کہا۔ "ماما! یہ کون سی محبت ہے کہ آپ اپنی زندگی کو بھی خطرے میں ڈال رہی ہیں اور اپنی بیٹی کو اس ادارے میں چھوڑ کر جانا گوارا کر رہی ہیں۔ اگر محبت ہے تو میرے ساتھ رہیے، ورنہ میں دور رہ کر بھی آپ کی نگرانی کروں گی۔ آپ پر ذرا بھی آنچ آئے گی تو میں دشمنوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گی۔"

یہ الفاظ کہتے وقت شیبا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ آہستہ آہستہ ماں کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ "مجھے اس بات پر بڑا ناز تھا کہ اتنی بڑی دنیا میں میری ماں مجھے دل و جان سے چاہتی ہے لیکن آپ کے اندر جانے کس قسم کی محبت غالب آ گئی ہے۔ آپ نے ممتا کو فراموش کر دیا ہے۔ ذرا سوچیے ماما، آپ دور رہ کر خدانخواستہ بیمار پڑیں گی تو میں آپ کے دماغ میں پہنچ کر آپ کی دلجوئی کر سکوں گی، اگر میں بیمار پڑ گئی تو کیا آپ میرے پاس آ سکیں گی؟ اگر آنا بھی چاہیں گی تو اپنے وطن سے یہاں تک پہنچتے پہنچتے گھنٹوں لگ جائیں گے اور گھنٹوں میں نہ جانے آپ کی بیٹی اس دنیا میں رہے گی یا نہیں۔"

ماں نے بیٹی کو گلے سے لگایا اور رو رو کر سمجھانے لگی۔ "اسی لیے تو کہتی ہوں، میرے ساتھ چلو۔ وہاں سب اپنے ہوں

گے۔ ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔"

"ماما! آپ کی بات میری سمجھ میں نہیں آئے گی اور میری بات آپ سمجھنا نہیں چاہتیں۔ اس لیے آج سے ہم ماں بیٹی کے راستے الگ ہیں۔"

وہ ماں سے الگ ہو گئی اگرچہ دل کھنچا جا رہا تھا مگر میں اس کے اندر برداشت کا حوصلہ پیدا کر رہا تھا۔ ہرذل مامون نے کہا۔ "جناب شیخ صاحب! آپ نے اس معاہدے پر میری بہن اور بھانجی کے دستخط کرا کے وقتی طور پر اپنا پلڑا بھاری کر لیا ہے لیکن کسی بھی تعلیمی ادارے کے ہاسٹل میں رہنے والے طلباء و طالبات کو سال میں ایک آدھ مہینے کی چھٹی ملتی ہے۔ ہم شیبا کو چھٹی دلا کر ایک مہینے کے لیے اپنے ساتھ لے جا سکتے ہیں۔"

شیخ الفارس نے مسکرا کر کہا۔ "یہ معاہدہ پڑھ لو تو بہتر ہے۔ اس میں واضح طور پر لکھا ہوا ہے کہ پانچ برس تک اسٹوڈنٹ ادارے سے باہر نہیں جائے گا اور دو برس سے پہلے ایک دن کی بھی چھٹی کسی کو نہیں ملے گی۔ اگر اپنی بھانجی کو چھٹی دلا کر لے جانا چاہتے ہو تو دو سال بعد آنا۔"

ہرذل مامون نے غصے سے کہا۔ "دو سال بعد یہ قانونی [illegible] پوری [illegible] جائے گی۔"

[illegible] نے کہا۔ "یہ تو اور اچھی بات ہے [illegible]

[illegible]

[illegible] محترم [illegible]

[illegible] کے دماغ [illegible]

[illegible]

[illegible] تو مجھے خود میری [illegible]

[illegible] ہر لڑکی کو فرہاد کے شکنجے [illegible]

[illegible] پہنچا دوں گا۔"

[illegible] نے شیبا کے دماغ میں کہا۔ "ربی اسفندیار بہت بڑا چیلنج کر رہے ہیں مگر..."

میری بات ادھوری رہ گئی کیونکہ ربی اسفندیار غصے سے جانے کے دوران یک بیک لڑکھڑا گئے تھے اور اوندھے منہ فرش پر گر پڑے تھے۔ پھر وہ جلدی سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ انھوں نے غصے سے شیبا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں خوب سمجھ رہا ہوں، فرہاد نے میرے دماغ میں آ کر مجھے گرنے پر مجبور کیا ہے۔"

شیبا نے کہا۔ "مسٹر اسفندیار، آپ کے حواس پر فرہاد چھایا ہوا ہے جب کہ میں اچھی طرح جانتی ہوں..."

میں نے شیبا کو آگے کہنے سے روک دیا۔ اسے سمجھایا۔ "اگر تم یہ کہو گی کہ ان کے گرنے کے دوران میں تم سے باتیں کر رہا تھا اور میں نے خیال خوانی کے ذریعے انھیں نقصان نہیں پہنچایا ہے تو ان کی یہ بات درست ہو گی کہ میں تمھارے دماغ میں موجود ہوں۔"

شیبا کو حاصل کرنے والے ناکام واپس جانے لگے۔ [illegible] ماما کے پاس آ گئی اور ان کے ساتھ چلتے ہوئے [illegible] اب بھی سمجھاتی ہوں۔ آپ ان کے ساتھ نہ جائیں۔ اتنی بڑی دنیا میں آپ کا [illegible]

ماما نے کہا۔ [illegible] تم بھی [illegible]

[illegible]

[illegible]

جاؤں گی۔"

"تم [illegible] ادارے میں رہ کر بہت کچھ سیکھتی جا رہی ہو۔ انسان کو اپنے بدترین حالات سے بھی بہت کچھ سیکھنا چاہیے۔ اس وقت تم

صبر و ضبط سے کام لے کر خیال خوانی کرو۔ اپنے ماموں، اپنے نانا اور یہاں آنے والے دوسرے لوگوں کے دماغوں میں باری باری پہنچو۔ دیکھو کہ وہ کیا سوچ رہے ہیں۔ وہ تمھیں حاصل کرنے کے لیے یقیناً کوئی ایسی چال چلیں گے، جس کی ہم توقع بھی نہیں کر سکتے۔"

اس کا دماغ ٹھکانے نہیں تھا۔ وہ ماں کے لیے صدمہ اٹھا رہی تھی۔ خیال خوانی کرنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ میں نے پھر سمجھایا۔ "چلو دشمنوں کی چال کو نہ سمجھو لیکن تمھیں اپنی ماما کی خاطر خیال خوانی کرنا چاہیے۔ کوئی بھی کسی وقت بھی انھیں نقصان پہنچا سکتا ہے۔"

میری اس بات پر وہ چونک گئی۔ میں نے کہا۔ "ہاں، ماما تمھاری سب سے بڑی کمزوری ہے۔ اس کمزوری سے فائدہ اٹھانے کے لیے تمھارے ہم وطن، دشمنی نہ سہی مگر وقتی طور کچھ کریں گے۔ تمھاری ماما کو وقتی طور پر نقصان پہنچائیں گے تاکہ تم پریشان ہو کر ان کے پاس آنے پر مجبور ہو جاؤ۔"

میرے سمجھانے پر اُس نے خیال خوانی شروع کی۔ میں اس یہودی افسر کے دماغ میں پہنچ گیا جو ربی اسفندیار کے ساتھ کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ ان کی گاڑیاں تیز رفتاری سے پیرس کی طرف جا رہی تھیں۔ ربی کہہ رہا تھا۔ "مجھ سے بڑی بھول ہوئی۔ میں نے کئی بار سوچا کہ شیبا فرہاد کے فریب میں آ گئی ہے مگر دل نہیں مانتا تھا۔ کئی بار میرا دھیان بابا صاحب کے ادارے کی طرف گیا لیکن میرے پاس نہ تو کوئی ثبوت تھا اور نہ ایسے کوئی آثار ہی نظر آتے کہ وہاں شیبا کی موجودگی پر شبہ کرتا۔"

افسر نے پوچھا۔ "آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟"

"یہی کہ مجھے یہاں شیبا کی موجودگی کا علم ہو جاتا تو آج سے دو تین دن پہلے فرہاد ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتا۔ وہ پُراسرار شخص کے شکنجے میں آ گیا تھا اور اس پر فرہاد ہونے کا شبہ کیا جا رہا تھا۔ میں خود اُسے دیکھنے کے لیے گیا تھا۔ وہ بے حد زخمی تھا۔ خیال خوانی نہیں کر سکتا تھا لیکن اچانک ہی شیبا نے فرہاد بن کر خیال خوانی کی اور یہ ظاہر کیا کہ فرہاد کسی دوسری جگہ ہے اور بڑے آرام سے خیال خوانی کر رہا ہے۔ جس پر ہم فرہاد ہونے کا شبہ کر رہے ہیں وہ حقیقتاً مے کاکس ہے اور فرہاد کا خاص آدمی ہے۔ اگر اُسے نقصان پہنچے گا تو دشمنوں کو بہت زبردست نقصانات اٹھانے پڑیں گے۔"

ربی اسفندیار نے مٹھی بھینچ کر کہا۔ "اوہ! بہت بڑی بھول ہوئی۔ شیبا نے فرہاد بن کر ایسا رول ادا کیا کہ میں بھی چکرا کر رہ گیا۔ فرہاد ہاتھ سے نکل گیا۔"

وہ کہتے کہتے رک گیا۔ کچھ سوچنے لگا۔ پھر اُس نے سامنے بیٹھے ہوئے شخص سے کہا۔ "مجھے ٹرانسمیٹر دو۔"

اُسے ٹرانسمیٹر دیا گیا۔ وہ رابطہ قائم کرنے لگا۔ میں ربی کے دماغ میں جانا نہیں چاہتا تھا۔ کچھ روز پہلے اس کے سر پر چوٹ لگی تھی جس کی وجہ سے وہ سانس روک نہیں سکتا تھا۔ اس کی اسی کمزوری کے باعث شیبا نے خیال خوانی کے باعث اس کی سازشوں کو سمجھ لیا تھا۔ اسی دن سے وہ اس سے نفرت کرنے لگی تھی۔ بہرحال ابھی میں اس کے دماغ میں نہیں جانا چاہتا تھا۔ ہو سکتا تھا وہ سانس روک لیتا یا نہ بھی روکتا ہو تو خیال خوانی کی لہروں کو ضرور محسوس کر لیتا ہوگا۔

رابطہ قائم ہو گیا۔ اس نے کسی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "میں ربی اسفندیار بول رہا ہوں۔ جواب میں اپنی آواز نہ سنانا صرف میرا پیغام نوٹ کرو اور اسے متعلقہ لوگوں تک پہنچا دو۔ وہ اہم پیغام یہ ہے کہ ڈاکٹر مے کاکس دراصل فرہاد ہے۔ اب تک ہم دھوکا کھاتے رہے ہیں۔ اب بھی وہ ہماری نظروں میں آ سکتا ہے کیونکہ وہ سونیا کے ساتھ شمالی امریکا کے کسی شہر میں ہے۔ اس کا سراغ آسانی سے لگایا جا سکتا تھا۔"

میرے کانوں میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے فوراً ہی آنکھیں کھول دیں۔ سامنے سونیا بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے سوچ کے ذریعے کہا۔ "مصیبت آ رہی ہے۔"

اُس نے چونک کر پوچھا۔ "کیا بات ہے؟"

میں نے کہا۔ "شیبا تو خیریت سے ہے۔ ہم نے اُسے ادارے سے جانے نہیں دیا ہے۔ اُس کی ماما چلی گئی ہے لیکن وہاں شیبا کی موجودگی سے یہ انکشاف ہوا ہے کہ پچھلے دنوں وہ فرہاد بن کر خیال خوانی کرتی رہی ہے۔ اس کی وجہ سے فرہاد مے کاکس کے روپ میں چھپا رہا اور بے نقاب نہیں ہو سکا مگر اب مجھے بے نقاب کرنے کے لیے ربی اسفندیار متعلقہ لوگوں سے رابطہ قائم کر رہا ہے اور انھیں کہہ رہا ہے کہ میں تمھارے ساتھ شمالی امریکا کے کسی شہر میں ہوں اور میرا سراغ آسانی سے لگایا جا سکتا ہے۔"

سونیا نے کہا۔ "اوہ خدایا، ابھی ہم نے اپنے چہرے سے ماسک اتار کر یہ ظاہر کر دیا ہے کہ میں سونیا ہوں اور تم مے کاکس ہو۔ لٰہذا اب وہ لوگ ہماری طرف دوڑ پڑیں گے۔"

میں نے کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھا۔ پھر خیال خوانی کی پرواز کرتے ہوئے ریڈیاور کے باس کے پاس پہنچ گیا۔ اس سے کہا۔ "ہم نیویارک واپس آ گئے ہیں۔ اس وقت دشمنوں کے قبضے میں ہیں، ایک بڑے سے ٹرک سے ایک ٹریلر منسلک ہے۔ ہم اس ٹریلر میں بند ہیں۔ یہ گاڑی اس وقت پچاسویں شاہراہ

سے گزر رہی ہے۔"

باس نے کہا۔ "میں اپنے لوگوں کے ساتھ پارک ایونیو میں بیالیسویں شاہراہ کی کراسنگ پر ہوں۔ آپ یہ بتائیں، گاڑی کا رخ کس طرف ہے؟"

میں نے کہا۔ "ہم بھی پارک ایونیو میں ہیں اور پچاسویں شاہراہ کو کراس کر چکے ہیں۔"

"پھر تو آپ کی گاڑی ہماری طرف آ رہی ہے۔ آپ اطمینان رکھیں، ابھی ہم آپ دونوں کو وہاں سے نکال لے جائیں گے۔"

"ایک بات یاد رکھیں، اب سونیا اپنے اصلی روپ میں ہے اور میں مے کاکس ہوں۔"

میں نے سونیا کو بتایا کہ ریڈیاور کا باس اپنے آدمیوں کے ساتھ ہماری طرف آ رہا ہے۔ پھر میں اُن لوگوں کے دماغوں میں جانے لگا جنھوں نے ہمیں اس ٹریلر کے اندر آنے پر مجبور کیا تھا۔ میرا خیال تھا، وہ لوگ یوگا کے ماہر ہوں گے لٰہذا ضرورت کے وقت اُن کے دماغوں کو چھو کر دیکھا جائے گا۔ جب میں نے چھونا شروع کیا تو بڑی آسانی سے جگہ ملتی گئی۔ میں نے ایک ایسے شخص کو تاڑ لیا جس کے پاس ہمارے ٹریلر کی چابی رکھی تھی۔ اس کے بعد میں نے پھر باس سے رابطہ قائم کرتے ہوئے کہا۔ "سفید رنگ کی کار میں ایک شخص بیٹھا اُسے ڈرائیو کر رہا ہے۔ اس کے کوٹ کی جیب میں ٹریلر کی چابی ہے۔ جب تم اُس کے قریب پہنچو گے تو وہ کار خود بخود رک جائے گی۔ اس کا دماغ میرے قابو میں ہوگا۔ تم آسانی سے چابی نکال سکو گے۔"

میں اُسی چابی والے شخص کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اُس کے پاس بیٹھا ہوا شخص ٹرانسمیٹر کے ذریعے گفتگو کر رہا تھا۔ اس کی گفتگو سُن کر میں اور بھی پریشان ہو گیا۔ یہ دنیا کتنی تیز رفتار ہو گئی ہے۔ ایک بات جو دنیا کے ایک سرے سے چلتی ہے وہ پلک جھپکتے ہی دنیا کے دوسرے سرے تک پہنچ جاتی ہے۔ ٹرانسمیٹر کے ذریعے مسٹر توکو کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "ٹریلر میں مے کاکس نہیں، فرہاد ہے۔ اُسے کسی صورت سے نکلنے نہ دیا جائے۔ بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ میں ابھی اور آدمی بھیج رہا ہوں۔ جب تک وہ ٹریلر ہماری منزل تک نہ پہنچے اس وقت تک تم سب کو آہنی دیوار بن کر اس کے چاروں طرف رہنا چاہیے۔"

میں نے سونیا کو بتایا۔ "دشمن بہت مستعد ہو گئے ہیں اور ہمارے چاروں طرف پہرہ سخت کر رہے ہیں۔" اسی وقت ٹریلر رکنے لگا۔ میں فوراً ہی اس چابی والے کے دماغ پر قابض ہونے لگا۔ باس کی تین کاریں اس کے تین طرف آ کر رک گئی تھیں۔

باس واقعی ذہین تھا۔ اُس نے وہاں پہنچتے ہی تیزی سے اُن کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ "ہمیں باس نے بھیجا ہے۔ اس ٹریلر کو ہم لے جائیں گے۔ تم لوگ اس ٹرک کے اگلے حصے کی طرف چلے جاؤ۔"

اُن میں سے ایک نے کوڈ ورڈ پوچھا۔ میں ٹرانسمیٹر سے ہونے والی گفتگو کے دوران اُن کا کوڈ ورڈ سن چکا تھا۔ وہی میں نے باس کی زبان سے دہرا دیا۔ وہ مطمئن ہو کر کار سے نکل گئے اور اس ٹریلر کے اگلے حصے کی طرف جانے لگے۔ باس نے فوراً ہی اُس چابی والے کے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ وہاں سے چابی نکال کر تیزی سے چلتا ہوا ٹریلر کے پچھلے حصے میں آیا۔ پھر اُسے چابی سے کھول دیا۔ دروازے کا پٹ کھلتے ہی میں اور سونیا دوڑتے ہوئے اُدھر گئے جہاں ایک کار مخالف سمت جانے کے لیے تیار کھڑی تھی۔ ہم اُس میں بیٹھ گئے۔ اس وقت تک ٹریلر کے دروازے کو بند کر دیا گیا تھا۔ باس کے آدمیوں نے اس بات کا خاص خیال رکھا تھا کہ جو لوگ ٹریلر کے اگلے حصے کی طرف گئے ہیں وہ پیچھے نہ آ سکیں۔ ایک تو وہ کوڈ ورڈ سُن کر مطمئن ہو گئے تھے، دوسرے اس بات کا اطمینان تھا کہ اُن کا چابی والا لیڈر ساتھی، باس وغیرہ کے ساتھ موجود ہے، کوئی گھپلا نہیں ہوگا۔

ہم جس کار میں آ کر بیٹھے تھے وہ اسٹارٹ ہو کر چل پڑی تھی، مگر میں اسی چابی والے کے دماغ پر قابض تھا تاکہ وہ کوئی ہنگامہ نہ کرے۔ باس کے آدمی بھی اب اس ٹریلر کے ساتھ چل رہے تھے۔ پلاننگ یہی تھی کہ آگے چلتے چلتے وہ رک جائیں گے۔ ٹریلر آگے بڑھتا چلا جائے گا اور یہ اپنا راستہ بدل لیں گے۔

جب تک انھوں نے ایسا نہیں کیا، میں اُس چابی والے کی کھوپڑی پر سوار رہا۔ اس کے بعد میں نے اُسے آزاد چھوڑ دیا۔ پھر کیا ہوا، مجھے یہ دیکھنے، سمجھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ ہم اُن سے بہت دُور نکل گئے تھے۔ سونیا نے کہا۔ "یہ شہر، یہ ملک اُن کا ہے۔ ہم جتنی بھی دور نکل جائیں، ان کی دسترس میں رہیں گے۔"

مجھے اپنے دماغ میں سوچ کی لہریں محسوس ہوئیں۔ اس کے ساتھ ہی شیبا کی سوچ سنائی دی۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "فرہاد! تم نے مجھے خیال خوانی میں لگا دیا۔ خود کہاں بھٹک رہے ہو؟"

"تمھارے بعد میں بھی اُس افسر کے دماغ میں گیا تھا، جو ربی اسفندیار کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ وہاں جو انکشاف ہوا اس کے بعد تو ہمارے ہوش اُڑ گئے۔"

میں نے مختصر طور پر شیبا کو بتایا کہ ہم پر کون سی نئی افتاد آ پڑی ہے۔ یہ سب کچھ سُن کر شیبا نے کہا۔ "تمھارے پاؤں میں چکر ہے۔ کبھی سکون سے ایک جگہ رہ نہیں سکتے۔"

"شیطان کے دماغ میں چکر ہے۔ نہ خود سکون سے رہتا

ہے نہ ہمیں رہنے دیتا ہے۔ بہرحال تم بتاؤ۔ خیال خوانی سے کچھ حاصل بھی ہوا؟"

"ہاں، میں اپنے ماموں کی سوچ پڑھ رہی تھی۔ شاید انھیں پہلے سے یقین تھا کہ مجھے اس ادارے سے باہر نہیں جانے دیا جائے گا۔ تم سب مجھے جبراً روک لو گے یا مجھ پر کوئی سحر کردو گے کہ میں تم لوگوں کی ہو کر رہ جاؤں گی۔ ایسی صورت میں وہ لوگ مجھے کس طرح حاصل کریں گے، اس کی پلاننگ انھوں نے پہلے ہی کر لی تھی۔"

میں نے پوچھا "پلاننگ کیا ہے؟"

"ان لوگوں نے بابا صاحب کے ادارے کے قریب ہی ایک بہت بڑے فارم کو خرید لیا ہے۔ اس فارم میں چھوٹے چھوٹے کوارٹرز ہیں۔ وہاں اسرائیل کے ذہین ترین افراد کو بلا کر رکھا گیا ہے۔ اُن افراد میں نہایت حاضر دماغ جاسوس، خطرناک قسم کے قاتل اور ایسے شاطر بھی موجود ہیں جو آنکھوں کا سرمہ چرا کر لے جانے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اُن کا دعویٰ ہے کہ وہ مجھے بھی بابا صاحب کے ادارے سے چرا کر لے جائیں گے۔"

"تم جانتی ہو کہ بابا صاحب کے ادارے میں کتنا سخت پہرہ رہتا ہے۔ باہر سے آنے والے انجانے جن میں اس کیمرے کے سامنے سے گزرتے ہیں تو ان کا میک اپ سب ہے۔ وہاں سے گزرنے [illegible] میک اپ کے اندر دیکھ لیا جاتا ہے۔ کوئی اپنا [illegible]

[illegible]

ماموں اور نانا وغیرہ ناکام ہو کر چلے گئے تھے لیکن کوئی بھی ترپ چال چلی جاسکتی تھی۔ شیبا کو کسی نہ کسی طرح ہمارے خلاف بہکایا جاسکتا تھا۔ یہ خیال بار بار میرے دماغ میں آرہا تھا کہ وہ ٹیلی پیتھی جاننے والی کی حیثیت سے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ پھر اُس نے ہم پر اعتماد کیا ہے۔ ایسے وقت جب کہ وہ اپنے ملک اور اپنی قوم کی خاطر ہمیں چھوڑ کر جاسکتی تھی، اُس نے ہم سے محبت اور وفاداری کا ثبوت دیا ہے۔ ایسے حالات میں میرا فرض بنتا تھا کہ میں اُس پر زیادہ سے زیادہ توجہ دوں اور کوئی ایسا راستہ اختیار کروں کہ وہ خود کو تنہا نہ سمجھے۔ میرے سمجھانے کے باوجود وہ خود کو تنہا اور بے یار و مددگار پا رہی تھی جب کہ جناب شیخ الفارس صاحب جیسی شخصیت کا سایہ اس کے سر پر تھا اور وہ بابا صاحب کے اس ادارے میں تھی جو مضبوط قلعہ سمجھا جاتا تھا اور باہر کا کوئی اجنبی اس قلعے میں داخل نہیں ہوسکتا تھا۔ اس کے باوجود وہ مطمئن نہیں تھی۔ اس کی ایک ہی وجہ تھی اور وہ یہ کہ نفسیاتی طور پر وہ مجھ سے متاثر تھی اور مجھی کو اپنا مضبوط سہارا سمجھتی تھی۔ [illegible] ذہنی تھی جو مجھ پر اعتماد کرنے سے پہلے بے حد خوف زدہ تھی۔ اعتماد کرنے کے بعد وہ میرے لیے اپنا وطن اور اپنے خون کے رشتوں کو بھی چھوڑ رہی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ میری موجودگی سے ہی مطمئن [illegible] آنے والا کوئی بھی لمحہ اسے [illegible] پہنچا سکتا تھا۔

وہ میرے دماغ [illegible]

[illegible]

[illegible] کرنا ہوگا اور بڑی احتیاط [illegible] کیسی ہے؟"

"میں بہت دیر سے [illegible] پاس نہیں جا کر شیبا کے

اور اپنے معاملات میں اُلجھا رہا۔"

"تمھارے معاملات کیا ہیں؟"

میں نے انھیں بتایا کہ ربی اسفندیار نے اس پُراسرار شخص کو اور دوسری خطرناک تنظیم کے سربراہوں کو یہ بتایا ہے کہ میکاکس ہی فرہاد ہے۔ جب تک میکاکس زخمی رہا، خیال خوانی کے قابل نہ رہا۔ اس وقت شیبا فرہاد بن کر خیال خوانی کرتی رہی۔ انھوں نے اسی فریب میں آکر میکاکس کو اسپتال سے رہا کر دیا تھا حالانکہ وہی اصل فرہاد تھا۔"

شیخ الفارس نے کہا۔ "اس کا مطلب یہ ہے کہ اب تم مے کاکس کے روپ میں بھی وہاں نہیں رہ سکتے۔"

"جی ہاں، میں ابھی کسی اچھی جگہ پناہ کی تلاش میں بھاگ پھر رہا ہوں۔ پتا نہیں ریڈ پاور کا باس مجھے اور سونیا کو کہاں لے جا رہا ہے۔"

"تمھیں اُس کے دماغ میں پہنچ کر معلوم کرنا چاہیے۔"

"مجھے اپنے حالات سے اتنی مہلت نہیں مل رہی ہے کہ میں اُس کے دماغ تک پہنچ سکوں۔ بہرحال وہ لوگ وفادار ہیں، ہمیں ہر حال میں خوش رکھنا چاہتے ہیں۔ اس لیے ان کی طرف سے دھوکا نہیں ہوگا۔"

جناب شیخ الفارس نے کہا "تم اور سونیا پچھلے دو دنوں سے ایک ساتھ ہو۔ پہلے تم دونوں سامری کے پرائیویٹ جزیرے میں گئے۔ پھر آبدوز میں پہنچے۔ وہاں سے نکلے تو ریڈ پاور کے بحری جہاز میں میری اور ہڈسن بن گئے۔ اب یہ راز کھل گیا ہے کہ میری سونیا ہے اور ہڈسن مے کاکس اور وہ مے کاکس فرہاد ہے۔ اس وقت دانش مندی یہ ہے کہ اب تم سونیا یا کسی بھی عورت کے ساتھ نہ رہو کیونکہ اب تمام دشمن ایسے ہی شخص کو تلاش کریں گے جس کے ساتھ ایک عورت ہوگی اور وہ سمجھیں گے کہ وہی سونیا ہے یا پھر سونیا کی تلاش کریں گے جس کے ساتھ کوئی مرد ہوگا اور وہ اُس مرد کو فرہاد سمجھیں گے۔ میں ابھی یہ چکر چلا رہا ہوں کہ نیویارک میں ایسے ڈمی فرہاد اور سونیا پہنچ جائیں گے جو دشمنوں کو چکر دیتے رہیں گے۔ اب تمھیں اور سونیا کو فوراً ہی الگ الگ راستہ اختیار کرنا چاہیے۔"

پھر انھوں نے شیبا سے کہا "بیٹی، تم پومی کے پاس پہنچو، اُس کی خیریت معلوم کرو۔ تمھیں اپنے سلسلے میں قطعی پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ میں تمھارے بارے میں جلد ہی فیصلہ کرنے والا ہوں کہ شیبا نام کے مُہرے کو اب شطرنج کے کس خانے میں پہنچنا چاہیے۔"

شیبا خیال خوانی کی پرواز کرتی ہوئی پومی کے پاس چلی گئی۔ میں دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہو کر سونیا کو محبت اور حسرت سے

دیکھنے لگا۔ سونیا نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا "کیا بات ہے؟"

میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا "جناب شیخ الفارس کا مشورہ ہے کہ ہم دونوں کو فوراً الگ ہو جانا چاہیے۔"

پھر میں نے اس بات کی وضاحت کی۔ شیخ صاحب نے حالات کے مطابق نہایت ہی مناسب مشورہ دیا تھا۔ سونیا اس سے انکار نہیں کرسکتی تھی۔ وہ میرے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ ذرا قریب آئی اور اپنا سر میرے شانے پر رکھ دیا پھر بولی "ہمارے نصیب میں بڑی مختصر سی ملاقات ہوتی ہے۔ حالات ایسے پیدا ہو جاتے ہیں کہ میں اپنی تقدیر سے بھی شکایت نہیں کرسکتی۔"

میں نے پوچھا "کیا تمھارے ذہن میں کوئی ایسی تدبیر ہے جس پر عمل کر کے ہم ساتھ رہ سکیں؟"

"ایسی کوئی تدبیر نہیں ہے۔ میں خود ہی یہ سوچ رہی تھی کہ دشمن ہر جوڑے کو شبے کی نظروں سے دیکھیں گے۔ ہمارے قد و قامت کا، ڈیل ڈول کا جو بھی شخص اور جو بھی عورت نظر آئے گی وہ اُس وقت تک اس کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے جب تک کہ اُن کا شبہ دور نہ ہو جائے۔ ایسی صورت میں ہمیں ایک دوسرے سے دور ہی رہنا چاہیے۔"

اسی لمحے شیطان نے آکر کہا "خالہ جان، مجھے بہت افسوس ہے۔ یہ دنیا دو دلوں کو ملنے ہی نہیں دیتی۔"

سونیا نے ناگواری سے کہا "آگئے ہمدردی جتانے کے لیے۔ پہلے آگ لگاتے ہو پھر بجھانے آتے ہو۔ ماما موریا کو بھڑکا کر، اس ادارے سے نکال کر تمھیں کیا مل گیا؟"

"میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں، ماما موریا کے دل و دماغ میں اپنے ملک اور قومیت کا جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔ اُسے میں کیسے روک سکتا تھا۔ پھر اسرائیلی افسران قانون کا سہارا لے کر ماما اور شیبا کو لینے آئے تھے۔ شیبا کے سلسلے میں ناکام رہے۔ ماما کو لے کر چلے گئے۔ اگر میری شیطانیت ہوتی تو شیبا ادارے میں نہ رہ پاتی۔ اُسے بھی ماما کے ساتھ جانا ہی پڑتا مگر میں تم لوگوں کا دوست ہوں۔ ہمدرد ہوں۔ مجھے کسی وقت بھی آزما کر دیکھ سکتی ہو۔"

"جب سے تم نے خدا کی نافرمانی کی تب سے ہم انسان آزماتے آرہے ہیں۔"

"تم غلط سمجھ رہی ہو۔ میں تمھیں ایک بہت بڑے فریب سے بچانے آیا ہوں۔"

سونیا نے کہا "کیسا فریب؟"

"دیکھو، میں تم سے تنہائی میں بات کرنا چاہتا ہوں۔ اس اس وقت فرہاد تمھارے دماغ میں موجود ہے۔"

"میری کوئی بات فرہاد سے چھپی نہیں رہتی۔ جو کہنا ہے اس کی موجودگی میں کہو۔"

"پھر تو مجھے افسوس ہے۔ میں جو کہنا چاہوں گا، وہ کھل کر نہیں کہہ سکوں گا۔"

میں نے کہا۔"سونیا! میں تمہارے دماغ سے تھوڑی دیر کے لیے جا رہا ہوں۔ تم اس شیطان سے باتیں کر لو۔"

میں اُس کے دماغ سے نکل آیا۔ بعد میں پتا چلا، وہ سونیا سے کیا کہتا رہا تھا۔ اُس نے میرے جاتے ہی سونیا سے کہا۔"تھوڑی دیر پہلے فرہاد کے دل و دماغ میں یہ بات نہیں تھی کہ تم سے الگ ہو جانا چاہیے مگر ابھی شیبا اس کے دماغ میں آئی تھی اور کہہ رہی تھی کہ وہ فرہاد کے بغیر نہیں رہ سکتی۔"

سونیا نے کہا۔"تم جھوٹ بول رہے ہو۔ مجھے فرہاد کے خلاف بھڑکانا چاہتے ہو۔"

"میں کسی کی بھی قسم کھا کر کہہ رہا ہوں، تمھیں فریب دیا جا رہا ہے۔ شیبا اور فرہاد بہت عرصے سے دل کے معاملات میں بہت دور تک نکل گئے ہیں۔ میرا کیا ہے؟ میں تو چاہتا ہوں کہ انسان گناہ کی دلدل میں دھنستا چلا جائے۔ فرہاد شیبا کے پاس جائے گا تو مجھے خوشی ہو گی لیکن میں یہ کبھی برداشت نہیں کر سکتا کہ تم فرہاد کو دل و جان سے چاہتی ہو، اس کے لیے اتنی قربانیاں دیتی ہو اور وہ حالات کی مجبوریاں بتا کر، فریب دے کر تمھیں چھوڑ کر چلا جائے۔"

سونیا نے پوچھا۔"کیا حالات مجبور نہیں کر رہے ہیں؟"

"ہرگز نہیں۔ میں تمھیں تدبیر بتاتا ہوں۔ تم اس پر عمل کرتے ہوئے فرہاد کے ساتھ رہ سکتی ہو لیکن فرہاد نہیں مانے گا۔ اُس نے پہلے ہی پلاننگ کر لی ہے۔ شیبا سے وعدہ کر لیا ہے۔ اُس کی محبت کی قسم کھائی ہے کہ تمھیں چھوڑ کر فوراً ہی اُس کے پاس چلا جائے گا اور اس کے پاس جانے کے لیے جو بہانہ کر رہا ہے، حالات کی جیسی مجبوریاں بتا رہا ہے۔ تم نادان نہیں ہو۔ خود سمجھ سکتی ہو کہ ہزار روپ بدل کر تم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ رہ سکتے ہو۔"

"ہم ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔ تمام دشمنوں کی نظریں کسی بھی ایسے جوڑے پر ہوں گی جو ہمارے قد و قامت اور ڈیل ڈول سے مناسبت رکھتا ہو۔"

"چلو، مان لیتا ہوں، ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔ کچھ فاصلے پر تو رہ سکتے ہو۔ ایک ہی شہر میں، تم اگر مشرق میں رہو تو وہ مغرب میں رہ سکتا ہے۔ جب چاہو، اس سے ملاقات کر سکتی ہو۔ اس پر کوئی افتاد آ پڑے تو فوراً اس کی مدد کے لیے پہنچ سکتی ہو۔ میں تو تمھاری اور اس کی بھلائی کے لیے کہہ رہا ہوں۔"

سونیا نے کہا۔"اچھا ٹھہرو، ذرا میں فرہاد سے بات کر لوں۔" یہ کہہ کر اُس نے مجھے مخاطب کیا۔"فرہاد، میں جو پوچھوں گی اُس کا جواب سچ سچ دو گے۔"

میں نے حیرانی سے اُسے دیکھا، پھر کہا۔"کیا میں تم سے جھوٹ بولتا ہوں یا تمھیں کسی طرح کا نقصان پہنچاتا ہوں؟"

"یہ تو ابھی معلوم ہو جائے گا۔ سچ سچ بتاؤ، شیبا نے ابھی تم سے اپنے پاس آنے کے لیے کہا ہے۔"

میں ذرا چونک گیا۔ اُس نے پوچھا۔"چپ کیوں ہو گئے؟ جواب دو۔"

میں سمجھ گیا تھا کہ شیطان بھڑکا رہا ہے۔ میں نے کہا۔"دیکھو سونیا، شیطان نے تمھیں پتا نہیں کیا کچھ کہا ہے۔ سیدھی سی بات یہ ہے کہ شیبا اس ادارے میں خود کو تنہا محسوس کر رہی ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ میں وہاں آجاؤں تاکہ دشمن اُسے جبراً نہ لے جا سکیں۔"

"اب یہ تم بالکل کھوکھلی سی باتیں کر رہے ہو۔ وہاں شیخ الفارا ہیں۔ وہاں اتنا سخت پہرہ ہے کہ کوئی شیبا کو اس ادارے سے نکال کر نہیں لے جا سکتا۔ تمھارے چلے جانے سے کیا یہ اس بات کی ضمانت ہے کہ وہ اپنے لوگوں میں واپس نہیں جائے گی۔ کیا اس بات کی ضمانت ہے کہ تم شیبا کے ساتھ رہو گے تو دشمنوں کی کوئی چال کامیاب نہیں ہو سکے گی۔"

میں نے کہا۔"اس بات کی کوئی ضمانت نہیں ہے۔ بات کچھ اور ہے اور وہ یہ کہ شیبا نے اپنے خون کے رشتوں کے خلاف، اپنے ملک و ملت کے خلاف ہمارے حق میں فیصلہ کیا ہے۔ وہ سہمی ہوئی ہے۔ اسے زیادہ سے زیادہ اپنے زیرِ سایہ رکھنے کے لیے لازمی ہے کہ وہ جو کہتی ہے اُسے مان لیا جائے۔ اگر میں اُس کے پاس جاؤں گا یا وہ میرے پاس آئے گی تو اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ ہمارا زندگی بھر کا ساتھ ہو جائے گا اور میں تم سے کبھی نہیں مل سکوں گا۔"

"اگر شیبا کی حفاظت کے لیے تم نہ جاؤ، میں چلی جاؤں تو کیا فرق پڑے گا؟"

"میں جانتا ہوں، تم جہاں رہو گی وہاں دشمن آنے سے کترائیں گے۔ ہمیں بھی اطمینان رہے گا لیکن اصل اطمینان شیبا کو ہونا چاہیے۔ تم انسانی نفسیات کو سمجھتی ہو۔ یہ سمجھو کہ شیبا کس سے مطمئن رہ سکتی ہے۔ کس پر زیادہ اعتماد کرتی ہے۔"

"تم پر اعتماد کرتی ہے۔ تم پر مرتی ہے۔ میں اچھی طرح سمجھ گئی ہوں، تم مجھ سے الگ ہونے کے لیے کیسی چالیں چل رہے ہو۔ پہلے تو شیبا سے مل کر پلاننگ کی۔ اس کی محبت میں قسم کھائی کہ اس کے پاس آ رہے ہو۔ اب تو تمھیں وہاں جانا ہی ہے۔"

"سونیا! تمھیں کیا ہو گیا ہے۔ کیا تم شیطان کے بہکاوے میں آگئی ہو؟"

"اپنے جھوٹ اور فریب کو شیطان کے سر پر نہ ڈالو۔"

"اس کا مطلب ہے کہ شیطان تمھارے لیے مجھ سے زیادہ قابلِ اعتماد ہو گیا۔"

"وہ ہرگز قابلِ اعتماد نہیں ہے۔ یہ مانتی ہوں کہ وہ مجھے بہکا رہا ہے لیکن تم بھی مان لو کہ تم نے شیطان کو بہکانے کا موقع دیا ہے۔ نہ تم جھوٹ بولو گے، نہ مجھ سے الگ ہو گے، نہ شیطان بہکا سکے گا۔"

"تم چاہتی ہو، شیبا ہمارے ہاتھ سے نکل جائے۔"

"میں ہرگز یہ نہیں چاہتی۔ میں اس کی حفاظت کروں گی۔ تم اُس کی طرف سے بے فکر ہو جاؤ۔"

"تم کہتی ہو تو مان لیتا ہوں۔ بہتر ہو گا کہ تم شیبا کو بھی سمجھاؤ ورنہ وہ غلط فہمی میں مبتلا ہو جائے گی۔"

"وہ آئے تو اس سے کہنا، مجھ سے بات کرے۔ میں اُسے مطمئن کر دوں گی۔"

میں نے ایک گہری سانس لی اور خاموش ہو گیا۔ خاموشی کے سوا چارہ بھی کیا تھا۔ ویسے دل ہی دل میں کہا۔"اے شیطان، تیری چال کامیاب ہوئی۔"

مجھے شیطان کی سوچ سنائی دی۔"میں نے تمھارے خلاف کوئی چال نہیں چلی ہے۔ میں تو تمھارا دوست ہوں۔"

"لعنت ہے تم پر۔ تم سب کے دوست ہو اور تم سب کے دشمن ہو۔"

"فرہاد، تم یقین نہیں کرو گے۔ میں دل سے چاہتا ہوں کہ شیبا تمھارے پاس آئے۔ تم شیبا کے پاس جاؤ۔ میں اس کے اندر رہ کر دیکھ چکا ہوں، وہ اوپر سے خاموش رہتی ہے لیکن اندر ایک طوفان ہے اور وہ طوفان تمھارے لیے ہے۔"

میں نے جواب نہیں دیا۔ وہ کہتا جا رہا تھا۔"میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم اس وقت تک اس سے ازدواجی رشتہ قائم نہیں کر سکو گے جب تک وہ مسلمان نہیں ہو جاتی اور میں یہ بھی جانتا ہوں، وہ اپنا مذہب نہیں چھوڑے گی۔ اس طرح تم دونوں کے درمیان شدید محبت بھی ہو گی اور شدید اختلافات بھی ہوں گے۔ میں تو چاہتا ہوں کہ اختلاف ہوتے رہیں کیونکہ اس میں میری بھلائی ہے اور میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ تم دونوں اختلافات کے باوجود ملتے رہو تاکہ تم سے گناہ سرزد ہوتا رہے اور میری شیطانیت چمکتی رہے۔"

"اتنی بکواس کے بعد کیا ثابت کرنا چاہتے ہو؟"

"یہی کہ میں تمھارا دوست ہوں اور تم میرے مشورے پر عمل کرو تو ابھی سونیا سے الگ ہو سکو گے اور اسے شکایت بھی نہیں ہو گی۔"

"مجھے سونیا سے الگ ہو کے خوشی نہیں ہے بلکہ اس سے دور رہ کر افسوس ہوتا ہے۔ میں تو مجبوراً شیبا کو اپنے قابو میں رکھنے کے لیے جانا چاہتا ہوں۔"

"میں سمجھ رہا ہوں۔ اسی لیے تو سمجھا رہا ہوں، میرے مشورے پر عمل کرو۔"

"وہ مشورہ کیا ہے؟"

"کہیں نہ کہیں دشمنوں سے ٹکراؤ ضرور ہو گا۔ ایسے وقت تم دشمنوں کی گرفت میں آجانا۔ وہ تمھیں پکڑ کر لے جائیں گے۔ تمھارے پاس خیال خوانی کی صلاحیت ہے، تم دلیر ہو، ذہین ہو، حاضر دماغ ہو۔ پھر میرا ساتھ ہو گا۔ میں تمھیں ان دشمنوں سے نکال کر کہیں سے کہیں پہنچا دوں گا۔ اس طرح سونیا کو شکایت نہیں ہو گی کہ تم جان بوجھ کر الگ ہوئے تھے۔"

"کیا سونیا مجھے دشمنوں سے نجات دلانے کے لیے میرے ساتھ نہیں آئے گی؟"

"میں اسے آنے کا موقع ہی نہیں دوں گا۔ اسے دوسری طرف اُلجھا دوں گا۔"

"واہ، کیا بات ہے۔ بہتر ہے، تم چلے جاؤ۔ جاؤ، یہاں سے جاؤ۔ اچھا نہیں جاؤ گے۔ لاحول ولا قوۃ۔"

میں نے اچانک ہی خود کو ہلکا پھلکا محسوس کیا۔ وہ چلا گیا تھا۔ ہماری کار تیز رفتاری سے جا رہی تھی۔ آگے پیچھے چند ایسی گاڑیاں دوڑ رہی تھیں جن میں ریڈ پاور کے آدمی موجود تھے۔ سونیا چپ چاپ سر جھکائے سوچ رہی تھی۔ میں نے پوچھا۔"کیا سوچ رہی ہو؟"

اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔ پھر کہا۔"فرہاد، تم میں ایک اخلاقی خوبی ایسی ہے جسے سب عورتیں پسند کرتی ہیں۔"

"وہ کیا؟"

"وہ یہ کہ جب تم وعدہ کر لیتے ہو کہ ہم میں سے کسی کی مرضی کے خلاف ہمارے دماغ میں نہیں آؤ گے تو پھر تم نہیں آتے۔ تم نے شیبا سے بھی یہ وعدہ کیا ہوا ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر اس کے دماغ میں نہیں جاؤ گے اور میں جانتی ہوں، تم اپنی زبان کے پابند ہو۔"

"ہاں، اس بات کی گواہ شیبا ہے اور میرا خدا ہے کہ میں اس کی اجازت کے بغیر اس کے دماغ میں نہیں جاتا مگر اس بات کا ہمارے موجودہ حالات سے کیا تعلق ہے؟"

وہ بولی۔"شیطان نے مجھے بہکانے کا فرض ادا کر دیا۔ اب

بھکنا یا نہ بھکنا میرے اختیار میں ہے لیکن میں سنجیدگی سے سوچتی ہوں، ہمارا موجودہ حالات میں ایک ساتھ رہنا مناسب نہیں ہے۔"

میں نے خوش ہو کر کہا "سونیا! تم واقعی ذہین ہو۔ عام عورتوں کی طرح حاسدانہ انداز میں یہ نہیں سوچتی ہو کہ میں تم سے دور ہو کر کسی دوسری عورت کے پاس جا رہا ہوں۔ میں تو حالات سے مجبور رہوں۔"

"تم اپنی صفائی میں کچھ نہ کہو۔ میں صرف حالات کی روشنی میں دیکھتی ہوں، سوچتی ہوں اور فیصلہ کرتی ہوں۔ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ ہمیں الگ ہو جانا چاہیے مگر اس کے لیے تمہیں میری دو باتیں ماننا پڑیں گی۔"

"میں تمہاری کون سی بات نہیں مانتا ہوں۔ بتاؤ کیا چاہتی ہو۔"

"میری پہلی شرط یہ ہے کہ جدا ہونے کے بعد تم خیال خوانی کے ذریعے مجھ سے رابطہ قائم نہیں کرو گے۔"

"یہ کیا کہہ رہی ہو۔ اگر میں ایسا نہیں کروں گا تو تمہاری خیریت کیسے معلوم ہوگی؟"

"اگر تمہیں خیال خوانی نہ آتی۔ پھر تم خیریت کیسے معلوم کرتے؟"

"پھر میں دوسرے ذرائع اختیار کرتا۔"

"تو اسی طرح دوسرے ذرائع اختیار کرنا مگر میرے دماغ میں کبھی نہ آنا۔"

"یہ کیا تک ہے۔ صاف کہہ دو کہ مجھ سے ناراض ہو کر جدا ہونا چاہتی ہو۔"

"میرے دل میں کوئی رنجش نہیں ہے۔ میں خوب سوچ سمجھ کر یہ بات کہہ رہی ہوں۔"

"میں بھی تو سنوں، تم کیا سوچ سمجھ رہی ہو۔"

"کوئی خاص بات نہیں۔ شیطان مجھے خالہ کہتا ہے یعنی مجھے سر پر بٹھا کر اُلو بنانا چاہتا ہے۔ اس نے مجھے بہکانے کی کوشش کی کہ تم سے جدا نہیں ہونا چاہیے۔ اس نے عورت کی سب سے بڑی کمزوری سے کھیلنے کی کوشش کی۔ یعنی میرے اندر ایک سوتاپے کی جلن پیدا کی۔ اگر وہ چاہتا ہے کہ مجھے تم سے جدا نہیں ہونا چاہیے تو یقیناً اس میں اس کی کوئی گہری چال ہے جسے میں کامیاب نہیں ہونے دوں گی اور جب میں اس کے مشورے پر عمل نہیں کروں گی تو وہ کوئی اور چکر چلائے گا لہٰذا ہم دونوں کو اس طرح جدا ہونا چاہیے کہ ہمارے درمیان شیطان بھی رابطہ قائم نہ کر سکے۔"

سونیا کی کوئی کل سمجھ میں نہیں آتی۔ ابھی ذرا دیر پہلے شیطان کے بہکاوے میں آگئی تھی، اسے خوش کر دیا تھا اب اس کے جاتے ہی اس نے پٹڑی بدل دی۔ ایسی پلاننگ کر رہی تھی کہ شیطان کا اپنا مقصد کبھی پورا نہ ہوتا۔ میں نے کہا "تمہارے دلائل مضبوط ہیں۔ ہمارے درمیان فی الحال رابطہ قائم نہیں ہونا چاہیے لیکن کب تک؟"

"جب بھی میں مناسب سمجھوں گی، تم سے رابطہ قائم کر لوں گی۔"

"صرف تم کیوں مناسب سمجھو گی۔ میں بھی مناسب سمجھوں گا تو رابطہ قائم کروں گا۔"

"نہیں، تم زبان دو، میری مرضی کے بغیر تم میرے پاس نہیں آؤ گے۔ میری خیریت معلوم کرنا ہو تو کوئی دوسرا ذریعہ اختیار کرو گے۔"

"اچھی بات ہے۔ میں زبان دیتا ہوں، جب تک تم اجازت نہیں دو گی، تمہارے دماغ میں نہیں آؤں گا۔ دوسرے ذرائع سے تمہاری خیریت معلوم کرتا رہوں گا۔"

اس نے ڈرائیور سے کہا "چودھویں شاہراہ پر سب وے اسٹیشن کے پاس گاڑی روک دو۔"

میں نے خیال خوانی کے ذریعے ریڈ پاور کے باس سے کہا "ہم زمین دوز ٹرین میں سفر کرنے جا رہے ہیں۔ وہاں میرا اور سونیا کا راستہ الگ ہو جائے گا۔ آپ اپنے آدمیوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیں۔ سونیا کا خاص خیال رکھا جائے۔ اپنے آدمیوں کو اچھی طرح سمجھا دیں کہ وہ ان کی نظروں سے اوجھل نہ ہونے پائے۔ مجھے دن رات اس کی خیریت معلوم ہوتی رہنا چاہیے۔"

سونیا نے کہا "مجھے ایک ٹرانسمیٹر چاہیے۔ اس کے ذریعے میں ریڈ پاور کے باس سے رابطہ قائم کیا کروں گی اور اس سے تمہاری خیریت معلوم کیا کروں گی۔ مجھے بھی معلوم ہونا چاہیے کہ تم کہاں ہو اور کس حال میں ہو۔"

ہم سب وے اسٹیشن کے پاس اتر گئے۔ سونیا کو ایک چھوٹا سا ٹرانسمیٹر مل گیا۔ ہم بستی سیڑھیوں سے زمین دوز ریلوے اسٹیشن میں پہنچے۔ باس کے ایک آدمی نے میرے کہنے کے مطابق میرے لیے چائنا ٹاؤن کا ایک ٹکٹ لیا اور سونیا کی مرضی کے مطابق گرین وِچ ویلج کا ٹکٹ لیا گیا یعنی وہ نیویارک کے مغرب میں جا رہی تھی اور میں جنوب مشرق کی طرف جانے والا تھا۔ وہاں سے دو ریل گاڑیاں دو مختلف سمت جاتی تھیں۔ میں سونیا کے ساتھ اس کی گاڑی تک گیا۔ ہم دونوں بڑی محبت سے رخصت ہوئے۔ جب وہ گاڑی پر سوار ہو کر چلی گئی تو پھر میں اپنی منزل پر روانہ ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد شیبا میرے دماغ میں آئی، میں نے اُسے سونیا کے متعلق بتایا۔ اس نے کہا "میں ہرگز یہ نہیں چاہتی تھی کہ تمہیں اپنے پاس آنے کے لیے کہوں تو سونیا تم سے جدا ہو جائے۔"

"وہ تمہاری وجہ سے الگ نہیں ہوئی ہے۔ حالات کا تقاضا یہی ہے۔ جو بات مجھے پریشان کر رہی ہے، وہ سونیا کی شرط ہے۔ اس نے مجھ پر ایسی پابندی عائد کر دی ہے کہ میں کسی بھی [illegible] یاد کروں تو صرف یاد کرتا ہی رہ جاؤں گا مگر اس کے پاس نہیں سکوں گا۔"

"اس نے تم پر پابندی عائد کی ہے۔ اگر اس کی خیریت معلوم [illegible] ہو تو میں اس کے پاس جا کر اس کے حالات معلوم کر سکتی [illegible] اور تمہیں بتا سکتی ہوں۔"

"نہیں شیبا! اس نے صرف مجھ پر نہیں خیال خوانی پر [illegible] لگائی ہے۔ چاہے وہ خیال خوانی میں کروں یا تم کرو۔ اس [illegible] ہے کہ ہم دوسرے ذرائع سے اس کی ظاہری خیریت [illegible] معلوم کر سکیں مگر اس کے اندر پہنچ کر اس کے منصوبوں کو، اس [illegible] مقاصد کو، اس کے چور خیالات کو نہ پڑھ سکیں۔ بہر حال میں نے [illegible] زبان دی ہے تو تمہیں بھی میری زبان پر قائم رہنا چاہیے۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم اس کے دماغ میں نہیں جائیں گے مگر [illegible] ذرائع سے اس کی خیریت معلوم کرتے رہیں گے اور [illegible] کے کام آتے رہیں گے۔"

"اب پونی کے متعلق بتاؤ۔"

وہ [illegible] نا چاہتی تھی۔ میں نے کہا "ذرا ٹھہرو، میں ریڈ پاور [illegible]

[illegible]

[illegible] کرتے ہوئے پوچھا "میں چاہتا [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] سے رابطہ ختم کر دیا۔ شیبا نے پونی کے متعلق بتانا [illegible]۔ کچھ تو میں جانتا تھا کہ وہ بتا رہی تھی اور جب [illegible] ہوتی تو میں اس سے باتوں کے دوران پونی کے پاس پہنچ جاتا تھا۔ ویسے میں اس کی داستان وہیں سے شروع کرتا ہوں جہاں سے چھوڑی تھی۔

وہ اپنے استاد وانسورو کی اور سلیمان جوگو کے ساتھ لفٹ کے ذریعے وہاں پہنچی تھی۔ معلوم ہوتا تھا، وہ قلعے کا کوئی اندرونی حصہ ہے۔ دور تک باغات نظر آ رہے تھے۔ سامنے ہی ایک بہت بڑا خوبصورت سوئمنگ پول تھا جس میں نوجوان عورتیں تیرتے ہوئے غوطے لگاتے ہوئے ہنستے کھیلتے ہوئے اپنے بھرپور نمائش کر رہی تھیں۔

سوئمنگ پول کے کنارے چند نوجوان عورتیں یوگا کے [illegible] میں مصروف تھیں۔ وہ اپنے جسم کو کمر کی طرف سے چاروں طرف یوں گھماتی تھیں جیسے کمر میں ہڈی نہ ہو۔ جسم کو یوں موڑ لیتی تھیں جیسے سانپ کی نسل سے ہوں، کنڈلی مار کر بیٹھ گئی ہوں۔

پونی انھیں نظر انداز کر کے دوسری طرف جانا چاہتی تھی۔ ان میں سے ایک نے کہا "ہیلو پونی! سنا ہے تم بجلی کی طرح [illegible] ہو۔"

پونی نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ کہنے والی اب [illegible] اُچھل کر قلابازی کھاتی ہوئی پھر زمین پر آ رہی تھی۔ [illegible] کہا "بجلی کی طرح لپکنے سے کیا ہوتا ہے۔ لپکنا تو یوں [illegible] بجلی جیسی [illegible] ہوں۔"

اور [illegible]

[illegible]

چھلانگیں لگاتی تھی اور ایسے جمناسٹک کے کرتب دکھاتی تھی کہ آنکھیں اس پر ٹھہرتی نہیں تھیں۔ وہ ابھی یہاں ہے تو پلک جھپکتے ہی دوسری جگہ نظر آتی تھی پھر پتا ہی نہ چلا کہ وہ کس طرح چشم زدن میں بجلی کی طرح پومی کی طرف آئی اور ایک ٹھوکر ماری لیکن وہ ٹھوکر پیچھے کھڑے ہوئے سلیمان جوگو کے منہ پر پڑی کیونکہ پومی اس سے پہلے ہی پلتھی مار کر فرش پر بیٹھ گئی تھی۔ سلیمان غصے سے اس ٹھوکر مارنے والی کے پیچھے جانا چاہتا تھا۔ والسوروکی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف کھینچتے ہوئے کہا "حماقت نہ کرو۔ وہ تمھارے ہاتھ نہیں آئے گی۔ چپ چاپ تماشا دیکھو۔"

واقعی وہ دیکھنے کے قابل تماشا تھا۔ اچھا ہوا کہ سلیمان جوگو فوراً ہی والسوروکی کے ساتھ دور ہٹ گیا تھا کیونکہ وہ ٹھوکر مارنے والی اپنے دعوے کے مطابق بجلی سے زیادہ تیزی دکھا رہی تھی۔ اس نے جب دیکھا کہ پومی پر وار خالی گیا ہے تو دوسرے حملے کے وقت اس نے فضا میں پرواز نہیں کی۔ اس نے تیزی سے پلٹ کر پھر پومی کے منہ پر ٹھوکر مارنا چاہی لیکن وہ وار بھی خالی گیا کیونکہ پومی لیٹ گئی تھی۔ حملہ کرنے والی بھی کم نہیں تھی۔ وہیں سے اس نے الٹی قلابازی کھائی اور سیدھی پومی کے سینے پر آکر کھڑی ہونا چاہتی تھی مگر اسے کھڑے ہونے کے لیے فرش نصیب ہوا۔ پومی نے کروٹ بدل لی تھی۔

سلیمان جوگو بڑبڑا رہا تھا "خدا کی قسم یہ لڑکیاں نہیں، بجلیاں ہیں۔ بجلی بھی لپکتی ہے تو ذرا نظر آتی ہے۔ یہ تو بازی گری کے وقت سمجھ میں نہیں آتیں کہ کہاں ہیں۔ جب منہ پر ٹھوکر پڑتی ہے تب پتا چلتا ہے۔"

وہ درست کہہ رہا تھا۔ ادھر پومی نے کروٹ بدلی اُدھر اس نے پھر اچھل کر پومی پر آنا چاہا۔ اس بار پومی کروٹ بدل کر چاروں شانے چت ہو گئی۔ حملہ کرنے والی کو پھر ناکامی ہوئی لیکن وہ باز آنے والی نہیں تھی۔ اس نے پھر اچھل کر پومی کے سینے پر سوار ہونا چاہا۔ اس بار پومی کے سینے پر اپنی دو ہتھیلیاں تھیں اور وہ حملہ کرنے والی ان ہتھیلیوں پر آکر ٹھہر گئی تھی۔ پھر اپنا توازن نہ سنبھال سکی کیونکہ پومی نے اسے ہتھیلی پر روکتے ہی دوسری طرف پھینک دیا تھا۔ وہ سامنے کی طرف جا کر اوندھے منہ گری تھی۔ مگر فوراً ہی قلابازی کھا کر کھڑی ہو گئی تھی۔ جب اس نے پلٹ کر دیکھا تو پومی اس کے مقابلے پر پہلے ہی اُچھل کر کھڑی ہو چکی تھی۔ اتنی دیر میں ثابت کر چکی تھی کہ وہ پومی ہے اور اس حملہ کرنے والی سے زیادہ پھرتیلی ہے۔

اب اس کے مقابلے پر چار صحت مند عورتیں پینترے بدل رہی تھیں۔ سلیمان جوگو نے کہا "مسٹر نوکو! تم کہاں ہو۔ یہ سب کیا تماشے ہو رہے ہیں۔"

والسوروکی نے کہا "مسٹر نوکو! تم اچھی طرح جانتے ہو، یہ چار عورتیں چار چیونٹیوں کی طرح ہیں۔ میری بیٹی انھیں چٹکی میں مسل کر رکھ دے گی۔ پھر خواہ مخواہ یہ تماشے کرانے سے کیا فائدہ ہے۔"

چند لمحوں تک خاموشی رہی۔ پھر ہنسنے کی آواز سنائی دی۔ کہیں دور کسی اسپیکر سے مسٹر نوکو کی آواز آ رہی تھی "میں نے پومی کے لڑنے کا انداز دیکھا ہے۔ میں جانتا ہوں، یہ چار عورتیں اس کے مقابلے میں کچھ نہیں ہیں مگر یہ چاروں اسے اس سوئمنگ پول کے اندر جانے پر مجبور کر دیں گی کیونکہ میرے پاس پہنچنے کا یہی ایک راستہ ہے۔"

والسوروکی نے پوچھا "کیا ہم سے ملاقات کرنے کا کوئی سیدھا راستہ تم اختیار نہیں کر سکتے۔"

"تم لوگ میرے کون سے دوست بن کر آئے ہو۔ آنے والے دشمنوں کو ٹیڑھے راستوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہ لڑکی دی رکلر کا سر حاصل کرنے آئی ہے۔ ذرا اسے معلوم تو ہو کہ سر تک پہنچتے پہنچتے خود اس کے شانے پر سر رہے گا یا نہیں۔"

سلیمان جوگو نے کہا "مسٹر نوکو! میں تمھارا دوست اور وفادار بن کر آیا ہوں۔ میں نے تمھاری مرضی کے مطابق تمھارا کام کر دیا ہے۔ مجھے میری رقم دو۔ میں واپس چلا جاؤں گا۔"

"سلیمان جوگو! میں تمھارے سامنے نہیں ہوں، نہ ہی میرے ہاتھ نظر آ رہے ہیں پھر رقم کس ہاتھ سے دے سکتا ہوں۔ کچھ لینا چاہتے ہو تو تم بھی اس سوئمنگ پول میں غوطہ لگاؤ۔"

سلیمان جوگو نے سوئمنگ پول کے کنارے پہنچ کر کہا "یہ بھی کوئی راستہ ہے۔ پلیز مذاق نہ کرو۔ ہمیں راستہ بتاؤ۔"

اسی وقت سوئمنگ پول کے پانی کے اندر تیز روشنی ہو گئی۔ سوئمنگ پول کا پانی صاف و شفاف نظر آ رہا تھا۔ اس کی چار دیواری میں ایک دروازہ بھی دکھائی دے رہا تھا۔ پھر مسٹر نوکو کی آواز سنائی دی "وہ دروازہ دیکھ رہے ہو، وہاں جا کر اسے کھولو اور اسی راستے سے میرے پاس پہنچ جاؤ۔"

سلیمان اس دروازے کو گھور کر دیکھ رہا تھا۔ مسٹر نوکو کہہ رہا تھا "اس دروازے کے پیچھے دی رکلر کا سر ہے۔ پومی آ جاؤ۔ اس دروازے کے پیچھے چالیس ہزار ڈالر ہیں۔ سلیمان جوگو! چلے آؤ۔"

سلیمان جوگو نے کہا "پومی! خواہ مخواہ وقت ضائع ہو رہا ہے۔ ہمیں اس دروازے سے گزرنا چاہیے۔"

سوئمنگ پول کے کنارے بہت سی آرام دہ کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ پومی نے ایک کرسی پر آرام سے بیٹھتے ہوئے کہا۔

ھیں چالیس ہزار ڈالر کی ضرورت ہے۔ تم جاؤ۔ مجھے دی رکلر کا چاہیے۔ میں دشمنوں کی چار دیواری میں آگئی ہوں۔ دی رکلر مجھ سے کہیں نہ کہیں ضرور ٹکرائے گا۔ پھر کیا ضرورت ہے کہ میں پانی میں غوطہ لگاؤں۔"

سلیمان جوگو کو چالیس ہزار لینے تھے، اس لیے وہ غوطہ لگانے کے لیے آگے بڑھا۔ والسوروکی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا "جو راستہ سیدھا نہ ہو وہاں گڑبڑ ضرور ہوتی ہے۔ دولت کے لالچ میں اندھے نہ بنو۔"

اس نے والسوروکی کا ہاتھ جھٹک کر کہا "جب ہم یہاں تک آ گئے ہیں تو راستہ سیدھا ہو یا ٹیڑھا، ہمیں تو جانا ہی ہو گا۔"

"کیوں جانا ہو گا۔ کیا ضروری ہے۔ ہم یہاں انتظار کریں گے۔ مسٹر نوکو نے ملاقات نہیں کی تو واپس چلے جائیں گے۔"

اچانک بہت سے قہقہے چاروں طرف گونجنے لگے۔ پھر مسٹر نوکو کی آواز سنائی دی "یہاں سے واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہے۔"

پومی نے آگے بڑھ کر ایک طرف سر اُٹھاتے ہوئے کہا "ہمارے لیے واپسی کا وہی راستہ ہو گا جس راستے سے تم جاتے ہو اور ہم یہاں سے جا کر دکھائیں گے۔ تمھارے حق میں یہی بہتر ہو گا کہ ہمارے سامنے آ جاؤ۔ زیادہ اُلجھنے کی کوشش مت کرو۔ ہم تمھاری کسی بھی نفسیاتی گرفت میں نہیں آئیں گے۔"

مسٹر نوکو کی آواز آئی "میری عادت ہے، میں اپنے شکار کو اسی طرح چھیڑتا، اسی طرح اُلجھاتا چلا جاتا ہوں اور جب وہ پریشان ہوتا ہے، گھبراتا ہے، چیختا ہے، فریاد کرتا ہے تو مجھے بے حد خوشی ہوتی ہے۔ اگر تمھارا دعویٰ ہے کہ تم کسی راستے سے نکل کر جا سکتی ہو تو پھر جاؤ۔ میری طرف سے اجازت ہے بشرطیکہ تمھیں جانے کا کوئی راستہ مل جائے۔"

والسوروکی اور سلیمان جوگو نے بے اختیار پلٹ کر اس لفٹ کے دروازے کی طرف دیکھا جہاں سے وہ ابھی آئے تھے۔ پھر والسوروکی دوڑتا ہوا ادھر گیا۔ لفٹ کے اندر کوئی بٹن ایسا نہیں ہوتا تھا جس سے اس لفٹ کو اوپر یا نیچے لے جایا جا سکے یا رو کا جا سکے۔ صرف باہر دو چار بٹن تھے۔ والسوروکی نے انھیں یکے بعد دیگرے آزمایا لیکن ناکامی ہوئی۔ کسی بھی بٹن کو دبانے سے دروازہ نہیں کھل رہا تھا۔

وہ جہاں پہنچے ہوئے تھے، وہاں دور تک ایک خوبصورت باغ نظر آ رہا تھا۔ پھر گھنے درختوں کی وجہ سے یہ دکھائی نہیں دیتا تھا کہ اس کے بعد کیا ہو گا۔ ہو سکتا ہے کہ قلعے کا کوئی دوسرا حصہ ہو۔ باقی چاروں طرف اونچی دیواریں تھیں جیسا کہ اکثر قلعے کی دیواریں ہوتی ہیں۔ مگر ان دیواروں کے اوپر پہنچنے کے لیے دو طرف زینے بنے ہوئے تھے۔ انھوں نے دوڑتے ہوئے ان زینوں کو طے کرتے ہوئے دیوار کے اوپر پہنچ کر دیکھا تو دوسری طرف نیچے بہت گہری کھائی تھی۔ جگہ جگہ اونچی نوکیلی چٹانیں دکھائی دیتی تھیں۔ یعنی اس دیوار پر سے اگر کوئی گرتا تو وہ قاتل چٹانیں اس کی زندگی چھین لیتیں یا رسّے وغیرہ کی مدد سے اترنے کی کوشش کی جاتی تو بہت لمبے رسّے کی ضرورت پڑتی۔

اچانک ایک فائر کی آواز سنائی دی۔ پومی نے سر پیچھے ہٹا لیا۔ نیچے گہرائی میں کہیں مسلح افراد تھے۔ انھوں نے تین قیدیوں کو جھانکتے دیکھ کر نیچے سے فائرنگ کی تھی۔ اس کا مطلب تھا، اگر وہ قلعے کی بلندی سے یا آسمان سے گرتے تو کھجور میں اٹکتے، نیچے مسلح افراد کا سخت پہرہ تھا۔

وہ دیوار کی بلندی سے نیچے آ گئے۔ سلیمان جوگو نے پاؤں پٹختے ہوئے کہا "جب ہمیں مسٹر نوکو نے اپنے پاس آنے کا راستہ دکھا دیا ہے تو ہمیں جانا چاہیے۔ تم دونوں اعتراض کیوں کرتے ہو۔"

والسوروکی نے کہا "تمھاری کھوپڑی میں چالیس ہزار ڈالر کے نوٹ پھڑپھڑا رہے ہیں۔ تم مرنا چاہتے ہو تو جاؤ۔ ویسے ہم دعا کریں گے کہ تمھیں جانے کا راستہ مل جائے۔"

سلیمان جوگو تیزی سے چلتا ہوا سوئمنگ پول کے کنارے آیا۔ پھر بلند آواز سے بولا "مسٹر نوکو! میں نے پومی کو یہاں تک پہنچا دیا۔ میری ڈیوٹی ختم ہو گئی۔ اب میں تم سے اپنی رقم لینے آ رہا ہوں۔ کیا میں تم پر بھروسا کر لوں۔"

"بھروسا تو مجھے تم پر نہیں کرنا چاہیے کیونکہ تم نے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا نہیں کیا۔"

سلیمان جوگو نے چونک کر پوچھا "کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ تم نے کہا تھا، پومی کو تنہا پھانس کر لاؤ گے لیکن تم اس کے ساتھ اس کے بوڑھے استاد کو بھی لے آئے۔"

"میں نہیں لایا۔ یہ زبردستی آیا ہے۔"

"اگر سونیا اور فرہاد بھی زبردستی آ جاتے تو کیا میں انھیں برداشت کر لیتا یا یہ بات تمھارے لیے قابل قبول ہوتی۔"

"میں کیا کر سکتا ہوں۔ جب یہ بوڑھا جاپانی آ ہی گیا ہے تو تمھارے لیے پریشانی کی کیا بات ہے۔ یہ تو تمھارا قیدی ہے۔ تمھارے حکم سے ایک گولی چلے گی اور یہ دیکھتے ہی دیکھتے ختم ہو جائے گا۔"

"مجھے ختم ہی کرنا ہوتا تو میں اس کی موت کے لیے دس ہزار ڈالر کی شرط کیوں لگاتا۔ تم نے یہ شرط منظور کی مگر ناکام رہے۔ جب تم اپنا کوئی وعدہ پورا نہ کر سکے تو میں تمھیں کس بات کے چالیس ہزار دے سکتا ہوں۔"

وہ مٹھیاں بھینچ کر غصے سے پاؤں پٹختے ہوئے بولا۔ "میں پومی کو یہاں لایا ہوں۔"

"بے وقوف، وہ لائی نہیں گئی بلکہ خود آئی ہے۔ اگر وہ آنا نہ چاہتی تو تمھارے فرشتے بھی اسے یہاں تک نہ لا سکتے۔"

وہ زور سے چیخ کر بولا۔ "تمھارے دل میں بے ایمانی آ گئی ہے۔ تم میری رقم ادا نہیں کرنا چاہتے اس لیے باتیں بنا رہے ہو۔"

اچانک والٹسوروکی نے قہقہہ لگایا۔ پھر کہا۔ "تم جیسے لوگوں کو کہتے ہیں، دھوبی کا کتا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا۔ نہ تم ہمارے دوست رہے اور نہ ہی ہمارے دشمنوں کے دوست بن سکے۔"

سلیمان جوگو نے اسے گھونسا دکھاتے ہوئے کہا۔ "تم مجھے کتا کہہ رہے ہو۔ میں تمھیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

مسٹر نوکو کی آواز سنائی دی۔ "یہی تو میں چاہتا ہوں۔ اگر تم اسے ہلاک کر دو گے تو میری شرط قائم رہے گی۔ میں تمھیں اس کا معاوضہ ادا کروں گا۔"

سلیمان جوگو نے جھنجلا کر کہا۔ "شیطان کے بچے، بکواس مت کر۔ تو کیا تیرا باپ بھی میرا معاوضہ ادا نہیں کر سکتا۔ تو نے مجھے اُلو بنایا ہے۔ ایک بار میرے سامنے آجا۔ میں تجھے اُلو بننے کے قابل بھی نہیں چھوڑوں گا۔"

"میں تو تمھارے سامنے آنا چاہتا ہوں مگر تم اس دروازے سے نہیں گزرنا چاہتے جو تمھیں دکھایا گیا ہے۔"

"میں ابھی تمھارے پاس آرہا ہوں۔"

واقعی وہ غصے میں پاگل ہو جاتا تھا۔ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں رہتا تھا۔ جیسے ہی وہ سوئمنگ پول کی طرف بڑھا والٹسوروکی نے اس کی ٹانگ پر ٹانگ ماری۔ وہ اوندھے منہ گر پڑا۔ اس نے کہا۔ "سلیمان، ہم نے تمھیں موت کے منہ سے نکالا ہے۔ ہم تمھیں زندہ رکھنا چاہتے ہیں اور تمھیں کئی بار سمجھا چکے ہیں۔ جب تم مسلمان ہو گئے ہو تو ایک بار صحیح طور پر اسلامی زندگی گزار کر دیکھو۔ لالچ سے باز آجاؤ۔ محنت کی کمائی کھاؤ۔ یہ میں نے تمھیں آخری بار کہا ہے۔ گویا آخری بار تمھیں لالچ کی طرف جانے سے روکا ہے۔ اس کے بعد اُٹھ کر جاؤ گے تو میں نہیں روکوں گا۔"

وہ اوندھے منہ پڑا ہوا تھا۔ سامنے ہی سوئمنگ پول کا صاف و شفاف پانی دکھائی دے رہا تھا۔ اس پانی کے اندر ایک طرف دروازہ نظر آرہا تھا مگر اب اس پاگل غصہ ور شخص کو پانی کے اندر وہ منظر بھی دکھائی دے رہا تھا۔ جب وہ گہری پستی میں گرنے والا تھا اور پومی نے رسے کا پھندا پھینک کر اس کی جان بچائی تھی۔ وہ ان کا دشمن تھا خاص طور پر پومی کو تو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا تھا جسے دشمنوں کے حوالے کرنے آیا تھا۔ اسی نے اس کی جان بچائی تھی اور دشمن تو کبھی پومی کی جان بچانے والے نہیں تھے۔

جو لوگ لالچی اور خود غرض ہوتے ہیں ان کا ضمیر بھی کبھی نہ کبھی تھوڑی دیر کے لیے ضرور جاگتا ہے اور جب جاگتا ہے تو وہ تڑپ جاتے ہیں۔ واقعی اب وہ منہ اُٹھا کر پومی کی طرف دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے یکبارگی اُچھل کر کھڑے ہوتے ہوئے، چیختے ہوئے کہا۔ "میں زندہ نہیں رہوں گا۔ میں زندہ نہیں رہوں گا۔"

یہ کہتا ہوا اور دوڑتا ہوا وہ سوئمنگ پول کے ایک دم کنارے پہنچ گیا۔ پھر وہاں سے پانی میں چھلانگ لگا دی۔ چھلانگ لگاتے ہی پانی کے اندر سے پیدا ہونے والی روشنی بجھ گئی۔ اب سوئمنگ پول کی اندرونی دیواریں نظر آرہی تھیں۔ دروازہ بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ جدھر اس نے روشنی کے وقت دروازے کو دیکھا تھا۔ اسی طرف بڑھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "مسٹر نوکو، میں اس دروازے سے گزر کر تمھارے پاس آؤں گا۔ اپنی زندگی کو داؤ پر لگاؤں گا مگر تمھیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

وہ تیرتا ہوا اس دیوار کی طرف گیا اور دروازہ تلاش کرنے لگا۔ پانی کے اندر اندھیرا تھا۔ کچھ نظر نہیں آرہا تھا مگر وہ ہاتھوں سے ٹٹول رہا تھا۔ وہ جہاں بھی پہنچتا تھا سپاٹ دیواریں محسوس ہوتی تھیں۔ پھر وہ دوسری دیوار کے پاس گیا۔ تیسری دیوار کے پاس گیا۔ اس طرح وہ سوئمنگ پول کے چاروں طرف گھومتا رہا۔ مگر وہ دروازہ اسے نہیں ملا۔

اس نے پانی سے اچھل کر سر نکالتے ہوئے چیختے ہوئے کہا۔ "مسٹر نوکو، دروازہ کہاں ہے۔ اب مجھ سے کیوں ڈر رہے ہو۔ مجھے آنے دو۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی کوئی غڑاپ کی آواز کے ساتھ پانی سے ابھرا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ ایک قد آور نیگرو تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ اُٹھائے تو اس کے دونوں بازو کی ابھری ہوئی مچھلیاں بتا رہی تھیں کہ وہ کس قدر صحت مند ہے۔ پھر غڑاپ کی آواز سنائی دی۔ سلیمان جوگو نے دوسری طرف گھوم کر دیکھا تو ادھر سے بھی ایک ایسا ہی نیگرو پانی سے اُبھرا تھا۔ پھر تو یکے بعد دیگرے کبھی اِدھر سے کبھی اُدھر سے بہت سے حبشی جنم لینے لگے۔ اس سوئمنگ پول میں کم از کم چھ نیگرو، سلیمان جوگو کے آس پاس یوں آ گئے تھے جیسے پانی کی پیداوار ہوں۔ انھیں یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ آسمان سے ٹپک پڑے ہیں۔

ان تمام نیگروؤں کے توے جیسے کالے چہروں پر سفید دیدے چمک رہے تھے اور جب وہ دانت نکال کر مسکراتے تھے تو

یوں لگتا تھا جیسے سوئمنگ پول کے پانی میں چراغ روشن ہو گئے ہوں۔ پومی کے دماغ میں سوال پیدا ہوا، یہ سب کہاں سے آ گئے؟

اتنی دیر سے سلیمان جوگو اس سوئمنگ پول میں تیرتا ہوا ہر دیوار سے ٹکرا رہا تھا مگر اسے مسٹر نوکو تک پہنچنے کا راستہ نہیں مل رہا تھا۔ جب اسے کوئی دروازہ نہیں مل رہا تھا تو پھر یہ چھ حبشی کہاں سے آ گئے تھے؟

وہ سب کے سب سلیمان جوگو پر حملہ کر رہے تھے۔ وہ ان کے حملوں سے بچ رہا تھا اور جوابی حملے کر رہا تھا۔ وہ تمام حبشی جیسے ڈولفن مچھلی کی طرح تھے۔ اچانک پانی سے اچھلتے تھے۔ بلندی پر آتے تھے۔ پھر قلابازی کھاتے ہوئے سلیمان جوگو پر حملہ کرتے تھے۔ ان کے اچھلنے اور گرنے سے پانی دور دور تک اچھل اچھل کر سوئمنگ پول کے کنارے تک آرہا تھا۔ ان کی لڑائی پول کے درمیان شروع ہوئی تھی مگر وہ لڑتے لڑتے کنارے تک آ گئے تھے۔ ایسے ہی وقت والٹسوروکی اور پومی نے ایک ایک حبشی کے سر کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر اوپر کی طرف کھینچ لیا اور انھیں خشکی پر لے آئے تھے۔

ان دونوں کو والٹسوروکی نے سنبھال لیا تھا۔ پومی پھر پول کے کنارے آ گئی تاکہ تیسرے کو کھینچ کر خشکی پر لا سکے۔ وہ کبھی اِدھر آرہی تھی۔ کبھی اُدھر جا رہی تھی۔ جیسے مچھلی کا انتظار کر رہی ہو کہ وہ کنارے تک آئے تو اسے دبوچ لے۔ پھر اس نے ایک کو دبوچ ہی لیا۔ اسے بھی کھینچ کر خشکی تک لائی۔ اس وقت تک والٹسوروکی نے دونوں حبشیوں کو بے بس کر دیا تھا۔ تیسرا پومی پر برابر حملے کر رہا تھا۔ لیکن ناکام ہو رہا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ والٹسوروکی ان کے درمیان آجاتا تھا۔ اس حبشی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کس پر حملہ کرے کیونکہ پومی پر حملہ کرنے جاتا تھا تو والٹسوروکی پٹائی کرتا تھا اور والٹسوروکی پر حملہ کرنے جاتا تھا تو پومی ہاہپ ہپ کی آواز کے ساتھ ایسی بازی گری کے تماشے دکھاتی تھی کہ وہ ان تماشوں میں الجھ کر رہ جاتا تھا۔ نتیجے کے طور پر اس کی بری طرح پٹائی ہو جاتی تھی۔

آخر والٹسوروکی نے اس کی گردن دبوچ لی۔ ایک طرف لے جا کر آہستگی سے کہا۔ "اگر تم اپنی زندگی چاہتے ہو تو ہمیں بتا دو، کس راستے سے سوئمنگ پول کے اندر آئے تھے۔"

وہ بتانا نہیں چاہتا تھا مگر والٹسوروکی نے پیچھے سے اس طرح اس کی گردن دبوچی ہوئی تھی کہ دم گھٹ رہا تھا۔ وہ تڑپ کر اس کی گرفت سے نکلنا چاہتا تھا مگر ناکامی ہو رہی تھی۔ والٹسوروکی نے کہا۔ "تم اس بازو سے مرنے کے بعد ہی نکل سکتے ہو۔ زندگی میں نکلنے کا بس ایک ہی طریقہ ہے۔ چپ چاپ بتا دو۔ ہماری آواز تمھارے باس مسٹر نوکو تک نہیں پہنچ رہی ہوگی۔"

آخر اسے بتانا پڑا۔ اس نے زندہ رہنے کی خاطر آہستگی سے کہا۔ "سوئمنگ پول کے ہر کونے میں دو دو بٹن ہیں۔ ایک بٹن کو دبایا جائے تو وہ خفیہ دروازہ نمودار ہوتا ہے۔ اس خفیہ دروازے کے کنارے ایک بٹن ہے۔ اسے دبانے سے وہ دروازہ کھل جاتا ہے۔"

اتنی دیر میں پومی چوتھے نیگرو کو خشکی پر کھینچ کر لے آئی تھی۔ پانی میں صرف دو نیگرو رہ گئے تھے۔ جن میں سے ایک مردہ ہو چکا تھا۔ اس کی لاش اوندھے منہ پانی پر تیر رہی تھی۔ آخری نیگرو سلیمان جوگو سے لڑ رہا تھا مگر اس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ بھاگنے کا راستہ ڈھونڈ رہا ہے۔ واپس اس خفیہ دروازے سے جا نہیں سکتا تھا۔ شاید شکست کھا کر باس کے سامنے جانا نہ چاہتا ہو۔

اب وہ اِدھر سے اُدھر تیر رہا تھا۔ سلیمان جوگو سے بچتا جا رہا تھا۔ پھر وہ سوئمنگ پول کے زینے پر آ کر اوپر چڑھنے لگا۔ زینے پر پومی کھڑی ہوئی تھی۔ اس کی ایک لات کھاتے ہی وہ واپس پانی میں جا کر گرا۔ پھر سلیمان جوگو نے اسے دبوچ لیا۔ وہ تڑپ رہا تھا۔ پانی سے ابھرنے کی کوشش کر رہا تھا مگر سلیمان جوگو پہاڑ تھا۔ اس کے فولادی پنجے اتنے مضبوط تھے کہ وہ اس گرفت سے نکل نہ سکا۔ پھر آہستہ آہستہ اس کی جدوجہد سرد پڑتی چلی گئی۔

والٹسوروکی نے پانی میں چھلانگ لگائی۔ اندر ہی اندر تیرتا ہوا سوئمنگ پول کے ایک گوشے میں گیا۔ وہاں ایک بٹن کو دبایا تو اندر روشنی ہو گئی۔ اوپر سے صاف و شفاف پانی نظر آنے لگا۔ تہ میں والٹسوروکی دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے دوسرے بٹن کو دبایا تو سوئمنگ پول کی ایک دیوار سے وہ دروازہ نمودار ہونے لگا۔ روشنی میں صاف طور سے نظر آرہا تھا کہ اس سوئمنگ پول کی دیوار دوہری تھی۔ اوپری دیوار ایک طرف سرک رہی تھی اور وہ دروازہ نظر آتا جا رہا تھا۔

دروازے کو دیکھتے ہی پومی نے پانی میں چھلانگ لگائی۔ اُدھر سلیمان جوگو بھی تیرتا ہوا آیا۔ پھر تینوں اس دروازے کے سامنے پہنچ گئے۔ وہاں ایک بٹن نظر آرہا تھا۔ اس بٹن کو دباتے ہی دروازہ کھل گیا۔ اس کے کھلتے ہی حوض کا پانی باہر جا رہا تھا۔ اس پانی کے ریلے میں پومی دروازے سے باہر نکل گئی۔ دروازہ بند ہو گیا۔

والسوروکی نے پھر بٹن کو دبایا۔ دروازہ کھلتے ہی اس بار پانی کے ریلے کے ساتھ سلیمان جوگو دروازے سے باہر نکل گیا۔ اس کے ساتھ ہی پھر دروازہ بند ہوگیا۔ وہاں خودکار سسٹم ایسا تھا کہ چند سیکنڈ کے لیے دروازہ کھلتا تھا تاکہ سوئمنگ پول کا پانی زیادہ نہ جاسکے۔ ویسے جتنا پانی وہاں سے نکلتا تھا۔ بعد میں دوسرے ذریعے سے پھر سوئمنگ پول کو بھر دیا جاتا تھا۔ تیسری بار والسوروکی بٹن دباکر باہر نکل گیا۔

سب سے پہلے پومی سوئمنگ پول سے نکلی تھی۔ اسے پتا نہیں تھا، وہ وہاں سے نکلتے ہی کہاں پہنچنے والی ہے۔ وہ پانی کے ریلے میں بہتی ہوئی۔ لڑھکتی ہوئی ایک پتھریلی زمین پر آکر ٹھہر گئی۔ تب اس نے سر اٹھاکر دیکھا تو دل دھک سے رہ گیا۔ وہ ایک ایسے غار میں تھی جہاں صرف سانپ ہی سانپ نظر آرہے تھے۔

وہ جیسے ہی اٹھ کر کھڑی ہوئی۔ سلیمان جوگو پانی کے ریلے میں لڑھکتا ہوا اس کے پاس پہنچ گیا۔ وہ بھی سانپوں کو دیکھتے ہی اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ تیسرے ریلے میں والسوروکی بھی ان کے پاس آگیا۔ وہ تینوں غار کی ایک بلندی پر کھڑے ہوئے تھے۔ وہ بلندی بالکونی جیسی تھی۔ اس کے نیچے تقریباً دس فٹ گہرائی میں سانپ نظر آرہے تھے۔ وہ تعداد میں اتنے زیادہ تھے کہ ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے تھے۔ غار کی دیواروں کے پتھر جابجا باہر کی طرف نکلے ہوئے تھے۔ جیسے کانٹے نکلے ہوئے ہوں۔ ان پتھروں سے بھی سانپ لپٹے ہوئے تھے۔

تینوں نے سر اٹھاکر دیکھا تو چھت پر کچھ ایسی جگہ بنی ہوئی تھی جہاں سانپ نظر آرہے تھے۔ دائیں بائیں، اوپر نیچے وہ جہاں بھی جانا چاہتے۔ انھیں بے شمار سانپوں کے درمیان سے گزرنا پڑتا۔

وہ جس پتھریلی بالکونی پر کھڑے ہوئے تھے۔ اس کے سامنے تقریباً تیس فٹ کے فاصلے پر ایک اور پتھریلی بالکونی تھی۔ اس بالکونی کے پیچھے دیواریں ٹوٹی ہوئی تھیں۔ گویا اس غار سے باہر جانے کا راستہ تھا اور جہاں وہ کھڑے ہوئے تھے وہاں سے وہ راستہ صاف طور سے نظر آرہا تھا۔ وہ لفٹ چیئر یعنی فضا میں جھولنے والی کرسی بھی نظر آرہی تھی۔ جس پر بیٹھ کر وہ ایک پہاڑی سے دوسری پہاڑی تک آئے تھے۔

وہ لفٹ چیئر جس موٹے تار پر جھول رہی تھی۔ وہ تار اس غار سے نکلتا ہوا، ان کے سروں کے اوپر سے ہوتا ہوا پچھلی دیوار میں جاکر نصب ہوگیا تھا۔ یعنی وہ جھولنے والی کرسی اس غار میں بھی آسکتی تھی مگر اسے یہاں کون لاتا؟

اگر کوئی بوڑھا تجربہ کار سپیرا ہوتا تو وہ بھی سانپوں کے درمیان سے گزر کر نہ جاتا۔ سامنے والی بالکونی تک جانے کا بس ایک ہی راستہ تھا۔ جس تار سے وہ کرسی جھول رہی تھی۔ اسی تار سے لٹک کر دوسری طرف پہنچا جاسکتا تھا۔ سلیمان جوگو نے کہا۔ "میں اس تار سے لٹکتا ہوا وہاں تک جاؤں گا۔"

والسوروکی نے کہا۔ "تم بھاری بھرکم ہو۔ وہاں تک پہنچتے پہنچتے ہمت ہار سکتے ہو۔"

سلیمان جوگو اپنی توہین برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ اس نے گھور کر والسوروکی کو دیکھا پھر کہا۔ "بڈھے، میں جوان ہوں۔ ہمت تو بوڑھے ہارتے ہیں۔ میں ضرور جاؤں گا۔"

پومی نے آگے بڑھ کر اس کا راستہ روکتے ہوئے کہا۔ "دیکھو، میں بازی گری کے کرتب جانتی ہوں۔ میں تاروں پر چل سکتی ہوں، فضا میں قلابازیاں کھاسکتی ہوں۔ تم ایسا اس لیے نہیں کرسکتے کہ جسمانی اعتبار سے بہت وزنی ہو۔"

سلیمان جوگو ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ پھر سر جھکاکر بولا۔ "پومی، میں تم سے نظریں نہیں ملاسکتا۔ پھر تمھاری کسی بات سے انکار کیسے کرسکتا ہوں۔ میرا ضمیر کہتا ہے کہ میں تمھارا مجرم ہوں۔ تم جو کہوگی میں مان لوں گا۔"

پومی نے اس کے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "سلیمان جوگو، تم بہت اچھے ہو۔ آئی لو یو۔"

وہ پیچھے ہٹ کر اچھلتے ہوئے تار کی بلندی تک پہنچنا چاہتی تھی۔ سلیمان جوگو نے کہا۔ "ٹھہرو۔ میرے کاندھے پر سوار ہوکر جاؤ۔"

وہ اکڑوں بیٹھ گیا۔ پومی اس کے شانے پر پاؤں رکھ کر کھڑی ہوگئی۔ جب سلیمان جوگو آہستہ آہستہ اٹھ کر کھڑا ہوا۔ تو وہ تار کی بلندی تک پہنچ گئی۔ اس نے پہلے ایک پاؤں تار پر رکھا، توازن کا اندازہ کیا۔ پھر دوسرا پاؤں رکھ کر کامیابی سے تار پر کھڑی ہوگئی۔

وہ پتھریلی بالکونی صرف سات فٹ کی بلندی پر تھی مگر اس تار پر چار قدم آگے بڑھتے ہی اسے اس غار کے مطابق بیس فٹ کی بلندی پر چلنا تھا۔ اس نے اپنا چاقو بائیں ہاتھ میں لے کر اسے کھولا پھر بولی۔ "سلیمان، اپنا چاقو بھی مجھے دے دو۔"

سلیمان نے چاقو نکال کر اس کی طرف اچھالا۔ اس نے دائیں ہاتھ سے اس چاقو کو کیچ کرلیا۔ پھر اسے بھی ایک جھٹکے سے کھول لیا۔ اب اس کے دونوں ہاتھ میں دو چاقو تھے اور وہ اپنا توازن قائم رکھتے ہوئے آگے بڑھ رہی تھی۔

سلیمان جوگو نے تھوڑی دیر کے لیے دم سادھ لیا۔ حیران حیران آنکھوں سے اسے تکنے لگا۔ یہ بڑے حوصلے اور اعتماد

کی بات تھی۔ اگر وہ اس تار سے جاتا تو دونوں ہاتھوں سے لٹکتا ہوا جاتا۔ پومی چونکہ بازی گری جانتی تھی۔ اس لیے تار پر کھڑی ہوئی تھی۔ نیچے زہریلے سانپ تھے۔ اوپر چھت پر بھی سانپ نظر آرہے تھے۔ چاروں طرف زہریلی موت تھی۔ بیچ میں ایک تار کی صورت میں زندگی یہاں سے وہاں تک گئی تھی۔ اس تار پر ذرا بھی پاؤں پھسلتا۔ ذرا بھی توازن بگڑتا تو وہ گہرائی میں سانپوں کے درمیان پہنچ جاتی۔ پھر وہاں سے واپسی ممکن نہ ہوتی۔

والسوروکی دونوں ہاتھ کمر پر رکھے سینہ تان کر کھڑا ہوا تھا اور یوں فخر سے پومی کی طرف دیکھ رہا تھا جیسے زبانِ بے زبانی سے کہہ رہا ہو۔ دنیا والو دیکھو، یہ میرا شاہکار ہے۔ اس ہیرے کو میں نے تراشا ہے۔

واقعی وہ ہیرا تھی۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ کتنے حوصلے سے گزر رہی ہے۔ دراصل آدمی اپنے عمل کا سچا ہو۔ نیت کا پکا ہو اور اپنی ذات پر بھرپور اعتماد رکھتا ہو تو وہ پل صراط پر سے بھی گزر سکتا ہے۔

وہ آہستہ آہستہ تار پر چلتے ہوئے درمیانی حصے میں آگئی۔ نیچے دور تک گہری پستی تھی۔ سانپ پھنکار رہے تھے۔ سر کے اوپر قدرتی پہاڑی چھت تھی۔ اس چھت سے نکلی ہوئی چھوٹی چھوٹی چٹانوں میں سانپ لپٹے ہوئے تھے۔ وہاں سے لٹک رہے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ نیچے آکر چشم زدن میں اسے ڈس لیں گے۔

بلاشبہ یہ پومی کے کمال کی انتہا تھی کہ وہ بیک وقت کئی طرف توجہ دے رہی تھی۔ اس کی نگاہیں اس تار پر تھیں جہاں اس کے قدم پڑرہے تھے۔ اس کی نگاہیں چھت کی طرف لٹکنے والے سانپوں کی طرف بھی تھیں اور اس کی توجہ اپنے جسمانی توازن پر بھی تھی۔ اچانک مسٹر نوکو کی آواز اس غار میں گونجنے لگی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "بھئی کمال ہے، میں نے تمھارے متعلق سنا تھا۔ تمھاری ایک وڈیو فلم بھی دیکھی۔ تمھارے لڑنے کا انداز معلوم کیا مگر میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اس انداز میں تار پر چل کر اس جھولے تک پہنچنا چاہوگی۔ میں دیکھ رہا ہوں۔ میں دیکھتا جاؤں گا کہ تم کیا کرتی ہو۔ بائی گاڈ پومی۔ میں تم سے بہت خوش ہوں اور میں تمھیں بہت، بڑی آفر دینے والا ہوں۔"

وہ کہہ رہا تھا اور پومی سن رہی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اب اس کی توجہ مسٹر نوکو کی باتوں پر بھی تھی یعنی اس کا دھیان کئی طرف تقسیم ہوچکا تھا۔ اس کے باوجود وہ بڑی کامیابی سے اس تار پر چلتی جارہی تھی۔ ابھی اس نے درمیانی حصے کو ذرا عبور کیا تھا کہ اچانک رک جانا پڑا۔ ایک سانپ چھت پر سے اس کی طرف آیا تھا مگر دائیں ہاتھ کے چاقو کی نوک پر ٹھہر گیا تھا۔ چاقو کا پھل اس کے آرپار ہوگیا تھا۔ اس کے باوجود سانپ نے مرتے مرتے پومی کی کلائی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ ایسے ہی موقع پر حوصلے اور اعتماد کو پرکھا جاتا ہے۔ پومی کو اعتماد تھا کہ اس کا چاقو کام کرگیا ہے۔ سانپ اگر اس کی کلائی کو لپیٹ رہا ہے تو یہ اس کے دم توڑنے کا عمل ہے۔ پومی کی جگہ اگر کوئی اور ہوتی یا ہوتا تو وہ بدحواسی میں مبتلا ہوجاتا اور اس طرح اس کا توازن بگڑ جاتا۔ پھر نہ تار کی بلندی ہوتی نہ وہ ہوتا۔

اور چند سیکنڈ کے بعد وہی ہوا جو پومی نے سوچا تھا۔ سانپ کے بل پہلے ڈھیلے پڑگئے۔ پھر وہ بل اس کی کلائی سے کھلتے چلے گئے۔ وہ مُردہ ہوچکا تھا اور چاقو کے پھل سے لٹک رہا تھا۔ پومی نے دوسرے چاقو سے اس سانپ کو نکال کر نیچے پھینک دیا۔

وہ جو کچھ کررہی تھی، اس کے دوران اپنا توازن قائم رکھنا بڑے کمال کی بات تھی۔ اب وہ پھر آگے بڑھ رہی تھی۔ بہت ہی سنبھل سنبھل کر تار پر قدم رکھ رہی تھی مگر دو قدم آگے بڑھتے ہی اسے پھر رک جانا پڑا۔ چھت پر سے ایک سانپ آیا تھا۔ اس سے دو قدم دور تار پر آکر جھول گیا تھا۔ پومی کی نظر اس پر جم گئی۔ وہ سر کے بل اوپر اٹھتا ہوا تار سے لپٹتا جارہا تھا اور پومی کی طرف بڑھتا آرہا تھا۔ وہ چپ چاپ کھڑی ہوئی تھی۔ چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی مگر کچھ کر نہیں سکتی تھی۔ قلابازی کھاکر اس سے آگے جاکر کہیں قدم جمانا ناممکن سی بات تھی۔ اگر وہ تار پر کمالات دکھانے والوں کی طرح سیدھی سانپ پر سے اچھل کر آگے تار پر جاکر کھڑی ہوجاتی تب بھی اس بات کا اندیشہ تھا کہ سانپ سر اٹھاکر اسے ڈس لیتا۔ یعنی سانپ کے اوپر سے چھلانگ لگاکر گزرنا ممکن نہیں تھا۔

اب وہ سانپ اس سے صرف تین فٹ کے فاصلے پر رہ گیا تھا۔ اپنا پھن اس کی طرف اٹھائے ہوئے تھا۔ پومی نے اپنے چاقو کو اس کی نوک کی طرف سے چٹکی میں تھام لیا۔ پھر سانس روک لی اور اس کے ساتھ ہی نشانہ لگایا۔ اس نے باباصاحب کے ادارے میں رہ کر کیا نہیں سیکھا تیزی سے گول گھومنے والی کرسی پر بیٹھ کر وہ صحیح ٹارگٹ پر گولی چلاتی تھی اور خنجر پھینکتی تھی۔ پھر بھلا اس وقت اس کا نشانہ کیسے چوک جاتا۔ چاقو کا پھل سیدھا آکر سانپ کے پھن کے آرپار ہوگیا۔

پھر وہ سانپ تار سے لپٹا نہ رہ سکا۔ اس کے بل کھلتے چلے گئے اور وہ گہری پستی میں زندہ سانپوں کے درمیان جاکر گم ہوگیا۔ پومی تھوڑی دیر تک اسی طرح دم سادھے کھڑی رہی۔ اس نے دوسرے چاقو کو اپنے دانتوں کے درمیان دبالیا تاکہ

دونوں ہاتھ خالی رہیں۔ اگر ایک ہاتھ میں کوئی چیز ہو اور دوسرا ہاتھ خالی ہو تو رسّے پر یا تار پر چلنے والے کا توازن کچھ گڑبڑا جاتا ہے۔ اسی لیے اس نے چاقو کو اپنے دانتوں کے درمیان تھام لیا تھا۔ دونوں خالی ہاتھوں کے ذریعے اپنا توازن قائم کرتے ہوئے آگے بڑھنے لگی۔

اس غار کی محدود فضا میں پھر مسٹر نوکو کی آواز ابھرنے لگی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "شاباش، تم نے کمال کر دیا۔ میں نے تمہارے جیسی مستقل مزاج اور قوتِ ارادی رکھنے والی لڑکی پہلی بار دیکھی ہے۔ میں تم سے دشمنی بھولتا جا رہا ہوں۔ بائی گاڈ، تم سے محبت ہوتی جا رہی ہے۔ آؤ، چلی آؤ۔ مگر آنے سے پہلے ایک اور آزمائش سے گزرنا ہوگا۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ تمہارے کمال کی انتہا کیا ہے۔ اب سنبھل جاؤ۔ تم پر قیامت ٹوٹنے والی ہے۔ نیچے گہرے غار میں زہریلے سانپ تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔"

خاموشی چھا گئی۔ وہ چپ ہو گیا تھا۔ اچانک اس کے بعد گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی دی۔ جس تار پر وہ کھڑی ہوئی تھی وہ تار لرزنے لگا۔ اس نے دور سامنے والی بالکونی کی طرف دیکھا۔ اس کے کھلے ہوئے حصّے سے وہی لٹکنے والی کرسی نظر آ رہی تھی جسے وہ اپنے ساتھیوں تک پہنچانا چاہتی تھی مگر وہ اب خود بخود حرکت کر رہی تھی۔ اس کے حرکت کرنے سے وہ تار ہل رہا تھا اور بڑی تیزی سے ہل رہا تھا۔ ایسے میں اس تار پر قدم جمائے رکھنے کے لیے انتہائی مستقل مزاجی اور قوتِ ارادی کی ضرورت ہوتی ہے اور پومی اس کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

اس کے دانتوں کے درمیان سے چاقو چھوٹ کر گر پڑا تھا۔ وہ دونوں ہاتھ کبھی اِدھر، کبھی اُدھر کر رہی تھی۔ ڈگمگا رہی تھی مگر بڑے استقلال سے کھڑی ہوئی تھی۔ مشکل یہ تھی کہ وہ جھولنے والی کرسی جیسے جیسے قریب آتی جا رہی تھی، تار اور زیادہ شدّت سے لرزتا جا رہا تھا۔ سلیمان جوگو نے غصّے سے چیخ کر کہا۔ "نوکو کے بچے، تو میرے سامنے آ جا۔ ایک لڑکی کو کیا آزماتا ہے۔ مجھے آزما کر دیکھ، میں تیری گردن توڑ کر رکھ دوں گا۔ میں کہتا ہوں، اس ہینگنگ چیئر کو روک دے۔ نہیں تو میں، نہیں تو میں....."

وہ آگے کچھ نہ کہہ سکا۔ والسورو کی نے پیچھے سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "صبر کرو۔ میری بیٹی موم کی گڑیا نہیں ہے۔ وہ اپنے بچاؤ کے کئی راستے جانتی ہے۔ ذرا دیکھو تو وہ کیا کرتی ہے۔"

اب وہ ہینگنگ چیئر پومی سے ذرا فاصلے پر رہ گئی۔ اسی وقت پومی نے اس تار کو چھوڑ دیا۔ اچھلتے ہوئے فضا میں گئی۔ الٹی قلابازی کھائی پھر تار کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر لٹک گئی۔ جیسے ہی کرسی قریب آئی، وہ تار کو مضبوطی سے پکڑ کر یوں اوپر سے نیچے گول دائرے میں گھوم گئی جیسے کسی آئرن بار پر جمناسٹک کے کرتب دکھانے والے گول گول دائرے میں گھومتے ہیں۔ پھر جب وہ ایک دائرہ پورا کر کے نیچے کی طرف آئی، اس وقت تک کرسی بالکل قریب آ چکی تھی۔ اس لمحے سلیمان جوگو کی پلکیں جھپک گئی تھیں اور جب اس نے پلکیں جھپکنے کے بعد دیکھا تو پومی کرسی پر آرام سے بیٹھ چکی تھی۔ کرسی کا ہینڈل پومی کی گرفت میں تھا اور وہ دوسری پتھریلی بالکونی کی طرف جا رہی تھی۔

مارے خوشی کے سلیمان جوگو کے دل میں آیا، فوراً تالی بجائے لیکن اس سے پہلے ہی تالیوں کی آوازیں گونجنے لگی۔ دوسری طرف کہیں مسٹر نوکو بیٹھا ہوا بے اختیار تالیاں بجا رہا تھا اور پومی کے کمالات پر داد دے رہا تھا۔ کرسی دوسری پتھریلی بالکونی پر پہنچ کر رک گئی تھی، وہ کرسی سے اتر گئی تھی۔ پھر وہاں سے چیخ کر بولی۔ "سلیمان، میں یہ کرسی بھیج رہی ہوں۔ تم دونوں یکے بعد دیگرے چلے آؤ۔"

اس نے کرسی کے ہینڈل کو آگے کی طرف جھٹکا دے کر جھکایا، وہ کرسی تار پر پھسلتی ہوئی سلیمان جوگو اور والسورو کی کی طرف جانے لگی۔ صرف تین منٹ کے اندر پہلے ایک آیا پھر دوسرا کرسی پر بیٹھ کر چلا آیا۔ جب وہ تینوں دوسری پتھریلی بالکونی پر پہنچ گئے تو مسٹر نوکو کی آواز سنائی دی۔ اس نے کہا۔ "اب تم اسی کرسی پر بیٹھ کر میرے پاس آ سکتے ہو۔ پومی پہلے تم آ جاؤ۔"

پومی نے کہا۔ "نہیں، میں آخر میں آؤں گی۔ پہلے میرے ساتھی آئیں گے۔"

وہاں سے اسی کرسی پر بیٹھ کر سب سے پہلے والسورو کی گیا حالانکہ سلیمان جانا چاہتا تھا لیکن اسے پہلے اس لیے نہیں بھیجا گیا کہ وہ مسٹر نوکو کو دیکھتے ہی آپے سے باہر ہو جاتا — والسورو کی اس سے پہلے پہنچ کر اسے قابو میں رکھنے کی کوشش کرتا۔ بہر حال دوسری بار سلیمان جوگو گیا۔ تیسری بار پومی کرسی پر بیٹھ گئی۔ پھر وہاں سے آگے بڑھتے ہوئے آس پاس کے ماحول کو دیکھنے لگی۔ وہ ایک بہت بڑے قلعے کا اندرونی حصّہ تھا۔ کرسی جہاں سے گزر رہی تھی، اس کے نیچے تقریباً بیس یا بائیس فٹ کی پستی میں ایک چھوٹی سی جھیل نظر آ رہی تھی۔ اس کے درمیان خشکی کا ایک بڑا سا حصّہ تھا۔ اس خشکی کے عین درمیان ایک درخت نظر آ رہا تھا۔ پانی کے اندر سے کئی مگرمچھ نکل کر درخت کے سائے میں آ گئے تھے اور منہ پھاڑ پھاڑ کر گزرنے والی کرسی کو یوں دیکھ رہے تھے جیسے لپک کر کرسی سمیت پومی کو اپنے حلق میں اتار لیں گے۔

اچانک ہی پومی نے آگے بڑھنے والی کرسی کے ہینڈل کو تھام کر اسے روک دیا۔ نیچے درخت پر دیکھنے لگی۔ جو درخت اس جزیرے کے درمیان تھا، اس کی اوپری شاخوں پر ایک بڑا سا مچان بنا ہوا تھا اور اس مچان پر دی کلر بڑے آرام سے لیٹا ہوا تھا۔ اس نے بلندی پر بیٹھی ہوئی پومی کو دیکھا۔ پھر ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔ "ہیلو پومی، میرا سر یہاں ہے۔ تم کب لے جاؤ گی؟"

پومی کرسی کے پائیدان پر کھڑی ہو گئی۔ اسی وقت مسٹر نوکو کی آواز سنائی دی۔ "پومی، خبردار! اس مچان پر چھلانگ لگانے سے پہلے میری بات سن لو ورنہ وہاں سے زندہ واپس نہیں آؤ گی۔"

پومی نے چھلانگ لگانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اس کی بات سننے لگی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "اس جھیل کے درمیان خشکی کا جو حصّہ ہے، ہم اسے کروکوڈائل آئی لینڈ، مگرمچھ کا جزیرہ کہتے ہیں۔ یہ آدم خور مگرمچھ نہ میرے رشتے دار ہیں نہ تمہارے۔ جو بھی وہاں جائے گا، زندہ واپس نہیں آئے گا کیونکہ واپسی کا کوئی راستہ ہی نہیں ہے۔ چاروں طرف پانی ہی پانی ہے۔ کوئی بھی موٹر بوٹ میں بیٹھ کر وہاں تک نہیں پہنچ سکتا اور نہ وہاں سے واپس آ سکتا ہے۔ صرف وہ مچان محفوظ ہے اور وہ مچان دی کلر کے لیے ہے۔"

پومی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔ بلندی سے نیچے دی کلر کو مچان پر لیٹا ہوا دیکھ رہی تھی اور مسٹر نوکو کی باتیں سن رہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "اس قلعے کے اندر میری مرضی کے بغیر کوئی نہیں آ سکتا اور جب کوئی آ جاتا ہے تو میں وقتی طور پر دی کلر کو اس مچان پر بھیج دیتا ہوں تاکہ کوئی وہاں تک نہ پہنچ سکے۔"

اس نے ایک ذرا توقف سے کہا۔ "جس کرسی پر تم بیٹھی ہوئی ہو، وہ کرسی دی کلر کو مچان تک لے جاتی ہے۔ جب اسے وہاں پہنچانا ہوتا ہے یا وہاں سے لانا ہوتا ہے تو ایک رسّی کی سیڑھی کے ذریعے وہ مچان پر پہنچ جاتا ہے اور پھر اسی سیڑھی کے ذریعے کرسی پر آ کر بیٹھ جاتا ہے۔ پھر ہمارے پاس پہنچ جاتا ہے۔"

اس نے پھر ایک ذرا توقف سے کہا۔ "جس کرسی پر تم بیٹھی ہو، وہ کرسی مگرمچھوں کی خوراک پہنچانے کے کام بھی آتی ہے۔ اس کرسی سے منوں گوشت اس خشکی کے حصّے پر پھینکا جاتا ہے، اس طرح وہ مگرمچھ اپنی خوراک حاصل کرتے رہتے ہیں۔ ہاں ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی دشمن اپنی طاقت کے غرور میں اِدھر چلا آتا ہے اور ہم اسے آنے کی اجازت دیتے ہیں تو اس روز ان مگرمچھوں کو ایک زندہ انسان کا گوشت نصیب ہو جاتا ہے۔"

وہ خاموشی سے سن رہی تھی۔ اس نے پوچھا۔ "کیا تم چاہو گی کہ تمہارا یہ حسن و شباب ان مگرمچھوں کے حصّے میں جائے؟"

پومی نے انکار میں سر ہلایا۔ پھر بلند آواز سے کہا۔ "میں ایسا نہیں چاہوں گی۔ اس لیے ان مگرمچھوں کے حصّے میں دی کلر کا جسم آئے گا اور اس کا سر تو میرے لیے پہلے سے ریزرو ہو چکا ہے۔"

"دیکھو پومی، میں تمہیں سمجھا رہا ہوں، کوئی حماقت نہ کرنا۔ سیدھی میرے پاس چلی آؤ۔"

اس نے کہا۔ "میں یہاں صرف دی کلر کے لیے آئی ہوں اور اسے چھوڑ کر میں آگے نہیں بڑھ سکتی۔ اس لیے تمہارا مشورہ میرے لیے ناقابلِ قبول ہے۔"

یہ کہتے ہی پومی نے اچانک ہی کرسی پر سے چھلانگ لگائی۔ اس بلندی پر سے ہوتی ہوئی سیدھی مچان پر آئی۔ دی کلر نے کروٹ بدل لی تھی۔ ورنہ وہ اسے اپنے پاؤں سے روندتے ہوئے نہ جانے اس کا کیا حال کرتی مگر وہ مچان سے باہر کہاں جا سکتا تھا۔ باہر درخت کی چھوٹی بڑی شاخیں تھیں یا پھر نیچے خشکی کا وہ حصّہ تھا جہاں مگرمچھ دونوں کا انتظار کر رہے تھے۔

وہ مچان مستطیل نما تھی۔ دس فٹ لمبی اور چھ فٹ چوڑی تھی۔ ان دونوں کو اسی مچان کی حدود میں رہ کر ایک دوسرے کی زندگی اور موت کا فیصلہ کرنا تھا۔ دی کلر مچان کے آخری حصّے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا، اسے غرّاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

پلومی نے کہا۔ "صرف غرّانے سے کام نہیں چلے گا۔ کچھ بولو۔ میں یقین دلاتی ہوں، ابھی میرے دماغ میں فرہاد نہیں ہے۔"

دی کلر ہنسنے لگا۔ اس کی ہنسی جانی پہچانی تھی۔ پھر جب وہ بولنے لگا تو پومی چونک گئی کیونکہ وہ مسٹر نوکو بول رہا تھا۔ "ہاں، میں نوکو بول رہا ہوں لیکن میں جو تمہارے سامنے جسمانی طور پر کھڑا ہوا ہوں، میں نوکو نہیں ہوں لیکن کتنی عجیب بات ہے کہ میں وہی نوکو بول رہا ہوں جس کی آواز اتنی دیر سے تم سنتی آ رہی ہو۔"

میں سمجھ گئی۔ "دی کلر کے کمپیوٹر برین کے ذریعے مسٹر نوکو، تم بول رہے ہو اور جسمانی طور پر دی کلر میرے سامنے موجود ہے۔"

"ہاں، یہی بات ہے مگر تم میری گردن کیسے کاٹ سکو گی؟"

پومی نے اپنے دونوں خالی ہاتھ دکھاتے ہوئے کہا۔ "میرے پاس چاقو نہیں ہے کیونکہ میں قصائی نہیں ہوں مگر تمہاری یہ گردن میرے ہاتھوں سے ہی الگ ہوگی۔"

"تم بڑی دلچسپ لڑکی ہو۔ ذرا سنوں تو سہی، کسی ہتھیار کے بغیر کس طرح میرے سر کو تن سے جدا کرو گی؟"

"پہلے دو دو ہاتھ تو کر لو۔ جب تم مار کھاتے کھاتے نڈھال ہو جاؤ گے اور لیٹے۔ بچاؤ کی سکت بھی نہیں رہے گی تو میں تمہارے سر کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر اس درخت سے

نیچے لٹکاؤں گی۔ تھوڑا تھوڑا مگرمچھوں تک پہنچاؤں گی۔ تمہارے جسم کے تھوڑے تھوڑے حصّے کو ان کی خوراک بناؤں گی۔ رفتہ رفتہ وہ تمہارے تمام جسم کو شانے تک چبا جائیں گے مگر میں تمہارے سر کو چبانے کا موقع نہیں دوں گی کیونکہ یہ میرا حصّہ ہے۔"

دی کلر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں خود ایک بہت بڑا مگرمچھ ہوں۔ میں تمہارے حسن و شباب کو ان مگرمچھوں کے حوالے نہیں کروں گا۔ تم میری خوراک ہو۔"

یہ کہتے ہی اس نے یکبارگی پلٹ کر اُلٹی کک ماری۔ وہ لات پلومی کے منہ پر پڑی۔ وہ پیچھے کی طرف لڑکھڑاتے ہوئے گر پڑی۔ پیچھے مچان کا ایک حصّہ ختم ہو چکا تھا۔ وہ مچان کے باہر گر پڑی۔ باہر گرنے کا مطلب تھا موت۔ نیچے کتنے ہی مگرمچھ منہ پھاڑے ان دونوں میں سے کسی کا انتظار کر رہے تھے اور وہ دوسری اُدھر گئی تھی۔

دی کلر نے جلدی سے مچان کے کنارے جھک کر دیکھا۔ وہ نیچے مگرمچھوں کے پاس نظر نہیں آ رہی تھی۔ یقیناً شاخوں کے درمیان اُلجھ گئی ہو گی اور چپکے چپکے ایک شاخ سے دوسری شاخ پر چڑھتے ہوئے مچان کی طرف پھر آ رہی ہو گی۔

وہ قلعہ پہاڑ کی بلندی پر تھا۔ اس لیے ہوا تیز تھی۔ تیز اور تند ہوا میں پتا نہیں چل رہا تھا کہ پلومی درخت کی کس شاخ پر ہو گی یا مچان کی کس سمت سے آ رہی ہو گی۔

دشمن سامنے ہو تو دلیری سے مقابلہ کیا جا سکتا ہے مگر موجود ہو اور نظر نہ آ رہا ہو تو وہ فکر اور پریشانی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ دل میں بے چینی اور دماغ میں جھنجلاہٹ پیدا کر دیتا ہے۔ وہ چیخ کر کہنے لگا۔ "کہاں ہو، تم سامنے آؤ۔ تم چھپ کر نفسیاتی حملے کر رہی ہو۔ تمہاری جیسی چھوکری مجھے دہشت میں مبتلا نہیں کر سکے گی۔ سامنے آ جاؤ۔"

وہ مچان کے کبھی اس کنارے آتا تھا اور جھانک کر دیکھتا تھا۔ پھر دوسرے کنارے جا کر اسی طرح جھانک کر اسے دیکھنے کی کوشش کرتا تھا مگر جھانکتے وقت اس بات کا خیال رکھتا تھا کہ زیادہ جھکنے نہ پائے ورنہ کہیں نہ کہیں سے اس کی ٹھوکر پڑے گی یا منہ پر گھونسا لگے گا۔ وہ دعویٰ کر رہا تھا کہ دہشت میں مبتلا نہیں ہو گا مگر پلومی نے اسے پیچ در پیچ اندیشوں میں مبتلا کر دیا تھا۔

اس نے مچان پر ایک گھونسا مارتے ہوئے کہا۔ "آ جاؤ ورنہ میں مچان سے اتر کر آ گیا تو تمہیں درخت کی کسی شاخ پر پناہ نہیں ملے گی۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی جیسے مچان پر زلزلہ آ گیا ہو۔ اس نے چونک کر دیکھا۔ مچان کے ٹھیک درمیانی حصّے میں سوراخ ہو گیا تھا اور پلومی کا ہاتھ اس سوراخ سے گزر کر اوپر آیا تھا۔ اس کے ہاتھ کی مٹھی بندھی ہوئی تھی۔ صرف دو انگلیاں اس انداز میں نکلی ہوئی تھیں جیسے وہ انگریزی کا حرف 'وی' بنا رہی ہو۔

دی کلر نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ وہ سوچ رہا تھا۔ آخر پلومی نے کس چیز سے سوراخ کیا۔ کیا اپنے ہاتھ کی قوت سے۔ اس نے یکبارگی اُدھر چھلانگ لگائی۔ پھر اس ہاتھ کے قریب اوندھے منہ گر کر اس کی کلائی کو مضبوطی سے جکڑ لیا پھر کہا۔ "میں تمہاری یہ کلائی توڑ کر رکھ دوں گا۔ اس کے بعد تم مجھ سے آنکھ مچولی نہیں کھیل سکو گی۔"

وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے خود اس کی کلائی میں دو لوہے کی سلاخیں چُبھ رہی ہوں۔ اس نے حیرت سے دیکھا۔ پلومی کی وہ انگلیاں جو انگریزی حرف 'وی' کی طرح کھلی ہوئی تھیں، اس کی کلائی میں گڑ رہی تھیں۔ وہ یقین نہیں کر سکتا تھا کہ ایک خوبصورت لڑکی کی انگلیاں اس طرح فولادی ہو سکتی ہیں۔ اس نے فوراً ہی پلومی کی کلائی چھوڑ دی۔ اپنی کلائی کو دیکھا تو وہاں پلومی کی دو انگلیوں سے دو سوراخ ہو گئے تھے اور خون رِس رہا تھا۔

اس کے مقابل آنے والا یہ نہیں جانتا تھا کہ مرجانہ مر چکی ہے مگر اس کی انگلیاں ابھی زندہ ہیں۔ یہ وہ انگلیاں ہیں جنھیں والشوروکی نے بنایا ہے۔ جب وہ مرجانہ کو ہیرے کی طرح تراش رہا تھا تو اس وقت بھی یہی عمل کراتا تھا۔ لوہے کے ذرات میں پانچوں انگلیاں پیوست کراتا تھا۔ پھر وہ انگلیاں باہر آتی تھیں۔ پھر پوری قوت سے لوہے کے ذرات میں پیوست ہو جاتی تھیں۔ دشمنوں نے مرجانہ کا چراغ بجھا دیا مگر والشوروکی ایک کے بعد دوسرا چراغ جلانا جانتا تھا۔ آج اس نے پلومی کو اسی مقام پر پہنچا دیا تھا۔ وہ کس قدر فولادی انداز رکھتی تھی، یہ تو اس لکڑی کے مچان کا سوراخ بتا رہا تھا۔ اس نے 'وی' کے انداز میں نکلی ہوئی دو انگلیوں سے اس مچان میں سوراخ کیا تھا اور اپنا ہاتھ آر پار کرتے ہوئے دی کلر کو مقابلے کی دعوت دی تھی۔

وہ جھنجلا کر مچان پر کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے پلومی کے ہاتھ پر ایک لات ماری۔ جب تک لات وہاں پہنچتی، ہاتھ غائب ہو چکا تھا۔ اب اسے غصّہ کیسے نہ آتا۔ وہ مقابلہ بھی کر رہی تھی اور آنکھ مچولی بھی کھیل رہی تھی۔

اس نے پاؤں پٹخنے کے انداز میں سوراخ کے اس حصّے

پر زور سے پاؤں مارا۔ پھر فوراً ہی وہاں سے پاؤں ہٹا لیا۔ اچانک یہ دہشت پیدا ہوئی کہ وہ دو آہنی انگلیاں اس کے پاؤں میں بھی سوراخ کر سکتی ہیں۔ وہ گھور گھور کر اس سوراخ کو دیکھ رہا تھا۔ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ یکبارگی اچھل کر دوسری طرف چلا گیا۔ جہاں وہ کھڑا ہوا تھا، وہیں پھر لکڑی کے ٹوٹنے کی آواز آئی تھی۔ ایک سوراخ ہوا تھا۔ پھر وہاں سے پلومی کا ہاتھ نمودار ہوا۔ مٹھی اسی طرح بندھی ہوئی تھی۔ دو انگلیاں 'وی' کی شکل میں لوہے کی سلاخ کی طرح تنی ہوئی تھیں۔ وہ چیخ کر بولا۔ "سامنے آؤ۔"

وہ ہاتھ سوراخ کے راستے غائب ہو گیا۔ یہ اور بُرا ہوا۔ اب اس کے دل میں اور دہشت پیدا ہوئی کہ پتا نہیں تیسری بار وہ ہاتھ کہاں سے طلوع ہو گا۔ کس حصّے میں سوراخ کرے گا۔ کیا جہاں وہ کھڑا ہوا ہے، وہیں وہ دو انگلیاں تیر کی طرح آئیں گی۔

وہ فوراً وہاں سے ہٹ گیا مگر وہاں سے ہٹ کر جہاں پہنچا، وہاں بھی یہی اندیشہ تھا کہ وہ ہاتھ اُدھر سوراخ کرے گا۔ دی کلر اچھل کر مچان کے دوسرے حصّے میں چلا گیا مگر کہاں تک جا سکتا تھا۔ کب تک اچھل سکتا تھا۔ ہر جگہ یہی اندیشہ تھا کہ وہ ہاتھ وہیں سے طلوع ہو گا۔

جب اندیشے گھر کر لیں اور خطرہ ٹلنے کا نام نہ لے تو آدمی میں اس خطرے کا سامنا کرنے کی جرأت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس بار اس نے غصّے سے چیخ کر کہا۔ "اب اپنا ہاتھ مجھے دکھاؤ۔ میں اس ہاتھ کو توڑ کر رکھ دوں گا۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی مچان کے ایک حصّے میں پھر سوراخ ہوا اور وہ ہاتھ نمودار ہو گیا۔ اس بار مٹھی بندھی ہوئی نہیں تھی۔ پانچوں انگلیاں یوں کھلی ہوئی تھیں جیسے دی کلر کو پنجہ لڑانے کی دعوت دے رہی ہوں۔

وہ فوراً ہی گھٹنے ٹیک کر اس ہاتھ کے قریب جھک گیا۔ پھر دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو اس کی انگلیوں میں پھنسا دیا اور پوری قوت سے انھیں موڑنے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ ایسی سخت ہو گئی تھیں جیسے لوہے کی کیلیں ہوں اور ایک جگہ گاڑ دی گئی ہوں۔ ہلنے کا نام نہ لے رہی ہوں۔ وہ جیسی حسین تھی ویسی ہی اس کی انگلیاں لمبی اور خوبصورت تھیں۔ دیکھنے میں بڑی نازک سی لگتی تھیں۔ والشوروکی نے لوہے کے ذرات میں مشقیں کرانے کے دوران اس بات کا خاص خیال رکھا تھا کہ جسم کے کسی حصّے کی جِلد بدنما اور بھدّی نہ ہو۔ جب وہ زخموں سے چُور ہو جاتی تھی، لہو میں ڈوب جاتی تھی تو والشوروکی اپنے ہاتھوں سے ان زخموں کو صاف کرتا تھا اور ایک مخصوص دوا لگاتا تھا کہ چوبیس گھنٹے کے اندر نہ صرف یہ کہ زخم بھر جاتے تھے بلکہ وہ دوبارہ لوہے کے ذرات میں مشقیں کرنے کے قابل ہو جاتی تھی۔

دی کلر پریشان ہو رہا تھا۔ ان انگلیوں کو پوری قوت سے موڑنا چاہتا تھا مگر وہ ٹس سے مس نہیں ہو رہی تھیں۔ پھر اسے احساس ہوا کہ انھیں موڑنے کی خوش فہمی میں اس نے اپنی انگلیوں کو ان میں پھنسا لیا ہے اور اب وہاں سے نکال نہیں سکے گا۔ یہ خیال آتے ہی اس نے ایک جھٹکے سے اپنے ہاتھ کو اس کے ہاتھ سے چھڑانا چاہا مگر ناکامی ہوئی۔ وہ پانچ انگلیاں سچ مچ پانچ کیلیں بن گئی تھیں اور وہ کیلیں دی کلر کی انگلیوں میں اُلجھ گئی تھیں۔ وہاں سے اب نکلنا ممکن نہ تھا۔

اس نے ناکامی کی صورت میں دوسرے ہاتھ کا بھی زور لگایا۔ یہ اصول کے خلاف تھا۔ ایک ہاتھ کا مقابلہ تھا اور وہ دو ہاتھ استعمال کر رہا تھا۔ پھر یکبارگی اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ پلومی کی انگلیاں اچانک ہی سخت ہو گئی تھیں اور اس کی انگلیوں کو اس طرح موڑ رہی تھیں کہ ہڈیاں چٹخنے ہی والی تھیں۔ وہ ایکدم سے تڑپ کر بولا۔ "چھوڑ دو۔ مجھے چھوڑ دو۔ میں دی کلر نہیں ہوں۔"

وہ سچ کہہ رہا تھا یا اپنے بچاؤ کے لیے جھوٹ بول رہا تھا۔ اس دوران شیبا اس کے پاس پہنچ گئی تھی لیکن وہ دی کلر کے دماغ کو اس لیے نہیں پڑھ رہی تھی کہ اس دماغ کو کوئی دوسرا آپریٹ کر رہا تھا۔ اس کی زبان سے یہ بات سن کر اس نے پلومی سے کہا۔ "تم اسے گرفت میں رکھو۔ میں ابھی اس کی اصلیت معلوم کرتی ہوں۔"

وہ دی کلر کے دماغ میں پہنچ گئی۔ پھر کہا۔ "میں فرہاد بول رہا ہوں۔ کیا ثبوت ہے کہ تم دی کلر نہیں ہو؟"

اس کی انگلیاں جیسے ٹوٹنے ہی والی تھیں۔ وہ شدید تکلیف میں مبتلا تھا۔ سوچ کی لہریں بھی لرز رہی تھیں۔ شیبا نے پلومی سے کہا۔ "گرفت ذرا ڈھیلی رکھو۔ وہ بولنے کے قابل بھی نہیں ہے۔"

پلومی نے یہی کیا۔ شیبا نے اس کے پاس پہنچ کر کہا۔ "ہاں، اب بولو۔ تم کون ہو؟"

اس نے کہا۔ "میں دی کلر سے جسمانی طور پر مماثلت رکھتا ہوں۔ میرے چہرے پر ماسک ہے۔ یہ اتار دوں تو میرا اصلی چہرہ سامنے آ جائے گا۔"

شیبا نے اس کے دماغ میں کہا۔ "میں فرہاد بول رہا ہوں۔ اور اس شخص سے مخاطب ہوں جو دی کلر کے دماغ کو آپریٹ کرتا ہے۔"

وہ تکلیف سے کراہتے ہوئے بولا "میرے دماغ کو کوئی آپریٹ نہیں کرتا۔ میرا دماغ کمپیوٹر کا محتاج نہیں ہے۔"

پومی نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ وہ اپنا ہاتھ جھٹکنے لگا۔ دوسرے ہاتھ سے انگلیاں سہلانے لگا۔ پھر غصّے سے جھنجلا کر بولا "میں تمھیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

شیبا نے کہا "تعجب ہے، ابھی تو اس کے سامنے چوہے بن گئے تھے۔ پھر شیر بن کر دہاڑ رہے ہو۔"

"میں کسی سے کمزور نہیں ہوں۔ میں دی کلر سے بھی ٹکرا سکتا ہوں لیکن یہ تو کوئی مقابلے کا طریقہ نہیں ہوا۔ وہ چھپ کر رہتی ہے اور حملہ کرتی ہے۔"

"بکواس مت کرو۔ چھپ کر رہنے والے نظر نہیں آتے۔ جبکہ وہ اپنی کلائی تک خود کو ظاہر کرتی رہی۔ صرف ایک ہاتھ کلائی تک تمھارے سامنے آیا اور تم اس کا مقابلہ نہ کر سکے۔ اگر وہ سالم تمھارے سامنے آجائے تو تم کیا کر لو گے۔"

"میں اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔"

جو فائٹر خود کو ناقابلِ شکست سمجھتے ہیں، وہ ہار جاتے ہیں یا دوسرے لفظوں میں رسّی کی طرح جل جاتے ہیں مگر ان کے بَل نہیں جاتے۔ وہ سوچ رہا تھا ہر لڑنے والے کی ایک مخصوص تکنیک ہوتی ہے۔ پومی میں شاید یہی خاص بات ہے کہ وہ پنجہ لڑانا خوب جانتی ہے۔ اگر مقابلے پر سامنے آجائے تو وہ اسے منٹوں میں مار کر گرا دے گا۔

یہ سوچتے سوچتے وہ اچانک ہی ڈگمگا گیا۔ مچان پر سے اس کے قدم اکھڑ گئے کیونکہ مچان بھی اپنی جگہ سے اکھڑ گیا تھا۔ وہ گرتے گرتے درخت کی شاخ کو پکڑ کر لٹک گیا۔ پھر سر گھما کر دیکھا تو مچان الٹ کر درخت کے دوسرے حصّے میں پہنچ گیا تھا اور اب پومی صاف طور سے نظر آرہی تھی۔ اسی نے اس مچان کو الٹایا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی "تم دی کلر نہیں ہو مگر تم نے میرا وقت ضائع کیا ہے۔ میں تمھیں ایسی سزا دوں گی کہ آئندہ کوئی میرے سامنے ڈمی دی کلر بن کر نہیں آئے گا۔"

وہ ڈمی اچانک ہی چھلانگ لگا کر اس کے قریب ہی ایک شاخ پر آیا۔ پھر پومی کو ایک لات رسید کی۔ وہ ذرا ڈگمگائی، اوپری شاخ کو پکڑ کر جھول گئی پھر نچلی شاخ پر قدم جما لیے پھر کہا۔ "میں تمھارے سامنے ہوں۔ اتنی دور کیوں ہو۔ قریب آکر حملے کرو۔"

اس نے گھور کر اسے دیکھا۔ پھر محتاط انداز میں اس شاخ پر ایک پاؤں رکھا جس پر پومی کھڑی ہوئی تھی۔ اپنی شاخ پر اس کا اپنا ایک پاؤں تھا۔ وہ پوری طرح پومی کے قریب جانے سے پہلے ہی اس پر حملہ کرنا چاہتا تھا مگر یہ بھول گیا کہ دوسرا بھی یہی سوچ سکتا تھا کہ پوری طرح اس کے قریب آنے سے پہلے ہی حملہ کر دیا جائے۔ لہٰذا پومی نے صرف دو انگلیوں سے اس کی آنکھوں پر حملہ کیا۔ دوسرے ہی لمحے اس کی ایک فلک شگاف چیخ سنائی دی۔ پومی کی دو انگلیاں دو سلاخوں کی طرح اس کی آنکھوں میں دھنس کر نکل آئی تھیں۔

وہ تکلیف کی شدّت سے اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا۔ اس کے پاؤں دونوں شاخوں پر سے اکھڑ گئے۔ ایک کے بعد دوسری چیخ مارتا ہوا نیچے جانے لگا۔ پتّوں سے رگڑ کھاتا ہوا، شاخوں سے ٹکراتا ہوا نیچے خشکی کے حصّے میں دھپ سے گر پڑا۔

چند لمحوں تک اسے آنکھوں کی تکلیف کے سوا کچھ یاد نہیں رہا تھا کہ اس پر کیا گزر رہی ہے۔ وہ کس طرح درخت کی شاخوں پر سے اکھڑ کر گرتا ہوا نیچے پہنچ گیا ہے۔ ہر لمحہ تکلیف میں اضافہ ہو رہا تھا۔ آنکھوں کی تکلیف، شاخوں سے ٹکرانے کی تکلیف، پھر نیچے گرنے کی تکلیف نے تو رہی سہی کسر پوری کر دی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھنے کے قابل نہیں رہا تھا۔

آدمی کی جان نکل رہی ہو، وہ مر رہا ہو تب بھی زندگی کے لیے بھاگنے کی سکت پیدا ہو جاتی ہے۔ جب اس نے ہلچل کی آواز سنی۔ خشکی پر ایسی سرسراہٹ تھی جیسے کئی مگرمچھ رینگتے آرہے ہوں تو یکبارگی اس کے اندر بجلی سی پیدا ہوئی۔ وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ آنکھوں میں شدید تکلیف تھی۔ کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے ٹٹولتا ہوا درخت کی تہ تک پہنچا۔ پھر اس سے لپٹ کر اوپر چڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔

درخت کا تنا بہت موٹا تھا۔ وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر اس سے لپٹ سکتا تھا مگر چڑھ نہیں سکتا تھا۔ وہ بدحواسی میں ادھر سے اُدھر جانے لگا۔ اوپر ہاتھ اٹھا کر کسی شاخ کو ڈھونڈنے لگا۔ اتفاق سے ایک شاخ نیچے کی طرف جھکی ہوئی تھی۔ اس نے اسے تھام لیا۔ پھر اس سے لٹک کر اوپر جانا چاہتا تھا۔ اسی وقت اس کی ایک ٹانگ ایک مگرمچھ کے منہ میں آگئی۔

وہ پاگلوں کی طرح چیخنے لگا "چھوڑ دو، مجھے چھوڑ دو۔ مجھے جانے دو۔"

وہ بھول گیا تھا کہ مگرمچھ انسانوں کی زبان نہیں سمجھتے بلکہ صرف مگرمچھ کی نہیں ہے۔ کوئی ظالم شخص بھی کسی مظلوم کی زبان نہیں سمجھتا۔ اس کی فریاد ایسے سنتا ہے جیسے بھینس بین کی آواز سنتی ہے۔ اس کے ہاتھوں سے درخت کی شاخ چھوٹ گئی تھی۔ وہ نیچے آیا تو اس کے ساتھ ہی کئی مگرمچھ اس کے پاس پہنچ گئے۔

وہ چیخ رہا تھا۔ دور دور تک اس کی چیخیں گونج رہی تھیں۔ پومی درخت کی ایک بلند شاخ پر بیٹھی پتّے توڑ توڑ کر

اپنی دونوں انگلیاں یوں صاف کر رہی تھی جیسے کوئی سپاہی، دشمن کو ہلاک کرنے کے بعد کسی کپڑے سے چاقو کے پھل کو آلودگی سے پاک کرتا ہے۔ اس نے یہ نہیں دیکھا کہ نیچے جانے والے کا کیا حشر ہو رہا ہے۔ صرف آوازوں سے ہی پتا چل رہا تھا۔ اس کی چیخیں دم توڑ چکی تھیں۔ اب صرف ایسی آوازیں آرہی تھیں جیسے مگرمچھ ایک دوسرے پر جھپٹ رہے ہوں اور لڑتے ہوئے اپنی اپنی خوراک چھین رہے ہوں۔

شیبا نے اس کے پاس آکر کہا "تمھارے لیے ہینگنگ چیئر آرہی ہے۔"

اس نے کہا "وہ ضرور آئے گی۔ بے چارا لوکو کہیں بیٹھا اسکرین پر مجھے دیکھ رہا ہے اور میرے لیے تڑپ رہا ہے۔"

"کیا تمھیں فرہاد نے بتایا ہے کہ مسٹر لوکو اسکرین پر تمھیں دیکھ رہا ہے۔"

"بہت دیر سے فرہاد سے رابطہ قائم نہیں ہوا ہے۔ یہ تو میں نے لوکو کی باتوں سے اندازہ لگایا ہے۔ جب میں سانپوں کے غار سے گزر رہی تھی تو وہ مجھے یوں داد دے رہا تھا جیسے اپنی آنکھوں کے سامنے تار پر چلتا ہوا دیکھ رہا ہو۔ یقیناً قلعے کے اندرونی اور بیرونی حصّوں میں ایسے کیمرے چھپا کر رکھے گئے ہیں جن کے ذریعے ہم ٹی وی اسکرین پر اسے نظر آتے ہیں۔"

وہ لفٹ چیئر درخت سے چند گز کی بلندی پر آگئی۔ اس کرسی کے پائیدان سے ایک رسّی کی سیڑھی لٹک رہی تھی۔ پومی اس سیڑھی کے ذریعے کرسی پر پہنچ کر بیٹھ گئی۔ پھر وہ کرسی تار پر پھسلتی ہوئی آگے جانے لگی۔ پومی نے سر جھکا کر دیکھا۔ سارے مگرمچھ ایک جگہ جمع ہو گئے تھے اور جس دسترخوان پر جمع ہوئے تھے، وہاں اب صرف ہڈیاں نظر آرہی تھیں۔

رفتہ رفتہ وہ مگرمچھوں کی جھیل اور جزیرہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ وہ ہینگنگ چیئر قلعے کی ایک اونچی دیوار کے اوپر سے گزرتی ہوئی اس قلعے کے دوسرے حصّے میں داخل ہوئی اور ہینگنگ چیئر کے اسٹیشن پر رک گئی۔ پومی وہاں سے چند مسلّح جوانوں کے گھیرے میں چلتی ہوئی بڑے سے آہنی گیٹ کے پاس پہنچی۔ وہ گیٹ اس کے لیے کھول دیا گیا۔ اس کے آس پاس سات مسلّح جوان چل رہے تھے۔ وہ سب مستعد اور محتاط تھے۔ انھیں پومی کے متعلق اچھی طرح سمجھا دیا گیا تھا کہ ذرا بھی چوک ہو گی تو وہ دیکھتے ہی دیکھتے ساتوں کو زمین بوس کر دے گی۔ حالانکہ وہ اتنی احمق نہیں تھی۔ قلعے کے مختلف حصّوں سے گزرتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی کہ مسٹر لوکو نے ہر سمت کتنے سخت پہرے لگائے ہیں

اس کے آس پاس چلنے والے مسلّح گارڈز ایک دروازے کے سامنے رک گئے۔ وہ دروازہ کھولا گیا۔ پومی نے دیکھا، کھلے ہوئے دروازے سے دور تک ایک بڑا سا ہال نظر آرہا تھا۔ اس ہال میں بڑے بڑے موٹے موٹے ستون تھے۔ فرش اس قدر چکنا تھا کہ اس پر چھت کا اور ستونوں کا عکس نظر آرہا تھا۔ اس فرش پر تقریباً ایک درجن افراد پاؤں میں پہیّے والے جوتے پہنے اِدھر سے اُدھر پھسل رہے تھے اور ان کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھیں۔

یہ وہی وقت تھا جب میں ایک انڈر گراؤنڈ ٹرین میں بیٹھا چائنا ٹاؤن کی طرف جا رہا تھا۔ سونیا مجھ سے بچھڑ گئی تھی۔ میں نے شیبا سے پومی کے حالات پوچھے تھے۔ پھر خود ہی خیال خوانی کی پرواز کرتا ہوا اس کے پاس پہنچ گیا تھا۔

میں نے کہا "پومی! میں آگیا ہوں۔ اب تم تنہا نہیں ہو۔ میں اور شیبا تمھارے ساتھ ہیں مگر ہال کے اندر نہ جانا۔ نہ ہی ان سے مقابلہ کرنا۔ تم کسی طرح تھوڑا سا وقت ضائع کرو۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

میں نے مسٹر لوکو کے دماغ پر دستک دی۔ اس نے کہا "آہا، مسٹر فرہاد، چلے آؤ۔ دماغ کا دروازہ کھلا ہے۔ میں بڑی دیر سے سوچ رہا ہوں، پومی اتنی آزمائشوں سے گزر رہی ہے اور تم اس کے دماغ سے غیر حاضر ہو۔"

میں نے کہا "اپنی باتیں پھر کہہ لینا۔ پہلے میری ایک بات سن لو۔ تم نے پومی کو بڑی بڑی آزمائشوں سے گزارا ہے۔ تم اچھی طرح سمجھ گئے ہو، وہ تھکنے اور ہارنے والی نہیں ہے لیکن یہ

کیسی شیطانیت ہے کہ خواہ مخواہ ایک تنہا لڑکی کو لاتعداد مقابلہ کرنے والوں سے الجھاتے چلے جا رہے ہو۔ آخر تم چاہتے کیا ہو؟"

"پہلے تو میں پومی کو ہر حال میں مردہ دیکھنا چاہتا تھا۔ اس نے سرعام دی کلر کا سر کاٹ کر لے جانے کے بارے میں ایسا دعویٰ کیا تھا کہ تمام خطرناک تنظیموں کے سربراہ بھی اس کھوپڑی کی اہمیت کو سمجھ گئے۔ ہم نہیں جانتے تھے کہ یہ لڑکی کامیاب ہوگی یا ناکام ہوگی۔ ناکامی کی صورت میں بھی اگر یہ مر جاتی تو اس کے بعد خطرہ ٹلنے والا نہیں تھا۔ دی کلر چاروں طرف سے اندیشوں میں گھرا ہوا تھا۔ کسی بھی خطرناک تنظیم کا کوئی آلۂ کار اس کا سر کاٹ کر لے جا سکتا تھا۔ اس لیے یہ لڑکی ہمیں کانٹے کی طرح چبھ رہی تھی۔"

"اس کے باوجود تم نے اسے اپنے قلعے میں بلایا۔ ہر طرح سے آزمایا۔ جب تم اسے مار ڈالنا چاہتے ہو تو تمہارے آدمی کہیں سے بھی چھپ کر ایک گولی چلاتے اور یہ ختم ہو جاتی۔ پھر تم نے ایسا کیوں نہیں کیا؟"

"میں اس سے متاثر ہوتا جا رہا ہوں۔ سچ بات تو یہ ہے کہ میں دل و جان سے اسے چاہنے لگا ہوں۔ میں عشق و محبت کا قائل نہیں ہوں مگر اس کا قائل ہو چکا ہوں۔"

"پومی کا عشق مبارک ہو مگر یہ کیسا عشق ہے کہ تم اسے ننگی تلواروں کے سائے سے گزارنا چاہتے ہو۔ اگر یہ مر گئی تو کیا اپنی محبوبہ کا ماتم کرو گے؟"

"میں اچھی طرح سمجھ گیا ہوں، یہ نہیں مرے گی۔ ہال میں جتنے تلوار باز نظر آ رہے ہیں، ان کی شامت آ گئی ہے۔ میں خوب اچھی طرح سمجھ رہا ہوں اور میں ان حرام خوروں کو دکھانا چاہتا ہوں۔ یہ برسوں سے میرا کھا رہے ہیں۔ مجھ سے بھاری معاوضے حاصل کرتے ہیں۔ اس قلعے میں رہ کر طرح طرح کی تربیت حاصل کرتے ہیں اور ناقابلِ شکست کہلاتے ہیں۔ وہ جو دی کلر بن کر مگر مچھوں کے جزیرے میں پومی سے مقابلہ کرنے گیا تھا۔ چوہے کی طرح مر گیا۔ میں چاہتا ہوں، پومی بھی پہیئے والے جوتے پہنے، ہاتھ میں ننگی تلوار لے اور ان حرام خوروں کو قتل کرتے ہوئے میرے پاس پہنچ جائے تاکہ میرے دوسرے تربیت یافتہ آدمی اپنے کان پکڑ کر یہ اعتراف کریں کہ ابھی وہ مستحکم اور ناقابلِ شکست نہیں بن پائے ہیں۔"

اس نے ایک ذرا توقف سے کہا۔ "میں اس لیے بھی پومی کو آزمائشوں سے گزار رہا ہوں کہ تمام قلعے کے لوگوں پر اس کی دہشت طاری ہو جائے۔ جب میں اس سے شادی کروں گا اور یہ اس قلعے کی ملکہ بنے گی تو بڑے رعب اور دبدبے سے یہاں حکومت کرے گی۔ کوئی اس کے خلاف بغاوت کرنے یا دشمنوں سے مل کر سازش کرنے کی جرأت نہیں کر سکے گا۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "آج پتا چلا، مضبوط قلعوں میں رہنے والے بھی ہوائی قلعے بناتے ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"کیا تم ایک ہاتھ سے تالی بجا سکتے ہو۔ اگر ایسا نہیں کر سکتے تو محبت بھی کبھی یک طرفہ نہیں ہوتی۔ پہلے پومی کا دل جیتنے کی کوشش کرو اور جس طرح تم اسے آزمائشوں سے گزار رہے ہو، یہ دل جیتنے کے ڈھنگ نہیں ہیں۔"

وہ جواباً ہنستے ہوئے بولا۔ "عشق کرنے والے دل جیتنا چاہتے ہوں گے۔ حکومت کرنے والے جسے چاہیں جیت لیتے ہوں گے۔ میں یہاں کا حاکم ہوں۔ پومی اس قلعے میں داخل ہونے کے بعد میری محکوم ہے۔ میں اسے بڑی آسانی سے جیت لوں گا اور یہ تماشا تم بھی دیکھو گے۔"

"ضرور دیکھوں گا لیکن فی الحال پومی کو ان تلواروں کے سائے سے گزرنے نہیں دوں گا۔"

"مسٹر فرہاد، تم پومی کی نہیں، اپنی خیریت مناؤ۔ ابھی کہاں چھپتے پھر رہے ہو۔ کیا سمجھتے ہو، نیویارک سے باہر نکل سکو گے؟"

"سمجھتا ہوں۔ اسی لیے تو آنکھ مچولی کھیل رہا ہوں۔ ویسے تم نے چیلنج کرنے میں دیر کر دی۔ مجھ سے پہلے ہی سونیا نکل چکی ہے۔"

"دیکھو فرہاد، مجھے دوست مان لو۔ میں تمہاری بھلائی کے لیے کہتا ہوں۔ اس وقت صرف میرے آدمی نہیں، بہت سی خطرناک تنظیموں کے لوگ تمہیں نیویارک میں تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ صرف میں جانتا ہوں کہ تم نیویارک کے علاقے مین ہٹن میں ہو۔ میں نے اس علاقے کی ناکا بندی کرا دی ہے۔ اس بار تم ہمارے ہاتھ سے نہیں نکل سکو گے۔"

"جب تمہیں اتنا یقین ہے تو خواہ مخواہ مجھے دوست کیوں بنا رہے ہو۔ قیدی بنا کر مجھے اپنے پاس بلا لو۔ فی الحال میں تمہیں سمجھا رہا ہوں۔ تم پومی کو جس مقصد کے لیے بلا رہے ہو، اسے سیدھے راستے سے بلاؤ۔ آزمائشوں میں مبتلا نہ کرو۔ رہ گئی پومی کی مرضی کی بات تو وہ جس مقصد کے لیے آئی ہے تو اسے پورا کر کے ہی جائے گی۔"

"کیا تم مجھے چیلنج کر رہے ہو؟"

"میں نے تمہیں سمجھا دیا ہے۔ پومی تلواروں کے سائے سے نہیں گزرے گی۔ اگر تم بضد ہو تو آزما کر دیکھ لو۔"

میں اس کے دماغ سے نکل آیا۔ جب پومی کے پاس پہنچا تو وہاں پومی اور شیبا کے درمیان صلاح مشورے ہو رہے تھے۔ ان کے مطابق پومی نے پاس کھڑے ایک مسلح شخص کے منہ پر الٹا ہاتھ رسید کیا تھا۔ وہ جھنجلا کر بولا۔ "یو نان سنس، کیا تمہارا دماغ چل گیا ہے؟"

پومی نے دوسرے مسلح شخص کو گھونسا دکھاتے ہوئے کہا۔ "میں جانتی ہوں تمہارے باس نے مجھے گولی مارنے کا حکم نہیں دیا ہے۔ البتہ مقابلے کی اجازت دی ہے۔ میں ان تلوار بازوں سے پہلے تم لوگوں سے نمٹ لینا چاہتی ہوں۔"

اس دوسرے مسلح شخص نے ذرا پیچھے ہٹ کر کہا۔ "ابھی ہمیں مقابلے کی اجازت نہیں ملی ہے۔ اس لیے ہم سے الجھنے کی کوشش نہ کرو۔"

اس طرح پومی نے دوسرے مسلح افراد کو بولنے پر مجبور کیا تھا۔ میں اور شیبا ان دونوں کے دماغوں میں پہنچ گئے۔ شیبا نے ایک کے دماغ پر قبضہ جمایا۔ پھر وہ شیبا کی مرضی کے مطابق اپنے ساتھیوں سے بولا۔ "تم لوگ اس لڑکی کا خیال رکھو۔ میں ابھی باتھ روم سے آتا ہوں۔"

دوسرے کے دماغ پر میں نے قبضہ جما لیا تھا۔ اس نے میری مرضی کے مطابق کہا۔ "ٹھیک ہے۔ تم جاؤ۔ میں تمہاری جگہ کسی دوسرے کو لے آتا ہوں۔"

وہ دونوں وہاں سے مختلف سمت چل پڑے۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر مسلح افراد مستعد نظر آ رہے تھے۔ میرے معمول نے ایک مسلح شخص کے پاس پہنچ کر کہا۔ "میں تمہارا نام بھول رہا ہوں۔ بھلا سا نام ہے۔"

اس نے اپنا نام بتایا۔ میں نے اپنے معمول کے ذریعے کہا۔ "نہیں، تم سے کام نہیں چلے گا۔ میں کسی دوسرے گارڈ کو اپنی ٹیم میں لوں گا۔"

یہ کہہ کر میرا معمول آگے بڑھ گیا۔ دوسرے مسلح شخص سے بھی بات کی۔ پھر اسے کہا۔ "آؤ اور میری ٹیم میں شامل ہو جاؤ۔"

اس طرح میں نے دو اور لوگوں کے لب و لہجے کو یاد کر لیا۔ اُدھر شیبا بھی اسی طرح کا عمل کر رہی تھی۔ باتھ روم جانے کے بہانے اس شخص کو ساتھ لے کر مختلف لوگوں سے سامنا کر رہی تھی اور کسی نہ کسی بہانے ان سے باتیں کر رہی تھی۔ صرف دو منٹ کے اندر میں نے اور شیبا نے سات افراد کو اپنا معمول بنا لیا۔

ان میں سے دو افراد اس ہال کے دروازے پر آئے جہاں ایک درجن افراد ننگی تلواریں لیے پہیئے والے جوتوں پر (اسکیٹرز) اِدھر سے اُدھر چل رہے تھے اور پومی کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ دروازے کے پاس والی دیوار پر دور تک ہینگر نظر آ رہے تھے۔ ان ہینگروں میں تلواریں لٹکی ہوئی تھیں۔ ان کے نیچے فرش پر اسکیٹنگ کے لیے پہیئے والے جوتے رکھے ہوئے تھے۔ ان دو افراد نے جوتے پہننے شروع کیے۔ پومی کو گھیر کر لے جانے والوں میں سے ایک نے پوچھا۔ "یہ تم کیا کر رہے ہو؟"

ان میں سے ایک نے کہا۔ "ابھی باس نے حکم دیا ہے کہ ہمیں یہ جوتے پہن کر ننگی تلواریں لے کر پومی کو زبردستی اس ہال کے اندر لے جانا ہوگا۔"

پومی نے بھی جوتے پہن لیے۔ پھر ایک تلوار ہاتھ میں لے کر بولی۔ "میں تم دونوں کے ساتھ ضرور چلوں گی۔"

جب میں لوکو کے دماغ میں گیا تھا، اس وقت میں نے اس کے ذریعے سامنے اسکرین پر دیکھا تھا۔ وہاں تلوار ہاتھ میں لیے اسکیٹنگ کرنے والے ایک درجن افراد نظر آ رہے تھے مگر گیٹ کے باہر کا وہ حصہ نظر نہیں آ رہا تھا جہاں پومی قیدی بنی کھڑی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ہم وہاں جو کچھ بھی کرتے اس کی خبر مسٹر لوکو تک نہ پہنچتی۔

اور یہی ہوا تھا۔ ہمارے دو معمولوں نے اسکیٹنگ کے جوتے پہن کر ننگی تلواریں ہاتھ میں لے لی تھیں اور پومی کے ساتھ آگے بڑھے تھے۔ اس وقت تک مسٹر لوکو بے خبر تھا۔ جیسے ہی وہ ہال میں داخل ہوئے، اس نے اسکرین پر چونک کر اپنے دو آدمیوں کو دیکھا، پھر غصے سے پوچھا۔ "یہ کیا حرکت ہے۔ تم دونوں پومی کے ساتھ کیوں ہال میں آئے ہو؟"

میں نے چند ساعتوں کے لیے اپنے معمول کے دماغ کو آزاد چھوڑا اور لوکو کے پاس پہنچ کر کہا۔ "میں نے پہلے ہی کہا تھا، پومی کو تلواروں کے سائے سے نہ گزارو۔ تم نے میری بات نہیں مانی۔ اب تمہارے دو دو آدمی اس ہال میں ننگی تلواریں لے کر

آتے رہیں گے اور پلومی کی حمایت میں لڑتے ہوئے تمھارے ان تلوار بازوں کو ٹھکانے لگاتے رہیں گے۔ تم مجھے تماشا دکھانا چاہتے تھے۔ پہلے میں تمھیں اپنا تماشا دکھا رہا ہوں۔"

وہ غصے سے اسکرین پر دیکھ رہا تھا اور چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔ "واپس چلے جاؤ۔"

وہ اپنے آدمیوں کو حکم دے رہا تھا۔ اسے اپنے حاکم ہونے پر ناز تھا۔ کوئی اس کی حکم عدولی نہیں کر سکتا تھا لیکن وہ دونوں جو ننگی تلواریں لیے اس کے اپنے ہی آدمیوں کا مقابلہ کر رہے تھے، وہ اس کا حکم نہیں مان رہے تھے۔ بھلا کیسے مانتے جبکہ ایک میری مٹھی میں تھا اور دوسرا شیبا کی مٹھی میں۔

اگر ہم ان کے دماغ پر قابض نہ ہوتے۔ صرف انھیں دہشت میں مبتلا کر کے اپنے ہی آدمیوں سے لڑنے کے لیے کہتے تو شاید وہ اتنی جی داری سے نہ لڑتے۔ میں اس کے دماغ پر قابض ہو کر جیسے خود لڑ رہا تھا۔ جس انداز میں تلوار چلانا چاہتا تھا، جس انداز میں اپنا بچاؤ کرنا چاہتا تھا اسی طرح کر رہا تھا اور وہ شخص اس پر عمل کر رہا تھا لیکن شیبا جس کے دماغ میں تھی، وہ زیادہ دیر تک تلوار بازوں کے مقابلے میں ٹھہر نہ سکا۔ کیونکہ شیبا کو تلوار بازی کے فن سے واقفیت نہیں تھی۔ ابھی تو بابا صاحب کے ادارے میں وہ طفلِ مکتب تھی۔ بہرحال وہ شخص مارا گیا۔

مسٹر لوکو کی آواز سنائی دی۔ "اچھا ہوا، کتے کی موت مر گیا۔ میرا حکم نہیں مان رہا تھا۔ دوسرا بھی اسی طرح مرے گا۔"

اس کی بکواس کے دوران شیبا دوسرے شخص کے دماغ پر قابض ہو گئی تھی اور اسے ننگی تلوار کے ساتھ اس ہال میں لے آئی تھی۔ پلومی اسکیٹرز پہنے ہوئے اِدھر سے اُدھر پھسل رہی تھی۔ دشمنوں کے درمیان سے نکل رہی تھی، کبھی جھک کر نکل رہی تھی، کبھی تلوار کا ہاتھ مارتے ہوئے گزر جاتی تھی۔ اتنی دیر میں اس نے تین تلوار بازوں کو مار گرایا تھا۔ میرے معمول نے دو کو ختم کر دیا تھا لیکن شیبا کا دوسرا معمول بھی مارا گیا تھا اور اب تیسرا آنے والا تھا۔

مسٹر لوکو سمجھ گیا، ایک تو پلومی اپنے کمالات سے اور بے باکی سے لڑنے کے انداز سے اس کے آدمیوں پر دہشت طاری کر دیتی تھی۔ دوسرے ٹیلی پیتھی کا چکر چل پڑا تھا۔ اب اس کے ہی آدمی مرنے والے تھے اور مارنے والے بھی اپنے ہی آدمی تھے جو ہمارے معمول بن کر کام کر رہے تھے۔ اس نے چیخ کر کہا۔ "بند کرو، یہ تلوار بازی بند کرو۔ میں حکم دیتا ہوں کہ کوئی پلومی کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔"

اس کا حکم سنتے ہی تلوار باز اپنے ہاتھ روک کر پیچھے جانے لگے۔ جو ناحق مارے گئے تھے، ان کی لاشوں کو ہٹایا جانے لگا۔ جو تلوار باز زندہ رہ گئے تھے، وہ اپنے حاکم کے حکم کے مطابق پیچھے ہٹتے ہوئے ایک دروازے سے گزرتے ہوئے نظروں سے اوجھل ہو گئے تھے۔ جن کے دماغ ہمارے قابو میں تھے، ہم نے انھیں آزاد چھوڑ دیا تھا۔ وہ بھی چپ چاپ سر جھکا کر ہال سے باہر چلے گئے تھے۔ اتنے بڑے ہال میں پلومی تنہا رہ گئی تھی۔

اس نے تلوار ایک طرف پھینک دی۔ پہیئے والے جوتے اتار کر اپنے جوتے پہننے لگی۔ مسٹر لوکو نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا۔ "پلومی کو میرے خاص محل میں لے آؤ۔"

میں نے پلومی سے کہا۔ "وہ کمبخت تمھیں ملکۂ عالیہ بنانے کے لیے بلا رہا ہے۔"

شیبا بھی اس کے دماغ میں موجود تھی۔ میری بات پر ہنسنے لگی۔ میں نے کہا۔ "اب میں چائنا ٹاؤن کے قریب پہنچ رہا ہوں۔ میرا دماغی طور پر حاضر رہنا ضروری ہے۔ لہٰذا تم پلومی کے ساتھ رہو۔ ضرورت پڑے تو مجھے بلا لینا۔"

میں اپنی جگہ ٹرین میں حاضر ہو گیا۔ ٹرین تیز رفتاری سے گزرتی جا رہی تھی۔ جب سے میں اس ٹرین میں سوار ہوا تھا تب سے مجھے اتنا موقع نہیں ملا تھا کہ اپنے کمپارٹمنٹ کے مسافروں کو نظر بھر کر دیکھ سکوں۔ کمپارٹمنٹ میں ملے جلے مسافر تھے۔ سفید امریکی زیادہ تھے۔ کچھ کالے بھی نظر آ رہے تھے۔ میرے سامنے والی دو سیٹوں پر ایک چینی جوڑا بیٹھا ہوا تھا۔ وہ ادھیڑ عمر کے میاں بیوی تھے۔ ان کے بچے میرے سامنے والی سیٹوں پر تھے۔ ان میں ایک چینی لڑکی اور لڑکا تقریباً جوان تھے۔ باقی ایک لڑکی اور دو لڑکے ابھی بچے تھے۔ وہ کبھی اپنے بہن بھائی کے پاس رہتے تھے، کبھی ماں باپ کی طرف دوڑ کر جاتے تھے۔

جب میں نے آنکھیں کھول کر اور سر اٹھا کر دیکھا تو دونوں بھائی بہن ہنسنے لگے۔ پہلے تو ان کے ہنسنے کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی، بعد میں باتیں کرنے کے بعد پتا چلا کہ وہ مجھے بڑی دیر سے دیکھ رہے تھے۔ میں مسلسل آنکھیں بند کیے سر جھکائے ایسے بیٹھا تھا جیسے مراقبے میں پہنچ گیا ہوں۔ چینی دوشیزہ نے ہنستے ہوئے پوچھا۔ "مسٹر، تم زندہ ہو؟"

اس کے ماں باپ جو ذرا فاصلے پر بیٹھے ہوئے تھے، انھوں نے گھور کر اپنی بیٹی کو دیکھا۔ پھر کہا۔ "یہ بُری بات ہے۔ کسی اجنبی سے ایسا مذاق نہیں کرنا چاہیے۔"

ان کے بڑے بیٹے نے کہا۔ "مگر یہ صاحب تو آدھے گھنٹے سے بالکل ساکت تھے۔ ذرا بھی جنبش نہیں کر رہے تھے۔ میں نے لیوچن سے شرط لگائی تھی کہ یہ زندہ ہیں۔"

لیوچن اس دوشیزہ کا نام تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "اور میں نے شرط لگائی تھی کہ یہ مردہ ہو چکے ہیں۔ اب اپنی جگہ سے حرکت نہیں کریں گے۔ انھیں اٹھا کر لے جانا ہوگا۔"

وہ دونوں بھائی بہن انگریزی بول رہے تھے جبکہ ان کے ماں باپ چینی زبان میں باتیں کر رہے تھے۔ میں ان کی باتیں اس لڑکی کے دماغ میں رہ کر سمجھ رہا تھا۔ وہاں سیکڑوں کی تعداد میں ایسے چینی باشندے ہیں جو برسوں یہاں زندگی گزارنے کے باوجود نہ انگریزی بولتے ہیں نہ سمجھتے ہیں۔ البتہ ان کی اولاد یہاں کے رنگ میں رنگ رہی ہے۔

چائنا ٹاؤن میں لاکھوں چینی باشندے آباد ہیں۔ ان کی بستیاں پرانے طرز کی ہیں۔ تنگ گلیاں ہوتی ہیں اور ان کے مکانات اور گلیاں ایک دوسرے سے اس طرح ملی ہوتی ہیں جیسے آپس میں گڈمڈ ہو گئی ہوں۔ چائنیز ریستوران بہت ہی پرانے طرز کے ہوتے ہیں۔ نیویارک جیسے جدید ترین شہر میں چائنا ٹاؤن ایک پسماندہ بستی ہے۔ میں ایسی ہی بستی میں پہنچ کر کسی حد تک دشمنوں سے محفوظ رہ سکتا تھا۔ اس بستی میں ایسے امریکی قلاش باشندے آ کر کرائے کے مکان میں رہتے تھے جن کی کوئی خاص آمدنی نہیں ہوتی تھی۔ ایسے امریکی یا یورپی باشندے یا تو مصوّر ہوتے تھے یا تھیٹر کے کسی تیسرے درجے کے آرٹسٹ ہوتے تھے یا پھر آرکسٹرا گروپ میں کوئی ساز بجاتے تھے۔ ایسے لوگوں کو کسی چینی فیملی میں ایک آدھ کمرہ کرائے پر مل جاتا ہے۔ میں ایسے ہی کسی قلاش شخص کے روپ میں وہاں ایک آدھ دن کسی کے ہاں کرائے دار بن کر رہنا چاہتا تھا۔

میں نے لیوچن کی سوچ کو پڑھنا شروع کیا۔ پتا چلا ان کے ہاں ایک کمرے میں تقریباً دس ماہ سے ایک امریکی کرائے دار رہتا ہے۔ میں نے ریڈ پاور کے باس سے رابطہ قائم کیا۔ اسے لیوچن کے مکان اور اس کی دکان کا ایڈریس بتایا۔ پھر کہا۔ "یہاں ایک امریکی باشندہ جس کا نام مائیکل گارسن ہے، میں اس کا روپ اختیار کر سکتا ہوں۔ اس وقت میرے سامنے ایک چینی لڑکی بیٹھی ہوئی ہے اور میں اس کی سوچ کے ذریعے معلوم کر چکا ہوں کہ مائیکل گارسن قد اور جسامت میں میری طرح ہے۔ میں چائنا ٹاؤن پہنچ کر تمھارے آدمیوں کے ساتھ جس خفیہ مقام تک آؤں گا، وہاں مائیکل گارسن کو بھی آنا چاہیے۔ اسے جبراً اغوا کیا جائے یا اس سے سودے بازی کی جائے۔ اس لڑکی کی سوچ نے بتایا ہے کہ وہ بہت ہی قلاش ہے۔ کبھی فاقے بھی کرتا ہے۔ اگر اسے معقول رقم دی جائے تو وہ کچھ عرصے کے لیے تمھارا قیدی بن کر رہ سکے گا۔"

باس نے کہا۔ "آپ فکر نہ کریں۔ وہ راضی نہیں ہوگا تو ہم اس کا کام تمام کر دیں گے۔"

"میں کسی بے گناہ کی جان لینا نہیں چاہتا۔ مجھے یقین ہے کہ کچھ رقم دینے سے بات بن جائے گی۔"

باس نے وعدہ کیا کہ وہ مائیکل گارسن کو جانی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ میں اس کے پاس سے پھر ٹرین میں دماغی طور پر حاضر ہو گیا۔ پھر سر اٹھا کر لیوچن کو دیکھا تو وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسنے لگی۔ اس کی ہنسی میں جلترنگ سنائی دیتی تھی۔۔۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی چینی گڑیا کو چابی دے کر ہنسنے کے لیے چھوڑ دیا گیا ہو۔

میں نے پوچھا۔ "کیوں ہنس رہی ہو؟"

اُس نے کہا۔ "ابھی تم پھر مُردہ بن گئے تھے۔ یہ تم بیٹھے بیٹھے ایک دم ساکت کیوں ہو جاتے ہو؟"

میں نے دل ہی دل میں سوچا، یہ تو بُری عادت ہے۔ مجھے اپنی اس عادت کو بدلنا ہوگا۔ اگر دشمن میرے تعاقب میں ہوں گے تو میرے اس طرح بار بار سر جھکانے اور آنکھیں بند کرنے پر شبہ کر سکتے ہیں۔ میں نے لیوچن سے کہا۔ "میں ایک قلمکار ہوں۔ کہانیاں لکھتا ہوں۔ کہانی کے موضوع پر سوچتے سوچتے اچانک گم ہو جاتا ہوں پھر مجھے اپنا ہوش نہیں رہتا۔"

وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "وہ ہمارا کرائے دار مائیکل بھی ایسا ہی ہے۔ اسٹوری رائٹر ہے۔ بیٹھے ہی بیٹھے ایسے چپ ہو جاتا ہے جیسے مر گیا ہو۔ میں پوچھتی ہوں، تم لوگوں کو کہانیاں لکھنے میں ملتا کیا ہے۔ بھوکے مرتے ہو۔ وہ جو مائیکل ہے نا، وہ ہمارا کرایہ بھی ٹھیک طرح ادا نہیں کر سکتا۔ میرے فادر کئی بار اُسے مکان سے نکالنا چاہتے تھے مگر میں نے سمجھا بجھا کر اُسے رہنے دیا ہے۔ بے چارہ غریب ہے، کہاں جائے گا۔"

میں نے مسکرا کر کہا۔ "تمھارے وجود میں ایک محبت کرنے والا نرم دل ہے۔ تم بہت اچھی لڑکی ہو۔"

"مائیکل بھی میری تعریفیں کرتا ہے۔ کہتا ہے میں آدھی چینی لگتی ہوں، آدھی امریکی۔ دیکھو میرے پاؤں چینی لڑکیوں کی طرح چھوٹے نہیں ہیں۔ میرے سر کے بال سنہرے ہیں، میری آنکھیں عام چینی لڑکیوں کی طرح چھوٹی چھوٹی نہیں ہیں۔ پتا نہیں کیوں مائیکل میری آنکھوں میں جھانکتا ہے تو جھانکتا ہی رہ جاتا ہے۔ کہتا ہے، لیوچن، تم صرف عادات و اطوار سے چینی ہو ورنہ بالکل امریکی لڑکی

لگتی ہو؟"

یہ کہہ کر وہ ہنسنے لگی حالاں کہ ہنسنے کی کوئی بات نہیں تھی پھر اُس نے کہا: "جانتے ہو کیوں ہنس رہی ہوں میں؟"

میں معلوم کر سکتا تھا مگر میں نے انکار میں سر ہلایا۔ اس نے کہا: "وہ جو اتنی تعریفیں کرتا ہے اور میری آنکھوں میں جھانکتا ہے تو میں کوئی نادان نہیں ہوں۔ میں سب سمجھتی ہوں۔ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے مگر میں کیا کروں مجھے اس سے ہمدردی ہے۔ محبت کیسے کر سکتی ہوں۔ وہ خود تو اس قابل نہیں ہے کہ تین وقت پیٹ بھر کر کھا سکے مجھے کیا کھلائے گا، مجھے کیا پہنائے گا؟"

وہ بڑی باتونی تھی مگر اس کی باتیں اچھی لگ رہی تھیں۔ میں کچھ اس کی سُن رہا تھا اور کچھ اس کے دماغ سے مائیکل کے متعلق ضروری معلومات حاصل کرتا جا رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ہم کینال اسٹریٹ کے اسٹیشن پر پہنچ گئے۔ میں ٹرین سے اُتر کر چھوٹے سے پلیٹ فارم پر سے گزرتا ہوا زینے پر چڑھنے لگا۔ اُسی وقت ایک شخص نے میرے ساتھ چلتے ہوئے کوڈ ورڈز میں اپنی شناسائی ظاہر کی۔ میں نے اُس پر اعتماد کر لیا کیوں کہ یہ کوڈ ورڈز میرے اور باس کے علاوہ صرف وہی شخص جان سکتا تھا جسے باس نے بتایا ہو۔ اسٹیشن سے نکلتے ہی مجھے ایک بند کیب میں بیٹھنے کے لیے کہا گیا۔ میں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اس کے بعد وہ گاڑی چل پڑی۔ اتنی دیر میں میں اس اجنبی کے متعلق تصدیق کر چکا تھا۔ وہ اپنا ہی تھا۔ کسی شبہے کی گنجائش نہ تھی۔

پندرہ منٹ کے بعد ہم ایک ایسے مکان میں پہنچے جس کی چھت پگوڈا نما تھی۔ میں اس مکان کے ایک بڑے سے کمرے میں پہنچا۔ وہاں دو قدِ آدم آئینے تھے اور میک اپ کا بہت سا سامان رکھا ہوا تھا۔ میک اپ کرنے والے بھی موجود تھے اور میری طرح ایک قد آور شخص کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ مائیکل گارسن تھا۔

باس کے آدمیوں نے میرے پہنچنے سے پہلے ہی مائیکل کو وہاں پہنچا دیا تھا۔ میں نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "ہیلو مائیکل، مجھے تم سے مل کر خوشی ہو رہی ہے۔"

اُس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر مصافحہ کیا۔ پھر ہم دونوں ایک دوسرے کے سامنے کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ میں نے پوچھا: "تم سے جو سودا ہوا ہے، وہ تمھیں منظور ہے؟"

اُس نے عاجزی سے کہا: "میں ایک سیدھا سادا سا آدمی ہوں۔ ضرورت سے مجبور ہو کر آپ لوگوں کی بات مان رہا ہوں۔ میں نہیں جانتا، یہ کیا چکر ہے۔ اگر آپ لوگ کوئی بہت بڑا جرم کرنے جا رہے ہیں تو مجھے پہلے سے بتا دیں۔ میں مر جانا پسند کروں گا لیکن ایسا سمجھوتا نہیں کروں گا۔"

میں نے کہا: "مائیکل، ہم بھی شریف آدمی ہیں۔ تمھیں یقین دلاتے ہیں، ہم سے کوئی ایسی مجرمانہ حرکت سرزد نہیں ہوگی جس سے تمھیں شرمندہ ہونا پڑے۔"

دو افراد میرے آس پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔ ان میں سے ایک نے کہا: "میں میک اپ مین ہوں۔ اگر آپ کہیں تو عارضی میک اپ کر دیا جائے۔"

میں نے پوچھا: "کیا ماسک میک اپ نہیں ہو سکتا؟"

"جناب، ہم اتنی جلدی مائیکل گارسن کا ماسک تیار نہیں کر سکتے تھے، اس لیے مجبوری ہے۔"

پھر دوسرے شخص نے کہا: "جناب، آپ پسند فرمائیں تو میں ہلکی قسم کی پلاسٹک سرجری کے ذریعے آپ کو مائیکل بنا سکتا ہوں۔ باس نے کہا تھا کہ آپ کو فی الحال پلاسٹک سرجری منظور نہیں ہے۔"

میں نے کہا: "مجبوری کی حالت میں منظور کرنا ہی ہوگا۔ اگر تم تھوڑی سی ردّ و بدل سے مائیکل بنا سکتے ہو تو بنا ڈالو۔"

اُس نے اپنا کام شروع کر دیا۔ میں مائیکل کو دیکھ رہا تھا۔ اُس کے پیچھے بڑا سا آئینہ تھا۔ اس میں خود کو بھی دیکھتا جا رہا تھا۔ خاموش رہنے کے دوران مائیکل کی سوچ پڑھتا جا رہا تھا تاکہ اس کی ایک ایک عادت، ایک ایک فطرت کو سمجھ سکوں۔ میں نے اس لیے اس کا انتخاب کیا تھا کہ وہ تقریباً دس ماہ سے لیوجن کے ہاں کرائے دار کی حیثیت سے رہتا تھا۔ یہ بات یقینی تھی کہ میرے تمام دشمن مجھے تلاش کرتے ہوئے چائنا ٹاؤن میں بھی آئیں گے۔ وہ ایسے نووارد کو تلاش کریں گے جو حال ہی میں آ کر کہیں رہائش اختیار کر رہا ہو۔ جب وہ مجھے تلاش کرتے ہوئے لیوجن کے ہاں آئیں گے تو وہاں سبھی اس بات کی گواہی دیں گے کہ میں مائیکل گارسن ہوں اور پچھلے دس ماہ سے وہاں رہتا آیا ہوں۔

مائیکل کے متعلق زیادہ معلومات حاصل کرنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ وہ ایک عام سی، گمنام سی زندگی گزار رہا تھا۔ اُس کا کوئی خاص فیملی بیک گراؤنڈ نہیں تھا۔ وہ کہانیاں لکھنے کے سلسلے میں بھی مقبول نہیں تھا۔ جو کچھ لکھتا تھا اُس سے گزارہ ہو جاتا تھا۔ میں نے صرف پندرہ منٹ میں اس کے متعلق بھرپور معلومات حاصل کر لیں۔ ابھی پلاسٹک سرجری میں کافی وقت لگنے والا تھا۔ اس لیے میں پومی کے پاس پہنچ گیا۔

مجھے فوراً ہی واپس آنا پڑا۔ وہ غسل کرنے جا رہی تھی۔ اس بے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ میں اس کے دماغ میں پہنچا ہوا ہوں۔ میں چاہتا تو اس کی لاعلمی میں اس کے ساتھ لگا رہتا لیکن یہ نہایت ہی غیر اخلاقی بات ہوتی۔ عورتیں شاید اسی لیے میری عزت

کرتی ہیں کہ میں اجازت کے بغیر اُن کی تنہائی میں کبھی نہیں جاتا۔

ویسے یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ جب میں پچھلی بار پومی سے رخصت ہوا تھا تو اس وقت مسٹر نوکو اسے اپنے محل میں بلا رہا تھا۔ اب وہ کہیں غسل کرنے جا رہی تھی۔ پھر وہ کہاں تھی؟ کیا اس قدر مطمئن تھی کہ نہایت آرام سے غسل وغیرہ کر کے لباس تبدیل کرنا چاہتی تھی؟

یہ معلوم کرنے کے لیے میں واٹسورو کے پاس پہنچا۔ اُس کی سوچ نے بتایا کہ وہ اور سلیمان جوگو بھی پومی کے ساتھ مسٹر نوکو کے خاص محل میں پہنچ گئے ہیں اور فی الحال آرام سے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد پومی اور مسٹر نوکو کی ملاقات ہونے والی ہے۔

میں نے شیخ الفارس کے پاس پہنچ کر دیکھا۔ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ شیبا کی حفاظت کے لیے کیا انتظامات کیے جا رہے ہیں۔ بابا صاحب کا ادارہ میلوں دور تک پھیلا ہوا ہے۔ جناب شیخ صاحب اس ادارے کے ایک ایسے حصّے میں تھے جہاں اس ادارے کے افراد کو بھی جانے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ کوئی متعلقہ شخص وہاں جانا چاہے تو اُسے خصوصی اجازت حاصل کرنا ہوتی ہے۔ بابا فرید واسطی مرحوم کے بعد جناب شیخ الفارس اس ادارے کی بزرگ اور محترم شخصیت ہیں۔ اس کے باوجود انھیں بھی وہاں داخل ہوتے وقت اپنی شناخت کرانا پڑتی ہے۔ مخصوص کوڈ ورڈ ادا کرنے پڑتے ہیں۔ اس کے بعد انھیں جانے کی اجازت دی جاتی ہے۔

وہ ایک ایسی عمارت میں تھے جہاں بہت ہی رازدارانہ طور پر دو ڈمی شیبا تیار کی گئی تھیں۔ اُن کی ٹریننگ مکمل ہو چکی تھی۔ پچھلی بار میں نے شیبا کو پومی کے دماغ میں چھوڑا تھا مگر وہ بھی اُس کے دماغ سے چلی آئی تھی اور اب شیخ صاحب کے ساتھ اسی عمارت کے ایک کمرے میں آرام دہ کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔

میں نے شیخ صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "شیبا سے کہیے کہ میں اس کے دماغ میں آنا چاہتا ہوں۔"

انھوں نے کہا: "تھوڑی دیر صبر کرو۔ ابھی شیبا کے دماغ میں نہ جاؤ۔"

"میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ وہ پومی کے پاس سے کیوں چلی آئی؟"

"میں نے اسے بلایا ہے۔ پومی تقریباً ایک آدھ گھنٹے بعد مسٹر نوکو سے ملاقات کرے گی۔ ابھی وہ محفوظ ہے۔ دشمنوں سے کوئی نقصان اُسے نہیں پہنچے گا۔ اس لیے شیبا میرے پاس ہے۔"

"آپ مجھے شیبا کے پاس جانے سے کیوں روک رہے ہیں؟"

"ابھی دو ڈمی شیبا تیار کی گئی ہیں۔ وہ آخری مرحلے سے گزر چکی ہیں۔ ان پر تنویمی عمل کیا گیا تھا اور انھیں تقریباً چار گھنٹے تک آرام سے سونے کے لیے کہا گیا تھا۔ وہ چار گھنٹے پورے ہو رہے ہیں۔ بس ایک آدھ منٹ کی دیر ہے۔"

"کیا آپ ان دو ڈمی شیبا کو میرے ذریعے آزمانا چاہتے ہیں؟"

"ہاں یہی ارادہ ہے۔ میں چاہتا ہوں، پہلے تم ان دونوں کی آواز سنو۔ ان کے لب و لہجے کو اچھی طرح پرکھ لو پھر خیال خوانی کی پرواز کرو اور دیکھو کہ تین عدد شیبا میں سے کس کے دماغ میں پہنچتے ہو؟"

میں نے کہا: "جب دو عدد ڈمی سونیا ہمارے سامنے آئی تھیں، اُن دنوں میں زخمی تھا اور خیال خوانی نہیں کر سکتا تھا۔ شیبا خیال خوانی کے ذریعے باری باری ان دو عدد ڈمی سونیا کے دماغوں میں گئی تھی۔"

انھوں نے کہا: "سوال یہ ہے کہ شیبا بیک وقت دونوں ڈمی سونیا کے دماغوں میں کیوں نہیں پہنچی، جب کہ دونوں کے لب و لہجے ایک سے تھے؟"

وہ ایک وقت میں ایک سونیا کی آواز سنتی تھی۔ لب و لہجے کو گرفت میں لیتی تھی پھر اُس کے دماغ میں جاتی تھی۔ جب دوسری سونیا کی آواز اور لب و لہجہ سنتی تھی تو پھر اُس کے دماغ میں پہنچتی تھی۔ یہ واقعی سوچنے کی بات ہے کہ وہ بیک وقت دونوں کے دماغوں میں کیوں نہیں پہنچتی تھی، جبکہ ان کے لب و لہجے ایک جیسے تھے۔

ہماری باتوں کے دوران ایک ادھیڑ عمر کا شخص جناب شیخ صاحب کے پاس آیا اور کہا: "وہ دونوں بیدار ہو چکی ہیں۔ میں انھیں آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ پھر چلا گیا۔ اُس کی سوچ نے بتایا کہ وہ شخص تنویمی عمل کا ماہر ہے۔ بابا صاحب کے ادارے میں تقریباً بیس برس سے ہے اور یہ تنویمی عمل اس نے اسی ادارے میں رہ کر ہی سیکھا ہے۔

وہ دو ڈمی شیبا کے ساتھ اس کمرے میں آیا۔ شیخ صاحب اور اصلی شیبا ان دونوں کو غور سے دیکھنے لگے۔ وہ دونوں سر سے پاؤں تک ہو بہو شیبا نظر آ رہی تھیں۔ شیبا نے اٹھ کر ان دونوں کے پاس جا کر بڑی توجہ سے دیکھا۔ ان کی آنکھیں، اُن کا ناک نقشہ ہو بہو اسی کے جیسا تھا۔ جسمانی ساخت بھی بالکل ویسی ہی تھی۔ قد میں بھی برابر تھیں۔ بالوں کا اسٹائل بھی وہی تھا۔ جب وہ دونوں شیبا کی حیرانی پر مسکرائیں تو ان کی مسکراہٹ بھی بالکل اصل شیبا کے جیسی تھی۔

جناب شیخ الفارس نے کہا: "شیبا، تم اِن دونوں کے ساتھ کھڑی ہو جاؤ۔"

اس نے شیخ صاحب کی ہدایت پر عمل کیا اور ان کے ساتھ کھڑی ہوگئی۔ پھر شیخ صاحب نے کہا: "فرہاد، اب تم شیبا کے دماغ میں پہنچ کر دیکھو۔"

میں نے خیال خوانی کی پرواز کی اور شیبا کے دماغ میں پہنچ کر کہا: "شیبا، میں شیخ صاحب کی اجازت سے تمھارے پاس آیا ہوں۔"

اصل شیبا نے کہا: "مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ تم میرے دماغ میں ہو۔ کیا تم خود کو ان دو ڈمی شیبا کے دماغ میں محسوس کر رہے ہو؟"

میں نے انکار کیا۔ پھر شیخ صاحب کے پاس آکر اپنا تجربہ بیان کیا۔ انھوں نے ایک ڈمی شیبا سے کہا: "اب تم اپنی آواز اور لب و لہجہ سناؤ۔"

اُس نے مجھے مخاطب کیا: "ہیلو فرہاد، میں شیبا بول رہی ہوں۔ کیا تم میری آواز سن کر میرے پاس آسکتے ہو؟"

اُس کی آواز اور لب و لہجہ بالکل اصل شیبا کی طرح تھا۔ میں نے اُسے سنتے ہی خیال خوانی کی پرواز کی اور دوسری ڈمی شیبا کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ سوچ رہی تھی۔ کیا میری آواز سن کر فرہاد میرے دماغ تک آسکتا ہے۔

میں نے کہا: "میں تمھارے دماغ میں ہوں۔"

اس نے پوچھا: "کیا تم تینوں شیبا کے دماغ میں ہو؟"

"نہیں، میں صرف تمھارے دماغ میں ہوں۔"

میں نے شیخ صاحب کے پاس آکر کہا: "ابھی میں نے جس ڈمی کی آواز سنی تھی، اس کے دماغ میں پہنچ گیا تھا۔ لیکن اصل شیبا کے دماغ میں نہیں پہنچ سکا تھا۔"

انھوں نے کہا: "ان ڈمی کے پاس جانے کے بعد ان سے ہرگز یہ نہ کہنا کہ وہ ڈمی ہیں۔ وہ خود کو اصلی سمجھ رہی ہیں۔"

پھر انھوں نے دوسری ڈمی شیبا سے کہا: "تم اپنی آواز اور لب و لہجہ سناؤ۔"

اُس دوسری نے بھی مجھے مخاطب کیا۔ میں اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ یہ تجربہ بھی شیخ صاحب سے بیان کیا کہ میں تیسری کے دماغ میں تھا اور باقی دو کے دماغ سے خارج رہا۔ انھوں نے کہا: "اس تجربے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ان تینوں میں وہ ناقابلِ فہم بنیادی فرق ہے جو بظاہر انسان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ البتہ جو ساؤنڈ انجینیئر ہوتے ہیں، شاید وہ سمجھ پاتے ہوں گے۔ شیبا اور تم خیال خوانی کرتے ہو۔ تم دونوں بھی اس فرق کو سمجھ نہیں سکتے۔ البتہ تمھارا دماغ غیر شعوری طور پر سب کچھ سمجھتا ہے اور اس فہم و ادراک کی بنیاد پر پرواز کرتا ہوا اس کے دماغ میں پہنچتا ہے

جس کی وہ تازہ ترین آواز اور تازہ ترین لب و لہجہ سنتا ہے۔"

میں نے کہا: "ہاں، میں نے باری باری ایک ایک شیبا کی آواز سُنی اور جس کی آواز سُنی اسی کے دماغ میں پہنچا۔ حالانکہ تینوں آوازیں ایک جیسی تھیں مگر پہنچنے میں فرق اور فاصلہ پیدا ہو گیا۔"

شیخ صاحب نے کہا: "اب تم نے تینوں کی آوازیں سنی ہیں اور یہ تینوں آوازیں سنے ہوئے چند منٹ گزر گئے۔ اب کسی کی بھی آواز سُنے بغیر تم خیال خوانی کی پرواز کرو اور دیکھو کہ کس کے پاس پہنچتے ہو۔"

میں نے خیال خوانی کی اور اصل شیبا کے دماغ میں پہنچ گیا۔ کیوں کہ میں ایک عرصے سے اس کی آواز اور اس کے لب و لہجے کا عادی ہو چکا تھا۔ اس میں اور دونوں ڈمی میں کیا فرق ہے، یہ میں نہیں جانتا تھا مگر میرا دماغ سمجھتا تھا۔ اس لیے مجھے شعوری طور پر سمجھائے بغیر اسی کے پاس پہنچا دیتا تھا۔ میں نے شیخ صاحب سے کہا: "میں پرواز کرتا ہوں تو اصل شیبا کے پاس پہنچتا ہوں۔"

انھوں نے کہا: "میرا خیال درست نکلا۔ تم جب بھی خیال خوانی کی پرواز کرو گے تو اصل شیبا کے پاس ہی پہنچو گے۔ دوسری دو ڈمی شیبا کے پاس پہنچنے کے لیے اُن کی آوازوں کا ٹیپ تمھیں سنانا ہوگا۔ کیوں کہ ان آوازوں میں جو فرق ہے انھیں تم ہمیشہ یاد نہیں رکھ سکو گے۔ ٹیپ کے ذریعے جب بھی سنو گے، ان دونوں کے پاس پہنچ جایا کرو گے۔"

انسان کے جسم میں سر سے پاؤں تک جو بھی قدرتی نظام ہے اس میں دماغی نظام بہت ہی پیچیدہ ہے۔ اسے ڈاکٹر اور سائنس داں سمجھتے جاتے ہیں۔ اُلجھنوں کو سُلجھاتے جاتے ہیں مگر ہر نیا تجربہ ثابت کرتا ہے کہ پھر کوئی نئی الجھن پیدا ہوتی ہے اور انسان ازل سے اِن اُلجھنوں کو سلجھاتا آیا ہے۔ دماغ بہت گہرا ہے۔ سمندر سے بھی زیادہ گہرا۔ ہمارے خیالات اور ہماری پہنچ سے بھی زیادہ گہرا۔ ہم سب اسے سمجھتے سمجھتے دنیا سے اُٹھتے جاتے ہیں۔

شیخ صاحب نے ان تینوں شیبا سے سوال کیا: "تم میں اصلی کون ہے؟"

اصلی نے کہا: "میں ہوں۔"

ایک ڈمی نے کہا: "نہیں، میں اصلی ہوں۔"

دوسری نے اس کی تردید کی: "نہیں، اصل میں ہوں۔"

شیخ صاحب نے کہا: "تم تینوں یہاں سے جاسکتی ہو، میں تنہائی میں بتاؤں گا کہ تم تینوں میں سے اصلی کون ہے۔"

وہ تینوں تین دروازوں سے رخصت ہوگئیں۔ جب دروازے بند ہو گئے تو اصلی شیبا دروازہ کھول کر ہمارے پاس

آگئی۔ شیخ صاحب کا منصوبہ یہ تھا کہ ان دونوں ڈمی کو ہرگز یہ علم نہ ہو کہ وہ اصلی نہیں ہیں۔ تنویمی عمل کے ذریعے ان دونوں ڈمی شیبا کے دماغ میں یہ بات نقش کر دی گئی تھی کہ وہ اصلی ہیں۔

میں نے کہا: "جناب شیخ صاحب، آپ یہ چاہتے ہیں کہ ان میں سے کوئی ڈمی شیبا دشمنوں کے ہاتھ لگ جائے تو وہ اسے اصلی سمجھتے رہیں۔ ربی اسفندیار جیسے تنویمی عمل جاننے والے بھی ان پر عمل کریں تو اصلیت نہ معلوم کر سکیں کیوں کہ آپ نے پہلے ہی تنویمی عمل کے ذریعے اُن کے دماغ میں یہ بات نقش کرا دی ہے کہ یہ پیدائشی طور پر اصلی ہیں۔"

انھوں نے سر ہلا کر کہا: "ہاں، میں نے یہی سوچ کر یہ سب کچھ کیا ہے۔"

"لیکن آپ نے تینوں شیبا کو ایک جگہ کیوں جمع کیا؟ انھیں ایک دوسرے کا سامنا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ فرض کیجیے، ربی اسفندیار کبھی کسی ڈمی شیبا پر تنویمی عمل کرے تو وہ اصلیت نہیں معلوم کر سکیں گے لیکن یہ بات ضرور معلوم کر والیں گے کہ اس شیبا کے سامنے کوئی دوسری شیبا بھی آئی تھی بلکہ دو ڈمی شیبا آئی تھیں۔ یہ بات شبہے میں مبتلا کر سکتی ہے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ میں تمھارے ذریعے آزمانا چاہتا تھا کہ جب دو تین آوازیں ایک جیسی ہوں، لب و لہجہ بھی ایک جیسا ہو تو خیال خوانی کی پرواز کرتے ہوئے تم کہاں پہنچو گے۔ بہرحال میرا یہ تجربہ کامیاب رہا۔ میں نے، تم نے اور شیبا نے اچھی طرح سمجھ لیا ہے کہ آواز اور لب و لہجہ ایک جیسا ہونے کے باوجود ناقابلِ فہم ہوتا ہے اور ہم شعوری طور پر ان کے فرق کو سمجھ نہیں پاتے۔"

"ان دو ڈمی شیبا کے دماغ سے یہ بات مٹانا ہوگی کہ انھوں نے اپنی دو ہم شکل کو دیکھا ہے۔"

"ہاں، یہ دونوں ڈمی ایک بار اور تنویمی عمل کے مرحلے سے گزریں گی۔ اس کے بعد یہ بھول جائیں گی کہ انھوں نے کسی ڈمی شیبا کو دیکھا تھا۔"

انھوں نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا: "فرہاد تم نیویارک میں پھنسے ہوئے ہو اور شیبا، تمھیں بار بار یوپی کے پاس جانا پڑتا ہے۔ اس کے باوجود میں تم دونوں سے کہوں گا کہ ربی اسفندیار، ہرزل مامون اور مرجینٹ مامون کے دماغوں میں جاتے رہو۔ اُن کے ذریعے دوسرے متعلقہ افراد کے دماغ کو بھی ٹٹولنے کی کوشش کرتے رہو۔ دیکھو، وہ کیا پلاننگ کرتے رہتے ہیں اور اپنی پلاننگ میں کیسی تبدیلیاں کرتے جا رہے ہیں۔"

وہ کہتے ہوئے اُس کمرے کے دروازے تک گئے، پھر وہاں سے پلٹ کر شیبا کو دیکھا۔ پھر کہا: "تم بہت جلد اس لوار سے سے باہر جا رہی ہو۔"

انھوں نے کہتے کہتے مُسکرا کر شیبا کو دیکھا۔ پھر آہستگی سے کہا: "فرہاد کے پاس۔"

یہ کہتے ہی وہ دروازے سے باہر چلے گئے۔ میں نے اُن کے ذریعے صرف اتنا ہی دیکھا کہ میرا نام سنتے ہی اس نے اپنا ہاتھ دل کی دھڑکنوں پر رکھ لیا تھا۔ میں نے اُس کے دماغ پر دستک دی، پوچھا: "کیا میں آؤں؟"

اس نے جلدی سے انکار میں سر ہلایا۔ جلدی سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ پھر یہ کہتے ہوئے اس کمرے سے نکلتی چلی گئی۔ "نہیں پلیز، ابھی نہیں۔"

میں دماغی طور پر اپنی جگہ واپس آگیا۔ پلاسٹک سرجری سے میک اَپ کرنے والا میرے چہرے پر مصروفِ عمل تھا۔ یہ عمل اب ختم ہونے کو تھا۔ میرے سامنے کرسی پر مائیکل گارسن بیٹھا ہوا تھا اور میں اس کے پیچھے والے آئینے میں خود کو دیکھ رہا تھا۔ تقریباً میں خود مائیکل بن چکا تھا۔ کبھی آئینے میں خود کو دیکھتا تھا، کبھی مائیکل گارسن کو دیکھ کر فرق محسوس کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ یقیناً ہم دونوں کے درمیان فرق ہوگا لیکن وہ سمجھ میں نہیں آتا تھا۔

میں نے سرجری کرنے والے سے پوچھا: "اور کتنی دیر لگے گی؟"

"صرف پندرہ منٹ۔"

میں پندرہ منٹ کے لیے شیبا کے ماموں ہرزل مامون کے دماغ میں پہنچ گیا۔ تھوڑی دیر تک اس کے چور خیالات پڑھتا رہا۔ کوئی خاص بات معلوم نہیں ہو سکی۔ صرف اتنا پتا چلا کہ شیبا کو اس ادارے سے نکال لانے کے لیے بہت زبردست پلاننگ کی جا رہی ہے۔ وہ پلاننگ کرنے والے اسرائیل کی ایک نہایت ہی خفیہ تنظیم سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا تعلق اسرائیلی فوج سے نہیں تھا، ورنہ ہرزل مامون ہائی کمان کا ایک افسر ہونے کے ناتے ان کے متعلق ضرور کچھ واقفیت رکھتا۔ اسے صرف اتنا معلوم تھا کہ بہت جلد شیبا اسرائیل پہنچائی جانے والی ہے۔

یہ ان کی خوش فہمی ہو سکتی تھی اور یہ ہماری بھی خوش فہمی ہو سکتی تھی کہ شیبا کو وہ ہم سے چھین کر نہیں لے جا سکتے۔ پتا نہیں آئندہ حالات کیسی کروٹ لینے والے تھے۔ اتنا اندازہ تھا کہ وہ شیبا جیسی ٹیلی پیتھی کی قوت کو حاصل کرنے کے لیے اپنا آخری سرمایہ، اپنی آخری ذہانت، اپنی آخری قوت اور اپنے خون کا آخری قطرہ بھی دے دیں گے مگر اس کے حصول سے باز نہیں آئیں گے۔

میرا میک اَپ مکمل ہو چکا تھا۔ میں نے اپنی جگہ سے

اُٹھ کر آئینے پر نظر ڈالی میرے سامنے مائیکل بھی اُٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اس طرح کہ اس کی پشت آئینے کی طرف تھی، اور رُخ میری طرف تھا تاکہ میں اسے اور خود کو آئینے میں دیکھ سکوں اور دونوں کا موازنہ کر سکوں اور کوئی خامی نکال سکوں مگر ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ میک اَپ کرنے والے نے بڑی مہارت سے مجھے دیکھتے ہی دیکھتے مائیکل گارسن بنا دیا تھا۔

میں نے کہا۔ "مائیکل! تم نے ہم پر اعتماد کیا ہے۔ میں تمہارے اعتماد کا بھرم رکھوں گا۔ میرے آدمیوں نے تمہیں یقین دلایا ہے، ہم کوئی ایسی مجرمانہ حرکت نہیں کریں گے جس سے تم پر کوئی حرف آئے۔"

وہ خاموش رہ کر میری باتیں سن رہا تھا۔ میں نے کہا۔ "مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ تمہیں کچھ عرصے تک بالکل پابند رہنا ہوگا۔ کسی ایک بنگلے میں تمہیں نظر بند کیا جائے گا تاکہ نہ تم کسی کو دیکھ سکو، نہ کوئی تمہیں دیکھ سکے۔ نہ تم کسی سے بول سکو، نہ تم سے کوئی بات کر سکے۔ یہ صرف کچھ دنوں کی بات ہے۔ اس کے بعد تم آزاد ہو جاؤ گے پھر ایسی شاندار زندگی گزارو گے جس کی تم توقع بھی نہیں کر سکتے۔ تمہیں کافی معاوضہ دیا جائے گا اور باقی ساری زندگی عیش و عشرت میں گزارو گے۔"

میں نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ اس نے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ "میری سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ چکر کیا ہے۔"

"سیدھی سی بات ہے۔ میں تمہاری جگہ لینے جا رہا ہوں۔"

"یہ کیسے ممکن ہے۔ اس گھر کے لوگ مجھے مائیکل گارسن کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ اگرچہ تم نے میرا چہرہ اختیار کر لیا ہے لیکن چہرہ بدل جانے سے انسان تو نہیں بدل سکتا۔ اس کی فطری عادتیں نہیں بدل سکتیں۔ پھر تم کیسے جانتے ہو کہ لیوچن، اس کے والدین، اس کے بھائی بہن تمہیں کس انداز میں مخاطب کرتے ہیں، کس طرح تمہارے ساتھ سلوک کریں گے اور تم کس انداز میں ان سے گفتگو کر سکو گے۔"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یہ ساری باتیں مجھ پر چھوڑ دو۔ تم چند دنوں کے لیے پابند ہو جاؤ۔ میں اپنا کام نکال لوں گا۔ پھر وہاں سے چلا جاؤں گا۔"

اس نے مجھے کڑی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہوں! سمجھ گیا۔ تمہاری نیت لیوچن پر آ گئی ہے۔ اسی لیے میری جگہ لینا چاہتے ہو۔"

"بے وقوف مت بنو، میں یہ اچھی طرح جانتا ہوں کہ لیوچن تم سے محبت نہیں کرتی، صرف ہمدردی کرتی ہے۔ محبت اور ہمدردی میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ میں تمہیں ایک پتے کی بات بتاتا ہوں۔ محبت بھی اکثر دولت سے کی جاتی ہے۔ اگر تمہارے پاس بے انتہا دولت ہو تو کیا لیوچن تمہیں نظر انداز کر سکے گی؟"

"کبھی نہیں۔ اگر میں دولت مند بن جاؤں تو وہ مجھ سے محبت کرے گی۔"

"پھر اس دن کا انتظار کرو جب تم دولت کو اس کے قدموں میں ڈال دو اور وہ تمہارے قدموں میں آ جائے۔"

میں اس سے رخصت ہو کر دوسرے کمرے میں آیا۔ وہاں کی تنہائی میں ریڈ پاور کے باس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے ایک لاکھ ڈالر کی ضرورت ہے اور یہ رقم مجھے فوراً چاہیے۔"

باس نے کہا۔ "تمہیں یہ رقم ملنے میں صرف اتنی ہی دیر لگے گی جتنی دیر ہمیں اپنے کسی خاص آدمی سے رابطہ قائم کرنے میں لگتی ہے یعنی صرف پانچ منٹ۔ اپنی گھڑی دیکھو، تم پانچ منٹ کے بعد یہاں سے نکلو گے تو تمہارے پاس وہ رقم موجود ہو گی۔"

میں جانتا تھا یہی ہوگا۔ جب میں عمارت سے باہر نکلا تو دروازے کے سامنے ہی ایک شخص سیاہ رنگ کا بریف کیس لیے کھڑا ہوا تھا۔ اس نے بریف کیس میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "آپ کی مطلوبہ رقم اس میں موجود ہے۔ احاطے کے باہر ایک ٹیکسی کھڑی ہوئی ہے، اس سلسلے میں آپ باس سے کوئی گفتگو کرنا چاہیں تو وہ آپ سے رابطہ قائم کر سکتے ہیں یا آپ ان سے کسی طرح رابطہ قائم کر لیجیے۔"

یہ ایک اشارہ تھا کہ ریڈ پاور کے باس کے سوا کوئی مجھے اس نئے روپ میں فرہاد کی حیثیت سے نہیں پہچانتا ہے، ورنہ وہ شخص مجھے خیال خوانی کے ذریعے رابطہ قائم کرنے کے لیے کہتا۔ میں ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔ جب گاڑی اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھی تو میں نے ڈرائیور سے کہا۔ "اس علاقے کا چکر لگاتے رہو۔ میں گھومنا پھرنا چاہتا ہوں۔ ذرا تفریح کا موڈ ہے کچھ شاپنگ بھی کروں گا۔"

میں نے سوچا ڈرائیور جہاں سے گزرے گا، میں اس کے دماغ سے وہاں کے متعلق چشم دید معلومات حاصل کرتا جاؤں گا۔ اس مقصد کے لیے دماغی طور پر حاضر رہنا ضروری تھا لیکن یہ بھی لازمی تھا کہ میں ہر لمحہ پوجی کی خیریت معلوم کرتا رہوں کیونکہ وہ تھوڑی دیر بعد مسٹر نوکو سے ملنے والی تھی۔

میں نے ایک ذرا دیر کے لیے خیال خوانی کی۔ واٹسوروکی کے دماغ میں پہنچ کر یہ معلوم کرنا چاہا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے؟ پتا چلا، ذرا دیر پہلے مسٹر نوکو نے واٹسوروکی سے پوچھا تھا۔ "کیا فرہاد خیال خوانی کے ذریعے رابطہ قائم کر رہا ہے۔"

واٹسوروکی نے انکار کیا تو اس نے غصے سے کہا۔ "تم جھوٹ بولتے ہو، وہ تم لوگوں سے برابر رابطہ قائم کرتا ہے۔ تم انکار کرو

چاہے اقرار لیکن میری یہ وارننگ پہنچا دو کہ وہ نیویارک میں روپوش رہ کر کہیں جا نہیں سکے گا۔ ہم اچھی طرح جانتے ہیں، وہ مین ہٹن میں ہے اور ہم نے مین ہٹن کی ناکا بندی کر دی ہے۔"

واٹسوروکی نے پوچھا۔ "جب تمہیں اتنا اعتماد ہے کہ وہ روپوش ہونے کے بعد بھی فرار نہیں ہو سکے گا تو اُسے وارننگ کیوں دے رہے ہو؟"

"میں تمہارے ذریعے اسے نیک مشورہ دینا چاہتا ہوں، وہ اپنا اور ہمارا وقت ضائع نہ کرے۔ سیدھی طرح ہمارے پاس چلا آئے۔ بڑی مدت کے بعد سونیا اور فرہاد ایک جگہ پائے گئے ہیں۔ وہ زیادہ سے زیادہ مین ہٹن کے مختلف علاقوں میں چھپتے پھریں گے۔ لیکن وہ جیسا بھی میک اَپ کر لیں، ہم انھیں بہرحال دریافت کر لیں گے۔ اس کے لیے چاہے دولت پانی کی طرح بہا دینا پڑے، چاہے ہمارے ہزاروں آدمی مارے جائیں، چاہے ہمیں بڑے سے بڑا نقصان اُٹھانا پڑے، اس بار ہم انھیں نکلنے ہی نہیں دیں گے۔"

میں دماغی طور پر ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر حاضر ہو گیا۔ اب میں خیال خوانی نہیں کرنا چاہتا تھا جو ہونے والا تھا، وہ مجھے معلوم تھا۔ ابھی ہمیں کتنے ہی دشمنوں کے درمیان سے گزرنا تھا اور یہ دیکھنا تھا کہ وہ ہمیں دیکھ کر پہچانتے ہیں یا نہیں۔ میں ہم کا صیغہ اس لیے استعمال کر رہا ہوں کہ سونیا بھی چھپتی پھر رہی ہو گی۔ کہاں ہو گی، کس حال میں ہو گی، کیا کر رہی ہو گی، یہ خدا ہی جانتا ہے۔ اس نے تو مجھ پر خیال خوانی کی سخت پابندی عائد کر دی تھی۔

میں لیوچن اور اس کے گھر والوں کے دل جیتنا چاہتا تھا۔ آبدوز ٹرین میں سفر کرنے کے دوران اتنا معلوم ہو گیا تھا کہ لیوچن کو مائیکل گارسن سے ہمدردی ہے لیکن اس کے والدین اسے کرائے دار کی حیثیت سے رکھنا نہیں چاہتے تھے۔ وہ برابر کرایہ ادا نہیں کرتا تھا۔ اس کی مالی حالت بہت ہی خراب تھی۔ وہ اسے گھر سے نکل جانے کا نوٹس دینے ہی والے تھے۔ میں ٹیکسی میں سفر کرنے کے دوران کہیں کہیں رُک جاتا تھا، ان لوگوں کے لیے کچھ چیزیں خریدنا چاہتا تھا۔ جب میں لیوچن کے مکان کے سامنے پہنچا تو ٹیکسی کی ڈکی سامان سے بھر گئی تھی۔ پچھلی سیٹ اور اگلی سیٹ پر بھی سامان بھرا ہوا تھا۔

چائنا ٹاؤن کے مکانات فٹ پاتھ سے لگے ہوتے ہیں۔ تمام مکانات ایک دوسرے میں گڈمڈ ہوتے ہیں۔ نیچے دکانیں ہوتی ہیں، اوپر رہائش کے لیے کمرے ہوتے ہیں اور یہ کمرے کرائے داروں کو بھی دیے جاتے ہیں۔ جب میری ٹیکسی دکان کے سامنے رکی تو لیوچن کے باپ نے باہر نکل کر دیکھا۔ اگر کوئی دوسرا موقع ہوتا تو نفرت سے منہ پھیر کر چلا جاتا۔ لیکن ٹیکسی میں سامان بھرا ہوا دیکھ کر اُس نے حیرانی کا اظہار کیا۔ میں دروازہ کھول کر باہر نکلا۔ اُس نے قریب آ کر کچھ کہا۔ میں اس کی زبان تو نہ سمجھ سکا مگر اشارے سے سمجھ گیا کہ وہ سامان کے متعلق پوچھ رہا ہے۔ میں نے بھی اشارے سے کہا۔ "یہ صرف اتنا ہی نہیں، ڈکی کے اندر بھی بہت کچھ ہے اور یہ سب کچھ تم لوگوں کے لیے لایا ہوں۔"

اسی وقت لیوچن نے اوپر کے رہائشی حصے سے جھانک کر ہمیں دیکھا پھر مجھے مخاطب کیا۔ "مائیکل! آج تو تم ٹیکسی میں آئے ہو۔ شرم نہیں آتی۔ مکان کا کرایہ ادا نہیں کرتے اور ٹیکسی کا کرایہ ادا کرنے کے لیے تمہاری جیب میں پیسے آ جاتے ہیں۔"

لیوچن کے باپ نے چینی زبان میں اپنی بیٹی سے کچھ کہنا شروع کیا۔ میں نے اس کی بیٹی کے ذریعے معلوم کر لیا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "ارے، یہ ڈھیر ساری شاپنگ کر کے آیا ہے اور اشارے سے ہمیں سمجھا رہا ہے کہ یہ سب کچھ ہمارے لیے ہے۔ جلدی سے نیچے آؤ۔"

وہ اوپر بالکونی سے پلٹ کر گئی۔ نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ میرے سامان اُٹھانے تک وہ اپنے بھائی بہنوں کے ساتھ میرے پاس آ گئی، اس کی ماں بھی دوڑی ہوئی آئی تھی۔ سب نے ہاتھوں ہاتھ تمام سامان کو اٹھایا۔ میں نے ٹیکسی کا کرایہ ادا کیا۔ پھر اُن کے ساتھ چلتا اوپر والے رہائشی حصے میں آیا۔ خیال خوانی کے ذریعے مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ میرا کمرہ کس طرف ہے۔ میرے آنے جانے کے لیے ایک پچھلا زینہ تھا۔ مجھے سامنے والے زینے سے آمد و رفت کی اجازت نہیں تھی۔ وہ اپنی فیملی سے مجھے دُور ہی رکھنا چاہتے تھے لیکن آج وہ سامنے والے زینے سے اپنے کمرے میں لے گئے۔ لیوچن بار بار حیرانی سے پوچھ رہی تھی۔ "آخر یہ سب کیا ہے۔ یہ سامان تم کہاں سے لائے ہو۔ تمہارے پاس اتنی رقم کہاں سے آ گئی؟"

میں نے کہا۔ "پہلے ان سب چیزوں کو کھول کر دیکھو۔"

جس کے ہاتھ جو چیز لگ رہی تھی، وہ اُسے دیکھ رہا تھا اور میں بتا رہا تھا۔ یہ کھلونے لیوچن کے چھوٹے بھائی بہن کے لیے ہیں، وہ اتنے قیمتی کھلونے تھے کہ وہ انھیں بڑی دکانوں کے شوکیسوں میں دیکھ تو سکتے تھے لیکن خریدنے کا کبھی حوصلہ نہیں کر سکتے تھے۔ بچے بہت خوش ہو رہے تھے۔ پھر لیوچن کے ماں باپ کے لیے بھی نہایت قیمتی کپڑے، سگار کیس، سستی جیولری کا سامان وغیرہ نگاہوں کے سامنے آیا تو دونوں بڈھے اور بڑھیا کبھی مجھے حیرت سے دیکھنے لگے۔ کبھی اوپری دل سے محبت کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگے۔ "آخر اتنی قیمتی چیزیں خریدنے کی کیا ضرورت تھی۔ تم تو ہمارے بیٹے ہو۔ ہم خواہ مخواہ تم پر ناراض ہو رہے تھے۔"

میں ان کی باتیں لیوچن کے ذریعے سمجھتا جاتا تھا۔ لیوچن کے بھائی کے لیے بھی میں نے سوٹ وغیرہ کے کپڑے اور اس کے

مزاج کے مطابق چیزیں خریدی تھیں اور وہ حیران ہو کر بول رہا تھا۔ "مسٹر مائیکل! تمھیں کیسے معلوم ہوا کہ میں ان چیزوں کا شوق رکھتا ہوں۔"

میں نے کہا۔ "میں اتنے دنوں سے تمھارے ساتھ رہتا ہوں، کیا تم لوگوں کے مزاج کو نہیں سمجھ سکتا۔"

میں نے لیوچن کے لیے بہت ہی قیمتی ملبوسات خریدے تھے اور اس کے ساتھ بہت ہی قیمتی زیورات بھی تھے۔ وہ ایک ایک چیز کو اٹھا کر دیکھتی تھی۔ اس کے لیبل کو دیکھتی تھی اور حیرانی سے پوچھتی تھی۔ "تمھیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ لباس میرے ناپ کا ہے۔ یہ سینڈلیں میرے پاؤں میں ٹھیک آئیں گی اور یہ زیورات مجھے پسند آئیں گے۔"

میں نے اس کے قریب جھک کر سرگوشی میں کہا۔ "یہ بات میں تنہائی میں بتا سکتا ہوں۔ سب کے سامنے مناسب نہیں ہے۔"

اس نے مجھے شوخ نظروں سے دیکھا۔ شاید پہلی بار مائیکل کو اس طرح دیکھ رہی تھی۔ عورت اور چاہتی کیا ہے۔ کوئی اس کے لیے قیمتی ملبوسات، قیمتی زیورات خریدنے والا ہو تو اس کی نظریں، اس کے تیور اور اس کا مزاج سب کچھ بدل جاتا ہے۔ وہ جو اوپر سے سخت پتھر بن کر رہتی ہے، دیکھتے ہی دیکھتے موم ہو جاتی ہے۔ اس کے باپ نے پوچھا۔ "آخر اتنی رقم تمھارے پاس کہاں سے آئی؟"

لیوچن نے باپ کی ترجمانی کی۔ میں نے اس سے کہا۔ "یہ ایسی بات ہے جسے میں کسی ایسے رازدار کو بتا سکتا ہوں جس پر میں مکمل اعتماد کر سکوں۔"

اس نے میرے بازو کو تھام کر شوخی سے پوچھا۔ "کیا مجھ پر اعتماد نہیں کرو گے؟"

"ہاں۔ تمھیں بتا سکتا ہوں۔ وعدہ کرو تم کسی اور کو یہ راز نہیں بتاؤ گی؟"

"میں وعدہ کرتی ہوں۔"

میں نے بریف کیس اٹھا کر کہا۔ "میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں، وہاں آؤ سب کچھ بتا دوں گا۔"

میرا کمرہ سب سے الگ تھا۔ جو دروازہ لیوچن فیملی کے کمرے کی طرف کھلتا تھا، اسے ہمیشہ کے لیے مقفل کر دیا گیا تھا لیکن اب حالات بدل گئے تھے۔ وہ خود چابی لے کر میرے ساتھ آئی۔ پھر اس نے دروازے کو کھول دیا۔ وہ درمیانی دروازہ یوں کھل گیا جیسے ہمارے درمیان سے تمام پردے اٹھ گئے ہوں۔ آپس میں کوئی اجنبیت نہ رہی ہو اور انھوں نے مجھے اپنی فیملی کا ایک ممبر تسلیم کر لیا ہو۔

میں نے کمرے میں آ کر دروازے کو بند کر دیا۔ وہاں ایک میلا سا بستر تھا، کتابیں جا بجا بکھری ہوئی تھیں۔ ایک پرانی سی میز کے پاس ٹوٹی ہوئی کرسی تھی۔ میں نے بریف کیس کو میلے سے بستر پر رکھا اور وہاں بیٹھ گیا۔ لیوچن میرے پاس آ گئی۔ میں نے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کوئی ہماری باتیں سن سکتا ہے۔"

وہ میرے پاس سے اٹھ گئی۔ آہستہ آہستہ دروازے کے پاس گئی۔ پھر اچانک دروازے کو کھول دیا۔ اس فیملی کے تمام ممبر دروازے کے پاس کھڑے ہوئے تھے۔ ایک دم سے چونک کر پیچھے ہٹ گئے۔ لیوچن نے اپنی زبان میں کہا۔ "یہ کیا حرکت ہے۔ کوئی مجھ سے اپنا راز بیان کرنا چاہتا ہے اور تم لوگ چاہتے ہو، وہ مجھ پر بھی اعتماد نہ کرے۔ یہ نہایت ہی نامناسب بات ہے۔ میں تم سب سے کہتی ہوں، اس دروازے کے قریب کوئی نہ آئے۔"

وہ وہاں سے ہٹ گئے۔ لیوچن نے دروازے کو بند کیا۔ اس کی چٹخنی چڑھائی۔ پھر میرے پاس آ کر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "تم آہستہ آہستہ بولو۔ وہاں تک آواز نہیں جائے گی۔"

"میں آہستہ بولوں گا مگر تم اچانک خوشی سے چیخ پڑو گی تو کیا ہوگا۔"

"مجھے اپنے آپ پر اختیار ہے تم حقیقت بتاؤ۔"

میں نے بریف کیس کو اٹھا کر اس کی گود میں رکھا۔ پھر کہا۔ "اسے کھولو۔"

اس نے مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ پھر اسے کھولا۔ وہ بریف کیس اب بھی نوٹوں سے بھرا ہوا لگ رہا تھا، حالانکہ میں نے اس میں سے کچھ رقم خرچ کی تھی۔ اس نے کبھی خواب میں اتنی دولت نہیں دیکھی تھی۔ وہ دولت دیکھتے ہی حیرت سے چیخنا چاہتی تھی۔ میں نے منہ پر ہاتھ رکھ کر آہستگی سے کہا۔ "دیکھا میں نہ کہتا تھا تم حیرت سے چیخ پڑو گی۔"

اس نے منہ سے کچھ نہیں کہا، نوٹوں سے بھرے ہوئے بریف کیس کو چھوڑ دیا، مجھے پکڑ لیا۔ کیونکہ عورت براہِ راست آمدنی کو نہیں پکڑتی، صرف آمدنی کے ذریعے کو ہاتھ میں رکھتی ہے۔ اس طرح سب کچھ اس کے ہاتھ میں رہتا ہے۔

اس نے ایک ہاتھ میرے شانے پر رکھا۔ دوسرے ہاتھ کی انگلیوں کو میرے بالوں میں الجھاتے ہوئے کہا۔ "یہ تم نے کیا حالت بنا رکھی ہے ہمارے لیے دنیا جہاں کا سامان خرید لیا، اپنے لیے کوئی بھی چیز نہیں خریدی۔"

میں نے مائیکل کے احمقانہ انداز میں کہا۔ "میں تو ایسے ہی ٹھیک ہوں۔"

"کیا خاک ٹھیک ہو۔ اگر اپنے لیے ایک جوڑا ہی خرید لیتے تو کیا تمھاری دولت میں کمی ہو جاتی۔"

"یہ بات نہیں ہے۔ دراصل میں سوچتا ہوں کیا پہنوں؟ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ کس کے لیے پہنوں؟ اتنی بڑی دنیا میں ایسا کوئی نہیں ہے جو میرے لیے کوئی چیز پسند کرے۔ میرے جیسے کچھ خریدے آدمی جب تک کسی کی آنکھوں میں نہیں سجتا اس وقت تک خود کو سجانا نہیں چاہتا۔"

اس نے میرے سینے پر سر رکھتے ہوئے کہا۔ "شاید تم یقین نہ کرو، شاید یہ سوچو کہ میں دولت دیکھ کر تمھارے قریب آئی ہوں لیکن میرا دل ہمیشہ تمھارے لیے دھڑکتا رہا۔ میں نے کبھی زبان سے نہیں کہا مگر دل ہی دل میں تم سے محبت کرتی رہی۔"

وہ سراسر جھوٹ بول رہی تھی۔ اسے کیا معلوم تھا کہ میں خیال خوانی کے ذریعے اس کے من اور مزاج کو سمجھتا ہوں۔ وہ یقیناً مائیکل کو چاہتی تھی مگر اس سے ہمدردی کرتی تھی۔ محبت نہ تو کبھی کی اور نہ ہی کر سکتی تھی۔ اس دولت نے اسے محبت کرنا سکھا دیا تھا۔

میں اسے یا کسی عورت کو الزام دینا نہیں چاہتا۔ دراصل ہم نے عورت کو اتنا مجبور اور محتاج بنا کر رکھا ہے کہ وہ اسی طرف جھکتی ہے جہاں اس کی ہر خواہش، ہر ضرورت پوری ہوتی ہے۔ وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ میرا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے بولی۔ "چلو اٹھو۔ میں تمھارے لیے چیزیں پسند کروں گی۔ تمھارے لیے بہت کچھ خریدوں گی۔ تمھیں سجاؤں گی۔ اس لیے کہ تم میری آنکھوں میں بس رہے ہو۔"

میں نے اسے اپنی طرف کھینچا، وہ میرے پاس آ کر بستر پر گر پڑی۔ میں نے کہا۔ "کیا یہ نہیں پوچھو گی کہ اتنی دولت کہاں سے آئی۔"

وہ انگڑائی لیتے ہوئے بولی۔ "پھل دینے والے درخت کے سائے میں بیٹھ کر یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ پھل درخت میں کیسے آتے ہیں۔ یہ تو باغ جانے۔ باغ کا مالی جانے۔ میں کچھ جاننا نہیں چاہتی۔"

وہ ہنسنے لگی۔ میرا یعنی مائیکل کا وہ بستر بہت ہی میلا سا تھا۔ اس پر وہ صاف ستھری دوشیزہ ایسی لگ رہی تھی، جیسے کیچڑ میں کنول کھل رہا ہو۔ اس کی ہنسی غضب کی تھی۔ جس کے کانوں تک پہنچتی تھی اسے شکار کر لیتی تھی۔ میرا خیال ہے، میں انڈر گراؤنڈ سے ہی اس کی ہنسی کا شکار ہو چکا تھا۔

میں نے پوچھا۔ "تمھارے ماں باپ اس دولت کے متعلق پوچھیں گے، میں کیا جواب دوں؟"

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی، سوچنے لگی۔ اس کی سوچ کہہ رہی تھی۔ "اس دولت کا علم کسی کو نہیں ہونا چاہیے۔ میرے ماں باپ، میرے گھر والے سب لالچی ہیں۔ میرا بس چلے تو میں اس دولت کو اور مائیکل کو دنیا والوں سے چھپا کر رکھوں، کسی کی نظر نہ لگنے دوں۔"

میں نے انجان بن کر پوچھا۔ "کیا سوچ رہی ہو؟"

وہ چونک کر بولی۔ "میں چاہتی ہوں، تم اس دولت کے متعلق کسی کو نہ بتاؤ۔ میرے ماں باپ سے کہہ دو، وہ آم کھائیں، پیڑ گننے کی کوشش نہ کریں۔ پھر انھیں یہ دکھانے کی ضرورت ہی کیا ہے کہ بریف کیس میں کتنی رقم ہے۔ ہم اسے اس کمرے میں چھپا کر رکھیں گے۔"

میں نے کہا۔ "نہ میرے پاس الماری ہے، نہ تجوری۔ اس کمرے میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جہاں اسے چھپا کر رکھ سکیں۔"

"ہم اسے چھپانے کے متعلق بعد میں فیصلہ کر لیں گے۔ پہلے تم میرے ساتھ باہر نکلو، میں تمھارے لیے ضروری چیزیں خریدوں گی۔"

میں چاہتا تھا، وہ تھوڑی دیر کے لیے چلی جائے۔ میں نے کہا۔ "اچھی بات ہے۔ تم جا کر تیار ہو جاؤ۔ میں نے جو لباس تمھارے لیے خریدے ہیں ان میں سے کوئی اچھا سا لباس پہن لو، پھر ہم چلیں گے۔"

وہ خوش ہو کر اٹھی۔ دروازے کے پاس گئی پھر رک گئی۔ واپس آ کر آہستگی سے بولی۔ "اس بریف کیس کو پلنگ کے نیچے رکھ دو۔ میرے گھر والوں کی نظریں بار بار اس پر پڑیں گی۔ انھیں شبہ ہوگا کہ مال اسی میں ہے۔"

میں نے اس کے اطمینان کے لیے بریف کیس کو پلنگ کے نیچے چھپا دیا۔ وہ چلی گئی۔ میں نے دروازے کو بند کیا۔ پھر فوراً ہی خیال خوانی کی پرواز کرتے ہوئے شیبا کے پاس پہنچ گیا... میں زبان سے جو کہتا ہوں اس پر عمل کرتا ہوں۔ شیبا کی اجازت کے بغیر کبھی اس کے دماغ میں نہیں جا سکتا تھا۔ میں نے اس کے لب و لہجے کو اچھی طرح سوچ سمجھ کر اس میں ذرا سا فرق پیدا کیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میں ڈمی شیبا کے دماغ میں پہنچ گیا۔

میں نے اسے مخاطب نہیں کیا، چپ چاپ اس کے دماغ کی تہ میں پہنچ کر حقیقت معلوم کرنے لگا۔ چونکہ اس کے دماغ کو تنویمی عمل کے ذریعے پوری طرح تسخیر کر لیا گیا تھا، دوسرے لفظوں میں اس کا برین واش کیا گیا تھا اور جو باتیں اس کے دماغ میں بٹھا دی گئی تھیں، اب وہ اسی کے حوالے سے خود کو پہچان رہی تھی اسی لیے اس کا دماغ بھی کہہ رہا تھا کہ وہ اصلی شیبا ہے، وہ یہودی ہے۔ اس کی ماما کا نام موریا ہے۔ اس کا نانا مرخنطے مامون اسرائیل کا سب سے بڑا سوداگر سمجھا جاتا ہے اور اس کا ماموں ہرخل مامون اسرائیلی ہائی کمان کا ایک اعلیٰ افسر ہے۔ گویا وہ ہر پہلو سے اپنے آپ کو شیبا ہی سمجھ رہی تھی۔ اس کی اصلیت جو بھی تھی وہ سب مٹ چکی تھی اور کبھی اسے یاد آنے والی نہیں تھی۔

یہ دنیا طرح طرح کے علوم سے بھری پڑی ہے۔ ایسے ایسے علم ہیں کہ انسان حیرت زدہ رہ جائے اور یہی حیرت زدہ

رہنے والا انسان یہ سب علم سیکھتا چلا جاتا ہے۔ تنویمی عمل سے یہ بات اس کے دماغ میں نقش کر دی تھی کہ فرہاد اس کے پاس آتا ہے اور خیال خوانی کے ذریعے گفتگو کرتا ہے اور وہ چپکے چپکے فرہاد سے متاثر ہے اور اسے چاہتی ہے لیکن زبان سے اقرار نہیں کرتی ہے۔

یہ حقیقت خود اصل ثیبا جانتی تھی یا میں نے بڑی حد تک اندازہ کیا تھا۔ کبھی چپکے سے اس کے دماغ میں نہیں گیا تھا لیکن یہ بات جناب شیخ الفارس نے بھی سمجھ لی تھی۔ اسی لیے انھوں نے جس تنویمی عمل کرنے والے کو دو عدد ڈمی ثیبا کے پاس بھیجا تھا، اسے ثیبا کی یہ ڈھکی چھپی کمزوری بھی سمجھا دی تھی اور یہ کمزوری دونوں ثیبا کے دماغوں میں نقش کر دی گئی تھی۔

میں نے اُسے مخاطب کیا۔ "ہیلو ثیبا۔"

وہ ایک دم چونک گئی۔ ایک ایزی چیئر پر بیٹھی ہوئی تھی۔ بالکل سیدھی ہو کر اٹھنا چاہتی تھی۔ میں نے کہا۔ "بیٹھی رہو، میں فرہاد ہوں۔"

اس نے ہولے سے مسکرا کر کہا۔ "تمہی ہو سکتے ہو، بھلا اور کون میرے دماغ میں آ سکتا ہے۔ لیکن یہ اچھی بات نہیں ہے۔"

"تم کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"تمہیں یاد دلانا چاہتی ہوں۔ تم نے کہا تھا، میری اجازت کے بغیر میرے دماغ میں نہیں آؤ گے۔"

میں ذرا حیران ہوا۔ پھر سمجھ گیا۔ اصل ثیبا نے یہ بات جناب شیخ الفارس کو بتائی ہو گی اور انھوں نے تنویمی عمل کرنے والے کو بتا دیا ہو گا۔ چنانچہ یہ بات بھی اس کے دماغ میں نقش کر دی گئی تھی۔ میں نے کہا۔ "مجھے افسوس ہے، میں اپنا وعدہ بھول گیا تھا۔ آئندہ یاد رکھوں گا۔ ابھی جاتا ہوں، پھر اجازت لے کر آؤں گا۔"

وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "یہ بھی کوئی بات ہوئی۔ جب آ ہی گئے ہو تو جانے کی کیا ضرورت ہے۔ آئندہ اجازت حاصل کر لیا کرنا۔"

میں نے پوچھا۔ "کیا تم خیال خوانی کے ذریعے میرے پاس آ سکتی ہو؟"

"ہاں۔ آ سکتی ہوں۔"

یہ میرے لیے شدید حیرانی کی بات تھی۔ بھلا ڈمی ثیبا کیسے خیال خوانی کر سکتی تھی۔ ٹیلی پیتھی کا علم کوئی بچوں کا کھیل تو نہیں تھا کہ جس ڈمی کو چاہا، اسے سکھا دیا۔ میری حیرانی کے دوران وہ کرسی پر پالتھی مار کر بیٹھ گئی تھی۔ اس نے ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ میں لیا تھا۔ آنکھیں بند کی تھیں۔ پھر اپنے ہاتھ کی انگوٹھی کو پکڑ لیا تھا۔ اس انگوٹھی میں ایک ننھا سا بٹن تھا جسے وہ دبا رہی تھی، اور سوچ رہی تھی۔ "فرہاد نے اپنے دماغ میں آنے کے لیے کہا ہے، میں خیال خوانی کی پرواز کر رہی ہوں۔ اور اس کے پاس پہنچ رہی ہوں۔"

مجھے پھر حیرانی کا ایک شدید جھٹکا سا لگا کیونکہ ثیبا میرے دماغ میں بول رہی تھی۔ میں نے بے یقینی سے پوچھا۔ "یہ کیسے ممکن ہے، تم ڈمی ثیبا ہو، تم خیال خوانی نہیں کر سکتیں۔"

مجھے ثیبا کی ہنسی سنائی دی، پھر اس نے کہا۔ "فرہاد! میں اصلی ثیبا ہوں۔ ابھی تم جس کے دماغ میں تھے وہ ڈمی تھی، تم نے اسے خیال خوانی کی دعوت دی۔ تنویمی عمل کے مطابق اس نے اپنے دوسرے ہاتھ سے اس انگوٹھی کو تھام لیا اور اس کے بٹن کو دبایا۔ وہ ایک انڈیکیٹر ہے۔ ویسی ہی ایک انگوٹھی میری انگلی میں ہے۔ اس کے ذریعے مجھے اشارہ موصول ہوتا ہے اور میں فوراً اس کے دماغ میں چلی جاتی ہوں۔ یہ انڈیکیٹر مجھے یہ بھی بتاتا ہے کہ مجھے ڈمی نمبر ایک کے دماغ میں جانا چاہیے یا ڈمی نمبر دو کے دماغ میں۔"

میں نے کہا۔ "یہ بات سمجھ میں آتی ہے۔ تم نے خیال خوانی کی، میرے پاس پہنچ گئیں۔ لیکن ڈمی ثیبا تو اپنی جگہ موجود ہے۔"

وہ بولی۔ "ہاں، جب تک وہ اس انگوٹھی کو تھامے رہے گی، اس پر تنویمی بے خودی طاری رہے گی۔ میں اس کے دماغ میں پہنچ کر بتاؤں گی کہ وہ اب تک فرہاد کے دماغ میں تھی اور اسے اپنی خیال خوانی کا ثبوت فراہم کر رہی تھی۔ اچھا، میں جاتی ہوں۔"

وہ چلی گئی۔ میں پھر ڈمی ثیبا کے دماغ میں پہنچ گیا۔ مگر ایک بار پھر الجھ کر رہ گیا کیونکہ وہ ڈمی آئینے کے سامنے بیٹھی اپنے لبوں پر لپ اسٹک کی سرخی جما رہی تھی۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا تھا، جس ڈمی کو میں چھوڑ کر آیا تھا، وہ کرسی پر پالتھی مارے آنکھیں بند کیے بیٹھی تھی اور اس کے ہاتھ کی ایک انگلی دوسرے ہاتھ کی انگوٹھی پر تھی۔ اس وقت یقیناً اصلی ثیبا اسے بتا رہی ہو گی کہ فرہاد سے کب گفتگو ہوئی تھی اور جب وہ تنویمی بے خودی سے نکلے گی تو کسی بھی سوال کرنے والے سے کہہ سکے گی کہ اس نے خیال خوانی کے ذریعے فرہاد سے کس قسم کی گفتگو کی تھی۔

مگر یہاں معاملہ کچھ اور تھا۔ میں ڈمی نمبر ایک کے بجائے ڈمی نمبر دو کے دماغ میں پہنچ گیا تھا۔ کیسے پہنچ گیا تھا، یہ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ ثیبا کی آواز اور اس کے لب و لہجے میں ذرا سا بھی فرق پیدا ہوتا تھا تو میں کسی نہ کسی ڈمی کے پاس پہنچ جاتا تھا۔ میں نے دو تین بار خیال خوانی کی پرواز کی۔ ایک بار اصل ثیبا کے پاس پہنچ گیا۔ جب اس کی سوچ پڑھ کر یقین ہوا کہ میں اصلی ثیبا کے پاس ہوں تو میں نے معذرت چاہتے ہوئے کہا۔ "ثیبا! میں بھٹکتا ہوا بغیر اجازت تمہارے دماغ میں آ گیا۔ بڑی الجھن میں ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا تمہارے لب و لہجے کو کس طرح اپنی گرفت میں رکھوں۔ ذرا بھی فرق پیدا ہوتا ہے تو میں تم تینوں میں سے کسی کے بھی دماغ میں پہنچ جاتا ہوں۔"

وہ ہنسنے لگی۔ میں نے کہا۔ "تمہیں ہنسی آ رہی ہے۔ میں تمہیں ہمیشہ خوش و خرم دیکھنا چاہتا ہوں مگر یہ موقع خوشی کا نہیں۔ مجھے سمجھاؤ آخر معاملہ کیا ہے؟"

"یہ معاملہ خود میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ جناب شیخ صاحب نے مجھے دو انگوٹھیاں دیں۔ میں نے دونوں ہاتھوں میں ایک ایک انگوٹھی پہنی ہوئی ہے۔ ان انگوٹھیوں کے اوپری حصے پر ننھا سا شیشہ ہے، یہ ایک سادے اسکرین کی طرح ہے۔ جب مجھے اشارہ موصول ہوتا ہے اور میں اس انگوٹھی کا بٹن دباتی ہوں تو اس شیشے پر ایک تیر کا نشان نمودار ہوتا ہے۔ وہ تیر ایک سمت بتاتا ہے کہ جس ثیبا سے رابطہ قائم کرنا ہے وہ کس سمت میں ہے۔ میں اسی سمت رُخ کر کے خیال خوانی کرتی ہوں تو سیدھی اس کے دماغ میں پہنچ جاتی ہوں۔ جناب شیخ صاحب ایسی ہی دو انگوٹھیاں تمہارے پاس بھیجیں گے۔ جب تم انھیں آپریٹ کرو گے تو جس ثیبا کے پاس جانا چاہو گے، اس کے پاس پہنچ جاؤ گے۔"

میں نے کہا۔ "ہاں، مجھے ان دو انگوٹھیوں کی ضرورت پیش آئے گی کیونکہ کسی وقت بھی کسی ڈمی نے اس انگوٹھی کے بٹن کو دبایا، تمہیں خیال خوانی کا اشارہ کیا اور تم وقت پر نہ پہنچ سکیں تو کم از کم میں ہی پہنچ سکوں گا۔ اس لیے ہم دونوں کے پاس ایسی انگوٹھیاں لازمی ہیں۔"

یہ مسئلہ میرے لیے نہایت پیچیدہ تھا لیکن جناب شیخ صاحب کی ذہانت سے سلجھ گیا تھا۔ واقعی یہ ایک معمولی سی بات تھی۔ ہم سب جانتے ہیں کہ شمال کی طرف سے جو مقناطیسی لہریں چلتی ہیں ان کے ذریعے قطب نما بھی ہمیں صحیح سمت کی طرف لے جاتا ہے۔ پھر خیال خوانی کی لہریں بھی شمال کی طرف سے آنے والی مقناطیسی لہروں کے زیر اثر رہتی ہیں۔ اس طرح اس انگوٹھی پر نمایاں ہونے والے تیر کا نشان جو قطب نما کے کانٹے کی طرح ہوتا ہے وہ یقیناً اسی ثیبا کے پاس پہنچاتا ہے جو ہماری مطلوبہ ہوتی ہے۔

ثیبا نے پوچھا۔ "تم پہلے ڈمی ثیبا کے پاس کیسے پہنچ گئے تھے؟"

"میں نے تمہارے لب و لہجے میں ذرا سا فرق پیدا کیا تھا اور اس کے پاس پہنچ گیا تھا۔ دوسری بار دوسری ثیبا کے پاس پہنچ گیا۔ جب میں زیادہ بھٹکنے لگا تو اصل لب و لہجے کو اختیار کیا اور تمہارے پاس آ گیا تھا۔"

میری خیال خوانی کا سلسلہ ٹوٹنے لگا۔ میں نے لیوچن کی آواز سنی۔ دروازے کے اس پار وہ اپنے والدین سے چینی زبان میں کچھ کہہ رہی تھی۔ میں نے ثیبا سے کہا۔ "میں اپنی جگہ مصروف ہوں۔ تم ذرا یومی کی خبر لو۔ میں بعد میں تم سے رابطہ قائم کروں گا۔"

جیسے ہی میں دماغی طور پر حاضر ہوا، کمرے کا دروازہ کھل گیا۔ میرے سامنے وہی لیوچن کھڑی ہوئی تھی مگر پہچانی نہیں جاتی تھی۔ نئے لباس میں، نئے میک اپ میں وہ اس طرح بن سنور کر آئی تھی کہ کچھ سے کچھ ہو گئی تھی۔ اسے دیکھ کر یہ فرق سمجھ میں آیا کہ پہلے وہ گل تھی، اب گلاب ہو گئی تھی۔ پہلے سراپا جوانی تھی۔ اب انگور کا پانی ہو گئی تھی۔

اسے نظر بھر کے دیکھنا مناسب نہیں تھا۔ میں نے نظریں جھکا لیں، یہی مجھ سے غلطی ہوئی۔ نظریں جھکنے کا مطلب تھا کہ دل ادھر جھک رہا ہے۔ آج کل کی لڑکیاں مردوں کی ان کمزوریوں کو فوراً تاڑ لیتی ہیں۔ میں نے دوسری طرف نظریں پھیر لیں گویا فرار حاصل کر رہا تھا۔ یہ بھی اس کی سمجھ میں آنے والی بات تھی۔ میں نے جلدی سے جھک کر پلنگ کے نیچے سے بریف کیس کو نکال لیا، پھر اٹھ کر کہا۔ "ہمیں چلنا چاہیے۔"

وہ دروازہ بند کر کے میرے قریب آ گئی تھی، بالکل قریب ہو کر میرے شانوں پر دونوں ہاتھ رکھ کر بولی۔ "کیسی لگ رہی ہوں؟"

میں نے اس پر ایک نظر ڈالی۔ پھر اس کے سر کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "بہت اچھی لگ رہی ہو مگر یہ ہیئر اسٹائل مجھے پسند نہیں ہے۔"

وہ فوراً الگ ہو گئی۔ اپنے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔ "تمہیں پسند نہیں ہے تو اسٹائل بدل دوں گی۔"

میں یہی چاہتا تھا۔ جتنی دیر ہیئر ڈریسنگ میں لگتی، اتنی دیر میں، میں یومی کی خبر لے سکتا تھا۔ میں بریف کیس اٹھا کر اس کے ساتھ باہر آ گیا۔ ہم نے ایک ٹیکسی لی پھر ایک بیوٹی پارلر میں پہنچ گئے۔ وہ اپنے ہیئر اسٹائل کو بدلنے کے لیے اندر چلی گئی۔ میں ویٹنگ روم میں آ کر بیٹھ گیا۔ خیال خوانی سے پہلے وہاں کا جائزہ لینا ضروری تھا۔ وہ بہت مصروف بیوٹی پارلر تھا۔ دولت مند عورتیں کسی پارٹی وغیرہ میں جانے سے پہلے اس پارلر سے ہو کر گزرتی تھیں۔ ان کے ساتھ آنے والے مرد میری طرح ویٹنگ روم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم سب ایک دوسرے کے لیے اجنبی تھے۔ اس لیے مختلف رسالے اٹھا کر ان کی ورق گردانی کر رہے تھے۔ میں نے بھی ایک رسالہ اٹھایا۔ پھر اسے کھول کر خیال خوانی کرنا چاہی۔ اسی وقت لیوچن ایک لیڈی ہیئر ڈریسر کے ساتھ آ گئی۔ ایک البم کھول کر دکھاتے ہوئے بولی۔ "مجھے بتاؤ ان میں سے کون سا ہیئر اسٹائل تمہیں پسند ہے۔"

میں نے چند تصویریں دیکھیں۔ پھر ایک تصویر پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔ "یہ ہیئر اسٹائل مجھے پسند ہے۔"

لیڈی ہیئر ڈریسر نے میری تائید کی۔ لیوچن خوش ہو گئی۔ وہ

البم اٹھاکر اس عورت کے ساتھ چلی گئی۔ اس کے بعد میں نے تخیل خوانی کی پیدا وار کی اور لومی کے پاس پہنچ گیا۔ میں دیر سے پہنچا۔ کہتے ہیں، دیر ہو جائے تو اندھیر ہو جاتا ہے۔ وہاں لومی اور مسٹر لوکو کی پہلی ملاقات میں یہ اندھیر ہوا کہ لومی اسے دیکھتے ہی اس کی دیوانی ہو گئی۔

جن لوگوں نے مسٹر لوکو کو اپنے روبرو دیکھا تھا انھوں نے بارہا یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ صنفِ نازک کے لیے بے حد کشش رکھتا ہے۔ نہایت ہی خوبرو اور صحت مند نوجوان ہے۔ اس کے چہرے پر مردانگی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے جو لڑکی اسے دیکھتی ہے، پہلی نظر میں دل ہار جاتی ہے۔ جب لومی کی نظر اس پر پڑی تو وہ اسے دیکھتی کی دیکھتی ہی رہ گئی۔

مسٹر لوکو نے مسکرا کر کہا۔ "میں جانتا تھا تم ضدی، مستقل مزاج اور قوتِ ارادی رکھنے والی لڑکی ہو۔ اس کے باوجود مجھے دیکھوگی تو مجھ پر سے نظریں نہیں ہٹا سکوگی۔"

لومی نے نظریں ہٹالیں۔ ایک پھول کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "جب میں ایک خوب صورت پھول کو دیکھتی ہوں تو نظریں نہیں ہٹا سکتی۔ جب کھلے آسمان کے سائے میں خوب صورت پرندے پرواز کرتے ہیں تو میں انھیں بھی دیر تک دیکھتی رہتی ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں جو حسن پیدا کیا ہے اسے دیکھتے رہنے کا حق ہر فرد کو حاصل ہے۔ میرے خدا نے تمھیں بھی بے حد خوبروئی عطا کی ہے۔ میں اگر تمھیں دیکھ رہی ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں خدا کی قدرت کو دیکھ رہی ہوں۔"

"اور تم اس قدرت کو قبول کرنے والی ہو۔"

"بیشک، میں آج تک سوائے فرہاد کے کسی سے متاثر نہیں ہوئی۔ میں حقیقت سے انکار نہیں کروں گی۔ تم فرہاد سے بھی زیادہ خوبرو اور پُرکشش ہو مگر..."

اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ مسٹر لوکو نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "مگر فرہاد نہیں ہو اور نہ ہی ہو سکتے ہو۔"

"تم مجھے فرہاد سے برتر کبھی نہیں کہوگی اور میں ثابت کروں گا کہ میں اس سے کسی طرح بھی کم تر نہیں ہوں۔"

وہ مسٹر لوکو کے خاص محل میں تھی۔ اس وقت اس محل کے ایک بہت ہی خوب صورت باغیچے سے گزر رہی تھی۔ وہ دونوں ایک ایسے ہال میں پہنچے جہاں کچھ جوان لڑکے اور لڑکیاں جمناسٹک کی مشقیں کر رہے تھے۔ ایک طرف فری اسٹائل کشتی کے لیے اونچا سا اسٹیج بنا ہوا تھا جہاں دو جوان کراٹے کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ انھیں تربیت دینے والے کئی استاد نظر آ رہے تھے۔ وہ سب مسٹر لوکو کو دیکھتے ہی رک گئے۔ سب نے اس کی طرف رُخ کر کے گھٹنے ٹیک دیے۔ سر کو جھکا لیا، کیونکہ لوکو اس قلعے کا حاکم تھا، ان کا آقا تھا۔

اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "ہم یہاں آقا اور غلام نہیں ہوتے کسی سے کوئی رشتہ نہیں ہوتا۔ جب ہم لڑتے ہیں تو ایک دوسرے سے کچھ سیکھنے کے لیے یا سکھانے کے لیے اور جب چیلنج کرتے ہیں تو پھر ایک دوسرے کو مارنے کے لیے اور خود جینے کے لیے لڑتے ہیں۔ میں جانتا ہوں، میرے ساتھ لومی کو دیکھ کر تم لوگوں نے میرے سامنے سر جھکایا ہے۔ اب اس لمحے کو بھول جاؤ کہ میں تمھارا آقا ہوں۔ میں تم سب استادوں سے مقابلہ کروں گا۔ لومی دیکھے گی اور اعتراف کرے گی کہ میں کسی سے کم تر نہیں ہوں اور میں اس کا آئیڈیل ہوں۔"

وہ سب اپنی جگہ سے اٹھ گئے۔ جہاں جہاں اپنے فن کا مظاہرہ کر رہے تھے، وہاں چلے گئے۔ مسٹر لوکو نے لومی سے ایک جگہ بیٹھنے کے لیے کہا، پھر اپنے آدمیوں کو مخاطب کیا۔ "تم سب نے یہاں کی ایک اسکرین پر لومی کے کمالات دیکھے ہیں۔"

سب نے اعتراف کرتے ہوئے کہا۔ "ہاں، ہم تسلیم کرتے ہیں، لومی نے اب تک خود کو ناقابلِ شکست ثابت کیا ہے لیکن آپ نے ہمیں اس کے مقابلے پر جانے کی اجازت نہیں دی۔ ہمارا بھی دعویٰ ہے کہ ہم ناقابلِ شکست ہیں۔"

مسٹر لوکو نے ہنستے ہوئے کہا۔ "تم لوگوں کا یہ دعویٰ ہے تو پہلے مجھے شکست دو۔ لومی اس وقت میرے قلعے میں ہے۔ تم جانتے ہو کہ اس قلعے میں آنے کا ایک راستہ ہے۔ جانے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ آج تک کوئی یہاں سے زندہ سلامت نہیں جا سکا۔ تم میں سے جو کوئی مجھے زمین پر گرا دے گا اور میری لاش پر سے گزرے گا، وہ لومی کا حقدار ہوگا، چونکہ یہ قلعے سے باہر نہیں جا سکے گی، اس لیے تمھارے قابو میں رہے گی۔"

اس دوران میں وہ اپنا لباس اتار رہا تھا۔ اس کا ایک ملازم اس کے لباس کو اپنے پاس رکھتا جا رہا تھا۔ پھر لومی نے اسے ایک انڈرویئر اور بنیان میں دیکھا۔ اس مختصر سے لباس میں اس کا خوب صورت کسرتی جسم ٹارزن کی طرح لگ رہا تھا۔ وہاں جو بڑے بڑے استاد نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کو ٹریننگ دے رہے تھے، انھیں مخاطب کرتے ہوئے مسٹر لوکو نے کہا۔ "تم سب چاہو تو ایک ساتھ مجھ پر حملہ کر سکتے ہو یا باری باری آ سکتے ہو۔"

وہ ہال کے درمیانی حصے میں آگیا۔ پھر لومی سے بولا۔ "میں نے تمھارے وڈیو کیسٹ دیکھے ہیں۔ تم مخصوص انداز میں دشمنوں سے مقابلہ کرتی ہو۔ ذرا دیکھو تو سہی کیا یہ وہی انداز ہے؟"

وہاں جوڈو کراٹے اور فری اسٹائل میں دو مانے ہوئے استاد تھے۔ وہ دونوں مسٹر لوکو کے مقابل آ گئے، پھر انھوں نے پینترا بدلتے ہوئے اس پر حملہ کیا۔ اسی لمحے مسٹر لوکو کے منہ سے آواز نکلی: "ہا ہپ، ہپ۔"

لومی نے تعجب سے دیکھا۔ لوکو ٹھیک اسی کے انداز میں "ہا ہپ... ہپ" کہتا ہوا کبھی ہاتھوں کے بل اور کبھی پاؤں کے بل قلابازی کھاتا ہوا ایک طرف سے دوسری طرف جا رہا تھا اور حملہ کرنے والے ناکام ہوتے جا رہے تھے۔ جو صحیح معنوں میں فائٹر ہوتے ہیں وہ مقابلے کے پہلے راؤنڈ میں ہی سمجھ لیتے ہیں کہ مدِ مقابل کتنے پانی میں ہے۔ لومی نے سوچا تھا، جب لوکو مقابلہ کرے گا تو اس کے چند دفاعی اقدامات سے اندازہ کر لے گی لیکن اس نے بڑے ہی دلچسپ انداز میں مقابلہ شروع کیا تھا، چونکہ وہ لومی کا اپنا انداز تھا اس لیے وہ اور دلچسپی سے دیکھتی چلی گئی اور یہ تسلیم کرتی گئی کہ جس طرح وہ اپنے دشمنوں کے ہاتھ نہیں آتی تھی اسی طرح مسٹر لوکو اس کا انداز اختیار کر کے مقابلہ کرنے والوں کے ہاتھ نہیں آ رہا تھا اور یہ ثابت کر رہا تھا کہ وہ ایک اچھا فائٹر ہی نہیں بلکہ بہت ہی کامیاب نقال بھی ہے جس کے لڑنے کے انداز کو نقل کرلیتا ہے اسی کے انداز میں اپنا بچاؤ بھی کرتا ہے۔

ایک بار لومی فضا میں پرواز کرنے کے دوران دو بار قلابازی کھاتے ہوئے زمین پر آئی تھی۔ یہ کیسٹ میں ریکارڈ ہو چکا تھا۔ مسٹر لوکو نے بالکل اسی کے انداز میں فضا میں پرواز کرتے ہوئے دو بار قلابازی کھائی اور فرش پر آکر کھڑا ہو گیا۔ صرف اتنا ہی نہیں لومی نے اب تک جتنے بھی جمناسٹک کے کرتب دکھائے تھے وہ سب انھیں دہراتا جا رہا تھا۔ مقابلہ کرنے والوں کی پٹائی بھی کرتا جاتا تھا۔ اب دو کے بجائے چار مقابلہ کرنے والے ہو گئے تھے لیکن وہ کسی کے قابو میں نہیں آ رہا تھا۔

صرف پندرہ منٹ کے اندر وہ چاروں استاد اپنے پیروں پر کھڑے رہنے کے قابل نہ رہے۔ دو ملازم قریب آکر تولیے سے مسٹر لوکو کے بدن کا پسینہ پونچھنے لگے۔ تیسرا ملازم ایک نیا لباس پہننے کے لیے لے آیا۔ مسٹر لوکو نے وہ لباس پہنتے ہوئے شکست کھانے والے استادوں سے کہا۔ "میں نے اسی لیے تم لوگوں کو لومی سے مقابلہ کرنے کی اجازت نہیں دی تھی۔"

لومی تالی بجاتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ پھر لوکو کے قریب آتے ہوئے بولی۔ "تم نے نقالی میں کمال کر دیا۔ بالکل میرے ہی انداز میں مقابلہ کرتے رہے۔ اگر ہم دونوں اسی انداز سے ٹکرا جائیں تو جیت کس کی ہوگی؟"

لوکو نے مسکرا کر کہا۔ "تم کہوگی تمھاری جیت ہوگی۔ میں کہوں گا میری ہوگی۔ تم دیکھ رہی ہو، میں لباس پہن چکا ہوں۔ تمھیں چیلنج کرنے کا ارادہ نہیں ہے۔"

"شاید تم مجھے محبت سے جیتنا چاہتے ہو؟"

"تم چیز ہی ایسی ہو۔ میری پوری کوشش یہی ہوگی کہ میرے ان دو ہاتھوں سے تمھیں نقصان نہ پہنچے۔ میں تمھیں نیک مشورہ دیتا ہوں، مجھے کبھی ہاتھ اٹھانے پر مجبور نہ کرنا، اگر ذرا بھی عقل سے کام لوگی تو مجھے ایک بہترین دوست بنا سکوگی۔"

وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے اس ہال سے جانے لگے۔ لومی نے پوچھا۔ "کیا میں اس قلعے میں تمھاری مہمان ہوں؟"

"بیشک ایسی مہمان جو سب سے محبوب ہے۔"

"پھر میں بھی تمھیں نیک مشورہ دوں گی۔ اپنے مہمان کی ایک خواہش پوری کر دو اور مجھے زندگی بھر کے لیے دوست بنا لو۔"

"کون سی خواہش؟"

"دی کلر کا سر!"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "تم اس قلعے کی دیواروں سے سر ٹکراتی رہوگی مگر دی کلر تک نہیں پہنچ سکوگی۔"

"تم چیلنج کر رہے ہو اور چیلنج دوستوں کے درمیان نہیں ہوتا۔"

"تم دوست بن کر گلا کاٹنا چاہتی ہو۔"

"تمھارا نہیں، دی کلر کا۔"

وہ اس ہال سے نکلنے کے بعد قلعے کے ایک ایسے حصے سے گزر رہے تھے جہاں بڑے بڑے کمرے بنے ہوئے تھے مگر ان کمروں کے دروازے لوہے کی سلاخوں سے بنے ہوئے تھے۔ ہر سلاخ کے پیچھے ایک حسین عورت دکھائی دے رہی تھی۔ مسٹر لوکو نے ایک آہنی دروازے کے پاس سے گزرتے ہوئے کہا۔ "اس عورت کو دیکھ رہی ہو۔ آج بھی پہلے دن کی طرح حسین ہے۔ اس پہلے دن کی طرح جب اسے مس یونیورس کا ٹائیٹل ملا تھا۔ یہ دنیا کی حسین ترین عورت مانی گئی لیکن میرے عشق میں مبتلا ہو گئی۔ میں نے آج تک کسی سے عشق نہیں کیا۔ مجھے یہ بیماری نہیں ہوئی۔ ہاں تمھارے کمالات دیکھنے کے بعد یہ تسلیم کرنا پڑا کہ میرا دل تمھاری طرف مائل ہو رہا ہے۔ میں نے آج سے پہلے کسی حسین عورت کے اندر اتنی خوبیاں نہیں دیکھی تھیں جتنی تم میں دیکھتا آ رہا ہوں۔"

لومی نے کہا۔ "تم میری تعریف نہ کرو۔ اس کے متعلق بتاؤ، جب یہ دنیا کی حسین ترین عورت ہے تو اسے سلاخوں کے پیچھے

کیوں قید رکھا ہے؟"

اس عورت نے کہا۔ "میں قیدی نہیں ہوں۔ میں اپنی محبت کا امتحان لے رہی ہوں۔ مسٹر نوکو نے کہا ہے 'اگر میں دو برس تک اس کی قید میں رہ کر اپنی محبت میں ثابت قدم رہوں گی اور صرف مسٹر نوکو کا مطالبہ کرتی رہوں گی تو یہ مجھے اپنا لے گا۔"

مسٹر نوکو نے کہا۔ "مس یونیورس اپنی محبت کا امتحان دے رہی ہے لہٰذا آگے بڑھو۔"

وہ آگے بڑھتے ہوئے دوسرے کمرے کے دروازے پر رک گئی، وہاں سلاخوں کے پیچھے ایک اور حسین عورت نظر آئی۔ مسٹر نوکو نے کہا۔ "یہ ہندوستان کی ایک ریاست کی راجکماری ہے میں نے اس سے بھی یہی کہا ہے کہ میں اس سے محبت کروں گا جو میری قید میں مسلسل دو سال تک رہے اور ساری دنیا کو میری خاطر چھوڑ دے۔ لہٰذا یہ بھی میری محبت کا امتحان دے رہی ہے اور آگے بڑھو۔"

پومی نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "تم نے ایسی کتنی عورتوں کو قید کر رکھا ہے تمہارا مقصد کیا ہے؟"

"کوئی تتلیوں کے پَر جمع کرتا ہے۔ کوئی حسین عورتوں کے خطوط جمع کرتا ہے۔ میں حسین عورتوں کو جمع کرتا ہوں۔ یہ قلعہ ایک طرح کا البم ہے جس میں دنیا کی حسین ترین عورتیں میرے عشق میں مبتلا ہو کر قیدیوں جیسی زندگی گزار رہی ہیں۔ میں نے کبھی انھیں ہاتھ نہیں لگایا کیونکہ میں عورتوں سے دور رہنے کا عادی ہوں۔ میں اتنا مہنگا ہوں کہ شاید کوئی نصیب والی عورت ہی مجھے اپنا سکتی ہے اور شاید وہ نصیب والی عورت اس قلعے میں آگئی ہے۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے معنی خیز انداز میں پومی کو دیکھا۔ پومی نے کہا۔ "ایک بات ضرور یاد رکھنا۔ عورت اچھے اچھوں کے نصیب سلا دیا کرتی ہے۔"

"یہ تو یاد رکھتا ہوں۔ اسی لیے عورتوں سے دُور رہتا ہوں۔ تم سے بھی دُور رہوں گا مگر جس دن صحیح معنوں میں دوست بن جاؤ گی، تمھیں قریب آنے کا موقع بھی دوں گا۔"

وہ قلعے کے اس حصے میں پومی کے ساتھ گھوم رہا تھا۔ مختلف راہداریوں سے گزرتا جا رہا تھا۔ ہر راہداری میں دو دو تین تین کمرے تھے اور ہر کمرے میں ایک سے ایک حسین عورت نظر آ رہی تھی۔ کمبخت نے واقعی دنیا جہاں کی حسین عورتوں کو جمع کرنے کا ...... ٹھیکا لے رکھا تھا۔ وہ باتیں کرتے ہوئے ایک ایسے کمرے کے سامنے آئے جس کا کوئی دروازہ نہیں تھا۔ پومی نے پوچھا۔ "اس کا آہنی دروازہ کیا ہوا؟"

"یہاں ایک ایسی عورت قید ہے جس کے لیے دروازے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ جب چاہے جا سکتی ہے مگر نہیں جاتی۔ اس کمرے میں کہیں دیوار سے لگی بیٹھی ہوگی۔"

پومی نے ذرا آگے بڑھ کر اُسے دیکھنا چاہا۔ اسی وقت ایک زوردار لات اس کی پشت پر لگی۔ وہ سنبھل نہ سکی۔ لڑکھڑاتے ہوئے کمرے کے اندر پہنچ گئی۔ وہ یقیناً بجلی تھی۔ سنبھلنے میں دیر نہ لگتی... لیکن جیسے ہی وہ کمرے کے اندر پہنچی، ایک آہنی دروازہ دیوار کے اندرونی حصے سے نکل کر فرش تک آگیا تھا، وہ بجلی کی طرح پلٹ کر آئی تھی مگر دروازے سے ٹکراتے ہی چیخ پڑی۔ بجلی کا ایک جھٹکا سا لگا وہ پیچھے جا کر فرش پر گر پڑی۔ مسٹر نوکو نے کہا۔ "اب تمھاری سمجھ میں آگیا ہوگا کہ آہنی سلاخوں کو ہاتھ لگاؤ گی تو شاک پہنچے گا لہٰذا فرار کا راستہ ڈھونڈنے کی حماقت نہ کرنا۔"

پومی نے اپنے دونوں ہونٹوں کو سختی سے بھینچ لیا اُسے غصہ آ رہا تھا اور وہ غصے کو برداشت کر رہی تھی۔ اُسے یہی ٹریننگ دی گئی تھی کہ ہر حالت میں اپنے دماغ کو قابو میں رکھنا چاہیے۔ مسٹر نوکو جا رہا تھا ابھی وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہوا تھا جاتے جاتے رک گیا تھا۔ پھر اس نے پلٹ کر کہا۔ "پومی آئی لو یو مگر تمھاری محبت کے فریب میں آکر دھوکا کھانے والے احمقوں میں سے نہیں ہوں۔ تم نے جتنے کمالات دکھائے، میں نے ان سب کے وڈیو کیسٹ تیار کیے ہیں۔ اب تمھیں اپنا بنانے کے لیے تمھیں اپاہج بناؤں گا تاکہ تم کبھی میرے خلاف کوئی داؤ استعمال کرنے کے قابل نہ رہ سکو۔ میں تمھیں صرف چوبیس گھنٹے کی مہلت دے رہا ہوں۔ تم خود ہی فیصلہ کرو۔ اپاہج بننے کے بعد تم اپنے پاؤں بےکار کرنا چاہو گی یا ہاتھ۔ اندھی بننا چاہو گی یا میرے ایجاد کردہ ایک مہلک انجکشن کے ذریعے پاگل بننا پسند کرو گی۔ میں نے تمھیں اس کمرے میں قید کیا ہے۔ اس کے بعد جتنے کمرے آتے ہیں ان میں تمھاری جیسی عورتیں اور مرد قیدی بنا کر رکھے گئے ہیں یہ سب خود کو ناقابلِ شکست کہتے تھے۔ میں نے جس طرح حسین عورتوں کو جمع کیا ہے اسی طرح ناقابلِ شکست لوگوں کا بھی ذخیرہ قید خانے میں موجود ہے تم یہاں مہینے دو مہینے، سال دو سال انتظار کرتی رہو، اسی قید خانے میں ایک دن سونیا اور فرہاد بھی آئیں گے۔"

وہ چلا گیا۔ اُس وقت میں پومی کے پاس موجود تھا، لیکن میں نے اُسے مخاطب نہیں کیا تھا۔ نہ ہی مسٹر نوکو کے خلاف کوئی قدم اُٹھا سکتا تھا اس لیے خاموشی مناسب تھی۔ اس کے جانے کے بعد میں نے پومی کو مخاطب کیا۔ وہ چونک کر بولی۔ "فرہاد تم کب سے یہاں ہو؟"

"بس تھوڑی دیر ہوئی، تمھاری طرح میں بھی دھوکا کھا گیا۔ میں نے بھی یہی سوچا کہ جو شخص اتنا دلیر ہے اور اتنی کامیابی

سے تمھاری نقل کرتے ہوئے خطرناک فائٹروں سے مقابلہ کر سکتا ہے، ان پر غالب آسکتا ہے، وہ کبھی دھوکے سے تمھیں قید نہیں کرے گا لیکن اُس نے نہایت بزدلی اور مکاری کا ثبوت دیا ہے۔"

شیبا کی سوچ سنائی دی۔ "میں بھی موجود ہوں لیکن اس کمبخت نے بڑے دلچسپ تماشے دکھائے تھے میں الجھ کر رہ گئی، واقعی ہم میں سے کوئی یہ سوچ نہیں سکتا تھا کہ وہ اس طرح دھوکا دے گا۔"

"بہرحال جو ہونا تھا سو ہو گیا۔ اب آگے جو ہونا ہے ہمیں اس کے متعلق سوچنا چاہیے۔"

اسی وقت میری خیال خوانی کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ لیو چن ہیئر اسٹائل تبدیل کر کے آگئی تھی میرے شانے کو جھنجوڑتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ "یہ تم رسالے کے ایک ہی صفحے پر کیا دیکھ رہے ہو؟"

میں نے چونک کر اُسے دیکھا پھر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اُسے یوں دیکھنے لگا جیسے اس میں حیرت انگیز تبدیلی آئی ہو اور وہ پہلے سے زیادہ حسین ہو گئی ہو اور یہی بات تھی لیکن میں خیال خوانی کے ذریعے پومی اور شیبا سے کہہ رہا تھا کہ "میں تھوڑی دیر کے لیے جا رہا ہوں۔ موقع ملتے ہی پھر آؤں گا۔ شیبا! تم والسوروکی اور سلیماق جوگو کو پومی کے موجودہ حالات بتا دو۔"

میں نے مسکرا کر لیو چن کو دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالا۔ پھر اُسے لیتا ہوا بیوٹی پارلر سے باہر آگیا۔ مسٹر نوکو نے پومی کو چوبیس گھنٹے کی مہلت دی تھی اور کہا تھا، وہ خود فیصلہ کرے کہ اسے کس طرح اپاہج بنایا جائے۔ یہ چوبیس گھنٹے ہمارے لیے کافی تھے۔ میں نے باہر فٹ پاتھ پر پہنچ کر چونکتے ہوئے لیو چن سے کہا۔ "اوہو، میں بیوٹی پارلر کا یہ رسالہ بھول سے لے آیا ہوں۔ تم کسی ٹیکسی کو آواز دو، میں ابھی اسے رکھ کر آتا ہوں۔"

میں اُسے رکھنے کے بہانے سے گیا۔ وہاں سے واپس آنے تک میں نے جناب شیخ الفارس کو پومی کے موجودہ حالات نہایت ہی اختصار سے بتا دیے۔

انھوں نے کہا۔ "یہ اچھا ہی ہوا کہ پومی کو ایک ٹھوکر لگی ہے۔ مسلسل کامیابی انسان کو مغرور، بہت زیادہ خوش فہم بنا دیتی ہے۔ بہرحال میں اس کے لیے کچھ کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

میں لیو چن کے پاس پہنچا ایک ٹیکسی موجود تھی ہم دونوں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ وہ مجھے ایک بہت بڑے ڈیپارٹمنٹل اسٹور میں لے آئی۔ وہاں اس نے میرے لیے چند سوٹ خریدے۔ مجھے ایک مکمل جینٹلمین بنانے کے لیے اور بھی طرح طرح کی چیزیں خریدتی رہی۔ میں زیادہ دھیان نہیں دے رہا تھا جب بھی موقع ملتا تھا پومی کی خبر لیتا تھا اور تدبیر سوچتا تھا کہ اُسے کس طرح وہاں سے نکالا جا سکتا ہے۔

پھر میں نے سوچا، مجھے اس سلسلے میں زیادہ پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ ایک تو شیبا وہاں موجود ہے۔ جناب شیخ صاحب اپنے طور پر کوشش کر رہے ہوں گے۔ کسی بھی مسئلے میں پریشان ہونے سے مسئلہ حل نہیں ہوتا بلکہ اور الجھ جاتا ہے۔ لہٰذا اس سلسلے میں اطمینان سے سوچنا چاہیے۔ فی الحال تفریح کے ذریعے اپنے دماغ کو سکون پہنچانا چاہیے۔

وہ مجھے ایک ایسی عمارت میں لے آئی جہاں مساج اور باتھ.... کا اہتمام تھا یعنی پہلے بدن کی مالش کی جاتی تھی۔ پھر غسل کیا جاتا تھا۔ بھاپ کے ذریعے غسل کرنے کے لیے ایک بڑا ہال تھا جس میں کئی لوگ ایک ساتھ غسل کر سکتے تھے۔ اس کے علاوہ فیملی روم بھی تھے اور اسپیشل روم بھی۔ اس نے ہمارے لیے ایک اسپیشل روم لیا۔ بھاپ سے غسل کرنے کا لطف ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ سوئچ آن کرتے ہی ہلکا ہلکا سا سفید دھواں کمرے میں یوں پھیلتا ہے جیسے دھند چھا گئی ہو۔ پانی کے بغیر ہی جسم آپ ہی آپ نم ہونے لگتا ہے۔ ہلکی ہلکی سی آنچ محسوس ہوتی ہے۔ شمالی امریکا کی سردی میں یہ آنچ بڑی ہی لطیف اور سکون پرور ہوتی ہے۔ میں آرام سے ایک مساج بیڈ پر لیٹ گیا۔

وہ میرے قریب آ گئی۔ پہلے میرے ہاتھوں کی مالش کرنا چاہتی تھی۔ مگر نہ کر سکی۔ مجھے ہاتھ لگاتے ہی دروازے پر دستک سنائی دی۔ ہم نے ناگواری سے دروازے کی طرف دیکھا۔ ایسی گنگناتی ہوئی خاموشی اور تنہائی میں کسی کی بھی مداخلت ناگوار گزرتی ہے۔ ہم نے جواب نہیں دیا۔

پھر دستک سنائی دی۔ لیوچن نے ادھر جاتے ہوئے ذرا اونچی آواز میں کہا: "یہ کیا بیہودگی ہے۔ کیا ہمارے دروازے پر ڈونٹ ڈسٹرب کا فلیگ لگا ہوا نہیں ہے؟"

دوسری طرف سے آواز آئی: "ہم نے وہ فلیگ پھاڑ کر پھینک دیا ہے۔ دروازہ کھولو۔"

میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ آواز سنتے ہی خیال خوانی کی پرواز کرتے ہوئے بولنے والے کے دماغ میں پہنچ سکتا تھا لیکن میری چھٹی حس نے منع کیا۔ یقیناً مجھے تلاش کیا جا رہا تھا۔ تلاش کرنے والے یوگا کے ماہر ہو سکتے تھے۔ جیسے ہی میں دماغ میں پہنچنے کی کوشش کرتا، انھیں یقین ہو جاتا کہ میں فرہاد ہوں اور دروازہ کھولنے سے پہلے ان کی اصلیت معلوم کرنا چاہتا ہوں۔

لیوچن نے بند دروازے کے سامنے پہنچ کر کہا: "میں کہتی ہوں، واپس چلے جاؤ اور ہمیں ڈسٹرب نہ کرو۔"

دوسری طرف سے آواز آئی: "لڑکی، ٹھیک تمہارے سامنے دروازے کے دوسری طرف ریوالور کی نال ہے یعنی تم نشانے پر ہو۔"

لیوچن گھبرا کر ایک طرف ہو گئی۔ دوسری طرف سے پھر آواز آئی: "شاید تم نشانے سے ہٹ گئی ہو، کوئی بات نہیں۔ یہ ریوالور دروازے کے لاک کو توڑ سکتا ہے۔ ہم تین تک گنتے ہیں، دروازہ کھول دو، ورنہ یہ ٹوٹ جائے گا۔"

میں نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا: "اپنے ہتھیار جیب میں رکھ لو۔ میں دروازہ کھول رہا ہوں۔"

لیوچن نے گھبرا کر کہا: "یہ کیا کر رہے ہو، وہ ہمیں مار ڈالیں گے۔"

"ہم کسی کے دشمن نہیں ہیں پھر بھلا ہمارا کون دشمن ہو سکتا ہے۔ آنے والوں کو شاید ہمارے متعلق کوئی غلط فہمی ہے۔"

میں نے دروازے کو کھول دیا۔ باہر دو سیاہ فام نیگرو اور دو سفید امریکی کھڑے ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ ایک نیگرو عورت بھی تھی۔ ایک ہٹے کٹے نیگرو نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ کر مجھے پیچھے کی طرف دھکا دیا۔ میں لڑنا نہیں چاہتا تھا، اس لیے لڑکھڑا کر پیچھے چلا گیا۔ وہ چاروں میرے چاروں طرف آ گئے اور گھوم گھوم کر مجھے دیکھنے لگے۔ ایک نے کہا: "ویسا ہی قد ہے، ویسی ہی جسامت ہے۔"

ایک نے اپنے شانے سے کیمرے کو اتار کر اس کے لینس میں مجھے دیکھنا شروع کیا۔ پھر اس نے کہا: "اسی طرح کھڑے رہو۔"

اس کے بعد اس نے بٹن دبا دیا۔ فلیش لائٹ کے ساتھ ہی میری تصویر اتار لی گئی۔ وہ انسٹنٹ کیمرہ تھا۔ ایک منٹ کے اندر ہی میری تصویر برآمد ہوئی۔ میں اسی طرح مائیکل گارسن نظر آ رہا تھا۔ اس نے امیٹی میک اپ کیمرے سے میری تصویر اتاری تھی۔ وہ معلوم کرنا چاہتے تھے، میں میک اپ میں ہوں یا نہیں۔ تصدیق ہو گئی کہ میک اپ نہیں ہے مگر پلاسٹک سرجری کے ذریعے کیے ہوئے میک اپ کو سمجھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

وہ لوگ میرے قریب آ کر میرے چہرے کو، میری گردن کو چھو کر ٹٹول کر دیکھنے لگے۔ میں نے حیرانی سے پوچھا: "آخر بات کیا ہے؟"

ایک نے ڈانٹ کر کہا: "یو شٹ اپ۔"

میں نے کہا: "میں تو بڑی دیر سے خاموش ہوں مگر معلوم ہونا چاہیے کہ تم لوگ کیا چاہتے ہو۔ مجھ میں کیا دیکھ رہے ہو؟"

ایک سفید فام نے پوچھا: "تم کون ہو، کہاں رہتے ہو، اس چینی لڑکی سے تمہاری دوستی کیسے ہوئی؟"

لیوچن نے آگے بڑھ کر کہا: "کسی چینی لڑکی سے دوستی کرنا جرم نہیں ہے۔ یہ مائیکل گارسن ہے، برسوں سے ہمارا کرائے دار ہے۔"

وہ اپنے باپ کا نام اور اپنے مکان کا پتا بتانے لگی۔

ایک نے چھوٹا سا ٹرانسمیٹر اپنی جیب سے نکالا، پھر رابطہ قائم کرنے کے بعد کسی سے کہنے لگا: "ہیلو ریڈی، تم جس علاقے میں ہو وہاں لاؤچن نامی ایک چینی باشندہ نقلی زیورات کا کاروبار کرتا ہے۔ اس کی دکان پر فائن امیٹیشن کا بڑا سا سائن بورڈ لگا ہوا ہے۔ وہاں معلوم کرو کیا اس کی بیٹی کا نام لیوچن ہے اور مائیکل گارسن نامی ایک امریکی شخص کتنے عرصے سے ان کا کرائے دار ہے؟"

دوسری طرف سے کہا گیا: "میں ابھی معلوم کر کے تمہیں بتاتا ہوں۔ انتظار کرو۔"

وہ انتظار کرنے لگے۔ مجھے اور لیوچن کو بھی ان کے ساتھ انتظار کرنا پڑا۔ اس عمارت کا مینیجر بھی آ گیا تھا، وہ اعتراض کر رہا تھا: "یہ نہایت ہی نامناسب ہے۔ آپ لوگ ہمارے گاہکوں کو دہشت زدہ کر رہے ہیں۔ آخر آپ کسے تلاش کر رہے ہیں؟"

ایک نے کہا: "جب وہ مل جائے گا تو اخبارات میں پڑھ لینا۔"

وہ بتانا نہیں چاہتے تھے مگر صاف ظاہر تھا، مجھے ہی تلاش کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہوا، اس نے اسے آن کیا۔ دوسری طرف سے آواز سنائی دی: "میں اس وقت لاؤچن کے مکان میں ہوں۔ میں نے معلومات حاصل کی ہیں۔ ہمارے آدمیوں نے آس پاس کے گھروں میں جا کر بھی مائیکل گارسن کے متعلق پوچھا ہے۔ اس بات کی تصدیق ہو گئی ہے کہ وہ ایک عرصے سے ان کا کرائے دار ہے اور لیوچن اس کے مالک لاؤچن کی بیٹی ہے۔"

وہ چاروں ٹرانسمیٹر سے ابھرنے والی آواز سن رہے تھے اور مجھے دیکھتے جا رہے تھے۔ پھر انھوں نے اسے آف کر دیا۔ ایک پولیس آفیسر چند سپاہیوں کے ساتھ وہاں آ گیا تھا۔ ٹرانسمیٹر آف کرنے والے نے پولیس آفیسر سے کہا: "اس کا نام مائیکل گارسن ہے۔ یہ نام مشکوک افراد کی فہرست میں لکھ لیا جائے اور اسے چائنا ٹاؤن تک پابند رکھا جائے۔"

پولیس آفیسر نے تائید میں سر ہلا کر مجھ سے کہا: "مسٹر گارسن، آج کے بعد تم چائنا ٹاؤن سے باہر نہیں جاؤ گے۔ روز صبح نو بجے اور رات کو نو بجے پولیس اسٹیشن میں پہنچ کر اپنی موجودگی کی رپورٹ دو گے۔"

میں نے بیزاری سے پوچھا: "لیکن میرا قصور کیا ہے؟"

"تو آرگومنٹس، جو کہا جا رہا ہے، اس پر عمل کرو۔ کل سے تھانے میں تمہاری حاضری ضروری ہے۔ اگر حکم کی تعمیل نہ کی گئی تو تمہیں حوالات میں رکھا جائے گا۔"

پولیس آفیسر نے حکم صادر کیا۔ پھر ان سب کے ساتھ وہاں سے چلا گیا۔ ہم کمرے میں پھر تنہا رہ گئے۔ لیوچن نے دروازے کو اندر سے بند کیا۔ تیزی سے چلتی ہوئی میرے پاس آئی، پھر بولی۔ "میں ڈر رہی تھی کہیں وہ بریف کیس کے متعلق نہ پوچھ لیں۔ کیا انھوں نے ہمارا لاکر چیک کیا ہوگا؟"

اس عمارت میں جو لوگ مساج اینڈ باتھ کے لیے آتے تھے وہ اپنے کپڑے اور اپنا سامان ایک لاکر میں رکھ کر اس کی چابی اپنے ساتھ غسل خانے میں لے آتے تھے تاکہ ان کا مال لاکر میں محفوظ رہے۔

میں نے کہا: "چابی ہمارے پاس ہے۔ وہ بھلا کیسے چیک کریں گے۔ میرا خیال ہے یہ بریف کیس کا معاملہ نہیں ہے کوئی اور چکر ہے۔"

"کوئی بھی چکر ہو۔ یہ بتاؤ کیا اتنی دولت اسی بریف کیس میں تمہیں ملی تھی، جو ابھی ہمارے ساتھ ہے؟"

"میں اتنا نادان نہیں ہوں۔ میں نے بریف کیس بدل دیا تھا۔ ایک نیا بریف کیس لے کر تمام رقم اس میں رکھ لی اور جس بریف کیس میں دولت پائی گئی تھی اسے ایک جگہ پھینک دیا تھا۔"

وہ اطمینان کی سانس لیتے ہوئے بولی: "پھر تو ہمیں ڈرنا نہیں چاہیے۔ ویسے احتیاط لازمی ہے۔ ہمیں یہاں سے نکلتے ہی اس دولت کو کہیں چھپانے کا انتظام کرنا چاہیے۔"

ہم اس کمرے میں تقریباً ایک گھنٹے تک رہے۔ اس بریف کیس کو چھپانے کے متعلق وہ سوچتی رہی۔ بظاہر تو میں بھی سوچنے میں اس کا ساتھ دیتا رہا مگر مجھے اس رقم کی پروا نہیں تھی۔ جب وہ سوچنے لگتی تو بظاہر میں بھی سوچنے لگتا لیکن خیال خوانی کی پرواز کرتے ہوئے پومی کے پاس پہنچ جاتا۔ وہاں جو کچھ ہو رہا تھا، وہ میں لیوچن سے فرصت پانے کے بعد بیان کروں گا۔

اس باتھ روم میں اتنا وقت گزارنے کا مقصد یہ بھی تھا کہ مجھے تلاش کرنے والے اس عمارت سے دور نکل جائیں۔ ایک گھنٹے کے بعد جب مجھے یقین ہو گیا کہ میری تلاش میں آنے والے اور بھی مختلف لوگوں کے پاس پہنچ کر ان کے متعلق بھی چھان بین کرتے رہے ہوں گے۔ تب میں نے ان میں سے ایک کے دماغ میں چھلانگ لگائی۔ اب وہ مجھ پر شبہ نہیں کر سکتے تھے کیونکہ میرے بعد وہ اور کئی لوگوں پر فرہاد ہونے کا گمان کرتے رہے تھے۔ خیال خوانی کے متعلق بھی کسی اور پر شبہ ہو سکتا تھا۔

ایسی کوئی بات نہ ہوئی۔ میں آرام سے ایک شخص کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اس کے ذریعے معلومات حاصل کیں۔ پتا چلا، ان میں سے کوئی بھی یوگا کا ماہر نہیں ہے۔ یہ معلوم کرنے کے بعد میں اس شخص کے دماغ میں پہنچ گیا جس نے ٹرانسمیٹر کے ذریعے گفتگو کی تھی۔ وہ کسی دوسرے علاقے میں پہنچ کر فرہاد کو تلاش کر

رہا تھا۔ اس کے ساتھ بھی چار افراد تھے۔ انھوں نے پانچ پانچ افراد کی ٹولیاں بنائی تھیں اور ایسی بہت سی ٹولیاں پورے مین ہٹن میں پھیلی ہوئی تھیں۔ نیویارک کے اس حصے میں مجھے اور سونیا کو مکانوں میں، دکانوں میں، ہوٹلوں میں اور کلبوں میں، گلیوں میں اور بازاروں میں ہر جگہ تلاش کیا جا رہا تھا۔

ہم اسپیشل باتھ روم سے نکل کر کاؤنٹر پر آئے۔ کاؤنٹر کے پیچھے بنے ہوئے لاکرز میں سے ایک لاکر کو کھول کر اپنا بریف کیس نکالا۔ پھر وہاں کی ادائیگی کر کے باہر آ گئے۔ قریب ہی ایک بڑے ریستوران میں کھانا کھایا۔ میں جلد سے جلد گھر پہنچ کر خیال خوانی کرنا چاہتا تھا۔ یومی کے پاس رہنا ضروری تھا۔

لیوچن بریف کیس میں رکھی ہوئی رقم کے لیے فکر مند تھی۔ وہ بھی جلد سے جلد گھر پہنچنا چاہتی تھی۔ اس نے کھانے کے دوران کہا: "کل صبح ہوتے ہی اسے بنک میں جمع کر دینا چاہیے۔"

میں نے کہا: "پولیس والے مجھ پر کڑی نظر رکھیں گے۔ اتنی بڑی رقم لے کر بنک میں جاؤں گا تو مجھ پر شبہ کیا جائے گا۔ یہ الزام آ سکتا ہے کہ میں نے کہیں ڈاکا ڈالا ہے۔"

"میرے فادر کے کمرے میں ایک ایسی دیوار ہے جس میں خفیہ خانہ ہے۔ وہاں یہ رقم چھپائی جا سکتی ہے لیکن میں نہیں چھپاؤں گی۔"

"کیوں؟"

"اس دولت کے لیے میں اپنے باپ پر بھی بھروسا نہیں کروں گی۔"

"مگر میں تم پر بھروسا کرتا ہوں۔ تم کل صبح یہ رقم بنک میں لے جاؤ اور اپنے نام سے جمع کر دو۔"

وہ خوشی سے کھل گئی۔ اگر ہمارے درمیان کھانے کی میز نہ ہوتی اور وہ ریستوران نہ ہوتا تو وہ دوڑتی ہوئی آ کر میرے گلے لگ جاتی۔ مارے خوشی کے ہاتھ سے کانٹا اور چمچ چھوٹ گیا تھا۔ اب اس سے کھایا نہیں جا رہا تھا۔ وہ نیپکن سے منہ پونچھتے ہوئے بولی۔ "میں رات بھر سو نہیں سکوں گی۔ اوہ گاڈ! اتنی دولت کے لیے تم مجھ پر بھروسا کر رہے ہو۔ یہ سب کچھ مجھے دے رہے ہو تاکہ اپنے نام سے جمع کر دوں۔ مجھے سن کر بھی یقین نہیں آ رہا ہے۔"

"تم ابھی یہ بریف کیس اٹھاؤ اور یہاں سے چلی جاؤ۔ میں تمھارا ہاتھ نہیں پکڑوں گا اور تم سے نہیں پوچھوں گا کہ اس دولت کا کیا کرو گی۔"

"اوہ مائیکل! آئی لو یو۔ میں تم سے اتنی محبت کرتی ہوں جتنی آج تک کسی نے کسی سے نہیں کی۔"

میں مسکرا کر رہ گیا۔ کھانے کے بعد ہم گھر واپس آ گئے۔ لیوچن کے والدین اور بھائی بہن بے چینی سے ہمارا انتظار کر رہے تھے، یوں کہنا چاہیے ہمارے ساتھ جانے والی دولت کے لیے فکر مند تھے۔ جب انھوں نے بریف کیس کو دیکھا تو اطمینان کی سانس لی۔ ہمیں بتایا کہ کچھ لوگ میرے اور لیوچن کے متعلق سوالات کر رہے تھے۔ انھوں نے اطمینان بخش جواب دے دیا ہے اور وہ مطمئن ہو کر چلے گئے ہیں۔ گھر والے بھی یہی سمجھ رہے تھے کہ میری تلاش میں آنے والے شاید بریف کیس کے لیے آئے ہیں لیکن جب انھوں نے بریف کیس کے متعلق نہیں پوچھا تو لیوچن کے والدین کو اطمینان ہو گیا۔ بہرحال ہم کمرے میں آ گئے۔ ہماری واپسی تک کمرے کا نقشہ ہی بدل گیا تھا۔ دوسرا پلنگ آ گیا تھا۔ صاف ستھرا بستر، نئی میز اور کرسیاں نظر آ رہی تھیں۔ لیوچن کے باپ نے اپنی زبان میں کہا: "جلدی میں جو کچھ بھی انتظام ہو سکتا تھا، وہ کر دیا گیا ہے۔ کل میرے لیے ہر ضرورت کا سامان مہیا کر دیا جائے گا۔"

لیوچن خاموش تھی۔ میں اس کے خیالات سمجھ رہا تھا۔ اسے صرف اس دولت کی فکر تھی کہ اسے کیسے چھپایا جائے۔ ساری دنیا سے بلکہ اپنے والدین سے بھی اسے کس طرح بچا کر رکھا جائے۔ اس نے ذرا سخت لہجے میں والدین اور بھائی بہن سے کہا: "بہت رات ہو چکی ہے۔ اپنے اپنے کمرے میں جا کر سو جاؤ۔ صبح بات چیت ہو گی۔"

اس کے باپ نے کہا: "بیٹی! جو بات ابھی کر لینا چاہیے اسے صبح تک ٹالنا مناسب نہیں ہے۔ یہ بہت بڑی رقم ہے، اسے چھپا کر اور بچا کر رکھنے کا انتظام ابھی کرنا ہو گا۔"

لیوچن نے کہا: "یہ رقم میری ہے۔ مائیکل نے مجھے دی ہے۔ جو بہتر سمجھوں گی وہ کروں گی۔ فی الحال تم سب یہاں سے جاؤ۔"

وہ بیٹی کو ناراض نہیں کر سکتے تھے۔ وہ جانتے تھے، مائیکل اس کا دیوانہ ہے جب تک دیوانہ رہے گا، دولت بیٹی کے پاس رہے گی اور بیٹی ان کے پاس رہے گی۔ وہ لیوچن کے حکم پر فوراً وہاں سے چلے گئے۔ اس نے دروازے کو اندر سے بند کرتے ہوئے کہا۔ "میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے، میں کیا کروں؟"

"تم کرنا کیا چاہتی ہو۔۔۔ کس بات کی فکر ہے؟"

اس نے بریف کیس کو اٹھا کر بستر پر رکھ لیا۔ اسے دونوں ہاتھوں سے تھام کر بولی: "جب تک دولت نہیں تھی۔۔۔ میں سوچتی تھی، دولت مند کتنے آرام اور بے فکری سے زندگی گزارتے ہوں گے۔ آج پتا چل رہا ہے، ایسے لوگوں کو نیند نہیں آتی ہو گی۔ میں سو نہیں سکوں گی۔ سوچتی رہوں گی۔۔۔ سوچتی ہی رہوں گی۔ اسے کہاں چھپاؤں، کیا کروں۔ بنک میں جمع کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ سوچتی ہوں، کہیں اتنی بڑی رقم کے متعلق انکوائری شروع نہ ہو جائے۔ میں کوئی جواب نہیں دے سکوں گی۔ ہم دونوں بری طرح

پھنس جائیں گے۔"

وہ بریف کیس کھول کر نوٹوں کی گڈیاں نکال نکال کر بستر پر رکھتی جا رہی تھی۔ کھڑکیوں اور دروازوں کو دیکھتی جا رہی تھی۔ وہ سب اندر سے بند تھے۔ باہر سے کوئی دیکھ نہیں سکتا تھا۔ وہ نوٹوں کو جی بھر کر دیکھنا چاہتی تھی۔ میں نے کہا: "صرف دیکھنے سے کام نہیں چلے گا۔ اطمینان سے بیٹھو۔ صبح ہونے میں بہت دیر ہے۔ ایک ایک نوٹ گنتی جاؤ، تاکہ تمھیں معلوم ہو کہ آج تم کتنی دولت مند ہو گئی ہو۔"

میں ایک کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔ وہ کبھی دونوں ہاتھوں سے نوٹوں کی گڈیوں کو سمیٹ کر اپنے سینے سے لگا رہی تھی، کبھی ایک ایک گڈی کو اٹھا کر چومتی تھی۔ اپنے رخساروں سے لگاتی تھی۔ پھر ان گڈیوں کے ڈھیر پر اوندھے منہ جھک جاتی تھی۔ دولت کے انبار میں اپنا منہ، اپنا سر چھپا لیتی تھی۔ جیسے اس انبار میں زندہ دفن ہو جانا چاہتی ہو۔

میں چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔ جب وہ ایک ایک گڈی اٹھا کر ایک ایک نوٹ کو گننے لگی تو یقین ہو گیا کہ اب گھنٹوں گزر جائیں گے۔ وہ مجھ سے مخاطب نہیں ہو سکے گی لہٰذا میں یومی کے پاس پہنچ گیا

★

وہ آہنی سلاخوں کے پیچھے کھڑی ہوئی تھی۔ اسے یاد نہیں آ رہا تھا کہ آج سے پہلے کبھی اس طرح قید کی گئی ہو۔ اسے اپنی حماقت پر غصہ آ رہا تھا، کس طرح وہ مسٹر نوکو کی باتوں میں الجھ گئی تھی اور اس کی طرف سے بے خبر ہو گئی تھی۔

جناب شیخ الفارس نے درست کہا تھا، زندگی کے عملی میدان میں یومی کو ٹھوکر کھانا چاہیے تاکہ اپنے متعلق جو بھی خوش فہمی ہے وہ ختم ہو جائے اور یہ بات ہمیشہ یاد رہے کہ کمزور سے کمزور اور غافل سے غافل دشمن بھی ہمیشہ غافل نہیں رہتا، بلکہ اس کی غفلت ایک فریب ہوتی ہے۔ آج یہ سبق یومی کو مل رہا تھا۔

اس نے ٹریننگ کے دوران والٹسوروکی سے بڑی مار کھائی تھی۔ تب کہیں جا کر حملوں سے بچنے کے گر سیکھے تھے۔ استاد سے مار کھانے میں کوئی شرمندگی نہیں ہوتی۔ اسے تھوڑی دیر کے لیے غصہ اس بات پر آ گیا تھا کہ مسٹر نوکو نے لات ماری تھی۔ یہ غصہ چند لمحوں کے لیے تھا۔ پھر جناب شیخ الفارس کی تربیت کام آئی تھی۔ بابا صاحب کے ادارے میں انھیں سکھایا جاتا تھا کہ کن حالات میں کس طرح دماغ کو قابو میں رکھنا چاہیے خواہ غصے کے جذبات ہوں، خواہ جسمانی خواہشات ہوں۔ ان سب پر کس طرح قابو پایا جا سکتا ہے اور اس نے غصے پر قابو پا لیا تھا۔ دماغ کو جو گرم ہو رہا تھا، فوراً ہی یہ سوچ کر ٹھنڈا کر لیا تھا کہ مسٹر نوکو نے دھوکے سے لات چلائی تھی۔ آئندہ جب کبھی سامنے آئے گا تو ہمیشہ کے لیے لاتیں چلانا بھول جائے گا۔

اس نے ایک سرسری سی نظر اس بڑے سے کمرے میں ڈالی۔ جس میں قید کی گئی تھی۔ پھر وہ کمرے کے وسط میں فرش پر پلتھی مار کر بیٹھ گئی۔ دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھ لیے پھر آنکھیں بند کر لیں۔ دوسرے ہی لمحے وہ ایسی ساکت ہو گئی تھی جیسے پتھر کی مورت ہو گئی ہو، ہلنا نہ جانتی ہو۔ اس کے جسم کا کوئی بھی حصہ جنبش نہیں کر رہا تھا۔ یوں لگتا تھا، وہ بے حس و حرکت ہو گئی ہے یا بیٹھے بیٹھے اس کا دم نکل گیا ہے۔

وہ دم سادھے ہوئے تھی۔ کوئی قریب سے جا کر بھی دیکھتا تو اسے مردہ سمجھتا کیونکہ وہ سانس نہیں لے رہی تھی۔ مراقبے میں پہنچ کر سانس روک کر اپنے دماغ کو پہلے تو سکون پہنچا رہی تھی۔ پھر وہ بہت آہستہ آہستہ اندر کی سانس باہر چھوڑنے لگی۔ اس کے بعد اسی طرح آہستہ آہستہ سانس لیتے ہوئے سوچنے لگی: "ابھی میں ایک بند کمرے میں ہوں۔ ایسے بند کمرے میں جس کے باہر دیکھ سکتی ہوں کیونکہ آہنی سلاخوں والا دروازہ ہے اور یہی ایک نکلنے کا راستہ ہے۔ ابھی میں نے کمرے میں چاروں طرف سرسری نظر ڈالی تھی۔ یہاں ایک بھی کھڑکی نہیں ہے۔ کوئی چھوٹا سا روشندان بھی نہیں ہے۔ یہ محل تین منزلہ ہے، میں گراؤنڈ فلور میں ہوں۔ لہٰذا یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ چھت کمزور ہو گی۔ یعنی اس کمرے سے نکلنے کے لیے وہی آہنی سلاخوں والا دروازہ ہے جس پر بجلی کی لہر دوڑ رہی ہے۔

میں جانتی ہوں، میرے پاس بیرونی امداد پہنچے گی۔ پہلی مدد ٹیلی پیتھی کے ذریعے، دوسری والٹسوروکی اور سلیمان جوگو کے ذریعے لیکن جناب شیخ الفارس نے نصیحت کی ہے، ایسے مشکل حالات میں کبھی بیرونی امداد کی امید نہیں رکھنا چاہیے۔ خواہ وہ امداد پہنچے یا نہ پہنچے، اپنی ذات پر بھروسا کرنا چاہیے۔ جو شخص اپنی حماقت سے پھنستا ہے وہ اپنی ذہانت سے نکل بھی سکتا ہے اور مجھے اپنی ذہانت سے کام لینا ہو گا۔

اب مجھے یہ سوچنا چاہیے کہ میرے پاس ایسا کون سا ہتھیار یا کون سی صلاحیت ہے جس کے ذریعے میں اس دروازے کے پار جا سکتی ہوں؟"

اس کے دماغ میں اس سوال کا جواب پیدا ہوا۔ اس دروازے کے پار جانے کے لیے کوئی بھی ہتھیار، کوئی بھی صلاحیت استعمال کی جائے مگر لازمی ہے کہ پہلے بجلی کی لہر کو ختم کیا جائے۔

یہ سوچتے ہی اس کی آنکھیں پٹ سے کھل گئیں۔ وہ دیدے پھیلا کر اس آہنی دروازے کو گھورنے لگی۔ اس کا دماغ کہہ رہا تھا،

آہنی دروازے کی چوکھٹ نہیں ہے۔ وہ دروازہ دیوار کی اندرونی حصے سے برآمد ہوا تھا اور فوراً نیچے پہنچ کر ٹھہر گیا تھا۔ یعنی وہ دروازہ دائیں بائیں نہیں کھلتا تھا بلکہ اُسے کھولنے کے لیے اوپر کی طرف اُٹھایا جاتا تھا اور کسی کو قید کرنے کے لیے دروازے کو نیچے فرش پر پہنچایا جاتا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ بجلی کا تار دیوار کے اوپری حصے میں اندر چھپا ہوا ہے یعنی کنسیلڈ وائرنگ کی گئی ہے اس تار کا سراغ لگایا جائے اور اس تار کو کاٹ دیا جائے تو بجلی کی سپلائی رک جائے گی۔ پھر وہ نہایت آسانی سے آہنی دروازے کو اوپر کی طرف اٹھا کر دوسری طرف جا سکے گی۔

وہ سوچتے سوچتے چونک گئی۔ اُسے مسٹر نوکو کی آواز سنائی دی۔ اُس نے فوراً اُٹھ کر چاروں طرف گھومتے ہوئے دیکھا، وہ خفیہ اسپیکر جس کے ذریعے آواز سنائی دے رہی تھی، کمرے میں نہیں تھا۔ کمرے کے باہر کہیں قریب تھا اور آواز صاف طور پر آرہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا "ہیلو پومی! کس حال میں ہو؟ اب تک تمہاری سمجھ میں آگیا ہوگا کہ یہاں سے کسی طرح بھی نکل نہیں سکو گی۔ تمہارے فرہاد کی ٹیلی پیتھی بھی یہاں ناکام ہوگی۔"

وہ چپ چاپ کھڑی رہی۔ تھوڑی دیر تک دوسری طرف خاموشی رہی۔ پھر اس نے پوچھا "تم خاموش کیوں ہو... کیا جال میں پھنستے ہی چوکڑیاں بھول گئی ہو۔"

وہ پھر بھی چپ رہی۔ سلاخوں کے باہر دوسری طرف دیکھتی رہی۔ ذرا دیر تک خاموشی رہنے کے بعد اُسے ایک انسانی سایہ نظر آیا۔ وہ چونک کر ایک قدم آگے بڑھ گئی۔ سلاخوں کے پار فرش پر ایک بھاری بھرکم شخص کا سایہ نظر آرہا تھا۔ وہ سایہ فرش پر رینگ رہا تھا یعنی جس کا سایہ تھا وہ اِدھر آرہا تھا پھر آنے والا نظر آگیا۔ وہ دی کلر تھا۔ اس کی طرف دیکھ کر دانتوں کی نمائش کرتا ہوا مسکرا رہا تھا۔ پومی نے کہا "اچھا مسٹر نوکو! تم دی کلر کے ذریعے بول رہے ہو۔"

اس نے جواب دیا "یس، دی آر ٹو اِن وَن۔ ہم ایک میں دو ہیں یعنی اس جسم میں دی کلر کی روح ہے اور میرا کمپیوٹر کا دماغ ہے۔ اس جسم میں دی کلر کی حیرت انگیز قوت ہے اور میری رہنمائی ہے۔ میں بولتا ہوں، یہ حرکت کرتا ہے۔"

پومی نے کہا "تم ٹھیک کہتے ہو۔ تم دونوں کو ایک میں دو ہونا ہی چاہیے کیونکہ میں بھی دی کلر کو گردن سے دو کرنے والی ہوں۔"

دی کلر نے بڑا ہی بھیانک قہقہہ لگایا، پھر کہا "میں اس لیے ہنس رہا ہوں کہ چھوٹے مُنہ سے بڑی بات سن کر ہنسنا ہی چاہیے۔ پہلے تو میں نے سوچا تھا تجھے ایسی عبرتناک سزا دوں کہ اس کے بعد کوئی میری گردن کاٹنے کی بات بھی زبان تک نہ لا سکے۔ پھر میں نے سوچا ایک نادان بچی پر ہاتھ اٹھانا میرے شایانِ شان نہیں ہے اس لیے میں رسّی کا یہ بنڈل اور یہ چاقو لے آیا ہوں۔"

اس نے ایک لانبا سا چاقو دکھایا۔ پھر اسے پومی کی طرف اچھال دیا۔ وہ چاقو سلاخوں کے درمیان سے گزرتا ہوا پومی کے قدموں میں آکر ٹھہر گیا۔ اس نے کہا "اس چاقو کے ذریعے تم خود کو اپاہج بنا دو گی۔ میری گردن کاٹنے والی اپنی کوئی ایک ٹانگ کاٹ کر پھینک دو گی یا ایک ہاتھ کاٹ دو گی۔ جب تک ایسا نہیں کرو گی، یہیں قید رہو گی۔ بھوکی پیاسی مرتی رہو گی۔ تمہارے حلق تک پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں پہنچے گا۔"

پومی نے اپنے قدموں میں پڑے ہوئے چاقو کو دیکھا پھر دی کلر کی طرف نظر اٹھائی، وہ کہہ رہا تھا "تمہاری نجات کا ایک اور راستہ ہے اگر تم خود کو اپاہج بنانا نہ چاہو، ہمارے سامنے جھکنا پسند نہ کرو تو پھندا گلے میں ڈال کر خودکشی کر سکتی ہو۔ اس طرح اپاہج ہوئے بغیر آرام سے مر جاؤ گی۔"

اس نے آگے بڑھ کر رسّی کے بنڈل کو دونوں سلاخوں کے درمیان رکھا۔ ایسا کرتے وقت وہ اس بات کا خیال رکھے ہوئے تھا کہ سلاخ سے اس کا جسم مس نہ ہونے پائے۔ پھر وہ بنڈل کمرے کے اندر پہنچ گیا۔ اس نے پیچھے ہٹ کر کہا "یہ دو چیزیں تمہیں مہیا کر دی گئی ہیں۔ اب میں چوبیس گھنٹے کے بعد آؤں گا۔ اگر تم خود کو اپاہج بنانا پسند کرو تو چیخ چیخ کر مجھے آوازیں دینا، میں آجاؤں گا اور جب تمہیں اپاہج پاؤں گا تو یہاں سے آزاد کر دوں گا۔ تم رہائی پاکر اپنی دنیا میں واپس جاؤ گی اور لوگوں کے لیے ایک عبرتناک تماشا بن جاؤ گی۔"

وہ خاموش تھی مگر پریشان نظر آرہی تھی۔ دی کلر نے اُسے فاتحانہ انداز میں دیکھا۔ پھر وہاں سے پلٹ کر جانے لگا۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہوگیا تو اچانک وہ مسکرانے لگی۔ دشمن نے جو ہتھیار خودکشی کے لیے دیے تھے وہ اس کی زندگی کا سامان بن گئے تھے۔ اُسے جن چیزوں کی ضرورت تھی وہ اُسے مل گئی تھیں۔

کمرے میں ایک پلنگ۔ ایک چھوٹی سی ٹیبل اور ایک کرسی تھی، یہ میز اور کرسی کھانے پینے کے لیے فراہم کی گئی تھیں۔ وہ میز کو اُٹھا کر آہنی سلاخوں کے پاس لے آئی۔ اس پر کرسی کو رکھ دیا۔ پھر اس پر چڑھ کر ان سلاخوں کے اوپری حصے تک پہنچ گئی۔ اسی حصے سے وہ آہنی دروازہ نمودار ہوا تھا۔

یہ بات سمجھنے کے لیے کسی غیر معمولی ذہانت کی ضرورت نہیں تھی کہ اس کمرے میں کنسیلڈ وائرنگ کی گئی ہے یعنی بجلی کے تار اس دیوار کے اندر سے گزارے گئے ہیں، جب بھی ایسی وائرنگ ہوتی ہے تو وہ تار دیوار کے بہت گہرے شگاف میں نہیں ہوتے۔ اس نے لانبے سے چاقو کو کھول لیا۔ پھر اس کی نوک سے دیوار کو کھرچنے لگی۔ کنسیلڈ وائرنگ کس حصے میں تھی، یہ سمجھنے میں ابھی وقت لگنے والا تھا، اس لیے میں اس کے پاس سے چلا آیا۔ میں نے وانٹسوروکی اور سلیمان جوگو کی خبر لی۔ وہ دونوں اب تک اس محل کے خاص مہمان بنے ہوئے تھے یعنی انھیں ایک کمرے میں قید کر دیا گیا تھا۔ کمرہ باہر سے مقفل تھا۔ وہ کھڑکی سے جھانک کر باہر دیکھ سکتے تھے مگر وہاں سے نکل نہیں سکتے تھے۔ ایک بار سلیمان جوگو نے کھڑکی کی چوکھٹ کو توڑنا چاہا تو چار شخص اسٹین گنیں لے کر سامنے کھڑے ہوگئے۔ میں نے وانٹسوروکی سے پوچھا "کیا ثیبا آئی تھی؟"

"وہ بہت دیر سے میرے پاس تھی، اپنی مصروفیات بتاتی رہی۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے گئی ہے۔"

مجھے ثیبا کی آواز سنائی دی "میں پھر آگئی ہوں۔"

میں نے پوچھا "کیا کرتی پھر رہی ہو؟"

اس نے میرے دماغ میں آکر کہا "میں اس ملازمہ کے دماغ میں پہنچ گئی ہوں جو دی کلر کی دیکھ بھال کرتی ہے۔ یعنی جب مسٹر نوکو کمپیوٹر کے ذریعے اُسے گائیڈ نہیں کرتا ہے اور وہ تین برس کا بچہ بن جاتا ہے تب وہ ملازمہ اس کی نگرانی کرتی ہے۔ ایسی دو عورتیں ہیں جن کی ڈیوٹی بدلتی رہتی ہے۔ ان میں سے ایک کا دماغ میری مٹھی میں ہے۔ دوسری ڈیوٹی پر آئے گی تو میں اس کے دماغ میں بھی پہنچ جاؤں گی۔"

میں نے تعجب سے پوچھا "وہ دی کلر کے متعلق بہت محتاط ہوں گے۔ اس کی نگرانی کرنے والی عورتیں کبھی مُنہ سے آواز بھی نہیں نکالتی ہوں گی۔ پھر تم اُس کے دماغ میں کیسے پہنچ گئیں؟"

"اسے اتفاق سمجھو۔ میں وانٹسوروکی کے دماغ میں تھی۔ اس سے باتیں کر رہی تھی کہ کمرے کے باہر کسی عورت کی آواز سنائی دی۔ میں نے ذرا توجہ سے سُنا تو صاف طور پر ایک فقرہ سنائی دیا۔ بس اتنا ہی کافی تھا۔ میں نے اس کے دماغ میں چھلانگ لگائی، پتا چلا، وہ وانٹسوروکی کے کمرے کے سامنے سے گزر رہی تھی۔ وہاں چار آدمی اسٹین گن لیے پہرہ دے رہے تھے۔ ان میں سے ایک شخص اکثر اس سے اظہارِ عشق کیا کرتا تھا اور وہ انکار کرتی تھی۔ اس بار وہ اس کے قریب سے گزر رہی تھی، اس نے ہاتھ پکڑ لیا۔ جس پر عورت نے تلملا کر اُسے بُرا بھلا کہا۔ ایسے ہی وقت میں اس کے دماغ میں پہنچ گئی۔"

"ابھی اس پر ظاہر نہ کرنا کہ اس کا دماغ تمہارے قابو میں ہے۔"

"میں نے خاموشی اختیار کی۔ دی کلر جب تین برس کا بچہ بن کر فیڈر کے ذریعے دودھ پیتا ہے تو میں اس عورت کے ذریعے دودھ میں کوئی مضر رساں چیز حل کرا سکتی ہوں۔"

"ایسا کبھی نہ کرنا۔ پومی اسے پسند نہیں کرے گی۔ دی کلر اس کا شکار ہے۔ جب بہت مجبوری ہوگی، پومی کے لیے نجات کا راستہ ممکن نہیں ہوگا تب ہم ایسی چالیں چلیں گے۔"

"فرہاد! میں پومی کے پاس سے آرہی ہوں۔ وہ بہت مجبور ہے، خطرے میں ہے۔ اس وقت ایک دیوار کو چاقو سے کریدتے ہوئے بجلی کے چھپے ہوئے تاروں کا سراغ لگانے کی کوشش کر رہی ہے۔ وہ اکیلی کچھ نہیں کر سکتی۔ ہمیں کچھ کرنا ہوگا۔"

"نہیں ثیبا۔ اس نے کئی برس کی ریاضت کے بعد عملی میدان میں قدم رکھا ہے اور ایک بہت بڑا چیلنج کیا ہے۔ یہ چیلنج اسی کے ہاتھوں پورا ہوگا۔"

اس نے موضوع بدلتے ہوئے کہا "میں بابا صاحب کا ادارہ چھوڑنے والی ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"جناب شیخ صاحب چاہتے ہیں، میں ادارے سے باہر رہوں پھر کسی دن، کسی مقام پر تم سے جا ملوں۔"

"دیکھیں، تقدیر ہمیں کہاں ملاتی ہے۔ تم نیویارک نہیں آسکتیں اس لیے کہ دشمنوں نے بڑی سختی سے ناکا بندی کی ہے، میں یہ نہیں چاہوں گا کہ تم آؤ اور کسی نئی مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ۔"

"نیویارک نہ سہی، کسی اور شہر میں ملیں گے۔ مجھے یقین ہے، تم جلد ہی وہاں سے نکل جاؤ گے۔"

"تم بابا صاحب کے ادارے سے کب آرہی ہو؟"

"شاید دو دن کے بعد جناب شیخ صاحب مجھ پر تنویمی عمل کرانا چاہتے ہیں۔ ایک معمولہ بنا کر میرے دماغ میں ایسی اہم باتیں نقش کرانا چاہتے ہیں جو زندگی کے عملی میدان میں کام آئیں گی۔"

"یہ تمہارے لیے بہتر ہوگا۔ ایسی اہم باتیں تم کبھی بھلا نہیں سکو گی۔ بہرحال اب ہمیں پومی کی طرف توجہ دینا چاہیے۔"

میں اس کے پاس پہنچ گیا۔ ثیبا بھی موجود تھی یا نہیں، میں نے معلوم نہیں کیا۔ اتنی دیر میں پومی نے وہ تار ڈھونڈ نکالا تھا جو دیوار کے اندر چھپا ہوا تھا۔

اُس نے جہاں تک دیوار کو چاقو سے کھودا تھا، وہاں سے پلاسٹک کا ایک پتلا سا پائپ نظر آرہا تھا۔ بجلی کے تار کو اس پائپ کے اندر سے گزارا گیا تھا۔ اگر وہ چاقو سے اس پائپ اور تار کو کاٹنا چاہتی تو اسے بجلی کا جھٹکا پہنچتا۔ وہ ایسی حماقت نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے ذرا دیر سوچنے کے بعد پھر چاقو کی نوک سے دیوار کو اور گہرائی تک کھودنا شروع کیا۔ اس پائپ کے پیچھے بھی دیوار

میں اتنی جگہ بن گئی کہ وہاں سے رسّی کے ایک سرے کو گزار کر دوسری طرف سے نکالا جاسکتا تھا۔

وہ یہی کرنے لگی۔ رسّی کے ایک سرے کو اس کھودے ہوئے حصّے میں ڈال کر پائپ کے دوسری طرف سے باہر لے آئی۔ پھر اس نے چاقو کے تیز پھل کو رسّی اور پائپ کے درمیان رکھا۔ چاقو کا دھار والا حصّہ پائپ کی طرف تھا۔ پھر اس نے رسّی کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچنا شروع کیا۔ اس طرح چاقو کے پھل سے وہ پائپ کٹنے لگا۔

وہ تار کٹنے ہی والا تھا مگر چاقو کا پھل پلٹ گیا۔ اس نے پھر دوبارہ کوشش کی۔ چاقو کے پھل کو پھر اسی طرح رکھا اور رسّی کے دونوں حصّوں کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگی۔ یکبارگی اس نے زور کا جھٹکا دیا تو ایک ہلکی سی چنگاری اڑی اور تار کٹ گیا۔

اس نے پلاسٹک کے نچلے پائپ کو ایک طرف موڑ دیا تاکہ تار کے دونوں کٹے ہوئے حصّے ایک دوسرے سے مل نہ سکیں۔ اس کے بعد وہ کرسی اور میز سے نیچے اتر آئی۔ اس نے چاقو کو آہنی سلاخ کے پاس پھینک کر دیکھا' وہاں بجلی کی لہر نہیں تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر آہنی دروازے کو چھولیا۔

وہاں کیا تھا؛

وہاں کچھ بھی نہ تھا۔

ایک دیو قامت درندہ جب تک جیتا چنگھاڑتا اور حملہ کرنے کی دھمکی دیتا ہے تب تک دلوں پر اس کی دہشت طاری رہتی ہے' جب وہ بے جان ہو کر گر پڑتا ہے تو مٹی کے پہاڑ کی طرح ہوتا ہے۔ جسے کوئی بھی کھود سکتا ہے۔ اس میں سے سرنگ بنا سکتا ہے۔ پومی نے سرنگ بنالی۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے آہنی دروازے کی دو سلاخوں کو پکڑ کر اٹھانے کی کوشش کی۔ وہ دروازہ بہت بھاری تھا مگر آہستہ آہستہ اٹھ رہا تھا۔ پھر وہ اس حد تک اٹھ گیا کہ پومی فرش پر پھسل کر دوسری طرف نکل سکے' اس نے ایسا ہی کیا۔ جیسے ہی وہ دوسری طرف گئی' دروازہ ایک دھماکے سے فرش پر واپس آگیا۔

وہ تھوڑی دیر تک اسی طرح فرش پر پڑی رہی۔ پھر اس نے کروٹ لے کر سر گھماتے ہوئے اس آہنی دروازے کی طرف دیکھا۔ دروازہ ویسے ہی بند ہوچکا تھا۔ ویسا ہی پہلے جیسا قید خانہ تھا۔ صرف قیدی نے رہائی پالی تھی۔ وہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ اپنے چاروں طرف دیکھا۔ وہ ایک کشادہ راہداری میں تھی۔ اس راہداری میں ایک طرف ایک سرے سے ایسے ہی قید خانے بنے ہوئے تھے۔ اس نے ایک طرف بڑھ کر دیکھا۔ اسے وہی عورت نظر آئی' ایسی عورتوں کے متعلق مسٹر نوکو کا دعوےٰ تھا' وہاں جتنی ہیں' وہ سب اس پر مرتی ہیں اور اپنی اپنی محبت کا ثبوت دینے کے لیے قیدی کی طرح زندگی گزار رہی ہیں۔

اس نے قید خانے کے سامنے پہنچ کر اس عورت کو مخاطب کیا۔ آواز سنتے ہی وہ آہنی دروازے کے پاس آئی پھر اس کی سلاخوں کو تھام کر بولی "تم کون ہو؟"

پومی نے جواب دیا "تمہاری طرح مسٹر نوکو کے عشق میں مبتلا ہو کر آئی ہوں اور یہاں قیدی کی حیثیت سے رہنا چاہتی ہوں۔"

"تو پھر قید خانے میں جاؤ۔ یہاں کیا کر رہی ہو؟"

"میں پوچھنے آئی ہوں' آخر کب تک اپنی محبت کا ثبوت دیتی رہو گی۔ کب تک یہاں قید رہو گی؟"

"جب تک وہ میرے پاس آتا رہے گا۔"

پومی نے چونک کر پوچھا "کیا وہ تمہارے پاس آتا ہے؟"

"کیا میں جھوٹ بول رہی ہوں؟"

پومی سوچنے لگی۔ مسٹر نوکو نے یہ بات دعوے سے کہی تھی کہ اسے عورتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور یہ عورت دعویٰ کر رہی تھی کہ وہ دلچسپی لیتا ہے۔ اس نے قیدی عورت سے پوچھا "کیا وہ آج رات بھی یہاں آئے گا؟"

وہ ہنستے ہوئے بولی "تم کیسی احمق ہو۔ اتنا بھی نہیں معلوم' آج سنڈے ہے۔ چھٹی کا دن ہے۔ وہ کہیں آرام سے سو رہا ہوگا۔"

"تم کیوں جاگ رہی ہو؟"

وہ سرد آہ بھر کر بولی "میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ وہ ہفتے میں ایک دن چھٹی مناتا ہے۔ میں یہ ایک رات بڑی مشکلوں سے گزارتی ہوں۔"

پومی دوسری قیدی عورت کے پاس گئی۔ اس سے باتیں کرنے کے بعد پتا چلا' وہاں سب ایک جیسی دیوانی تھیں۔ اس دوسری عورت کا بھی یہی دعویٰ تھا کہ مسٹر نوکو ہر رات اس کے پاس آتا ہے۔ یہ بات ناقابل یقین تھی۔ نوکو ایک تھا اور قیدی عورتیں کئی تھیں۔ پھر وہ ایک شخص اکس کس کے پاس جاتا ہوگا۔ میں نے سوچ کے ذریعے کہا "ٹھہرو! ابھی معلوم کرتا ہوں۔"

میں اس قیدی عورت کے دماغ میں پہنچ گیا۔ تھوڑی دیر تک معلومات حاصل کرتا رہا۔ پھر میں نے پومی کے پاس آکر کہا "ہفتے میں ایک دن یعنی سنڈے کے دن مسٹر نوکو یہاں کی تمام لائٹس کو آن رکھتا ہے۔ یہاں رات کو بھی دن کا سماں ہوتا ہے کوئی آس پاس سے گزرتا ہوا نظر نہیں آتا۔ باقی ہفتے میں چھ راتوں کو تاریکی رہتی ہے۔ تاریکی میں قید خانے کا دروازہ کھلتا ہے اور مسٹر نوکو قید خانے میں داخل ہوتا ہے۔"

پومی نے پوچھا "اندھیرا کیوں رہتا ہے؟"

"میں نے ان عورتوں کے دماغوں میں پہنچ کر معلوم کیا ہے۔ ہر عورت کا یہ دعویٰ ہے کہ اس اندھیرے میں وہ آہنی دروازہ کھول کر ان کے پاس آتا ہے یعنی ایک نوکو سب کے پاس پہنچتا ہے۔ اس کا مطلب صاف ظاہر ہے' وہ مسٹر نوکو نہیں ہوسکتا اور وہ ایک شخص بھی نہیں ہوسکتا۔ وہ کئی ہیں اور مسٹر نوکو بن کر بیک وقت تمام قید خانوں میں جاتے ہیں۔ اسی لیے اتوار کے دن یعنی چھٹی کے دن وہاں رات کو روشنی ہوتی تھی۔ باقی راتوں میں تاریکی چھائی رہتی تھی۔ کوئی کسی کو دیکھ نہیں سکتا تھا۔ ہاں' ایک دوسرے کی آوازیں سن سکتا تھا۔ یقیناً وہ تمام نوکو ایک ہی آواز اور لہجے میں بولتے ہوں گے۔"

پومی نے کہا "لعنت ہے مسٹر نوکو پر۔ میں سوچ رہی ہوں' وہ ڈی کلر کہاں ہوگا؟"

"وہ تمہارے پاس آیا تھا۔ یقیناً مسٹر نوکو کے خاص محل میں کہیں چھپا کر رکھا گیا ہے۔"

"ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔ میں جب سے قلعے میں داخل ہوئی ہوں' مسٹر نوکو اسکرین پر مجھے ہر جگہ دیکھتا رہا ہے۔ ابھی میں قید خانے سے نکلنے کی کوشش کرتی اور کامیاب ہوتی رہی۔ کیا مسٹر نوکو نے مجھے دیکھا نہیں ہوگا؟"

"میرا خیال ہے' وہ کسی دوسری جگہ مصروف ہے۔ اسی لیے تمھیں دیکھ نہیں سکا۔"

"ڈی کلر نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ چوبیس گھنٹے کے بعد آئے گا۔ یقیناً وہ اسی محل میں ہے۔"

اس نے دوسرے کوریڈور کی طرف جاتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھنا شروع کیا۔ وہاں بھی مختلف قید خانے جیسے کمرے تھے۔ ہر کمرے کے دروازے پر آہنی سلاخوں والا دروازہ تھا۔ وہ ایک دروازے کے پاس سے گزرتے ہوئے ٹھٹک گئی۔ ڈی کلر نظر آرہا تھا۔

اس نے اس دروازے کے قریب جاکر دیکھا۔ سلاخوں والے دروازے کے پیچھے وہ ایک آرام دہ بستر پر لیٹا ہوا فیڈر سے دودھ پی رہا تھا۔ اس کے پاس کھڑی ہوئی ایک عورت اس کے سر کو سہلا رہی تھی۔ آہستہ آہستہ گنگنا رہی تھی جیسے لوری سنا کر سلانا چاہتی ہو۔

پومی تھوڑی دیر تک اسے دیکھتی رہی پھر آگے بڑھنا چاہتی تھی۔ میں نے کہا "رک جاؤ' اس آہنی دروازے کو ہاتھ نہ لگانا۔ ڈی کلر کو بڑے سخت حفاظتی انتظامات کے ساتھ رکھا گیا ہوگا۔"

پومی نے تائید میں سر ہلا کر کہا "اب تک جتنی عورتوں کو قیدی کے روپ میں دیکھا ہے وہ آہنی دروازوں کو تھام کر مجھ سے گفتگو کرتی رہیں یعنی ان کے دروازوں پر بجلی کی لہر نہیں دوڑ رہی ہے۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے لانبے سے چاقو کو نکالا پھر اسے کھول کر دروازے کی طرف پھینک دیا۔ جیسے ہی چاقو کا پھل ایک سلاخ سے ٹکرایا' پاس ہی دیوار پر لگا ہوا سرخ بلب جلنے بجھنے لگا۔ یک بیک سائرن کی آواز گونجنے لگی۔ پومی تیزی سے دوڑتے ہوئے اپنے قید خانے کی طرف گئی۔ وہاں پہنچتے ہی اس نے اپنے قید خانے کے آہنی دروازے کو پوری قوت سے اٹھایا اور اندر چلی گئی۔ میز اور کرسی کو واپس ان کی جگہ رکھا۔ پھر پلنگ پر جاکر لیٹ گئی۔ اس دوران دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ میں پومی کو چھوڑ کر ایک قیدی عورت کے پاس پہنچ گیا۔ اس کے ذریعے دیکھنے لگا۔ بہت سے مسلح جوان قید خانے کی راہداری میں آگئے تھے۔ ایک نے عورت سے پوچھا "کیا یہاں کوئی آیا تھا؟"

میں اس عورت کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اس عورت نے میری مرضی کے مطابق جواب دیا "یہاں کوئی نہیں آیا تھا۔ میں نے تو کسی کو نہیں دیکھا۔"

دوسری عورت سے بھی یہی سوال کیا گیا۔ اس عورت نے بھی میری مرضی کے مطابق وہی جواب دیا۔ میں نے سوال کرنے والے کے دماغ میں پہنچ کر دوسری طرف کی راہداری میں دیکھا۔ وہاں کھڑے ہوئے مسلح جوان اس عورت سے سوال کر رہے تھے جو ڈی کلر کے سرہانے کھڑی اس کا سر سہلا رہی تھی اور گنگنا رہی تھی۔ اس نے پومی کو نہیں دیکھا تھا۔ اس لیے اس نے بھی انکار میں سر ہلا دیا۔

میں نے پومی کے پاس آکر دیکھا۔ وہاں کہیں اسپیکر کے ذریعے مسٹر نوکو کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا "پومی! کیا تم نے کوئی چکر چلایا ہے۔ میں گہری نیند میں تھا۔ خطرے کا سائرن سن کر آنکھ کھل گئی۔ اب اسکرین پر تمھیں دیکھ رہا ہوں۔"

وہ بولی "اچھی طرح دیکھ لو۔ اسکرین پر میں بھی نظر آرہی ہوں۔ یہ کمرہ بھی اور وہ آہنی دروازہ بھی جس میں بجلی کی لہر دوڑ رہی ہے۔ میں ایسے میں کیا کرسکتی ہوں۔ تم خواہ مخواہ مجھ سے خوفزدہ ہو۔"

اس نے ناگواری سے کہا "مجھے خوفزدہ کرنے والا کوئی پیدا نہیں ہوا۔ میں ابھی معلوم کرتا ہوں۔ آخر یہ خطرے کا سائرن کیسے بج رہا تھا۔"

میں فوراً ہی ماسٹر دالسورو کی کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اب مسٹر نوکو کی آواز ان کے کمرے میں سنائی دے رہی تھی۔ وہ کہہ رہا

تھا۔ "مسٹر والسورو کی اور سلیمان جوگو! کیا تم بتا سکتے ہو کہ یہ خطرے کا سائرن کیسے بج رہا ہے جبکہ تم دونوں اس کمرے میں قید ہو؟"

والسورو کی نے ہنستے ہوئے کہا۔ "تم اپنے محل میں بجنے والے سائرن کے متعلق پوچھ رہے ہو۔ اگر غور کرو تو پتا چلے گا' تمہارے دماغ کے اندر خطرے کی گھنٹی بج رہی ہے اور وہ خطرے کی گھنٹی ہے ٹیلی پیتھی۔"

میں نے یکبارگی مسٹر نوکو کے دماغ میں چھلانگ لگائی۔ اس کے اندر پہنچا مگر دوسرے ہی لمحے نکل آیا۔ کیونکہ اس نے سانس روک لی تھی۔ میں نے پھر دستک دی۔ اس نے دماغ کا دروازہ کھول دیا۔ میں نے کہا۔ "مسٹر نوکو! یہ ٹیلی پیتھی کا کمال ہے۔ تم کبھی معلوم نہیں کر سکو گے کہ خطرے کا سائرن کس طرح بجنے لگا تھا۔"

اس نے ناگواری سے کہا۔ "اچھا' اب جاؤ۔"

وہ سانس روکنا چاہتا تھا' میں نے کہا۔ "ایک بات اچھی طرح یاد رکھو۔ میں ٹیلی پیتھی کا ہتھیار آزمانا چاہوں تو تم میرے لیے دماغ کے دروازے بند نہیں کر سکو گے۔"

"کیا مجھے چیلنج کر رہے ہو؟"

"ابھی نہیں۔ کیونکہ تمہیں ڈھیل دے رہا ہوں۔ تم نے پومی کے سامنے اس کی طرح بازی گری کے کرتب دکھائے۔ اس کا جواب وہ ضرور دے گی۔ اس لیے تمہیں چھوٹ دے رہا ہوں۔ بس اب دماغ کے دروازے بند کر لو۔"

اس کے سانس روکنے سے پہلے ہی میں دماغ سے نکل آیا۔ پومی آرام سے بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ یک بیک ہڑبڑا کر اٹھ گئی۔ کیونکہ مسٹر نوکو کے دہاڑنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ اسپیکر کے ذریعے گرج کر کہہ رہا تھا۔ "کہاں ہے فرہاد! میں نے دماغ کے دروازے بند نہیں کیے۔ وہ کیوں چلا گیا۔ اسے میرا جواب سننا چاہیے۔"

پومی نے سر اٹھا کر خلا میں تکتے ہوئے کہا۔ "میں اسے تمہارا جواب سناؤں گی۔ کیا کہنا چاہتے ہو؟"

وہ غصے سے بولا۔ "وہ تمہارا ٹیلی پیتھی جاننے والا بزدل اپنے آپ کو سمجھتا کیا ہے۔"

"میں تمہاری طرف سے پوچھوں گی کہ وہ اپنے آپ کو کیا سمجھتا ہے۔"

"شٹ اپ۔ اس نے چیلنج کیا ہے کہ تم مجھے شکست دو گی۔ میں کہتا ہوں' اسے اپنی ٹیلی پیتھی پر اتنا ہی ناز ہے تو تمہیں قید خانے سے نکال کر دکھائے۔"

پومی نے کہا۔ "فرہاد! اس وقت میرے دماغ میں ہے اور کہہ رہا ہے کہ ابھی مجھے نکال سکتا ہے۔ یقین نہ ہو تو یہاں آ کر دیکھو۔"

"میں اسکرین کے ذریعے دیکھ رہا ہوں۔"

"نہیں خود یہاں تک آؤ' تمہارے آتے تک میں قید خانے سے نکل آؤں گی اور باہر تمہارا انتظار کروں گی۔"

"یہ ناممکن ہے۔"

"ٹیلی پیتھی کا کمال یہی ہے' وہ ناممکن کو ممکن بنا دیتی ہے۔ یقین نہ ہو تو یہاں تک چل کر آؤ۔"

"میں ابھی آ رہا ہوں۔"

چند سیکنڈ کے بعد میں نے مسٹر نوکو کے دماغ پر پھر دستک دی۔ وہ اپنی خواب گاہ سے نکل آیا تھا۔ اس نے جھنجلا کر کہا۔ "اب میرے پاس کیوں آئے ہو۔ جاؤ' اسے قید خانے سے نکالو۔ میں تمہارا کمال آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"میں یہ دیکھنے آیا ہوں کہ واقعی تم آ رہے ہو کہ نہیں۔"

"میں آ رہا ہوں۔ تم اپنی پومی کی فکر کرو۔ اوّل تو یہ ہو نہیں سکتا کہ وہ بجلی کی لہروں سے گزر کر باہر آ سکے۔ اگر وہ آ گئی تو تم میرے ہاتھوں سے اسے بچا نہیں سکو گے۔"

"مجھے اس کی حفاظت کے لیے کچھ نہیں کرنا ہو گا۔ آج تم پر ایک نیا انکشاف ہو گا۔"

اس نے چونک کر پوچھا۔ "کیسا انکشاف؟"

"یہ کہ پومی صرف جمناسٹک کے کرتب دکھانا ہی نہیں جانتی' اسے کالا جادو بھی آتا ہے۔"

"کیا؟" اس نے تقریباً چیخ کر بے یقینی سے پوچھا۔

میں نے کہا۔ "اپنی حیرانی بچا کر رکھو۔ اس کے سامنے جا رہے ہو۔"

وہ قید خانہ اس کے بیڈ روم سے زیادہ دور نہیں تھا۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا ایک راہداری میں پہنچا۔ پھر وہاں سے چلتا ہوا پومی کے قید خانے کے قریب آیا تو ایک دم سے ٹھٹک گیا۔ پومی ان آہنی سلاخوں سے باہر کھڑی دونوں ہاتھ کمر پر رکھے مسکرا رہی تھی۔

وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ بجلی کی لہروں سے گزر کر چلی آئے گی۔ اس نے جھنجلاہٹ میں ایک چھلانگ لگائی' فضا میں پرواز کرتا ہوا آیا۔ وہ پومی کے منہ پر لات مارنا چاہتا تھا مگر جو غصہ برداشت نہ کر سکے وہ زندگی میں کچھ نہیں کر سکتا۔ پومی وہاں نہیں تھی' جہاں وہ پرواز کرتا ہوا پہنچا تھا' وہاں سے پھر پلٹ کر اس نے پومی پر حملہ کرنا چاہا مگر پومی کہاں تھی؟ صحیح سمت معلوم کرنا لازمی تھا مگر جب تک وہ معلوم کرتا اس کے منہ پر ایک زبردست ٹھوکر پڑی۔ پھر وہ بولی۔ "تم نے دھوکے سے میری کمر پر لات ماری تھی۔ میں نے تمہارے سامنے آ کر منہ پر ٹھوکر ماری ہے۔ اسے کہتے ہیں سامنا کرنا۔"

منہ پر لات کھانے کے بعد مسٹر نوکو کو اور غصہ آنا چاہیے تھا لیکن وہ خلافِ توقع مسکرانے لگا۔ پھر اس نے کہا۔ "مجھ سے بڑی بھول ہوئی' میں غصے میں آ گیا تھا۔ اب دیکھو' میں بالکل نارمل ہوں اور اب تم سنبھل جاؤ۔"

یہ کہتے ہی اس نے ہاہپ ہپ کی آواز لگاتے ہوئے جمناسٹک کے کرتب دکھانے شروع کیے۔ بالکل پومی جیسا انداز تھا۔ وہ جس کے مقابل تھا' اسی کے داؤ پیچ آزما رہا تھا۔ لوہے کو لوہا کاٹتا ہے۔ اگر وہ لوہا تھی تو یہ لوہا بن کر کاٹنا چاہتا تھا لیکن بھونکنے والے کتے اور ہوتے ہیں کاٹنے والے کتے اور ہوتے ہیں گرجنے والے بادل اور ہوتے ہیں اور برسنے والے بادل اور ہوتے ہیں۔

وہ ہاہپ ہپ کہتا ہوا' جمناسٹک کے کرتب دکھاتا ہوا اچانک رک گیا۔ اسے اپنے پیچھے ہاہپ ہپ کی آواز سنائی دی تھی۔ اس نے جیسے ہی منہ گھما کر دیکھا' منہ پر ایک کراٹے کا ہاتھ پڑا۔ وہ تلملا گیا۔ پومی نے کہا۔ "صرف کرتب دکھانے سے کچھ نہیں ہوتا جسے دکھا رہے ہو اس پر نظر رکھنا پڑتی ہے۔"

پومی کو حملہ کرنے کے بعد پیچھے ہٹ جانا چاہیے تھا مگر وہ کچھ کہنے کی دھن میں مار کھا گئی۔ اس کے منہ پر بھی مسٹر نوکو کا ایک بھرپور ہاتھ پڑا۔ وہ پیچھے گئی۔ یوں لگا جیسے وہ مار کھا کر گرنے والی ہو مگر وہ پیچھے کی طرف ہاہپ ہپ کہتی ہوئی قلابازیاں کھاتی ہوئی جا رہی تھی۔ مسٹر نوکو نے کہا۔ "میں جانتا ہوں' تم اسی طرح قلابازیاں کھاتی ہوئی میری طرف آؤ گی۔"

لیکن وہ بہت کچھ جاننے کی خوش فہمی میں مار کھا گیا۔ پومی وہاں سے کرتب دکھانے کے انداز میں واپس نہیں آئی تھی بلکہ اتنے فاصلے سے اچانک فضا میں چھلانگ لگائی تھی اور اس کے منہ پر ٹھوکر مارتی ہوئی گزر گئی تھی۔ مسٹر نوکو کو غصہ نہیں آ رہا تھا۔ مار کھانے کے بعد وہ ہنسنے لگا۔ پومی نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "میں سمجھ گیا ہوں' تمہارے ساتھ کس طرح مقابلہ کرنا چاہیے۔"

وہ بڑے اطمینان سے پینترا بدلنے لگا۔ پومی کبھی پینترا بدلتے قدموں کو اور کبھی اس کی آنکھوں کو دیکھتی رہی۔ مقابلہ کرنے کے لیے ان دو باتوں پر توجہ لازمی ہوتی ہے کہ دشمن کی آنکھیں کیا کہتی ہیں اور قدم کدھر جاتے ہیں۔ ایسے وقت بہت سے مسلح جوان اس کے آس پاس آ گئے تھے۔ پومی کی توجہ ذرا سی ہٹ گئی۔ بس یہی برا ہوا۔ اس کے منہ پر ایک زبردست گھونسا پڑا۔ وہ ذرا لڑکھڑائی۔ پھر دوسرا' پھر تیسرا۔ اس کے شانے پر' بازو پر' جسم کے کئی حصوں پر تڑاتڑ حملے ہوتے چلے گئے اور وہ مار کھاتی ہوئی دیوار سے جا کر لگ گئی۔

وہ مجبور تھی۔ اسے صرف مسٹر نوکو کو نہیں' آنے والے مسلح جوانوں کو بھی اپنی نظروں میں رکھنا تھا اسی لیے وہ متواتر مار کھاتے رہنے پر مجبور ہو گئی۔ اتنی دیر میں اندازہ ہو گیا کہ جب تک مسٹر نوکو اس سے لڑتا رہے گا' کوئی مسلح جوان مداخلت نہیں کرے گا۔

مسٹر نوکو خوش تھا۔ اس کا داؤ چل گیا تھا۔ حملے کامیاب ہو رہے تھے لیکن جب پومی نے جوابی حملہ کیا تو آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے لگے۔ میں نے اسے لڑتے رہنے کے لیے چھوڑ دیا اور خیال خوانی کی پرواز کرتا ہوا قلعے کے ان افراد کے دماغوں میں پہنچنے لگا جن کے پاس میں اور شیبا اس وقت پہنچے تھے جب پومی تلوار بازوں سے مقابلہ کر رہی تھی۔

میں نے شیبا کو مخاطب کیا۔ وہ کہنے لگی۔ "میں جناب شیخ صاحب کے حکم کے مطابق تنویمی عمل کے لیے جا رہی ہوں۔"

"ابھی تنویمی عمل ضروری نہیں ہے' فوراً قلعے کے ان افراد کے دماغوں میں پہنچو جنہیں ہم بہت پہلے شکار کر چکے تھے۔ پومی کو ہماری ضرورت ہے۔"

میں نے اسے پومی کے مختصر حالات بتائے۔ پھر کہا۔ "جب تک مسٹر نوکو تنہا اس سے مقابلہ کرتا رہے گا ہم مداخلت نہیں کریں گے۔ جب اس کے مسلح جوانوں نے پومی کو نقصان پہنچانا چاہا تو پھر ہم انہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

میں نے اور شیبا نے ٹیلی پیتھی کا ہتھیار استعمال کرنا شروع کیا۔ جو ہمارے شکار تھے انہیں پھر شکار کیا۔ ان کے دماغوں پر قابض ہو کر دو مسلح جوانوں کو اُدھر لے گئے جہاں والسورو کی اور سلیمان جوگو قیدی بنا کر رکھے گئے تھے۔ اس کمرے کے باہر چار مسلح افراد تھے۔ ان سے ہمارے دو معمول ٹکرا گئے۔ دونوں طرف سے فائرنگ ہونے لگی۔ اِدھر سے ہمارا ایک معمول کام آ گیا۔ اُدھر سے تین دشمن مارے گئے۔ شیبا مردہ معمول کو چھوڑ کر دوسرے کے دماغ میں گئی۔ پھر اسے وہاں سے دوڑاتے ہوئے مردہ معمول کی جگہ لے آئی۔ اس وقت تک میدان صاف ہو چکا تھا۔ میں جس کے دماغ پر قابض تھا' اس نے چوتھے کو بھی مار گرایا تھا۔ پھر میں نے اس کے ذریعے والسورو کی اور سلیمان جوگو سے کہا۔ "وہ ایک طرف دیوار سے لگ کر کھڑے ہو جائیں' دروازے کے لاک پر فائرنگ کی جا رہی ہے۔"

دروازہ فائرنگ کے ذریعے توڑ دیا گیا۔ وہ دونوں آزاد ہو گئے۔ اب ہماری فوج میں چار افراد ہو گئے۔ سلیمان جوگو' والسورو کی اور ہمارے دو معمول۔

وہ سب مسلح تھے لیکن ہم نے دو معمول کو آگے رہنے دیا تاکہ وہ ڈھال بنے رہیں۔ اگر وہ کام آ جاتے تو ان کی جگہ دو اور آ سکتے

تھے۔ میں نے ذرا دیر کے لیے اپنے معمول کے دماغ کو آزاد چھوڑا تو وہ چونک کر اپنے آپ کو دیکھنے لگا۔ پھر اس نے حیران ہوکر واٹسوروکی اور سلیمان جوگو کو دیکھا۔ میں نے واٹسوروکی کے ذریعے کہا: "میں فرہاد بول رہا ہوں۔ جب تک تمھارے دماغ پر قابض رہوں گا، تم میرا کام کرتے رہو گے۔ اس وقت آزاد ہو۔ میں ہمیشہ تمھارے دماغ پر قابض نہیں رہ سکتا۔ لہٰذا تم سے پوچھتا ہوں، میرے محکوم رہو گے یا تمھیں ٹیلی پیتھی کے ذریعے ختم کردوں؟"

اس نے خوفزدہ ہوکر کہا: "نہیں، میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا۔ میں نے تلوار بازوں سے مقابلہ کرنے کے دوران آپ کی ٹیلی پیتھی کے کمالات دیکھ لیے ہیں۔"

اسی طرح ثیبا نے جس کو معمول بنایا تھا، اس سے بھی ہم نے یہی سوال کیا۔ وہ بھی ہمارا محکوم رہنے پر آمادہ ہوگیا۔ جب ان کی طرف سے اطمینان ہوا تو میں نے اور ثیبا نے دو اور معمول بنالیے۔ اس طرح ہمارے آدمیوں کی تعداد چھ ہوگئی۔

اِدھر ہم پومی کی مدد کرنے کے لیے اپنے فوجیوں کی تعداد بڑھا رہے تھے۔ اُدھر اس نے میدان جیتنے کے لیے دوسرا طریقہ اختیار کیا تھا۔ لڑائی کے دوران کبھی کسی کا پلڑا بھاری ہوتا ہے اور کبھی کسی کا۔ ایک بار جب وہ مسٹر نوکو پر غالب آنے لگی تو ایک مسلح جوان نے اس پر حملہ کیا تھا۔ پومی نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا: "اسٹاپ۔"

مسٹر نوکو اس پر حملہ کرنے آرہا تھا۔ فوراً رک کر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ وہ بولی: "یہ کہاں کی مردانگی ہے۔ ایک تو عورت سے مقابلہ کررہے ہو۔ دوسرے مسلح آدمی کی مدد بھی حاصل کرتے جارہے ہو۔"

مسٹر نوکو نے اس حملہ کرنے والے کو گھور کر دیکھا۔ پھر کہا۔ "میں خود اسے سزا دوں گا اور دوسروں کو حکم دیتا ہوں کہ وہ ہمارے درمیان نہ آئیں۔"

"میں تمھارے حکم پر اور تمھارے حکم ماننے والوں پر بھروسا نہیں کرسکتی۔ اگر مجھ سے مقابلہ کرنا چاہتے ہو تو کسی قید خانے میں چلو۔"

اس کی شرط مان لی گئی۔ سامنے والے قید خانے میں ایک عورت تھی۔ اُسے باہر نکال دیا گیا۔ وہ مسٹر نوکو کے ساتھ اندر گئی۔ نوکو نے دروازے کو بند کیا۔ اندر سے تالا لگایا پھر چابی کو اپنی جیب میں رکھتے ہوئے کہا: "میں اپنے تمام آدمیوں کی موجودگی میں کہتا ہوں، اگر یہ لڑکی میری جیب سے چابی نکال کر دروازہ کھولنے میں کامیاب ہوجائے تو اسے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اگر یہ دی کلپر کا سرلے جانے سے باز آجائے اور یہاں سے خالی ہاتھ جانا چاہے تو اسے قلعے سے باہر جانے دیا جائے گا۔"

اس نے چابی کو جیب میں رکھ لیا تھا۔ پھر مقابلہ شروع ہوا۔ تمام مسلح جوان اس آہنی دروازے کے پاس سمٹ آئے، دونوں کو لڑتے ہوئے دیکھنے لگے۔ مگر وہ برابر نظر نہیں آرہے تھے۔ قید خانے کی دیواریں آڑی ترچھی تھیں۔ لڑنے والے کبھی دروازے سے دور چلے جاتے تو نظروں سے اوجھل ہوجاتے تھے۔ انھیں آڑی ترچھی دیواریں چھپا لیتی تھیں۔ بس لڑنے کی آوازیں سُنائی دیتی تھیں۔ کسی نہ کسی کے منہ سے کراہ نکلتی تھی۔ کبھی کبھی ہاہپ ہپ کی آوازیں سُنائی دیتیں۔ ایسے وقت وہ پومی کو جمناسٹک کے کمالات کے ساتھ اِدھر سے اُدھر جاتے ہوئے دیکھتے تھے۔ پھر وہ دروازے کے قریب سے گزرتے ہوئے نظروں سے اوجھل ہوجاتی تھی۔

میں نے واٹسوروکی اور سلیمان جوگو کو بتایا، قید خانے کے اندر دونوں کے درمیان زبردست فائٹنگ جاری ہے۔ مسٹر نوکو کے آدمی مداخلت نہیں کررہے ہیں اس لیے ہمیں بھی انتظار کرنا چاہیے۔ ضرورت ہوگی تو میں اور ثیبا تمھارے پاس چلے آئیں گے۔

ہم پومی کے پاس آگئے۔ وہ بڑی دیر سے لڑ رہے تھے اور پتا نہیں کب تک لڑتے رہنے والے تھے۔ ان کے درمیان جاری رہنے والی جنگ بہت ہی تھکا دینے والی تھی۔ وہ نہیں تھک رہے تھے مگر ہم پریشان ہو رہے تھے۔ پومی نے اب تک خود کو ناقابلِ شکست ثابت کیا تھا۔ نوکو کے مقابلے میں بات ایسی نہیں تھی۔ آج اسے معلوم ہو رہا تھا کہ اونٹ کتنا ہی اونچا ہو، پہاڑ کے سامنے مختصر ہوجاتا ہے۔ مسٹر نوکو بڑی مہارت سے لڑ رہا تھا اور خود کو پہاڑ ثابت کر رہا تھا۔ اس کے باوجود اپنی زبان سے یہ اعتراف کرتا جارہا تھا: "پومی! تم واقعی دلیر ہو۔ میدان میں ثابت قدم رہنا جانتی ہو۔ تمھارے ہاتھ کس چیز کے بنے ہوئے ہیں۔ فولاد کی طرح لگتے ہیں۔"

پومی کو یہی ایک برتری حاصل تھی۔ ورنہ مسٹر نوکو اس کی طرح لڑنا جانتا تھا۔ اس کی طرح کرتب بھی دکھا رہا تھا۔ جتنے داؤ پیچ اسے آتے تھے، ان سے زیادہ وہ جانتا تھا لیکن جب پومی کا ہاتھ پڑتا تھا تو وہ تلملا کر رہ جاتا تھا۔ پیچھے ہٹ کر ایک ذرا احساسِ کمتری میں مبتلا ہوجاتا تھا کہ مقابل میں ایک لڑکی ہے اگر وہ اسی طرح فولادی ثابت ہوتی رہی تو بڑی سبکی ہوگی۔

تقریباً دو گھنٹے گزر گئے۔ دونوں ثابت قدم تھے ایک دوسرے کو مار رہے تھے اور ایک دوسرے سے مار کھا رہے تھے۔ مسٹر نوکو کے زیادہ حملے کامیاب ہو رہے تھے۔ پومی اس کے داؤ پیچ میں آجاتی تھی مگر اس کا کوئی خاطر خواہ اثر نہیں ہوتا تھا لیکن جب پومی کا کوئی حملہ کامیاب ہوتا تھا تو مسٹر نوکو ایک آدھ منٹ تک پینترا بدلنے میں وقت ضائع کرتا تھا تاکہ جوابی

کھائی ہے اس کا اثر کچھ کم ہوجائے۔

میری سوچ کی لہریں چپکے سے رینگتے ہوئے اس کے دماغ میں پہنچ گئیں۔ مجھے یقین تھا، اب وہ اپنے دماغ کے دروازے بند نہیں کرسکے گا۔ مگر اس نے سوچ کی لہروں کو محسوس کرلیا تھا۔ اس نے سانس روکنے کی کوشش کی۔ اسی وقت پومی کا ایک ہاتھ اس کے منہ پر پڑا۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے چلا گیا۔ میں نے کہا: "مسٹر نوکو! اگر پومی کا ہاتھ نہ پڑتا تب بھی تم سانس روکنے کے قابل نہیں رہے ہو۔ اس کے فولادی ہاتھوں نے دو گھنٹے کے اندر تمھارے جسم کو دُکھتا ہوا پھوڑا بنا دیا ہے۔ یہ لڑکی ایک کدال کی طرح ہے جو دھیرے دھیرے تمھارے وجود کو اندر سے کھودتی جارہی ہے۔ تم نادانستگی میں اندر سے کھوکھلے ہوتے جارہے ہو۔"

پومی پھر حملہ کرنے کے لیے بڑھ رہی تھی۔ مسٹر نوکو نے ہاتھ اُٹھا کر کہا: "رُک جاؤ۔ مسٹر فرہاد میرے دماغ میں ہیں۔"

پومی نے چونک کر اس کے سر کو دیکھا۔ پھر کہا: "فرہاد، میں تم سے درخواست کرتی ہوں، چلے جاؤ۔ میں نے اس کے آدمیوں کو مداخلت سے منع کیا ہے۔ تمھیں بھی منع کررہی ہوں۔"

میں نے مسٹر نوکو کی زبان سے کہا: "میں وعدہ کرتا ہوں، تمھارا ساتھ نہیں دوں گا۔ اس لڑائی میں کسی طرح مداخلت نہیں کروں گا۔ میں نے صرف نوکو کو اس کی کمزوری کا احساس دلایا ہے۔ اسے بڑا ناز تھا کہ میں اس کے دماغ میں بغیر اجازت نہیں آسکوں گا سو آگیا۔ اب واپس جارہا ہوں۔"

میں واپس نہیں گیا مگر خاموشی اختیار کرلی۔ پومی نے آواز دی۔ میں نے جواب نہیں دیا۔ پھر مسٹر نوکو نے کہا: "فرہاد! تم میرے دماغ میں ہو۔ مجھے جواب دو۔"

میں خاموش رہا۔ وہ بے چین ہوکر سوچنے لگا۔ چپ رہ کر محسوس کرنے کی کوشش کرتے لگا کہ میں اس کے دماغ میں ہوں یا نہیں۔ پہلی بار جب سوچ کی لہریں اس کے دماغ میں آئی تھیں تو اس نے عادتاً محسوس کرلیا تھا۔ اب وہ احساس زائل ہوگیا تھا۔ جسم پھوڑے کی طرح دُکھ رہا تھا۔ جنگ جاری تھی۔ ایسی صورت میں وہ یوگا کا مظاہرہ نہیں کرسکتا تھا۔

مجھے پوری طرح یقین ہوگیا کہ وہ میری سوچ کی لہروں کو محسوس نہیں کرسکے گا اور وہ سوچ رہا تھا: "فرہاد نہیں ہے۔ واقعی چلا گیا ہے۔ اب مجھے سوچنا چاہیے کہ اس جنگ کو جاری رکھا جائے یا ملتوی کردیا جائے؟"

پومی نے پوچھا: "کیا سوچ رہے ہو۔ کیا لڑنا بھول گئے؟"

وہ غصے سے بولا: "میں بزدل اور کمزور نہیں ہوں۔ ابھی تمھیں مَسل کر رکھ دوں گا مگر پہلے فرہاد کو محسوس کرنا چاہتا ہوں۔ شاید وہ چپ چاپ میرے دماغ میں چھپا ہوا اور کسی طرح مجھے کمزور بنادے۔ ذرا انتظار کرو۔"

پھر وہ اپنے طور پر چپ چاپ سوچنے لگا: "اب تک میں خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ پومی پر غالب آجاؤں گا۔ فرہاد نے مجھے کمزوری کا احساس دلایا ہے اور میں تسلیم کرتا ہوں۔ اس کے فولادی ہاتھوں نے مجھے رفتہ رفتہ کمزور بنایا ہے اور مجھے اس کمزوری کا احساس تک نہیں ہوا۔ سچ کہتے ہیں، انسان کو خوش فہمی میں مبتلا نہیں رہنا چاہیے۔"

وہ پومی کو دیکھنے لگا اور سوچنے لگا: "مجھے اس مقابلے کو کسی بہانے ختم کرنا ہوگا۔ مجھے کھوئی ہوئی توانائی دوبارہ بحال کرنا ہوگی۔"

یہ سوچتے ہی اس نے کہا: "نہیں۔ یہ بے ایمانی ہے۔ میں تم سے نہیں لڑوں گا۔"

پومی نے پوچھا: "ایسی کیا بات ہوگئی۔ کیا فرہاد تمھیں نقصان پہنچا رہا ہے؟"

"ابھی نہیں پہنچا رہا ہے مگر وہ میرے دماغ میں ہے۔ جب بھی تم پر حملہ کروں گا، وہ میرے حملے کو ناکام بنادے گا۔"

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ اگر تم حملہ کرو اور ناکام رہو تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ فرہاد نے تمھیں کمزور بنایا ہے۔"

"میں خوب جانتا ہوں، تم اس کی حمایت کروگی کیونکہ وہ تمھاری ہار کو جیت میں بدل دے گا۔"

"بکواس مت کرو۔ تم دیکھ رہے ہو، میں اتنی دیر سے تنہا مقابلہ کررہی ہوں۔ فرہاد اپنی زبان کا دھنی ہے۔ جب اس نے کہہ دیا ہے تو وہ کبھی مداخلت نہیں کرے گا اور نہ ہی تمھیں کوئی نقصان پہنچائے گا۔"

"میں کیسے یقین کروں؟"

"تم مقابلہ کرکے دیکھ لو۔"

"اچھی بات ہے۔"

یہ کہتے ہی اس نے پومی پر حملہ کیا اور ناکام رہا۔ پومی نے جوابی حملہ کیا اور کامیاب رہی۔ اس کے جواب میں پھر اس نے حملہ کیا۔ پھر ناکام رہا۔ اس کے بعد جھنجلا کر بولا: "میں پہلے ہی کہتا تھا، فرہاد مجھے کامیاب حملے نہیں کرنے دے گا۔"

پومی نے اسے بے یقینی سے دیکھا۔ اچانک اس نے ایک چیخ ماری اور لڑکھڑا کر پیچھے چلا گیا۔ دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام کر کہنے لگا: "دیکھو، دیکھو، یہ مجھے دماغی جھٹکے پہنچا رہا ہے۔"

پومی نے حیرانی اور بے یقینی سے مجھے مخاطب کرتے ہوئے پوچھا "فرہاد! یہ کیا ہو رہا ہے۔ کیا تم وعدہ خلافی کر رہے ہو؟"

میں نے اس کے دماغ میں پہنچ کر کہا "اس وقت میں اور شیبا تمھارے دماغ میں ہیں۔ یہ شخص جھوٹ کہہ رہا ہے۔ اس نے جان بوجھ کر دو ناکام حملے کیے اور اب خود ہی جھٹکے کھا کر پیچھے چلا گیا ہے اور اپنے سر کو تھام کر یہی تاثر دے رہا ہے کہ دماغی جھٹکے پہنچائے جا رہے ہیں۔"

پومی نے اسے غرا کر دیکھا۔ پھر کہا "مسٹر نوکو! میں نہیں جانتی تھی کہ تم اتنے ذلیل انسان ہو جو شخص زبان کا پکا ہے اس کے خلاف جھوٹی باتیں کر رہے ہو۔ تمھاری یہ ایکٹنگ میرے سامنے نہیں چلے گی۔ فرہاد میرے دماغ میں ہے۔ تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچا رہا ہے۔"

اس نے گھونسا دکھاتے ہوئے کہا "میں تمھارا منہ توڑ سکتا ہوں۔ اگر وہ ٹیلی پیتھی والا ہمارے درمیان نہ آئے مگر تم کبھی یقین نہیں کرو گی۔ میرے سامنے یہی ایک راستہ رہ گیا ہے کہ ابھی تم سے مقابلہ نہ کروں۔ اپنی سانسوں پر قابو پاؤں اور فرہاد کو دماغ میں آنے سے روک دوں۔"

یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف جانے لگا۔ پومی نے فضا میں ایک چھلانگ لگائی۔ پھر ایک لات ماری۔ وہ واپس لڑکھڑاتا ہوا ایک دیوار سے لگ گیا۔ وہ بولی "تمھاری جیب میں چابی ہے۔ میں اسے نکالوں گی اور دروازہ کھولوں گی۔ اس سے پہلے تم دروازے تک نہیں جا سکو گے۔ رہ گئی یہ بات کہ تمھیں ٹیلی پیتھی سے نقصان پہنچ رہا ہے تو یہ سراسر جھوٹ ہے۔ تم اس بہانے مقابلے سے بچنا چاہتے ہو اور میں تمھیں بچنے نہیں دوں گی۔"

یہ کہتے ہی اس نے پھر حملہ کیا مگر ناکام رہی۔ اس بار مسٹر نوکو کا حملہ کامیاب رہا۔ اس نے تڑاتڑ دو تین ہاتھ جمائے۔ پومی یکبارگی اُلٹی قلابازی کھاتے ہوئے دور چلی گئی۔ میں چپکے سے مسٹر نوکو کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا "یہ تو بُرا ہوا۔ میرا حملہ کامیاب نہیں ہونا چاہیے ورنہ ثابت ہو جائے گا کہ فرہاد مجھے نقصان نہیں پہنچا رہا ہے۔"

یہ سوچنے کے بعد اس نے پھر پومی کی طرف بڑھ کر حملہ کیا۔ اس بار وہ ناکام حملہ کرنا چاہتا تھا مگر میں نے کامیاب بنا دیا۔ پومی کے دماغ میں چند سیکنڈ کے لیے آ کر کہا "یہ اب بھی فراڈ کرنا چاہتا ہے۔ ناکام حملے کرنا چاہتا ہے۔ میں ان حملوں کو کامیاب بنا تا رہوں گا۔ تم ذرا مار کھاتی رہو۔"

پھر یہی ہوا۔ دونوں ایک دوسرے کے مقابل ڈٹے ہوئے تھے۔ پومی ایک کامیاب حملہ کرتی تھی۔ پھر دو چار بار ناکام ہو کر مار کھاتے ہوئے پیچھے ہٹ جاتی تھی۔ ایک منٹ کے بعد اس نے کہا "دیکھو، تم کس طرح کامیاب حملے کر رہے ہو۔ خواہ مخواہ فرہاد کو الزام دے رہے تھے۔"

وہ جھنجلا کر بولا "یہ فریب ہے۔ مجھے اُلجھایا جا رہا ہے۔ فرہاد میرے دماغ میں رہ کر میرے حملوں کو کامیاب بنا رہا ہے۔"

پومی نے پوچھا "کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ تم دانستہ ناکام حملے کرنا چاہتے ہو اور فرہاد انھیں کامیاب بنا رہا ہے؟"

وہ اس سوال پر گڑبڑا گیا۔ سنبھل کر بولا "میرا یہ مطلب نہیں ہے۔ میرا مطلب ہے، میں لڑنا نہیں چاہتا مگر تم پر کامیاب حملے کر رہا ہوں۔ آخر اس کے پیچھے کوئی تو بات ہو گی۔"

"جب تم لڑنا نہیں چاہتے تو مجھ پر حملے کس طرح کر رہے ہو؟"

"یہی تو میں کہنا چاہتا ہوں، فرہاد حملے کرا رہا ہے۔"

"تم بکواس کر رہے ہو۔ میں تمھیں اس دروازے تک نہیں جانے دوں گی۔"

وہ پریشان ہو کر سوچنے لگا۔ پہلے تو اس نے جھوٹ کہا تھا کہ فرہاد اس کے حملے ناکام بنا رہا ہے۔ دوسری بار جب وہ ناکام حملے کرنے لگا اور حملے کامیاب ہونے لگے تو بھی اُلجھ کر رہ گیا۔ آخر یہ حملے کامیاب کیسے ہو رہے ہیں۔ وہ جھوٹ کہنے کے بعد سچ کہہ رہا تھا کہ فرہاد ایسا کر رہا ہے لیکن اسے خود اپنی بات پر پوری طرح یقین نہیں تھا۔ وہ چونکہ بہت اچھا فائٹر تھا اس لیے سوچ رہا تھا، بے اختیار اس سے کامیاب حملے ہو رہے ہیں لیکن یہ دہشت بھی تھی کہ فرہاد چپکے سے دماغ میں موجود ہے ایسی صورت میں وہ مقابلہ جاری رکھنا نہیں چاہتا تھا۔

اس نے پینترا بدلتے ہوئے کہا "دیکھو پومی! اصل بات یہ ہے کہ میں ابھی سانسوں پر قابو نہیں پا سکتا۔ جب تک مجھے یقین نہیں ہو گا کہ میری سانسیں میرے قابو میں ہیں اور میں فرہاد کا راستہ روک سکتا ہوں، اس وقت تک تمھارا مقابلہ نہیں کروں گا۔"

پومی نے کہا "اگر میں یہ کہوں کہ مقابلہ جاری نہیں رکھ سکتی کیونکہ میری کچھ توانائی ضائع ہو گئی ہے تو ایسے میں کیا تم یہ نہیں کہو گے کہ میں نے شکست تسلیم کر لی ہے؟"

"بے شک، مقابلے کے دوران توانائی کا ضائع ہونا یا دوسرے لفظوں میں مقابلہ کرنے والے کا کمزور ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ شکست کھا چکا ہے۔"

"پھر تسلیم کر لو۔ تمھاری سانسیں قابو میں نہیں ہیں۔ تمھاری توانائی ضائع ہو رہی ہے۔ دوسرے لفظوں میں تم مقابلہ کرنے کے دوران کمزور پڑ گئے ہو لہٰذا تم شکست کھا چکے ہو۔"

"ہرگز نہیں۔ میں تمھاری جیسی چھوکری سے کبھی شکست تسلیم نہیں کر سکتا۔ میں مقابلہ کروں گا مگر کچھ دیر بعد۔"

میں نے پومی سے کہا "اسے چند گھنٹوں کے لیے جنگ ملتوی کرنے کی اجازت دے دو۔"

پومی نے پوچھا "یہ جنگ کتنے عرصے تک ملتوی رہے گی؟"

اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے پومی کو دیکھا۔ اس کی نظریں پومی کے ہاتھوں پر تھیں۔ ان فولادی ہاتھوں کو دیکھنے سے ہی جسم دُکھنے لگتا تھا۔ اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا "ہم کل اسی وقت مقابلہ کریں گے۔"

"مجھے منظور ہے۔"

وہ دروازے کی طرف جانے لگا۔ پومی نے راستہ روک کر کہا "نہیں، چابی میں تمھاری جیب سے نکالوں گی۔ جیسا کہ تمھاری شرط ہے تاکہ تمھارے آدمی یہ دیکھ سکیں کہ تالا میں نے کھولا ہے۔"

"اس کا مطلب تو یہ ہو گا کہ میں اپنے آدمیوں کے سامنے تمھارے مقابلے میں کمتر سمجھا جاؤں گا۔"

"تم جو بھی سمجھو۔ مجھے چیلنج کرنے سے پہلے سوچ لینا چاہیے تھا۔ میں تمھاری ایک بات مان رہی ہوں۔ مقابلہ چوبیس گھنٹے کے لیے ملتوی کر رہی ہوں۔ لہٰذا اپنی شرط کے مطابق میری ایک بات مان لو۔ چابی مجھے نکالنے دو۔ نہیں نکالنے دو گے تو میں مقابلہ کر کے نکال لوں گی۔"

مسٹر نوکو نے اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا پھر آہنی دروازے کے پاس آ کر اپنے آدمیوں پر نظر ڈالی۔ وہ تمام مسلح افراد اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ اس نے مسکرا کر کہا "ہم نے یہ مقابلہ چوبیس گھنٹے کے لیے ملتوی کر دیا ہے۔ ابھی ہار جیت کا فیصلہ نہیں ہوا ہے۔ اس لیے میں پومی کو اپنی جیب سے چابی نکالنے کی اجازت دیتا ہوں۔"

یہ بات کہہ کر اس نے اپنی مردانگی کا بھرم رکھ لیا۔ پومی اس کے پاس آئی۔ اس کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور چابی نکال کر دروازے کو کھول لیا۔ اس دوران اس نے پوچھا "فرہاد! تم نے جنگ ملتوی کرانے کا فیصلہ کیوں کیا؟"

"مجھے مسٹر نوکو سے کچھ کام لینا ہے۔ تمھیں بعد میں بتاؤں گا۔"

مسٹر نوکو نے اپنے آدمیوں سے کہا "جب تک ہمارے مقابلے کا نتیجہ نہ نکلے، اس وقت تک پومی مہمان کی حیثیت سے رہے گی۔ اس کے آرام اور ضروریات کا خیال رکھا جائے۔"

وہ زیادہ دیر نہ ٹھہر سکا۔ تیزی سے چلتا ہوا اپنے بیڈ روم میں پہنچ گیا۔ وہ بہت پریشان تھا۔ آج تک ایسا نہیں ہوا کہ اس کے مقابلے پر کوئی آیا ہو اور اس نے گھٹنے نہ ٹیکے ہوں۔ ایک لڑکی کے مقابلے میں اگرچہ شکست نہیں ہوئی تھی مگر آثار بتا رہے تھے، شکست ضرور ہو گی۔ یہی کیا کم تھا کہ وہ لڑکی برابر کا مقابلہ کر رہی تھی۔

اس کی خدمت کرنے کے لیے بیڈ روم میں ایک ملازم اور ایک ملازمہ آئے۔ اس نے ڈانٹ کر کہا "چلے جاؤ۔ یہاں کسی کی ضرورت نہیں ہے۔"

وہ باہر گئے تو اس نے دروازے کو اندر سے بند کر لیا۔ ایک ایزی چیئر پر بیٹھ گیا مگر زیادہ دیر بیٹھ نہ سکا۔ اس کے اندر ہلچل سی مچی ہوئی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا، کون سا ایسا طریقہ اختیار کرے کہ پومی آسانی سے شکست کھا جائے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا "مجھے آرام سے لیٹ جانا چاہیے۔ دماغ کو سکون پہنچانا چاہیے۔ ورنہ کبھی کوئی کام کی بات سمجھ میں نہیں آئے گی۔"

وہ بستر پر آ کر لیٹ گیا۔ ایسی باتیں اس کی اپنی سوچ میں ہو رہی تھیں اور یہ میری مرضی کے مطابق ہو رہی تھیں۔ وہ ان پر عمل کر رہا تھا۔ یہ شبہ نہیں کر سکتا تھا کہ میں موجود ہوں۔ ان حالات میں انسان تھک کر ذرا لیٹنا چاہتا ہے۔ اس لیے وہ بھی لیٹ گیا تھا۔ پھر اسے آہستہ آہستہ تھپک کر سلا دینا میرے لیے کوئی بڑی بات نہیں تھی۔

جب میں نے دیکھا کہ وہ گہری نیند سو گیا ہے تو میں نے اس کے خوابیدہ دماغ کو تنویمی عمل کے ذریعے تسخیر کرنا شروع کیا۔ ہپناٹزم کے اصولوں کے مطابق میں نے اسے اپنا معمول بنایا۔ پھر اسے اپنے احکامات کی تعمیل پر آمادہ کیا۔ میرا یہ عمل بالکل ایسا ہی تھا جیسے سلیمان جوگو کے ساتھ ہو چکا تھا۔ وہ بھی یوگا کا ماہر تھا۔ سوچ کی لہروں کو محسوس کرتے ہی سانس روک لیتا تھا۔ میں نے ایک دن اس کے خوابیدہ دماغ کو اپنی مٹھی میں لے کر اس پر تنویمی عمل کیا تھا۔ یہ بات اس کے دماغ میں نقش کر دی تھی کہ وہ کبھی پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس نہیں کرے گا۔

وہ دن ہے اور آج کا دن، سلیمان جوگو نے میری یا شیبا کی سوچ کی لہروں کو کبھی محسوس نہیں کیا اور چونکہ محسوس نہیں کیا تھا اس لیے اس نے سانس روک کر یوگا کی مہارت کا اظہار نہیں کیا تھا۔

مسٹر نوکو نے میرا معمول بن کر وعدہ کیا، آئندہ وہ پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس نہیں کرے گا اور نہ ہی کبھی یہ شبہ کرے گا کہ خیال خوانی کرنے والا اس کے دماغ میں چپ چاپ موجود

ہے۔ اس کے بعد میں نے اس سے سوال کیا" اس پُراسرار شخص سے تمھارا کیا تعلق ہے؟"
اس نے جواب دیا" میں اس کا دستِ راست ہوں۔"
"وہ کون ہے؟"
"وہی اصل سُپر ماسٹر ہے مگر اس کے متعلق میرے سوا کوئی نہیں جانتا۔"
یہ میرے لیے یا میرے پڑھنے والوں کے لیے کوئی چونکا دینے والی بات نہیں تھی۔ ہم پہلے ہی سمجھ گئے تھے کہ ایک نقلی سُپر ماسٹر دنیا والوں کے سامنے ہے اور اس نقل کے پیچھے اصل سُپر ماسٹر اصل کام کر گزرتا ہے۔ میں نے پوچھا" اس کا نام، پتا اور خاص فون نمبر بتاؤ۔"
مجھے توقع نہیں تھی کہ وہ اصل سُپر ماسٹر کے اتنے قریب ہوگا۔ اس نے اس کا نام پتا ٹھکانا اور فون نمبر کے ساتھ کوڈ ورڈز بھی بتادیے۔ پھر میں نے سوال کیا" دی کلر کہاں ہے؟"
"میں نہیں جانتا۔"
"کیا تم جھوٹ بول رہے ہو؟"
"میں تمھارا معمول ہوں۔ جھوٹ نہیں بول سکتا۔"
میں نے پوچھا" وہ دی کلر کون ہے جو پومی کے قید خانے میں آیا تھا اور پومی نے اسے ایک آہنی قید خانے کے پیچھے ایک بچّے کی مانند سوتا ہوا دیکھا تھا؟"
اس نے جواب دیا" مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ پومی نے دی کلر کو دیکھ لیا ہے مگر اس نے کوئی ایسی حرکت ضرور کی تھی جس کی وجہ سے خطرے کا الارم بجنے لگا تھا۔ میں نے خطرے کی گھنٹی سنتے ہی سُپر ماسٹر سے رابطہ قائم کیا تھا اور اس سے کہا تھا" دی کلر کو فوراً یہاں سے دوسری جگہ منتقل کر دیا جائے۔ میرے اور پومی کے مقابلے کے دوران ہی اسے قلعے سے باہر نکال دیا گیا تھا۔ ایک ہیلی کاپٹر اسے لے گیا ہے۔ اب یہ سُپر ماسٹر جانتا ہے کہ وہ کہاں ہوگا۔"
میں نے کہا" میں تمھیں حکم دیتا ہوں، ایک گھنٹے تک گہری نیند سوتے رہو۔ جب تمھاری آنکھ کھلے گی تو یہ یاد نہیں آئے گا کہ خواب میں کسی نے تنویمی عمل کیا تھا۔"
اس نے کہا" میں ایک گھنٹے تک گہری نیند سوتا رہوں گا۔ بیدار ہونے کے بعد مجھے یاد نہیں آئے گا کہ خواب میں کسی نے مجھ پر تنویمی عمل کیا تھا۔"
"تم غیر شعوری طور پر پرائی سوچ کی لہروں کو کبھی محسوس نہیں کروگے۔"
اس نے میری بات کو دہرایا۔ میں نے اسے ایک گھنٹا سونے کی ہدایت کی۔ پھر اس کے دماغ سے نکل آیا۔ شیبا موجود نہیں تھی وہ شیخ صاحب کی ہدایت کے مطابق خود تنویمی عمل کے دوران معمولہ بننے جارہی تھی۔ میں نے اسے اپنی ضرورت کے لیے بلایا تھا۔ یہ ضرورت پوری ہوتے ہی وہ چلی گئی تھی۔ میں نے پومی کے پاس آکر اسے مسٹر نوکو کے متعلق بتایا تو وہ خوش ہوکر بولی" اس سے بڑی کامیابی اور کیا ہوسکتی ہے کہ تمھیں سُپر ماسٹر کا نام پتا، ٹیلی فون نمبر اور کوڈ ورڈز وغیرہ معلوم ہوگئے ہیں۔"
"مگر دی کلر تم سے دور ہوگیا ہے۔ تمھیں شاید پھر کسی نئی مہم پر روانہ ہونا پڑے گا۔"
"میں تھکنے والی نہیں ہوں۔ اس کا پیچھا نہیں چھوڑوں گی۔"
میں نے سوچا" اگر میں مسٹر نوکو کے بیدار ہونے کا انتظار کروں گا اور اس کے ذریعے پومی کو قلعے کے باہر لے جاؤں گا یعنی اس قلعے سے نجات دلاؤں گا تو یہ ایک لمبا چکر ہوگا۔ ابھی وہ میرا معمول ہے۔ میرے حکم پر گہری نیند سو رہا ہے۔ میرے حکم پر بیدار ہوسکتا ہے لہٰذا مجھے اس کے خوابیدہ دماغ پر قابض رہ کر اپنے مطلب کا سارا کام نکال لینا چاہیے۔"
میں تھوڑی دیر تک سوچتا رہا منصوبہ بناتا رہا۔ پھر میں نے ریڈیو پارکر کے پاس کو مخاطب کیا اور کہا" میں نے آج صبح تم سے کہا تھا کہ ہیلی کاپٹر تیار رکھا جائے کسی وقت بھی پومی کو ضرورت پڑسکتی ہے۔"
"جناب، ہیلی کاپٹر صبح سے آپ کا منتظر ہے۔"
"مجھے ہیلی کاپٹر کے پائلٹ کی آواز سناؤ۔"
تھوڑی دیر بعد مجھے اس کی آواز سنائی گئی۔ میں نے کہا۔ "اب میں اس کے دماغ میں رہوں گا۔ اس سے کہو، ہیلی کاپٹر لے کر پرواز کرے لیکن مسٹر نوکو کے قلعے سے دور رہے۔ جب تک میں نہ کہوں، اس وقت تک قلعے تک نہ پہنچے۔"
میں مسٹر نوکو کے پاس پہنچ گیا۔ وہ میری ہدایت کے مطابق گہری نیند سو رہا تھا۔ میں نے اس کے دماغ میں پہنچ کر کہا" میں نے پہلے جو ہدایت دی تھی اسے واپس لے رہا ہوں۔ تم پورے ایک گھنٹے تک خوابِ غفلت میں نہیں رہوگے۔ میرے دوسرے حکم کے مطابق بیدار ہوجاؤ۔"
اس نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھول دیں۔ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ میں اس کے دماغ پر پوری طرح قابض تھا۔ اسے یہ محسوس نہیں ہونے دینا چاہتا تھا کہ وہ بیدار ہوچکا ہے۔ جب تک میں دماغ پر قابض رہتا وہ غفلت کی حالت میں رہتا۔ ٹیلی پیتھی کے اثر سے نکلنے کے بعد بھی اسے یہ کبھی معلوم نہیں ہوسکتا تھا کہ وہ غفلت کے دوران کیا کرچکا ہے۔

وہ اپنے بستر سے اُٹھ کر اطمینان سے چلتا ہوا بیڈ روم سے باہر آیا۔ مسلح پہرے دار اسے دیکھتے ہی اٹینشن ہو گئے۔ وہ ان کے درمیان سے گزرتا ہوا پومی کے پاس پہنچا۔ وہ اپنے کمرے میں تنہا تھی۔ اسے دیکھتے ہی اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے دروازے کو اندر سے بند کیا۔ پھر اس کی طرف بڑھنے لگا۔ اس نے اسے گھورتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر پوچھا: "کیا چوبیس گھنٹے سے پہلے مقابلہ کرنے آئے ہو؟"

میں نے اس کے ذریعے مسکرا کر کہا: "میں فرہاد بول رہا ہوں۔ دروازہ اس لیے بند کیا ہے کہ ہماری بات کوئی سُن نہ سکے۔ مسٹر نوکو کا دماغ ہمارے قبضے میں رہے گا۔ تم والٹسو روکی اور سلیمان جوگو کے ساتھ ہیلی کاپٹر میں بیٹھ کر یہاں سے جاؤ گی۔"

میں نے مسٹر نوکو کو ٹیلی فون کے پاس پہنچایا۔ وہ ریسیور اُٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگا۔ چونکہ میں اس کے دماغ میں تھا اس لیے قلعے کے متعلقہ افراد کے متعلق اچھی طرح جانتا تھا۔ قلعے کے اندر ایک وسیع میدان تھا جہاں مسٹر نوکو کا خاص ہیلی کاپٹر آکر اترتا تھا۔ اس حصّے کے انچارج کو فون کے ذریعے مسٹر نوکو نے کہا۔ "ابھی ایک ہیلی کاپٹر یہاں اترنے والا ہے۔ اسے سگنل دو۔ اس میں پومی، والٹسو روکی اور سلیمان جوگو جائیں گے۔"

دوسری طرف سے پوچھا گیا: "جناب! آپ کا حکم سر آنکھوں پر لیکن میں یہ سوال کرنے کی جرأت کر رہا ہوں، کہیں آپ فرہاد کے زیرِ اثر تو نہیں ہیں؟"

"یُونان سنس، میں خود پومی کے ساتھ ہیلی کاپٹر تک جاؤں گا اور انھیں سی آف کر دوں گا۔"

دوسری طرف سے کہا گیا: "جناب! آپ سے درخواست ہے، اپنا کوڈ ورڈ دُہرائیں۔"

میرے لیے کون سی بڑی بات تھی۔ میں نے مسٹر نوکو کے دماغ سے کوڈ ورڈز معلوم کیے اور انھیں دُہرا دیا۔ دوسری طرف سے اطمینان کا اظہار کیا گیا۔ مسٹر نوکو نے ریسیور رکھ دیا۔ پھر پومی کے پاس آکر کہا: "میں فرہاد صرف چند سیکنڈ کے لیے اس کے دماغ سے جا رہا ہوں۔ تم اسے سنبھال لینا۔"

میں نے اسے چھوڑ کر ہیلی کاپٹر کے پائلٹ کے دماغ میں چھلانگ لگائی۔ اُسے کہا: "تمھیں قلعے کے اندر سگنل مل رہا ہے، وہاں ہیلی کاپٹر اتار سکتے ہو۔ میں جا رہا ہوں۔"

میں پھر مسٹر نوکو کے دماغ میں پہنچا۔ اس وقت تک وہ پریشان ہو کر سمجھنا چاہتا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہوتا رہا ہے۔ جب تک وہ سمجھتا اور اس پر عمل کرتا، میں اس کے دماغ پر دوبارہ قابض ہو چکا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پومی، والٹسو روکی اور سلیمان جوگو کے ساتھ قلعے کے میدانی حصّے میں آگیا۔ ہیلی کاپٹر شور مچاتا ہوا نیچے اتر رہا تھا۔ چاروں طرف مسلح جوان مستعد کھڑے ہوئے تھے۔ ان میں سے بعض لوگوں کو یقین نہیں تھا کہ ان کا آقا اتنی مشکل سے ہاتھ آنے والی پومی کو اتنی آسانی سے جانے کی اجازت دے رہا ہے۔ وہاں کا انچارج مسٹر نوکو کے ساتھ چل رہا تھا اور طرح طرح کے سوالات کر رہا تھا۔ اس نے پوچھا: "جناب! آپ یہاں کے مالک اور مختار ہیں لیکن احتیاطاً پوچھنا چاہتا ہوں، آپ پومی کو رہا کیوں کر رہے ہیں؟"

"ہمارے درمیان سمجھوتا ہو گیا ہے۔"

انچارج نے ساتھ چلتے ہوئے آہستگی سے کہا: "جناب! کوئی پریشانی ہے تو اشارہ کر دیں، میں سمجھ لوں گا۔"

اس انچارج کو ٹیلی پیتھی کے متعلق مکمل معلومات نہیں تھیں۔ ورنہ وہ ضرور سمجھ لیتا کہ بڑی سے بڑی بات ہو یا ہلکا اشارہ ہو، وہ سب دماغ سے ہی نکلتے ہیں۔ ٹیلی پیتھی کی مٹھی میں آنے والا جب اپنے ہی قابو میں نہیں رہتا تو وہ بے چارہ کیا اشارہ کر سکے گا!

ہیلی کاپٹر زمین پر آکر ٹھہر گیا تھا۔ پنکھا بدستور گردش کر رہا تھا۔ وہاں ٹھہرنا نہیں تھا۔ فوراً ہی پرواز کرنا لازمی تھا۔ اس وقت ہم میدان جیت رہے تھے۔ جس قلعے میں آج تک مسٹر نوکو کی اجازت کے بغیر کوئی داخل نہیں ہو سکا تھا اور داخل ہونے کے بعد نکل نہیں سکا تھا، وہاں سے ہم بہ آسانی نکل رہے تھے۔ کوئی ہمیں روک نہیں سکتا تھا مگر اچانک ہی وہ بات ہو گئی جس کی توقع ایسے وقت کوئی نہیں کر سکتا۔ شاید اسے ہی مقدر کا کھیل کہتے ہیں۔

اچانک میری خیال خوانی کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ مسٹر نوکو میرے ہاتھ سے نکل گیا۔ اب وہاں کیا ہو رہا ہو گا، میں یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا۔ میں لیو چن کے ساتھ ایک کمرے میں بند تھا اور مجھے کچھ بے چینی سی محسوس ہو رہی تھی۔ ایسی بے چینی جس کے باعث خیال خوانی جاری نہیں رکھ سکتا تھا۔ میں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر آس پاس دیکھا۔ پھر اپنی ناک پر رومال رکھ لیا۔ ہمارے کمرے میں ایسی گیس پھیل رہی تھی جو ہمیں بے ہوش کر سکتی تھی یا ہلاک کر سکتی تھی۔

مجھے خیال خوانی کرتے ہوئے کئی گھنٹے گزر چکے تھے۔ اس سے پہلے لیو چن نے دروازے کو اندر سے بند کیا تھا۔ پھر بستر پر پہنچ کر نوٹوں کو گننے بیٹھ گئی اور میں خیال خوانی کرنے لگا تھا۔ تب سے دروازہ نہیں کھلا تھا۔ میں نے تیزی سے چلتے ہوئے دروازے کے پاس پہنچ کر اس کی چٹخنی گرا دی۔ اسے کھولنا چاہا مگر وہ کھل نہ سکا۔ اسے باہر سے بند کر دیا گیا تھا۔

میں نے دروازے کو پیٹتے ہوئے کہا: "دروازہ کھولو۔ کس نے بند کیا ہے؟"

کوئی جواب نہیں ملا۔ ایسی بات تو نہیں تھی کہ گھر میں کوئی نہ ہو۔ میں نے گھر کے تمام افراد کو دیکھا تھا۔ وہ گھوڑے بیچ کر سو نہیں سکتے تھے۔ دروازہ پیٹنے پر ان کی آنکھیں کھل سکتی تھیں۔ میں نے پھر کئی گھونسے دروازے پر جمائے۔ چیخ چیخ کر اُنھیں آوازیں دیں پھر بھی جواب نہ ملا۔

میں دوڑتا ہوا بستر کے پاس آیا۔ لیو چن نوٹوں کے ڈھیر پر اوندھی پڑی ہوئی تھی۔ میں نے اسے سیدھا کیا۔ وہ گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔ میں نے بستر پر سے چھلانگ لگا کر دوسری طرف کی کھڑکی کو کھولنا چاہا۔ پتا چلا، یہ انتظامات پہلے سے تھے۔ کھڑکی کے باہر والے حصّے میں کوئی رکاوٹ پیدا کر دی گئی تھی۔ اس کے پٹ نہیں کھل رہے تھے۔

میں نے لیو چن کی طرف پلٹ کر دیکھا۔ اس کی آنکھیں بند ہو چکی تھیں۔ دور سے یوں لگتا تھا، سانسیں بھی بند ہو چکی ہیں۔ میں نے دوسرے دروازے کے پاس جا کر اسے بھی کھولنے کی کوشش کی۔ زور زور سے دھکے مارنے شروع کیے۔ خطرے کا احساس ہوتے ہی میں نے ناک پر رومال رکھ لیا تھا۔ اس لیے اب تک اپنے پاؤں پر کھڑا ہوا تھا لیکن کب تک رومال کے ذریعے سانس لے سکتا تھا۔ تازہ ہوا لازمی تھی۔

کھڑکیاں اور دروازے مضبوط تھے۔ میں انھیں توڑ نہیں سکتا تھا۔ کمرے میں لوہے کی ایسی کوئی چیز نہیں تھی جس کے ذریعے دروازے کو کھول سکتا یا تازہ ہوا کے لیے سوراخ کر سکتا۔

آخر ایک تدبیر سُوجھی۔ میں اس دروازے سے جا کر ٹکرا گیا جو اس مکان کے اندرونی حصّے میں کھلتا تھا۔ اس سے ٹکراتے ہی دھپ سے فرش پر گر پڑا تاکہ دوسری طرف سے میرے گرنے کی آواز سُنی جا سکے۔ ابھی رومال کے سہارے میں خاصی دیر تک سانسیں لے سکتا تھا۔ جب دشواری محسوس ہوتی تو تقریباً چالیس سیکنڈ تک سانس روک سکتا تھا۔ میں نے گرتے ہی آنکھیں بند کیں۔ پھر خیال خوانی کی پرواز کرتا ہوا لیو چن کے بھائی کے پاس پہنچ گیا۔ دو بھائی بہن تھے جو انگریزی بولتے تھے۔ باقی اس گھر میں اور گھر کے آس پاس تمام علاقے میں چینی بولنے والوں کی اکثریت تھی۔

وہ دروازے کے دوسری طرف کھڑا ہوا تھا۔ تنہا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ چار عدد چینی نوجوان تھے۔ لیو چن کے والدین بھی تھے۔ دولت ایسے ہی تماشے دکھاتی ہے۔ اسے حاصل کرنے کے لیے ماں باپ نے لیو چن کی جان لینے سے بھی دریغ نہیں کیا تھا۔ زہریلی گیس کے ذریعے میرے ساتھ اسے بھی مار ڈالنا چاہتے تھے۔ میں نے اس کے بھائی کی سوچ میں کہا: "اب مائیکل کی آواز سُنائی نہیں دے رہی ہے۔ ابھی ہم نے اسے دروازے سے ٹکرا کر گرتے ہوئے سُنا ہے۔ وہ بھی ختم ہو چکا ہے۔ دروازہ کھول دینا چاہیے۔"

اس نے اپنے ساتھیوں سے دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔ اس کے باپ نے اعتراض کیا: "ابھی نہیں، تھوڑی دیر اور انتظار کرو۔"

مجھے اپنی فکر نہیں تھی۔ تھوڑی دیر اور انتظار کرنے کا مطلب یہ ہوتا کہ لیو چن ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتی۔ میں نے سر اُٹھا کر بستر کی طرف دیکھا۔ وہ پلنگ کے اوپر چاروں شانے چت پڑی ہوئی تھی۔ وہ دولت چاہتی تھی۔ اس کی آخری خواہش پوری ہو رہی تھی، وہ نوٹوں کے بستر پر سو رہی تھی۔

میں اسے زندہ رکھنا چاہتا تھا۔ بے شک وہ لالچی تھی۔ دولت کا لالچ کسے نہیں ہوتا۔ ہر لڑکی یہ چاہتی ہے کہ اس کی زندگی میں کوئی ایسا شخص آئے جو بے انتہا کمائے اور اسے خوشحال رکھے۔ میں نے اس کے ساتھ مختصر سے مگر خوبصورت لمحات گزارے تھے۔ اس نے اپنے ماں باپ کی طرح مجھے دھوکا دے کر مار ڈالنے کے متعلق کبھی نہیں سوچا تھا۔ اس نے اپنی محبت، اپنا سب کچھ مجھے دیا تھا۔ میرا فرض تھا کہ میں اسے ہر حال میں زندہ رکھنے کی کوشش کرتا۔

میں وہاں سے اُٹھ گیا۔ آہستہ آہستہ چلتا ہوا بستر کے پاس آیا۔ تاکہ قدموں کی آہٹ سُنائی نہ دے اور باہر والے یہی سوچتے رہیں کہ ہم دونوں بالکل بے حس و حرکت ہو گئے ہیں۔ اب ذرا سی بھی جنبش نہیں کر سکیں گے۔ بہر حال میں نے لیو چن کو دونوں بازوؤں میں اُٹھایا اور دروازے کے قریب لا کر فرش پر ڈال دیا تاکہ جیسے ہی دروازہ کھلے، اسے میں کھینچتا ہوا تازہ ہوا میں لے جاؤں۔

اسے فرش پر لٹانے کے بعد میں اس کے چہرے پر جُھک گیا۔ میرے مُنہ پر رومال بندھا ہوا تھا۔ لیو چن کا مُنہ ذرا سا کھلا ہوا تھا۔ میں نے اس کے مُنہ کو ذرا اور کھولا۔ یہ میں خیال خوانی کے ذریعے معلوم کر چکا تھا کہ وہ زندہ ہے، برائے نام سانس لے رہی ہے۔ اگر اسے مزید سانسیں پہنچائی جائیں تو وہ زندگی کی طرف لوٹ آئے گی۔

میں اپنے مُنہ کے ذریعے سانسیں پہنچانے لگا۔ زور زور سے پھونکیں مارنے لگا۔ ابھی تک سانسوں میں زہریلی گیس شامل نہیں ہوئی تھی۔ میں نے اسی ایک رومال سے لیو چن کے مُنہ کو اور ناک کو ڈھانپ رکھا تھا۔ میرا ایک ہاتھ اس کے دل پر

تھا تاکہ دھڑکنوں کی رفتار کو سمجھتا رہوں۔ میرا یہ طریقۂ کار بڑی حد تک سود مند رہا۔ اس بے چاری کو تھوڑی بہت سانسیں ملنے لگیں مگر یہ کافی نہیں تھا۔ میرے اندر کی جتنی سانسیں تھیں وہ کبھی اس کے اندر جا رہی تھیں کبھی میرے سینے میں واپس آ رہی تھیں جیسے روٹی کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہوتا ہے جس سے دو آدمی بھوک مٹاتے ہیں۔ پانی کا ایک قطرہ ہوتا ہے جس سے دو آدمی پیاس بجھاتے ہیں مگر اتنے میں نہ پیاس بجھتی ہے نہ بھوک مٹتی ہے۔ اسی طرح مختصر سی سانسوں میں ہم دونوں کا بھلا نہیں ہو سکتا تھا۔

اس عمل کے دوران میں خیال خوانی کی آنکھوں سے لیو چن کے بھائی کو دیکھ رہا تھا اور اس کے ذریعے دوسروں پر بھی میری نظر تھی۔ پھر میں نے دیکھا، ان میں سے ایک نوجوان آگے بڑھ کر دروازہ کھولنے لگا تھا۔ میں چپکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا، دبے قدموں چلتا ہوا ٹھیک دروازے کے سامنے آ گیا۔ وہ آہستہ آہستہ دروازے کی چٹخنی کو نیچے کھسکا رہا تھا۔ اس کی دانست میں کمرے کے اندر رہنے والے اسے دیکھ نہیں سکتے تھے۔ میں لیو چن کے بھائی کے ذریعے اسے صاف طور پر دیکھ رہا تھا۔ چٹخنی نیچے آ گئی۔ اب وہ دروازہ کسی وقت بھی کھول سکتا تھا لیکن وہ ایک دم سے کھولنا نہیں چاہتا تھا۔ بس ایک ذرا جھانکنے کی حد تک کھول کر مطمئن ہونا چاہتا تھا کہ زہریلی گیس نے ہمارا کام تمام کر دیا ہے۔

بے چارے کو جھانکنے کی حسرت ہی رہ گئی۔ میں نے ایک زور کی لات دروازے پر ماری۔ دونوں پٹ ایک دھماکے سے کھلے اور جھانکنے والا پیچھے لڑکھڑاتا ہوا اپنے ساتھیوں پر جا گرا۔ پھر میں نے یہ نہیں سوچا کہ وہ لوگ بیک وقت مجھ پر حملہ کریں گے۔ مجھے لیو چن کی فکر تھی۔ دروازے پر لات مارتے ہی میں نے پلٹ کر لیو چن کے دونوں ہاتھوں کو تھام لیا۔ پھر اسے گھسیٹتا ہوا دروازے تک لے آیا۔ ابھی میں اسے دروازے سے آدھا ہی نکال سکا تھا کہ وہ چاروں مجھ پر پل پڑے۔ اس کے باوجود میں نے انھیں اہمیت نہیں دی۔ میں نے پہلے ہی سوچ لیا تھا کہ ان سے کچھ مار کھاؤں گا۔ مجھے بچاؤ کی فکر نہیں تھی۔ تازہ ہوا میں سانس لینا ضروری تھا۔ اس لیے میں لیو چن کو کھینچتا ہوا دروازے سے باہر لے آیا۔ وہ مجھ پر حملے کر رہے تھے۔ کوئی گھونسے مار رہا تھا۔ کوئی کراٹے کے ہاتھ دکھا رہا تھا۔ کوئی لات مار کر مجھے گرانا چاہتا تھا۔ ایسے وقت میں بیٹھ گیا۔ لات مارنے والا ناکام رہا۔ ورنہ میں لیو چن کو دور تک لے جانے میں ناکام رہتا۔ بہرحال اتنا ہوا کہ ہم زہریلی گیس سے دور نکل گئے۔

وہ سب کے سب اپنے منہ پر کپڑا باندھے ہوئے تھے۔ انھیں معلوم تھا جب دروازہ کھولیں گے تو کمرے کی زہریلی گیس واپس ان کی طرف بھی آئے گی۔ اسی لیے انھوں نے یہ احتیاطی تدابیر کی تھیں۔ میں لیو چن کو کھینچتا ہوا ایک راہداری میں لے آیا تھا۔ وہ مکان پرانے طرز کا تھا۔ راہداریاں اتنی تنگ تھیں کہ بیک وقت دو ہی آدمی گزر سکتے تھے۔ تیسرے کو رکنا پڑتا تھا۔ اس سے فائدہ یہ ہوا کہ حملہ کرنے والے بیک وقت ایک ساتھ نہیں آ سکے۔ ایک ایک دو دو کر کے آنے لگے اور میں ان سے نمٹنے لگا۔

اس تنگ سی راہداری میں ہماری یہ جنگ تھوڑی دیر کی تھی۔ میں نے دیکھا، رفتہ رفتہ لڑنے والے کم ہوتے جا رہے تھے۔ بڑی حیرانی کی بات تھی۔ انھوں نے مجھ سے زیادہ مار نہیں کھائی تھی۔ وہ میدان چھوڑ کر نہیں جا سکتے تھے مگر چلے گئے تھے۔ جب ایک جوان تنہا رہ گیا تو میں نے اسے ٹھوکر مار کر ایک طرف گراتے ہوئے دیکھا۔ دور اس کمرے میں جہاں زہریلی گیس پھیلائی گئی تھی، وہ تمام لوگ نظر آ رہے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو دھکے دے کر بستر پر پھیلے ہوئے نوٹوں پر جھپٹ رہے تھے۔ انھوں نے کمرے کے دونوں دروازے اور کھڑکیاں کھول دی تھیں۔ رات کا وقت تھا۔ باہر سے کوئی دیکھنے والا نہیں تھا۔ انھیں دنیا والے نہ دیکھیں تب بھی یہ سب جانتے ہیں اور مانتے ہیں کہ دولت خون سفید کر دیتی ہے۔ خون کے رشتے اتنے کمزور پڑ جاتے ہیں کہ بھائی کی محبت، باپ کی شفقت اور ماں کی ممتا کتابی باتیں ہو جاتی ہیں۔

دولت کا خواب دیکھنے والی لیو چن غریبی کی زندگی گزارنے کے دوران کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اپنا بھائی اور ماں باپ اس کے جانی دشمن بن سکتے ہیں۔

میں اس کمرے میں جانا نہیں چاہتا تھا۔ وہاں اب تک زہریلی گیس کے اثرات ہوں گے۔ ان سب کے منہ پر اور ناک پر کپڑا بندھا ہوا تھا۔ میں نے لیو چن کو اٹھا کر کاندھے پر لاد لیا۔ پھر وہاں سے گزرتا ہوا، ایک زینے پر چڑھتا ہوا چھت پر پہنچ گیا۔ وہاں ہم کھلی فضا میں گہری گہری سانس لینے لگے۔ لیو چن پر نیم بے ہوشی طاری تھی۔ میں نے خیال خوانی کے ذریعے اس کے بھائی کے پاس پہنچ کر انھیں دیکھا۔ وہ ایک دوسرے سے لڑتے جا رہے تھے اور زیادہ سے زیادہ نوٹوں کو جھپٹنے کی کوشش کر رہے تھے۔ مالِ غنیمت کو محفوظ رکھنے کے لیے سب سے قریب ترین جیبیں تھیں۔ وہ جیبوں میں نوٹوں کو ٹھونستے جا رہے تھے۔

ان میں سے دو چینی نوجوان کبھی کبھی انگریزی میں بڑبڑاتے جا رہے تھے۔ میں لیو چن کے بھائی کے ذریعے ان کی آوازوں کو اور لب و لہجے کو یاد کرتا جا رہا تھا۔ اچانک ہی لیو چن کے باپ

نے ریوالور نکال کر دروازے پر کھڑے ہو کر سب کا راستہ روکتے ہوئے کہا۔ "خبردار! سب اپنی اپنی جگہ رک جاؤ۔ کوئی حرکت نہ کرے۔ کوئی ایک نوٹ بھی نہ اٹھائے اور کوئی میری طرف نہ آئے۔"

میں انگریزی جاننے والوں کے ذریعے چینی زبان کا ترجمہ سمجھ رہا تھا۔ بیٹے نے باپ کے ہاتھوں میں ریوالور دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا تم مجھے بھی شوٹ کر دو گے؟"

باپ نے سخت لہجے میں کہا۔ "دولت کے معاملے میں کسی پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا۔"

اس نے بیٹے کا نام لے کر اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "شاؤ چن! تم نے ہی یہ منصوبہ بنایا تھا کہ زہریلی گیس کے ذریعے تمھاری بہن کو اور مائیکل کو ختم کر دیا جائے۔ میں نے بھی سوچا، لڑکی ہاتھ سے نکل رہی ہے۔ یہاں سے مائیکل کے ساتھ جائے گی تو ساری دولت لے کر چلی جائے گی۔ ہمیں پھوٹی کوڑی نہیں دے گی۔ ایک بیٹی جاتی ہے تو جائے، دولت نہ جائے۔ اس لیے تمھارے منصوبے میں شریک ہو گیا لیکن تم نے اپنے چار دوستوں کو اس معاملے میں شریک کر کے غلطی کی۔"

شاؤ چن نے کہا۔ "میرے ان ساتھیوں نے زہریلی گیس کا انتظام کیا ہے۔ ہم اکیلے یہ کام نہیں کر سکتے تھے۔"

باپ نے کہا۔ "ٹھیک ہے۔ مگر تم نے کہا تھا، ان دوستوں کو صرف ایک ایک ہزار ڈالر دینے سے کام بن جائے گا۔ مگر یہ لوگ دولت میں برابر کے شریک ہو رہے ہیں۔ ان سے کہو، جتنی رقمیں اپنی جیبوں میں ٹھونس رکھی ہیں، انھیں باہر نکال دیں ورنہ یہاں سے کوئی زندہ نہیں نکلے گا۔"

شاؤ چن نے تینوں دوستوں کو دیکھا۔ چوتھا تو مجھ سے مار کھانے کے بعد راہداری میں پڑا ہوا تھا۔ اس نے اپنے دوستوں سے کہا۔ "بات بڑھانے سے کیا فائدہ؟ وعدے کے مطابق ایک ایک ہزار لو اور چلے جاؤ۔"

ایک دوست نے انگریزی زبان میں کہا۔ "شاؤ چن، تم اپنے بوڑھے لالچی باپ کو اچھی طرح سمجھ گئے ہو۔ جو دولت کی خاطر اپنی بیٹی کو قتل کرنے پر آمادہ ہو سکتا ہے وہ تمھیں بھی راستے سے ہٹا سکتا ہے۔ یہ بوڑھے قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھے ہیں مگر قبر میں پہنچنے سے پہلے اپنی اولاد کو پہنچا دینا چاہتے ہیں۔"

دوسرے دوست نے کہا۔ "شاؤ چن! اب بھی عقل سے کام لو۔ یہاں ماں باپ کا رشتہ کام نہیں آئے گا۔ دولت کام آئے گی۔ ہم جوان ہیں۔ ہمیں بہت لمبی زندگی گزارنا ہے۔ ہم پانچوں دوست اس دولت سے ایک مشترکہ کاروبار شروع کریں گے اور دولت مند بنتے چلے جائیں گے۔"

وہ انگریزی میں باتیں کر رہے تھے۔ شاؤ چن کے باپ نے گرج کر کہا۔ "اپنی زبان میں بولو۔ کیا تم لوگ میرے خلاف کوئی سازش کر رہے ہو؟"

شاؤ چن نے کہا۔ "نہیں، میں اپنے دوستوں کو سمجھا رہا ہوں۔"

ایک دوست نے کہا۔ "یار! یہ بوڑھا انگریزی نہیں سمجھتا ہے۔ ہماری بات مانو اور اس کو ٹھکانے لگا دو۔ تم بیٹے ہو کر ایسا نہیں کر سکتے۔ ہم پر چھوڑ دو۔ دیکھو، ہم کس طرح الو بناتے ہیں۔"

یہ کہہ کر وہ شاؤ چن کے باپ کی طرف پلٹ گیا۔ پھر بولا۔ "مجھے افسوس ہے کہ ہم اپنی زبان پر قائم نہیں رہے۔ ہمیں شاؤ چن کی دوستی عزیز ہے اس لیے یہ تمام رقم واپس کر رہے ہیں۔ ہمیں صرف ایک ایک ہزار ڈالر دے دو۔ ہم چلے جائیں گے۔"

بوڑھے نے کہا۔ "پہلے تمام رقم اس کمرے میں چھوڑ دو اور باہر نکل جاؤ۔ میں تم لوگوں کا معاوضہ اپنے کمرے میں آ کر دوں گا۔"

اس جوان نے اپنی تینوں جیبوں میں سے نوٹوں کو نکال کر فرش پر پھینک دیا۔ پھر اپنی خالی جیبیں دکھانے کے بعد وہاں سے جانے لگا مگر جانے کے لیے اسی دروازے سے گزرنا تھا جہاں وہ بوڑھا ریوالور لیے کھڑا ہوا تھا۔ گزرتے وقت اس نے بوڑھے کے پاس سے گزرتے ہوئے اس کے پیٹ پر گھٹنا مارا اور ریوالور والے ہاتھ کو پکڑ کر اوپر کی طرف اٹھا دیا۔ اس جدوجہد میں ٹھائیں کی آواز گونجنے والی تھی مگر کھٹ کھٹ کی آواز سنائی دی۔ یعنی ریوالور خالی تھا۔ بوڑھا چالاک تھا۔ فائرنگ کر کے تمام محلے والوں کو متوجہ کرنا نہیں چاہتا تھا۔ صرف دھمکی سے کام نکالنا چاہتا تھا۔

اس جوان نے بوڑھے کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔ دوسرے جوان نے لات ماری۔ وہ اوندھے منہ فرش پر گر پڑا۔ پھر تو چاروں طرف سے اس کی پٹائی ہونے لگی۔ شاؤ چن کی ماں نے اپنے بیٹے کو جھنجوڑتے ہوئے کہا۔ "یہ لوگ تمھارے باپ کو مار رہے ہیں۔ اور تم تماشا دیکھ رہے ہو۔"

"میں تو اس وقت بھی تماشا دیکھ رہا تھا جب ایک باپ اپنی بیٹی کی موت کا تماشا دیکھنے کے لیے بند کمرے کے باہر کھڑا ہوا تھا۔ مجھے تو شبہ ہے کہ تم دونوں ہمارے سگے ماں باپ نہیں ہو۔"

ماں نے روتے ہوئے کہا۔ "نہیں، بیٹا میں نے تمھیں جنم دیا ہے۔ میں تمھاری ماں ہوں۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں تمھیں کتنا چاہتی ہوں۔ تمھارے لیے جان دیتی ہوں۔ تمھارے لیے تمھارے باپ سے لڑتی ہوں۔"

بیٹے نے باپ کو ایک طرف دھکا دیتے ہوئے کہا۔ "جتنے نوٹ تم نے سمیٹ رکھے ہیں، وہ نکال کر پلنگ پر رکھ دو۔ تم دونوں کے لیے یہ مکان اور نیچے والی دکان کافی ہے، دولت ہمیں دو۔ ہم نوجوان اس کا صحیح مصرف جانتے ہیں۔"

دوسری طرف شاؤچن کے دوستوں نے اس کے باپ کی اچھی طرح پٹائی کی تھی۔ اس کی جیبوں سے تمام نوٹ نکال لیے تھے۔ میں خیال خوانی کے ذریعے انھیں دیکھ رہا تھا۔ اسی خیال خوانی کے ذریعے پومی کے پاس پہنچ سکتا تھا مگر جہاں موجود تھا پہلے وہاں کے حالات سمجھ کر اپنے بچاؤ کا راستہ نکالنا لازمی تھا کیونکہ دولت حاصل کرنے کے بعد وہ ہمیں زندہ چھوڑنے والے نہیں تھے۔

مجھے پومی وغیرہ کی فکر تھی۔ پتا نہیں، ان پر کیا گزر رہی تھی۔ ٹھیک موقع پر جبکہ انھیں رہائی نصیب ہو رہی تھی، مجھے اچانک اپنی جگہ حاضر ہونا پڑا تھا اور یہاں سے واپس جانے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ میں نے لیوچن کو دیکھا۔ اس کے جسم میں حرکت پیدا ہو رہی تھی۔ ہم زینے کے اوپری حصے میں چھت پر تھے۔ وہاں غضب کی سردی پڑ رہی تھی۔ تازہ ہوا حاصل ہونے کے بعد سردی کا شدید احساس ہو رہا تھا۔ میں نے اسے اٹھایا۔ وہ بیٹھ گئی۔ آنکھیں کھول کر آس پاس دیکھنے لگی۔ میں نے اسے مختصر طور پر بتایا۔ "لیوچن! تمھارے ماں باپ اور بھائی نے تمھیں ہلاک کر دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ وہ زہریلی گیس کے ذریعے ہم دونوں کو مار ڈالنا چاہتے تھے۔"

اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس نے کہا۔ "نہیں مائیکل! وہ ایسا نہیں کر سکتے۔ مگر ہماری دولت کہاں چلی گئی؟"

"اب اس پر تمھارے گھر والوں کا اور تمھارے بھائی کے دوستوں کا قبضہ ہے۔"

میری بات ختم ہوتے ہی زینے کے نچلے حصے میں قدموں کی آواز سنائی دی۔ پھر ایک نے اوپر دیکھتے ہوئے کہا۔ "وہ دونوں چھت پر ہیں۔"

زینے کے نچلے حصے میں شاؤچن کے دو دوست نظر آئے۔ ان میں سے ایک نے ریوالور دکھاتے ہوئے کہا۔ "چپ چاپ نیچے آ جاؤ، شور مچاؤ گے تو گولی مار دیں گے۔"

"ہمیں خود سردی لگ رہی ہے۔ ہم آ رہے ہیں۔"

میں نے لیوچن کو سہارا دیا۔ پھر اسے لے کر زینے سے اترتا ہوا نیچے آ گیا۔ اس دوران میں نے معلوم کر لیا تھا کہ شاؤچن اور اس کے دو دوستوں نے وہ تمام دولت سمیٹ کر گڈیوں کی صورت میں اسے دوبارہ بریف کیس کے اندر رکھ لیا تھا۔

بریف کیس لے کر وہ تینوں باہر گئے تھے اور اپنے دو دوستوں سے کہا تھا کہ مجھے ریوالور دکھا کر دھمکی دیں اور یہاں سے بھاگ جانے پر مجبور کر دیں۔

وہ یہی کہہ رہے تھے۔ میں نے کہا۔ "اگر تم لوگوں کی یہی مرضی ہے تو میں چلا جاؤں گا۔ مجھے اپنی جان پیاری ہے۔"

لیوچن نے کہا۔ "نہیں، ہم نہیں جائیں گے۔ کیا تم اتنی دولت آسانی سے چھوڑ کر جانا چاہتے ہو؟"

ریوالور والے نوجوان نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اب وہ دولت کہاں رہی۔ تمھارا بھائی لے گیا ہے۔ اس بریف کیس کا ایک نوٹ بھی تمھارے ہاتھ نہیں آئے گا۔"

میں نے کہا۔ "لیوچن! جان سے بڑھ کر دولت نہیں ہے۔ زندگی رہے گی تو آئندہ دولت ملنے کی امید رکھی جا سکتی ہے لیکن جان سے جاؤ گی تو اس دولت کا فائدہ کیا ہوگا؟"

دوسرے چینی جوان نے کہا۔ "تم عقلمند ہو۔ یہاں سے جانے کے بعد ہمارے خلاف کوئی کارروائی کرنے کی حماقت نہ کرنا۔ تمھارے پاس کوئی ثبوت نہیں ہوگا کہ وہ دولت شاؤچن اپنے دوستوں کے ساتھ لے گیا ہے۔ پھر تمھیں پولیس والوں کو یہ حساب بھی دینا ہوگا کہ اچانک اتنی رقم تمھارے پاس کہاں سے آ گئی تھی۔ لہٰذا اپنی زبان بند رکھنا۔"

میں لیوچن کو پکڑ کر جبراً وہاں سے لے جا رہا تھا۔ وہ ضد کر رہی تھی۔ "میں نہیں جاؤں گی، اپنی دولت چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔ یہ ظلم ہے۔ مجھے میرے ہی گھر میں لوٹا گیا ہے۔"

وہ دونوں میرے پیچھے آ رہے تھے۔ ایک نے ریوالور کا رخ ہماری طرف رکھا تھا۔ میں جانتا تھا وہ خالی ہے مگر میں ان چوہوں پر ہاتھ اٹھانا نہیں چاہتا تھا۔ نہ ہی اس گھر میں رہنا چاہتا تھا۔ لیوچن کی ضد دیکھ کر میں نے کہا۔ "دیکھو دوستو! ہم نوجوان ہیں، ان بوڑھوں کو تو جانے دو۔ کیا یہ دولت ہم آپس میں بانٹ نہیں سکتے؟"

وہ انکار کرنے والے تھے۔ ان سے پہلے ہی لیوچن نے کہا۔ "ہرگز نہیں، میں اس دولت کو تقسیم نہیں کروں گی کسی کو نہیں دوں گی۔ عورت اپنے مرد کی کمائی صرف اپنے پاس رکھتی ہے اپنے باپ اور بھائی کو بھی دینا نہیں چاہتی۔ میں بھی نہیں دوں گی۔ وہ سارا مال ہمارا ہے۔"

میں نے غصے سے کہا۔ "اگر تمھیں دولت اتنی عزیز ہے تو یہیں رہو تمھارے لیے کوئی خطرہ نہیں ہوگا، تمھارے ہاتھ سے دولت جا چکی ہے۔ اب کوئی تمھیں قتل نہیں کرے گا، میں جا رہا ہوں۔"

میں جانے لگا۔ وہ میرے گلے میں بانہیں ڈال کر راستہ روکتے ہوئے بولی۔ "میں تمھیں نہیں چھوڑ سکتی۔ تم نے مجھے ایسی خوشیاں دی ہیں جو آج تک کسی نے نہیں دیں۔ میں صرف دولت نہیں چاہتی۔ جیون ساتھی بھی چاہتی ہوں۔"

"دو میں سے کسی ایک کا انتخاب کرو۔"

"میں کسی کو نہیں چھوڑ سکتی۔ تم سمجھتے کیوں نہیں۔ اتنی دولت خوش نصیبی سے ہاتھ آتی ہے۔"

"اور بد نصیبی سے چلی جاتی ہے۔"

میں نے اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنی گردن سے چھڑا کر پرے دھکیل دیا۔ تیزی سے چلتا ہوا مائیکل کے کمرے میں آیا۔ باہر شدید سردی تھی۔ میں نے اوورکوٹ پہن لیا۔ فلیٹ ہیٹ کو سر پر رکھا۔ پھر وہاں سے جانے لگا۔ وہ پھر راستہ روک کر کھڑی ہو گئی۔ "مائیکل! مجھے چھوڑ کر مت جاؤ۔ میں تمھیں کیسے سمجھاؤں، میں تمھیں بہت چاہتی ہوں، تمھیں چھوڑ نہیں سکتی۔"

میں نے اسے ایک طرف ہٹا کر آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "مائیکل دوسری بار تمھارے لیے نوٹوں سے بھرا ہوا بریف کیس نہیں لا سکے گا۔ لہٰذا میرا خیال دل سے نکال دو۔"

وہ میرے بازو کو پکڑ کر جھنجوڑتے ہوئے بولی۔ "تم بہت ضدی ہو۔ رک جاؤ۔ میں تمھارے ساتھ چلوں گی مگر جتنا سامان ہم نے خریدا ہے، وہ تو اپنے ساتھ لے چلیں۔"

میں نے اس کے ساتھ واپس کمرے میں جاتے ہوئے کہا۔ "جب ہمارے رہنے کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے تو اتنا سامان لے جا کر کیا کریں گے؟"

"ارے واہ، اتنے قیمتی ملبوسات، قیمتی جیولری، اتنے خوبصورت میک اپ کے سیٹ ہیں۔ کیا سب چھوڑ کر چلی جاؤں گی۔ ہرگز نہیں، مجھے سامان پیک کرنے دو۔"

میں نے لیڈیز فر کوٹ اس کے شانوں پر ڈالتے ہوئے کہا۔ "اسے پہنو۔"

وہ پہننے لگی۔ سرخ رنگ کا کوٹ اس کے حسن پر سج رہا تھا۔ وہ گلابی گلابی سی لگ رہی تھی۔ میں نے اسے اپنے اوورکوٹ میں چھپاتے ہوئے اس پر جھک کر سرگوشی میں کہا۔ "تمھیں دولت چاہیے، وہ واپس مل جائے گی۔ یہ سامان یہیں چھوڑ کر چلو۔"

اس نے چونک کر سر اٹھاتے ہوئے مجھے بے یقینی سے دیکھا۔ میں نے کہا۔ "اگر تم یہ نہ پوچھو کہ مجھے وہ رقم دوبارہ کیسے ملے گی تو تمھارا کھویا ہوا مال مل جائے گا۔"

وہ خوش ہو کر بولی۔ "میں نے پہلے بھی تم سے نہیں پوچھا تھا کہ اتنی دولت کہاں سے آئی۔ آئندہ بھی نہیں پوچھوں گی۔ کیا تم سچ کہہ رہے ہو۔ کیا وہ نوٹوں سے بھرا ہوا بریف کیس واپس مل جائے گا؟"

"وہ نہیں ملے گا تو دوسرا بریف کیس آ جائے گا۔ تم یہاں سے خالی ہاتھ چلو۔"

وہ میرے ساتھ چلتے ہوئے اس مکان سے باہر آ گئی۔ ہم نے سامنے والی سڑک کو پار کیا۔ دوسرے فٹ پاتھ پر آ گئے۔ وہاں سے لیوچن نے اپنے مکان کو دیکھتے ہوئے بڑی حسرت سے کہا۔ "یہاں میں پیدا ہوئی، جوان ہوئی، مجھے پیدا کرنے والوں نے میری پرورش کی، مجھے جوان کیا۔ آج وہ مجھے ایک بریف کیس کے لیے قتل کر رہے تھے۔ اس دنیا میں کس پر بھروسا کیا جائے؟"

میں نے مسکرا کر کہا۔ "یہ دنیا عجیب ہے۔ یہاں کسی پر بھروسا کیے بغیر زندگی گزارنا مشکل ہو جاتا ہے۔"

وہ میرے ساتھ ایک طرف چلتے ہوئے بولی۔ "اس مکان میں میرے قیمتی کپڑے، قیمتی زیورات رکھے ہوئے ہیں اور میں خالی ہاتھ ہوں۔"

"تم نے جو چھوڑا ہے، وہ تمھیں کل تک مل جائے گا۔"

وہ حیرانی اور بے یقینی سے بولی۔ "تم تو ایسے بول رہے ہو جیسے یہ سب تمھاری جیب میں رکھا ہو اور کل صبح ہوتے ہی تم اسے نکال کر میرے حوالے کر دو گے۔"

"یہی سمجھو۔"

"تم پُراسرار بنتے جا رہے ہو۔ میں نے دولت حاصل کرنے کی خوشی میں تم سے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ اب سوچتی ہوں، میں نے سوال کیوں نہیں کیا۔ آخر اتنی دولت تمھارے پاس کہاں سے آ گئی تھی۔"

"تم یہ سوال کر کے غلطی کرو گی۔"

"اس میں غلطی کی کیا بات ہے؟"

"میں نے کہہ دیا نا کچھ نہیں پوچھو گی تو بہت کچھ ملے گا اور بہت کچھ پوچھو گی تو کچھ نہیں ملے گا۔ اب خود فیصلہ کر لو۔"

وہ سر جھکا کر تھوڑی دور تک چلتی رہی۔ پھر بولی۔ "میں کچھ نہیں پوچھوں گی، مجھے دولت چاہیے۔"

ہم نے ایک ہوٹل میں پہنچ کر ایک کمرہ حاصل کیا۔ پھر میں نے ایک کمرے میں پہنچ کر کہا۔ "رات بہت گزر گئی ہے۔ اب سو جاؤ۔"

وہ آسانی سے سونے والی نہیں تھی۔ ایک لاکھ ڈالر کا ہاتھ سے نکل جانا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ اچھے اچھوں

کی نیند اڑجاتی ہے پھر اس کی نیند کیسے نہ اُڑتی۔ مجبوراً مجھے بھی بستر پر آنا پڑا۔ پھر میں اسے تھپک تھپک کر چپ چاپ ٹیلی پیتھی کی لوری سنانے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہی وہ سو گئی۔ اس کے سوتے ہی میں نے خیال خوانی کی چھلانگ لگائی اور پلومی کے پاس پہنچ گیا۔

میں نے پلومی کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا۔ میری اپنی مجبوری تھی۔ اگر خیال خوانی ختم نہ کرتا تو زہریلی گیس کا شکار ہو جاتا۔ جب میں نے اچانک ہی مسٹر نوکو کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا تو وہ ایک دم سے بوکھلا گیا تھا۔ ہیلی کاپٹر کا پنکھا گردش کر رہا تھا۔ پلومی اس میں سوار ہو گئی تھی۔ اب والشوروکی سوار ہونا چاہتا تھا۔ اسی وقت مسٹر نوکو نے چیخ کر پوچھا "یہ کیا ہو رہا ہے۔ میں یہاں کیسے پہنچ گیا؟

یہ بات سنتے ہی پلومی نے چیخ کر کہا "سلیمان جوگو خطرہ ہے۔ یہ ٹیلی پیتھی سے آزاد ہو گیا ہے۔ اسے فوراً یہاں پہنچا دو۔"

یہ سنتے ہی سلیمان جوگو نے جھک کر مسٹر نوکو کو دونوں ہاتھوں سے اٹھایا اور ہیلی کاپٹر کے اندر پھینک دیا۔ اس وقت تک چاروں طرف کے مسلح گارڈز چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے۔ "خبردار، کوئی حرکت نہ کرے۔ ورنہ گولی ماردی جائے گی۔"

والشوروکی نے کہا "اس سے پہلے تمہارے قلعے کے مالک کو ہلاک کر دیا جائے گا۔ وہ ہمارے قبضے میں ہے۔ اس کی زندگی چاہتے ہو تو ہتھیار پھینک دو۔"

ہیلی کاپٹر کے پائلٹ نے مسٹر نوکو کو ریوالور کی زد پر رکھا تھا۔ والشوروکی نے وہاں پہنچ کر ریوالور اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ پھر سلیمان جوگو بھی اندر آگیا۔ دروازے کو بند کر دیا گیا۔ وہ ہیلی کاپٹر زمین سے اٹھنے لگا۔ آہستہ آہستہ بلند ہونے لگا۔ نوکو کے آدمی ہوائی فائر کر رہے تھے۔ اس بات کا خیال رکھا تھا کہ ہیلی کاپٹر پر فائرنگ نہ ہو۔ ورنہ ان کا آقا رہائی پانے والوں کے ساتھ گر کر ہلاک ہو جائے گا۔

میرے تمام ساتھیوں کو یہ کمال حاصل ہے کہ جب ٹیلی پیتھی ساتھ چھوڑ دیتی ہے تو وہ اپنی صلاحیتوں اور حوصلوں سے میدان مارتے ہیں۔ وہ تینوں بخیریت ہیلی کاپٹر میں سفر کر رہے تھے۔ مسٹر نوکو کے قلعے میں جس میدانی حصے پر ہیلی کاپٹر آکر اترا تھا، وہاں کا انچارج نوکو کا ایک خاص آدمی تھا اور میں اس کے لب و لہجے کو بہت پہلے ہی گرفت میں لے چکا تھا۔ میں اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔

وہ ریسیور کان سے لگائے چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا "ابھی جو ہیلی کاپٹر گیا ہے، اس کا رنگ گرے ہے۔ اس پر جلی حرفوں میں لکھا ہوا ہے۔ آر پی ہنڈرڈ۔"

دوسری طرف سے کہا گیا "ٹھیک ہے۔ ابھی ہمارے ائیر فورس کے جوان اس ہیلی کاپٹر کو گھیر لیں گے۔ اسے اترنے پر مجبور کریں گے۔"

میں دوسری طرف بولنے والے کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ ائیر فورس کا ایک آفیسر تھا۔ ریڈیو ٹرانسمیٹر آن کر کے ایمرجنسی فلائیٹ کا حکم دے رہا تھا۔ اُس ہیلی کاپٹر کی نشاندہی کرتے ہوئے کہہ رہا تھا "اسے نیویارک کی حدود سے باہر نکلنے نہ دیا جائے۔ اسے چاروں طرف سے گھیر کر کہیں بھی اترنے پر مجبور کیا جائے، اس میں جتنے افراد ہیں انھیں حراست میں لے لیا جائے۔"

اس کے بعد اس نے بری فوج کے ایک آفیسر سے رابطہ قائم کرتے ہوئے اسے بھی اس ہیلی کاپٹر کے متعلق بتایا۔ پھر کہا "یہ ہیلی کاپٹر ریڈ پاور کے ایک باس کی ملکیت ہے۔ آپ فوراً اس کا محاسبہ کریں۔ اس کے پرائیویٹ پورٹ پر سخت پہرہ لگا دیا جائے۔ وہاں سے کسی بھی جہاز یا ہیلی کاپٹر کے پرواز کرنے کی فی الحال ممانعت کر دی جائے۔"

اس نے ٹرانسمیٹر کو آف کر دیا۔ دوسرے ٹرانسمیٹر سے اشارہ موصول ہو رہا تھا۔ اس نے چونک کر اُدھر دیکھا۔ پھر تیزی سے چلتا ہوا وہاں پہنچ کر اسے آپریٹ کرنے لگا۔ اس کی سوچ بتا رہی تھی۔ ہائی کمان سے کچھ احکامات صادر ہونے والے ہیں۔

دوسری طرف سے آواز آرہی تھی "اس ہیلی کاپٹر کو زمین پر اترنے نہ دو۔ اسے فضا میں ہی برباد کر دو۔"

آفیسر نے حیرانی سے پوچھا "سر! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ اس ہیلی کاپٹر میں مسٹر نوکو موجود ہیں۔"

"ہمیں معلوم ہے۔ جو حکم دیا جا رہا ہے وہی کرو۔ اسے فضا میں تباہ نہ کیا جا سکے تو اس کے اترتے ہی مسٹر نوکو کو گولی ماردی جائے۔"

وہ آفیسر حیران حیران نظروں سے اس ٹرانسمیٹر کو دیکھ رہا تھا۔ دوسری طرف سے کہا جا رہا تھا "آفیسر تم اچھی طرح جانتے ہو ایسے احکامات کو راز میں رکھا جاتا ہے۔ کسی کو یہ پتا نہ چلے کہ مسٹر نوکو ہماری سازشوں سے مارے گئے ہیں، دیٹس آل۔"

اس نے ٹرانسمیٹر کو آف کر دیا۔ پھر دوسرے ٹرانسمیٹر کی طرف جانے لگا۔ اب وہ اپنے ماتحتوں کو نیا حکم سنانے والا تھا میں سمجھ گیا، مسٹر نوکو کو محض اس لیے گولی مارنے کا حکم دیا گیا تھا کہ وہ ٹیلی پیتھی کی زد میں آگیا تھا۔ ایسا حکم صادر کرنے والے اچھی

طرح جانتے تھے کہ مسٹر نوکو اب ان کے کام کا نہیں رہا بلکہ ان کے لیے خطرہ بن گیا تھا۔ میں ان کے دماغ کی تہ میں پہنچ کر سُپر ماسٹر کے احکامات کو سمجھ سکتا تھا۔ ان کا خیال تھا، شاید میں ابھی تک اصلی سُپر ماسٹر کے بارے میں معلومات حاصل کرنے میں ناکام رہا ہوں۔ اگر یہ معلومات حاصل کر چکا ہوتا تو بہت پہلے ہی سُپر ماسٹر تک پہنچ جاتا۔ لہٰذا وہ اس سے پہلے ہی مسٹر نوکو کو ختم کر دینا چاہتے تھے۔

میں نے ہیلی کاپٹر کے پائلٹ سے کہا "اسے کسی بھی جگہ اتار دو۔ میں پلومی سے باتیں کر رہا ہوں۔"

پھر میں نے پلومی سے کہا "تم لوگوں کو چاروں طرف سے گھیرا جائے گا۔ اس سے پہلے ہی تمھیں یہ ہیلی کاپٹر چھوڑ دینا چاہیے۔ تم تینوں کو تین مختلف سمتوں میں جانا چاہیے۔ تاکہ وہ بیک وقت تینوں کو گرفتار نہ کر سکیں۔"

پلومی اپنے استاد ماسٹر والشوروکی اور سلیمان جوگو کو میرے متعلق بتانے لگی۔ پھر میں نے والشوروکی سے کہا "اب میں تمہارے ذریعے مسٹر نوکو سے باتیں کر رہا ہوں۔"

میں نے اس کے ذریعے مخاطب کیا "ہیلو مسٹر نوکو! میں فرہاد علی تیمور تم سے مخاطب ہوں۔ تمھیں ایک ایسی خبر سنانے آیا ہوں جس پر یقین نہیں کرو گے۔"

"میں کبھی دشمنوں پر بھروسا نہیں کرتا۔"

"میں جانتا ہوں۔ پھر بھی یہ بتاؤں گا کہ ہائی کمان سے حکم صادر ہوا ہے، تمھیں پہلی فرصت میں گولی ماردی جائے تاکہ فرہاد علی تیمور تمہارے دماغ میں پہنچ کر سپر ماسٹر کی اصلیت نہ معلوم کر سکے۔"

اس نے سینہ تان کر کہا "تم لاکھ کوشش کرو گے۔ میرے دماغ کی تہ میں پہنچ جاؤ گے۔ پھر بھی تمھیں کچھ نہیں بتاؤں گا۔"

وہ بڑی خوش فہمی میں مبتلا تھا۔ میں نے کہا "بے شک تم مجھے کچھ نہ بتاؤ لیکن تمہارا وہ پُراسرار سپر ماسٹر کبھی یقین نہیں کرے گا کہ میں دماغ میں پہنچوں اور معلومات حاصل نہ کر سکوں۔ تم برسوں اس کے وفادار اور جاں نثار رہے مگر اب جان کی امان چاہو گے تو وہ نہیں دے گا۔ موت تمہارا مقدر بن چکی ہے۔"

وہ پریشان ہو کر ریوالور کو دیکھنے لگا۔ سلیمان جوگو ریوالور تھامے ہوئے تھا اور اس کا رخ مسٹر نوکو کی طرف تھا۔ اس وقت تک وہ ہیلی کاپٹر ایک جگہ اتر گیا۔ پائلٹ نے سلیمان جوگو سے ریوالور لے لیا۔ پلومی، والشوروکی اور سلیمان ہیلی کاپٹر سے اتر گئے۔ وہاں سے دوڑتے ہوئے مختلف سمت جانے لگے۔ جب وہ تینوں وہاں سے دور نکل گئے تو پائلٹ نے کہا "مسٹر نوکو، میں تمھیں بھی جانے کی اجازت دیتا ہوں۔"

نوکو نے اسے بے یقینی سے دیکھا۔ پھر اپنی سیٹ پر سرکتا ہوا دروازے کی طرف جانے لگا۔ پائلٹ نے مسکراتے ہوئے کہا "میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔ ہیلی کاپٹر سے نکل جاؤ۔"

اس نے ہیلی کاپٹر کے کھلے ہوئے دروازے سے نیچے چھلانگ لگائی۔ پھر دوڑتے ہوئے جانے لگا۔ پائلٹ نے چیخ کر کہا "ایک بات تو سنتے جاؤ۔"

مگر وہ سننا نہیں چاہتا تھا۔ پائلٹ نے ایک فائر کیا۔ گولی اس کی ٹانگ میں لگی — وہ لڑکھڑا کر گر پڑا۔ اس نے دروازے کے پاس آکر کہا "میں نہیں چاہتا، تم کہیں جا کر پناہ حاصل کرو۔ اس زخمی ٹانگ سے زیادہ دور نہیں جا سکو گے۔ زمین پر گھسٹتے رہو گے۔ اس وقت تک تمھیں گولی مارنے والے آجائیں گے۔"

مسٹر نوکو تکلیف سے کراہتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔ لنگڑاتے ہوئے جانا چاہتا تھا، دوسرا فائر ہوا۔ دوسری گولی دوسری ٹانگ میں لگی۔ وہ ایک دم سے اچھل کر گر پڑا۔ پائلٹ نے دروازے کو بند کیا۔ واپس آکر اپنی سیٹ سنبھالی۔ پھر ہیلی کاپٹر کو فضا میں پرواز کرانے لگا۔ کچھ دور جا کر اس نے ریوالور کو اچھی طرح صاف کیا۔ پھر اسے باہر کی طرف پھینک دیا۔ اس ریوالور کا تعلق ریڈ پاور کے کسی بھی شخص سے نہیں تھا۔ کوئی الزام نہیں دے سکتا تھا کہ ریڈ پاور کے آدمی نے مسٹر نوکو کو زخمی کیا ہے۔ میں نے ان کے باس کے پاس پہنچ کر پلومی کے متعلق تمام حالات بتائے۔ پھر کہا۔ "وہ تینوں مختلف سمتوں میں گئے ہیں۔ اس علاقے میں تمہارے پاس جتنی گاڑیاں ہیں، جتنے آدمی ہیں، ان سب کو ان کی تلاش میں دوڑا دو۔ میں تمہارے آدمیوں کو گائیڈ کروں گا۔ جو لوگ گاڑیاں لے کر جا رہے ہیں، ان کے پاس ٹرانسمیٹر ہونا چاہیے تاکہ میں تمھیں مخاطب کروں۔ تم ٹرانسمیٹر کے ذریعے انھیں مخاطب کر کے بتاؤ کہ انھیں کدھر جانا چاہیے۔"

میں ہوٹل کے کمرے میں ایک پلنگ پر نیم دراز تھا۔ میرے پاس لیوچن گہری نیند میں ڈوبی ہوئی تھی۔ رات کا گہرا سناٹا تھا۔ میں وہاں تنہائی میں بیٹھ کر دور دور تک دیکھ سکتا تھا۔ میں دیکھ رہا تھا، پلومی کہاں جا رہی ہے۔ والشوروکی کدھر بھٹک رہا ہے۔ سلیمان جوگو نے ایک ہیوی ٹرک والے سے لفٹ حاصل کر لی تھی۔ مگر وہ تینوں محفوظ نہیں تھے۔ دشمن تیر کی طرح ان کی طرف آنے والے تھے۔

میں کبھی باس کے پاس جاتا تھا۔ اس کے ذریعے ان گاڑی چلانے والوں کو دیکھتا تھا جو پلومی وغیرہ کو تلاش کر رہے

تھے۔ میں ان تینوں کی نشاندہی کرتا تھا۔ وہ اُدھر گاڑی دوڑانے لگتے تھے۔ ان لوگوں کے دماغوں میں بھی پہنچ جاتا تھا جو مجھے تلاش کرنے کے لیے مساج اینڈ باتھ والی عمارت میں آئے تھے اور جنھوں نے شاؤ چن کے مکان میں جاکر تصدیق کی تھی کہ مائیکل گارسن ان کے ہاں کرایہ دار ہے یا نہیں؟

پہلے میں نے ان لوگوں کے دماغوں میں جھانکنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ خیال تھا، وہ یوگا کے ماہر ہوں گے۔ جب وہ مجھ سے دور ہو گئے اور انھوں نے کئی گھروں اور کلبوں کی تلاشی لے لی تب میں نے ایک ایک کے دماغ میں پہنچنا شروع کیا۔ وہ یوگا کے ماہر نہیں تھے۔

میں معلوم کرنے لگا۔ مین ہٹن کے شمال سے جنوب تک اور مغرب سے مشرق تک جاسوسوں کا جال پھیلا ہوا تھا۔ وہاں کی ایک ایک کالونی، ایک ایک پارک، ایک ایک کلب میں بڑے سے بڑے اور چھوٹے سے چھوٹے ہوٹلوں میں مجھے تلاش کیا جا رہا تھا۔ میں نے آج شام کا اخبار نہیں دیکھا تھا۔ پتا چلا، کتنے ہی اخبارات میں میری تصویریں شائع کی گئی ہیں۔ میرا قد، میری جسامت اور میرے حُلیے کے متعلق تفصیلات شائع کی گئی ہیں اور کہا گیا ہے، ایسے قد و قامت کا کوئی بھی شخص جس سے یہ تصویر نہ ملتی ہو لیکن وہ مشکوک حالات میں پایا جائے، اس پر کسی طرح کا بھی شبہ ہو تو فوراً قریبی پولیس اسٹیشن میں رپورٹ کی جائے یا اس پر کڑی نظر رکھی جائے اور اس کی جائے پناہ کا سراغ لگایا جائے۔ ایسا کرنے والوں کو منہ مانگا انعام دیا جائے گا۔

سُپر ماسٹر اور اس کے تلاش کرنے والے پورے یقین سے نہیں کہہ سکتے تھے کہ میں ابھی تک مین ہٹن میں ہوں۔ میرے یہ دشمن ماضی میں بارہا اس مخمصے میں رہے ہیں کہ میں زندہ ہوں یا مر چکا ہوں۔ میں اپنی ٹیلی پیتھی کے ذریعے کس وقت کون سا عجیب و غریب کمال دکھا کر گزر جاتا ہوں، وہ سوچ بھی نہیں سکتے۔ اس لیے انھیں یہ بھی شبہ ہو گا کہ میں مین ہٹن کے جزیرے میں نہیں ہوں۔ میں جن لوگوں کے دماغوں میں پہنچ رہا تھا، ان سے پتا چل رہا تھا کہ وہ مجھے پورے نیویارک میں تلاش کر رہے ہیں۔

نیویارک کوئی چھوٹی سی بستی نہیں ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے شہروں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ یہ شہر ایک مہاجر کیمپ کی مانند ہے۔ دنیا جہاں کے لوگ یہاں معاشی پناہ کے لیے آتے ہیں۔ امریکا میں خوبصورت شہروں کی کمی نہیں ہے لیکن دوسرے شہروں کے مقابلے میں ایک ہندوستانی کو نیویارک میں کتنے ہی ہندوستانی اور ایک پاکستانی کو کتنے ہی پاکستانی مل جاتے ہیں۔ یہ شہر اپنا ہی لگتا ہے۔ اسی لیے باہر سے آنے والے یہیں کے ہو کر رہ جاتے ہیں۔

اس شہر میں کس قدر فلک بوس عمارتیں ہیں، ان کا شمار نہیں ہے۔ سر اٹھا کر ان کی بلندیوں کو دیکھتے دیکھتے گردن دکھنے لگتی ہے۔ امریکی لوگ ٹھیک ہی کہتے ہیں کہ اس شہر کو مکمل طور پر دیکھنے کے لیے آنکھوں کو سر پر ہونا چاہیے۔

بہر حال وہ مجھے کتنے بڑے شہر میں کیسے تلاش کر سکتے تھے، اس شہر کو دیکھنے کے لیے ہر سال تقریباً ایک کروڑ پانچ لاکھ افراد آتے ہیں۔ یہ آمد و رفت جاری رہتی ہے۔ آنے جانے والوں کا حساب کیا جائے تو اس حساب سے لاکھوں افراد میرے قد و قامت سے مناسبت رکھتے ہوں گے۔ پھر وہ کسی فرہاد کو کیسے ڈھونڈ سکتے تھے۔ یہاں اٹھائیس ہزار ریستوران ہیں۔ فرسٹ کلاس ہوٹلوں کے ایک لاکھ کمرے ہیں۔ بارہ ہزار ٹیکسیاں ہیں۔ اس شہر کی مجموعی گلیوں کی لمبائی چھ ہزار چار سو میل ہے۔ بھلا وہ کتنی گلیوں میں مجھے تلاش کرتے رہیں گے۔

میں لیو چن کے ساتھ جس ہوٹل میں قیام کر رہا تھا، اس کے قریب ہی ایک پولیس اسٹیشن تھا۔ وہاں تقریباً بیس آدمی میرے قد و قامت کے موجود تھے اور تقریباً پچاس عورتیں ایسی تھیں جو سونیا سے مماثلت رکھتی تھیں۔ ان کے متعلق چھان بین ہو رہی تھی۔ ان سے سوالات کیے جا رہے تھے۔ اینٹی میک اپ کیمروں کے ذریعے ان کی تصویریں اتاری جا رہی تھیں۔ اگرچہ وہ ہمیں ڈھونڈ نکالنے میں ناکام ہو رہے تھے مگر ایک بڑا فائدہ پہنچ رہا تھا۔ وہ یہ کہ جو مجرم میک اپ میں چھپے ہوئے تھے، اینٹی میک اپ کیمرے کے ذریعے ظاہر ہو رہے تھے۔ ان مجرموں میں خواہ عورت ہو یا مرد، انھیں یقین تھا کہ پولیس انھیں شناخت نہیں کر سکے گی مگر ہم سے مماثلت رکھنے کی بنا پر بے چارے پھنس رہے تھے۔

ان میں ایسے بھی تھے جو مجرم نہیں تھے۔ نہ ہی میک اپ میں تھے لیکن وہ لاوارث قسم کے لوگ تھے۔ ان کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ کچھ ہپّی تھے جو آوارہ گردی کرتے تھے۔ کیمرے نے بتا دیا تھا کہ وہ میک اپ میں نہیں ہیں لیکن پلاسٹک سرجری کا شبہ باقی رہ جاتا تھا۔ اس لیے ان سے طرح طرح کے سوالات کیے جاتے تھے۔ ان پر سختیاں کی جا رہی تھیں۔ ایسے لوگوں کو پہچاننا مشکل تھا کہ وہ نئی نسل کے آوارہ گرد نوجوان ہیں یا ان کے پیچھے سونیا اور فرہاد چھپے ہوئے ہیں۔

ان پچاس عورتوں میں ایک تو ایسی تھی جس پر سونیا کا شبہ ہو رہا تھا کیونکہ وہ گونگی تھی یا گونگی بنی ہوئی تھی۔ میں ان افسران کے دماغوں میں تھا جو اُن عورتوں کا محاسبہ کر رہے تھے۔ ان کے ذریعے میں اس گونگی تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ وہ اشاروں کی

زبان سے باتیں کر رہی تھی اور اپنے متعلق جو کاغذات پیش کر رہی تھی، ان سے یہ ثابت ہو رہا تھا کہ وہ پیدائشی گونگی ہے۔

تھوڑی دیر بعد ہی اس گونگی کا شوہر آ گیا۔ ایک افسر نے اس سے سوال کیا اور جب وہ جواب دینے لگا تو میں اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اس شخص کا تعلق مشرقی جرمنی سے تھا۔ یعنی وہ ریڈ پاور سے بھی تعلق رکھتا تھا۔ یقیناً سونیا نے اس ریڈ پاور کے آدمی کو اپنا بناسپتی شوہر بننے پر مجبور کیا ہو گا۔ میں نے اس شخص کے دماغ کو گہرائی تک کریدنا شروع کیا۔ پتا چلا ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ سچ مچ اس کی بیوی ہے اور پیدائشی گونگی ہے۔

میں خواہ مخواہ ان لوگوں کے ساتھ اپنا وقت ضائع کر رہا تھا۔ اگر وہ مجھے اور سونیا کو تلاش کر رہے تھے تو کرتے رہیں۔ میں صرف اس لیے ان کے دماغوں میں پہنچ رہا تھا کہ ان کے منصوبوں کو سمجھتا رہوں اور اپنا بچاؤ کرتا رہوں لیکن اسی دوران ایسے افراد ان کی گرفت میں آتے تھے جو مجھے بھی الجھا دیتے تھے۔ دراصل میرے لاشعور میں سونیا بسی ہوئی تھی۔ میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اس کے دماغ میں نہیں آؤں گا لیکن میں چاہتا تھا کسی طرح اس کا سراغ مل جائے۔

ہمیں تلاش کرنے کے لیے صرف جاسوسوں سے کام نہیں لیا جا رہا تھا۔ وہاں کے چھٹے ہوئے غنڈے بدمعاش بھی کرائے پر حاصل کیے گئے تھے۔ وہ بھی ہمیں تلاش کر رہے تھے لیکن ایک نیا مسئلہ ان کے سامنے آ گیا۔ وہ یہ کہ انھیں لومی کو بھی تلاش کرنے کی ہدایات دی جا رہی تھیں۔ لومی، والشوروکی اور سلیمان جوگو کے حلیے نشر کیے جا رہے تھے۔ ریڈیو اور ٹیلی وژن وغیرہ کے ذریعے سرکاری طور پر اعلان کیا جا رہا تھا کہ لومی، والشوروکی اور سلیمان جوگو اپنے سفارت خانے میں آ کر حاضری دیں اور اس ملک سے فوراً نکل جائیں۔ انھیں فرانس بھیجنے کے لیے خصوصی طیارے کا انتظام کیا جا رہا ہے۔

اگرچہ یہ سرکاری اعلان تھا مگر اس کے پسِ پشت اصلی سُپر ماسٹر چاہتا تھا کہ جیسے ہی لومی اپنے ساتھیوں کے ساتھ منظرِ عام پر آئے، انھیں اس ملک سے باہر جانے پر مجبور کر دیا جائے۔ اگر وہ مجبور نہ ہوں تو انھیں کسی طرح قتل کرا دیا جائے۔ اصلی سُپر ماسٹر کو پورا یقین تھا کہ لومی یہاں رہے گی تو دی کلر کا سر نہیں رہے گا۔

میں نے لومی کی خبر لی۔ وہ بخیریت تھی۔ ایک نئے میک اپ میں خود کو چھپایا ہوا تھا۔ فی الحال وہ کامیاب تھی لیکن وہ مستقل میک اپ نہیں تھا۔ ریڈ پاور کا باس نیویارک میں اپنی فیملی کے ساتھ رہتا تھا۔ اس کی بیٹی لومی سے قد میں ذرا چھوٹی تھی لیکن دور سے اس فرق کا پتا نہیں چلتا تھا۔ جسامت ویسی ہی تھی۔ اس نے اپنی بیٹی کو فوراً ہی کینیڈا بھیج دیا تھا اور لومی کو عارضی طور پر اس میک اپ میں اپنے ہاں رکھا تھا۔ میں نے لومی کو مخاطب کیا۔ وہ بولی "اوہ فرہاد، ایسے وقت چھوڑ جاتے ہو۔ میں کب سے تمھارا انتظار کر رہی ہوں۔"

"کوئی خاص بات ہے؟"

"ریڈ پاور کا باس تم سے مشورہ لینا چاہتا ہے کہ مجھے عارضی میک اپ میں رہنا چاہیے یا مستقل میک اپ میں؟"

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ تمھیں اپنے چیلنج کے مطابق دی کلر کا سر حاصل کرنا ہے۔ اس کے لیے مستقل میک اپ لازمی ہے۔ ورنہ یہاں کے جاسوس اینٹی میک اپ کیمرے لیے گھوم رہے ہیں۔ سرکاری طور پر اعلان کیا جا رہا ہے کہ تمھیں والشوروکی اور سلیمان جوگو کے ساتھ ملک کو چھوڑ دینا چاہیے لیکن غیر سرکاری طور پر منصوبہ یہ ہے کہ جیسے ہی نظر آؤ، تمھیں گولی مار دی جائے۔"

میری بات ختم ہوتے ہی ریڈ پاور کا باس لومی کے کمرے میں آیا۔ اس نے کہا "لومی، تازہ ترین اطلاع کے مطابق والشوروکی اور سلیمان جوگو دشمنوں کی نظروں میں آ گئے تھے۔ انھوں نے دانشمندی کی۔ فوراً ہی فرانسیسی سفارت خانے میں چلے گئے۔ اب وہ سفارت خانے کی پناہ میں ہیں۔ انھیں یہاں سے پیرس بھیج دیا جائے گا۔"

لومی نے کہا "فرہاد ہماری باتیں سن رہے ہیں۔"

اس نے چونک کر لومی کے سر کو دیکھا۔ پھر کہا "جناب، یہ اچھا ہوا کہ آپ آ گئے۔ دشمن لومی کو تلاش کرتے ہوئے یہاں تک آ سکتے ہیں۔"

"دشمن سر پر آ پہنچیں تو تمھارے پاس بچاؤ کی کیا صورت ہو گی؟"

"میرے سامنے دو راستے ہیں۔ یا تو لومی پلاسٹک سرجری کے میک اپ سے گزرے یا پھر ایک خفیہ تہ خانے میں پناہ لے۔"

"وہ تہ خانہ کہاں ہے؟"

"یہاں ایک چھٹا ہوا بدمعاش ہے۔ مگر میرا احسان مند ہے۔ میرے ہر حکم پر سر جھکا کر عمل کرتا ہے کیونکہ میں اس کے بُرے وقت میں کام آتا ہوں۔ وہ لائسنس کے بغیر جوئے کا اڈا چلاتا ہے۔ وہاں ایک زیرِ زمین کمرہ ہے۔ وہ اس کمرے کو میری خاطر خالی کرا سکتا ہے۔ میں ابھی یہی سوچ کر آیا تھا کہ آپ سے رابطہ قائم نہ ہوا تو میں لومی کو وہیں لے جاؤں گا۔"

میں نے کہا "فی الحال وہیں لے جاؤ۔"

میں یہ باتیں پومی کی زبان سے کہہ رہا تھا تاکہ وہ میری باتیں خود اپنی زبان سے سنتی رہے۔ اس نے کہا "میں تمھارے اتنی قریب آگئی ہوں۔ ایک مدّت کے بعد قریب آکر ملاقات کیے بغیر جاؤں گی تو ہمیشہ افسوس رہے گا۔"

میں نے اس کی زبان سے ریڈ پاور کے باس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "پومی ایک چینی دوشیزہ کے روپ میں رہے گی۔"

پومی نے کہا "لیکن چینی لڑکیاں تو چھوٹے قد کی ہوتی ہیں۔"

"تم پہلی بار امریکا آئی ہو۔ یہاں نیویارک میں تم نے چینی لڑکیوں کو نہیں دیکھا۔ ایسی بے شمار لڑکیاں ہیں جن کی مائیں اگر چینی ہیں تو باپ امریکی یا ماں امریکی ہے تو باپ چینی۔ ایسی مخلوط نسل کی لڑکیاں قد آور ہوتی ہیں۔"

پھر میں نے ریڈ پاور کے باس سے کہا "ابھی میرے ساتھ ایک لڑکی ہے۔ اس کا نام لیوچن ہے۔ وہ قد اور جسامت میں پومی سے مماثلت رکھتی ہے۔ لہٰذا اپنے آدمیوں سے کہو، میرے پاس آئیں اور لیوچن کو اغوا کر کے اسی تہ خانے میں لے جائیں جہاں پومی کو لے جایا جا رہا ہے۔"

باس نے کہا "میں سمجھ گیا۔ وہاں لیوچن کو دیکھ کر پومی کی پلاسٹک سرجری کی جائے گی اور اسے لیوچن بنایا جائے گا۔"

"میرا یہی مقصد ہے۔"

پومی خوشی سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ سوچ کے ذریعے بولی۔ "اوہ فرہاد! میں کتنی خوش ہوں، بیان نہیں کر سکتی۔ میں تمھارے پاس آؤں گی، ضرور آؤں گی اور تمھارے شانہ بشانہ رہ کر یہ ثابت کروں گی کہ تمھاری رومانہ سے کسی طرح کم نہیں ہوں۔"

"تم میرے ساتھ کسی مہم میں شریک ہونے سے پہلے ہی یہ ثابت کر چکی ہو۔"

پھر میں نے باس کو بتایا کہ لیوچن کے ساتھ کس ہوٹل میں قیام کر رہا ہوں۔ صبح ہونے سے پہلے اسے اغوا کر لیا جائے۔ اس کے بعد میں دماغی طور پر حاضر ہو گیا۔ لیوچن کو دیکھنے لگا۔ وہ بے خبر سو رہی تھی۔ اس کے ساتھ کیا ہونے والا تھا، وہ نہیں جانتی تھی کیونکہ خواب انسان کو حقیقت سے بہت دور لے جاتے ہیں اور وہ خوابوں میں گم تھی۔

میں تھوڑی دیر تک خاموش بیٹھا سامنے والی دیوار کو تکتا رہا۔ پھر میں نے آنکھیں بند کیں اور خیال خوانی کی پرواز کرتا ہوا شیبا کے پاس پہنچ گیا۔ پتا چلا، وہ تنویمی نیند کی گہرائیوں میں ڈوبی ہوئی ہے۔ وہ کم از کم دو گھنٹے بعد بیدار ہو گی۔ میں مجبوراً واپس آگیا۔

شیبا نے بتایا تھا کہ وہ اس نرس کے دماغ میں پہنچ گئی تھی جو دی کلر کی نگرانی کرتی رہی تھی۔ اس نے کہا تھا جب دوسری نرس ڈیوٹی پر آئے گی تو اس کے دماغ میں بھی پہنچ جائے گی اور میں نے سمجھایا تھا ابھی وہ ان کے دماغوں میں پہنچ کر اپنی موجودگی ظاہر نہ کرے، وقت آنے پر انھیں استعمال کیا جائے گا اور وقت آگیا تھا۔ دی کلر کو کہاں چھپا کر رکھا گیا ہے یہ ہم ان نرسوں کے ذریعے معلوم کر سکتے تھے لیکن شیبا گہری نیند میں تھی۔ میں اس کے دماغ کو ٹٹول سکتا تھا لیکن جو معمول یا معمولہ تنویمی نیند سوتے ہیں ان کے دماغ کو زیادہ چھیڑنا مناسب نہیں ہوتا۔ اگر کوئی دشمن ہوتا تو میں جھنجوڑ کر اٹھا دیتا۔ وہ اپنی تھی۔ میں اسے دماغی طور پر نقصان نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔ لہٰذا میں نے دو گھنٹے کے لیے صبر کر لیا۔

میں نے گھڑی دیکھی۔ وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ رات کے سوا دو بجے تھے۔ لیوچن آرام سے سو رہی تھی۔ میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ صبح ہونے سے پہلے اس کی کھوئی ہوئی دولت اسے مل جائے گی۔ ایسا وعدہ کرتے وقت مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ حالات سے مجبور ہو کر پومی کو لیوچن کی جگہ لینا ہو گی۔ اب یہ کچھ دنوں کے لیے غائب ہونے والی تھی۔ ایسے میں یہ نوٹوں سے بھرا ہوا بریف کیس لے کر کیا کرتی؟

میں نے سوچا تھا ٹیلی پیتھی کے ذریعے اس کے بھائی شاؤچن اور اس کے دوستوں کے ساتھ ایسا چکّر چلاؤں گا کہ وہ بریف کیس ہاتھوں ہاتھ ہوتا ہوا گھوم پھر کر لیوچن کے پاس پہنچ جائے گا۔ میں اس مسئلے پر سوچنے لگا۔ تقریباً تین گھنٹے بعد صبح ہونے والی تھی۔ اسے اغوا کرنے والے کسی وقت بھی آسکتے تھے۔ ان کے انتظار میں مجھے جاگنا تھا اور جاگتے رہنے کے لیے یہی مشغلہ بہتر تھا کہ میں لیوچن کے بھائی وغیرہ سے وہ بریف کیس واپس منگوا لوں۔

میں نے ٹیلی پیتھی کی دوربین سے دیکھا۔ شاؤچن اور اس کے چاروں دوست ایک خالی مکان کے ایک کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے سامنے ایک میز پر شراب کی بوتلیں رکھی ہوئی تھیں۔ نوجوانوں کو اچانک دولت مل گئی تھی، اس لیے جشن منا رہے تھے۔ ریڈیو اونچی آواز میں بج رہا تھا۔ پاپ میوزک کی دھن پورے کمرے میں گونج رہی تھی اور وہ اس دھن پر رقص کر رہے تھے۔ پی رہے تھے، قہقہے لگا رہے تھے۔

جب میں وہاں پہنچا تو اس کے ایک منٹ بعد ہی ان میں سے رقص کرنے والا ایک جوان اچانک کراہتے ہوئے میز پر اوندھا ہو گیا۔ وہ سب مدہوش تھے۔ انھوں نے اس کے گرنے پر یہی سمجھا کہ وہ نشے میں لڑکھڑا کر گر پڑا ہے، ابھی اٹھ جائے گا لیکن اس کے چند سیکنڈ بعد ہی دوسرا جوان رقص کرتے ہوئے اپنے سامنے والے ساتھی کے بازو میں جھول گیا۔ ساتھی نے اسے الگ کرنا چاہا تو ایک دم سے نشہ ہرن ہو گیا۔ وہ اس کے بازوؤں میں دم توڑ چکا تھا۔ اس کی پیشانی سے خون بہہ رہا تھا۔ کہیں سے آنے والی اندھی گولی نے پیشانی میں سوراخ کر دیا تھا۔

پاپ موسیقی بدل گئی تھی۔ اب ریڈیو سے کوئی دہشت زدہ کر دینے والی، سسپنس سے بھری ہوئی موسیقی سنائی دے رہی تھی۔ وہ رقص کرنے والے تھم گئے تھے۔ وحشت زدہ نظروں سے ان دو لاشوں کو دیکھ رہے تھے۔ ایک جوان نے ریڈیو کو بند کر دیا۔ ایک دم سے سنّاٹا چھا گیا۔ وہاں شاؤچن کے دو دوست رہ گئے تھے۔ اس نے خوفزدہ ہو کر تھوک نگلتے ہوئے اپنے ایک ساتھی کو مخاطب کیا "میرے دوست وانگ سو! یہ کیا ہو گیا؟ انھیں کس نے ہلاک کیا ہے؟"

وانگ سو نے خوفزدہ ہو کر دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "یہ اندر سے بند ہے۔ کھڑکیاں کھلی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کسی نے وہیں سے گولی چلائی ہے۔"

یہ کہتے ہی وانگ سو ایک دم سے بیٹھ گیا۔ وہ کیوں بیٹھا، یہ کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اتنی دہشت طاری تھی کہ باقی دو ساتھی بھی فوراً بیٹھ گئے۔ اتنی سی بات اب سمجھ میں آنے والی تھی کہ تیسری گولی ان میں سے کسی ایک کو لگے گی۔ شاؤچن نے میز کے نیچے چھپتے ہوئے کہا "یہ کیسی فائرنگ ہے۔ آواز بالکل نہیں آئی۔"

"تم احمق ہو، اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے کہ ریوالور میں سائلنسر لگا ہوا ہے۔"

"اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

"دو ہی راستے ہیں۔ اگر ہم بریف کیس چھوڑ دیں تو زندہ رہ سکیں گے۔ جو بھی فائرنگ کر رہا ہے اسی بریف کیس کے لیے کر رہا ہے اور اگر دولت چاہیے تو ہمیں فوراً ہی اس بریف کیس کو یہاں سے ہٹا دینا چاہیے بلکہ اس کے ساتھ کسی دوسرے کمرے میں جا کر چھپ جانا چاہیے۔"

یہ سنتے ہی شاؤچن ڈرتے ڈرتے اپنا ہاتھ میز کے اوپر لے گیا۔ پھر جیسے ہی بریف کیس اس کی مٹھی میں آیا، وہ اسے کھینچ کر اپنے ساتھ لے کر دوڑتا ہوا کمرے کے دوسرے دروازے کی طرف گیا۔ پھر اسے کھول کر وہاں سے دوڑتے ہوئے جانے لگا۔ اس کے پیچھے دونوں ساتھی تھے۔ وانگ سو سب سے پیچھے تھا۔ شاؤچن اپنے دوسرے ساتھی کے ساتھ ایک کمرے میں پہنچ گیا۔ انھوں نے وانگ سو کا انتظار نہیں کیا۔ اتنے دہشت زدہ تھے کہ دروازے کو فوراً ہی اندر سے بند کر دیا۔

شاؤچن نے عین وقت پر دروازہ بند کیا تھا۔ اگر وہ تیسرے دوست کا انتظار کرتا تو دشمن کا نشانہ بن جاتا کیوں کہ دروازہ بند کرتے ہی وانگ سو کی چیخ سنائی دی تھی۔ پھر ایسی آواز آئی جیسے وہ دروازے سے ٹکرا کر فرش پر گر پڑا ہو۔ شاؤچن اور اس کا ساتھی دروازے کے پاس والی دیوار سے لگ کر کھڑے ہو گئے۔ کن انکھیوں سے بار بار یوں دیکھنے لگے جیسے اب تب میں دروازہ گولیوں سے چھلنی ہونے والا ہو۔

انھیں اطمینان ہونا چاہیے تھا گولیاں دیواروں کو چھید کر ان کے جسموں کو نہیں چھید سکتی تھیں۔ وہ محفوظ تھے لیکن ذرا سی دیر میں ان کا اطمینان غارت ہو گیا۔ موت سامنے نظر آنے لگی حالانکہ سامنے کوئی نہیں تھا۔ کمرہ بند تھا۔ تیسرا کوئی آ نہیں سکتا تھا مگر موت آگئی تھی۔

شاؤچن نے دیدے پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ اس وقت بزرگوں کی کہاوت یاد آرہی تھی۔ جو دوسروں کے لیے گڑھا کھودتا ہے وہ خود اس میں گرتا ہے۔ زہریلی گیس کمرے میں پھیلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی اور سانس لینے کے دوران ان کے نتھنوں میں چبھ رہی تھی۔

شاؤچن نے اپنی جیبوں کو ٹٹولا۔ رومال نکالنا چاہتا تھا لیکن رومال نہیں تھا۔ وہ اپنی آستین کو ناک پر رکھ کر زہریلی گیس کا راستہ روکنے کی کوشش کرنے لگا مگر ایک آستین سے کام نہیں بن رہا تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو ناک اور منہ پر رکھ کر سانس لینے کی کوشش کرنے لگا۔ باہر سے اچانک وانگ سو کا قہقہہ سنائی دیا۔ وہ کہہ رہا تھا "شاؤچن! تمھارے کہنے پر میں نے تمھاری بہن کے لیے زہریلی گیس کا انتظام کیا تھا لیکن ایسا کرتے وقت میں نے تمھارا انتظام بھی یہاں کر رکھا تھا۔ بے وقوف! تم دولت میں سگی بہن کا حصہ نہیں چاہتے تھے، میں دوست کا حصہ کس طرح برداشت کر سکتا ہوں۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی ایک اور بھاری بھرکم آواز سنائی دی۔ کوئی انگریزی میں کہہ رہا تھا "وانگ سو! تمھارے کہنے پر میں نے دو آدمیوں کو نشانہ بنایا مگر دو وہاں سے بھاگ گئے۔ اب ان کا کیا کیا جائے؟"

وانگ سو نے کہا "میں نے ان کا انتظام اس کمرے میں کر دیا تھا۔ دس منٹ کے بعد جب یہ دروازہ کھلے گا تو دونوں کی لاشیں ملیں گی۔"

جس نے چھپ کر گولیاں چلائی تھیں وہ کوئی امریکی تھا۔ اس نے کہا "تم لوگ دولت کے لیے آپس میں لڑ مرے ہو۔ تمھارے بیان کے مطابق دس منٹ کے بعد یہ دروازہ کھلے گا۔ وہاں سے کام کی صرف ایک چیز برآمد ہو گی اور وہ ہو گا نوٹوں سے بھرا ہوا

بریف کیس۔"

وانگ سو نے کہا "ہاں، اسی بریف کیس کے لیے موت کا یہ کھیل تقریباً چھ گھنٹے سے جاری ہے۔"

"تم دس منٹ کے بعد یہ دروازہ کھولو گے لہٰذا دس منٹ سے پہلے اس کھیل کا نتیجہ سامنے آجانا چاہیے۔"

"کیا مطلب؟" وانگ سو نے حیرانی سے پوچھا۔

میں اس وقت امریکی کے دماغ میں تھا۔ ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس امریکی نے اسے ریوالور دکھاتے ہوئے کہا "تم نے اسی ہتھیار سے اپنے دو ساتھیوں کو قتل کرایا ہے۔ اس کی تیسری گولی کو تمہارے کام آنا چاہیے۔"

وانگ سو نے پریشان ہو کر پیچھے ہٹتے ہوئے پوچھا "کیا بکواس کر رہے ہو۔ تم کرائے کے قاتل ہو۔ میں نے تمہیں پیشگی معاوضہ دیا ہے۔ کچھ اور چاہو گے تو وہ بھی مل جائے گا۔"

اس نے ہنستے ہوئے کہا "تمہیں نصیحت کرنے کا وقت گزر چکا ہے پھر بھی ضرور کہوں گا کسی بھی کرائے کے قاتل کو کوئی کام سونپنا ہو تو اسے دولت کا راز نہ بتاؤ۔ تم بڑے احمق ہو۔ تم نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ نوٹوں سے بھرا ہوا بریف کیس تم لوگوں کے ساتھ رہے گا۔ افسوس تم لوگوں کے لیے صد افسوس کہ وہ بریف کیس میرے ساتھ جائے گا۔"

یہ کہتے ہی اس نے فائر کیا۔ سائلنسر لگا ہوا تھا۔ کھٹاکے کی آواز آئی لیکن گولی نہیں لگی۔ وانگ سو اچھل کر ایک ستون کے پیچھے چلا گیا تھا۔ کرائے کے قاتل نے کہا "کہاں بچ کر جاؤ گے۔ سیدھی طرح سامنے آؤ اور ہنسی خوشی موت کو گلے لگاؤ۔"

وہ ریوالور دکھاتا ہوا ستون کے دوسری طرف آیا۔ وانگ سو بھاگنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس نے پھر فائر کیا۔ ابھی اس کی زندگی باقی تھی۔ وہ پھر بچ گیا۔ اس دروازے کے پاس جا کر رک گیا۔ جس کے پیچھے دو ساتھی زہریلی گیس کا شکار ہو رہے تھے یا ہو چکے تھے۔ اس کرائے کے قاتل نے ریوالور سے نشانہ لیتے ہوئے کہا "اس میں دو گولیاں رہ گئی ہیں۔ تم چاہو تو میں تمہیں موت سے چھپنے کا موقع دے سکتا ہوں۔ وہ دروازہ کھولو جہاں تمہارے ساتھی بند ہیں۔ تم بھی اندر جاؤ۔ میری گولی وہاں تک نہیں پہنچ سکے گی۔"

وانگ سو نے چیخ کر کہا "نہیں، وہاں زہریلی گیس ہے۔"

"تو کیا ہوا۔ تمہیں اپنے کھودے ہوئے گڑھے میں گرنا ہی پڑے گا۔ نہیں گرنا چاہو گے تو فائر کروں گا۔"

وانگ سو تھوک نگل کر ریوالور کی طرف دیکھنے لگا۔ اس نے کہا "میں تین تک گن رہا ہوں۔ دروازہ نہیں کھولو گے تو گولی چل جائے گی۔"

وہ کہنے لگا "ایک...."

پھر اس نے ذرا وقفے سے کہا "دو...."

تین کہنے سے پہلے ہی وانگ سو نے دروازے کی چٹخنی گرا دی۔ اس کا پٹ کھول دیا۔ اندر سے زہریلی گیس کا بھبکا آیا۔ وہ ایک دم سے گھبرا کر پیچھے ہٹا۔ گیس اُس امریکی تک پہنچی تھی۔ وہ بھی ذرا بوکھلا گیا۔ ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ مگر پیچھے ہٹنے والا وانگ سو اس سے آکر ٹکرا گیا۔ ٹکرانے کے دوران ہی اس نے ریوالور والے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔ وہ ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر گرا۔ پھر فرش پر پھسلتا ہوا دروازے کی طرف گیا۔ دولت کے حصول میں وہ ریوالور سب سے اہم تھا۔ جس کے ہاتھ میں آتا وہی دولت مند ہو جاتا۔

کرائے کے قاتل نے ریوالور کی طرف چھلانگ لگائی۔ اس کے پاس پہنچا۔ اس کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن ہاتھ وہاں تک پہنچنے سے پہلے وانگ سو نے پیچھے سے ایک لات ماری۔ وہ سر کے بل قلابازی کھاتا ہوا دروازے کے اندر چلا گیا۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ پلٹ کر واپس آتا، اس نے ایک دھماکے سے دروازے کو بند کر کے چٹخنی لگا دی۔

اتنی جدوجہد کے باوجود وانگ سو سے ایک غلطی ہو گئی۔ دروازہ بند کرتے وقت اس نے ریوالور کا خیال نہیں کیا۔ دشمن اس کی لات کھا کر اندر گیا مگر دروازہ بند کرتے وقت ریوالور بھی اندر پہنچ گیا۔ پھر میں کیوں باہر رہتا۔ میں بھی اندر پہنچ گیا۔ اس کرائے کے قاتل کی حالت غیر تھی۔ وہ بار بار سانس روک رہا تھا۔ جب روکنے کے قابل نہیں رہتا تو بے اختیار سانس لینے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ ایسے وقت پھر زہریلی گیس اس کے نتھنوں سے ہوتی ہوئی حلق اور سینے میں جلن پیدا کرتی تھی۔ اس کا سر چکرانے لگتا تھا۔ اس نے بڑی مشکل سے فرش پر رینگتے ہوئے ریوالور کو اٹھا لیا۔ اندازہ کیا، چٹخنی کس طرف ہو گی۔ اسی طرف اس نے گولی چلا دی۔ لکڑی کے دروازے میں سوراخ ہو گیا۔ گولی مارنے سے نہ تو دروازہ کھل سکتا تھا اور نہ سوراخ ہونے سے اتنی تازہ ہوا آسکتی تھی کہ زہریلی گیس سے محفوظ رہا جا سکتا۔

اس نے سوراخ کو دیکھتے ہوئے دوسرا فائر کیا۔ اس کے قریب ہی دوسرا سوراخ ہو گیا۔ وہ تیزی سے دوڑتا ہوا وہاں آیا۔ پھر سوراخ کے پاس ناک رکھ کر زور زور سے سانس کھینچنے لگا۔ انسان زندگی کے لیے لڑتا رہتا ہے۔ زندگی کے لیے مرتا رہتا ہے۔ اپنے آپ کو سلامت رکھنے کے لیے کیسے کیسے جتن کرتا ہے۔ زندگی کے سارے دروازے بند ہو جاتے ہیں تو ایک ننھے سے سوراخ کے راستے ہی زندگی کی خیرات لیتا ہے۔

لیکن زندگی چھیننے والے بھی کچھ کم نہیں ہوتے۔ جب باہر کھڑے وانگ سو کو پتا چلا کہ وہ سوراخ کے قریب آگیا ہے اور زور زور سے سانس کھینچ رہا ہے تو وہ سوراخ پر ہاتھ مارتے ہوئے کہنے لگا "بھاگ جا یہاں سے، بھاگ جا۔ تیرے مقدر میں زہریلی موت ہے۔"

وہ بھاگنے والا نہیں تھا۔ وہیں سوراخ سے منہ لگائے ہوئے تھا اور اوپری سوراخ کی طرف ناک تھی۔ وہ ناک اور منہ سے سانس کھینچ رہا تھا۔ چند سانسیں کھینچنے کے بعد پتا چلا اب وہ تازہ ہوا کو امپورٹ نہیں کر سکے گا۔ دوسری طرف وانگ سو ان سوراخوں سے لگ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ ادھر وہ دروازے پر ہاتھ مار مار کر کہنے لگا۔ "ہٹ جا یہاں سے۔ دروازہ کھول دے یا مجھے تھوڑی سی تازہ ہوا دے دے۔"

اس نے باہر سے کہا "تو مجھے بریف کیس کا ایک نوٹ نہیں دینا چاہتا تھا۔ پھر میں ایک سانس کیسے دے سکتا ہوں۔"

وہ دروازہ پیٹنے لگا۔ کھانسنے لگا۔ کھانستے کھانستے چیخ چیخ کر کہنے لگا "دروازہ کھول دو۔ ساری دولت لے لو۔ زندگی کی ایک سانس دے دو۔ فار گاڈ سیک، دروازہ کھول دو۔"

وہ دروازہ پیٹ رہا تھا۔ چیخ رہا تھا۔ مگر اس کی چیخ آہستہ آہستہ کمزور پڑتی جا رہی تھی۔ پھر اس کی کراہیں سنائی دیں۔ اس کے بعد وہ کراہیں بھی دم توڑ گئیں۔ میں اس زہریلے کمرے سے نکل آیا۔ سوچ کی لہروں کا ٹھکانہ بنانے کے لیے وہاں کوئی دماغ نہیں تھا۔ وانگ سو ایک فاتح کے انداز میں باہر کھڑا ہوا تھا اور انتظار کر رہا تھا۔ وہ جانتا تھا، اتنی دیر تک کوئی سانس نہیں روک سکتا۔ پھر بھی وہ مطمئن تھا۔ ابھی اور انتظار کرنا چاہتا تھا۔ آخر جلدی کس بات کی تھی۔ اب تو اس بریف کیس کا وہ تنہا مالک تھا۔

میری خیال خوانی کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ کسی نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔ اگر خیال خوانی جاری رکھنے کا موقع ملتا تب بھی میں وانگ سو کے پاس نہ رہتا۔ فی الحال وہ میدان مار چکا تھا۔ بریف کیس اسی کے پاس رہنے والا تھا۔ میں بعد میں اس سے نمٹ لیتا۔ میں نے دروازے کے پاس آکر دستک کے جواب میں ہولے سے دستک دی۔ کسی نے دوسری طرف سے کوڈ ورڈز ادا کیے۔ میں نے فوراً ہی دروازے کو کھول دیا۔ چار شخص اندر آگئے۔ میں نے دروازے کو بند کر دیا۔ وہ چاروں باس کے ماتحت تھے۔ میں نے لیوچن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا "اسے کس طرح لے جاؤ گے۔ کیا ہوٹل والوں کو شبہ نہیں ہو گا؟"

ایک نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا "جناب، ساڑھے تین بج چکے ہیں۔ ہوٹل میں سناٹا ہے۔ کاؤنٹر کے پیچھے صرف ایک شخص ڈیوٹی پر تھا۔ اسے ہم نے بے ہوش کر دیا ہے۔ راستہ صاف ہے۔ ہم اسے آسانی سے ویگن میں ڈال کر لے جائیں گے۔"

میں سوچنے لگا۔ دوسرے نے کہا "باس نے ہمیں بتایا ہے کہ لڑکی کو بے ہوش کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔"

"یہ صبح سات بجے سے پہلے بیدار نہیں ہو گی لیکن نیند کی حالت میں تمہارے ساتھ چل کر جائے گی۔"

وہ چاروں مجھے حیرانی سے دیکھنے لگے۔ میں نے لیوچن کی طرف دیکھا۔ پھر اس کے دماغ میں پہنچ کر کہا "تم میری ہدایت کے مطابق صبح سات بجے بیدار ہو گی لیکن نیند کی حالت میں آنکھیں کھولو گی اور اسی حالت میں چلتے ہوئے ان چار آدمیوں کے ساتھ جاؤ گی۔"

تھوڑی دیر تک کمرے میں خاموشی رہی۔ وہ چاروں لیوچن کو دیکھ رہے تھے۔ میں اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اس خوابیدہ لڑکی نے میری مرضی کے مطابق اپنی آنکھوں کو کھول دیں۔ آہستہ آہستہ اُٹھ کر بستر پر بیٹھ گئی۔ پھر بستر سے اُتر کر چلتے ہوئے ان چاروں کے پاس آئی۔ میں اس کے دماغ پر قابض تھا۔ میری مرضی سے اس کی زبان نے حرکت کرتے ہوئے کہا "میں تم لوگوں کے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہوں۔"

وہ آگے بڑھی۔ وہ چاروں حیرانی سے دیکھتے ہوئے اس کے آس پاس چلتے ہوئے کمرے سے نکل گئے۔ میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ ویسے میں لیوچن کے دماغ میں بیٹھا ہوا تھا۔ ان کے ساتھ جا رہا تھا۔ نیچے کاؤنٹر کے پاس سے گزرتے ہوئے میں نے دیکھا، ڈیوٹی دینے والا شخص اوندھا میز پر سر رکھے سو رہا تھا۔ دراصل وہ
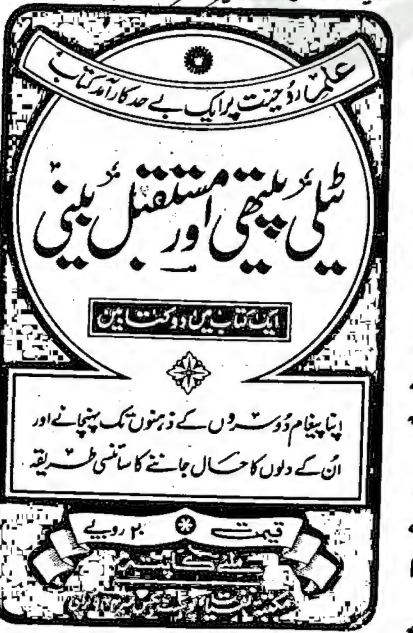
بے ہوش تھا لیکن سوتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

لیوچن ہوٹل سے باہر نکل کر ان کی گاڑی میں بیٹھ گئی جب وہ گاڑی اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھنے لگی تو میں نے لیوچن کی زبان سے کہا "میں فرہاد علی تیمور بول رہا ہوں۔ اب یہ گہری نیند سوتی رہے گی۔ اس کی نیند میں مداخلت نہ کرنا۔"

وہ پہلے ہی گہری نیند میں تھی۔ جب میں اس کے دماغ سے نکل آیا تو سیٹ کی پشت سے ٹیک کر آنکھیں بند کر کے پھر اسی طرح نیند کی وادیوں میں گم ہو گئی۔ چائنا ٹاؤن میں باس کے کتنے ہی ماتحت میری نگرانی کر رہے تھے تاکہ ضرورت پڑے تو فوراً میرے پاس حاضر ہو جائیں۔ میں نے ایک کو مخاطب کرتے ہوئے چینی نوجوان وانگ سو کے متعلق بتایا۔ پھر اس سے کہا "وہ ذرا انتظار کرے۔ میں اس کی صحیح نشاندہی کرتا ہوں۔"

میں نے وانگ سو کے پاس پہنچ کر معلوم کیا۔ وہ اس مکان میں نہیں تھا۔ بریف کیس لے کر اپنی محبوبہ کے پاس آ گیا تھا۔ وہ دونوں ایک اٹیچی میں کپڑے رکھ رہے تھے اور ایک رینٹل کار حاصل کر کے وہاں سے سنگاپور جانا چاہتے تھے۔ میں نے باس کے ماتحت کے پاس آ کر اس کی نشاندہی کر دی۔ پھر کہا "اس سے بریف کیس لے کر اپنے باس سے رابطہ قائم کرو۔ پھر جہاں پومی ہو گی وہاں یہ بریف کیس پہنچا دو۔"

میں نے پومی کے پاس پہنچ کر تھوڑا وقت گزارا۔ اسے لیوچن اور اس کے گھر والوں کے متعلق تفصیل بتائی۔ اس کے ساتھ زبان کا مسئلہ نہیں تھا۔ وہ بچپن سے رنگون، بنکاک اور ہانگ کانگ وغیرہ میں وقت گزارتی آئی تھی پھر اپنے استاد دالسوروکی کے ساتھ رہ کر جہاں اس نے اتنے سارے کمالات سیکھے تھے، وہاں جاپانی اور چینی زبان بھی سیکھ لی تھی۔

اسے لیوچن کے متعلق اہم معلومات فراہم کرنے کے بعد میں نے کہا "اب پانچ بجنے والے ہیں، میں سونے جا رہا ہوں۔"

"فرہاد، تم لیوچن کے ساتھ ہوٹل میں داخل ہوئے تھے۔ وہ تمہارے ساتھ نظر نہیں آئے گی تو وہاں کے لوگ تم پر شبہ کریں گے۔ وہ تمہاری تلاش میں رہنے والے جاسوس پوچھ سکتے ہیں کہ وہ کہاں گئی ہیں بعد میں لیوچن بن کر تمہارے پاس آؤں گی تو پھر سوال کیا جائے گا کہ غائب ہونے کے بعد کہاں سے آ گئی۔ وہ لوگ میرے چہرے پر پلاسٹک سرجری کا شبہ کریں گے۔ ہم دشمنوں کو شبہ کرنے کا موقع ہی کیوں دیں؟"

"تم کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"لیوچن کے بغیر تمہیں اس ہوٹل میں نہیں رہنا چاہیے۔"

میں نے ذرا سوچنے کے بعد کہا "اس کے بغیر رہنے میں کوئی ہرج نہیں ہے۔ میں طرح طرح کی باتیں بنا سکتا ہوں لیکن تمہاری بات درست ہے کہ ہم دشمنوں کو خواہ مخواہ شبہات میں کیوں مبتلا کریں۔"

"اس کا مطلب ہے تم ہوٹل سے نکل رہے ہو؟"

"نکلنا تو چاہیے مگر تھکن سے چور ہوں۔ نیند بھی آ رہی ہے۔ کسی نئی پناہ گاہ تک پہنچنے میں جانے کتنی دیر لگے گی۔ اور کہاں کہاں بھٹکنا ہو گا بہر حال میں ریڈ پاور کے باس سے گفتگو کرتا ہوں۔"

میں نے باس کو مخاطب کیا اور کہا "میں ہوٹل سے نکلنا چاہتا ہوں لیکن آرام سے رہنا بھی چاہتا ہوں۔"

"آپ پندرہ منٹ دیجیے۔ میں انتظامات کرتا ہوں آپ وہاں سے نکل جائیں گے اور آپ آرام بھی کرتے رہیں گے، کوئی آپ کی تنہائی میں مخل نہیں ہو گا۔"

میں نے پندرہ منٹ انتظار کیا۔ اس کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ اس نے بہت معقول انتظام کیا تھا۔ وہ میرا انتظار کر رہا تھا تاکہ اپنے انتظامات کے متعلق بتا سکے۔ آدھے گھنٹے کے بعد ایک بڑا سا ٹرک ہوٹل کے قریب ہی پچھلے حصے میں آ کر رک گیا تھا۔ ریڈ پاور کے افراد غیر قانونی چیزیں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کے لیے وہ ٹرک استعمال کرتے تھے۔ اس بھاری بھرکم گاڑی کے نچلے حصے میں ایسا خفیہ خانہ تھا جس میں بیک وقت دس سوٹ کیس رکھے جا سکتے تھے۔ ایک خاص میکنزم کے تحت وہ خفیہ خانہ دروازے کی صورت میں نیچے کی طرف کھلتا تھا۔ پھر اسی طرح اٹھتا ہوا اپنی جگہ واپس آ جاتا تھا۔ وہ اس طرح بند ہو جاتا تھا کہ دیکھنے پر گاڑی کے نچلے حصے کی آئرن شیٹ نظر آتی تھی۔ کسی خفیہ خانے کا گمان تک نہ ہوتا تھا۔

میں ہوٹل سے نکل کر تیزی سے چلتا ہوا اس کے پچھلے حصے میں آیا۔ اس ٹرک کا ایک ڈرائیور اور دو ہیلپر تھے۔ وہ گاڑی کے پچھلے پہیے کو بدل رہے تھے حالاں کہ بدلنے کی ضرورت نہیں تھی۔ یونہی میرا انتظار کیا جا رہا تھا۔ میں نے ان کے قریب پہنچ کر آس پاس دور تک دیکھا۔ صبح ہو رہی تھی، اس قدر دھند چھائی ہوئی تھی کہ دو چار گز کے فاصلے پر کھڑا ہوا آدمی دھندلا سا نظر آتا تھا۔ میں مطمئن ہو کر زمین پر لیٹ گیا۔ اس خفیہ خانے کا دروازہ نیچے کی طرف آ چکا تھا۔ میں لڑھکتا ہوا دروازے کے اوپر گیا۔ اس کے بعد وہ .... اوپر کی طرف اٹھتا ہوا بند ہو گیا۔ اب میں ایک خفیہ خانے میں تھا۔ اس کی لمبائی میرے قد سے کچھ زیادہ تھی لیکن اونچائی برائے نام تھی۔ میں آسانی سے کروٹ لے سکتا تھا اُٹھ کر بیٹھ نہیں سکتا تھا۔ میرے دائیں بائیں لوہے کی چادروں سے بنی ہوئی دیواروں میں ننھے ننھے سوراخ تھے۔ وہ

سوراخ کچھ اس طرح بنائے گئے تھے کہ میں اندر سے باہر کی طرف دیکھ سکتا تھا مگر باہر والے اندر دیکھنا چاہتے تو انھیں کچھ نظر نہ آتا۔ مجھے بس اتنا ہی حصہ نظر آ رہا تھا جو ٹرک کے نیچے ذرا دور تک دکھائی دے سکتا تھا۔ ان سوراخوں کے باعث مجھے تازہ ہوا مل رہی تھی۔

مجھے اپنے کان کے قریب ٹک ٹک کی آواز سنائی دی۔ میں نے کروٹ بدل کر دیکھا۔ بائیں طرف ایک چھوٹا سا ٹرانسمیٹر رکھا ہوا تھا۔ میں نے اسے آن کیا۔ ٹرک ڈرائیور کی آواز سنائی دی۔ "سر، ہم روانہ ہو رہے ہیں، کوئی ضروری بات ہو یا ہماری ضرورت ہو تو آپ سبز رنگ کا بٹن دبائیں۔ ہم سے رابطہ قائم ہو جائے گا۔"

وہ مجھے ٹرانسمیٹر استعمال کرنے کے لیے کہہ رہا تھا۔ میری ٹیلی پیتھی کے متعلق نہیں جانتا تھا۔ میں نے کہا "ٹھیک ہے۔ اب یہاں سے چلو۔"

گاڑی اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی۔ میں نے پوچھا "کیا میں سفر کے دوران آرام سے سو سکتا ہوں؟"

"آپ آرام سے سوتے رہیں، کوئی آپ کی نیند میں مداخلت نہیں کرے گا۔"

میں نے ٹرانسمیٹر کو آف کر دیا۔ پھر چاروں شانے چت لیٹ کر چھت کو تکنے لگا۔ وہ چھت مجھ سے دو بالشت کے فاصلے پر تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے جی قبر میں یا تابوت میں لٹا دیا گیا ہوں۔ میں نے مسکراتے ہوئے اپنی آنکھیں بند کر لیں، دماغ کو ہدایات دیں۔ اس کے بعد آرام سے سو گیا۔

میں نے دماغ کے ٹائم بیس میں چار گھنٹے تک سونے کا وقت مقرر کیا تھا۔ ان چار گھنٹوں میں کیا ہوتا رہا، یہ مجھے بعد میں پتا چلا اور جو کچھ ہوتا رہا یہ میں ابھی بیان کر رہا ہوں۔

ریڈ پاور کے باس نے پومی کو خفیہ تہ خانے میں پہنچا دیا تھا۔ صبح چھ بجے لیوچن بھی وہاں پہنچائی گئی۔ وہ نیند میں تھی۔ اسے ایک آرام کرسی پر بٹھا دیا گیا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں مگر صورت بالکل سامنے تھی۔ اسے ہر پہلو سے دیکھ کر اس کی نقل کی جا سکتی تھی۔ پلاسٹک سرجری کا تمام سامان موجود تھا۔ سرجری کرنے والے نے لیوچن کو اچھی طرح اسٹڈی کرنے کے بعد اپنا کام شروع کر دیا۔ پومی کے چہرے پر تبدیلیاں لانے لگا۔ ٹھیک سات بجے لیوچن کی آنکھ کھل گئی، میں نے اس کی بیداری کا یہی وقت مقرر کیا تھا۔ اس نے حیران ہو کر اپنے چاروں طرف دیکھا۔ پھر اچھل کر کھڑی ہو گئی کیوں کہ اپنے سامنے ہی کچھ فاصلے پر اسے دوسری لیوچن بیٹھی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ ایک شخص اس کے چہرے پر جھکا ہوا تھا۔ اصلی لیوچن نے سمجھ لیا کوئی دوسری لڑکی میک اپ کے ذریعے اس کی ہم شکل بنائی جا رہی ہے۔ اس نے پریشان ہو کر پوچھا "تم لوگ کون ہو، میرا ساتھی مائیکل کہاں ہے؟"

وہ شور مچا سکتی تھی۔ وہاں سے بھاگنے کی کوشش کر سکتی تھی۔ اور طرح طرح کی پریشانیوں کا سبب بن سکتی تھی۔ اسے قابو میں کرنے کے لیے ریوالور دکھایا جا سکتا تھا۔ مارنے پیٹنے کی دھمکی دی جا سکتی تھی لیکن اس کی ضرورت نہیں تھی۔ جب اس نے پوچھا کہ مائیکل کہاں ہے تو اسے کہیں سے مائیکل کی آواز سنائی دی "میں تمہارے پاس ہوں، لیوچن، مائی سوئٹ ہارٹ، میں نے تم سے وعدہ کیا تھا صبح ہونے سے پہلے تمہاری دولت واپس مل جائے گی۔ میں پھر وہی نوٹوں سے بھرا ہوا بریف کیس لا رہا ہوں لیکن دولت آسانی سے نہیں ملتی۔ اس کے لیے کام کرنا پڑتا ہے یا کسی کے کام آنا پڑتا ہے۔"

وہ بول رہا تھا اور یہ چاروں طرف گھوم گھوم کر دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے پوچھا "مائیکل تم کہاں ہو؟"

"میں تمہارے پاس آنے والا ہوں مگر تم اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔ تمہارے سامنے جو لیوچن تیار ہو رہی ہے، اس کی تیاری میں خود کو ماڈل کی حیثیت سے پیش کرتی رہو۔ پندرہ منٹ کے بعد تمہاری ڈیوٹی ختم ہو جائے گی۔"

وہ اپنی جگہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی "تم میرے پاس آجاؤ، پھر میں زندگی بھر یونہی بیٹھنے کو تیار ہوں۔"

"میں مجبور ہوں، پندرہ منٹ سے پہلے نہیں آسکوں گا۔ تم خاموش بیٹھی رہو۔ میرے مشورے پر عمل نہیں کرو گی تو نہ میں ملوں گا نہ دولت ملے گی۔"

وہ چپ چاپ بیٹھی رہ گئی۔ دوسری طرف اسی تہ خانے کے دوسرے کمرے میں مائیکل ایک مائک کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ باس کے آدمی اس کے آس پاس تھے، ان میں سے ایک نے مائکروفون کے سوئچ کو آف کردیا۔ پھر اپنی گھڑی کو دیکھتے ہوئے کہا "ٹھیک چودہ منٹ کے بعد تم یہ نوٹوں سے بھرا ہوا بریف کیس لے کر جاسکو گے مگر جانے سے پہلے جو سبق پڑھایا گیا ہے، اسے سنادو۔"

مائیکل نے کہا "لیوچن مجھ سے سوالات کرے گی تو میں ایکٹ کروں گا جیسے میں پچھلی شام کو اچانک نوٹوں سے بھرا ہوا بریف کیس لایا تھا۔ اس کے لیے اور اس کے گھر والوں کے لیے دنیا جہاں کی شاپنگ کی تھی۔ پھر ہم دونوں بیوٹی پارلر گئے تھے وہاں لیوچن نے ہیئر ڈریسنگ کرائی۔ ہم مساج اینڈ باتھ گئے، وہاں سے واپسی پر ایک ریستوران میں کھانا کھایا پھر وہاں سے گھر واپس آئے لیکن چند گھنٹے بعد ہمیں کمرے میں بند کرکے زہریلی گیس چھوڑی گئی تاکہ ہم ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائیں اور اس دولت پر لیوچن کے والدین اور اس کے بھائی اور اس کے دوستوں کا قبضہ ہوجائے۔"

مائیکل فر فر بول رہا تھا جیسے رٹا ہوا سبق سنا رہا ہو۔ اس نے کہا "میں نے لیوچن کو زہریلی گیس سے بچا لیا لیکن بریف کیس کو نہ بچا سکا۔ وہ ہمارے ہاتھ سے نکل گیا۔ میں لیوچن کے ساتھ ایک ہوٹل میں آکر رات گزارنے لگا۔ میں نے اس سے وعدہ کیا تھا صبح ہونے تک وہ کھوئی ہوئی دولت اسے واپس مل جائے گی اور یہی ہوا۔ جب وہ سوگئی تو وہی لوگ میرے پاس آئے جنھوں نے نوٹوں سے بھرا ہوا بریف کیس دیا تھا اور میں نے وعدہ کیا تھا کہ لیوچن کو ان کے سامنے ماڈل بنا کر پیش کروں گا۔ تاکہ اس کی ایک ڈمی تیار کی جائے۔ انھوں نے ہوٹل میں آکر مجھ سے وعدہ لیا اگر لیوچن کو ڈمی کے طور پر پیش کروں تو وہ کھوئی ہوئی دولت پھر مل جائے گی۔ لہٰذا میں نے وعدہ کرلیا۔ اس کے مطابق لیوچن ماڈل بن گئی۔ ہم نے ان کا کام کردیا لہٰذا یہ ہمارے ہاتھ سے نکلا ہوا بریف کیس واپس مل گیا ہے۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی ایک شخص نے شانے پر ہاتھ مار کر کہا "شاباش، جیسا کہہ رہے ہو آئندہ اسی طرح عمل کرنا۔ اسے کبھی شبہ کرنے کا موقع نہ دینا کہ شام سے رات گئے تک کوئی دوسرا مائیکل اس کے ساتھ تھا۔"

مائیکل نے کہا "میں پوری کوشش کروں گا۔ میں مانتا ہوں کہ تم لوگ کامیاب نقل بناتے ہو مگر اصل اور نقل میں پھر بھی فرق رہ جاتا ہے۔ ہم دونوں کی عادتوں میں کچھ نہ کچھ ایسا فرق ہوگا جسے دوسرے سمجھتے ہوں یا نہ سمجھتے ہوں لیکن عورت اسے محسوس کرلیتی ہے۔"

"اگر لیوچن کبھی محسوس کرے، کچھ شبہ کرے تو تم بات بنانے کی کوشش کرسکتے ہو۔"

تیسرے شخص نے کہا "مائیکل! تمھیں بات بنانے کے پیسے دیے جارہے ہیں، ایک لاکھ ڈالر کم نہیں ہوتے۔ جس کے پاس اتنی رقم آجائے، وہ مٹی کو چھو کر سونا بنا لیتا ہے لیکن یاد رکھو، اگر کبھی تم نے بھول سے بھی یہ اعتراف کرلیا کہ پچھلی شام سے ساتھ رہنے والے مائیکل نہیں ہو تو ہم یہ دولت بھی چھین لیں گے اور تمھاری زندگی بھی۔"

مائیکل نے کہا "میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا۔ میری اور لیوچن کی ڈمی کے پیچھے کوئی خطرناک کھیل کھیلا جارہا ہے۔ میں لیوچن کو کبھی اس سلسلے میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔ اسے صرف اتنا ہی معلوم ہوگا کہ کسی لڑکی کو اس کی ڈمی بنایا گیا ہے۔"

ایک شخص نے کہا "ہاں، اور اسے یہ اچھی طرح سمجھا دینا کہ وہ اس ڈمی کا ذکر اپنے سائے سے بھی نہ کرے ورنہ اس کی زبان ہمیشہ کے لیے بند کردی جائے گی۔"

چودہ منٹ پورے ہوگئے۔ مائیکل بریف کیس اٹھا کر اس کمرے سے چلتا ہوا دوسرے کمرے میں پہنچا۔ وہاں پومی کا میک اپ مکمل ہوچکا تھا۔ وہ دونوں کو دیکھ کر ٹھٹک گیا، سمجھ میں نہیں آیا کہ اصلی کون ہے کیوں کہ دونوں ہی ایک دوسرے کے آمنے سامنے کرسیوں پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ اسے دیکھتے ہی اٹھ کر کھڑی ہوگئیں۔ لیوچن نے دونوں بانہیں پھیلا کر کہا "مائیکل! اوہ مائیکل! تم کہاں رہ گئے تھے؟"

پومی نے اس کی طرف دیکھ کر غصے سے کہا "تمھیں شرم نہیں آتی ایک تو میرے چہرے کی نقل کرلی۔ اب میرے مائیکل کو اپنا کہہ رہی ہو۔"

یہ کہہ کر اس نے اپنی بانہیں پھیلاتے ہوئے مائیکل کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ لیوچن نے اس کا راستہ روک کر کہا "اے، تم کون ہو۔ ایک تو میری صورت چرالی۔ اب میرے محبوب کو بھی چرانا چاہتی ہو۔ صاف کیوں نہیں کہتیں، اس بریف کیس پر تمھاری نظر ہے۔"

پومی نے کہا "بریف کیس پر تمھاری نظر ہوگی۔ میں مائیکل کو چاہتی ہوں۔ تم بتاؤ، تم اسے چاہتی ہو یا بریف کیس کو؟"

لیوچن نے پریشان ہوکر مائیکل کو دیکھا۔ پھر بریف کیس کو۔ اس کے بعد کہا "مجھے مائیکل چاہیے لیکن اس نے یہ دولت میرے لیے حاصل کی ہے۔ پھر میں اس بریف کیس کو کیسے چھوڑ سکتی ہوں۔"

مائیکل نے ایک ہاتھ اٹھا کر کہا "تم دونوں خاموش رہو۔ لڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے اپنی لیوچن کو پہچان لیا ہے۔"

اس نے واقعی پہچان لیا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں بریف کیس تھا۔ اس نے دوسرے ہاتھ سے لیوچن کو سمیٹ لیا۔ اگرچہ اس میں اور پومی میں کوئی فرق نہیں رہا تھا۔ ایک ہی جیسی صورت شکل تھی۔ قد بھی ایک ہی جیسا تھا۔ مگر جسم میں ذرا فرق تھا۔ پومی جمناسٹک کے کرتب دکھاتی تھی۔ روزانہ جسمانی مشقت کی عادی تھی، اس لیے اس کا جسم ایسا تھا جیسے قدرت کی انگلیوں نے خاص طور پر تراشا ہو۔ سر سے پاؤں تک وہ جسمانی حسن کی قابلِ دید مثال تھی۔ اگرچہ اس نے جسمانی خوبصورتی کو چھپانے کے لیے لیوچن جیسا ڈھیلا ڈھالا لباس پہنا تھا، اس کے باوجود خوشبو چھپائے نہیں چھپتی۔ پھول اپنی پنکھڑیوں کا کتنا ہی لباس پہن لے خوشبو دور تک پھیل کر رہتی ہے۔

لیوچن نے پومی کو دیکھتے ہوئے مائیکل سے پوچھا "یہ کیا چکر ہے۔ یہ لڑکی میری ہمشکل کیوں بن گئی ہے؟"

"یہ کوئی لمبا چکر ہے۔ گہری چال ہے جن لوگوں نے ہمیں یہ دولت دی ہے انھوں نے یقین دلایا ہے کہ ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، ہمیں چند دنوں کے لیے ایک کوٹھی میں چھپ کر رہنا ہوگا۔"

لیوچن نے پوچھا "ہم کیوں چھپ کر رہیں گے؟"

"چند دنوں تک ایک کوٹھی میں قید رہنے کے بعد یہ ساری دولت تمھاری ہوگی۔ ہم اسے جس طرح خرچ کریں کوئی ہم سے پوچھنے والا نہیں ہوگا۔"

وہ پریشان ہوکر بولی "ہم کہاں رہیں گے؟"

"اس وقت ہم بروک لین میں ہیں۔ یہیں ایک خوبصورت سی کوٹھی ہمارے لیے مخصوص کردی گئی ہے۔ اس کوٹھی کے اطراف اونچی چار دیواری ہے۔ باہر والے ہمیں دیکھ نہیں سکیں گے، اور ہم اس چار دیواری سے باہر نہیں نکلیں گے۔"

"آخر ہم کب تک قیدی بن کر رہیں گے؟"

"ہم قیدی نہیں ہیں، آزاد ہیں۔ صرف ایک ہفتے تک اپنی کوٹھی کی چار دیواری میں عیش و آرام سے رہیں گے۔ پھر جہاں چاہیں گے، جاسکیں گے۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی ریڈ پاور کا باس تہ خانے میں آیا۔ اس نے مائیکل کی تائید کرتے ہوئے کہا "لیوچن! ہم وعدہ کرتے ہیں، تم دونوں کو ہم سے جانی اور مالی نقصان نہیں پہنچے گا۔ ساری زندگی عیش و آرام سے رہو گی۔ اگر ایک ہفتے تک کسی کوٹھی میں قید ہوکر نہیں رہنا چاہتیں تو ملک سے باہر جانے کا انتظام کردوں گا۔ ایک مہینے تک ساری دنیا گھوم پھر کر آؤ، یورپ امریکا اور ایشیا کے جتنے مشہور ممالک اور شہر ہیں، سب کی سیر کرو اور یہ سب ہمارے اخراجات پر ہوگا، تمھارے بریف کیس میں جتنے نوٹ ہیں، ان میں سے ایک بھی خرچ نہیں ہوگا۔ تم اسے اپنے نام سے بنک میں رکھ کر جاسکتی ہو۔"

وہ دونوں راضی ہوگئے۔ باس نے کہا "آج شام تک اسی کوٹھی میں رہو گے۔ رات کی کسی فلائیٹ سے باہر بھیج دیا جائے گا۔"

انھیں تہ خانے سے نکال کر ایک بند گاڑی میں ایک کوٹھی کی طرف روانہ کردیا گیا۔ پومی بہت خوش تھی۔ اب اسی روپ میں میرے قریب آسکتی تھی۔ اس نے باس سے کہا۔ "کسی طرح فرہاد سے رابطہ قائم کریں۔ وہ کب تک یہاں پہنچیں گے؟"

"مسٹر فرہاد سو رہے ہیں، نو بجے کے بعد ہم سے رابطہ قائم کریں گے۔"

پومی نے گھڑی دیکھی۔ نو بجنے کے لیے پندرہ منٹ باقی تھے۔ اسے یہ وقت گزارنا دشوار لگ رہا تھا۔ وہ چاہتی تھی، اس کے پر لگ جائیں اور وہ پرواز کرتی ہوئی میرے سامنے پہنچ جائے یا وقت سمٹ جائے اور میں پلک جھپکتے ہی اس کے سامنے چلا آؤں۔ باس نے کہا "تمھیں کوئی پہچان نہیں سکے گا۔ لہٰذا تم پہلے یہاں سے جاؤ میں بعد میں آؤں گا۔"

پومی اس تہ خانے سے نکل کر جوتے کے اڈے میں پہنچی، وہاں سے چلتے ہوئے باہر آئی۔ ہم دونوں کی عارضی رہائش کے لیے ایک بنگلے اور ایک کار کا انتظام کردیا گیا تھا۔ وہ اس کار میں بیٹھ کر بنگلے میں پہنچی اور میرا انتظار کرنے لگی۔

نو بج گئے۔ پھر ساڑھے نو بج گئے اس کے بعد دس بجنے لگے۔ اس نے بے چین ہوکر ٹیلی فون کے ذریعے باس سے رابطہ قائم کیا۔ پھر کہا "ابھی تک فرہاد کیوں نہیں آتے۔ آپ

ان سے رابطہ قائم کریں۔"

باس نے جواب دیا "وہ جس ٹرک کے خفیہ خانے میں سفر کرتے ہوئے آ رہے تھے، اس ٹرک ڈرائیور سے میں نے ٹرانسمیٹر کے ذریعے رابطہ قائم کیا تھا مگر اس کی طرف سے جواب نہیں مل رہا ہے۔"

پومی نے چونک کر پوچھا "آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔ کیا فرہاد کسی نئی مصیبت میں گرفتار ہو گئے ہیں؟"

"ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ ہماری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ اس ٹرک ڈرائیور کو فوری طور پر کہاں تلاش کریں؟ ویسے وہ جن راستوں سے گزرتا آ رہا تھا، وہاں ہمارے آدمی پہنچ رہے ہیں۔ ہر طرف اسے یا اس ٹرک کو تلاش کر رہے ہیں۔"

"دس بجنے والے ہیں۔ فرہاد نے نیند پوری کر لی ہو گی۔ انھیں تو ہم سے رابطہ قائم کرنا چاہیے؟"

باس نے کہا "میں نے سنا ہے فرہاد سونے سے پہلے اپنے دماغ کو نیند کا پابند کرتے ہیں اور بیداری کا وقت مقرر کر لیتے ہیں۔ شاید انھوں نے زیادہ دیر تک سوتے رہنے کا ارادہ کیا ہو۔ فی الحال ہمارے سامنے دو راستے ہیں۔ ایک تو ہمارے لوگ انھیں تلاش کر رہے ہیں۔ دوسرے جب ان کی آنکھ کھلے گی تو وہ خود ہم سے رابطہ قائم کریں گے۔"

پومی پریشان ہو کر سوچتی رہی۔ پھر بولی "سونیا کی خبر ہے؟"

"اس نے میرے دو خاص ماتحتوں کو اپنا راز دار بنایا ہے۔ کوئی ضروری بات ہو تو ان کے ذریعے رابطہ قائم کرتی ہے۔ میں نے ان میں سے ایک ماتحت کو بتا دیا ہے کہ فرہاد صاحب گم ہو گئے ہیں۔ یقیناً سونیا بھی ان کی تلاش میں ضرور نکلے گی۔"

میں گہری نیند سو رہا تھا۔ میرے اپنے میرے لیے پریشان ہو رہے تھے اور مجھے تلاش کر رہے تھے۔ سب سے زیادہ دکھ پومی کو ہو رہا تھا۔ وہ ایک طویل مدت کے بعد مجھ سے ملنے والی تھی اور میں ملتے ملتے بچھڑ رہا تھا۔ میں کہاں تھا؟ کس حالت میں تھا؟ یہ خود نہیں جانتا تھا۔

دراصل مجھ سے بھول ہو گئی تھی۔ جب میں نے گھڑی دیکھ کر اپنے سونے کے لیے چار گھنٹے کا وقت مقرر کیا تو اس وقت چھ بجے تھے۔ میں نے توجہ نہیں دی، گھڑی بند ہو چکی تھی۔ حقیقتاً اس وقت سات بجے تھے۔ یعنی سات بجے دماغ کو ہدایات دے کر سونے کا مطلب یہ تھا کہ چار گھنٹے گیارہ بجے پورے ہوں گے اور گیارہ بجے میری آنکھ کھلے گی۔

میں سوتا ہوں اور اپنے دماغ سے کہتا ہوں کہ مجھے کوئی خطرہ پیش آئے یا کوئی غیر معمولی بات ہو تو آنکھ کھل جاتی ہے لیکن میری آنکھ نہیں کھل رہی تھی حالانکہ میں گم ہو رہا تھا۔ اپنے لوگوں سے بچھڑ رہا تھا۔ گویا خطرہ مجھے نہیں، ڈرائیور کو پیش آیا تھا۔ کوئی غیر معمولی بات میرے ساتھ نہیں، ڈرائیور اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ ہو رہی تھی۔

اس دلچسپ داستان کے باقی واقعات سولہویں حصے میں ملاحظہ فرمائیے۔

ٹیلی پیتھی و مستقبل بینی
اپنا پیغام دوسروں تک پہنچانے اور ان کے دلوں کا حال جاننے کا سائنسی طریقہ
قیمت ۲۰ روپے
ٹیلی پیتھی کی جدید تحقیقات
ٹیلی پیتھی کی جدید ترین کتاب نئے طریقے، نئی مشقیں، سوال و جواب
قیمت ۲۰ روپے
امتحان میں کامیابی
مطالعہ کرنے، امتحان دینے اور یادداشت بڑھانے کے نفسیاتی طریقے
قیمت ۱۵ روپے
خوابوں کے اسرار
خوابوں کی حقیقت اور ان کی تعبیر معلوم کرنے کے طریقے
قیمت ۱۵ روپے
قیمت ۲۰ روپے
ہپناٹزم کو سیکھنے کے آسان طریقے اور مشقیں
ہپناٹزم کے عملی طریقے
قیمت ۱۵ روپے
ہپناٹزم کی تاریخ، اس کی حقیقت اور اس کو سیکھنے کے طریقے
ہپناٹزم
قیمت ۲۰ روپے
ایک ماہر علم کے قلم سے جدید طریقے ہپناٹزم سیکھنے کے لیے لائحہ عمل مع تصاویر و جدید تحقیقات
ہپناٹزم کی جدید تحقیقات
قیمت ۱۵ روپے
اپنے آپ کو ہپناٹائز کر کے اپنی کمزوریاں اور خرابیاں دور کریں
ذاتی ہپناٹزم
مقناطیسیت
بغیر کسی مشق کے اپنے اندر مقناطیسی قوت پیدا کریں اور دوسروں کو اپنا تابع بنائیں
قیمت ۲۰ روپے
موٹاپا اور اس کا سدباب
موٹاپا دور کر کے طویل اور صحت مند زندگی گزاریے ان کے لیے جو سڈول اور خوبصورت جسم چاہتے ہیں
قیمت ۲۰ روپے
دست شناسی سیکھئے پیرو
ان لوگوں کے لیے جو کسی پیشہ ور دست شناس کے بغیر دست شناسی سیکھنا چاہتے ہیں
قیمت ۲۰ روپے
نظر کی کمزوری اور اس کا سدباب
بصارت کی کمزوری بغیر دواؤں کے دور کریں ان حضرات کے لیے جو عینک سے نجات چاہتے ہوں
قیمت ۱۵ روپے
قیمت ۱۵ روپے
تحریر شناسی کے فن پر ایک نادر و بے مثال کتاب جس کی مدد سے دوسروں کی شخصیت کو کھلی کتاب کی طرح پڑھیں
تحریر اور شخصیت
قیمت ۲۰ روپے
وہ خواتین جو اپنے آپ کو سمجھنا چاہتی ہیں اور وہ مرد جو خواتین کو سمجھنا چاہتے ہیں
عورتوں کی نفسیات
قیمت ۳۰ روپے
ازدواجی زندگی کے مسائل، ان کا حل اور تدارک، ہر شادی شدہ مرد و عورت کے لیے
ازدواجی نفسیات
قیمت ۲۰ روپے
آپ کی الجھنیں آپ کے مسائل اور ان کا حل جذباتی، ازدواجی، ملازمت اور دیگر بے شمار مسائل کا حل
مسائل اور حل
باخبری
کسی خاص وقت آپ کا مزاج کیا ہے اور آپ کو کیا کرنا چاہیے، پیش رفت کا آئینہ دار کتاب
قیمت ۱۰ روپے
چھ حیرت انگیز علوم
تاش اور تل کے ذریعے قسمت شناسی، فال اور تل کے ذریعے کردار معلوم کیجیے، خوابوں کی تعبیر
قیمت ۱۵ روپے
احساس کمتری
احساس کمتری کے موضوع پر ایک مستند اور مکمل کتاب، اسباب، تدارک، علاج
قیمت ۱۵ روپے
کامیابی
ایک مکمل اور کامیاب شخصیت بننے کے دس آسان طریقے، ان لوگوں کے لیے جو کامیابی چاہتے ہیں
قیمت ۱۵ روپے
قیمت ۳۰ روپے
مارشل آرٹ گھر بیٹھے سیکھیے بے شمار تصاویر سے مزین
کراٹے
قیمت ۱۵ روپے
سگریٹ اور دوسری بری عادتوں سے چھٹکارا حاصل کیجیے
سگریٹ پینا چھوڑیئے
قیمت ۳۰ روپے
خوف و شرم کو دور بھگائیے اور نئی زندگی شروع کیجیے
خوف و شرم اور اس کا سدباب
اندرون ملک ڈاک خرچ
صرف رجسٹری فیس ۱۲ روپے لی جائے گی
۱۰۰ روپے کی کتابیں ایک ساتھ منگانے پر ڈاک خرچ معاف
بیرون ملک ڈاک خرچ بحوالہ ذیل
کتاب کی قیمت مع ڈاک خرچ بذریعہ منی آرڈر ارسال کریں یا خط لکھ کر بذریعہ وی پی طلب کریں۔
بیرون ملک وی پی روانہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے قیمت و ڈاک خرچ بذریعہ بینک ڈرافٹ ارسال کریں۔
ڈاک خرچ ——— (بیرون ملک) سعودی عرب، کویت، مشرق وسطیٰ ۲۰ روپے فی کتاب
یورپ ۳۰ روپے فی کتاب ——— امریکہ، آسٹریلیا ۶۰ روپے فی کتاب
ڈرافٹ پر نام اس طرح لکھوائیں: مکتبہ نفسیات، اکاؤنٹ نمبر ۶۸۸ حبیب بینک مینسفیلڈ اسٹریٹ کراچی
مکتبہ نفسیات، پوسٹ بکس نمبر ۹۴۴، سعید مینشن بلمویا اسٹریٹ آئی آئی چندریگر روڈ کراچی 74200